فتاویٰ مفتی محمود

جلد اول

فقیہ ملت مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان۔

متصل مسجد پائلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ لاہور۔ فون : ۰۴۲_۵۴۲_۹۰۱_۲

انتساب

والد محترم

فخر العلماء

حضرت مولانا مہابت خان

کے نام

تحقیق وتخریج

زیر سرپرستی

حضرت مفتی روزی خان دام مجدہ (دارالافتاء ربانیہ کوئٹہ)

مرتبین

مولانا نعیم الدین مدظلہم (استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ، لاہور)

مولانا عبدالرحمٰن (خطیب جامع مسجد عالی موڑ حسن آباد، لاہور)

حافظ محمد ریاض درانی (خطیب جامع مسجد پائلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ، لاہور)

تصحیح

مولانا محمد عارف (استاذ جامعہ مدنیہ، لاہور)

فہرست

عرضِ ناشر

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ (۱۹۱۹ء-۱۹۸۰ء) اپنی گوناگوں خصوصیات و امتیازات کی بنا پر اپنے زمانے کی ان عبقری شخصیات میں سے ہیں جن کی دینی، مذہبی، ملی، ملکی اور سیاسی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ہر میدان میں وہ مقام پیدا فرمالیا تھا جس کے موافق و مخالف سب معترف تھے۔ آپ نے جہاں دین متین کی دیگر خدمات انجام دیں، وہیں آپ کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ پچیس سال مسلسل ملک کے معروف ادارے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں صدر مفتی کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔

اس دور میں آپ کے پاس جتنے بھی ایسے مسائل آئے جو بظاہر مغلق، پیچیدہ اور مشکل تھے آپ نے ان مسائل کو اپنی خداداد فقہی مہارت و بصیرت سے حل فرمایا۔ ان پچیس سالہ دور افتاء میں آپ نے مختلف مسائل سے متعلق تقریباً پچیس ہزار فتاویٰ جاری فرمائے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان نایاب و دقیق فتویٰ جات کو کئی سال پہلے شائع کر دیا جاتا تاکہ علماء اور عوام کماحقہ مستفید ہوتے۔ ہماری خوش بختی ہے کہ اللہ پاک نے ان فتاویٰ کی اشاعت کے لیے ہمیں منتخب فرمایا۔ شاید اس لیے کہ ہمارے والد محترم (مولانا امانت خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو روحانی اور قلبی تعلق حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے تھا اور اس تعلق سے ہمارا پورا گھرانہ فیضیاب ہوا اس تعلق کو اللہ پاک کی بارگاہ میں قبولیت نصیب ہوئی۔

ہم قائد جمعیت مولانا فضل الرحمن صاحب دامت برکاتہم کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے قاسم العلوم ملتان کی فائلوں سے ان قیمتی فتاویٰ کی فوٹو کاپیاں حاصل کر کے جمعیت پبلیکیشنز کے حوالے کیں اور ساتھ ہی اس سارے کام کی نگرانی کے لیے ہمارے محترم مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہ استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کو مقرر فرمایا جن کے تحقیقی مشوروں اور رہنمائی میں مولانا احمد الرحمن صاحب خطیب مدنی مسجد لاہور اور مولانا نعیم اللہ صاحب جو ہر آباد نے ترتیب دی۔ یہ کام انتہائی محنت اور جانفشانی سے سرانجام دیا۔ ہم ان حضرات کے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ فتاویٰ کی تخریج کے لیے حضرت مولانا محمد عرفان صاحب استاذ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور نے انتہائی شوق اور ولولے کا مظاہرہ کیا ہے یہ ان کی علم دوستی کی دلیل

ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ فتاویٰ کی پہلی جلد کی بدولت تیاری میں مولانا موصوف کا بنیادی کردار ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک مولانا کے عمر و عمل میں برکت عطا کرے۔ ہم محترم مولانا خالد سلیم اور عزیزم رشید احمد صدیقی کے بھی ممنون ہیں جن کے تجربے سے کمپوزنگ کے مشکل مراحل طے کیے جا سکے۔

زیر دست فتاویٰ کی پہلی جلد حاضر خدمت ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ فتاویٰ جات کی اشاعت میں بعینہٖ تجلی کی سابقہ روایت کو برقرار رکھا جائے۔ ہم اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ پڑھنے والے ہی فرمائیں گے۔ اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں اغلاط کا امکان موجود ہے۔ اگر ناظرین ان غلطیوں کی نشاندہی فرما دیں گے تو یہ ہم پر احسان ہوگا تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ کیا جا سکے۔

آخر میں ہم برادر مکرم مفتی محمد جمیل خان صاحب (کراچی) کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کی ذاتی کوشش سے یہ علمی ذخیرہ زیور طباعت سے آراستہ ہو سکا۔ مفتی محمد جمیل خان صاحب کو حضرت مفتی صاحب سے جو بھی تعلق تھا اس کا اندازہ فتاویٰ کی اس جلد میں شامل مقدمہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک اس کام میں تعاون کرنے والے تمام حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

محتاج دعا

محمد ریاض درانی

مسجد و جامعہ بانی سکول وحدت روڈ لاہور

جولائی ۲۰۰۱ء

نقشِ ثانی

حضرت مولانا مفتی محمود ہمارے عہد کے بالغ نظر فقیہ و محدث تھے۔ انھوں نے تمام عمر فقہ و حدیث کی خدمت میں بسر کی۔ ان کی سیاسی سرگرمیاں بھی اسلامی علوم کی تعلیمات کے فروغ اور نفاذ کے لیے تھیں۔ آپ فقہی جزئیات پر گہری نظر رکھتے تھے اور اس کے مراجع و مناہج کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ آپ میں وہ تحمل، تدبر، بالغ نظری، وسیع الظرفی اور دردمندی و دلسوزی تھی جو ایک فقیہ اور مفتی کے لیے لازمی ہے۔ مفتی صاحب نے ایک عرصہ تک قاسم العلوم ملتان کے دارالحدیث اور دارالافتاء کو رونق بخشی۔ وہ جب دنیا سے گئے تو تلامذہ کے علاوہ امالی اور فتاویٰ کا ایک ذخیرہ یادگار چھوڑا۔

ہم نے اللہ تعالیٰ کی استعانت کے بھروسے پر مفتی صاحب کے آثارِ علمیہ کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا تاکہ یہ آثار بھی آنے والی نسلوں کے لیے بھی مفید ہو سکیں۔ ابتداءً ہم نے ان کے فتاویٰ کی ترتیب و اشاعت سے کام کا آغاز کیا۔ پہلی جلد کو بہت پذیرائی ہوئی اور قارئین کے وسیع حلقے نے اس خزانۂ علمی سے استفادہ کیا۔ انھوں نے ہمیں بہت حوصلہ دیا اور ہماری ہمت افزائی کی جس کے نتیجے میں ہم نے اس گنجینہ کو دفینہ بننے کی بجائے سفینہ بنا دیا۔ اس کام میں بہت سے احباب کی علمی محنت اور توجہ شاملِ حال رہی۔ خصوصاً برادرِ مکرم حضرت مفتی محمد جمیل خان شہید کی توجہ اور محنت ہمارے بہت کام آئی۔ انھوں نے اس جلد کی دوسری اشاعت کے وقت پوری جلد کو عنوانات سے مزین کیا۔ اس تمام سفر میں امیرِ محترم حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب زید مجدہم کی محبت اور توجہ بھی ہمارے شاملِ حال رہی۔ انھوں نے نہ صرف فراخ دلی سے ہمیں اشاعت کی اجازت دی بلکہ فتاویٰ مفتی محمود اور تفسیر محمود کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کے تمام علمی جواہر پاروں کو گورنمنٹ آف پاکستان کے کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کروانے کے سلسلہ میں بھی مسلسل سرپرستی فرمائی۔ نتیجتاً اس سلسلے کی گیارہ جلدیں بحسن و خوبی شائع ہو چکی ہیں اور تمام کی تمام گورنمنٹ آف پاکستان کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں۔ توقع ہے کہ مزید چار جلدیں بھی جلد شائع ہو جائیں گی۔

اس ذخیرۂ علمی کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لیے حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید کی خواہش پر

عرضِ ناشر

تخریج کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ تاکہ مزید تحقیق کو آسان بنایا جا سکے۔ حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحب کی خصوصی ہدایت پر ان کے تلمیذ خاص حضرت مولانا مفتی روزی خان صاحب مدظلہم باسعد ربانی کوئٹہ نے اس علمی کام کا آغاز کیا۔ آپ صاحب تحریر ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیقی مزاج کے حامل ہیں۔ آپ نے بہت محنت سے یہ کام سر انجام دیا جو ہر حال میں کارنامہ کہلانے کا مستحق ہے۔ مولانا کے اس محسنانہ کی بدولت اب فتاوی مفتی محمود زیادہ مفید اور نافع ہو گیا ہے۔

ابتدائی اشاعتوں میں بعض جگہوں پر مستفتین کے نام رہ گئے تھے۔ اس اشاعت میں ان ناموں کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ ان سب امور کی وجہ سے کتاب کا حجم کافی بڑھ گیا لیکن افادیت دو چند ہو گئی ہے۔

ہم اس نئی جدید اشاعت پر رب العالمین کے حضور سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں۔ اس کام کے سلسلے میں مولانا محمد ذوالکفل صاحب استاذ جامعہ مدنیہ جدید، حضرت مفتی رشید احمد لطلوی خطیب جامع مسجد نقشبندیہ کی رفاقت اور محنت ہمارے شامل حال رہی۔ ہم ان کے لیے دعا گو ہیں۔ اللہ رب العالمین ان کی محنت کو قبول فرمائے۔ نیز دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلۂ علمی کو قارئین کے لیے مزید نافع بنائے۔

والسلام

محمد ریاض درانی

مدیر جمعیۃ پبلیکیشنز، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم

محدث العصر جانشین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ کی زبانی اکثر و بیشتر حلاوت آمیز یہ جملے بار بار کانوں کی سماعت سے ٹکرا کر عقیدت و محبت میں اضافے کا باعث بنے کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی محمود (رحمہ اللہ) کو بلا کی ذہانت، غیر معمولی حافظہ اور بے مثال قوت و ذکاوت اور سمجھ بوجھ عطا فرمائی ہے۔ وسعت مطالعہ کے بے مثال فرماتے کہ اس شخص کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ شامی جیسی عظیم ترین فقہی کتاب کا بالاستیعاب دو مرتبہ مطالعہ کیا ہے اور میرے خیال میں شامی کا ایک ایک جزئیہ ان کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ بارہا حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ مفتی صاحب سے فرمایا کرتے تھے کہ ''آپ کیوں اپنے آپ کو سیاست کے خار دار میدان میں ضائع کر رہے ہیں''۔ مجھے حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی شرف زیارت کی سعادت حاصل ہوئی تو واقعی اس سے بھی بڑھ کر پایا اور ہر ملاقات میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کے بیان کردہ تاثرات میں اضافہ محسوس ہوا۔

بارہا اکابر علماء کرام کی موجودگی میں حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کے علمی نکات اور استحضار کی کیفیت دیکھ کر اکابر علماء کی نظروں میں جو خراج تحسین دیکھا اور محبت و شفقت کے جذبات محسوس کیے اس کی وجہ سے مفتی محمود رحمہ اللہ کی علمی حیثیت مزید اجاگر ہوتی چلی گئی۔ اب تک بغیر دلیل کے گفتگو کرتے ہوئے مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کو نہیں دیکھا گیا۔ واقعی وہ دلیل کے بادشاہ تھے۔ قرآن و حدیث اور فقہ تینوں علوم میں عظیم مہارت آپ کے علمی مرتبہ کی روشن دلیل ہے۔ درس حدیث کے ساتھ فتاویٰ کی مشغولیت ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن مفتی محمود رحمہ اللہ نے جس حسن انداز سے ان دونوں منصبوں کو نبھایا اس نے علماء کرام کے قلوب میں آپ کی علمیت کی دھاک بٹھا دی اور رب کائنات کے حسن معاملہ کا اندازہ فرمائیں کہ جس فن کی بلندی کے لیے مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ نے زندگی کھپا دی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلانے کا فیصلہ فرمایا تو اسی موضوع پر گفتگو کرتے

ہوئے جامعہ بنوری ٹاؤن میں مولانا مفتی احمد الرحمن، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا محمد طاسین، مولانا محمد بنوری، مفتی محمد جمیل خان، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی سے زکوٰۃ سے متعلق فقہی انداز سے مدلل گفتگو فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا پسند آئی اور اسی میں اپنی زیارت ولقاء کے لیے بلا لیا اور زندگی کا مشغلہ قیامت تک اسی طرح جاری رہنے کا بندوبست فرما دیا۔

مولانا فضل الرحمن صاحب سے بارہا گفتگو ہوئی کہ مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ کو منظر عام پر لا کر امت کو ایک عظیم علمی ذخیرہ سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ ہر دفعہ وہ جلد اشاعت کی نوید سناتے رہتے تھے آج انتہائی مسرت وخوشی کے جذبات کے اظہار کے لیے یہ چند سطور قلم برداشتہ صفحہ قرطاس پر منتقل ہوگئیں کہ پہلی جلد تیار ہوگئی ہے اور اگلی جلدوں پر کام جاری ہے۔ اس خبر سے جہاں حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی روح کو طمانیت حاصل ہوگی، حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب رحمہ اللہ، مفتی احمد الرحمن صاحب رحمہ اللہ اور شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی ارواح طیبہ بھی مسرت وانبساط کی کیفیت سے محظوظ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو بہترین بدلہ عطا فرمائے جنہوں نے مفتی محمود رحمہ اللہ کے اس علمی ذخیرہ کو امت تک پہنچانے کے لیے کسی بھی انداز سے محنت کی۔ اللہ تعالیٰ اس سے امت کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
خادم حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ
رئیس جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

غوث ہزاروی رحمہ اللہ، مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ جیسے اکابر نے آپ کو اپنا ہم پلہ قرار دے کر مسلک دیوبند کا وقار کرو دیا اور آپ کے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مستند فتاویٰ کی حیثیت حاصل کر گئے۔ جامعہ قاسم العلوم کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ آپ کا ایک ایک فتویٰ تحقیق و تدقیق کے میدان میں اپنی مثال آپ ہے اور آپ کے کسی فتویٰ پر معمولی سی بھی انگشت نہیں رکھی جا سکتی۔ بعض فتاویٰ ایک مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فتنہ انکار حدیث، مشترکہ ذبیحہ، حکومت کی جانب سے زکوٰۃ کی وصولی جیسے اہم موضوعات پر آپ کے فتاویٰ نے امت کو بہت بڑی گمراہی سے بچایا۔

ہزاروں کی تعداد میں یہ بکھرے ہوئے فتاویٰ اگرچہ تحریری شکل میں موجود تھے مگر امت کی نظروں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے اس بات کا شدت سے تقاضا کر رہے تھے کہ اس تحقیقی علمی خزانہ کو منظر عام پر لایا جائے۔ عزیزم مولوی محمد جمیل خان نے خوش خبری سنائی کہ مولانا فضل الرحمن کی ہدایت اور شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ کی خواہش پر عزیزم مولوی حافظ محمد ریاض درانی نے ان فتاویٰ کی پہلی جلد ترتیب دے کر کمپوزنگ کے مراحل سے گزاردی ہے میں اس کے لیے چند سطور لکھ دوں تاکہ اس کو شایان شان انداز میں شائع کر دیا جائے۔ اس بناء پر چند جملے لکھوا دیے اس امید کے ساتھ کہ اس صدقہ جاریہ میں میرا بھی حصہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ وہ عظیم خدمت ہے جس کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ ذات باری تعالیٰ سے امید ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے یہ فتاویٰ امت کے لیے بہت زیادہ نافع ہوں گے اور علماء کرام کو راہنمائی کے لیے بہت بڑا خزانہ اور حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ صاحب کے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم۔

شیخ الحدیث مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر
جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
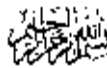
بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم

مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ صاحب اکابر علماء دیوبند کے سرخیل اور ہم سب کے بزرگ و محبوب رہنما تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو گوناگوں صفات سے نوازا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت زیادہ خیر کا کام لینا تھا اس لیے ان کو خصوصی طور پر تفقہ کے اونچے درجہ پر فائز فرمایا تھا۔ آپ کی زندگی پوری کی پوری اشاعت علوم دینیہ اور تحقیق مسائل دینیہ سے عبارت تھی۔ زندگی بھر آپ درس و تدریس میں مشغول رہے اور مسند حدیث کو رونق بخشنے کے ساتھ ساتھ فقہ کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھاتے رہے۔ قاسم العلوم کی نصف زندگی میں آپ سے جہاں ہزاروں تشنگان علوم دینیہ سیراب ہوئے وہیں لاکھوں افراد نے مسائل کے ذریعہ سے رہنمائی حاصل کی۔ فیض قدرت سے آپ کو ایسی ذہانت عطا ہوئی تھی کہ پیچیدہ سے پیچیدہ اور مشکل سے مشکل مسئلہ کو منٹوں میں حل فرما دیتے تھے۔ وسعت مطالعہ کے ساتھ دقت نظر اور مصالح امت پر گہری نگاہ کی وجہ سے آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ "الدین یسر" کی روشن مثال ہوتے تھے۔ مسلک حقہ دیوبند کے مسلک اعتدال کو پیش نظر رکھتے ہوئے تفقہ فی الدین کی پختگی آپ کی اسلاف کے ساتھ گہری محبت و عقیدت کی بھی دلیل اور خود رائی اور تجدد پسندی سے کنارہ کشی کا ثبوت تھی۔ عامۃ المسلمین کے مسائل کے سلسلے میں رخصت کو پہلو اور اہل علم کے لیے عزیمت کے پہلو کا اختیار احتیاط و سنت کی اہمیت کو نمایاں کرتا نظر آتا تھا۔ بایں ہمہ اکابر علماء کرام کی طرح تواضع و انکساری اور شہرت و نام و نمود سے دوری آپ کے تقویٰ و عبادت کا روشن ثبوت تھی۔

جامعہ قاسم العلوم کے رئیس مفتی کی حیثیت سے آپ نے جو محققانہ فتاویٰ جاری کیے وہ ایک علمی خزانہ ہے جس سے امت مسلمہ رہتی دنیا تک استفادہ کرتی رہے گی۔ علماء کرام اس سے خوشہ چینی کر کے امت کی رہنمائی کا

پیش لفظ

از قائد جمعیت ابن محمود حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

نحمدہ ونصلی و نسلم علی رسولہ الکریم: اما بعد

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری اور مکمل ترین دین ہے جو زمین پر اس لیے آیا ہے کہ پوری کائنات کو اس خدائی نظام پر چلائے جو انسانوں کو فضل و کمال، شرف و کرامت، یک جہتی، یگانگت اور اخوت و محبت کی لازوال دولت سے مالا مال کر دے اور اس کے ساتھ ہی انسان انسانیت اور اس کے تقاضوں سے ایک لمحہ کے لیے بھی الگ تھلگ نہ ہونے پائے جو اس کا سب سے نمایاں طرۂ امتیاز ہے۔

خداوند عالم نے اس عظیم الشان "نظام حیات" کی بقاء کے لیے قرآن پاک جیسی مقدس کتاب نازل فرمائی اور قیامت تک کے لیے اس کی حفاظت کا اعلان فرمایا۔ پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پاکباز و برگزیدہ رسول اور معصوم معلم کائنات بنا کر مبعوث فرمایا اور ختم نبوت کے تاج سے سرفراز کیا تاکہ پورے اطمینان کے ساتھ آپ کی تعلیم و تبیین، تزکیہ، تطہیر اور آپ کے پیش کردہ روشن راہ پر ایمان لایا جائے اور اپنی زندگی کا محور و مرکز بنا لیا جائے اور اس طرح انسان اس منزل مقصود تک پہنچ جائے جو اس کی تخلیق کا منشاء و مقصد ہے۔

عہد صحابہ تک یہ نظام فکر و نظر سے بڑھ کر عمل اور ہر حرکت و سکون میں جاری و ساری رہا۔ آفتاب نبوت گو روپوش ہو چکا تھا مگر اس کی کرنوں سے سینے اسی طرح منور تھے، جمال نبوی گو آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا لیکن جاں بہائے دیدار نبوی نے جو نقشہ پیدا کر دیا تھا اس میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال کے چلتے پھرتے نمونے تھے ان کی کوئی ادا اسوۂ نبوی کے خلاف نہیں تھی۔ مگر جس قدر انسان ترقی کرتا گیا اس کی ضرورتیں بڑھتی اور پھیلتی گئیں، پھر اسلامی حکومتوں کی بڑھتی ہوئی حدود نے نئے نئے مسائل لا کھڑے کیے اور مزاجوں میں بڑی تیزی سے انقلاب آ چکا تھا جو رات دن پھیلتا جا رہا تھا، سوز و گداز، سادہ دلی و سادہ زندگی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاص شیوہ تھا ختم ہوتا جا رہا

تاریخ فتاویٰ:

فتاویٰ کی تاریخ بہت قدیم اور اس کی نسبت بہت اونچی ہے اس لیے کہ کوئی بھی مسلمان ہو خواہ وہ ولی ہو قطب ہو، محدث ہو، مفسر ہو، مورخ ہو غرض جو بھی ہو وہ اپنی معلومات میں مفتی کا محتاج ہے بغیر اس کی کدوکاوش اور تحقیق وجواب کے مسئلہ کا حل آسان نہیں ہے کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ انہیں اپنی زندگی میں کسی مرحلہ پر کوئی ایسا سوال سامنے نہیں آیا جس میں خود فتاویٰ کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں پڑی۔

مفتیان کرام کی جماعت جن کو فقہ سے مناسبت تام ہوتی ہے ہر زمانہ میں پائی گئی اور عوام وخواص ہر ایک کا اس جماعت کی طرف رجوع رہا اور یہ جماعت اپنے علمی رسوخ، خداداد صلاحیت اور مخصوص فہم کی وجہ سے اس کام میں ممتاز اور نمایاں رہی اور اسے رات دن اسی کام کے ساتھ اشتغال رہا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ علماء کرام کے دو طبقے مخصوص طور پر دین کی خدمت میں نمایاں اور پیش پیش رہے ہیں ایک محدثین کا جن کا مشغلہ احادیث نبوی کی حفاظت وصیانت رہا۔ دوسرا طبقہ فقہائے امت کا جنہوں نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ سے مسائل واحکام کا استنباط کیا۔ مفتیان کرام کا تعلق اسی دوسرے طبقہ سے ہے اور اس امت کے سب سے پہلے مفتی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اور یہ دولت آپ تک اللہ رب العزت کی طرف سے پہنچی۔ قرآن پاک میں "افتاء" کا لفظ خود رب العالمین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ ﴾ (النساء: ۱۲۷)

"لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں اور وہ آیات بھی جو تم کو قرآن کے اندر پڑھ کر سنائی جاتی ہیں"۔

ملاحظہ فرمائیے اس آیت کریمہ میں "افتاء" کی نسبت خود اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے جس سے اس منصب کی عظمت وجلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس عظیم منصب پر سب سے پہلے اس امت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے۔ صحابہ کرام اور دوسرے لوگ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے اور اپنے پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں حکم دریافت کرتے اور آپ ان سب کو جواب عنایت فرماتے، ان جوابات وسوالات کا بڑا ذخیرہ آج بھی کتب حدیث میں محفوظ ہے۔ بہت سے علماء نے اس حصہ کو علیحدہ بھی جمع کرنے کی سعی کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس عظیم الشان منصب پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فائز ہوئے۔ صحابہ کرام ہی

فہم وفراست اور ذہانت وذکاوت میں مختلف تھے ان میں جو صاحب فتویٰ تھے ان کی تعداد کے متعلق علامہ ابن
قیم جوزی کا بیان ہے کہ وہ ایک سو تیس سے کچھ زائد ہیں جن میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں۔ ان حضرات
میں سے سات بزرگ ایسے ہیں جن کے فتاویٰ کتب حدیث میں بکثرت منقول ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اگر ان تمام
حضرات کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ کی تعداد اتنی ہوگی کہ اس کی کئی ضخیم جلدیں تیار
ہو جائیں ان سات حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، ام
المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم

ثم قام بالفتوى بعده برك الاسلام، وعصابة الايمان، وعسكر القرآن، وجند الرحمن اولئك اصحابه صلى الله عليه وسلم الين الامة قلوبا واعمقها علما واقلها تكلفا واحسنها بيانا واصدقها ايمانا واعمها نصيحة واقربها الى الله وسيلة وكانوا بين مكثر منها ومقل ومتوسط، والذين حفظت عنهم الفتوى من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة ونيف وثلاثون نفسا ما بين رجل وامرأة وكان المكثرون منهم سبعة عمر بن الخطاب وعلي بن ابي طالب وعبدالله بن مسعود وعائشة ام المومنين وزيد بن ثابت وعبدالله بن عباس وعبدالله بن عمر رضي الله عنهم

ترجمہ: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتویٰ کا کام انہوں نے سنبھالا جو دین اسلام کے آغاز، ایمان کی جماعت، قرآن کا لشکر، رحمن کے سپاہی تھے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے جو امت میں سب سے زیادہ نرم دل، سب سے زیادہ عمیق اور گہرے علم والے، سب سے کم تکلف والے اور حسن بیان میں سب سے بڑھ کر تھے وہ ایمان میں سب سے زیادہ سچے، خیر خواہی میں سب سے آگے، اور وسیلہ میں اللہ کے سب سے قریب تر تھے۔ ان میں کثرت سے فتویٰ دینے والے بھی تھے بہت کم فتویٰ دینے والے بھی تھے اور متوسط درجے کے بھی تھے۔ صحابہ کرام میں سے جن حضرات کے فتاویٰ محفوظ رہے وہ ایک سو تیس سے کچھ اوپر ہیں جن میں مرد وزن شامل ہیں پھر ان ایک سو تیس افراد میں سے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شمار مکثرین میں کیا گیا ہے وہ سات افراد یہ ہیں، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بعد تابعین اور تابعین کے بعد تبع تابعین پھر بعد کے علماء وفقہاء نے

اس سلسلہ کو جاری رکھا اور یہ سلسلہ کسی منزل پر پہنچ کر رکا نہیں بلکہ اب تک مسلسل چلا جا رہا ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت یونہی جاری رہے گا"۔ مذکورہ تحریر سے جہاں افتاء کی تاریخ معلوم ہوئی وہیں اس کی اہمیت اور عظمت کا بھی پتہ چلا۔

افتاء جہاں وقت کی ایک اہم ضرورت ہے وہیں یہ ایک اہم ذمہ داری اور انتہائی نازک کام بھی ہے یہی وجہ ہے کہ سلف اس ذمہ داری کے قبول کرنے سے بچتے تھے اور جن کو وہ علم و عمل میں اپنے سے فزوں تر سمجھتے تھے ان کے سر یہ ذمہ داری ڈالتے تھے۔ اس میں بھی ان کی یہ حالت تھی کہ اگر مسئلہ کی صحیح صورت معلوم ہوتی تو بلا تکلف بتا دیتے اور اگر معلوم نہ ہوتی تو صفائی سے کہہ دیتے کہ ہمیں یہ مسئلہ معلوم نہیں کسی اور سے پوچھ لیا جائے۔ یہ حضرات فتویٰ دینے میں کسی قسم کی کھینچ تان، تکلف و تصنع کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یایھا الناس من علم شیئا فلیقل بہ ومن لم یعلم فلیقل اللہ اعلم فان من العلم ان تقول لما لاتعلم اللہ اعلم، قال اللہ تعالیٰ لنبیہ قل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین۔

"لوگو! سنو، جو شخص کسی چیز کا علم رکھتا ہو اسے چاہیے کہ بیان کرے اور جسے علم نہ ہو اسے کہہ دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں، کیونکہ یہ بھی علم ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ آپ کہہ دیں میں تم سے اس پر کسی قسم کی اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے:

"ان کل من افتی الناس فی کل ما یسئلونہ عنہ لمجنون"[1] "جو شخص لوگوں کے تمام سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار بیٹھا رہے وہ پاگل ہے"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ" (۲) "جسے بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا (اور اس نے اس پر عمل کر لیا تو) اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا"۔

۱- اعلام الموقعین ج ۲ ص ۱۲۳ ۲- ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹ کتاب العلم

منصب افتاء کے نازک اور حساس ہونے کی بناء پر علماء امت نے "مفتی" کے لیے بہت سی شرائط اور آداب ذکر فرمائے ہیں جن کا مفتی میں پایا جانا ضروری ہے مثلاً یہ کہ "مفتی" علم و فہم سے آراستہ ہو، مسائل پر اور قواعد فقہیہ کو جانتا ہو، ماہر اساتذہ کا تربیت یافتہ ہو، بلند کردار اور عفت کا حامل ہو، بردباری اور نرم خوئی سے کام لیتا ہو، دور اندیش اور بیدار مغز ہو، زمانے کے عرف و عادت سے واقف ہو، فتویٰ دیتے وقت غور و فکر سے کام لے اور دل میں خوف خدا ہو وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر زمانہ میں ایسے مفتی حضرات پیدا ہوتے رہے اور ان شاء اللہ تا قیامت پیدا ہوتے رہیں گے۔

علماء اہل سنت علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم کو اللہ تعالیٰ نے کئی گونا گوں خصوصیات و امتیازات کے ساتھ ساتھ اس خوبی سے بھی نوازا ہے کہ ان میں مذکورہ صفات کے حامل مفتیان کرام ایک دو نہیں سینکڑوں کی تعداد میں ہوئے اور ایسے ہوئے کہ ایک جہان میں ان کا فتویٰ چلتا تھا اور کوئی اسے چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔ ان قدسی صفات مفتیان کرام میں سے ایک ایک مفتی نے اس قدر فتاویٰ جاری کیے کہ آج ہمارے سامنے ان کے فتاویٰ کی کئی کئی ضخیم جلدوں میں موجود ہیں جن سے امت مسلمہ رہنمائی حاصل کر رہی ہے۔

مفتیان کرام کے اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی میرے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰ء) تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ اپنے دور کے بہترین فقیہ اور مفتی تھے۔ ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۷۷ء تک کے دور افتاء میں آپ نے تقریباً پچیس ہزار فتاویٰ جاری فرمائے جو متنوع موضوعات و مسائل سے متعلق تھے۔ آپ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے حدیث و فقہ میں مہارت کے ساتھ ساتھ سیاسی بصیرت بھی عطا فرمائی تھی اس بنا پر آپ کے فتاویٰ نہایت مدلل، معتدل اور متوازن ہوتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ جہت صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا تھا۔ ان صلاحیتوں کا ادراک مجھ جیسے صلاحیتوں سے محروم کے لیے ممکن بھی نہیں۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ضلع میانوالی کی بستی عیسیٰ خیل سے درس و تدریس کا آغاز کیا تھا اور چند سال بعد حضرت کے شیخ اور مربی حضرت سید عبدالعزیز صاحب نوراللہ مرقدہ کی دعوت پر [illegible] خیل ضلع لکی مروت تشریف لائے اور وہاں مدرسہ عزیزیہ میں تدریس کی خدمت سرانجام دینا شروع کیں۔ تدریس کا ملکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ودیعت فرمایا تھا کہ علمی دنیا میں نہایت مختصر مدت میں آپ کی تدریسی قابلیت کی شہرت عام ہو گئی اور دور دور سے تشنگان علم اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے کو آنے لگے۔ لیکن فقر و قناعت اس مدرسہ کا سرمایہ تھا اور ظاہری وسائل محدود تھے۔ طلبہ کی اتنی بڑی تعداد کے لیے اخراجات کا تحمل اہل علاقہ کے لیے ممکن نہ رہا۔ اسی اثناء میں اہل عبد خیل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان نے مفتی صاحب کو [illegible] کی امامت

اور وہاں تعلیم و تدریس کی خدمت سرانجام دینے کے لیے دعوت دی جو حضرت نے قبول فرمائی۔ لیکن وہاں بھی طلبہ کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ حضرت مفتی صاحب خود فرماتے ہیں کہ میں سحری سے درس شروع کرتا اور مغرب تک تقریباً ۲۵ کتب پڑھاتا تھا اور وہ بھی چھوٹے رسائل نہیں بلکہ بڑی حد والی کتابیں اور اس طرح علمی ماحول میں بھرپور استفادہ حاصل ہونے کے بعد مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی طرف سے دعوت ملی۔ گاؤں کے لوگوں نے منع کیا اور فرمایا کہ اگر آپ حضرات اجازت دیں تو میں یہ فائدہ کہیں زیادہ قاسم العلوم ملتان میں لوگوں تک پہنچا سکتا ہوں۔ لوگوں نے بخوشی اجازت دے دی اور مفتی صاحب قاسم العلوم تشریف لے آئے۔ چنانچہ گاؤں میں مسجد کی امامت اور بچوں کی تعلیم کے لیے چھوٹے بھائی اور دوسرے چچا جان حضرت خلیفہ محمد صاحب کو مقرر کر دیا اور زندگی بھر مدرسہ قاسم العلوم کے ساتھ وابستہ رہے۔

مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں بہت جلد مفتی صاحب نے بڑے استاد کا مقام حاصل فرمایا بلکہ قاسم العلوم کو ایک ملکی شہرت کا حامل مدرسہ بنا دیا جس نے بعد میں جامعہ کی حیثیت حاصل کر لی۔

قاسم العلوم ملتان میں افتاء کا کام حضرت مفتی صاحب کے سپرد کیا گیا۔ دارالافتاء میں حضرت مفتی صاحب کی معاونت کے بعد دیگرے حضرت مولانا سید عبدالرحمن صاحب ایڈیشنل، حضرت مولانا مفتی محمد جان صاحب پیوند، حضرت مفتی عبداللطیف صاحب عبدالحکیم اور حضرت مولانا مفتی محمد صاحب نے کی۔ اس باب میں ایک بڑا نام حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب کا ہے جو جامعہ خیرالمدارس ملتان اور قاسم العلوم دونوں میں حدیث کے استاد تھے اور باقاعدہ طور پر خیرالمدارس کے مفتی تھے لیکن قاسم العلوم میں حضرت مفتی صاحب مرحوم کے ساتھ افتاء کے کام میں بھرپور معاونت فرماتے تھے۔ چنانچہ فتاویٰ کے اس ذخیرہ میں جن حضرات کے دستخطوں سے جو فتاویٰ بھی جاری کیے جاتے تھے ان کو حضرت مفتی صاحب کی بھرپور تائید حاصل رہی ہے۔

آپ کے تیس سالہ دور افتاء کے انتہائی تحقیقی فتاویٰ مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی فائلوں میں موجود تھے۔ ناچیز کی عرصے سے خواہش تھی کہ یہ نادر فتاویٰ کسی طرح مرتب ہو کر شائع ہو جائیں تاکہ علماء و عوام ان سے استفادہ کر سکیں لیکن احقر اپنی مصروفیات کی بناء پر یہ کام خود نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا نعیم صاحب مدظلہ العالی کو جنہوں نے محنت و جانفشانی سے ان فتاویٰ کی ترتیب و تدوین میں اپنی مساعی صرف کیں۔ یہ ان کی حضرت مفتی صاحب سے بھرپور عقیدت کا اظہار ہے اور برادر مکرم جناب مولانا حافظ محمد ریاض درانی صاحب نے اس کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری لی۔ توقع ہے کہ یہ فتاویٰ تقریباً چھ جلدوں میں شائع ہوں گے۔ فتاویٰ کی پہلی جلد "فتاویٰ مفتی محمود" کے نام سے قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس جلد میں درج ذیل ابواب سے متعلق فتاویٰ جات کو اکٹھا کیا گیا ہے:

(۱) کتاب العقائد (۲) کتاب الطہارت (۳) کتاب المساجد (۴) کتاب الاذان
(۵) مواقیت الصلوٰۃ۔

یہاں یہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ ان فتاویٰ جات میں بہت سے فتاویٰ پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام کے بجائے دیگر مفتیان کرام کے نام درج ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت والد صاحب اپنی انتہائی مصروفیات کی بناء پر جب خود فتویٰ نویسی کی فرصت نہ پاتے تو معین مفتی کے سپرد فرما دیتے۔ معین مفتی حضرت مفتی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق فتویٰ تحریر کرتے اور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی یا تحریری تصدیق کے بعد اسے جاری کرتے۔ اس لحاظ سے یہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے فتاویٰ ہوئے۔

آخر میں میں ان تمام حضرات کا عموماً اور عزیزم محمد ریاض درانی صاحب کا خصوصاً شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس اہم علمی و دینی کام میں میری معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول و منظور فرما کر تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(مولانا) فضل الرحمٰن

امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

مقدمہ

از حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید رحمہ اللہ

بعثت نبویہ کے مقاصد اربعہ:

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت آخری نبی کی حیثیت سے ہوئی اس لیے آپ کو جو دین عطا ہوا وہ آخری دین ہے اور آپ کو جو کتاب عطا ہوئی وہ بھی آخری کتاب ہے۔ چونکہ آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ قیامت تک ختم ہو گیا اس لیے آپ کے دین کی تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حاصل کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے علماء امت طبقہ بہ طبقہ حاصل کرتے رہے۔ اس طرح یہ دین نہ صرف اب تک محفوظ چلا آ رہا ہے بلکہ اس کی توضیح و تشریح بھی علماء امت کر رہے ہیں اور کسی بھی دور میں علماء کرام نے دین کی تشریح و توضیح کے سلسلے کو منجمد ہونے نہیں دیا۔ قرآن کریم، احادیث نبویہ کی حفاظت کے ساتھ وہ تمام علوم جو اس دین کی تفہیم اور تفسیر و تشریح کے لیے ضروری تھے نہ صرف وہ ایجاد کیے بلکہ ان تمام علوم و معارف میں مختلف افراد نے مہارت تامہ حاصل کر کے ان علوم کے قواعد و ضوابط تک مرتب کیے اور نسل در نسل ان علوم کے ماہرین کی تیاری کا ایک متواتر سلسلہ قائم کیا۔۔۔۔ ان علوم و معارف کے ساتھ قرآن و احادیث سے ہر دور کی ضرورت کے مطابق مسائل کے استنباط و استخراج اور ان کے معانی و مفاہیم کی تشریح و توضیح کے تعین کے لیے امت کے مختلف افراد نے اپنی زندگیاں وقف کیں اس سلسلے میں بھی مختلف علوم و فنون تیار کر کے ان کے ذریعہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے لاکھوں مسائل مستنبط کر کے امت مسلمہ کے لیے ایک بہترین لائحہ عمل اور دستور زندگی جو قرآنی حکم "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کا پرتو تھا پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دین قیامت تک نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہی راہ ہدایت ہے۔

قرآن کریم کے الفاظ کی ادائیگی کی حفاظت کرنے والے ان کا ملین قراء کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قراء اور حفاظ قرار دے کر ان کی فضیلت و اہمیت کے اظہار کے لیے احادیث نبویہ میں بے شمار انعامات کا تذکرہ کیا جس کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور اور اس کے بعد ہر دور میں ایک جماعت ہمیشہ اس خدمت کے لیے اپنی

زندگیوں کو وقف کرتی رہی ہے اور چونکہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا اس لیے قرآنی معجزہ کے اظہار کے لیے اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے امت کے بچوں کے سینوں میں محفوظ کرنے کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ جاری فرمایا جو قیامت تک جاری رہے گا۔ اس بنا پر مسلمان ہانگ دہل یہ اعلان کرسکتے ہیں کہ قرآن کریم کے کسی ایک نقطہ میں بھی رد و بدل نہیں کیا جا سکا اور نہ کیا جا سکے گا۔ قرآن کریم کے بعد احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت چونکہ سب سے اہم ترین معاملہ تھا اور اس پر قرآن کریم کی تشریح اور حضور کی شریعت اور آپ کا اسوۂ حسنہ پر مسلمانوں کے مستقبل کا دار و مدار تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سب سے زیادہ اس کی حفاظت کی سعی کی گئی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی تحصیل اور اس کی حفاظت کے لیے مقرر ہوئی جن کی تربیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت اہتمام سے فرماتے رہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد جن افراد نے ایک ایک حدیث اس کے راوی اس کے الفاظ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کیفیت میں بیان فرمایا اور آپ کا اس وقت مقصد کیا تھا اس ایک ایک ادا کو محفوظ فرمایا ان حضرات کو اصطلاح میں محدثین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے معانی اور مفاہیم سے امت کے جن افراد نے مسائل کا استنباط کیا ان کو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فقیہ یا دین کا فہم رکھنے والے یا صاحب حکمت سے تعبیر کیا گیا اور ان لوگوں کے قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں بہت زیادہ اوصاف بیان کیے گئے انہی حضرات پر دین کا مدار ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کرسکے یا اس کے مطابق زندگی کا لائحہ عمل طے کرسکے۔ لہٰذا اہل فہم و حکمت سے رہنمائی حاصل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

مقاصد انبیاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوق:

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ نے دین اسلام کی خدمات انجام دینے والے ان اصحاب علم و فضل، ارباب تقویٰ و طہارت اور اصحاب فہم و فراست کی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں بہت ہی حسن و خوبی سے بیان کیا ہے۔ محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی احادیث نبویہ کی خدمات کے ضمن میں ماہنامہ بینات کے حضرت بنوری نمبر کی خصوصی اشاعت میں اپنے مضمون کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت کو قرآن کریم میں مختلف سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ارشاد باری ہے:

"اے ہمارے پروردگار! بھیج ان میں ایک رسول ان ہی میں سے جو ان کے سامنے تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے، بلاشبہ تو غالب اور حکمت والا

ہے۔" (بقرہ: ۲۹)

سورۂ آل عمران میں اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کے احسان و امتنان کے ضمن میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا:

"اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان عظیم فرمایا کہ ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے واضح گمراہی میں مبتلا تھے۔" (آیت ۱۶۴)

سورۂ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کی تقدیس اور تسبیح کے بعد یوں ارشاد ہے:

"وہی ہے جس نے بھیجا امیین میں ایک رسول ان ہی میں سے جو ان کے سامنے اللہ کی آیت پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔" (آیت: ۲)

آیات بالا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت حسب ذیل معلوم ہوئے۔

(۱) تلاوت آیات (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفوس۔

حکمت سے مراد کیا ہے اس بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ راجح قول یہی ہے کہ اس سے مراد سنت یعنی حدیث نبویہ ہے، کیونکہ صحابہ و تابعین جن کی بصیرت قرآنی ہر زمانے میں سند و حجت رہی ہے، ان سب کی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد حدیث و سنت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس، حسن البصری، قتادہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت و حدیث ہی ہے۔ امام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب الرسالۃ میں اطاعت رسول اور سنت و حدیث کی حجیت پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے اسی سلسلہ میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے "الکتاب" کا ذکر کیا جس سے مراد قرآن کریم ہے اور "الحکمۃ" کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں میں نے قرآن کے ان علماء کرام سے جو میرے نزدیک پسندیدہ ہیں، یہ کہتے سنا کہ اس سے مراد سنت رسول اللہ ہے اور یہ اس لیے کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے اور اتباع رسول کو لوگوں پر حتمی قرار دیا ہے لہٰذا کسی امر کو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے بغیر فرض نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنے رسول پر بھی ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔" (ص ۷۸)

صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ ہدیٰ نے مندرجہ بالا مقاصد بعثت پر کام کیا اور العلماء ورثۃ الانبیاء کے مصداق بنے۔ حضرات قراء مقصد اول کے مظہر ہیں، جنہوں نے قرآن کی مختلف قراءتوں اور رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی تلاوت آیات کی تحقیق کیفیت بیان کرنا یا منضبط کیا۔ وہ سارے علما اور وہ سب کتابیں جو قرأت، تجوید اور رسم الخط قرآنی کے سلسلے میں لکھی گئیں، مقصد اول کی شرح اور ایضاح ہیں۔ ائمہ تفسیر اور مفسرین سلف مقصد دوم یعنی تعلیم کتاب کے ذیل میں داخل ہیں۔ اس سلسلے میں مفسرین کے طبقات اور تفسیر قرآن کی خدمت اور اس سلسلے کی تصانیف مقصد ثانی الذکر کی ترجمان ہیں۔ فقہاء محدثین مقصد ثالث کے مظہر اتم ہیں۔ محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت کی اور بسلسلہ حفاظت حدیث پچاس سے زیادہ علوم ایجاد اور تجویز کیے جن کی تفصیل اصول حدیث کی کتابوں میں ملتی ہے، پھر چونکہ احادیث رجال کے واسطے سے نقل ہوئی ہیں اس لیے جرح و تعدیل کے اصول وضع کیے گئے، روایوں کے طبقات مقرر کیے گئے اور ان کے سوانحی خاکے مرتب کیے گئے اور ایک لاکھ سے زیادہ اشخاص کی کوائف کا ایک ایسا ذخیرہ دنیا کے سامنے آیا جس کی نظیر ملنی مذاہب کی تاریخ میں محال ہے، مسلمانوں نے نہ صرف اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کی ایک ایک حرکت و سکون کو جمع کیا بلکہ حدیث و سنت رسول کی حفاظت کے واسطے سے ایک لاکھ سے اوپر اشخاص کو زندہ جاوید بنا دیا۔ آج کسی مذہب کے پاس نہ تو ان کی آسمانی کتاب محفوظ ہے اور نہ ان کے نبی و رسول کی زندگی، مسلمانوں کو یہ شرف و فخر حاصل ہے کہ ان کی آسمانی کتاب بھی محفوظ ہے اور ان کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نہ صرف ہر ورق بلکہ ایک ایک سطر محفوظ ہے۔

فقہاء کرام معانی حدیث کے محافظ ہیں اور اس کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، ان برگزیدہ نفوس نے اپنی زندگیاں صرف کر کے قرآن و حدیث سے استنباط احکام کا قابل فخر کارنامہ انجام دیا، جس سے آیات احکام اور حدیث کے معانی و مطالب محفوظ ہو گئے اور قرآن و حدیث کے معانی و مطالب کو ارباب ہوس (زنادقہ، باطنیہ اور تجدد پسند لوگوں) کے دست برد سے بچا لیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"فقہاء کرام حدیث کے معانی کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔" (کتاب الجنائز باب غسل المیت)

امت مسلمہ محدثین و فقہاء دونوں کے احسانات سے مرہون (ممنون و شکر گزار) ہیں۔ دونوں نے اپنے اپنے دائرے میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وجزاہم احسن الجزاء)

تزکیۂ نفوس کی نسبت کے حامل حضرات صوفیائے کرام ہیں، جنھوں نے اس نسبت احسانی کی پاسبانی کی اور قلوب کے تزکیہ و تصفیہ اور اصلاح امت و سیرت سازی کا گرانقدر کارنامہ سرانجام دیا، جس کی نظیر بھی ملنی مشکل ہے۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان کے درمیان مابہ الامتیاز:

مقاصد نبوت و بعثت پر مکرر نظر ڈالیے، مذکورہ بالا مقاصد نبوت کو تکمیل تک پہنچانا حزب اللہ (جماعت حق)

اور حزب الشیطان (جماعت باطلہ) کے درمیان مابہ الامتیاز بھی ہے، یعنی اگر کسی جماعت کی حقانیت معلوم کرنی ہو تو دیکھا جائے گا کہ اس جماعت کی تگ و دو محنت و کاوش کا میدان اگر یہی مقاصد ہیں اور ان کی تحقیقات قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، صوفیا کی تحقیقات کے خلاف نہیں ہیں تو یہ جماعت حق سمجھی جائے گی اور وہ اہل السنت والجماعت کا صحیح مصداق ہوگی۔ برخلاف اس کے کہ اگر کسی جماعت کی جدوجہد کا دائرہ کار یہ مقاصد نہیں اور نہ ان کی تحقیقات سلف صالح کی تحقیقات کے موافق ہیں تو وہ باوجود اپنے بلند بانگ دعاوی کے جماعت اہل حق نہیں سمجھی جائے گی، پھر اس معیار حق و باطل سے جس جماعت میں جس قدر انحراف ہوگا، اسی قدر زیغ وضلال اور کفر کے درجات منطبق ہوں گے۔

ان چاروں شعبوں کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک مسلم چلی آرہی ہے اور کسی فرد نے بھی ان کی افادیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا مگر ان شعبوں میں ترجیح کے سلسلے میں خود قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور صحابہ کرام کی خدمات کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تیسرا شعبہ تفقہ یعنی تفہیم دین اور مسائل کا استنباط سب سے اہم شعبہ ہے کیونکہ سب سے زیادہ اس شعبہ میں احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ تحریف و تبدیلی کی کوئی گنجائش نہ رہے کیونکہ عام طور پر تحریف کا دروازہ اسی راستے سے کھولا جاتا ہے اور امت کو گمراہی میں اسی طریقے سے ڈالا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کی ہر دور کی ضروریات دین بھی پوری ہوتی رہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور سے لے کر آج تک کا مشاہدہ یہی ہے کہ امت مسلمہ کی رہنمائی کا کام سب سے زیادہ اسی طبقہ کے علماء اور فقہاء کرام نے کیا اور مسلمانوں کو ہر دور میں گمراہی سے بچانے میں اس طبقہ کی سب سے زیادہ کوشش ہے۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو باطل کے سامنے جو طبقہ سینہ سپر ہو کر اس کا نہ صرف راستہ روکتا ہے بلکہ اس کو ناکام بناتا ہے وہ یہی طبقہ فقہاء کرام کا ہے۔

فقہ خیر کثیر ہے:

قرآن کریم کی آیت کے ذیل میں اس طبقہ کے افراد کو خیر کثیر کی عطا کی نوید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا

ترجمہ: ”جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔“

علماء تفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد اس جگہ فقاہت دین ہے۔

سورۂ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”پھر کیوں نہ چل پڑا ہر فرقے سے ایک گروہ ”دین“ میں سمجھ پیدا کرنے کے لیے تاکہ چوکنا کریں اپنی قوم کو وہ لوگ جب پلٹ کر آئیں ان کے پاس شاید کہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں (آیت:۱۲۲)

جس کو دنیا شاہکار خطبہ کے طور پر یاد کرتی ہے اور حقوق انسانی کے چارٹر کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ جو انسانیت کی برتری کے ساتھ اسلامی تعلیمات اور علوم نبویہ کا ایک عظیم خزانہ ہے اس کے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں پوری امت کو گواہ بنا کر پیغام خداوندی صحیح انداز میں پہنچانے کی تصدیق کرائی اور پھر اس تصدیق پر خدا تعالیٰ کی گواہی ثبت کرا کر امت مسلمہ پر قیامت تک حجت تمام کی وہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زائد خطبہ سننے والے صحابہ کرام کو تلقین کی کہ وہ اس خطبہ کے الفاظ غیر حاضر رہنے والے صحابہ کرام یا بعد میں آنے والے امت کے افراد تک پہنچا دیں کیونکہ ممکن ہے کہ غائب رہنے والے صحابہ کرام یا بعد میں آنے والے امت کے افراد خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں فقاہت اور سوجھ بوجھ کے حامل ہوں جو اس سے زیادہ استفادہ کر سکیں اور زیادہ بہتر انداز سے اس سے مسائل اخذ کر سکیں۔ ان تمام احادیث مبارکہ میں سوجھ بوجھ کے لیے جو الفاظ آئے ہیں وہ فقہ کے ہیں اس لیے زیادہ تر محدثین یا مفسرین نے اس سے مراد فقہاء کرام ہی لیے ہیں۔

اسی بنا پر ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے

وخیر علوم علم فقہ لانہ　　　یکون الی کل المعالی توسلا

فان فقیھا واحدا متورعا　　　علی الف ذی زھد تفضل واعتلی

"جملہ علوم سے بہتر علم فقہ ہے کہ وہ تمام مراتب عالیہ کا وسیلہ ہے اس واسطے کہ ایک متقی فقیہ ہزار زاہدوں پر عالی قدر ہے"۔

دوسرے شاعر کے الفاظ ہیں:

الفقہ افضل شیء انت ذاخرہ

من یدرس الفقہ لم تدرس مفاخرہ

"فقہ سب سے افضل علم ہے جس کو تو ذخیرہ کرنے والا ہے۔ جو فقہ کی تدریس کرتا ہے اس کی عظمت ختم نہیں ہو سکتی"۔

فقہ و تفقہ کی ضرورت انسان کو ابتدائے آفرینش ہی سے ہے کیونکہ عقل کی دولت عطا کر کے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو جانوروں اور دیگر مخلوق سے ممتاز کر کے شرف و اعزاز عطا فرمایا وہاں اپنا خلیفہ نامزد کر کے احکام کی اطاعت اور نافرمانی سے بچنے کا مکلف بھی بنایا۔ اس کے ساتھ اس کی فطرت میں تلاش و جستجو، تحقیق و تدقیق اور سوال کے ذریعہ حصول علم کا جذبہ بھی ودیعت کر دیا اور وحی کے ذریعہ علوم کا حصول اس پر فرض قرار دیا۔ ایسی صورت میں فطرت اس کو چین لینے ہی نہیں دیتی کہ وہ جامد و یکسو ہو کر ایک حالت پر اکتفا کرے۔ بلکہ ترقی کے مراحل کی تلاش کا حصول اس کو وسعت مطالعہ اور استنباط مسائل پر آمادہ کیے رہتا ہے۔ اسی فطری جذبے کے تحت تفقہ فی

الدین یا فقہ اسلامی کی ضرورت کو مولانا مناظر احسن گیلانی ؒ اپنی کتاب ’’مقدمہ تدوین فقہ‘‘ میں بہت خوبصورت انداز سے اس طرح بیان فرماتے ہیں:

’’مجھے اس وقت جو کچھ کہنا تھا وہ صرف یہ ہے کہ حسی معلومات پر جس طرح عقل عمل کرتی ہے اور چند چیدہ محدود معلومات سے جو حواس ان پر پیش کرتے ہیں نتائج ونظریات اور مباحث ومسائل کا طوفان پیدا کر دیتی ہے، ٹھیک یہی حال ان معلومات کا ہے جو وحی ونبوت کی راہ سے عقل پر پیش ہوتے ہیں۔ عقل انسانی ان معلومات کی روشنی سے بھی جب [illegible] ہے تو ٹھیک جس طرح حسی معلومات سے نتیجے سے نتیجہ، قانون سے قانون پیدا ہوتا چلا جاتا ہے، یوں ہی وحی ونبوت کی معلومات سے بھی نتائج وتفریعات کا سمندر ابلنے لگتا ہے۔ عقلی اجتہاد وکوشش کے یہ دونوں سلسلے تعقل ہی کے یعنی انسانی فطرت کے اسی خصوصی جوہر لطیف کا کارنامہ ہیں، جسے ہم ’’عقل‘‘ یا ’’قوت عقلیہ‘‘ وغیرہ مختلف ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ البتہ حدیث وقرآن کے بعض اشارات میں جن کا ذکر آگے آئے گا وحی ونبوت کے متعلق عقل جو کام انجام دیتی ہے، بجائے تعقل کے اس کا نام تفقہ رکھ دیا گیا ہے۔ ورنہ تفقہ اور تعقل میں نفس عقلی کاروبار کی حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے۔

تفقہ انسان کی فطری خصوصیت ہے:

بلاشبہ تو یہ ہے کہ جانوروں اور انسانوں میں جہاں دوسرے بہت سے امتیازی وجوہ وفصول ہیں ان میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ اول الذکر یعنی حیوانات اگرچہ حواس کی راہ سے انہیں بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں یعنی وہ بھی دیکھتے ہیں جس طرح آدمی دیکھتا ہے، وہ بھی سنتے ہیں جس طرح آدمی سنتا ہے۔ الغرض کھلی ہوئی بات ہے کہ احساسی قوتوں کی حد تک جانوروں اور انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کے امتیازی حدود اس کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حسی معلومات جن بسیط حالات کے ساتھ حیوانات کو ملتے ہیں، آج لاکھوں برس گزر جانے کے بعد بیل ہوں یا گھوڑے، گدھے ہوں یا کتے، ان میں سے کسی کو ان معلومات سے جو نتائج وقوانین وکلیات پیدا ہوتے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی، ان کی آنکھوں کے سامنے بھی یہی آفتاب یہی ماہتاب، یہی ستارے، یہی سیارے تھے، لیکن ان کا حال یہ ہے کہ بیلوں کے جد امجد نے سر اٹھا کر آج سے لاکھوں سال پہلے کرۂ خورشید کو دیکھا تھا، اب بھی ان کا کام اس سے آگے نہیں بڑھا ہے، مگر اس کے مقابلہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد ہے کہ اسی آفتاب اسی ماہتاب ان ہی ستاروں اور سیاروں کو دیکھ کر جنہیں دیکھنے والی ہستیاں دیکھ رہی تھیں اس نے ہزاروں علم ہیئت، علم نجوم اور خدا جانے کتنے علوم پیدا کر لیے جن میں ہر علم بجائے خود ایک بے پایاں سمندر کی کیفیت رکھتا ہے۔

پھر حسی معلومات کے محدود سرمایہ سے آدمی کی عقل جب علم کے ان دریاؤں کو نکال رہی ہے تو کوئی وجہ ہو سکتی

ہے کہ جو معلومات اس انسان کو وحی و نبوت کی راہ سے عطا ہوئی ہیں، ان سے پیدا ہونے والے نتائج سے بیل اور گھوڑے، گدھے اور کتے کی طرح لاتعلق رہے، یقیناً آدمی بہرحال آدمی ہے، وہ بیل تھا نہ ہے نہ بن سکتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ جو لوگ انسان سے اس غباوت اور کوڑھ مغزی کی توقع کرتے ہیں انہوں نے کبھی انسان کی فطرت پر بھی غور کیا ہے؟ یہ تو ہو سکتا ہے کہ جن نتائج کو عقل انسانی نے کل پیدا کیا تھا، آج ثابت ہو جائے کہ وہ غلط تھے، لیکن حسی معلومات ہوں یا وحی و نبوت کی معلومات، ان کے متعلق آدمی سے اس کی توقع کرنا کہ جو نتائج ان سے پیدا ہو سکتے ہیں ان پر غور نہ کرے، انہیں نہ سوچے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ قیاس نہ کرے، اجتہاد سے باز آ جائے، یہ قطعاً ایک غیر فطری مطالبہ ہے، ایک ایسا مطالبہ جو بجائے انسانوں کے صرف جانوروں ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ وحی و نبوت کی معلومات جن کی عام تعبیر دین و مذہب کے لفظ سے کی جاتی ہے، جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں قیاس جائز نہیں، یہ حکم اس مذہب کے متعلق تو صحیح ہو سکتا ہے جو کسی حیوان کو عطا کیا گیا ہو، لیکن ایک ایسے عقلی وجود کا مذہب جس کا نام انسان ہے، اس کے مذہب کے متعلق بھی یہی رائے رکھنا، جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہ انسانی فطرت کے متعلق غلط اندازہ یا اس کی خصوصیات سے لاپروائی کا نتیجہ ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے، یہ دعویٰ کہ مذہب میں قیاس کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے اثبات میں سارا زور جو خرچ کیا جاتا ہے، وہ عقل و قیاس ہی کا زور ہوتا ہے۔ قیاس کے ذریعہ سے قیاس کی تغلیط' اپنے دعویٰ کو خود اپنے دعویٰ ہی کے ذریعہ سے باطل کرنے کی بہترین مثال ہے۔ خیر اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کے متعلق تو ابھی آپ بہت کچھ سنیں گے بالفعل صرف "فقہ" کے لفظ کی تشریح میرے پیش نظر ہے۔ یہ کہنا ہے کہ حسی معلومات پر عقل جو کام کرتی ہے وہی کام وحی و نبوت کی معلومات کے متعلق عقل جب انجام دیتی ہے تو اسی کا نام تفقہ و اجتہاد ہے۔ السیوطی نے اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں علم فقہ کے متعلق بالکل صحیح لکھا ہے کہ: ﴿ان الفقه معقول من منقول﴾

"فقہ ایک عقلی علم ہے جو منقول (یعنی وحی و نبوت کی معلومات) سے حاصل کیا گیا ہے"۔

اور یہ تو ایک اجمالی اشارہ ہے، فقہ حنفی کی مشہور انسائیکلوپیڈیا یعنی "الحاوی" جو حاوی قدسی کے نام سے بھی مشہور ہے اس کے صاحب بحر الرائق نے لفظ "فقہ" جو تفقہ کا مادہ ہے اس کی لغوی اور اصطلاحی تشریح ان الفاظ میں نقل کی ہے:

﴿اعلم ان معنى الفقه في اللغة الوقوف والاطلاع وفي الشريعة ... الوقوف الخاص وهو الوقوف على معاني النصوص واشاراتها ودلالاتها ومضمراتها ومقتضياتها و "الفقيه" اسم للواقف عليه﴾.

"معلوم ہونا چاہیے کہ لغت میں واقف ہونا اطلاع پانا یہی فقہ کے معنی ہیں اور شریعت میں خاص قسم کی

واقفیت کا نام فقہ ہے۔ یعنی نصوص شرعی کے معانی سے اور ان کے اشاروں سے، جس چیز پر وہ دلالت کرتے ہوں ان سے اور ان کے مضمرات سے اور جو کچھ ان کا اقتضا ہو ان سب سے واقف ہونا یہ تو فقہ ہے اور ان امور سے جو واقف ہو اس کا نام فقیہ ہے"۔

مطلب وہی ہے کہ "النصوص" یعنی ان ہی وحی و نبوت کی معلومات خواہ الکتاب (قرآن) سے حاصل ہوں یا سنت (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریرات) سے ماخوذ ہوں، ان ہی معلومات میں جن امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہو یا جن کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہوں یا ان کے جامع و مانع الفاظ کی کلیت میں جو باتیں مضمر اور پوشیدہ ہوں یا جن امور کے وہ مقتضی ہوں، ان ہی چیزوں کا نام شرعی اصطلاح میں "الفقہ" ہے اور جن کی عقل وحی و نبوت کی معلومات سے ان نتائج کو پیدا کرتی ہے، ان ہی کو "الفقیہ" کہتے ہیں، جس کا حاصل یہی ہوا کہ "فقہ" کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شریعت میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ عقل کرتی ہے بلکہ وحی بات یعنی نتائج و احکام کا جو ذخیرہ وحی و نبوت کی ان معلومات میں چھپا ہوا تھا عقل کی مشین ان ہی کو اپنی طاقت کی حد تک ان سے نچوڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی کوشش کا نام اجتہاد ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ "فتوحات" میں ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں:

﴿واعلم ان الاجتهاد ما هو ان تحدث حكما هذا غلط، وانما الاجتهاد المشروع في طلب الدليل من كتاب او سنة او اجماع او فهم عربي على اثبات حكم في تلك المسئلة بذلك الدليل الذي اجتهدت في تحصيله والعلم به في زعمك، هذا هو الاجتهاد﴾

"یہ جاننا چاہیے کہ نئے سرے سے کسی حکم کا پیدا کرنا اجتہاد نہیں ہے، یہ قطعاً غلط ہے۔ شریعت میں جس اجتہاد کا اعتبار ہے وہ کتاب یا سنت سے دلیل تلاش کرنے میں جد و جہد کرنا ہے یا اجماع یا زبان عربی کے محاورات کی رہنمائی میں خاص مسئلہ میں کسی ایسے حکم کو ثابت کرنا جو اس دلیل سے پیدا ہوتا ہو، جس کی تلاش میں تم نے کوشش کی اور اپنے خیال میں اس حکم کا علم اسی دلیل سے تمہیں حاصل ہوا ہو، بس اسی کا نام "الاجتہاد" ہے (یعنی شریعت میں یہی اجتہاد معتبر ہے)"۔

شیخ نے اس کے بعد لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ اجتہاد اگر اس کا نام ہے کہ جو چیز دین میں نہ تھی اس کا اجتہاد کے ذریعے سے دین میں اضافہ کیا جاتا ہے تو وہ قطعاً دین نہیں بلکہ بددینی ہے، فرماتے ہیں:

﴿فان الله تعالى قال اليوم اكملت لكم دينكم وبعد ثبوت الكمال فلا يقبل الزيادة فان الزيادة في الدين نقص في الدين وذلك هو الشرع الذي لم ياذن به الله﴾

"(اجتہاد اور فقہ میں دین کی اتباع) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارے
دین کو کامل کر دیا۔ پس "الدین" کسی زیادتی کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ دین میں اضافہ کی گنجائش تو
دین سے نکلنے کے نام ہی کی ہوگا اور یہی وہ شریعت ہے جس کا فرمان اللہ سے صادر نہیں ہوا ہے۔"

الغرض تفقہ ہو یا اجتہاد اس کے ذریعہ سے دین میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان ہی چیزوں کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے جن پر نصوص یعنی وحی و نبوت کی معلومات مشتمل ہیں، لیکن ٹھیک مشینوں کا قوت و ضعف کے حساب سے جو حال ہوتا ہے مثلاً لیموں نچوڑنے کی کوئی ایسی مشین بھی ہو سکتی ہے کہ پوری طاقت خرچ کر دینے کے بعد بھی عرق کا کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہو، اور ایسی بھی ہو سکتی ہے جو ایک ایک قطرہ کو نچوڑ کر رکھ دے، ٹھیک یہی حال عقل کی اجتہادی قوتوں کا بھی ہے۔ حسی معلومات بھی آخر سب ہی کے حواس حاصل کرتے رہتے ہیں اور کچھ نہ کچھ نتائج ان سے ہر وہ شخص حاصل کرتا ہے جو اپنے اندر عقل رکھتا ہے، لیکن اجتہادی طاقت کا اتنا پرزور ہونا کہ ان ہی معلومات کے سرمایہ سے جو قریب قریب سب ہی کے پاس ہوتی ہیں، ایسے کلیات و قوانین کا پیدا کرنا جن سے کسی مستقل علم و فن کی بنیاد قائم ہو جائے ظاہر ہے کہ یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں، لیکن محض اس لیے کہ ہر عامی کا دماغ ان حسی معلومات کے ذریعہ سے ان نتائج تک چونکہ نہیں پہنچ سکا جہاں تک مثلاً نیوٹن، آئنسٹین، مارکونی کی عقول پہنچیں، محض اس وجہ سے کیا عامیوں کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ نتائج جو ان محققوں اور موجدین کے دماغوں نے نکالے ہیں وہ حسی معلومات کی پیداوار نہیں ہیں؟ بس جو حال حسی معلومات سے نتائج پیدا کرنے میں مختلف عقلوں کی اجتہادی قوتوں کا ہے، ظاہر ہے کہ وحی و نبوت کی معلومات میں بھی انسانی عقول کی اجتہادی قوتوں کے تفاوتِ عمل و اثر کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے، مشہور حدیث ہے:

﴿نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه غيره فرب حامل فقه ليس بفقيه.﴾

"تر و تازہ رکھے اللہ اس شخص کو جس نے ہم سے ہماری کوئی بات سنی تا کہ جس طرح سنا تھا اسی طرح سے
ادا کرے کیونکہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ کا بار اٹھانے والا خود فقیہ نہیں ہوتا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ
کا بار اٹھانے والا اسے ایسے آدمی تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔"

اس حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی عقول کے اسی تفاوت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر جس طرح قوائے دماغی کے اس تفاوت کا انکار فطرت کے قانون کا انکار ہے، اسی طرح وحی و نبوت کی معلومات کے ایسے نتائج جن تک عام عقول کی رسائی نہیں ہو سکتی، کیا یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے کہ واقع میں وہ وحی و نبوت کی معلومات سے ماخوذ نہیں ہیں؟

آپ کی مشین کسی لیموں سے اس کے سارے رس کو نچوڑ کر اگر باہر نہیں نکال سکتی اور اس سے طاقتور مشین

نے لیموں کی ان ہی قاشوں سے جنہیں آپ نے ثقل سمجھ کر پھینک دیا تھا، اگر کوئی اور زیادہ عرق نکال لے، تو کیا آپ کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ لیموں کے اندر کا عرق نہیں ہے بلکہ باہر سے پانی ملایا گیا ہے؟ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لائے ہوئے علم کے متعلق اسی مشہور تمثیلی بیان میں مختلف صلاحیتوں کے رکھنے والوں کے ظہور کا جو اعلان کیا ہے میرا اشارہ صحیح بخاری کی اس حدیث کی طرف ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مثل مابعثنی اللہ بہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا فکان منھا نقیۃ قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیر وکانت منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بھا الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصابت منھا طائفۃ اخری انما ھی قیعان لاتمسک ماء ولاتنبت کلاء فذلک مثل من فقہ فی دین اللہ ونفعہ بھا بما بعثنی اللہ بہ.﴾

"خدا نے ہدایت کے جن علوم کو دے کر مجھے مبعوث فرمایا ان کی مثال ایک ایسی زبردست بارش کی ہے جو کسی زمین پر برسی، پھر اس زمین کا کچھ حصہ تو ایسا تھا کہ (ہر قسم کی آلائش سے) پاک صاف تھا، اس نے پانی کو قبول کیا اور گھاس ہریالی کو اس نے اگایا، اور بعض حصہ اس زمین کا ایسا سخت تھا جو پانی کو چوس تو نہیں سکتا تھا، لیکن اس نے پانی کو روک لیا۔ پھر اس پانی سے خدا نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا یعنی خود پیا اور پلایا (جانوروں کو) اور کھیتوں کو سینچا، لیکن ایک حصہ اسی زمین کا ایسا بھی تھا جو ایسا چٹیل میدان تھا جس میں پانی بھی نہ ٹھہر سکا اور نہ روئیدگی گھاس وغیرہ کی ہوسکی۔ پس اللہ کے دین میں سمجھ بوجھ سے جس نے کام لیا اور خدا نے جس علم کو دے کر مجھے مبعوث فرمایا اس سے نفع اٹھایا اس کی مثال وہی ہے (یعنی پہلے دو حصوں کی)"

کیا اس صحیح حدیث میں انسانی فطرت کے ان ہی فطری اور قدرتی آثار و نتائج کی صریح لفظوں میں تصریح نہیں فرمائی گئی ہے؟ پھر زمین کے جس حصہ نے کلاء (گھاس) اور عشب (ہریالی) کو اگایا اس کے متعلق دوسرے حصوں کا یہ کہنا کیا صحیح ہوسکتا ہے کہ یہ جو کچھ پیدا ہوا ہے اس بارش کا نتیجہ نہیں ہے جو ہم پر بھی اسی طرح برسی جیسے تم پر برسی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں جس الفقہ اور الاجتہاد کا اعتبار کیا گیا ہے وہ وہی ہے جس کے ذریعے وحی کے نتائج پیدا کیے گئے ہوں جن پر واقع میں وحی و نبوت کی معلومات حاوی و مشتمل ہوں، وہی وہ دین بن سکتا ہے جس کا مطالبہ وغیرہ بیسیوں آیات قرآنی میں کیا گیا ہے۔

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ الجاثیہ ١٨)

"پھر ہم نے تمہیں الامر کی ایک شریعت پر قائم کیا، پس اسی کی پیروی کرو، اور جو نہیں جانتے ہیں ان کے خیالات کے پیچھے نہ جاؤ۔"

اور

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (سورۃ النساء: ۶۵)

"اور قسم ہے تیرے رب کی وہ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک ان امور میں جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں تجھے فیصل قرار نہ دیں اور جو تم فیصلہ کر دو اس کے متعلق اپنے دل میں تنگی نہ پائیں اور جھکا دیں سر پورے طریقے سے جھکانے کی شکل میں"۔

بہر حال ان امور کی تفصیل تو ہم ان شاء اللہ آئندہ کریں گے۔ اس وقت تو صرف "الفقہ" کے لغوی اور عام شرعی معنی کی تحقیق مقصود تھی، یعنی یہ بتانا تھا کہ نصوص جن کی تعبیر نہیں وحی و نبوت کی معلومات سے کر رہا ہوں، ان کے دلالات، اشارات، مضمرات، مقتضیات کا سمجھنا اسی کا نام تفقہ ہے۔ خواہ ان نتائج کا جو اس ذریعہ سے حاصل کیے گئے ہوں ان کا دین کے کسی شعبے سے بھی تعلق ہو۔ یہی وجہ تھی کہ ابتداء اسلام میں "الفقہ" کے لفظ کا اطلاق ان تمام نتائج و نظریات، مسائل و احکام پر ہوتا تھا جو وحی و نبوت کی معلومات سے حاصل کیے گئے ہوں، مثلاً ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں:

سواء کان من الاعتقادات او الوجدانیات او العملیات ومن ثم سمی الکلام فقها اکبر

"خواہ ان کا تعلق اعتقادیات سے ہو یا وجدانیات سے یا عملیات سے، یہی وجہ ہے جو علم کلام کا نام "فقہ اکبر" رکھا گیا"۔ (بحر الرائق ج ۱ ص ۶)

علماء اسلام کا نام پہلے دانشمند تھا:

غالباً وحی و نبوت کی معلومات میں عقل و دانش کے استعمال کرنے کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ایران، خراسان بلکہ ہندوستان میں بھی ایک مدت تک ان ہی ممالک کی تقلید میں علماء کو "دانش مند" کے لفظ سے موسوم کیا جاتا تھا۔ خلجیوں اور تغلقوں کے عہد کے مشہور بزرگ صوفی حضرت سیدنا نظام الدین المشہور بہ نظام الاولیاء سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات "فوائد الفواد" مرتبہ حسن علا سجزی میں بکثرت اس اصطلاح کا استعمال کیا گیا ہے، حضرت سلطان جی کی زبانی ایک حکایت درج کرتے ہوئے حسن علا سجزی لکھتے ہیں: حضرت نے ارشاد فرمایا:

"کہ در مدرسہ معزی دانشمندے بود و از اصولیان تمیز گفتندے، مردے دانشمند بود، ہر مسئلہ کہ از وے پرسید ندے جواب شافی گفتے و در سیاحت بعمارات دانشمند آمدہ ست"

"مدرسہ معزی (شہاب الدین غوری کے لقب معز الدین کی طرف یہ منسوب تھا اس مدرسہ) میں ایک دانشمند تھے جن کا نام مولانا زین الدین تھا، یہ شخص ایک صاحب دانش آدمی تھے جو مسئلہ بھی ان سے پوچھا جاتا تشفی بخش جواب اس کا دیتے، اور بحث مباحثہ میں "دانشمندانہ" طریقہ اختیار کرتے"۔

اس زمانہ کی تاریخوں، عام کتابوں میں بکثرت "دانشمند" کے اسی لفظ کا اطلاق علماء اسلام پر کیا جاتا تھا خواہ دین کے کسی علم سے وہ تعلق رکھتے ہوں۔

بہرحال "فقہ" یا "علم الفقہ" کی یہ تو قدیم اصطلاح تھی کہ وحی و نبوت کی معلومات سے جو نتائج بھی پیدا کیے جاتے ہوں خواہ ان کا تعلق اعتقادیات سے ہو یا وجدانیات یا عملیات سے، سب ہی پر "فقہ" کا اطلاق ہوتا تھا، البتہ عقائد کی اہمیت کے لحاظ سے ان کو "فقہ اکبر" کہتے تھے، جیسا کہ ابن نجیم حنفی کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے بلکہ عقائد کی مشہور کتاب "الفقہ الاکبر" جس کے متعلق مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصنیف ہے اور یہ نام ان ہی کا رکھا ہوا ہے۔

سوال: مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی ان عبارات سے ہماری سمجھ میں یہ بات بھی خوب اچھی طرح آ جاتی ہے کہ گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کا دین تحریف و تبدیلی کا کیوں شکار ہوا اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تحریف و تبدیلی سے کیوں محفوظ ہوا، گزشتہ حضرات نے اپنے نبی کی وفات کے بعد اپنی تحقیق و تدقیق اور استنباط مسائل میں اپنے آپ کو نبی کی تعلیمات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے نظریات یا تعلیمات کو بھی اس میں داخل کر دیا جس کی وجہ سے ایک طرف تو وہ کلام صرف خدا تعالیٰ کا کلام نہیں رہا اور دوسری طرف اپنی تحقیق کی وجہ سے وہ صراط مستقیم پر قائم نہیں رہے اور اپنے نظریات کو دین کی شکل میں پیش کر کے دین کی شکل بگاڑ دی اور رفتہ رفتہ دین مکمل طور پر ختم ہو کر بعد والوں کے نظریات کی شکل میں رہ گیا، اس لیے تورات، انجیل، زبور اور ان انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے نسخوں کی تعداد ہزاروں میں موجود ہے۔ جب کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے فقہاء کرام قرآن و حدیث کو اپنے مفہوم میں پیش کرنے کی اجازت نہ ہونے کی بنا پر آج تک تفقہ اور استنباط مسائل کی ضرورت کے باوجود دین کے دائرے سے نہ نکل سکا اور دین اپنی اصل شکل میں مکمل طور پر نہ صرف محفوظ رہا بلکہ ہر دور کی ضروریات کے مطابق امت مسلمہ کی رہنمائی بھی کرتا رہا اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ قرآن و حدیث کے دائرہ سے نکلنے کی صورت میں چونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی گمراہی کی اس انداز میں پیش گوئی بھی کر دی تھی اس بنا پر امت مسلمہ کے فقہاء کرام نہ صرف خود اس سلسلے میں محتاط رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اس دائرہ سے نکلنے کی کوشش کریں اور ایسے تمام فتنوں کا بھرپور مقابلہ کر کے دین اسلام کو تحریف سے بچایا جو اس دائرہ سے نکل کر امت کی گمراہی کا سبب بنتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ علم لوگوں سے یکایک نہیں چھین لیا جائے گا بلکہ علم والے اٹھا لیے جائیں گے۔ اس وقت علم بھی اٹھ جائے گا اور لوگوں کے سردار صرف جاہل لوگ رہ جائیں گے، جو علم کے بارے میں فتویٰ دیں گے۔ پھر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (بخاری کتاب العلم) اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے: اے اللہ میں ایسے علم سے جس سے نفع نہ ہو پناہ چاہتا ہوں۔

ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سائل کو خود جواب مرحمت فرماتے ہیں یہاں تک کہ نجی معاملات تک کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے۔ اس دوران یہودیوں اور منافقین نے آپ کو تنگ کرنے کے لیے طرح طرح کے سوالات کا تانتا باندھ دیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض پابندیاں عائد کی گئیں۔ ایسی صورت حال میں ضرورت اس بات کی تھی کہ یہ ذمہ داری دوسرے اہل فہم و تفقہ کی طرف منتقل کی جائے۔ چونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ سے علمی استفادہ کرنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ بھی ہو رہا تھا اور اصحاب صفہ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی علمی، عملی اور تحقیقی استعداد بھی بڑھ رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتماد بھی ہو گیا تھا چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا، تو ان سے سوال کیا کہ لوگوں کا فیصلہ کس طرح کرو گے تو جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ سے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور اگر ان دونوں میں نہیں پاؤں گا تو پھر عقل و ادراک کی روشنی میں استعمال کروں گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اس اعتماد کے پیش نظر آپ نے بعض صحابہ کرام کو قرآن کریم کی تعلیم اور اشاعت میں لگایا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین احادیث نبویہ کی حفاظت پر مامور ہوئے جب کہ بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ان کے تفقہ اور حکمت و فہم کی بنا پر فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذمہ یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا اس لیے یہ کہنا کسی طور پر درست نہیں کہ فتویٰ یا تدوین فقہ کا کام امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے شروع ہوا اس سے قبل نہیں۔ یہ اعتراض اسی طرح غلط ہے جس طرح منکرین حدیث یہ غلط فہمی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احادیث نبویہ نہیں لکھی گئیں اور نہ ہی ان کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ کیونکہ احادیث نبویہ اتنی ضرورت کی بات تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لکھنے سے منع کر دیا تھا۔ حالانکہ احادیث نبویہ میں خود اس کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی احادیث نبویہ کا لکھنا شروع ہو گیا تھا اور ایک بہت بڑا طبقہ جس میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمرو جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے،

وہ احادیث نبویہ کی حفاظت پر مامور تھے۔ اسی بنا پر بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں ان حضرات سے بکثرت روایات منقول ہیں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ قرآن مجید کی عظمت اور اس کی اہمیت کے پیش نظر زیادہ زور اسی بات پر تھا کہ اس کو محفوظ کر کے امت کے ایک ایک فرد تک پہنچایا جائے۔ اس لیے ابتدا میں کتابت احادیث اور تدوین فقہ پر زیادہ زور نہیں دیا گیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فقہ کا وجود ہی نہیں تھا۔ ہم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوالدرداء، خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب، خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم وغیرہم کو فقاہت کے اعلیٰ درجہ پر فائز پاتے ہیں۔ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اصحاب فتاویٰ شمار ہوتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان حضرات سے مسائل فقہ میں استفادہ کرتے تھے۔ ان میں سب سے ممتاز مرتبہ و مقام اس شعبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اور زیادہ تر علماء کرام رحمہم اللہ نے فقہی مسائل میں آپ کی پیروی کو بہتر گردانا اور آپ کی اتباع کو ذریعہ کامیابی ٹھہرایا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن ہی سے ان کی اس سلسلے میں خصوصی تربیت فرمائی اور آپ کو بطور لڑکپن کے علوم سے سرفراز فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ کے سر پر دست شفقت رکھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو دنیا میں علم پھیلانے والا لڑکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موجودگی میں آپ کو درس و تدریس اور فتویٰ کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صراحتاً تاکید فرمائی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے تعلیم حاصل کرو۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن مسعود جس چیز کو پسند کریں میں اس کو ساری امت کے لیے پسند کرتا ہوں اور جس کو وہ ناپسند کریں میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں۔ (کنز العمال)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں جماعت فقہاء:

اعلام الموقعین میں امام مسروق سے منقول ہے کہ میں نے حضور تاجدار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں چھ اصحاب کو علوم کا سرچشمہ پایا۔۔۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔ ان چھ کا تذکرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پایا۔ ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا اور اپنی فقاہت و سمجھ بوجھ سے ان علوم سے ہزاروں مسائل استنباط کیے پھر جب یہ بادل علوم و حکمت نبویہ جب کوفہ کی وادیوں میں برسا تو اس سرزمین کا ایک ایک ذرہ چمک اٹھا اور صاحب فہم و ذکاوت اس سے مستفید ہوئے اور ایک عالم ان کے علوم سے سیراب ہوا اور دنیا میں بھی اسلامی ریاست کا وجود ابھرا۔ ان حضرات کے علوم کی ضیاپاشیوں نے ان ریاستوں

گویا ہمہ آواز دے لی را شنیدہ ہر چہ پیش می آمد از مصالح جہاد و ہدنہ و عقد جزیہ و احکام فقہیہ و علوم زہدیہ ہمہ از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم استفسار نمودند۔ (ازالۃ الخفاء ج۲)

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر قسم کے علم کے متعلق لوگوں کی نگاہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک پر جمی ہوئی تھیں ان کے کان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لگے ہوئے تھے جہادی مصلحتوں صلح و جزیہ کا معاہدہ فقہی احکام زہد کے متعلق علوم وغیرہ کے متعلق جو باتیں بھی پیش آتی تھیں سب کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے“۔

لیکن اچانک تھا ایک معجزانہ شکل میں اسلام کے دائرہ اثر میں وسعت شروع ہوئی اور ٹھیک چڑھتی ہوئی دھوپ کے مانند اقطار ارض کو وہ اپنے احاطہ میں لینے لگا۔ فتوحات کے سوا وفود کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا جو جزیرۃ العرب کے کم و بیش دس لاکھ مربع میل والی زمین کے مختلف علاقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ٹڈیوں کے دل کی طرح اسی شکل میں جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ (النصر۲)

”داخل ہوئے جاتے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔“

ہر طرف سے کھنچ کھنچ چلے آرہے تھے اور اسی بنیاد پر عہد نبوت ہی میں یہ ضرورت پیش آ گئی کہ وحی و نبوت کے ذریعے سے معلومات کا جو مجموعہ مسلمانوں کے سپرد کیا جا رہا ہے اس کے کلیات کو جزئی واقعات پر کس طریقے سے منطبق کرنے اور جدید حوادث و نوازل اور واقعات و معاملات کے لیے ان ہی کی روشنی میں احکام پیدا کرنے کا کوئی نظم کیا جائے کیونکہ عربوں کی حالت جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی نے لکھا ہے، نزول قرآن و بعثت محمدی کے بعد یہ ہوگئی تھی:

کہ گویا الیوم از شکم مادر بظہور آمدہ اند، نہ علوم مکتسبہ تجربیہ کہ پیش از بعثت سید المرسل صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ایشاں بود، ہمہ در سطوت فیض نازل از جانب مدبر السموات والارض جل قدرتہ متلاشی گشتہ و در ہر باب غیر از حکم حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم علمے ایشاں نہ بود۔

”گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے باہر ہوئے ہیں کیونکہ رسمی علوم ہوں یا تجرباتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے ان کے متعلق جو کچھ بھی ان کے معلومات تھے سب کے سب ان نازل ہونے والے فیض جو آسمان و زمین کے مدبر حق تعالیٰ جلت قدرتہ کی طرف سے نازل ہو رہے تھے ان کی سطوت کے سامنے سارے معلومات ناپید ہو کر رہ گئے اور ہر بات میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سوا اور کوئی چیز ان کے سامنے باقی نہیں رہی تھی“۔

پھر جیسا کہ میں بار بار کہتا چلا آرہا ہوں کہ حسی و نفسی معلومات دونوں کے متعلق کچھ نہ کچھ عقل سے کام لینے

کی ضرورت تو ہر شخص کو پیش آتی ہے۔ لیکن ان معلومات کو پیش نظر رکھ کر باضابطہ کسی فن کا پیدا کرنا یہ ہر شخص کا کام نہیں ہو سکتا اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگوں کے متعلق تاریخوں میں اسلامی نصوص کے سمجھنے کے جو واقعات منقول ہیں ان ہی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کام ہر شخص کا نہیں ہو سکتا۔

فقیہ اور غیر فقیہ کے فہم کا فرق:

کہتے ہیں کہ ایک عالم عربی زبان کے جاننے والے صاحب کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ استنجا سے جب فارغ ہوتے ہیں تو باضابطہ وضو کر کے تین رکعتیں وتر کی ضرور ادا کرتے ہیں آخر کسی نے دریافت کیا کہ یہ نماز جو تم پڑھتے ہو کیا ہے؟ بڑے غصہ میں آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کو حدیث کا علم نہ ہو تو میں کیا کروں دریافت کیا گیا کہ حدیث کیا ہے؟ مشہور حدیث: "من استجمر فلیوتر" جو استنجا میں ڈھیلا استعمال کرے چاہیے کہ طاق عدد استعمال کرے"۔

آپ نے پڑھ کر سنائی، صحاح کی کتابوں سے نکال کر اسے دکھایا، حالانکہ ان کو مغالطہ صرف یہ لگا کہ "فلیوتر" جس کا ترجمہ ہے طاق عدد میں کلوخ آدمی استعمال کرے۔ اسی "فلیوتر" کا ترجمہ یہ سمجھ لیا گیا کہ وتر کی نماز پڑھے:

اسی قسم کا مشہور لطیفہ یہ بھی ہے کہ ایک صاحب جمعہ کی نماز سے پہلے سر منڈانے یا اصلاح کرانے سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے دریافت سے وجہ معلوم ہوئی کہ مشہور حدیث: "لاتتخذوا الحلق قبل صلوٰۃ الجمعۃ" "نماز جمعہ سے پہلے حلقے بنا کر نہ بیٹھا کرو"۔ میں "الحلق" سے حلقہ بنا کر بیٹھنا مقصود ہے۔ اسی سے منع کیا گیا ہے، سر منڈانا اسی "الحلق" کا ترجمہ سمجھ لیا گیا۔ ایک اور محدث کا واقعہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں مذکور ہے کہ مشہور حدیث: "لاتتخذوا الروح غرضاً" "کسی جاندار شے کو نشانہ نہ بناؤ" کو آپ "لاتتخذوا الروح عرضا" پڑھا کرتے رہے اور مطلب یہ بتلاتے رہے کہ ہوا آنے کی جگہ کو کشادہ نہ بنایا کرو۔ ان عام لطائف کے سوا صحیح حدیثوں میں عہد صحابہ کے متعدد واقعات اسی سلسلے میں نقل کیے جاتے ہیں کہ ایک صحابی نے قرآن کی آیت روزہ کی سحری کے متعلق:

﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

"تا ایں کہ سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے الگ ہو جائے"۔

کا مطلب یہ خیال فرمایا کہ مراد اس سے دو سیاہ اور سفید دھاگے ہیں اور ان ہی دونوں دھاگوں کو لے کر تکیے کے نیچے سویا کرتے لیکن اس ذریعے سے کچھ پتہ نہ چلا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا "ان وسادتک لعریض"۔ یعنی اس سے مراد تو رات کی سیاہی اور صبح کا سپیدہ ہے۔ تم نے ان

دونوں کو اپنے تکیے کے نیچے دبا لیا تو گویا تمہارا تکیہ بڑا چوڑا ہے کہ شب کی تاریکی اور صبح کی سپیدی بھی اس میں سما جاتی ہے۔

انہی صحاح کی کتابوں میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بھی مذکور ہے۔ ان کو یہ معلوم تھا کہ پانی نہ ملے تو وضو کی جگہ تیمم کر لیا جائے۔ لیکن غسل کی صورت میں اگر پانی نہ ملے تو آدمی کیا کرے اس کا علم نہ تھا، سفر میں غسل کی حاجت ہوئی تو وضو والے تیمم پر قیاس کر کے خود بیان فرماتے تھے کہ:

فتمرغت في الصعيد كما تمرغ الدابة

مٹی میں اس طرح میں نے لوٹ لگائی جیسے جانور لوٹ لگاتے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس اجتہاد یعنی "تمرغ" یا "تمعک" کا حال بیان فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ انما یکفیک ان تصنع ھکذا۔ تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ یوں کیا کرتے (یعنی وضو والے تیمم کی طرح ہاتھ مار کر اشارہ فرمایا)

مطلب وہی تھا کہ جو وضو والا تیمم ہے، وہی غسل کے لیے بھی کافی تھا، زمین میں سارے بدن سمیت لوٹنے پوٹنے کی ضرورت نہ تھی۔

وحی کے بغیر ہدایت ممکن نہیں:

ان چند واقعات الطائف کا ذکر تو میں نے تفریحی مثالوں کی حیثیت سے کیا، ورنہ اپنے حسی معلومات سے جیسے ہر شخص ان نتائج کو نہیں نکال سکتا، جہاں تک حکماء اور اہل حکمت و سائنس کی نگاہیں پہنچتی ہیں، جب انسانی فطرت کا یہ کھلا ہوا روزمرہ کا تجربہ ہے تو وحی و نبوت کے معلومات کے نتائج و تفریعات تک ہر شخص بلا واسطہ کیسے پہنچ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ابتداء ہی سے اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کو واجب قرار دیتے ہوئے "اولو الامر" یعنی حکم دینے کی جن میں صلاحیت ہو ان کی اطاعت کو بھی قرآن کا منصوص مسئلہ اس مشہور آیت میں قرار دیا یعنی

﴿واطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم﴾ (النساء: ٥٩)

(فرمانبرداری کرو اللہ کی، اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور تم میں جو الامر والے ہوں۔)

ظاہر ہے کہ اسلام جو صرف نظم و ضبط کا ایک دین ہے، جس میں دو آدمی کو بھی سفر کرتے ہوئے اس کی اجازت نہیں کہ ہر ایک اپنی اپنی مرضی کا پابند ہو بلکہ حکم ہے کہ آپس میں دو آدمی بھی ایک کو آمر (حکم دینے والا) اور دوسرے کو مامور بنا کر سفر کریں۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ جس کے سامنے اپنا یہ عظیم مستقبل تھا وہی اسلام مسلمانوں کو ایک ایسی حالت میں

کیسے چھوڑ دیا کہ جس کے جو جی میں آئے قرآن و حدیث سے سمجھ لے اور جس قسم کا فیصلہ چاہے کرے۔ واقعہ
اگر اس کی اجازت دے دی جاتی تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جس طرح ہر شخص کی صورت بلکہ ہر شخص کی آواز
دوسرے سے مختلف ہے، اسی طرح سے اپنی شخصی خصوصیتوں کی بنا پر مسلمان کا ایک نیا مذہب ہوتا، گویا چالیس
کروڑ مسلمانوں کی نمازیں چالیس کروڑ شکلوں کی ہوتیں۔ اسے ضبط نظم کے بعد بھی جس کا اسلام نے انتظام کیا
ہے جب اختلافات کا یہ حال ہے کہ بسا اوقات بعض کوردماغوں کے دلوں میں اسلام سے گریز کی وجہ مسلمانوں
کے یہی مذہبی اختلافات بن گئے ہیں، اگرچہ اس کی یہ گرانی اقتضاب سمجھ ہے جس کی تفصیل ابھی سنائی جائے گی،
لیکن آج جو چاہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے سمجھنے میں ہر مسلمان کو خواہ عربی بھی نہ جانتا ہو، اس کی شکل چونکہ
انسانوں کی شکل ہے، اسے خود فکر و نظر تعقل و تدبر کی ہوا بھی نہ لگی ہو لیکن چونکہ وہ مسلمان ہے اس لیے اسے آزاد
ہونا چاہیے کہ جو چاہے قرآن سے مطلب نکالے اور جس طرح حدیث و سنن کے مقاصد چاہے متعین کرے،
ان سے نتائج کا استنباط کرے، دین تو بہرحال دین ہی ہے لیکن دنیا کے معاملات میں بھی اسلام کا نقطۂ نظر جب یہ
ہو یعنی امن و خوف کی خبروں میں بھی عام آزادی کے استعمال کا تذکرہ ان الفاظ میں کرنے کے بعد:

﴿ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ﴾ (النساء: ۸۳)

(اور جب آتی ہے کوئی بات خوف اور امن کی تو پھیلا دیتے ہیں اس کو)

قرآن حکم دیتا ہے کہ:

﴿ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ﴾ (النساء: ۸۳)

"اگر پہنچا دیتے اس کو رسول اور امر والوں کی طرف تو جان لیتے (اصل حقیقت) کو وہ لوگ جو ان
میں بات سے استنباط کا سلیقہ رکھتے ہیں"۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ خوف کی خبر ہو یا امن کی ہر حال میں عام مسلمانوں کو حق نہیں ہے کہ سننے کے
ساتھ ہی اسے پھیلا دیں، بلکہ ان کا فرض مقرر کیا جاتا ہے کہ "الرسول" تک پہنچا دیں اور "الرسول" نہ ہوں تو پھر
"امر" والوں کو خبر کریں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ الخوف میں تو خیر اس کا بھی اندیشہ ہے کہ جنگ وغیرہ کی
خبروں کی اشاعت سے نقصان پہنچ جائے، لیکن الامن کی خبروں میں بھی قرآن کا جب یہ نقطۂ نظر ہے تو پھر دین
جس کا معاملہ دنیا کے خوف و امن دونوں سے اہم ہے کیا اس میں ہر شخص کو شتر بے مہار بنا کر چھوڑا جا سکتا تھا۔

الامر والوں کا مطلب

گزشتہ بالا آیت میں اس سوال کا جواب کہ "امر" والوں سے کیا مراد ہے خود قرآن نے دے دیا ہے یعنی

امن وخوف کی خبروں اور جو معلومات ان کے سبب سے حاصل ہوں ان سے صحیح نتائج پیدا کرنے کا جس میں سلیقہ ہو ان ہی کو وہ "الامر" کا حق دیتا ہے یعنی حکم دینے کے وہی مجاز ہیں اور جب امن وخوف کی معلومات کے متعلق امر والے یہی لوگ ہیں تو اخبار رسول کی اطاعت جس کام کے لیے واجب کی گئی ہے کسی دین میں بھی امر کا حق ان ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جن میں دین و نبوت کی معلومات سے صحیح نتائج پیدا کرنے کا سلیقہ ہو اور یہی سچ پوچھیے تو ایک فطری بات ہے کہ زندگی کی ہر شاخ میں حکم و امر کا فطری استحقاق ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اس سلسلہ کی معلومات سے صحیح نتائج پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔ طب میں، انجینئری میں، اسی قبیل تمام شعبہ ہائے حیات میں "اکسپرٹ" "ذی کار" "فن والے" "ماہر" "حاذق" ہی کو امر اور حکم کا حق کیوں دیا جاتا ہے، وہی فطری وجہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کے چہرے پر آدمی کی کھال مڑھی ہوتی ہے، اس کا زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق معلومات سے صحیح نتائج کا پیدا کرنا غیر ضروری ہی نہیں بلکہ یہ توقع قطعاً غلط اور غیر فطری ہوگی" کتاب "عبقات" میں مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ نے اس موقع پر خوب فرمایا ہے:

ان النفس وان كانت مستعملها كل قوة في ما نيط بها، الا ان لاستعمالها نحوين الاول ان تستعملها في ضمن تضاعيف اشتغالها بمشاغل متشتة كما ان العوام يستعملون المتفكرة في حصر شغفهم بالماكل والمشارب والملابس والمحسوسات والمتخيلات، وقس عليه سائر القوى فلا يظفرون الا بقدر ما يحتاجون اليه من الاقتيات. والثاني ان تتفرغ لتكميل تلك القوة وتستغرق النظر الى ما يليق بها وتتجرد بملاحظة فنونها وشعبها كتفرغ الفلاسفة بتكميل العاقلة والشعراء بتكميل المتخيلة واهل الصنائع الدقيقة واهل الرياضات الشاقة بتكميل المحركة، وقس عليه سائر القوى، فحينئذ تتسع دائرة افاعيلها اشد الاتساع ويقع فيها بسط اي بسط، الم تر الى الفرق بين علوم العوام من اهل السوق وبين الفلاسفة المدققين.

ترجمہ: "ہر قوت کے ساتھ جو کام وابستہ کیا گیا ہے اگرچہ آدمی کا نفس اس قوت کو اسی کام میں استعمال کرتا ہے لیکن استعمال کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ تو یہ ہے کہ دیگر مختلف کاروبار کے ذیل میں اسے استعمال کرے مثلاً جیسے عوام کا حال ہے کہ فکری قوت کو کھانے، پینے، لباس اور محسوسات یا خیالی امور کی دلچسپیوں کے ذیل میں استعمال کرتے ہیں، اور یہی حال دوسری قوتوں کے محض استعمال کو قیاس کر کے سمجھو، بہرحال استعمال کے اس طریقے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام نفس کی قوت کے نتائج سے اسی حد تک

بہرہ ور ہوتے ہیں جس قدر ضروری قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن ان قوتوں کے استعمال کا ایک اور دوسرا طریقہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس قوت کو ابھارنا مقصود ہو ہر چیز سے الگ ہو کر آدمی اسی قوت کی تکمیل میں غرق ہو جائے اور جو نتیجہ اس سے برآمد ہو اس پر پوری توجہ مبذول رکھے اور اس کی مختلف شاخوں اور شعبوں میں اپنے آپ کو فنا کر دے مثلاً فلاسفہ اپنی عقلی قوت کے ساتھ جو برتاؤ کرتے ہیں، یا خیالی قوت کے ساتھ شاعروں کو جو تعلق ہوتا ہے یا قوت محرکہ عملیہ کی مشق سے دقیق صناعات والے یا سخت ورزش یا محنت کرنے والے کام لیتے ہیں، اسی پر دوسری قوتوں کے اس طریقہ استعمال کو قیاس کرو، استعمال کی دوسری شکل میں نفسانی قوت کے آثار و نتائج اور ان کے کاروبار کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ وسیع، اس میں فراخی پیدا ہوتی ہے اور کیسی فراخی و کشادگی۔ آخر تم ان لوگوں کے علوم پر جن کا تعلق عوام سے ہے غور کرو کہ صرف معمولی شوق و توجہ کی بنیاد پر علم سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان ہی کے مقابلہ میں ان دقیقہ سنج نکتہ شناس فلاسفہ کے علوم کا اندازہ کرو (کیا دونوں میں کوئی نسبت ہے؟)''

اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی واضح حقیقت ہے جو دین اور دنیا دونوں کو حاوی ہے۔ آج جب کہ ہر بدیہی مسئلہ کو نظری بنانے کی کوشش کی جاری ہے کوئی کیا کہہ سکتا ہے، ورنہ اسلام کے ضبط و نظم کے اس سلسلہ میں اس حد تک اصرار تھا کہ "خطبہ" اور "وعظ" جس میں عموماً قانونی مسائل بیان کیے جاتے ہیں اس کے متعلق بھی عام اعلان کر دیا گیا تھا: **لایخطب الامیر او مامور او مختال فخور**. ''تقریر نہیں کرتا ہے لیکن وہ جو خود صاحب امر ہے یا صاحب امر کا اجازت یافتہ ہے، یا جاہ پرست مغرور آدمی۔''

اہل علم کی اہمیت و ضرورت:

مگر دنیا کے ہر معاملہ میں ماہرین فن کی رائے کا اعتبار کرتے ہوئے محض دین کو آزادی فکر و رائے کی خوبصورت تعبیر سے کیا بازیچہ اطفال بنا لیا جائے گا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کا اندیشہ ظاہر فرمایا تھا وہی آخر ہو کر رہا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بخاری میں یہ حدیث مروی ہے، گویا آج جو کچھ دکھایا جا رہا ہے اسی کو وقوع سے پیشتر دیکھ لیا گیا تھا حدیث یہ ہے:

﴿ان اللہ لایقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالماً اتخذ الناس رؤوساً جہالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم وضلوا واضلوا﴾ (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۳۳)

''عمرو بن عاص کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم لوگوں سے یکایک چھین نہیں لیا جائے گا بلکہ علم والے اٹھا لیے جائیں گے اس وقت علم بھی اٹھ جائے گا اور لوگوں کے سردار صرف جاہل لوگ رہ

(قیصر) کی ہلاکت کی پیشین گوئی بھی کی جاچکی تھی اور ایسی بیسیوں چیزیں موجود ہیں جن سے بطور قدر مشترک
کے تواتر قطعیت کی شکل میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام کے آئندہ جس عظیم عالمگیر سیاسی قوت کبریٰ کی شکل کرۂ
زمین پر اختیار کرنی تھی وہ ایک دیکھی بھالی طے شدہ حقیقت تھی۔ اس کو صحابہ بھی جانتے تھے، وہی صحابہ جو اسلام پر دنیا
کے آخری دین اور عالمگیر پیغام نبی کی شکل میں ایمان لاچکے تھے۔ خود بھی تو سوچنا چاہیے کہ وہ اس کے سوا آخر
کوئی دوسرا خیال ہی کیا قائم کر سکتے تھے۔ یہ بات کہ ان کا یہ خیال پورا ہوگا یا نہ ہوگا، یا آئندہ جو پیدا ہوا، آیا یہ
اتفاقی حادثہ تھا، جو بن گیا یا قدرتی وعدہ پورا ہو رہا تھا۔ یہ سارے وسوسے دوسروں میں تو پیدا ہو سکتے تھے یا اب بھی
پیدا ہو سکتے ہیں لیکن ان کا تو یہی ایمان تھا، یہی ایقان تھا، بہرحال وہ پیش آنا ہے۔ تمکین جو یقین رکھتے تھے کہ
یہی ہوگا اور یہی ہو کر رہے گا۔ ان کے سامنے اسلام کی پیش آنے والی وسعت دامانیوں کی ناگزیر تکمیلی اور قانونی
ضرورتوں کا کوئی خیال نہ تھا، کیا یہ بات عقل میں سما سکتی ہے؟

حال تو یہ ہے کہ اسلامی دائرہ کی وسعت حالانکہ ابھی جزیرۃ العرب سے آگے نہیں بڑھی ہے، بہت تھوڑا ہی کا
زمانہ ہے، لیکن جس حد تک اسلام کی دینی و اسلامی حد وسیع ہو چکی تھی ان ہی علاقوں کے مختلف اطراف و نواحی
میں عجیب و غریب نادر شکلوں کے وقوع پذیر ہونے کا تجربہ شروع ہو گیا تھا۔ ایسی شکلیں کہ آج بھی جب کتابوں
میں ہم ان کا ذکر پڑھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔

زبیہ کا واقعہ:

مثلاً وہی "الزبیۃ" کا حادثہ ہے، عربی زبان میں اس شکاری خندق یا گڑھے کو کہتے ہیں جو عموماً شیر وغیرہ
جیسے درندوں کو پھنسانے کے لیے جنگلوں میں کھودے جاتے ہیں۔ قصہ یہ ہے کہ یمن کے ایک علاقہ (صوبہ)
کے والی (گورنر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ مقرر ہو کر تشریف لے گئے تھے، آپ کے سامنے ان ہی دنوں میں
ایک مقدمہ یہ بھی پیش ہوا کہ زبیہ میں ایک شیر پھنسا، اطراف و جوانب کے تماشائیوں کا ایک مجمع اس زبیہ کے
دھانے پر جمع ہو گیا، شیر اسی خندق یا کنویں میں پڑا غرا رہا تھا، تماشہ دیکھنے والوں میں سے کسی پر ہیبت طاری
ہوئی، بدحواسی میں پاؤں پھسلا، بند رہا اور پھسل کر خندق میں وہ گرنے لگا، بازو میں اس کے ایک آدمی کھڑا تھا، بے
اختیاری میں اس کو گرتے ہوئے نے پکڑ کر سہارا لینا چاہا۔ اب یہ بے چارہ بھی اس کے ساتھ چلا، اس دوسرے
نے تیسرے کو، تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا اور چاروں کے چاروں ایک ساتھ کنویں میں جا گرے، بے چاروں کا جو
حشر ایسی صورت میں ہو سکتا تھا، ظاہر ہے۔ بھوکے غضبناک شیر نے سب کی تکہ بوٹی کر کے رکھ دی۔

مسئلہ کی جو صورت ہے اس میں قاتل و مقتول کا سوال تو پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ سب ہی کا انجام ایک تھا۔
لیکن کسی مقتول کا خون اسلام میں چونکہ مفت ضائع نہیں ہو سکتا، بلکہ جس خاندان کا مقتول ہوتا ہے اس کو

حکومت کی مدد و نصرت لازمی ہے، جس کی تعبیر قانونِ دیت یا خون بہا یعنی خون کی قیمت سے فقہ میں کی گئی ہے، خون کی یہ قیمت قاتل ہی سے نہیں بلکہ قاتل کے متعلقین سے ان پر چندہ بٹھا کر قسط وار وصول کی جاتی ہے جن لوگوں پر چندہ بٹھایا جاتا ہے ان ہی کا اصطلاحی نام "عاقلہ" ہے مسئلہ کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں پڑھنا چاہیے اس وقت میری غرض صرف ایک نادر الوقوع حادثہ کو بطور مثال پیش کرنا تھا، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس مقدمہ پیش ہوا اور سوال اٹھا کہ ان چاروں میں سے کسے قاتل اور کسے مقتول قرار دیا جائے اور خون کے معاوضہ کی نوعیت کیا قائم کی جائے۔ یہ معاوضہ کن لوگوں سے وصول کیا جائے۔

سوال یقیناً پیچیدہ تھا، لیکن اسلام نے ان حوادث پر غور کرنے کا جو ایک دروازہ اجتہاد و قیاس کے نام سے کھول دیا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی راہ سے فیصلہ فرمایا۔ فیصلہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جب پہنچی تو ارشاد ہوا: هو كما قال (فیصلہ وہی ہے جو علی نے کہا)

اور یہ صرف ایک ہی واقعہ نہیں ہے، ان پیش آنے والے قوانین یا شرعی مسائل کا ایک ذخیرہ کتابوں میں محفوظ ہے جو عہد نبوت اور عہد صحابہ میں پیش آئے۔

اس ضرورت کا اسلامی حل اور اولو الامر کے پیدا کرنے کا انتظام:

بہرحال یہی ناگزیر ضرورت تھی جس کی وحی و نبوت کے معلومات کی استعمال کی گئی اور ان سے آئندہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کے متعلق جدید نتائج و احکام کو صحیح اصول پر مستنبط کرنا اور اسی کے مطابق امر و حکم دینے کی ذاتی صلاحیت و قابلیت اور ماہرانہ لیاقت و استعداد پیدا کرنے کے لیے قرآن میں حق تعالیٰ نے

﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴾ (التوبہ: ۱۲۲)

"پھر کیوں نہ نکلا ہر فرقے سے ایک گروہ "الدین" میں سمجھ پیدا کرنے کے لیے، تاکہ ڈرائیں اپنی قوم کو وہ لوگ جب پلٹ کر آئیں ان کے پاس شاید کہ وہ (نافرمانیوں) سے بچیں"۔

کی آیت نازل فرما کر "تفقہ فی الدین" پیدا کر کے امر و حکم کے صحیح استحقاق حاصل کرنے والوں کے لیے اسلام میں ایک مستقل باب کا افتتاح فرما دیا۔ جس کی اسی نص محکم سے جو در اصل قیامت تک پیش آنے والی دینی و قانونی ضرورتوں کے حل کی اساسی بنیاد ہے۔ حافظ ابن حزم اندلسی اسی آیت کی روشنی میں اپنی کتاب الاحکام میں اسی آیت کو پیش کر کے لکھتے ہیں:

فرض على كل جماعة مجتمعة في قرية او دسكرة وهي المحشرة عندنا او حلة اعراب او حصن ان ينتدب منهم لطلب جميع احكام الديانة اولها عن آخرها ويعلم

القرآن كله والكتاب وكل ما صح عن النبی صلى الله عليه وسلم من احاديث الاحكام اولها عن آخرها وضبطها بنصوص الفاظها وضبط كل ما اجمع عليه المسلمون وما اختلفوا فيه... ففرض عليهم الرحيل الى حيث يجدون العلماء المحتوين على صنوف العلم وان بعدت ديارهم ولو انهم بالصين.

"مسلمانوں کی جماعتیں خواہ وہ کسی گاؤں میں یا کسی بازار یا کسی بدوی منزل یا قلعہ میں جہاں کہیں بھی اکٹھی ہو کر آباد ہو جائیں ان پر فرض ہے کہ ان میں کچھ لوگ مذہب اور دیانت کے تمام احکام کی طلب و تلاش و تحصیل کے لیے آمادہ ہو جائیں یعنی اول سے آخر تک مذہب کے تمام مسائل کو سیکھیں۔ ان کو چاہیے کہ پورے قرآن کی تعلیم حاصل کریں اور احکام کی حدیثوں میں جو صحیح ثابت ہو چکی ہیں ان کی کسی کتاب کو پڑھیں یعنی اول سے آخر تک، چاہیے کہ ان حدیثوں کے ہر ہر لفظ کو ضبط کریں نیز مسلمانوں کا جن مسائل پر اجماع و اتفاق ہے ان کا بھی علم حاصل کریں اور جن میں لوگ مختلف ہیں، ان کا بھی۔ بہرحال ان پر واجب ہے سفر کرنا ان علاقوں کی طرف جہاں مختلف علوم و فنون کے ماہرین مل سکتے ہیں، خواہ یہ علاقے ان کے ملک سے دور ہی کیوں نہ ہوں حتیٰ کہ چین ہی میں علماء کا یہ طبقہ کیوں نہ بستا ہو"۔

اسی آیت کی ذیل میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جس طرح ہر اجتماعی طبقے سے کسی نہ کسی کو اس کام کے لیے مستعد ہو جانا فرض ہے یوں ہی

فرض على جميع المسلمين ان يكون في كل قرية او مدينة او حصن من يحفظ القرآن كله ويعلم الناس ويقرئه اياهم.

"تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کے ہر گاؤں، ہر شہر یا قلعہ میں ایسا آدمی ہو جسے پورا قرآن یاد ہو اور لوگوں کو وہ قرآن سکھاتا ہو اور پڑھاتا ہو۔ یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی اپنی آبادیوں میں ایسے پڑھانے والوں کو مہیا کریں"۔

بہرحال دینی ضرورت یعنی وحی و نبوت کے ان آخری علوم کے مطابق الامر اور حکم دینے کا دروازہ رہتی دنیا تک ہر اس شخص کے لیے کھلا رہے جو اپنے لیے اسلامی نظام کے تحت زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکا ہو، قرآن میں یہ واجب اور فرض قرار دیا گیا کہ ہر فرقے اور ہر جماعت سے ایک گروہ وحی و نبوت کی ان معلومات کی سمجھ اور ان میں تفقہ پیدا کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس خطاب کے پہلے مخاطب اور اس فرض کے پہلے مکلف وہی حضرات ہو سکتے تھے جنہیں ہم مسلمانوں کا پہلا قرن یا پہلا طبقہ سمجھتے ہیں، میری مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عہد نبوت کے مسلمانوں سے ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے اپنے خاص رجحانات اور فطری مناسبتوں کے ساتھ صحابہ میں کچھ لوگ اس فریضہ قرآنی کے انجام دہی کے لیے آمادہ ہو گئے۔

فقہ اسلامی کے پہلے معلم صلی اللہ علیہ وسلم

ظاہر ہے کہ دین میں تفقہ پیدا کرانے یا وحی و نبوت کی معلومات کے متعلق سوجھ بوجھ پیدا کرانے کا پہلا کام جس ہستی سے متعلق ہو سکتا تھا وہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی قرآن پاک میں:

﴿ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (البقرہ ۱۲۹) "سکھاتے ہیں (پیغمبر ان مسلمانوں کو) کتاب اور الحکمت"۔

یہی آپ ﷺ کا فریضہ قرار دیا گیا تھا۔ محض اس لیے کہ سیکھنے والوں میں سے ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آئے تو کسی خاص وجہ سے جتنی توجہ کا ایک طالب العلم مستحق ہو سکتا ہے چونکہ بارگاہ نبوت سے اتنی توجہ ان کی طرف مبذول نہ ہوئی۔ سب جانتے ہیں کہ صرف اسی لیے قرآن میں پیغمبر کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے:

﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴾ (عبس: ۱-۴)

"منہ کو بنایا (پیغمبر نے) اور اعراض کیا اندھے کے آنے پر اور کس نے بتایا کہ وہ پاکیزگی حاصل کرے گا یا نصیحت سنے گا پھر نصیحت اسے فائدہ پہنچائے گی۔"

اس کے ساتھ

﴿ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴾ (عبس: ۸-۱۰)

"مگر جو دوڑا ہوا آیا حالانکہ وہ ڈرتا ہے تو تم نے اس سے بے پروائی برتی۔"

کی آیتیں نازل ہوئیں اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے متعلق یہ اعلان کرنا پڑا کہ:

﴿ انما بعثت معلما ﴾ (ابن ماجہ) "میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے کے ساتھ ہی مسجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اسی مسجد میں "صفہ" کے نام سے ایک باضابطہ تعلیم گاہ کا افتتاح فرما دیا تاکہ علاوہ اس عام دعوت و تبلیغ کے جو ہر شخص کے لیے عام تھی دین کے مختلف شعبوں میں تفقہ اور سوجھ بوجھ پیدا کرنے کا ان لوگوں کو موقع دیا جائے جو ان شعبوں میں سے کسی شعبہ میں یا چند شعبوں میں امر اور حکم دینے کا جائز استحقاق حاصل کر سکیں۔ صفہ جو مسجد نبوی کا ایک مشہور تعلیمی ادارہ تھا، اگرچہ اس ادارے کا ایک استعمال یہ بھی تھا کہ نو مسلموں میں جن لوگوں کے رہنے سہنے کا ٹھکانہ نہ تھا ان کی وہ سکونت گاہ بھی تھی۔ لیکن اس سے زیادہ جو کام اس ادارہ سے عہد نبوت میں لیا جاتا تھا وہ زیادہ تر دین کے مختلف شعبوں کی تعلیم و تعلم ہی کا کام تھا۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوت کی اس تعلیم گاہ میں شریک

ہونے والوں کی تعداد ایک وقت میں کبھی کبھی اسی بیاسی تک پہنچ جاتی تھی۔ بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ سے
جو روایت نقل کی ہے اس میں قتادہ نے کہا ہے بخاری کے الفاظ یہ ہیں

سبعين من الانصار كنا نسميهم القراء في زمانهم

"ستر آدمی انصار میں تھے جنہیں ہم ان کے زمانے میں "القراء" کے نام سے موسوم کرتے تھے یعنی یہ
پڑھے لکھے تعلیم یافتہ لوگ تھے"۔

اسی روایت کا دوسرا جزء جس سے ان لوگوں کے اوقات کے نظام کا بھی پتہ چلتا ہے یہ ہے۔

كانوا يحتطبون بالنهار و يشترون به الطعام لاهل الصفة ويتدارسون القرآن بالليل
ويصلون

"یہ لوگ دن میں لکڑیاں چنتے تھے جن کو بیچ کر اس سے کھانا خریدتے تھے صفہ والوں کے لیے اور رات
کو باہم مل کر قرآن پڑھا کرتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔"

بخاری کی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں کی طرف سے بالکل مختلف شکلوں میں صفہ
میں شریک ہونے والوں کی امداد ہوتی تھی۔

بہرحال صفہ کی تعلیم گاہ میں شریک ہونے والوں کا ایک تو عام گروہ تھا جن کا مقصد معمولی نوشت و خواند
قرآن پڑھنا، نماز سیکھنا، عام معمولی اسلامی مسائل سے واقف ہونا تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ جیسا کہ آئندہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ مختلف ریاضیات اور نظری مضمونوں کا
اندازہ کرنے کے متخصصین کی ایک جماعت کی بھی تربیت خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی۔

ابھی تو مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ "تفقہ فی الدین" کے قرآنی مطالبہ کی تکمیل کے لیے دین کے مختلف شعبوں
کے ساتھ خصوصیت پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک آخری خاص قسم کی تقسیم اسی عہد نبوت ہی میں پیدا ہو چکی تھی۔
حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں جیسا کہ ان کا خاص طریقہ ہے "کتاب العلم" کا باب قائم کرکے عہد
نبوت کے مختلف تعلیمی واقعات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ پیش کرکے اس زمانے کے نظام تعلیم کا جو خاکہ تیار کیا
ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کی جن چیزوں کو موجودہ زمانہ کی تعلیمی ترقیوں کی خصوصیت قرار دیا جاتا ہے۔
مشکل ہی سے کوئی چیز ایسی باقی رہ گئی ہے جسے امام نے صحیح روایتوں کی روشنی میں یہ ثابت کرکے نہ دکھایا ہو کہ سب کچھ اسی
زمانے میں ہو چکا تھا۔ تفصیل کے لیے تو خود بخاری کا ہی مطالعہ کرنا چاہیے۔

بخاری کے کتاب العلم کا خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم کی اہمیت و ضرورت، مردوں کی تعلیم، عورتوں کی تعلیم، غلاموں کی تعلیم، آغازِ تعلیم کی عمر، طریقۂ تعلیم، حلقۂ درس، حلقۂ درس کے قوانین و آداب، صف بندی، نشست کا طریقہ، تدریس کے وقت مدرس کی آواز کی بلندی و پستی، تفہیم کا طریقہ، ہاتھ اور آنکھوں سے کسی بات کو سمجھانا، تدریس کے مختلف طریقوں املاء، لیکچر یعنی استاد کا بولنا اور طلبہ کا سننا، عرض یعنی شاگرد کا پڑھنا استاد کا سننا، تعلیم میں تدریج کا طریقہ یعنی آسان مسائل سے بتدریج مشکل مسائل تک طلبہ کو لے جانا، جماعت میں اس بات کا لحاظ کہ استعداد و صلاحیت کے مطابق استاد کے اسباق کی نوعیت، امتحان کا طلبہ پر حصر ہونا، الغرض اس قسم کے مختلف تعلیمی مسائل کے ساتھ ساتھ امتحان، تحلیل، تعطیل کی ضرورت وغیرہ وغیرہ تقریباً ساٹھ ستر عنوانوں کے متعلق امام نے صحیح حدیثیں پیش کی ہیں اور ان امور کے متعلق حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے سب کو بیان فرمایا ہے۔

عرب کی اسلام سے پہلے جو حالت تھی قرآن میں اس کی تعبیر جاہلیت کے لفظ سے کی گئی ہے، جاہلیت کا یہی حال اس زمانہ میں عموماً نوشت و خواند کی ناواقفیت کے ہم معنی ہو گیا ہے ممکن ہے کہ جاہلیت کے ان مفاسد سے جن کے دماغ متاثر ہیں ان کے لیے ابتداء اسلام میں تعلیم اور اصولِ تعلیم کے متعلق اتنے تفصیلی مباحث باعثِ تعجب ہوں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ خود قرآن میں بکثرت آیتیں علم کی عظمت و اہمیت کے متعلق موجود ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم و تعلم کے فضائل کے متعلق جس قسم کی بے شمار حدیثیں صحاح میں مروی ہیں جن کی ان پر نظر ہے ان کے لیے ان باتوں میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء ہی "اقراء" یعنی خواندگی کے مطالبہ سے ہوئی ہے اور "علم بالقلم" کے الفاظ جس کی وحی کے ابتدائی فقروں میں تحریک ہوں، سب سے پہلی آیت جو خدا نے پہلی دفعہ مسلمانوں سے کہی ان میں

﴿عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (العلق ۵) "سکھایا آدمی کو وہ جسے وہ نہیں جانتا"

کی حقیقت پر تنبیہ کرتے ہوئے بتایا گیا کہ "انسان" کو تمام دوسری زندہ ہستیوں کے مقابلہ میں جو خاص خصوصیت حاصل ہے وہ یہی ہے کہ آدمی جب پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا، لیکن مالم یعلم (جسے وہ نہیں جانتا) ان کے جاننے اور سیکھنے کی اس میں صلاحیت ہے اسی لیے آدم زاد جو نرا پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات علامہ، فلاسفر، حکیم، دانشمند، خدا جانے کیا کیا ہو کر مرتا ہے، اس کے مقابلہ میں دوسری جاندار ہستیاں (حیوانات) جیسا کہ بقول سعدی:

"مرغک از بیضہ برون آید و روزی طلبد"

نکلنے کے ساتھ ہی مرغ تلاش معاش کی تدبیروں میں مشغول ہو جاتا ہے، پیدا ہونے کے وقت بھی

ان کا یہی حال ہوتا ہے اور زندگی کے سارے مراحل ختم کر کے جب وہ مرتے ہیں تو جو کچھ ان کی جبلت اسے ساتھ لاتی ہے اس پر صرف بال و پر کا ہی اضافہ ہوتا ہے۔

بہرحال "علم الانسان مالم یعلم" جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی وحی کا آخری فقرہ ہے اس میں آدمی کو تعلیمی حقیقت قرار دینے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ بنی آدم کے اس آخری دین میں سب سے زیادہ اہمیت تعلیم ہی کو دی جائے گی اس لیے اس کی بنیاد میں سب سے پہلا پتھر "اقرأ" ہی کا جمایا گیا ہے، یعنی اس کی بنیاد نوشت و خواند پر قائم ہے اور یہ واقعہ ہے کہ رہتی دنیا تک سارے بنی آدم کے لیے عالمگیر ہمہ جہتی آئین حیات ہونے کا جو دعویٰ اسلام نے کیا ہے، یقیناً یہ دعویٰ اسی وقت عملی شکل اختیار کر سکتا تھا کہ اس دین کی بنیاد تعلیم و تعلم، تفقہ و اجتہاد پر رکھی جائے ورنہ تیرہ سو سال تک اسلام دنیا کے اکثر خطوں کے باشندوں کے ہر شعبہ حیات پر جو آسانی منطبق ہوتا رہا یہ کامیابی بغیر اس تدبیر کے کیا حاصل ہو سکتی تھی جو قراۃ، تعلیم، تعلم، تفقہ فی الدین کے ذریعہ سے اسے میسر آئی۔

ان قولی و فعلی تصریحات کے سوا جن کا ذکر تعلیم و تعلم، تفقہ و قراۃ کے متعلق گزر چکا، یوں بھی ایک مورخ ہونے کی حیثیت سے بھی اگر مکہ نہیں تو مدینہ منورہ اور اس کے اطراف و نواح کے یہودی ماحول سے جو واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے نواح میں یہودیوں کی ایک مستقل درسگاہ قائم تھی جسے بیت المدارس کہتے تھے جہاں باضابطہ پڑھانے کا رواج پہلے سے جاری تھا، سرزمین عرب ہی کے علاقہ یمن میں عیسائیوں کا بھی ایک مستقل تعلیمی نظام موجود تھا، ابن ہشام وغیرہ نے نجران کے اسقف اعظم کے جو حالات نقل کیے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ عیسائی ممالک کا ممتاز ترین عالم اس زمانے میں عرب ہی میں رہتا تھا۔ پھر قدیم دنیا کا سب سے بڑا علمی مرکز اسکندریہ بھی عرب سے ظاہر ہے کہ زیادہ دور نہ تھا، عرب بھی اس مشہور تعلیمی ملک سے واقف تھے، نیز انطاکیہ، حران و فلسطین جہاں یہودیوں اور نصرانیوں کے تعلیمی ادارے قدیم زمانے سے قائم تھے یہ سارے علاقے عرب کے آس پاس ہی میں تھے، جہاں ان کی آمد و رفت کا سلسلہ مختلف وجوہ و اسباب کے تحت جاری تھا۔

بہرحال عہد نبوت ہی میں "تفقہ فی الدین" میں خصوصیت پیدا کرنے کے لیے کسی تعلیمی نظام کا قائم ہو جانا میرے نزدیک نہ اس میں عقلاً استبعاد ہے اور نقلاً تو عرض ہی کر چکا کہ قرآن ہی کا حکم تھا کہ ایک گروہ اس کام کے لیے مسلمانوں میں قائم کیا جائے اور اس طبقہ کے ذمہ یہ فریضہ سپرد کیا گیا کہ مسلمانوں کا علم اور ان کا عمل کس حد تک "اسلامی دستور" پر منطبق ہے، اس کی نگرانی کریں اور آئے دن نئے حوادث و واقعات کے سلسلے میں جو ضرورتیں پیش آتی رہیں، وحی و نبوت کی معلومات کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو ان ضرورتوں کے متعلق امر و حکم دیا

کریں۔ "تفقہ فی الدین" کے مطابق گزشتہ بالا قرآنی آیت کے سوا دوسری جگہ قرآن ہی میں

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (آل عمران:۱۰۴)

"چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہو جو خیر کی طرف بلائے، اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔"

کی آیت میں بھی اسی "تخصیصی طبقہ" کے پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے سوا بھی مختلف قرآنی آیتوں میں صراحۃً و اشارۃً اس مطالبہ کو مختلف طریقوں سے دہرایا گیا ہے جو عام طور پر مشہور ہیں۔ مثلاً علم ہی کی وجہ سے آدم کو ملائکہ پر فضیلت بخشی گئی نیز متعدد مقامات میں پوچھا گیا ہے کہ عالم اور غیر عالم کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

بہرحال ایک طرف اسلام میں "تفقہ فی الدین" کے لیے متخصصین کے ایک خاص طبقہ کا قائم کرنا اور دوسری طرف اسی کی فطری ضرورت کی تکمیل کے لیے قرآن ہی کے قانون

﴿فَسْئَلُوْٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل:۴۳)

"پوچھ لیا کرو، یاد رکھنے والوں سے، اگر تم خود نہیں جانتے۔" یا

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ (لقمان:۱۵)

"اور جو میری طرف جھکے ہوئے ہیں ان کی راہ کی پیروی کرو۔"

کا نافذ کرنا، ان سب کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا جس کی تفصیل ہمارے مؤرخین نے بیان کی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ دوسری اور تیسری نسل ہی میں نہیں بلکہ عہد نبوت اور عہد صحابہ ہی میں مسلمانوں کے طبقہ اولیٰ یعنی صحابہ کرام میں "اہل علم و فتویٰ" کا ایک مخصوص طبقہ پیدا ہو گیا جو اپنی اس خصوصی حیثیت و خدمت کے لحاظ سے عام صحابہ میں بالکل ممتاز تھا۔ اور اسلامی تاریخ کا یہی پہلا طبقہ ہے جس سے تدوین فقہ کے کام کا آغاز ہوا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی ممتاز تابعین و تبع تابعین نے علم فقہ کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دور میں حضرت علقمہ بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سعد، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے علوم کی امانت کو اپنے سینے میں محفوظ کر کے تبع تابعین کے اکابر اصحاب تک پہنچایا۔ آپ کے بعد حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور آپ کے بعد حضرت حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ اپنی علمی قابلیت اور تمام شاگردوں میں افقہ ہونے کی بنا پر آپ کی مسند تدریس پر رونق افروز کیے گئے۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کردہ احادیث کے سب

زیادہ علم حماد رحمۃ اللہ علیہ ہی سے تھے۔ حضرت حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے یہ علوم سب سے اول مدون فقہ بلکہ واضع فقہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منتقل ہوئے۔

یہاں پر یہ سوال جو سب سے زیادہ ذہنوں میں ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے علم فقہ سینہ در سینہ چلا آ رہا تھا اور اب تک علوم کی شکل میں باقاعدہ مدون نہیں ہوا تھا تو آخر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی کہ اس علم فقہ کو مدون کیا گیا۔ اس کا ایک سادہ جواب تو یہ ہے کہ جس طرح احادیث نبویہ کی تدوین، علم تجوید و قراءت اور دیگر علوم مدون کرنے سے مسلمانوں کی کسی ضرورت کو پورا کرنا ضروری تھا اسی طرح علم فقہ کی تدوین بھی مسلمانوں کی اہم ضرورت تھی اور امام اعظم نے اس ضرورت کو بہتر انداز میں پورا کیا اور اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا دور خیر القرون تھا۔ ہر فرد میں دین کی اہمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ احادیث مبارکہ اور مسائل کے سلسلے میں وہ حضرات یہ تاویل کی کوئی گنجائش کے قائل نہ تھے، تقویٰ و طہارت کا یہ عالم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات منقول تھی کسی طرح بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے مفہوم کو اپنی خواہشات یا آسانی کے لیے کسی بھی انداز میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ صحابہ کرام اور علماء کرام تو اس سے بھی زیادہ محتاط اور خوف زدہ رہتے تھے۔ لیکن فتوحات کی تیزی اور عرب و عجم اور مختلف اقوام کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی اب وہ حالت نہیں رہی تھی۔ اندیشہ تھا کہ لوگ احادیث نبویہ کے معانی کو اپنی ضروریات و خواہشات میں آسانی کے لیے استعمال کریں۔ ہر فرد احادیث نبویہ سے مسائل نکالنے کی کوشش میں گمراہی کے گڑھے میں گر جائے۔ ہر گاؤں، ہر شہر اور ہر قصبہ کی اپنی اپنی تعبیرات ہوں۔ اس لیے علماء کرام نے اس کو زیادہ مناسب سمجھا کہ قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اجماع امت کے ذریعہ مسائل کے استنباط سے علم فقہ کی تدوین کر کے اس کے ایسے اصول و ضوابط وضع کر لیے جائیں کہ دین اسلام کو بازیچۂ اطفال نہ بنایا جا سکے۔ پھر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات کی پیشین گوئی فرما دی تھی جیسا کہ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں، شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے "القاب" میں طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "معجم کبیر" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے کہ "اگر علم ثریا پر ہوگا تو کچھ لوگ ابنائے فارس کے اس کو وہاں سے حاصل کر لیں گے۔"

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضرورت کو کیسے محسوس کیا اور ضرورت کے پیش نظر اس سلسلے میں کیا کیا اقدامات کیے اور امام اعظم پر جو الزامات لگائے گئے اس کے کیا جوابات ہیں اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہی اس سلسلے میں کیا کیا احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں اور امام اعظم نے قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط کے لیے کیا کیا جتن کیے۔ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور فتاویٰ دارالعلوم کے مرتب مولانا ظفیر الدین نے

بہت ہی خوبصورت انداز میں ان کی تاریخ اور اعتراضات کے جوابات مرحمت فرمائے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

"رب العالمین نے بنی نوعِ انسان "نظامِ حیات" کی بقاء کے لیے قرآن مقدس جیسی کتاب نازل کی اور قیامت تک کے لیے اس کی حفاظت کا اعلان کیا، پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ رسول اور معصوم معلم کائنات بنا کر مبعوث فرمایا اور ختم نبوت کے تاج سے سرفراز کیا، تاکہ پورے اطمینان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تبیین، تزکیہ و تطہیر، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ نشانِ راہ پر ایمان لایا جائے اور اسے اپنی زندگی کا محور و مرکز بنا لیا جائے اور اس طرح انسان اس منزلِ مقصود کو پالے، جو اس کی تخلیق کا منشاء ہے"۔

اسلامی نظامِ حیات پر عمل عہدِ صحابہ میں:

عہدِ صحابہ تک یہ نظامِ فکر و نظر سے آگے بڑھ کر نہ صرف بلکہ ہر حرکت و سکون میں جاری و ساری تھا، آفتاب نبوت گو روپوش ہو چکا تھا مگر اس کی کرنوں سے سینے اسی طرح معمور تھے۔ جمالِ نبوی سے آنکھیں جلا پر فروم تھیں، لیکن دیدارِ نبوی نے جو نشہ پیدا کر دیا تھا اس میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، بلکہ کیف و مستی کا وہی عالم تھا، جدھر دیکھیے اور جہاں دیکھیے وہی حوروں کی سی پاکیزہ دلی اور فرشتوں کا سا تقدس! جانوں کی قربانی دی جا سکتی تھی لیکن شجرۂ نجات ایمان کی شاخوں میں سے کسی شاخ کی پژمردگی ایک لمحے کے لیے بھی انہیں برداشت نہیں تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال کے چلتے پھرتے مجسمے تھے۔ ان کی کوئی ادا اسوۂ نبوی کے خلاف نہ تھی اور سچ پوچھیے تو کتاب و سنت کی یہ ایسی دل آویز تفسیریں تھیں جن سے پوری آبادی بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔

ضرورتِ تدوینِ فقہ:

مگر جس طرح انسان ترقی کرتا گیا، اس کی ضرورتیں بڑھتی اور پھیلتی گئیں، پھر اسلامی حکومتوں کی وسعت سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے چلے گئے۔ دھر مزاجوں میں بڑی تیزی سے انقلاب آ رہا تھا، سوز و گداز اور سادہ دلی و سادہ زندگی جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا شیوۂ خاص تھا، ختم ہوتا جا رہا تھا۔ ایران و روم اور دوسرے عجمی ممالک کی تکلف پسندی طبیعتوں میں سرایت ہوتی جا رہی تھی، اس لیے حالات کا تقاضا ہوا کہ کتاب و سنت کی تعلیمات ایک نئے انداز سے مرتب ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ تلاش کیے جائیں اور دین کا سارا ذخیرہ سامنے رکھ کر "نظامِ حیات" کی ترتیب ایسے جاذبِ نظر اور دلکش انداز میں ہو کہ جسے عالم و جاہل، ذہین و غبی، عربی و عجمی اور شہری و بدوی ہر ایک آسانی سمجھ لے اور جو مسائل صراحۃً کتاب و سنت اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود نہیں ہیں

علماء کے باہمی غور و فکر اور بحث و تمحیص سے منضبط ہوں تاکہ آنے والی نسلیں پریشانیوں سے دوچار ہونے پائیں اور کتاب و سنت کی روشنی میں تیز گامی سے چل سکیں، اور ساتھ ہی ان کی غفلت پسند اور سہل طلب طبیعتیں تلاش و تجسس کی مشقت سے محفوظ ہو جائیں۔

تدوینِ فقہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ:

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اسلام ایک ہمہ گیر، وسیع اور دائمی "نظامِ حیات" ہے اور اس نے اپنی اس امتیازی شان ہمہ گیری اور دوامی حیثیت کی بقاء کی خاطر اپنے اندر ایسی لچک اور گنجائش رکھی ہے کہ ہر دور میں ہر جگہ انسانی ضروریات کا ساتھ دے سکے اور کسی منزل پر اپنے پیروؤں کی رہبری سے قاصر نہ رہے۔

چنانچہ علماء ربانیین نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس کے لیے سب سے پہلے سراج الامت حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) آمادہ ہوئے اور آپ نے اپنے عہد کے علماء کرام کی ایک ایسی معقول تعداد جمع کی جس میں ہر علم و فن کے ماہرین شریک تھے اور جو اپنے علم و فن میں بصیرت و مہارت کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ، خدا ترسی و فرض شناسی اور دوسرے اوصاف سے متصف تھے۔

خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) جنہیں اس مجلس عزیز کے صدر کی حیثیت حاصل تھی، ان سارے کمالات و فضائل کے جامع تھے جن کی ایسے اہم دینی کام میں ضرورت ہوتی ہے، اس زمانہ کا کوئی ایسا دینی مکتب فکر نہیں تھا جس سے آپ نے بیدار مغزی کے ساتھ استفادہ نہ کیا ہو، ہزاروں محدثین و شیوخ کے فیض یافتہ تھے، کم و بیش چار ہزار تابعین علماء و مشائخ سے آپ نے علم حاصل کیا تھا۔

شرفِ تابعیت:

پھر خود آپ کو بھی تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ بعض روایات کے مطابق جس زمانہ میں آپ کوفہ میں پیدا ہوئے، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں موجود تھے اور اس میں تو کسی کو بھی شبہ نہیں ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ نے دیکھا تھا اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف شہروں میں اس وقت بقید حیات تھے۔

﴿فاما روایته عن انس وادراکه لجماعة من الصحابة بانس لصحیحان لا شک فیهما﴾ (الخیرات الحسان ص ۲۵)

"ان کا یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کا زمانہ پانا دونوں باتیں صحیح ہیں اور شک و شبہ سے پاک۔"

امتیازی شان:

یہ ایک ایسا شرف تھا جس میں کوئی ہم عصر آپ کا سہیم و شریک نہ تھا۔

وفي فتاوى شيخ الاسلام ابن حجر انه ادرك جماعة من الصحابة كانوا بالكوفة بعد مولده بها سنة ثمانين فهو من طبقة التابعين ولم يثبت ذلك لاحد من ائمة الامصار المعاصرين كالاوزاعي بالشام والحمادين بالبصرة والثوري بالكوفة ومالك بالمدينة المشرفة والليث بن سعد بمصر (الخيرات الحسان ص ۲۳)

"شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں صراحت ہے کہ انہوں نے (یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو پایا تھا جو ۸۰ھ میں آپ کی پیدائش کے بعد کوفہ میں زندہ سلامت تھی اور اسی وجہ سے آپ کا شمار تابعین میں ہے۔ یہ شرف ایسا ہے جو آپ کے معاصرین میں سے کسی کو حاصل نہیں جیسے شام میں اوزاعی رحمہ اللہ بصرہ میں دونوں حماد رحمہ اللہ اور مصر میں لیث رحمہ اللہ بن سعد (ان میں سے کسی کو تابعی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے"۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی حیثیت:

ائمہ اربعہ جن کے مذاہب اس وقت دنیا میں رائج ہیں ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے علم و فضل و زمانہ و سال میں سب سے مقدم تھے اور بالواسطہ یا بلاواسطہ تمام ائمہ آپ کے فیض یافتہ تھے۔

الامن اشتهرت مذاهبهم هم اربعة ابو حنيفة الكوفي ومالك واحمد والشافعي رحمهم الله تعالى. واولهم الاول ويعاصره الثاني وقيل روى الاول من الثاني وقيل بل الثاني تلميذ للاول، والثالث تلميذ للرابع، والرابع تلميذ للثاني ولبعض تلامذة الاول. (مقدمة الفوائد البهية ص ۷)

"جن کے مذاہب نے شہرت حاصل کی، وہ چار امام ہیں امام ابوحنیفہ کوفی، امام مالک، امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ۔ ان چاروں میں سب سے پہلے (یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) مقدم ہیں اور دوسرے آپ کے ہم عصر ہیں، یعنی امام مالک رحمہ اللہ اور بعضوں نے کہا پہلے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) نے دوسرے (امام مالک) سے روایت کی اور بعضوں کا بیان ہے کہ دوسرے (امام مالک) پہلے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے شاگرد ہیں اور تیسرے (امام احمد) چوتھے (امام شافعی) کے شاگرد ہیں اور چوتھے (امام شافعی رحمہ اللہ) دوسرے امام مالک رحمہ اللہ اور پہلے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے بعض تلامذہ کے شاگرد ہیں"۔

اس کا ماحصل یہ ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان چاروں میں مقدم ہیں اور ان چاروں میں سے آپ کے ہمعصر صرف امام مالک رحمہ اللہ (م ۱۷۹ھ) ہیں جو آپ سے پندرہ سال چھوٹے تھے پھر بعض علماء تاریخ کے بیان کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ آپ کے شاگردوں میں ہیں اور یہ بات عقل میں آتی بھی ہے اس لیے کہ یہ عمر میں آپ سے کم تھے اور اس میں تو قطعاً شبہ ہی نہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے اور امام محمد رحمہ اللہ (م ۱۸۹ھ) وغیرہ کے شاگرد ہیں، اور دنیا جانتی ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے، اور بعض علماء کے قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کے بھی۔ رہ گئے امام احمد رحمہ اللہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، اس طرح یہ سلسلہ بھی امام اعظم رحمہ اللہ سے جا کر ملا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ امام اعظم سے عمر میں بہت چھوٹے ہیں۔ ان میں سے پہلے ستر سال اور دوسرے چوراسی سال۔

امام اعظم رحمہ اللہ کو ایک طرف تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے جو ان بقیہ تینوں ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں۔ دوسری طرف آپ عمر میں ان میں سے بڑے ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) آپ کے انہی فضائل و مناقب کے پیش نظر تحریر فرماتے ہیں۔

الحاصل ان التابعين افضل الامة بعد الصحابة ... فنعتقد ان الامام الاعظم والهمام الاقدم ابو حنيفة افضل الائمة المجتهدين واكمل الفقهاء في علوم الدين ثم الامام مالك فانه من اتباع التابعين. ثم الامام الشافعيؒ لكونه تلميذ الامام مالكؒ بل تلميذ الامام محمدؒ ثم الامام احمد بن حنبلؒ فانه كالتلميذ للشافعيؒ.

(شرح فقہ اکبر ص ۲۳۶)

''حاصل یہ ہے کہ تابعین کا درجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد امت میں سب سے بڑھا ہوا ہے، اسی وجہ سے ہمارا اعتقاد ہے کہ امام اعظم، ہمام اقدم، ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مرتبہ ائمہ مجتہدین میں سب سے اونچا ہے اور فقہاء علوم دینیہ میں آپ سب سے بلند و اکمل ہیں۔ آپ کے بعد امام مالک رحمہ اللہ کا درجہ ہے جو تبع تابعین کی صف میں ہیں۔ پھر امام شافعی رحمہ اللہ کا۔ اس لیے کہ آپ امام مالک رحمہ اللہ بلکہ امام محمد رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ پھر امام احمد کا جو امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد کے درجے میں ہیں۔

ماہرین علم و فن کی جماعت:

اس مختصر تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ صدر مجلس اپنے محاسن و مناقب میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے کتاب و سنت اور لغت و محاورات کے ان ماہرین علماء و باطن کے ساتھ مل کر اسلامی نظام کی دفعات مرتب کیں، اور اصول و فروع کا نقشہ تیار کیا اور اس طرح کہ اس علمی و دینی پارلیمنٹ میں کھلوں سے وسعت

نظری کے ساتھ ایک ایک مسئلہ پر غور کیا اور بحث و مباحثہ، تحقیق و تنقیح کی ضرورت پیش آئی تو اس سے بھی گریز نہیں کیا۔

تدوین فقہ میں احتیاط:

کتاب و سنت اور اقوال صحابہ کا پورا ذخیرہ سامنے رکھ کر کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہ رہنے پائے اور ہر طرح چھان پھٹک کر کے مجلس میں اسے قلمبند کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی غور و فکر، اخلاص و للہیت اور فضل و کمال کے ساتھ فقہ کا وجود عمل میں آیا۔ جو ہر جہت سے مہذب و مرتب اور زندگی کے تمام شعبہ جات پر حاوی ہے۔

طریقہ تدوین:

جن علماء و محققین بالغ نظر کی مجلس میں استنباط و استخراج مسائل کا اہتمام با شان کام انجام پایا، ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزار تک تھی۔ ان میں چالیس علماء خصوصی صلاحیتوں کے مالک تھے، اور مختلف علم و فن کے ماہرین شمار ہوتے تھے۔

روی الامام ابو جعفر الشیر ماذی عن شقیق البلخی، انه یقول کان الامام ابو حنیفة من اورع الناس واعبد الناس واکرم الناس واکثرهم احتیاطا فی الدین وابعدهم عن القول بالرأی فی دین الله عزوجل کان لایضع مسئلة فی العلم حتی یجمع اصحابه علیها ویعقد علیها مجلسا فاذا اتفق اصحابه کلهم علی موافقتها للشریعة قال لابی یوسف او غیره ضعها فی الباب الفلانی (رد المحتار ص ۴۴ ج ۱)

"امام ابو جعفر شیر ماذی شقیق بلخی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار، عبادت گزار، کریم النفس اور دین کے باب میں محتاط تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے دین میں ذاتی رائے کے اظہار سے کوسوں دور تھے کسی علمی مسئلہ کی اس وقت تک تخریج نہیں کرتے جب تک تمام احباب کو جمع کر کے اس پر بحث نہ کر لیتے جب سارے علماء شریعت کے اس مسئلہ میں متفق ہو جاتے تو آپ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ یا ان کے سوا کسی اور سے فرماتے کہ اسے فلاں باب میں داخل کرو۔

ایک ایک مسئلہ پر بحث:

امام شعرانی رضی اللہ عنہ نے (م ۹۷۳ھ) بھی امام صاحب رضی اللہ عنہ کے اس طرز استنباط کا تذکرہ کیا ہے وہ تقریباً کم و بیش انہی الفاظ کے ساتھ، چنانچہ علامہ شامی رضی اللہ عنہ نے بھی لکھا ہے:

وکذا فی المیزان للامام الشعرانی قدس سرہ (ایضاً)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المیزان" میں ایسا ہی ہے۔

پھر علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

فکان اذا وقعت واقعۃ شاورھم و ناظرھم و حاورھم وسألھم فیسمع ماعندھم من الاخبار والآثار و یقول ماعندہ ویناظرھم شھرا او اکثر حتی یستقر اخر الاقوال فیثبتہ ابو یوسف حتی اثبت الاصول علی ھذا المنھاج الشوری لا انہ تفرد بذلک. (ایضاً)

"جب کوئی واقعہ (مسئلہ) آپڑتا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے تمام اصحاب علم و فن سے مشورہ، بحث و مباحثہ اور تبادلہ خیال کرتے۔ پہلے ان سے فرماتے کہ جو کچھ ان کے پاس حدیث اور اقوال صحابہ کا ذخیرہ ہے، وہ پیش کریں، پھر خود اپنا حدیثی ذخیرہ سامنے رکھتے اور اس کے بعد ایک ماہ یا اس سے زیادہ اس مسئلہ پر بحث کرتے تا آنکہ آخری بات طے پاتی اور امام ابو یوسف اسے قلم بند کرتے۔ اس طرح شورائی طریقہ پر سارے اصول منضبط ہوئے ایسا نہیں ہوا کہ تنہا کبھی کوئی بات کہی ہو"۔

کتاب وسنت کی حیثیت:

"اخبار و آثار" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ پہلے ان علماء کے پاس کتاب وسنت کا جو ذخیرہ ہوتا تھا وہ سنایا جاتا تھا پھر صدر مجلس کے علم میں کتاب وسنت کا جو ذخیرہ محفوظ ہوتا وہ وہ پیش کرتا اور ان تمام مرحلوں کے بعد ان کی روشنی میں ہر شخص پیش آمدہ مسئلہ پر بحث کرتا اور اپنی رائے دیتا، دوسرے اس پر مختلف پہلو سے اعتراض اور اشکالات پیدا کرتے۔ پھر اشکالات کا ہر ایک اپنے فہم کے مطابق کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیتا، خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے، جیسا کہ آپ نے ابھی پڑھا ایک ایک مسئلہ پر مہینوں بحث جاری رہتی، جب ہر پہلو سے اطمینان حاصل کرلیا جاتا تو نتیجے کے الفاظ میں درج رجسٹر کیا جاتا۔

خود سوچئے اگر تنہا کسی ایک کی بات ہوتی تو غلطی کا احتمال تھا مگر جہاں چالیس چالیس جید ماہر فن علماء دل اور پوری سنجیدگی اور دیانت داری سے ہفتوں اور مہینوں تک ایک ایک اصل پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں بحث و تمحیص ہو، غلطی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

انسانی غلطی کا تدارک:

لیکن بہرحال تھے یہ سارے علماء باتفاق انسان ہی۔ اس لیے ممکن تھا کہ نہیں کسی مسئلہ میں لغزش ہو گئی ہو۔ یا آیات و احادیث سے استنباط و تخریج میں نظر سے چوک ہوئی ہو اس لیے صدر مجلس نے ضروری سمجھا کہ ایسی بھول، خطا اور کد و کاوش، انسانی بھول چوک اور بشری کمزوری سے صرف نظر کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ چنانچہ اعلان کر دیا کہ اگر کسی مستنبط مسئلہ کا کتاب و سنت کے خلاف ہونا ثابت ہو جائے تو ہر مسلمان کو اختیار بلکہ اس کا فریضہ ہے کہ وہ اسے ترک کر دے۔ اور صراحۃً حدیث سے جو مسئلہ جس طرح ثابت ہوتا ہے اسی پر عمل کرے۔

فقد صح عن ابی حنیفۃ انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی وقد حکی ذلک الامام عبدالبر عن ابی حنیفۃ وغیرہ من الائمۃ ونقلہ ایضا الامام الشعرانی (عقود رسم المفتی ص ۱۰)

"یہ روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل درست ہے کہ آپ نے فرمایا جب حدیث صحت کو پہنچ جائے تو پھر میرا مذہب وہی حدیث ہے۔ اسے امام عبدالبر اور دوسرے ائمہ دین نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے باب میں بیان کیا ہے۔ اور امام شعرانی نے بھی اسے نقل کیا ہے"۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اعلان

صاحب ہدایہ (م ۵۹۳ھ) سے مختلف حضرات نے ان کی یہ روایت نقل کی ہے جو روضۃ العلماء زندویسہ کے باب فضل صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے۔

سئل ابو حنیفۃ اذا قلت قولا وکتاب اللہ یخالفہ قال اترکوا قولی بکتاب اللہ فقیل اذا کان خبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یخالفہ قال اترکوا قولی بخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیل اذا کان قول الصحابۃ قال اترکوا قولی بقول الصحابۃ (عقد الجید لشاہ ولی اللہ ص ۵۳)

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ جب آپ کے کسی قول کی کتاب اللہ سے مخالفت ہو رہی ہو تو ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا "کتاب اللہ کے مقابلے میں میرا قول ترک کر دو" کہا گیا اگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مخالفت ہو رہی ہو تو؟ فرمایا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو" کہا گیا اور اگر ایسا ہی قول صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف پڑے تو؟ فرمایا قول

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں بھی میرا قول چھوڑ دو" یعنی میرے قول کی وقعت اس وقت کچھ نہیں جب وہ ان میں سے کسی کے بھی خلاف ثابت ہو۔"

بات بالکل درست ہے کہ دراصل فقہ جدید ترتیب مسائل کی ضرورت تھی یہ کتاب وسنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی ہی میں تو ہو رہی تھی اس طرز جدید کا منشا صرف یہی تھا کہ امت کے سامنے زمانہ حال کے مطابق مسائل سہل اسلوب میں آ جائیں، اس لیے کہ زمانہ کی رفتار کا جو رخ تھا وہ بتا رہا تھا کہ انسانی مزاج سہل پسند ہوتا جا رہا ہے اگر اس وقت توجہ نہیں دی گئی تو آگے چل کر دشواری بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

دلائل پر بنیاد:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر بس نہیں کیا تھا بلکہ اپنے تلامذہ اور اصحاب کو حکم دے رکھا تھا کہ تم خواہ مخواہ کسی ایک بات پر جم نہ جانا، بلکہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی واضح اور قابل اعتبار دلیل شرعی مل جائے تو پھر اس کو اختیار کرنا اور اس کا دوسروں کو حکم دینا، اس لیے کہ مقصد کتاب وسنت اور اقوال صحابہ پر عمل ہے، اپنی بات پر ضد اور اپنے فہم کی اشاعت پیش نظر نہیں ہے۔

لاعلم ان ابا حنيفة رضي الله عنه من شدة احتياطه و علمه بان الاختلاف من آثار الرحمة قال لاصحابه: ان توجه لكم دليل فقولوا به (عقود رسم المفتي ص ٢١)

"بہت احتیاط اور اس یقین کی وجہ سے کہ اختلاف آثار رحمت سے ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصحاب سے فرما دیا تھا کہ "اگر کوئی دلیل تم کو مل جائے تو پھر اسی پر عمل کرو اور اسی کا حکم دو۔"

بعد والوں کی احتیاط:

چنانچہ آپ کے تلامذہ واصحاب اور بعد والوں نے اس قول کی اہمیت محسوس کی اور جب بھی اور جہاں کہیں کسی مسئلہ کے اندر دلائل و براہین کی روشنی میں شبہ پیدا ہوا اسے ترک کر دیا اور کتاب وسنت کے دائرہ میں جو دوسری صحیح صورت نظر آئی اسی پر عمل کیا۔

وقد يتفق لهم ان يخالفوا اصحاب المذهب لدلائل و اسباب ظهرت لهم.

(ردالمحتار ج ١)

"اور کبھی کبھی دلائل و براہین کے پیش نظر اصحاب مذہب کی مخالفت بھی ان لوگوں نے کی ہے۔"

ضد سے اجتناب کی بکثرت مثالیں:

یہ تو آپ کے اصحاب و تلامذہ کا عمل تھا کہ انہوں نے بیسیوں مسائل میں آپ سے دلائل اور اپنے فہم کی

بنیاد پر اختلاف کیا اور ان کی رائے کا عمل رہا۔ دوسری طرف خود امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ اگر کسی اختیار کردہ مسئلہ کے خلاف کوئی دوسری رائے کتاب و سنت کی روشنی میں اقویٰ معلوم ہوئی اور کتاب و سنت سے قریب تر تو آپ نے اس اختیار کردہ مسئلہ کو ترک کر دیا اور اس سے رجوع کر کے دوسری طرف کے قائل ہو گئے۔ ایک دو نہیں سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جن سے آپ کا رجوع ثابت ہے۔ جن لوگوں نے دقت نظر سے فقہ کا مطالعہ کیا ہے ان کی نگاہوں سے یہ چیزیں پوشیدہ نہیں ہیں۔

کتاب و سنت کے مقابلہ میں رائے کی شدید مذمت

یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس رائے کی مذمت کرتے تھے جو کتاب و سنت سے مستفاد نہ ہو، بلکہ اسے خواہشات سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

وقد روى الشيخ محي الدين في الفتوحات المكية بسنده الى الامام ابي حنيفة رضي الله عنه انه كان يقول اياكم والقول في دين الله تعالى بالرأي وعليكم باتباع السنة فمن خرج عنها ضل (كتاب الميزان للشعراني ص ٥٠ ج ١)

"فتوحات مکیہ میں شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مسلسل ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک اپنی سند بیان کرنے کے بعد ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے "اللہ تعالیٰ کے دین میں محض رائے کی بنیاد پر حکم کرنے سے بچو، اور اتباع سنت کی پیروی ضروری کر لو اس لیے کہ جو اس سے خارج ہوا وہ گمراہ ہو گیا۔"

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب تک شریعت میں کسی بات کا ثبوت نہ مل جائے اس کا زبان پر لانا بھی گناہ ہے۔

وكان يقول لا ينبغي لاحد ان يقول قولا حتى يعلم ان شريعة رسول الله صلى الله عليه وسلم تقبله (كتاب الميزان للشعراني ص ٥٠ ج ١)

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ بات شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے کسی کے لیے اس کا زبان پر لانا درست نہیں ہے۔"

استنباط مسائل اور اس کے لیے اہتمام:

جو مسائل صراحۃً کتاب و سنت اور اقوال صحابہ میں نہیں ملتے ان کے لیے بڑی بحث و مباحثہ کرتے، بحث و تحقیق سے کام لیتے اور جب تک کوئی چیز باہمی اتفاق سے طے نہ ہو جاتی، باطمینان قلب نہ ہو جاتا، امام

تدوینِ فقہ کی ترتیب:

آگے دلائل کے طور پر لکھتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب کا طرزِ فکر اور استنباط و استخراج کیا تھا اور آپ کن اصول پر کاربند تھے فرماتے ہیں:

فقد جاء عن ابي حنيفة من طرق كثيرة ما ملخصه انه اولاً يأخذ بما في القرآن فان لم يجد فبالسنة فان لم يجد فبقول الصحابة فان اختلفوا اخذ بما كان اقرب الى القرآن او السنة من اقوالهم ولم يخرج عنهم فان لم يجد لاحد منهم قولا لم يأخذ بقول احد من التابعين بل يجتهد كما اجتهدوا. (الخيرات الحسان ص ۲۹)

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کثرت طرق سے جو ثابت شدہ حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ آپ پہلے قرآن اختیار کرتے اگر قرآن میں وہ چیز نہ ملتی تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے اور اگر سنت میں بھی کوئی چیز نہ ملتی تو پھر قولِ صحابہ اختیار کرتے۔ اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہوتا تو ان میں جو قول کتاب و سنت سے زیادہ قریب معلوم ہوتا اسے قبول کرتے اور اس حد سے باہر نہ جاتے اور اگر صحابہ کا بھی کوئی قول نہ ملتا تو تابعین میں سے کسی کا قول اختیار نہ کرتے بلکہ خود اجتہاد کرتے جیسا کہ دوسرے لوگ کرتے"۔

تدوینِ فقہ میں اولیت کا شرف:

سنت میں ترتیب فقہ اور مسائل کے استنباط و استخراج میں آپ کو اولیت کا شرف حاصل ہے اس سے پہلے عام طور پر لوگوں کا دارومدار حافظہ پر تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس معاملہ میں آپ کے خوشہ چین ہیں۔ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

انه اول من دون علم الفقه ورتبه ابوابا وكتبا على نحو ما عليه اليوم وتبعه مالك في موطاه ومن قبله انما كانوا يعتمدون على حفظهم. (الخيرات الحسان ص ۳۱)

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور اسے اسی طرح باب و فصل وار مرتب کیا جس طرح آج اس کی مرتب شکل پائی جاتی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مؤطا میں آپ کی پیروی کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے لوگوں کا اعتماد حافظہ پر ہوا کرتا تھا"۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب پہلے محدث پھر فقیہ:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب پہلے محدث پھر فقیہ تھے اس لیے کہ جس زمانہ میں احادیث

کے مجموعے پائے نہیں جاتے تھے بغیر علم حدیث کے مسائل کا استخراج کہاں سے ہو سکتا تھا "فقہ حنفی" کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ جس سے ساری دنیا اور بعد کے مجتہدین نے اپنے زمانہ میں استفادہ کیا بغیر حدیث کے کہاں سے آ گیا، اور آج اس کے سارے مسائل، اصول کس طرح حدیث کے مطابق ہو گئے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ "فقہ حنفی" کتاب وسنت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ (م ۹۷۴ھ) نے لکھا ہے:

مر انه اخذ عن اربعة آلاف شيخ من ائمة التابعين وغيرهم ومن ثم ذكره الذهبي وغيره في طبقات الحفاظ من المحدثين. (ايضاً ص ٦٦)

"یہ بات گزر چکی کہ امام ابوحنیفہ نے چار ہزار ائمہ تابعین اور دوسرے شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی وغیرہ نے محدثین کے طبقۂ حفاظ میں آپ کا شمار کیا ہے"۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا ذوق حدیث ان کی ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے لکھی ہیں کتاب الآثار، کتاب الخراج، کتاب الرد علی سیر الاوزاعی، کتاب الحج، موطا امام محمد، اور دوسری کتابیں عام طور پر ملتی ہیں ان کو ذرا پڑھا جائے اور اندازہ لگایا جائے۔

آج بھی فقہ حنفی کا کوئی طالب علم اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک ایک ایک مسئلہ حنفی کی تحقیق کتاب وسنت کی روشنی میں نہیں کر لیتا۔

غلط پروپیگنڈا:

یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان حضرات کو حدیث نبوی سے اتنا شغف نہیں تھا جتنا فقہ سے اور یہ کہنا کہ کہ ان حضرات کی تمام تر توجہ آیات اور احادیث سے مسائل و احکام کے استنباط و استخراج پر مرکوز تھی اور تدوین و جمع احادیث سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی، بلکہ بات صرف اس قدر ہے کہ تدوین فقہ جس کی طرف اب تک کسی نے توجہ نہیں دی تھی، انہوں نے اس کی ضرورت محسوس کی اور اجتماعی طور پر پوری محنت کے ساتھ یہ کام شروع کر دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ استنباط مسائل و احکام اس وقت کا سب سے اہم کام تھا اور یہ سب کے بس کی بات بھی نہ تھی کیونکہ اس میں بڑے غور و فکر اور فہم و بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے، باقی تدوین حدیث کا کام تو یہ صدر نبوی سے ہوتا آ رہا ہے اور اس وقت بھی بطور خود ہر شخص کر رہا تھا جس کا بڑا ثبوت امام اعظم رحمہ اللہ کی "مسند" ہے اور پھر پہلی صدی ہجری کے ختم پر جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رو پوش ہوئے ابھی دس بیس سال بھی نہ گزرے تھے۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جمع حدیث میں اہم کام اسناد اور رواۃ پر نظر ہے اور سچ پوچھیے تو یہی معیار ہے امام اعظم رحمہ اللہ کے دور میں جس وقت تابعین کا بڑا طبقہ بقید حیات تھا اسناد و رواۃ کی اس بحث کی گنجائش ہی کہاں تھی جو بعد میں ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ مسلم ہے **الصحابة كلهم عدول** صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں رہ گئے تابعین تو

یہ موجود ہی تھے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب فقہ کی ترتیب اور استنباط و استخراج مسائل کے اشتغال کی وجہ سے اگر حدیث کی روایت میں نمایاں نظر نہیں آتے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ حضرات نے حدیث کی دولت سے وافر حصہ نہیں پایا تھا۔۔۔ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ کے الفاظ یہ ہیں

ولاجل اشتغاله بهذا الاهم لم يظهر حديثه في الخارج كما ان ابابكر و عمر رضي الله عنهما لما اشتغلا بمصالح المسلمين العامة لم يظهر عنهما من رواية الاحاديث مثل ما ظهر عمن دونهما حتى صغار الصحابة رضوان الله عليهم و كذلك مالك والشافعي لم يظهر عنهما مثل ما ظهر عمن تفرغ للرواية كابي زرعة و ابن معين. (الخيرات الحسان ص ۱۶)

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرآن سے بیشتر مسائل کے استنباط و استخراج میں منہمک تھے جو بڑا اہم کام تھا۔ اس وجہ سے آپ کی خدمت حدیث نمایاں نہ ہو سکی اس کی مثال ایسی ہے جیسے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مصالح عامہ سے متعلقہ امور میں اشتغال کی وجہ سے روایت حدیث میں وہ نمایاں مقام نہیں حاصل کر سکے جو دوسرے چھوٹے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل رہا اور یہی حال امام مالک و شافعی رحمہما اللہ کا ہے کہ ان کی خدمت حدیث ان لوگوں کی طرح نمایاں نہیں جو اس کام کے ہو کر رہ گئے تھے جیسے ابوزرعہ اور ابن معین"۔

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب نے احادیث کے ساتھ بھی اپنے دور کے مذاق کے مطابق وہی شغف رکھا جو رکھنا چاہیے تھا۔

تدوین فقہ اور مسائل کا پھیلاؤ:

فقہ کا جو کام امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی انجام پایا تھا وہ ضرورت اور تقاضائے وقت کے ساتھ پھیلتا اور بڑھتا ہی گیا کسی حد پر جا کر رکا نہیں اور یہی ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ انسانی ضرورتیں نئی نئی شکلیں اختیار کرتی رہیں اور نئے نئے واقعات اور جدت پسندی کے ساتھ نئے مسائل ابھرتے رہے اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامت یوں ہی جاری رہے گا اور یہی وجہ ہے کہ حدیث میں فقہ کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين، انما انا قاسم والله يعطي (متفق عليه مشكوة كتاب العلم ص ۳۲)

"اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے دین میں اسے بصیرت عطا کرتا ہے اور میں کام تو

بس تقسیم کر رہا ہے حقیقت میں عطا و بخشش خدا کا کام ہے"۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فقاہت اور استنباط و استخراج میں بصیرت فیضان الٰہی ہے، انسانی عمل کو اس میں دخل نہیں، قدرت کی طرف سے یہ فیضان ان بندوں پر ہوتا ہے جنہیں وہ نوازنا چاہتا ہے۔

فقہ کی برکت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد رواہ الترمذی (مشکوٰۃ)

"ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے"۔

اور چیزوں کے ساتھ اس حدیث میں یہ بھی اشارہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر فقہاء مسائل میں صحیح صورت پر رہنمائی نہیں فرماتے تو شیطان کا لشکر انسانوں کو غلط راستے پر ڈال دیتا اور تمام امت کو جہنم میں دھکیلا کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شیطان جس قدر فقیہ سے گھبراتا ہے عبادت گزار سے نہیں۔

فتویٰ اور اس کی اہمیت:

فقہ اور دین کے وہ پیچیدہ مسائل جو دریافت کرنے والوں اور سائلین کے جواب میں بتائے گئے یا اسی سادہ انداز پر مرتب ہوئے وہ "فتاویٰ" کے قالب میں جلوہ گر ہوئے اور اس سلسلے نے انسانی ضرورتوں کا پورا پورا ساتھ دیا، کتاب وسنت اور فقہ سے مستنبط اس مفید وجدید شکل نے عام مسلمانوں کو تحقیق وجستجو کی ایک صبر آزما مصیبت سے بچا لیا، فتاویٰ کا یہ پھیلاؤ انسانی ضرورتوں اور سوالات کے ساتھ بڑھتا گیا، انسانی زندگی کے مختلف شعبہ جات سے متعلق مسائل جس جس طرح پیدا ہوتے گئے کتاب وسنت اور فقہ سے ان مستنبط مسائل کے ذخیرہ میں بھی اضافہ ہوتا گیا، کسی مرحلہ پر جمود پیدا نہیں ہوا، چنانچہ آج انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایسا سوال نہیں ہے جس کا جواب مفتی آپ کو فراہم کر کے نہ دے سکے۔

تنگ نظری کا الزام:

جن لوگوں نے اپنی کم فہمی اور وسعت مطالعہ کی کمی کی وجہ سے علماء دین پر جمود اور تنگ نظری کا الزام لگایا ہے وہ بڑی حد تک معذور ہیں البتہ قابل صد ملامت وہ حاسدین ہیں جو ازراہ کینہ پروری ایسی باتیں کہتے ہیں۔ ہر دور کے فتاویٰ کی کتابیں مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں، ان میں ہر دور کے نئے مسائل بھی درج ہیں اور ان کے جوابات بھی، ان کتابوں سے بڑھ کر ثبوت میں اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

فقہ وفتاویٰ ایسا فن ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسانی زندگی میں جس قدر واسطہ اس

امت کے پیش آمدہ مسائل کے اندر کبھی الجھاؤ میں گرفتار نہ ہونے پائیں، ہر باب اور ہر موضوع سے متعلق احکام ومسائل جو مدون و منقح ہیں فقہ و فتاویٰ ہے۔

مفتیان کرام کی جماعت دین و فقہ سے مناسبت رکھتی ہے، ہر زمانے میں پائی گئی اور عوام و خواص ہر ایک کا اس جماعت کی طرف رجوع ہوتا رہا اور یہ اپنے علم، رسوخ، خداداد صلاحیت اور مخصوص فہم کی وجہ سے اس کام میں ممتاز اور نمایاں رہی اور اسے رات دن اسی کام کے ساتھ اشتغال رہا۔

دین کے مخصوص خدام:

یہ ایک حقیقت ہے کہ علمائے کرام کے دو طبقے مخصوص طور پر دین کی ایک طرح کی خدمت میں نمایاں اور پیش پیش رہے۔

ایک محدثین کا جس کا اشتغال احادیث نبوی کی حفاظت و صیانت رہا، جنہوں نے حقیقۃً احادیث نبوی کی روایات اور ان کے بیان و ضبط کا اہتمام رکھا اور جنہوں نے زیادہ تر الفاظ حدیث پر گہری نظر رکھی۔

دوسرا طبقہ فقہائے امت کا، جنہوں نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے مسائل و احکام کا استنباط و استخراج کیا اور الفاظ حدیث سے زیادہ معانی حدیث اور اس سلسلے کے اصول و قواعد پر ان کی نظر مرکوز رہی۔

ملت اسلامیہ کے پہلے مفتی:

مفتیوں کا تعلق اسی دوسرے طبقے سے ہے اور اس امت کے سب سے پہلے مفتی اعظم خود رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے، اور یہ دولت آپ کو رب العزت کی طرف سے ملی۔ قرآن پاک میں افتا کا لفظ خود رب العالمین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ﴾ (النساء: ۱۲۷)

"اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی جو قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔"

کلالہ کے سلسلے میں آیت نازل ہوئی:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ (النساء: ۱۷۶)

"لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتے ہیں۔"

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ ان آیتوں میں "افتاء" کی نسبت خود رب العزت جل مجدہ کی طرف کی گئی ہے جس سے اس منصب کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے اور یقیناً یہ نسبت اس شعبہ کی اہمیت وفضیلت کی سب سے بڑی سند ہے۔ یہیں سے یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جو عالم دین اس عظیم الشان منصب پر فائز ہوتا ہے اس کی ذمہ داری کس درجہ اہم ہے اور اسے کس بلندی کا حامل ہونا چاہیے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس منصب عظیم پر سب سے پہلے اس امت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کی ذمہ داری کی وجہ سے عصمت کی عظیم دولت سے نوازا تھا تاکہ دین کے سلسلہ میں آپ جو حکم فرمائیں وہ انسانی غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ ہو چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے اور اپنے پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں حکم دریافت کرتے اور آپ ان تمام کو جوابات سے شاد کام فرماتے۔ ان جوابات وسوالات کا بڑا ذخیرہ آج بھی کتب حدیث میں محفوظ ہے بہت سے علماء کرام نے اس حصہ کو بھی جمع کرنے کی سعی کی ہے۔

آنحضرت ﷺ سے سوالات اور جوابات کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام کی حاضری

کتب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایسے سوالات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئے جس کا جواب آپ کو معلوم نہیں تھا چنانچہ آپ نے توقف فرمایا، پھر فوراً جبریل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے آپ نے ان کے سامنے سوال پیش کر کے جواب طلب کیا مگر روح الامین بھی بول اٹھے کہ اس سوال کے جواب میں میرا حال آپ جیسا ہی ہے اور پھر کہنے لگے "آپ انتظار فرمائیں میں ابھی رب ذوالجلال کی بارگاہ سے جواب لے کر حاضر ہوتا ہوں۔"

چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ صحابی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی عالم خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے پوچھا "ای البقاع خیر؟" "کون سا خطہ ارض بہتر ہے؟" یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور فرمایا میری یہ خاموشی اسی وقت تک ہے جب تک روح الامین تشریف نہ لے آئیں، اتنے میں فوراً حضرت جبریل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا اور دریافت کیا اس کا جواب کیا دیا جائے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سوال کے جواب میں عرض کیا۔

ما المسئول عنها باعلم من السائل ولكن اسال ربي تبارك وتعالى.

(مشکوٰۃ باب المساجد ص ۷۱)

"جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ اس مسئلہ کو پوچھنے والے سے کچھ زیادہ نہیں جانتا لیکن میں پروردگار عالم بزرگ و برتر سے پوچھتا ہوں"۔

چنانچہ حضرت جبرئیل روانہ ہو گئے پھر تھوڑی دیر بعد تشریف لائے اور کہنے لگے: آج میں رب العزت سے اس قدر قریب ہوا جتنا کبھی نہیں ہوا تھا آپ نے پوچھا اس کی نوعیت کیا تھی کہا میرے اور میرے رب کے درمیان صرف ستر ہزار نوری پردے پڑے ہوئے تھے۔" پھر جو سوال کیا گیا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جواب نقل کیا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿شر البقاع اسواقها و خير البقاع مساجدها رواه ابن حبان في صحيحه عن ابن عمرؓ﴾ (ایضاً)

"زمین کا بدترین حصہ اس کے بازار ہیں اور بہترین حصہ اس کی مسجدیں"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں ہوتا تھا لیکن جواب بحیثیت رسول آپ کے ذمہ ضروری تھا لہٰذا آپ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعہ جواب معلوم کرتے اور پھر سائل کو جواب مرحمت فرماتے۔

عجلت پسندی سے اجتناب اور بڑے کی طرف رجوع:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ) نے اس حدیث کے ضمن میں بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۵۸ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

ان من استفتي عن مسئلة لايعلمها فعليه ان لايعجل في الافتاء ولا يستنكف عن الاستفتاء ممن هو اعلم ولا يبادر الى الاجتهاد مالم يضطر اليه فان ذلك من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم و سنة جبريلؑ (مرقاة المفاتيح)

"جس مفتی سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا جائے جس کا جواب وہ جانتا نہیں۔ ہے تو اس کا فرض ہے کہ نہ وہ فتویٰ دینے میں عجلت کرے اور نہ اپنے سے بڑے عالم سے پوچھنے میں شرمائے اور جب تک بالکل اضطراری سی کیفیت پیش نہ آجائے اجتہاد کی ہمت نہ کرے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا"۔

گویا مفتی کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ دلائل کی تلاش کرے اور اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہونے دے۔ اگر اسے کوئی نص نہ مل سکے تو کسی بڑے عالم یا مفتی سے دریافت کرے۔ پوچھنے میں ننگ و عار سے کام نہ لے اور جب تک قابل اطمینان جواب مل نہ جائے۔ بغیر علم غلط سلط جو جی میں آئے جواب دینے کی کوشش نہ کرے اور یہ کہ مسائل میں اجتہاد اس وقت کیا جائے، جب صراحۃً کوئی آیت یا حدیث یا قول صحابہ نہ مل سکے۔

آنحضرت ﷺ کے فتاویٰ کی حیثیت:

کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کی حیثیت بہت اونچی ہے کیونکہ آپ کی ذات اقدس ارفع و اعلیٰ ہے، آپ خاتم النبیین اور عصمت کی دولت سے نوازے ہوئے تھے۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ جواب کی جامعیت و کاملیت اور اس کے الفاظ کا جچا تلا ہونا، جواب دینے والے کی علمی لیاقت اور اس کے شایان شان ہوتا ہے اور یہ کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات کی حیثیت "جوامع الکلم" اور "فصل خطاب" کی سی ہے، جن سے تجاوز کا خیال بھی ایک مسلمان کے لیے گناہ عظیم ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء: ۵۹)

"پھر اگر تم کسی امر میں اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف حوالہ کیا کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ طریقہ سب سے بہتر ہے اور اس کا انجام خوش تر ہے۔"

منصب افتاء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس عظیم الشان منصب پر آپ کے وہ جلیل القدر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فائز ہوئے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (البینۃ: ۸)

"اللہ تعالیٰ ان سے راضی و خوش ہوگئے اور یہ اللہ تعالیٰ سے خوش اور راضی ہیں۔"

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

(أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم) (مشكوة باب مناقب الصحابة)

"میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی تم اقتدا کرو گے ہدایت یاب ہو گے۔"

اور جنہیں کتاب و سنت کا فہم خصوصی حاصل تھا اور جن کے باب میں امت کا فیصلہ ہے:

(أبر الأمة قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا، وأحسنها بيانا، وأصدقها إيمانا، وأعمها نصيحة، وأقربها إلى الله وسيلة) (اعلام الموقعين ص ۵ ج ۱)

"(صحابہ کرام) امت میں سب سے زیادہ نرم دل، سب سے زیادہ گہرے علم والے، سب سے کم تکلف کرنے والے اور حسن بیان میں سب سے بڑھ کر ہیں، اسی طرح ایمان میں سب سے زیادہ سچے، خیر خواہی میں سب سے آگے، اور باعتبار وسیلہ اللہ سے قریب تر ہیں۔"

صاحب فتویٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باہمی فہم و فراست اور ذہانت و ذکاوت میں مختلف تھے ان میں جو صاحب فتویٰ تھے ان کی تعداد کے متعلق حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۱ھ) کا بیان ہے کہ وہ کچھ اوپر ایک سو تیس تھے۔ ان میں سے سات کو مکثرین میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ وہ بزرگوار ہیں جن کے فتاویٰ کتب حدیث میں بکثرت منقول ہیں اور کہا گیا ہے کہ اگر ان تمام حضرات کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ کی تعداد اتنی ہو کہ اس کی کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ ان سات کے نام یہ ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد فتاویٰ

پھر ان حضرات اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ دینی علوم نے نشوونما پائی اور اس طرح چراغ سے چراغ جلتا چلا گیا۔ یہ سلسلہ الحمد للہ کسی منزل پر پہنچ کر رکا نہیں بلکہ اب تک قائم ہے اور یقین کامل ہے کہ تا قیامت یوں ہی قائم رہے گا چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین، تابعین کے بعد تبع تابعین، پھر بعد کے علماء و فقہاء نے اس سلسلہ کو قائم رکھا۔

فقہ حنفی:

فقہ حنفی تمام تر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے مستفاد ہے مگر سلسلۂ اسناد اس کا حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم پر جا کر ختم ہوتا ہے جو اولین ایمان لانے والوں میں ہیں اور ان کے علاوہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ملتا ہے جن کے شاگردوں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے استفادہ کیا ان کی تعداد کم و بیش چار ہزار مورخین نے لکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، جو فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں

رضيت لامتي ما رضي لها ابن ام عبد يعني عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ (از [illegible])

"میں نے اپنی امت کے لیے ان چیزوں کو پسند کیا جنہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پسند کیا"۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۶ھ) نے اپنی کتاب "التقریب" میں حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۲ھ) سے یہ روایت نقل کی ہے:

انتهى علم الصحابة الى ستة عمر و علي و ابي و زيد و ابي الدرداء و ابن مسعود ثم

افتاء کے لیے علم وفہم:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص پوچھنے والے کے ہر سوال کا جواب بے سمجھے بوجھے دینے لگے وہ "پاگل" ہے الفاظ یہ ہیں:

ان من افتی الناس فی کل مایسألونہ عنہ لمجنون (اعلام الموقعین ص ۳ اص ۱)

حضرت سعید بن سحنون کا بیان ہے:

اجرأ الناس علی الفتیا اقلھم علما (ایضا)

"فتویٰ پر بڑا بے باک وہ ہوتا ہے جو کم علم ہوتا ہے"۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کے تمام بیانات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

الجراء علی الفتیاتکون من قلۃ العلم ومن ضرارتہ وسفھہ، فاذا قل علمہ افتی عن کل مایسئل عنہ بغیر علم (اعلام الموقعین)

"فتویٰ پر جری ہونا قلت علم ناتجربہ کاری اور بھولے پن کی دلیل ہے کیوں کہ جب آدمی کا علم کمتر ہوتا ہے تو وہ ہر سوال کا جواب دیتا ہے بغیر جانے بوجھے"۔

مفتی کا فریضہ:

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کو اپنی اس ذمہ داری کا احساس ہوگا استفتاؤں کے جوابات دینے یا لکھنے میں پوری بصیرت سے کام لے گا اور سوچ سمجھ کر جواب دے گا، معلوم نہ ہوگا تو کہہ دے گا "دوسرے علماء سے تحقیق کرلی جائے" اور جسے ذمہ داری کا پورا احساس نہ ہوگا اس کے پیش نظر اپنی بڑائی ہوگی اور بس۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یاایھا الناس من علم شیئاً فلیقل بہ ومن لم یعلم فلیقل "اللہ اعلم" فان من العلم ان تقول لما لاتعلم اللہ اعلم قال اللہ تعالی لنبیہ قل ما اسئلکم علیہ من اجروما انا من المتکلفین متفق علیہ (مشکوۃ کتاب العلم)

"اے لوگو! جو شخص کسی چیز کا علم رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے بیان کرے اور جسے علم نہ ہو اسے کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیوں کہ یہ بھی علم ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ فرمادیں کہ میں تم سے اجرت کا خواہاں نہیں ہوں اور نہ تکلف کرنے والوں میں سے ہوں"۔

گئے اور مسلمانوں کے دلوں سے قرآن و حدیث اور فقہ کو نکالنے کے لیے نہ صرف نظام تعلیم تبدیل کر دیا، بلکہ ایسا انتظام تعلیم مرتب کیا گیا کہ جس کو پڑھ کر مسلمان مسلمان نہ رہے بلکہ عیسائیت اختیار کرلے۔ دوسری طرف کتب دینیہ کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی گئی۔ قرآن کریم کو مٹانے کے لیے تمام حربے اختیار کیے جانے لگے۔ قرآنی آیت "کفار چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں" کے مناظر نظروں کے سامنے آنے لگے۔ ایسے مخدوش اور تباہ کن حالات میں علماء دیوبند نے اسلام کی حفاظت کے لیے کیا کیا اور صورت حال کتنی خطرناک تھی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کی حقیقت پسند نظر سے بیان کرتے ہیں:

حفاظتِ دین اور دارالعلوم دیوبند

قرون اخیرہ میں جب کہ ہندوستان میں کفر و شرک اور بدعات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے، عقائد کے پیچ و خم کفر و شرک کی سرحدیں پار کر رہے تھے، جاہل صوفیوں اور گمراہ پیروں نے اسلامی اعمال و اخلاق کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، رفض و تشیع کی ظلمتیں اذہان پر چھائی ہوئی تھیں، دوسری طرف سیاسی طور پر ملک میں افراتفری مچی ہوئی تھی، مغلیہ سلطنت کا زوال ہو رہا تھا، اورنگ زیب کے جانشین رفض و تشیع کی آلودگیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت جب کہ یہ سب کچھ ہو رہا تھا، شاہ ولی اللہ پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اجتہاد اور سعادت مند اور علوم نبوت سے سرشار فرزند عطا کیے جنہوں نے تزکیۂ نفوس کے موتی اہل ایمان کے لیے بکھیر دیے۔ عقائد کی اصلاح ہوئی، کتنی مردہ سنتیں زندہ ہوگئیں اور ایک عالم کو اپنے چشمہ فیض سے سیراب کیا، رفض و تشیع کے تار و پود بکھیر دیے۔ جاہل صوفیوں اور گمراہ علماء سے انسانوں کو آزاد کرایا، کتاب و حکمت کی تعلیم کو عام کیا اور برصغیر پاک و ہند قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں سے گونج اٹھا۔ یہ خانوادۂ علم و عرفان اس وقت جماعت حقہ کا مصداق بنا۔ پھر اس خانوادہ صدیقی و عثمانی کی خلافت جماعت علمائے دیوبند کے حصے میں آئی جنہوں نے مذکورہ بالا مقاصد میں سے ہر مقصد کے تحت کام کیا۔

ان حضرات میں اللہ تعالیٰ نے قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، ارباب فتویٰ اور تزکیۂ نفوس و اصلاح کا کام کرنے والے پیدا کیے۔ قراءت و تجوید کی کتابیں لکھیں، قرآن کریم کے تراجم، تفسیریں تصنیف فرما کر پہلے اور دوسرے مقصد کو پورا کیا، کتب حدیث کی اشاعت اور ان پر تحشیہ اور شروح کا سلسلہ شروع کر کے تعلیم حکمت کا فریضہ انجام دیا، ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ حق دکھا کر رذائل اخلاق کی آلودگیوں سے پاک کر کے تزکیۂ نفوس اور سیرت سازی کی تعلیم کا کام انجام دیا، بلکہ ان میں سے بعض حضرات نے مسئلۂ تصوف کو قرآن و حدیث و فقہ سے ہم آہنگ کر کے تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔ یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، اجمالی اشارات ہیں، اس جماعت

حضرات کے کارناموں پر تفصیل سے لکھنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ غرض یہ جماعت ظلمت کدۂ ہندوستان میں ستارۂ نور بنی رہی، اور ہے اور تشنگان علوم نبوت کے لیے چشمۂ صافی۔ اس جماعت میں حضرات ذیل سرفہرست ہیں:

(۱) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
(۲) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
(۳) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
(۴) حضرت مولانا محمد مظہر سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ
(۵) حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ
(۶) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ
(۷) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ
(۸) حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ
(۹) حضرت مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۰) حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۱۲) مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ
(۱۳) مفکر اسلام مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس اسلام دشمن ماحول میں جب کہ بقول مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب پادریوں کے غول کے غول گلی گلی گھوم کر برسرعام اسلام کے خلاف گفتگو کرتے اور ببانگ دہل اعلان کرتے کہ اب اس سرزمین پر اسلام کے بجائے عیسائیت کا غلبہ ہوگا کوئی عالم دین مقابلہ میں گفتگو کرتا تو اس کو سرعام پھانسی دے دی جاتی۔ ایک وقت ایسا آیا ہے کہ ہزاروں علماء کرام کو بیک وقت پھانسی دی گئی کہ علاقہ کا کوئی درخت ایسا نہیں رہا جس پر کسی عالم دین کی لاش نہ لٹکی ہوئی ہو۔ صورت حال اتنی گھمبیر ہوگئی تھی کہ لوگ انگریز حکومت کے خلاف سوچنے تک سے ڈرنے لگے۔ ایسی صورت حال میں اکابر دیوبند نے پہلا راستہ جہاد کا اختیار کیا اور مسلمانوں میں جینے اور آزادی کی امنگ پیدا کی اور وہ راستہ جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز، شاہ محمد اسحاق، شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ وغیرہ نے تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں میں پھونکا تھا اور جس کے عملی اقدامات کے لیے حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے رائے بریلی سے بالاکوٹ تک کا طویل سفر کرکے ایک ایک مسلمان کو تحریک آزادی اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے آمادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں ایسی تاثیر ودیعت فرمائی تھی کہ آپ جس کو دعوت دیتے وہ توبہ کرکے جہادی لشکر میں شامل ہو جاتا۔ ہزاروں طوائفوں اور ہزاروں زانیوں نے توبہ کی، لاکھوں افراد آپ کے شریک سفر ہو کر جہاد میں شامل ہوئے۔ پشاور اور اس کے اطراف میں آپ نے اسلامی حکومت قائم کی۔ لیکن آپ کو سکھوں نے چین لینے نہیں دیا۔ آخرکار بالاکوٹ میں آپ نے جام شہادت نوش کیا۔ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور مسلمان پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ گئے۔

سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی امارت میں حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہی، مجدد الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت حافظ ضامن شہید رحمہم اللہ نے ایک لشکر تیار کیا اور شاملی کے میدان میں باقاعدہ انگریزوں سے براہ راست جہاد کیا۔ حضرت حافظ ضامن شہید ہوئے۔ دیگر بہت سے مسلمان شہید اور گرفتار ہوئے۔ بادی النظر میں اس جہاد میں علماء کرام کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو مکہ مکرمہ ہجرت کرنی پڑی۔ جب کہ دیگر علماء کرام کچھ عرصہ روپوش رہے۔ صورت حال بہت زیادہ نازک ہو گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان میں اب مسلمانوں کا وجود اور اسلامی تعلیمات کے اثرات بالکل ختم ہو کر رہ جائیں گے اور یہاں بھی اسپین کی تاریخ دوہرائی جائے گی۔

الہامی مدرسہ:

یہی وہ وقت ہے جب کہ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں کی حالت زار پر رحم فرمایا اور بیک وقت ارباب قلوب کے دلوں کو اس طرف متوجہ کیا کہ اس وقت سب سے زیادہ ضرورت مسلمانوں کے عقائد اور دین کی حفاظت اور علوم نبویہ اور قرآنی تعلیمات کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا اس کے لیے کوئی تدبیر کی جائے اور برصغیر کو اسپین بننے سے بچایا جائے۔ اس بارے میں غور و فکر کرنے کے بعد ارباب قلوب اس نتیجے پر پہنچے کہ دینی اداروں کے ذریعہ مسلمانوں کی علمی میراث اور عقائد کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ اس فیصلہ پر پہنچنے کے بعد یہ ارباب قلوب قصبہ دیوبند کے اس چھوٹے سے قطعہ زمین میں شامل ہوئے جس کی نشاندہی بھی بشارت کے ذریعہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور جس جگہ سے گزرتے ہوئے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اس جگہ سے علم کی بو آتی ہے۔ حضرت قاری طیب صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کے قیام کے اس پس منظر کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا اجراء عام مروجہ طریقے پر نہیں ہوا کہ چند افراد نے چند روز مشورہ کیا ہو کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے اور محض ذاتی رائے سے مدرسہ دیوبند قائم کر دیا گیا ہو بلکہ یہ مدرسہ بالہام غیب قائم کیا گیا ہے۔ وقت کے کامل اللہ اور ارباب قلوب افراد کے قلوب پر یکدم وارد ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں جب کہ انگریزی اقتدار مسلط ہو چکا ہے اور اس کے تحت ان کا تمدن اور ان کے افکار و نظریات طبعاً اس ملک پر مسلط ہونے والے ہیں، جو یقیناً اسلام کے منافی اور نصرانیت کے فروغ کا باعث ہوں گے اور ممکن ہے کہ ان کے نفسانی تمدن سے نہ صرف اسلامی معاشرت بلکہ نفس دین و مذہب تک سے قلوب میں بیگانگی پیدا ہو جائے (جو کچھ ہی عرصے کے بعد ان کی فراست ایمانی کے مطابق یہ خطرہ واقعہ بن کر نمایاں ہونے لگا) تو ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے۔ ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جو مسلمانوں کو اس سیلاب کے بہاؤ سے بچا سکے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے واردات کو ایک مجلس میں بیٹھ کر

عد جب طلبا کی کثرت ہوئی اور رجوع عام ہوا تو ضرورت پیش آئی کہ مدرسے کا کوئی اپنا مستقل مکان ہونا چاہیے، تو یہ جگہ اور اس کے دو حصے جہاں آج دارالعلوم کی وسیع عمارات کھڑی ہوئی ہیں، تحریک وترغیب کے بعد درسے کے لیے دینے شروع کیے، بعض نے بقیمت اور بعض نے حسبۃً للہ، جس سے ایک بڑا قطعہ مدرسے کے تھ آ گیا۔ یہ جگہ عموماً شہر کا میلا پونے اور کوڑیوں کی جگہ تھی۔ دارالعلوم کے قیام سے تقریباً ایک صدی یا کم وبیش پہلے یہاں سے حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے رفقاء مجاہدین کے گزرے تو فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی بو آتی ہے، جس کا ظہور سو سال بعد ہوا اور اسی گندی جگہ سے بالآخر ۱۸۸۰ء کے بعد علوم نبوت کی اشاعت وریج شروع ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم کی جگہ کا انتخاب بھی الہامی ہے، جو باشارات غیب پہلے سے منتخب تھی اور آخر کار اسی جگہ پر ان اہل اللہ کا قرعۂ فال پڑا اور اس میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔

زمین مل جانے کے بعد جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی قدس سرہ مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند (جو نقشبندی خاندان کے اکابر میں سے تھے، صاحب کشف وواردات اور صاحب کرامات بزرگ تھے) کے زمانۂ اہتمام میں عمارت مدرسہ تجویز ہوئی اور اس کی پہلی بنیاد کھود کر تیار کی گئی اور وقت آ گیا کہ اسے مرا جائے اور اس پر عمارت اٹھائی جائے، کہ مولانا علیہ الرحمۃ نے خواب دیکھا کہ اس زمین پر حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، عصا ہاتھ میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مولانا سے فرمایا: شمال کی جانب جو بنیاد کھودی گئی ہے، اس سے صحن مدرسہ چھوٹا اور تنگ رہے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصائے مبارک سے دس بیس گز شمال کی جانب ہٹ کر نشان لگایا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہیے، تاکہ مدرسے کا صحن وسیع رہے، (جہاں تک اب صحن کی لمبائی ہے) مولانا علیہ الرحمۃ خواب دیکھنے کے بعد علی الصباح بنیادوں کے معائنے کے لیے تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان لگایا ہوا اسی طرح بدستور موجود تھا تو مولانا نے پھر نہ ممبروں سے پوچھا نہ کسی سے مشورہ کیا، اسی نشان پر بنیاد کھدوادی اور مدرسے کی تعمیر شروع ہوگئی۔ اس سے واضح ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیادیں بھی الہامی اور اشارات غیب کے تحت ہیں۔

اس کا سنگ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو تمام اہل اللہ اور اکابرین جمع ہی نہیں تھے، بلکہ ان کے قلوب میں ایک عجب بشاشت وکیفیت کا نور موجزن تھا، سنگ بنیاد میں جس سے بھی پہل کرنے کو کہا جاتا تو وہ کہتا، نہیں فلاں صاحب سے ابتداء کرائی جائے، وہ ہم سب کے بڑے اور اس کے اہل ہیں، گویا بے نفسی کا یہ حال تھا کہ اپنے کو کم سمجھ کر کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا تھا، بالآخر پہلی اینٹ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رکھوائی گئی اور اس کے ساتھ ہی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میاں جی منے شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا اور فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جنہیں صغیرہ گناہ کا بھی کبھی تصور نہیں آیا، تو انہوں نے

قاسم العلوم یعنی تقسیم کنندۂ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ آ کر دودھ لے جانے والے طلباء ہیں، جو حسب ظرف علم لے لے کر جا رہے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ مدرسہ دیوبند میں جب داخلہ ہوتا ہے اور طلبہ آتے ہیں، تو میں ہر ایک کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ بھی اس مجمع میں تھا اور یہ بھی، لیکن اس گستاخ طالب علم پر میں نے سر سے پیر تک تین دفعہ نظر ڈالی یہ اس مجمع میں تھا ہی نہیں اس لیے میں نے قوت سے کہہ دیا کہ یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کے لیے طلبا کا انتخاب بھی منجانب اللہ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں نہ اشتہار ہے، نہ پروپیگنڈہ اور نہ ترغیبی پمفلٹ کہیں جاتے ہیں کہ طلبہ آ کر داخل ہوں، بلکہ من جانب اللہ جس کے قلب میں داخلے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے وہ خود ہی کشاں کشاں چلا آتا ہے۔

اکابر علماء کرام کی توجہات:

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم ثانی دار العلوم کا مقولہ بزرگوں سے سننے میں آیا کہ مدرسہ دیوبند کا اہتمام میں نہیں کرتا بلکہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں، جو جو ان کے قلب پر وارد ہوتا ہے وہ میرے قلب میں منعکس ہو جاتا ہے اور میں وہی کام کر گزرتا ہوں۔ چنانچہ جب بھی مولانا کوئی غیر معمولی کام کرتے تھے تو اگلے دن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ مولانا! اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، کچھ عرصہ سے یہی کام جو آپ نے انجام دیا ہے میرے دل میں آ رہا تھا کہ ایسا ہونا چاہیے، جسے آپ نے عملاً انجام دے دیا۔ اس سے واضح ہے کہ اس مدرسے کے امور مہمہ بھی اشارات غیب اور الہامات ہی سے انجام پاتے تھے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جہاں قوی النسبت اکابرین میں سے تھے، وہیں امی محض تھے، نہ لکھنا جانتے تھے، نہ پڑھنا، امور متعلقہ، مولانا کے ارشاد و احکام اہتمام قلمبند ہوتے تو مولانا اس پر اپنی مہر لگا دیتے تھے، گویا احکام اہتمام بھی کچھ ماوراء اسباب ہی قلمبند ہوتے تھے، جس میں رسمی نوشت و خواندگی ہوتی تھی، حضرت کا امی ہونا خود اس کی بھی دلیل ہے کہ ان کے قلبی مضمرات کسی رسمی علم کے تابع نہ تھے، بلکہ قلبی واردات ہوتے تھے، جنہیں ارشادات غیب کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اولین صدر مدرس دار العلوم دیوبند کا مکاشفہ اپنے بزرگوں سے بارہا سننے میں آیا۔ فرمایا کہ میں دار العلوم کی وسطی درس گاہ نودرہ سے عرش تک نور کا ایک مسلسل سلسلہ دیکھتا ہوں، جس میں کہیں بھی بیچ میں فصل یا انقطاع نہیں اور اس لیے بزرگوں کا بلکہ خود اپنا بھی تجربہ یہ ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ جو بہت سے مطالعے سے بھی حل نہیں ہوتا، اس درس گاہ میں بیٹھ کر پڑھنے اور سوچنے سے حل ہو جاتا ہے اور اس میں شرح صدر نصیب ہو جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کا فیضان بھی کچھ رسمی اسباب کے تابع نہیں، بلکہ من جانب اللہ قلوب طلباء و اساتذہ پر وارد ہوتا ہے اور ان میں

علمی شرح صدر پیدا ہوجاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی مکاشفہ ہے کہ درسگاہ نودرہ کے سامنے کے صحن میں درسگاہ سے ایک دو گز کے فاصلے پر اگر کسی جنازے کی نماز پڑھی جائے تو وہ مغفور ہوتا ہے۔ اس لیے اس احقر نے اس عہد کی تشخیص کے بعد اس پر سیمنٹ کا ایک چوکھٹہ (نشان) بنوایا ہے اور اسی پر جنازہ رکھ کر خواہ شہری ہوں یا متعلقین مدرسہ ان کے جنازے کی نماز پڑھی جاتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس جگہ کی مقبولیت صرف تعلیم تک اور صرف متعلقین مدرسہ تک محدود نہیں، بلکہ عوام بھی اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں، خواہ وہ اس مدرسے کے تعلیم یافتہ ہوں یا نہ ہوں، ہم القوم لا یشقی جلیسہم پھر اس مدرسے کے اساتذہ اور عہدیداروں میں بھی تکوینی طور پر ایسے ہی حضرات کا انتخاب ہوتا رہا ہے، جو صاحب نسبت اور صاحب دل ہی ہوتے رہے ہیں۔

بہر حال اس مدرسے کے ابتدائی تصور، اس کی بنیاد کا انتخاب، اس کا اجراء، اس کا سنگ بنیاد، اس کے اساتذہ اور عہدیداروں کا انتخاب، اس کے طلباء کی تشخیص، طریق کار اور طریق اجراء وغیرہ سب ہی کچھ اس عالم سے زیادہ عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے میں نے اس مدرسے کا لقب عنوان میں "الہامی مدرسہ" رکھا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب نے جمعیت علماء اسلام کی خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس میں جو مقالہ پیش کیا اس میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد اور خدمت کے تذکرے کے ذیل میں فرماتے ہیں:

برادران اسلام! "ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس" بھی اس علاقہ کی دارالعلوم دیوبند سے وابستگی اور شیفتگی کی علامت ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ نے دارالعلوم کے صد سالہ کے موقع پر پاکستان اور بنگلہ دیش میں بڑے اجتماعات منعقد کرنے کی تجویز پیش کی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ نے ان کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اس کی اجازت دی اور آج انہی بزرگوں کی تجویز بالصواب کے مطابق جمعیت علماء اسلام یہ اجلاس منعقد کر رہی ہے جس کا مقصد دارالعلوم کی خدمات کا تعارف ہے۔ اور مجھے بھی اسی سلسلے میں اپنی معروضات پیش کرنی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی ہمہ گیر اور آفاقی خدمات اور اس کے کارناموں سے لبریز تاریخ کے بارے میں مختصر وقت میں تفصیلی گفتگو نہیں کی جاسکتی، اس لیے اختصار کے ساتھ عرض ہے، خدا ان باتوں کو مفید بنائے۔

دارالعلوم کیا ہے؟

اس سلسلے میں مجھے سب سے پہلے یہ واضح کرنا ہے کہ دارالعلوم کیا ہے اور اس کا مقصد و منہاج کیا ہے؟
اختصار کے ساتھ یہ سمجھنا چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند اپنے قیام کے روز اول سے آج تک الحمدللہ ایک علمی، عملی اور

تہذیبی وراثت کا امین ہے جو اسے عہد خیر القرون سے قرناً بعد قرن پہنچی ہے، ملت اسلامیہ کی توجہات کا یہ مرکز علم وعمل کے لحاظ سے عہد خیر القرون کا نمونہ ہے، یہاں سب سے زیادہ با کمال وہ ہے جو زمان ومکان کے فاصلوں کو طے کر کے مجلس نبوت میں حاضر ہوئے جس سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے استفادہ کیا تھا۔ دارالعلوم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے کبھی وہ رنگ قبول نہیں کیا جو صبغۃ اللہ نہیں تھا، اسی لیے مکمل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے فرقۂ ناجیہ کی جو علامت ما انا علیہ واصحابی (میرے اور میرے صحابہ کے عقیدہ وعمل کے مطابق) بیان فرمائی تھی وہ الحمدللہ دارالعلوم کے مسلک پر پوری طرح منطبق ہے۔ دارالعلوم گویا اس صراط مستقیم کا محافظ اور پہرے دار ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین کو اور صحابہ وتابعین سے ائمہ مجتہدین کو پہنچتی رہی ہے، پھر ائمہ مجتہدین سے امت کو ہر عہد میں یہ امانت ایسے انتخاب روزگار بزرگوں کے ذریعہ منتقل ہوتی رہی جو اگر چہ انفرادی طور پر تو معصوم نہیں ہیں لیکن ان کا مجموعی موقف یقیناً معصوم ہے، اس طرح الحمدللہ دین کی ابدی حفاظت ہوئی اور خداوند قادر وقیوم کا وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون پورا ہوتا رہا اور اسی لیے دارالعلوم کے مسلک حق کے مطابق قرآن کریم اور دین مبین کی صرف وہی تعبیر درست ہے جس کے حامل کا رشتہ ماضی سے منقطع نہ ہوا ہو۔ چنانچہ دارالعلوم نے روز اول ہی سے قرآن کریم کو سینہ سے لگائے رکھنے کے ساتھ سنت کی اہمیت پر پورا زور دیا اور قرآن وسنت کی حامل اولین جماعت یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توقیر وعظمت، ان سے محبت اور بحیثیت طبقہ ان کے مقدس اور عدول ہونے کے عقیدے کو اجاگر کیا۔

الغرض دارالعلوم اسی صراط مستقیم کا پاسبان ہے جو صحابہ کرام سے نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی ہے اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ خداوند عالم نے اکابر دارالعلوم کے ذریعہ گزشتہ زمانہ میں جو خدمت لی ہے وہ بے مثال ہے، بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ہدایت کا کوئی رخ ایسا نہیں ہے جہاں باری تعالیٰ نے دارالعلوم کے ذریعہ منارے اور مشعلیں قائم نہ فرمادی ہوں، اسی طرح ضلالت وگمراہی کا کوئی پیچ وخم ایسا نہیں ہے جہاں باری تعالیٰ نے اس کے ذریعہ صحیح رہنمائی کے اسباب فراہم نہ کر دیے ہوں، اس لیے کہ دارالعلوم کا قیام جن حالات میں عمل میں آیا تھا ان میں علماء کرام کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں اور یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اکابر دارالعلوم کے ذریعہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرایا۔ فللہ الحمد۔

قیام دارالعلوم کا پس منظر:

دارالعلوم کا قیام جن حالات میں عمل میں آیا تھا وہ تاریخ ہند کا نازک ترین دور ہے، ہندوستان تقریباً ایک ہزار سال تک مسلم سلاطین کے زیر نگیں رہا ہے لیکن باستثناء چند سلاطین اسلام کے تغافل کے سبب اسلام کی

دعوت و تبلیغ کا کام صرف علماء و صوفیاء نے ہی انجام دیا تھا اور آج تک اس سرزمین پر اسلام اور مسلمانوں کے نام سے جو کچھ بھی موجود ہے وہ انہی علماء و صوفیاء کی مساعی جمیلہ کی یادگار ہے بلکہ سچ پوچھیے تو مسلمانوں کے عہد سلطنت میں بھی غلط کار اور عاقبت نااندیش حکمرانوں کی بے پناہ غلطیوں کی اصلاح کا فریضہ بھی یہی مقدس جماعت انجام دیتی رہی ہے۔ لیکن اسلامی حکومت کے انحطاط و زوال نے ان حضرات کی ذمہ داریوں میں بہت اضافہ کر دیا، ایک طرف حکومت و اقتدار کی بازیابی کے لیے جد وجہد اور دوسری طرف زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات میں اسلام اور مسلمانوں کے بقاء و تحفظ کا پیچیدہ مرحلہ، حالات بڑے ہی نازک تھے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی میراث کے وارث اور صراط مستقیم پر چلنے والے اہل حق، خاندان شاہ ولی اللہ کی صورت میں ظاہر ہوئے، اسلامی حکومت کے دور انحطاط میں اس خانوادے نے جو بیش قیمت علمی و فکری خدمات انجام دی ہیں وہ اسلامی تاریخ کا عظیم الشان ذخیرہ ہیں، نہ صرف ہندوپاک بلکہ بیشتر بلاد اسلامیہ کی دینی فضا بھی اسی جماعت کی کوششوں کی یادگار ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی انقلاب آفریں جد وجہد کے بعد ان کے صاحبزادگان نے جو دور تاریک میں آفتاب عالمتاب کی طرح ضیاپاشیاں کیں، ملکی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ، ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر حکومت متسلطہ کے خلاف جہاد آزادی اور دہلی کی مسند حدیث و فقہ کی رونق افزائی ان کے زریں کارنامے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور بانیوں کو بھی اسی خانوادۂ علم ودانش سے نسبت فیض حاصل ہے، ان بزرگوں نے جب یہ دیکھا کہ انگریزی سامراج کے غلبہ و اقتدار سے ذہن و فکر اور تہذیب و تمدن کا زبردست انقلاب مسلمانوں کی بساط کو تہ و بالا کر دینے پر تلا ہوا ہے تو انہوں نے اس سیلاب پر بند باندھنے کی سعی کی اور نہایت باسلیقہ حکمت و تدبر برتتے ہوئے انہوں نے دیوبند کی سرزمین پر اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی تہذیبی اقدار کی حفاظت کے لیے ایک عربی مدرسہ کی بنیاد رکھ دی، ان بزرگوں میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا سید عابد حسین دیوبندی، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمہم اللہ کے نام سرفہرست ہیں۔

خاندان ولی اللہی سے نسبت فیض رکھنے والوں نے جب دارالعلوم دیوبند کی صورت میں ایک چشمۂ علم و معرفت قائم فرما دیا تو تھوڑے ہی عرصے میں مسلمانوں کے قلوب کو اس کی طرف مائل کر دیا اور حصول علم کے پروانے جوق در جوق اس شمع کا طواف کرنے لگے، قبول عام کا یہ منظر بھی چشم فلک نے دیکھا کہ دارالعلوم کے قیام کے

پہلے ہی سال میں متعدد غیر ملکی طلبہ بھی داخل ہوئے اور اس کے ساتھ جو دارالعلوم کی علمی، عملی، تعمیری، رفاہی اور سیاسی خدمات توفیق خداوندی سے پھیلنے شروع ہوئیں تو خطۂ عالم کا ایک ایک گوشہ اس سحاب رحمت کی فیض رسانیوں سے مستفید ہوا اور اس مدت میں ہزاروں اساطین امت نے اس گلشن علم و معرفت کی آبیاری کی، ان بزرگوں کے نام اور کارنامے تاریخ انسانیت کا زریں باب ہیں، خدا ان کی ارواح کو خوش و خرم رکھے اور جنت الفردوس میں انہیں درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے اور ان کے سینچے ہوئے گلستان کی بہاروں کو تا ابد قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

دارالعلوم کا آفاقی فیض:

چنانچہ رجال دارالعلوم کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل و معاملات میں جو رہنمائی قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں پچھلی صدی میں کی گئی ہے وہ الحمد للہ اپنی جگہ جامع کامل و مکمل ہے، اور اگرچہ گزشتہ صدی اپنی مادی اور صنعتی ترقی اور ذہنی انقلاب کے لحاظ سے بہت اہم اور تاریخ انسانیت میں سب سے زیادہ انقلاب آفریں ہے لیکن انسانیت اور مسلمانوں کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش نہ کر دیا گیا ہو، دارالعلوم کی ان جلیل القدر خدمات سے دارالعلوم کی افادیت، ضرورت اور اس کے فیض عام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اسی گلستان فطرت کی آبیاری کر رہا ہے جس کے ایک ایک شجرۂ طوبیٰ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے لگایا گیا ہے۔

دارالعلوم کی ملی خدمات:

اکابر دارالعلوم، دارالعلوم کے قیام سے پہلے انفرادی طور پر اسلامی خدمات انجام دے رہے تھے، لیکن دارالعلوم کے قیام کے بعد جب ان کی قوتوں میں اجتماعی شان پیدا ہو گئی تو خداوند عالم نے ان کے ہاتھوں سے جو امور انجام دلائے وہ بالیقین گزشتہ صدی کا تجدیدی کارنامہ ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم تجدیدی کارنامہ ہی نہیں بلکہ صاحب تجدید کو جنم دینے والا ادارہ ہے، اس آفتاب ہدایت کی کرنوں نے برصغیر ہندو پاک ہی کو منور نہیں کیا بلکہ اس کا نور افغانستان، انڈونیشیا، ایران، برما، تھائی لینڈ، افریقہ، چین، روس، سعودی عرب، سیلون، عراق، فرانس، کمبوڈیا، ملیشیا، نیپال، یمن اور دنیا کے تمام علاقوں میں پہنچا، ان تمام ممالک کے فضلاء کی آج تک کی مجموعی تعداد تقریباً چالیس پچاس ہزار اور فیض یافتہ متوسلین کا عدد کئی لاکھ ہے۔

ان فضلاء میں تاریخ کے سرسری جائزے کے مطابق ایک ہزار مشائخ طریقت، دس ہزار مدرس، دو ہزار سے زائد مصنف، تین ہزار ارباب افتاء، دو ہزار مناظر، آٹھ سو صحافی، آٹھ ہزار خطیب، مبلغ، ایک ہزار طبیب،

اور ہزاروں ادیب پیدا ہوئے اور اسلامی علوم وفنون کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس برگزیدہ جماعت کے
احسانات سے گراں بار نہیں ہے، دینی علوم وفنون میں قرآن، حدیث، فقہ، فتاویٰ، عقائد اور ان سے متعلق علوم کی
تحقیق وتشریح خدمات انجام دی گئیں کہ ان کا شمار ناممکن ہے، اگر ان کتابوں کی صرف فہرست تیار کی جائے تو وہ اپنی
ضخامت میں خود ایک مستقل تصنیف ہوگی۔

تصنیف وتالیف کے علاوہ درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کے ذریعہ جو مثالی کارنامے فضلائے دارالعلوم نے
انجام دیے ہیں ان کا اندازہ بھی مشکل ہے، ہزاروں بلکہ لاکھوں مدارس کا قیام، ہزاروں خانقاہوں میں طلبۂ حق اور
ہزاروں مراکز تبلیغ کی رونق انہی کے دم سے ہے۔ مدارس، خانقاہوں اور مراکز تبلیغ کے علاوہ دارالعلوم کے فیض کا
ایک بہت بڑا حصہ وہ تبلیغی سرگرمیاں ہیں جو براہ راست دارالعلوم کے مبلغین یا بالواسطہ دارالعلوم کے فضلاء کی
مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں وجود پا رہی ہیں، برصغیر ہند وپاک بلکہ دنیا میں جہاں بھی تبلیغ ودعوت کے لیے کوئی نقل و
حرکت پائی جاتی ہے بلا شبہ اس کا بیشتر حصہ دارالعلوم کے تعلق کا مرہون منت ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس
صاحب رحمہ اللہ بھی دارالعلوم سے فیض پانے والے بزرگوں اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تلامذہ میں ہیں۔

اس لیے بلا شبہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ تصنیف وتالیف، درس وتدریس، بیعت وارشاد اور دعوت وتبلیغ کی
صورت میں جو خدمات انجام دی گئی ہیں وہی دراصل مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں اسلام کی بنیاد ہیں، اگر
دارالعلوم کی یہ تعلیمی وتبلیغی جد وجہد نہ ہوتی تو پچھلی صدی اپنی مادی ترقیات کے اعتبار سے فکر ونظر کا جو انقلاب
اپنے جلو میں لائی تھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا کیا انجام ہوتا اور کچھ بعید نہیں کہ ہندوپاک میں اسلام کی بساط ہی لپیٹ
دی گئی ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں اپنے دین کی حفاظت کے لیے جو قلعہ تعمیر کیا اس کی
بدولت اسلاف کی امانت محفوظ رہی، مادیت وضلال کا ہر سیلاب جو اس کی فصیل سے ٹکرایا، بکھر کر رہ گیا اور
ناکام واپس ہو گیا

حضرت مولانا حبیب الرحمن قاسمی دارالعلوم دیوبند کے سلسلے میں فرماتے ہیں

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ خاصان خدا کی دعائے سحرگاہی کا ثمرہ، عشاق حق کے جذبۂ ایثار وقربانی کا
مظہر، مجاہدین اسلام کے جہد واخلاص کی نمایاں علامت، علم ومعرفت کا حسین امتزاج، مسلمانان برصغیر کی
حیات ملی کی صراط مستقیم، اور لادینیت کے اس دور میں دینی اقدار اور اسلامی تہذیب وثقافت کا محافظ و
علمبردار ہے۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ تاریخ اسلامی کی اولین درسگاہ "صفہ" کی یادگار اور عکس جمیل، جس کی بنیاد توکل
علی اللہ اور رضائے کریم ورحیم کے باحوصلہ بندوں کے مخلصانہ جذبات پر رکھی گئی۔ جس نے نہ کبھی کسی نواب ورئیس

سے ہمارے سرحدات کی جانب نگاہ غلط انداز اور غیر کی حکمرانی اور امیری زد روشن کی پرواہ کی، جس کا سراپا وجود اپنے اندر ولی زندوں اور حضرت شاہ ولی اللہ اور عرفان خود فروشی تعلیم و دعوت دیتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ برصغیر ہند و پاک کی وہ واحد اسلامی چھاؤنی ہے، جس نے اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کا موثر اور بھرپور مقابلہ کیا ہے، خواہ وہ فتنہ آریہ سماج کی طرف سے اٹھایا گیا ہو یا شدھی اور سنگھٹن کے نام پر، چاہے وہ فتنہ عیسائی پادریوں نے برپا کیا ہو یا انگریزوں کے ظل عاطفت میں پرورش پانے والے فتنۂ قادیانی نے، خواہ وہ فتنہ رضاخانیت اور غیر مقلدیت کے عنوان سے نمودار ہوا ہو یا سبائیت اور شیعیت کے لباس میں نمودار ہوا ہو۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ یہ وہ تحریک کا سرچشمہ ہے جس نے مسلمانانِ ہند کو "جمعیۃ علماء ہند" جیسی اولوالعزم، باحوصلہ، مدبر اور باشعور جماعت دی، جس نے برطانوی اقتدار کو اس وقت للکارا جب کہ اس کی قلمرو میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا اور وقت کی اس عظیم طاقت سے اس وقت اعلانِ جنگ کر دیا جب کہ دوسرے لوگ اس نو وارد قوم کی خوشامد اور چاپلوسی میں لگے ہوئے تھے۔

تاریخ گواہ اور دنیا شاہد ہے کہ برطانوی سامراج کو اپنی طاقت و شوکت کی پختگی کا زعم تھا، دارالعلوم نے اپنے جہد عمل اور قربانیوں کے سلسلے کو اس وقت تک جاری رکھا جب تک اس منحوس سامراج اور ناپاک غاصبوں سے وطن عزیز کا ایک ایک چپہ آزاد نہیں کرا لیا۔

پس منظر:

سقوطِ دہلی کے بعد مسلمانوں کو ان کے دین و مذہب اور تہذیب و ثقافت سے بیگانہ اور برگشتہ کر دینے کی غرض سے مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ دینی علوم اور ان کے بڑے بڑے علماء و فضلاء کو سرزمین ہند سے بے نشان کر دینے کے لیے تشدد اور جارحیت کی حد کر دی گئی۔ ارضِ ہند جس پر انہوں نے صدیوں حکمرانی کی تھی اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ کر دی گئی، امراء اور روساء کی جائیدادیں ضبط کر کے ان کو تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا، غرضیکہ ظلم و جبر کی جس قدر بھی شکلیں امکان میں تھیں، وہ سب بیچارے مسلمانوں پر آزمائی گئیں، لیکن خاندانِ ولی اللہ میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی، سب کچھ ختم ہو گیا تھا مگر اسلامی کردار زندہ تھا، دولت و حکومت اور شان و شوکت پر اغیار نے قبضہ کر لیا تھا مگر دینی حمیت محفوظ تھی، تمام تر دشمنیوں کے باوجود دین و مذہب اور ملک و وطن کے ساتھ ان کی وفاداریاں بدلی نہ جا سکیں، تو ملک کے اقتدار پر قابض ظالم غاصبوں نے بجائے ظلم و تشدد کے ایک دوسری حکمت عملی تجویز کی، جس کی تفصیل مولانا محمد طفیل خلیق کے الفاظ میں یہ ہے:

"حقیقی نبض شناس انگریزوں کی تشخیص پر گورنمنٹ ہند کا حکمت عمل (پالیسی) ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کے

بارے میں تبدیل ہوئی اور سمجھ لیا گیا کہ مسلمانوں کو دبا کر اور برباد کر کے انہیں سلطنت کا خیر خواہ اور وفادار نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ سال مذکور میں گورنمنٹ ہند نے مسلمانوں کو جدید طریقہ تعلیم دینے کا تہیہ کر لیا۔" (روشن مستقبل ص ۱۲۵)

ردِ عیسائیت اور دارالعلوم دیوبند:

اس حکمت عملی کے پس پردہ کیا عزائم کارفرما تھے؟ انہیں اچھی طرح سمجھنے اور اس پالیسی کی اصلی حقیقت تک پہنچنے کے لیے ہمیں اور پیچھے لوٹنا پڑے گا، یعنی ۱۸۳۴ء کی اس کمیٹی کی روداد کا جائزہ لینا ہوگا جو یہ طے کرنے کے لیے تشکیل دی گئی تھی کہ ہندوستانی طلبہ کو مشرقی زبان میں تعلیم دی جائے یا انگریزی زبان میں؟ اس کمیٹی کا اجلاس ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کو لارڈ میکالے کی صدارت میں ہوا جس میں لارڈ میکالے صدر اجلاس کے ترجیحی ووٹ پر انگریزی زبان میں تعلیم دینے کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی محمد طفیل علیگ مرحوم لکھتے ہیں:

"اس فیصلے کی تعریف میں بڑے بڑے راگ الاپے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لارڈ میکالے نے اس کے ذریعہ ہندوستان کو آزادی کا فرمان عطا کیا۔ مگر جو امور اس رائے کے محرک تھے ان میں سے ایک اعلانیہ اور دوسرا خفیہ تھا۔ اعلانیہ رائے تو وہ تھی جو انہوں نے اپنی رپورٹ میں ان الفاظ میں دہرائی تھی:

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔" (روشن مستقبل ص ۱۵۰)

لارڈ میکالے کا اصل جذبہ اور مخفی رائے جو ان کے قلب کے نہاں خانے میں چھپی ہوئی تھی وہ تھی جو انہوں نے اپنے والد کو ایک خط میں لکھ کر بھیجی تھی جس میں وہ لکھتے ہیں:

"اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے کوئی ہندو جو انگریزی داں ہے کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ بعض لوگ مصلحت کے تحت ہندو رہتے ہیں مگر بہت سے یا تو ملحد ہو جاتے ہیں یا مذہب عیسوی اختیار کر لیتے ہیں، میرا عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجویز پر عمل درآمد ہوا تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہ رہے گا۔" (روشن مستقبل ص ۱۵۱)

بالفاظ دیگر واضح برٹش سامراج کی پالیسی یہ تھی کہ اس طرح کا تعلیمی نظام رائج کیا جائے جسے پڑھ کر ہندوستانی ذہن و فکر کے اعتبار سے انگریز بن جائیں یا کم از کم ایماندار و باوفا رعایا بن جائیں، چنانچہ مسٹر الفنسٹن اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں:

"میں اعلانیہ نہیں تو در پردہ پادریوں کی حوصلہ افزائی کروں گا، اگرچہ مجھے گورنر صاحب سے اس بارے

میں اتفاق ہے کہ مذہبی امور میں امداد کرنے سے احتراز کیا جائے تاہم جب تک ہندوستانی لوگ عیسائیوں کی شکایت نہ کریں تب تک ان کی تعلیم کے مفید ہونے میں ذرا شبہ نہیں اگر تعلیم سے ان کی رایوں میں ایسی تبدیلی پیدا نہ ہو سکے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں تاہم وہ اس سے زیادہ ایمان دار مخلص رعایا تو ضرور بن جائیں گے"۔ (روشن مستقبل، ص:۹۵)

اس سیاسی انقلاب اور جدید تعلیمی نظام نے مسلمانوں کے اقتصادی و تمدنی اور علمی و معاشرتی نظام کو کس طرح پامال کیا اس کی تفصیل سر ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب "Our Indian Muslims" (ہمارے ہندوستانی مسلمان) میں کسی قدر بیان کی ہے۔ کتاب کے چوتھے باب میں انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور ان کی مشکلات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مسلمانوں کی حکومت سے بہت سی شکایات ہیں، ایک شکایت یہ ہے کہ حکومت نے ان کے لیے تمام اہم عہدوں کا دروازہ بند کر دیا ہے، دوسرے ایک ایسا طریقہ تعلیم جاری کیا ہے جس میں ان کی قوم کے لیے کوئی انتظام نہیں، تیسرے قاضیوں کی موقوفی نے ہزاروں خاندانوں کو جو فقہ اور اسلامی علوم کے پاسبان تھے بیکار اور محتاج کر دیا ہے، چوتھی شکایت یہ ہے کہ ان کے اوقاف کی آمدنی جو ان کی تعلیم پر خرچ ہونی چاہیے تھی غلط مصرفوں پر خرچ ہو رہی ہے۔"

ڈاکٹر ہنٹر نے ان شکایات پر بالتفصیل بحث کی ہے اور مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچا ہے۔ الخ

(موج کوثر، ص:۴۷)

یہ تھے قوم و ملت کے حالات کہ حکومت و سلطنت ایک قصہ پارینہ بن چکی تھی، جاہ و منصب خواب و خیال ہو گئے تھے، دولت و ثروت کے خزانوں پر افلاس و ناداری کا پہرہ تھا، قومی و ملی رہنماؤں کی اکثریت موت کے گھاٹ اتار دی گئی تھی یا جیل کی سلاخوں اور انڈمان کے جزیرے میں محبوس کر دی گئی تھی، قسمت سے بچے کھچے افراد بتقاضائے مصلحت ہجرت کر گئے تھے یا اپنے اپنے زاویوں میں روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ اس عالم لاچاری و کس مپرسی میں قوم و ملت کے لیے اگر کوئی سہارا تھا تو وہ ایمان و اعتقاد کا سہارا تھا مگر اب اس پر بھی غارت گران افرنگ ڈاکہ ڈالنے کی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور ملت اسلامیہ ہند زبان حال سے کہتی تھی:

گردش وقت یہ بھی چھین نہ لے
اک تیری یاد کا سہارا ہے

تحریک ولی اللہی کا مرکز "مدرسہ شاہ عبد العزیز دہلی" جہاں سے ملت کو علم و معرفت اور عزم و حوصلہ کا درس ملتا تھا تباہ کیا جا چکا تھا، جب کہ تحریک ولی اللہی کی رگوں میں خون اسی مدرسہ سے پہنچایا جاتا تھا، شاہ ولی اللہ، شاہ

عبدالعزیز، شاہ محمد اسحٰق اور آخر میں شاہ عبدالغنی مجددی رحمہم اللہ نے اسی مدرسہ کو اپنی اصلاحی و انقلابی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا اور اسی میں بیٹھ کر قوم کی علمی، فکری تعمیر و تشکیل کی خدمت انجام دی تھی۔

سقوطِ سلطنت اور دہلی کی تباہی کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تو حسبِ تصریح مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ "شاہ محمد اسحاق کی مرکزی جمعیت نے جو اب حجاز میں مقیم تھی اور امیر حاجی امداد اللہ کی رہنمائی میں ہندوستانی کام کرتی تھی، فیصلہ کیا کہ اطراف دہلی میں امام عبدالعزیز کے مدرسے کے نمونہ پر ایک مدرسہ بنایا جائے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم (نانوتوی قدس سرہ) اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سات سال تک کوشش کرتے رہے تب کہیں جا کر ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق (۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) میں سقوط دہلی کے ۹ سال بعد مدرسہ دیوبند کی تاسیس ہوئی۔"

مولانا سندھی یہ بتا رہے ہیں کہ "دارالعلوم دیوبند" کا قیام کسی وقتی جذبہ یا شخصی حوصلہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی تاسیس طے شدہ منصوبہ اور ایک جماعت کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت عمل میں آئی ہے۔ جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ قیام دارالعلوم کے بعد جب شاہ رفیع الدین دیوبندی حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو وہاں سیدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے عرض کیا کہ ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لیے دعا فرمائیے تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا:

"سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے، یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا! ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا کر، یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے، دیوبند کی قسمت ہے کہ اس دولت گراں کو یہ سرزمین لے اڑی۔" (سوانح قاسمی ج ا ص ۲)

یہ ہے "مدرسہ عربی اسلامی دیوبند" یعنی اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کی تاسیس و بنا کا تاریخی پس منظر جس سے صاف ظاہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند در اصل اسی شجرِ طوبیٰ کی ایک سرسبز و شاداب شاخ ہے جسے امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے اپنے بافیض مبارک ہاتھوں سے نصب کیا تھا تاکہ شرک و بدعت، جہل و معصیت کی بادِ سموم سے خستہ حال و واماندگانِ راہ اس کے حیات بخش سائے میں آ کر زندگی کی تازگی و توانائی حاصل کر سکیں۔

کعبہ را ویراں مکن اے عشق کاں جا یک نفس
گاہ گہے واماندگاں راہ منزل می کنند

اصول و مقاصد:

دارالعلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر جاری دیگر مدارس دینیہ کے اصول و مقاصد کو حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہ نے "اساسی اصول ہشتگانہ" کے عنوان سے خود تحریر فرمایا تھا، جو ماہنامہ القاسم کے دارالعلوم نمبر (محرم ۱۳۴۷ھ) میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا سید محمد میاں دیوبندی نے ان اصول و مقاصد کا خلاصہ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

"ان اصول کی بنا پر یہ بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم اور اس کے ہم مسلک دیگر مدارس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

(الف) آزادئ ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر کلمۃ الحق کا اعلان ہو، کوئی جبری طمع، سرمایہ دارانہ دباؤ یا سرپرستانہ مراعات اس میں مخل نہ ہو سکے۔

(ب) اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک عزم پیدا کر دے جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو اور اس طرح اسلامی تہذیب ہمیشہ کے لیے ورنہ کم از کم اس وقت تک کے لیے محفوظ ہو جائے جب تک یہ مرکز اپنے صحیح اصول پر قائم رہے۔ نیز توکل علی اللہ اور عوام کی طرف سے احتیاج خود کارکنان مدرسہ کو اسلامی شان پر باقی رکھ سکے اور جابرانہ استبدادی ریاست کا غرور ان میں متکبرانہ پیدا نہ ہو بلکہ ایک جمہوری تعلق ہو جو ایک کو دوسرے کا محتاج بنائے رکھے اور اس طرح آپس میں خود ایک دوسرے کی اصلاح ہوتی رہے۔

(مندرجہ بالا الف و ب کے لیے ملاحظہ ہو اصول ہشتگانہ کی دفعہ نمبر ۲، ۷، ۸)

(ج) کارکنان، خدام اور منتظمین کی جماعت جملہ اثرات سے محفوظ ہو اور اصولاً و روحاً ولی اللّٰہی مسلک پر شدت سے عمل پیرا ہو جس کے متعلق تمام عالم اسلام کا اتفاق ہے کہ وہ سنت قویمہ ہے، مسلک اسلاف کے عین مطابق ہے، افراط و تفریط سے پاک، صراط مستقیم اور معیار صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو اصل نمبر ۳)

(د) خود رائی اور استبداد (جو شرعی نیز تاریخی حیثیت سے بربادئ مسلم کا واحد ذمہ دار ہے) کے برخلاف باہمی مشاورت سے اجتماعی اور جمہوری حیثیت کے ساتھ کام کرنے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

(اس کے متعلق اصل نمبر ۴ میں متعدد ضابطوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔) (علمائے حق، ج:۱، ص ۵۲، ۵۶)

الحاصل یہ اصول و مقاصد بتا رہے ہیں کہ علم و عرفان کا یہ مرکز اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ اس سے دین کے سچے اور مخلص خادم، اسلام کے جانباز و جرأت مند سپاہی تیار کیے جائیں جو اسلامی عقائد و شعائر اور دینی اخلاق و روایات کے داعی و نقیب بنیں اور باطل طاقتوں کی فتنہ سامانیوں سے اسلام اور مسلمانوں

ہو جاتا ہے۔ وہ دو اس بات کے مکلف ہوتے ہیں کہ اپنے اسلاف سے تسلسل کردار کو ہر دور میں بے داغ اور آئندہ نسلوں کے لیے بطور نمونہ تاریخ ثابت کرتے رہیں۔ اس کے بغیر اسلام ایک مسلسل حقیقت اور ایک زندہ مذہب نہیں رہ سکتا۔

چنانچہ دارالعلوم اور بالفاظ دیگر علمائے دیوبند عملی طور پر صحابہ کرام سے لے کر محدثین رجال تک اسناد اسلام کی ہر کڑی سے پورے وفادار رہے اور سلف صالحین کی اتباع کے اس حد تک پابند رہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بدعت کو بھی دین میں نہ جگہ دی۔ مسلسل اسلام اور اسناد دین کو کمزور کرنے والے مختلف فتنوں سے دارالعلوم اور اس کے علماء نے اختلاف کیا تو اس لیے نہیں کہ وہ اختلاف پسند تھے یا انہیں کسی طبقے سے ذاتی بغض تھا، بلکہ محض اس لیے کہ اسلام جس مبارک و پاکیزہ سلسلے سے ہم تک پہنچا ہے اس سے پوری وفا کی جائے۔ ان کے الحادی یا بدعی نظریات کی تردید و تخریب اس لیے ضروری تھی کہ اس کے بغیر اسلام کی تعمیر و بقا کی کوئی صورت نہیں تھی، لیکن ان کی یہ تردید بھی اصولی رہی اور بدلائل جدال احسن، جس کی تعلیم خود قرآن نے دی ہے۔ "و جادلهم بالتي هي احسن" (پ ۱۴)

عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ:

اسلام کے اس عظیم بنیادی عقیدے پر یلغار کی گئی اور انگریز کی خانہ ساز نبوت کے داعی یورپ اور بلاد افریقہ میں تبلیغی مشن کے حسین عنوان سے مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دینے لگے۔ علمائے دیوبند نے مسلمانوں کو اس ارتدادی فتنے سے خبردار کیا۔ اکابر دارالعلوم کے سرخیل شیخ امداد اللہ مہاجر مکی نے اپنے خلفاء حضرت مولانا اشرف علی اور شیخ مہر علی شاہ گولڑوی کو اس کی سرکوبی کی جانب متوجہ کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگرد علامہ انور شاہ محدث کشمیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد محدث عثمانی، مناظر اسلام مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری، مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد عالم (آسی) امرتسری، پھر حضرت محدث کشمیری کے تلامذہ میں مولانا سید بدر عالم میرٹھی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد ادریس محدث کاندھلوی، مولانا محمد یوسف محدث بنوری وغیرہ اساطین علمائے دیوبند (رحمہم اللہ تعالیٰ) میدان میں نکلے اور اپنی گراں قدر علمی تصانیف، مؤثر تقاریر اور بے پناہ مناظروں سے انگریزی نبوت کے دجل و فریب کا اس طرح پردہ چاک کیا اور ہر محاذ پر ایسا کامیاب تعاقب کیا کہ اسے اپنے مولد و منشأ لندن میں محصور ہو جانا پڑا۔ علمائے دیوبند کے علمی و فکری مرکز دارالعلوم دیوبند کی زیر نگرانی حریم ختم نبوت کی پاسبانی کی یہ مبارک خدمت پوری توانائیوں کے ساتھ آج بھی جاری و ساری ہے۔

جیسا کہ مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کے تذکرہ میں تحریر فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کی ان طویل خدمات میں جن نفوس قدسیہ کا کردار ہے ان میں مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک

اہم شخصیت ہیں اور حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے تاریخ دارالعلوم دیوبند میں مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند کی عبقری شخصیت میں تحریر فرمایا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے کام کے حوالے سے جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دو قسم کی شخصیات کی خدمات نظر آتی ہیں۔ ایک وہ ارباب علم و تقویٰ جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی شعبہ میں مہارت تامہ عطا فرماتے ہیں اور اسی کی نسبت سے خدمات جلیلہ سے امت مسلمہ مستفیض ہوتی ہے۔ جب کہ بعض شخصیات کو اللہ تعالیٰ ایسی جامعیت عطا فرماتے ہیں کہ دین کے تمام شعبوں میں ان کی خدمات صورت نصف النہار کی مثال بنی ہوئی نمایاں محسوس ہوتی ہیں۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور فقیہ امت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی روحانی اولاد کی جامع ترین شخصیات کی فہرست کو ہم دیکھتے ہیں تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن گنگوہی کی شخصیت اپنی جامعیت میں ایسی ہے جس کی نظیر مشکل ہے۔ آپ کے بعد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی خدمات کو دیکھتے ہیں تو آپ کی شخصیت میں جامعیت ہی جامعیت نظر آتی ہے۔

مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی جامعیت:

چودہویں صدی کے آخری حصے میں جامعیت کی حامل اگر کسی شخصیت پر ہماری نگاہیں ٹھہرتی ہیں تو وہ ذات گرامی مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اپنی زندگی کے مختصر ترین لمحات میں انہوں نے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں ان کی خدمات کو دنیا بھر کے علماء کرام اور اصحاب علم نے خراج تحسین نہ پیش کیا ہو۔ ان کی وفات کے بعد ان کے عصری علوم کے استاد نے "نفحے محمود سے مفتی محمود تک" کے عنوان سے جو مضمون تحریر فرمایا اس میں انہوں نے صراحت سے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے ایک ممتاز طالب علم کی حیثیت سے ہماری نظروں میں ایک بلند مقام رکھتے تھے اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ شخص بڑا ہو کر بہت بلند مقام پیدا کرے گا اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں اپنے اس عظیم شاگرد کو جامعیت کے اس منصب پر دیکھا جس پر پوری دنیا کے مسلمان ناز کرتے تھے۔

مولانا مفتی محمود صاحب ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ جنوری ۱۹۱۹ء کو ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک قصبہ پنیالہ میں اپنے ننھیال میں پیدا ہوئے۔ پنیالہ آپ کا آبائی علاقہ نہ تھا بلکہ آپ کے والد محترم حجاز سے ہجرت کے بعد کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھے کہ پنیالہ کا سرسبز و شاداب علاقہ آپ کی نظروں کو بھا گیا اور آپ وہیں مقیم ہو گئے۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی خلیفہ محمد صدیق تھا جنہوں نے بعد میں اپنے شیخ زادے مولانا عبدالعزیز کی خواہش پر عبدالخیل میں قیام کر لیا تھا۔ وہیں خلیفہ محمد صدیق کی وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کی پہلی شادی واقعہ مکہ معظمہ میں ہوئی تھی۔ اس سے ایک صاحبزادے محمد اور ایک صاحبزادی صالحہ پیدا ہوئیں۔ دوسری شادی ملا گل کی صاحبزادی سے ہوئی جس سے مفتی محمود و خلیفہ محمد اور حامد پیدا ہوئے۔ حامد کا انتقال بچپن ہی میں

ہو گیا تھا۔

مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نانا بھی بہت بڑے عالم تھے۔ وہ اکثر پیشگوئی فرماتے تھے کہ یہ بچہ ایک عظیم انسان معلوم ہوتا ہے چھ ماہ کی عمر میں آپ نے چلنا شروع کر دیا تھا۔ خلیفہ صدیق صاحب نے بزرگوں کی پیشگوئی کے مطابق آپ کی بہترین تربیت شروع کر دی تھی۔ گھر میں قرآنی تعلیم کے ساتھ آپ نے علاقے کے اسکول میں عصری تعلیم کا آغاز کیا اور ۱۲ سال ایک ماہ کی عمر میں ۳۱ مارچ ۱۹۳۳ء کو مڈل کلاس میں کامیابی حاصل کر کے سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ چونکہ مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ بہت ذہین تھے۔ چوتھی اور پانچویں جماعت میں بھی اول درجہ میں کامیاب ہو کر وظیفہ حاصل کر چکے تھے اور مڈل میں بھی پہلی پوزیشن حاصل کی تھی اس بنا پر آپ کے والد محترم خلیفہ محمد صدیق کے پاس اسکول کے استاد جو آپ کی ذہانت بھانپ چکے تھے خود چل کر تشریف لائے اور بہت اصرار کے ساتھ مفتی محمود صاحب کی اگلی تعلیم کے لیے اجازت مانگی۔ یہاں تک کہ میں ان کے تعلیمی اخراجات خود برداشت کروں گا۔ کیونکہ میں اس نوجوان اور ذہین طالب علم میں ایک بہت بڑے آدمی کی جھلک محسوس کر رہا ہوں۔ مگر خلیفہ محمد صدیق نے نہایت شکریے کے ساتھ یہ پیش کش مسترد کر دی کہ میں اس کو بہت بڑے عالم، مفتی، محدث، مفسر اور مدرس کے طور پر دیکھ رہا ہوں اس لیے اس کو علم دین کی تعلیم دوں گا تاکہ قیامت کے دن یہ میرا سہارا بنے۔ یہ بات سن کر استاد محترم واپس تشریف لے گئے۔

مفتی محمود صاحب عصری تعلیم کے ساتھ ہی دینی تعلیم کا آغاز کر چکے تھے۔ مڈل کی تعلیم تک آپ اپنے والد خلیفہ محمد صدیق اور ماموں مولوی شیر محمد پنیالوی سے ناظرہ قرآن کریم اور فارسی کی کتابیں مکمل کر چکے تھے۔ مڈل کے بعد مفتی محمود صاحب دینی تعلیم کے لیے مولانا سید عبدالعزیز شاہ صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب نسبت بزرگ تھے خدا تعالیٰ نے ان کو علم اور معرفت میں بہت بڑا مقام عطا فرمایا تھا۔ ابتدائی میں ان کا درس بہت مشہور تھا۔ کچھ ماہ مفتی محمود صاحب ؒ نے ان سے تعلیم حاصل کی بعد ازاں واپس تشریف لائے اور شرح جامی، ہدایہ اولین اور سلم العلوم وغیرہ تک کی کتابیں اپنے والد اور ماموں سے مکمل کیں۔ مشہور منطقی عالم مولانا غلام رسول صاحب سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔

۱۹۳۶ء میں آپ کو دین کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان بھیج دیا گیا۔ آپ دارالعلوم دیوبند پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کے عزیز اور مرشد حضرت خانقاہ یٰسین زئی کے صاحبزادگان جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ والد صاحب کے حکم سے بادل نخواستہ مراد آباد تشریف لے گئے اور وہاں تعلیم کا آغاز کیا۔ تقریباً ۶، ۷ سال میں آپ نے تمام کتابوں کی تکمیل کر کے ۱۹۴۰ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔ مدرسہ شاہی مراد آباد میں آپ ممتاز اور ذہین طلباء میں شمار ہوتے۔ تعلیمی صلاحیت تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے فطرۃً عطا کی تھی اس لیے ہر

کتاب میں اعلیٰ نمبر حاصل کرتے۔ درس کے دوران بھی آپ کے سوالات ذہانت سے بھرپور ہوتے اسی بنا پر تمام اساتذہ کرام کی توجہ آپ پر ہوتی۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب جو کہ مراد آباد کے بڑے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اور جمعیت علماء ہند میں آپ کی حیثیت ترجمان کی تھی، ان دنوں اپنی مشہور تالیف "علماء ہند کا شاندار ماضی" کی تالیف میں مشغول تھے۔ ان کی خصوصی توجہات ان پر پڑیں اور انہوں نے مفتی محمود صاحب کی عملی تربیت کے لیے فارغ اوقات میں اپنے ساتھ معاونت پر لگا دیا۔ آپ مسودات کی تصحیح فرماتے اور حوالہ جات کی تلاش میں معاونت فرماتے۔ اس لئے آپ کی سیاسی تربیت میں بھی مولانا محمد میاں صاحب کا بہت بڑا دخل ہے۔ تعلیمی میدان کے ساتھ ساتھ مفتی محمود صاحب غیر نصابی کاموں میں بھی طلباء کے قائد اور رہنما کی حیثیت سے مسلم تھے۔ تقریری مقابلہ ہو یا طلباء کھیل و تفریح کے مقابلے قیادت و سیادت مفتی محمود صاحب ہی کی ہوتی۔ اسی طرح بعض اوقات طلباء اور ارباب اہتمام کے درمیان معاملات طے ہوتے ہوں تو مفتی محمود صاحب حقوق طلباء کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیتے۔ اساتذہ کرام کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے طلبہ کے معاملات کو نمٹاتے۔ اس سلسلے میں حضرات مہتممین سے گفتگو کی نوبت آتی تو مفتی محمود صاحب اپنے ساتھیوں کی بھرپور وکالت کرتے۔ ان کے معاملات کو سلجھاتے۔ اساتذہ کرام آپ کے اس عمل کی وجہ سے آپ کو محبوب رکھتے۔ طالب علمی کے دوران آپ کے اساتذہ کرام نے آپ کو دینی تربیت اور باطل ادیان کے خلاف جہاد کا جذبہ بھی بھرپور انداز میں دیا جس کے اثرات طالب علمی میں ہی نمایاں ہونے لگے تھے۔ آپ نے جمعیت علماء ہند کے تحت مختلف تحریکات میں حصہ لینا شروع کیا۔ آریہ سماج والوں کی جانب سے ہندو بناؤ مہم کا مقابلہ کیا۔ غرض باطل قوتوں کی مزاحمت آپ نے طالب علمی ہی میں شروع کر دی تھی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رشد و ہدایت اور تبلیغی سلسلے میں اکثر اطراف کے گاؤں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ انہی میں مفتی محمود صاحب کا سسرالی گاؤں عبدالخیل بھی شامل تھا۔ یہ اور اطراف کے علاقے زیادہ پسماندہ تھے۔ گاؤں میں صرف بارش کے پانی سے گزارا کرنا پڑتا تھا۔ بارش نہ ہونے یا پانی جمع نہ ہونے کی صورت میں کئی کئی میل دور سے پانی لانا پڑتا۔ جن لوگوں کے پاس اونٹ وغیرہ ہوتے وہ لوگ اونٹوں سے میلوں دور سے پانی بھر کر لاتے اور جن کے پاس اونٹ وغیرہ نہیں تھے ان کے گھر کے ایک یا دو فرد یا افراد اسی خدمت کے لیے مخصوص ہوتے۔ مفتی محمود صاحب ذکر فرمایا کرتے تھے کہ صبح نماز سے قبل لوگ پانی لینے جاتے اور اکثر مغرب کے قریب واپس لوٹتے، دو تین دن بعد دوبارہ اسی طرح پانی کی تلاش میں نکل جاتے۔ ۱۹۴۷ء کا سن ہوگا۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے عبدالخیل قحط سالی اور خشک سالی کا شکار تھا۔ لوگ بہت زیادہ پریشان تھے۔ اس حال میں بے تاب ہو کر وہاں کے لوگ جمع ہو کر اپنے مرشد مولانا سید عبدالعزیز شاہ صاحب کے پاس حاضر

طور پر تیار ہو چکے تھے اور مفتی محمود صاحب کی جگہ پر کر سکتے تھے اس لیے گاؤں والے آپ کو قاسم العلوم جانے کی اجازت دینے پر تیار ہو گئے۔

مفتی محمود صاحب کے قاسم العلوم کے دور کو انقلابی دور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور تعلیمی دور تھا جس میں مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکمل طور پر ایک مدرس، ایک مفتی، ایک محدث، ایک محقق امت اور ایک مقرر کی حیثیت سے دنیا کے سامنے متعارف ہوئے۔ ابتدائی کتابوں کے مدرس ایک دو سال میں استاد حدیث کی حیثیت سے جب مسند حدیث پر جلوہ فروز ہوئے تو چاردانگ عالم نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری، علامہ شمس الحق افغانی، خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک اور دیگر علماء کرام آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ آپ کو ہر مجلس کی رونق بنانے لگے۔ بڑے بڑے علماء کرام آپ کے دورہ تفسیر میں شرکت اپنے لیے باعث سعادت تصور کرتے تھے۔ ادھر آپ کی فقاہت اور فہم و تدبر کی وجہ سے قاسم العلوم نے رئیس دارالافتاء کے منصب کو بھی آپ ہی سے زینت بخشنے کا فیصلہ کیا تو آپ کے فتاویٰ نے پورے ملک ہی نہیں بیرون ملک بھی آپ کی فقاہت کی دھوم مچا دی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شہرت تمام علمی شعبوں میں پھیلا دی تاکہ مستقبل میں جو عظیم کام لینا تھا اس کے لیے آپ کی شخصیت کو عمومی قبولیت عطا کر دی جائے۔

مفتی محمود صاحب کا دوسرا دور باطل فتنوں اور قوتوں کے مقابلہ کا ہے جس میں آپ نے قادیانیت، منکرین حدیث، منکرین قرآن، رفض و بدعت، اور موجودہ دور کے الحادی فتنوں اور ماڈرن اسلام کے علمبرداروں کے خلاف بھرپور انداز میں جہاد کیا۔ جب کہ آپ کا تیسرا دور سیاسی میدان میں نفاذ شریعت کی جدوجہد کا ہے جس میں پوری دنیا نے آپ کی قیادت کو عمومی طور پر اور پاکستان کے مسلمانوں نے خصوصی طور پر قبول کیا اور آپ متفقہ قائد کے طور پر دنیا کے سامنے نمودار ہوئے۔ یہ دور آپ کی شہرت کے نصف النہار کا دور ہے۔

زیر نظر کتاب کی حیثیت سے اس مقدمہ میں آپ کے علمی دور یا پہلے دور کو زیادہ نمایاں کرنا مقصود ہے۔ اس میں بھی زیادہ تر آپ کی فقہی حیثیت کو زیر بحث کرتا ہے، البتہ دوسرے اور تیسرے دور کے بھی کچھ حالات قلمبند کیے جائیں گے تاکہ آپ کی پوری زندگی کا نقشہ قارئین کے سامنے آ جائے۔

مفتی محمود رحمہ اللہ کی فقاہت:

جیسے کہ مقدمہ کی ابتدا میں واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ جس سے دین کا خاص کام لینا چاہتے ہیں اس کو علم کا فہم عطا فرماتے ہیں، اور بقول مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی ایک قاضی اور مفتی کو فہم کا حامل ہونا چاہیے۔ محض وسعت علم یا وسعت مطالعہ سے کوئی شخص مفتی نہیں بن سکتا، جس طرح پنساری طبیب نہیں ہو سکتا حالانکہ دوائیوں کے نام

سے وہ زیادہ واقف ہوتا ہے اور اس کے اثرات سے بھی زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ علمیت کے ساتھ فقہ، حکمت اور فہم و ذکاوت ہر اعتبار سے اس درجہ پر تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ''مفتی'' کے لفظ کو ان کے نام کا جز بنا دیا تھا۔ آپ کے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں جاری ہوئے۔ کسی ایک فتویٰ پر کوئی شخص انگلی تک نہیں اٹھا سکتا۔ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے یہ شیریں الفاظ ایک دو دفعہ نہیں دسیوں بار سنے بلکہ ہر دفعہ مفتی محمود صاحب کی تشریف آوری پر آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر خصوصی فضل کا معاملہ فرمایا ہے۔ ذکاوت اور ذہانت ان پر ختم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فقاہت کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے۔ دلائل و براہین ان کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی وسعت مطالعہ کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ''شامی'' جیسی فقہ کی ضخیم اور مستند کتاب کا دو مرتبہ بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور اس کتاب کی بہت سی جزئیات تک ان کے حافظہ میں محفوظ ہیں۔

مولانا سمیع الحق صاحب نے ایک مرتبہ قاری سعید الرحمٰن، مفتی احمد الرحمٰن اور مولانا منظور احمد چنیوٹی کی موجودگی میں مفتی محمود صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا اگر آپ اس عصا (لاٹھی) کو سونے کی ثابت کریں تو ہم آپ کے دلائل سے عاجز آ کر اس کو سونے کی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مفتی محمود صاحب کی فقاہت کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کا اسم گرامی میں نے سب سے پہلے اپنے ایک استاذ مکرم سے سنا تھا۔ اس وقت حضرت مفتی محمود صاحب مدرسہ قاسم العلوم میں استاذ حدیث اور مفتی کے فرائض انجام دیتے تھے اور عملی سیاست میں داخل نہ ہوئے تھے ہمارے استاذ مکرم نے ان کی علمی بصیرت اور فقہی نظر کا تذکرہ اس انداز سے فرمایا تھا کہ مفتی صاحب سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد احقر کو پہلی مرتبہ آپ سے ملاقات کا شرف وفاق المدارس کے ایک سالانہ اجلاس میں حاصل ہوا جس میں احقر اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حاضر ہوا تھا اور پہلی ہی ملاقات میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی علمی بصیرت، ان کی متانت و سنجیدگی اور ان کے دل کش انداز گفتگو کا ایک گہرا نقش دل پر ثبت ہو گیا۔

اس کے بعد بارہا مفتی صاحب سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور ہر مرتبہ اس تاثر کی تائید و تقویت ہی ہوتی چلی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ان کے بلند علمی مقام کا احترام دل میں ہمیشہ جاگزیں رہا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جن نادر صلاحیتوں سے نوازا تھا ان کی عظمت کا احساس دل سے کبھی محو نہیں ہوا۔ ہم نے انہیں علمی اعتبار سے ہمیشہ اپنے استاد کے برابر سمجھا اور انہوں نے بھی ہمیشہ بزرگانہ شفقت و

محبت کا برتاؤ فرمایا۔

۱۹۶۸ء میں جب ادارہ تحقیقات اسلامی کی سربراہی ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے سپرد تھی، انھوں نے راولپنڈی میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی جس میں اطراف عالم سے چیدہ چیدہ اہل علم و فکر جمع تھے۔ اس کانفرنس میں اس وقت کے ناظم اوقاف صاحب نے جو مقالہ پڑھا وہ اشتراکیت کی تبلیغ و تائید پر مشتمل تھا اور اس میں بڑے جارحانہ انداز سے علماء کو چیلنج کیا گیا تھا کہ وہ ان دلائل کا جواب دیں۔ مقالہ چونکہ انگریزی زبان میں تھا اس لیے ہمارے بیشتر علماء اس کے مشتملات سے بے خبر تھے۔ اس موقع پر ضرورت تھی کہ علماء کی طرف سے کوئی مؤثر شخصیت حقیقت حال کو واضح کرے۔ حسن اتفاق سے اس وقت پاکستان کے معروف علماء میں سے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے سوا کوئی ہال میں موجود نہیں تھا۔ احقر اور برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب اس موقع پر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں گئے اور انہیں مقالے کے اہم اجزاء سے آگاہ کیا۔ حضرت مفتی صاحب یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور مناقشے کے لیے صدر سے وقت طلب کیا۔ چنانچہ انہیں وقت دیا گیا اور انھوں نے ایسی برجستہ اور فاضلانہ تقریر فرمائی جس سے فضا بدل گئی اور شکوک و شبہات بڑی حد تک دور ہو گئے۔

مولانا مفتی محمود صاحب بہت زیادہ وسیع النظر اور وسیع الظرف تھے۔ ان کے سامنے ہر وقت فقہاء کرام کی آراء رہتی تھیں اور مسائل کے سلسلے میں سب سے پہلے مخالف کے نقطۂ نگاہ کو تحمل اور سنجیدگی کے ساتھ سنتے اور اس کے بعد پہلے اس کے دلائل کو رد فرماتے اور بعد میں اپنے دلائل جو کہ فقہاء کرام کی آراء پر مشتمل ہوتے تھے، اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے فقہی مسائل نہ میرے ہیں اور نہ آپ کے، ہم نے کتاب و سنت اور فقہاء کرام کی آراء کے مطابق حل کرنے ہیں اور اس میں ترجیح کا مدار دلائل پر ہے یا مجھے اپنے دلائل سے قائل کر لیجیے یا میرے دلائل کو تسلیم کر لیجیے۔

مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی مذہبی مسئلے کو سیاسی رنگ دینے کی کوشش نہیں کی، وہ مذہبی مسائل کے معاملات میں سیاست دانوں سے مشورے کے بجائے علماء کرام سے گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مذہبی مسائل کے سلسلے میں علماء کرام کا متفقہ موقف پیش کیا جائے تاکہ عوام اور حکومت میں بددلی پیدا نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی مسائل کے سلسلے میں وہ دیگر مکاتب فکر کے علماء کو بھی اعتماد میں لینے کی کوشش کرتے تھے۔ دیکھیے زکوٰۃ کے مسئلے پر انھوں نے اپنا ایک موقف علماء کرام کے مشورے سے پیش کیا۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ اس فتوے کی تیاری کے بعد سب سے پہلے اس فتوے کو ملک بھر کے علماء کرام کی آراء معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تاکہ حکومت کو متفقہ طور پر ایک مسودہ پیش

کیا جائے اور پھر اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کا انتقال ہوا۔ اس مجلس میں آپ نے فرمایا تھا کہ بھائی یہ مذہبی مسئلہ ہے کوئی سیاسی مسئلہ نہیں اور وقت میں اس کو سیاسی رنگ دینا چاہتا ہوں، اس لیے ہم اس مسئلے پر غور کر رہے ہیں کہ اگر میں غلطی پر ہوں تو اس کی نشاندہی ہو جائے اور اگر میرا نظریہ صحیح ہے تو آپ کی رائے سے اس کی تائید ہو جائے۔

مفتی محمود صاحب مسائل کے سلسلے میں نہ تنگ نظر تھے کہ اس میں کوئی لچک ہی نہیں ہو سکتی اور نہ اتنے وسیع النظر کہ حلال اور حرام کی تمیز ختم کر دیں۔ درمیانی طور پر جتنی مسئلے میں گنجائش ہوتی رعایت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فقہ میں بہت بلند مقام عطا فرمایا تھا اور اہل فتویٰ کی حیثیت سے ان کی رائے کو مستند سمجھا جاتا تھا۔ مفتیان کرام میں ان کا ایک خاص مقام تھا اور وہ مجلس میں ہمیشہ اپنے علم اور فضل کی بنا پر بھاری پڑتے تھے اور ان کا انداز بیان بہت ہی زیادہ دلکش ہوتا تھا۔

خانقاہ سراجیہ مجددیہ نقشبندیہ کندیاں کے حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب حضرت مفتی محمود صاحب کی فقہی بصیرت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"مفتی صاحب میرے مخدوم و مکرم تھے۔ ان سے تعلق بھی پرانا ہے اور رشتۂ محبت بھی قدیم۔ پہلی ملاقات ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ حضرت والد محترم اس وقت بقید حیات تھے۔ مفتی صاحب کو انہوں نے کندیاں شریف بلایا تھا۔ ان کی آمد یہاں ایک فتوے کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ ہمارے یہاں دو خاندانوں کا مسئلہ طلاق پر باہمی جھگڑا تھا۔ ایک عورت کو طلاق ہوئی، ایک فریق کہتا تھا طلاق ہو گئی ہے اور دوسرا اس سے مختلف موقف رکھتا تھا۔ علاقے کے علمائے کرام اور مفتیان عظام اس مسئلے پر اپنی رائے پیش کر چکے تھے لیکن جھگڑا ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ غالباً یہ لوگ حضرت کے پاس یہ پوچھنے کے لیے آئے کہ ان کی نظر میں جو مفتی سب سے زیادہ قابل اعتماد ہو، اس کا نام بتا دیں، حضرت نے مفتی محمود صاحب کا نام تجویز کیا اور خود ہی ان کو کندیاں شریف اپنا مہمان بنا کر بلایا۔

مفتی محمود صاحب نے مقامی علماء سے بات چیت کی، فریقین کا موقف معلوم کیا، پھر فریقین کی براہ راست بات سنی، ان کے موجودہ اور سابقہ موقف کا موازنہ کیا پھر جب وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئے، تو اپنا آخری فیصلہ سنا دیا۔ ان کا فیصلہ وہی تھا جو دوسرے علماء پہلے ہی دے چکے تھے، لیکن طریق معلومات اور طرز استدلال نرالا تھا۔ چونکہ وہ اس وقت نوجوان تھے، زیادہ عمر نہیں تھے، اس لیے مقامی علماء میں ان کی ذات موضوع گفتگو بن گئی۔ اس بحث میں ان کے معاصرین ان کی علمی لیاقت پر اظہار حیرت کر رہے تھے۔ بعض حضرات نے ہمارے حضرت سے سوال کیا کہ آپ کی نظر انتخاب ان پر پڑنے کا کیا

سبب ہے کہ حضرت نے اس وقت علماء کو مختصر سا جواب دیا وہ یہ تھا کہ "یہ جوہر قابل ہے اس کی حفاظت کرو، اس پر نظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی بڑا کام لے گا۔"

حضرت کی یہ بات چند روز میں زبان زد عام علماء تک پہنچی اور علماء نے مفتی صاحب کو حضرت کا انتخاب قرار دیا۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ مفتی صاحب حضرت کا حسین انتخاب تھے، خود مفتی صاحب کو بھی اپنی خداداد صلاحیتوں پر اعتماد تھا۔ وہ اعلیٰ مدرس، بلند پایہ شیخ الحدیث، مفسر قرآن اور صاحب اجتہاد فقیہ تھے۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ قومی کاموں میں صرف ہوا لیکن قومی امور اور ان سے متعلق ذمہ داریاں ان کے علمی مشاغل کو روک نہ سکیں۔

مفتی محمود رحمہ اللہ کی جامع شخصیت

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین، عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید امام اہل سنت مولانا مفتی احمد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے علمی اور فقہی منصب کا اعتراف اس انداز میں فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی زندگی آئینے کی طرح صاف اور شفاف تھی۔ ایک ایک گوشہ ایسا تھا جو کہ سب کو متاثر کر دیتا تھا۔ ہم نے اپنی زندگی میں ایسا شخص نہیں دیکھا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں سنا تھا کہ آپ جامع شخصیت کے مالک تھے۔ ایک طرف سیاسی میدان کے شہسوار، دوسری طرف تدریس کے لیے مایہ ناز اور تیسری طرف طریقت کے بے مثل شیخ۔ یہی جامعیت ہم نے مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھی۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے زمانے میں تو سیاست اتنی گندی اور جھوٹی نہ تھی جتنی کہ موجودہ دور میں ہوتی ہے۔ اب عام طور پر یہ تاثر ہے کہ کوئی شخص سیاست میں رہ کر شریف، سچا اور دیانت دار نہیں رہ سکتا مگر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے ایک ایسا نمونہ چھوڑ دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی امداد شامل حال ہو اور انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا مددگار بنا لے تو اس راستے پر بھی وہ اپنا دامن بچا کر چل سکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے اس گندے ماحول میں اپنے آپ کو دین پر نہ صرف قائم رکھا بلکہ کسی بھی جگہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو نہیں چھوڑا۔ اس کی وضاحت ایک واقعے سے ہو جائے گی۔ حضرت مفتی صاحب صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ ان دنوں سرحد بنک میں بڑی ملازمت کی جگہ خالی ہوئی جس کے لیے غالباً اخبار میں اشتہار چھپا۔ میں کراچی میں تھا ایک دوست میرے پاس آیا اور مجھے کہا کہ اس بنک کی ملازمت کے لیے آپ مفتی محمود صاحب کے پاس سفارش کے لیے چلیے۔ میں نے اس سے کہا کہ جانے سے پہلے میں مفتی صاحب

کی رائے بڑی وزنی اور گہری ہوتی تھی۔ بارہا مجھے ایسی مجالس میں شرکت کا موقع ملا جہاں بڑے بڑے علماء موجود ہوتے تھے۔ جدید مسائل پر مفتی صاحب قوت استدلال سے اپنی بات منوا لیتے۔ حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں جدید فقہی مسائل اور احکام پر شرعی نقطہ نظر سے غور کرنے کے لیے چیدہ چیدہ جید علماء کا ایک بورڈ تشکیل دیا گیا تھا۔ جس کے روح رواں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ عام طور پر کراچی میں یہ علمی مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں۔ جن میں کراچی کے دیگر حضرات علماء اور مفتیان کرام بھی شریک ہوتے۔ ان مجالس میں مباحثہ کے دوران مفتی صاحب کی ثاقب رائے کا اندازہ ہوتا تھا۔ کئی بار ان کے ساتھ سعودی عرب، کویت، دوبئی، ابوظہبی اور جنوبی افریقہ تک سفر کا موقع ملا۔ ان ممالک کے جید علماء سے مفتی صاحب کی علمی مباحث پر گفتگو ہوتی تھی وہ حضرات بھی مفتی صاحب کی شخصیت کو خراج تحسین پیش کرتے۔ ان میں امام حرم شیخ عبداللہ بن سبیل، مکہ مکرمہ کے مشہور عالم دین محمد مالکی، ابوظہبی کے رئیس القضاۃ محمد بن عبدالعزیز مبارک، قطر کے شیخ عبداللہ الانصاری کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مفتی صاحب کو ان الفاظ میں پیغام بشارت دیا گیا "قل له منی السلام، یقوی بالله ولا یقول الا الحق، والله یقول الحق وهو یهدی السبیل." اس کا ترجمہ ہے کہ "میری طرف سے آپ کو سلام کہیں، وہ ہر حالت میں اللہ سے قوت وطاقت کے طلب گار رہیں، ہمیشہ حق کہیں، اللہ تعالیٰ سچ اور حق کہتا ہے اور وہی صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔"

میں نے جب عرض کیا کہ حضرت سفر نامے میں اس کو شائع کیا جائے۔ پہلے تو کچھ نہ کہا، جب ریاض جانے کے لیے مدینہ منورہ ائیرپورٹ کی طرف جا رہے تھے تو خود فرمایا کہ اس خواب کو مت لکھو، اس سے خودستائی کا پہلو نکل آئے۔

مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کو عرب علماء کا خراج تحسین:

صرف دو ایک واقعات سن لیجیے۔ شیخ عبدالمحسن عباد جو سعودی عرب کے ایک ممتاز عالم اور اس وقت مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے، جب مفتی صاحب یونیورسٹی کے دورے پر تشریف لے گئے تو دوران گفتگو شیخ عبدالمحسن عباد نے مفتی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: "والله انا اشکره وکل مسلم یشکره" (خدا کی قسم میں مفتی صاحب کا شکرگزار ہوں اور ہر مسلمان کو ان کا شکرگزار ہونا چاہیے۔)

مفتی صاحب جب امام مسجد نبوی شیخ عبدالعزیز صالح سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور مفتی صاحب نے اٹھنے کی اجازت چاہی تو امام صاحب نے فرمایا: "والله هذا المجلس لا يمل" (خدا کی قسم اس

مجلس سے دل نہیں بھرتا، تشنگی باقی رہتی ہے۔)

عمر محمد فلاطہ مدینہ یونیورسٹی کے سیکرٹری جنرل تھے، انہوں نے دوران ملاقات کہا کہ میں آپ کو دیکھ کر اس لیے خوش ہو رہا ہوں کہ آپ دین کے ایک بلند مقام پر فائز ہیں اور آپ نے دین و سیاست کو اکٹھا کر کے دکھایا ہے۔

مولانا منظور احمد شاہ صاحب مفتی محمود رحمہ اللہ کی علمی قابلیت کا تذکرہ کتنے خوبصورت انداز میں کرتے ہیں:

مفتی محمود صاحب سے میرا پہلا تعارف ۱۹۵۷ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے استاد کی حیثیت سے ہوا۔ اس ادارہ میں اس سال وہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے تھے، اس سے پہلے ان کے پاس فنون کی دوسری کتب تھیں، لیکن حدیث کی کوئی کتاب نہیں تھی، بعض معاصر علماء کا خیال تھا کہ مولوی محمود صاحب استاذ حدیث کے طور پر کامیاب نہ ہو سکیں گے، کیونکہ ان سے قبل یہ منصب مولانا عبدالخالق مرحوم کے پاس تھا جن کے علم و فضل کا پورے برصغیر میں چرچا تھا، اور مولوی محمود صاحب کو پہلی بار یہ ذمہ دارانہ منصب سونپا گیا تھا۔ ان لوگوں کی رائے بڑی وزنی نظر آتی تھی جو مولانا عبدالخالق اور مولوی محمود صاحب کا موازنہ کر کے اظہار خیال کر رہے تھے، کیونکہ مولوی محمود لاکھ ذہین سہی، لیکن شیخ الحدیث بننا معمولی بات نہیں ہوتی۔ دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے کتب حدیث کے اس نصاب کو "دورہ حدیث" کہتے ہیں، اس وقت تک زیر تعلیم رہنے اور فنون کی دیگر کتابوں کی تکمیل کرنے والے طلبا کی نظر بہت وسیع ہو چکی ہوتی ہے "دورہ حدیث" کا ہر طالب علم حدیث کا متن پڑھ کر اس کا ترجمہ کر سکتا ہے، سند کا اختلاف اور راویوں کی صحت و عدم صحت کے بارے میں اکثر باتیں کتابوں کے حواشی میں موجود ہوتی ہیں، اسی طرح مسائل کے بارے میں ائمہ کا اختلاف اور ان کے ترجیحی پہلو بھی کتابوں ہی میں موجود ہوتے ہیں، مگر روایات کے تعارض میں تطبیق، اپنے مسلک کی حقانیت پر دوسری روایت، حنفی مباحث، استدلال و تقابل، تعامل سلف، ثنائیہ اور اسی قسم کے متعدد علمی مشکلات کا حل پیش کرنا شیخ الحدیث کی ذمہ داری ہوتی ہے، استاد کے سامنے بڑے بڑے ذہین و فطین اور منطقی طالب علم بیٹھے ہوتے ہیں، وہ کسی مسئلے پر استاد کے سکوت یا انکار کو اس کی کم علمی پر محمول کرتے ہیں اور کوئی بھی ایسا شخص حدیث نہیں پڑھا سکتا جو اختلاف حدیث، اختلاف مذاہب، اسماء الرجال اور دوسری فنی باتوں پر گہری نظر نہ رکھتا ہو۔ "دورۂ حدیث" وہی استاد پڑھا سکتا ہے جو تمام مذاہب اور ان کے اختلافات اور ترجیحی پہلوؤں پر عبور رکھنے کے علاوہ طلبہ کی پیشانیوں پر ان کے سوالات اور اشکالات پڑھ کر ان کے معقول جوابات دے کر ان کی تشفی کر سکے، اور یہ کام مسلسل مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں، دینی مدارس میں سالہا سال سے پڑھانے والے اساتذہ بھی ہر سال مطالعہ کر کے پڑھاتے ہیں، اسی

بات جسے دوسرے لوگ نہیں جانتے۔

شاہ جی ایک قلندر آدمی تھے۔ کبھی کبھی ترنگ میں آ کر ایسی بات کہہ جاتے جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوتی تھی اور کچھ روز بعد ان کی کہی بات سامنے آ جاتی تھی۔ ایک بار فرمایا کہ میں پیشگوئیاں نہیں کیا کرتا، لیکن اگر کوئی پیشگوئی کر دوں تو مرزا قادیانی کی پیشگوئیوں کی طرح جھوٹی ہرگز ثابت نہیں ہوگی۔ تم میری یہ پیشگوئی لکھ لو کہ مرزا غلام احمد کا فراڈ نہیں چلے گا۔ تم اپنی آنکھوں سے ایک دن اس خانہ ساز نبوت کو دم توڑتے دیکھ لو گے۔ اس کے آقا اس کے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اس کے پیروکار بے یار و مددگار ہو کر پناہ گاہیں تلاش کریں گے لیکن ان کے پناہ گاہیں بھی ان کے لیے ایک وبال بن جائیں گی۔ وہ ان کے لیے جو کچھ کریں گے اس کا نتیجہ ان کی کوششوں کے برعکس ہوگا۔ مت بھولو کہ قدرت کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

تہ جا اس کے تخیل پر کہ بے ذوق بے گرفت اس کا

اس مجلس میں جب شاہ جی نے اپنے مخصوص قلندرانہ انداز میں کہا "ہائے! اس قوم کی بدقسمتی اور اس شخص کی بدقسمتی!" تو حاضرین حیران شاہ جی کا منہ دیکھنے لگے۔ ہر شخص ایک سوالیہ نشان بن کر سوچنے لگا کہ خدا جانے شاہ جی اس کے بعد کیا فرماتے ہیں، پھر شاہ جی کے چہرے پر تفکرات کے آثار ظاہر ہونے لگے، وہ دیر تک خاموش، گم صم اور کھوئے کھوئے سے رہے۔ پھر حاضرین پر ایک نظر ڈال کر فرمایا: "تم نہیں جانتے مولوی محمود کون ہے، یہ بڑا قیمتی آدمی ہے، یہ شخص ہمارے دور کا انسان تھا، اس دور میں پیدا ہو گیا، یہی اس کی بدقسمتی ہے، ہم خوش قسمت تھے کہ اس دور میں پیدا ہوئے جب اچھے لوگوں کی کمی نہیں تھی۔ ہمیں اچھے ساتھی میسر آ گئے۔ اب جو دور آ رہا ہے اس میں اچھے لوگ مفقود ہیں۔

جو بادہ خوار پرانے تھے اٹھتے جاتے ہیں

خدا جانے اس شخص کو اچھے رفقاء میسر آئیں یا نہ آئیں۔ قدرت نے اسے کسی بڑے کام کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ اسی سانچے میں ڈھلا ہوا انسان ہے جس میں بڑے لوگ ڈھلا کرتے تھے مگر اب تو وہ سانچہ ہی ٹوٹ گیا، اب بڑے لوگ پیدا نہیں ہوتے۔ نہ جانے اس شخص کے چہرے پر مجھے مستقبل کا نوشتہ کیسے نظر آ رہا ہے؟ پھر شاہ جی ایک شخص کی طرف دیکھتے ہوئے مخاطب ہوئے: "میرے بھائی! یہ اس دور کا انسان نہیں، خدا اس کی حفاظت کرے، تم لوگ بھی اس شخص کا خیال رکھو، یہ محمود بھی یقیناً کوئی سومنات توڑے گا۔"

ہمارے دل میں تو پہلے ہی مولوی محمود صاحب کا احترام بدرجہ اتم موجود تھا، اب شاہ جی کی باتوں کے بعد یہ احترام مزید بڑھ گیا۔

مولانا عبدالرحمن اشرفی صاحب مفتی محمود صاحب کو کتنے خوبصورت انداز میں حضرت شیخ الاسلام مولانا

حسین مدنی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کا جانشین قرار دیتے ہیں:

میں ان کی جس بات کا سب سے زیادہ معترف ہوں وہ ان کی اپنے اسلاف و اکابر سے محبت تھی۔ دینی مدارس، خانقاہوں اور مذہبی حلقوں میں سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص اپنے بزرگوں سے کتنا قریب ہے۔ کوئی شاگرد استاد سے قریب نہ ہو، مرید پیر سے قریب نہ ہو، خلاف اپنے اسلاف سے ذہنی اور فکری اعتبار سے قریب نہ ہوں تو ایسے افراد کو مذہبی حلقوں میں کبھی پذیرائی نہیں مل سکتی۔ جو لوگ اکابر سے کٹے ہوتے اور اسلاف سے بٹے ہوئے ہوتے ہیں، انہیں دینی حلقوں میں عزت و عظمت کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ خواہ کتنے ہی صاحب علم ہوں، دینی حلقے ان کے ظاہر پر تو کسی حد تک اعتماد کر لیتے ہیں ان کے باطن پر اعتماد نہیں کرتے۔ صحافتی تعلقات کے باعث ان کا احترام کر لیتے ہیں لیکن دینی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی بزرگی کو تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ دینی اداروں کا معاملہ سند و اجازت کا ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ کوئی شخص دینی ادارے سے تعلیم حاصل کر کے سند حاصل کرے۔ وہ سند اس کے علم کی دلیل نہیں ہوتی۔ کیونکہ علم کے لیے اس کے علم کا اظہار ہی دلیل ہوتا ہے۔ یہ سند اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اس کے پیچھے علماء و اساتذہ کا ایک روحانی سلسلۂ نسب موجود ہے۔ اس کے پڑھانے والا فلاں اور اس کا استاد فلاں اور اس کا استاد فلاں ہے۔ یہ سند اپنے بزرگوں سے اس کا علمی رابطہ قائم کرتی ہے۔ دوسرا سلسلۂ سند دینی عملی زندگی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی باتوں سے، اس کے چال چلن سے، اس کے رہن سہن اور خورد و نوش سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا پیچھا کیا ہے، بزرگوں کا کتنا اثر ہے، جس کے اندر کون بول رہا ہے، اس کے روحانی اور فکری رابطے کس سے ہیں۔

ہمارے معاصرین کا روحانی سلسلہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے اور ان کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ و مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ روحی اور روحانی مرکز ہیں جن کے متوسلین اور چاہنے والے سب سے زیادہ ہیں۔ یہ دونوں سلسلے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، امیر امان اللہ، مولانا سید شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے صاحب علم و بصیرت بزرگوں کے علمی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ ان تمام بزرگوں کا تعلق مختلف واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔ عہد قریب میں یہی دو بزرگ تھانوی و مدنی رحمہما اللہ الگ الگ سلسلوں کے بانی بن گئے بلکہ مقامات کے فرق نے ہی دو کاروان علم تقسیم کر دیئے اور آگے چل کر یہ ایک ہی رنگ کے منسوب ہو گئے جو دو مراکز سے۔ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں بزرگوں کے بیچ اور ان کے پیروکار تھے۔ ایک طرف تو وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کلام و قرآن کے وارث تھے، تو دوسری طرف حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے علم حدیث اور علم سیاست کے حامل۔

جس طرح شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی پاکیزگی کا حق ادا کرتے ہوئے پاکستان بننے میں مدد دی، کیونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان کے لیے تحریک دی تھی، اسی طرح پاکستان بننے کے بعد مفتی صاحب نے اس کی حفاظت کر کے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی پاکیزگی کا حق ادا کیا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حفاظت کے لیے دعا مانگی تھی۔

مولانا عبید اللہ (مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور) حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں رقم طراز ہیں

مفتی صاحب نے اس پہلی ملاقات میں مجھ سے کئی ایک بڑی باتیں کیں جن سے میرے دل کو تسلی ہوئی۔ مجھے اس بالمشافہ گفتگو سے اندازہ ہو گیا کہ مفتی صاحب اپنے دل میں اتحاد بین المسلمین کے لیے بڑی تڑپ رکھتے ہیں اور فرقہ واریت سے انہیں طبعی نفرت ہے، چونکہ اس وقت وہ نوجوان تھے، اس لیے ایک نوجوان عالم کی زبانی اتنی سنجیدہ اور فکر انگیز گفتگو میرے لیے خوشی کا باعث بنی۔ نوجوان عموماً جذباتی ہوتے ہیں، ان کی سوچ بھی جذباتی ہوتی ہے، ان کے فیصلے بھی جذباتی ہوتے ہیں، مجھے اطمینان ہوا کہ ہمارے نوعمر علماء میں وہ ایک پختہ فکر، صائب الرائے اور زیرک انسان ہیں۔ ان کی یہی صفت میرے دل کو زیادہ بھائی۔ اس کے بعد ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان ملاقاتوں میں علمی، سیاسی، دینی مسائل کے علاوہ بین الاقوامی مسائل بھی زیر بحث آتے رہے اور ان کی فقہی رائے کو میں نے ہمیشہ قوی پایا۔ بعض مسائل میں وہ اپنی انفرادی رائے بھی رکھتے تھے، اپنی رائے کے حق میں ان کے پاس قوی دلائل ہوتے تھے۔

مثال کے طور پر فقہی مسائل پر عمل کے سلسلے میں ان کی رائے تھی کہ مخصوص حالات میں ایک حنفی کے لیے جائز ہوگا کہ وہ کسی خاص مسئلے میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی کرے، ایسا آدمی ان کے نزدیک حنفیت سے خارج نہیں ہوتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مسائل میں امام صاحب سے اختلاف کیا ہے، ان کی اپنی ترجیحات ہیں، مگر ان پر حنفیت سے خروج کا الزام نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے اختلاف اور ترجیحات کے باوجود حنفی تھے۔ اسی طرح اگر کسی مسئلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول موجود نہ ہو، یا قول تو موجود ہو مگر سمجھ نہ آئے، یا سمجھ بھی آئے لیکن حالات کی خاص نوعیت کے تحت اس پر عمل ممکن نہ ہو تو کسی دوسرے امام کی پیروی درست ہوگی۔ اس سلسلے میں ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر ایسی مشکل صورت پیش آجائے تو صاحبین کے قول پر عمل کیا جائے۔ اگر صاحبین کے قول میں بھی یہی صورت پیش آئے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی جائے۔ اس کے بعد درپیش مسئلے میں ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا قریب قول پیش نظر کر لیا جائے۔ ان کے نزدیک کسی خاص مسئلے میں خاص حالات میں خروج عن الحنفیت تو جائز ہے، لیکن مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں۔ اس نقطہ نظر میں مفتی صاحب منفرد تھے، وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ کیا کرنا ان علماء کا کام ہے،

بحیثیت مفتی دارالافتاء کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اب مفتی محمود صاحب ایک ہی وقت میں شیخ الحدیث بھی تھے اور قاسم العلوم کے مفتی بھی۔

قاسم العلوم میں ان کے ابتدائی دور میں لوگ ہزاروں مسائل لے کر آئے اور انہوں نے ہزاروں فتوے جاری کیے۔ ان میں بیشتر مسائل مشکل اور الجھے ہوئے ہوتے تھے لیکن مفتی صاحب کے دست گرہ کشا کے سامنے یہ الجھنیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ چونکہ اس مدرسے میں مفتی صاحب اس شرط پر آئے تھے کہ انتظامیہ ان کی سرگرمیوں پر کوئی پابندی نہیں لگائے گی، اس لیے جب مفتی صاحب کی سیاسی مصروفیت بڑھ گئیں تو افتاء کا کام منجمد ہو گیا۔ اب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو مفتی صاحب اس پر فتویٰ دیتے۔ عام مسائل پر نائب مفتی ہی جواب لکھ دیتے تھے۔ میری معلومات کے مطابق ایسا بہت کم ہوا ہے کہ مفتی صاحب کو کسی مسئلے پر پریشانی ہوئی ہو اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ ان کے قلم سے کوئی فتویٰ نکلا ہو اور بعد ازاں انہیں ندامت کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ فتویٰ صادر کرنے سے پہلے متعلقہ مسئلے کی تمام کلیات و جزئیات کو دیکھتے تھے۔ اس کے بعد اس موضوع پر جملہ کتب کو سامنے رکھتے تھے تب جا کر یہ فیصلہ کرتے تھے کہ کس مسئلے پر کیا فتویٰ دینا درست ہوگا؟

ایک بار ایک مسئلے پر انہیں الجھن ہوا تو انہوں نے اپنے استاد کی طرف رجوع کیا۔ اس وقت مجھے وہ مسئلہ یاد نہیں کہ کیا تھا۔ اتنا یاد ہے کہ مفتی صاحب نے اس مسئلے پر تحقیق کی لیکن وہ اس کی تعبیر سے قاصر تھے۔ ملتان میں ایک بزرگ ہمارے مشترکہ استاد تھے، مفتی صاحب نے وہ مسئلہ ان کے پاس بھیج دیا۔ بعد ازاں مجھے استاد محترم نے بتایا کہ مفتی محمود نے ایک مسئلہ ان کے پاس بھیجا ہے اور ساتھ ہی اپنی تحقیق ارسال کی ہے۔ میں نے ان سے مسئلے کی بابت استفسار کیا تو فرمانے لگے: مسئلہ وہی ٹھیک ہے جو مفتی صاحب نے لکھا ہے، انہیں دلائل اور حوالہ جات مل چکے تھے۔ دلائل میں تطبیق کرنے میں ان سے سہو ہو گیا۔ اس لیے اس کی تعبیر ان کی سمجھ میں نہیں آئی تو انہوں نے یہ مسئلہ مجھے بھیج دیا۔ میں نے انہیں یاد دلایا ہے کہ فلاں کتاب کے فلاں مقام پر مسئلے کا کون سا پہلو نظر انداز ہوا ہے۔ جس کے باعث انہیں پریشانی ہوئی ہے۔ میری نشاندہی سے وہ سمجھ جائیں گے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

میں نے بہت سے مسائل پر ان سے خود بھی بات کی ہے۔ وہ بے پناہ حافظے اور قوت استدلال کے مالک تھے۔ فتویٰ زبانی ہو یا تحریری، دونوں میں احتیاط کو ملحوظ رکھتے تھے۔ ان کی تقاریر سننے والے جانتے ہیں کہ وہ کس احتیاط سے ایک ایک جملہ کہتے اور ایک ایک بات سمجھاتے تھے۔ تقریر کی نسبت تحریر میں زیادہ محتاط تھے۔ تقریر میں کوئی لفظ آگے پیچھے استعمال کرنے سے بات کا مفہوم بدل جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ اگر مقرر کو یاد نہ رہا تو بعد میں سوال کرنے پر وہ اس کی تشریح کر جاتا ہے، لیکن تحریری بات میں سہو کا امکان کم ہوتا ہے۔ تحریر کی غلطی صاحب تحریر کی غلطی سمجھی جاتی ہے۔ یہ تو عام تحریر کا اصول ہے۔ فتوے کی بات تو انتہائی سخت اور نازک ہوتی ہے۔

مفتی محمود اس بارے میں بے حد محتاط و متقی ہوتے تھے۔ فتویٰ لکھتے وقت بھول کا احتمال موجود ہوتا ہے۔ بسا اوقات نظرثانی کرتے وقت بھول کا احساس ہو جاتا ہے اور بسا اوقات فتویٰ دینے کے بعد بھی مفتی کو کسی غلطی کا احساس یا اس بارے میں کسی نئی بات کا علم ہو سکتا ہے۔ مفتی صاحب مرحوم پہلے ہی فتویٰ کمال احتیاط سے لکھتے تھے اور آج تک ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کے تحریر کردہ فتوے پر کسی مفتی یا عالم نے اعتراض کیا ہو یا انہوں نے اپنے کسی فتوے سے رجوع کیا ہو۔

اگر بات فتوے دینے تک ہی ختم ہو جاتی تو اس بارے میں مفتی محمود کی کوئی انفرادیت نہیں تھی، لیکن ان کے ہاں ایک انفرادیت پائی جاتی تھی اور وہ تھی فتویٰ دینے میں اعتدال کی راہ۔ ان کا طریق کار یہ تھا کہ کسی مسئلے کا ایک رخ بیان واضح اور کتابی روشنی میں نہ ہو تو وہ مسئلے کے دوسرے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ جب تک مسئلے کے دوسرے پہلو پر پوری تحقیق نہیں کر لیتے تھے، فتویٰ ہرگز نہیں دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اس بات کا وہ دھیان رکھتے تھے کہ کسی مسئلے کے اثبات یا نفی میں دلائل لکھتے وقت مبالغہ اور افراط و تفریط سے کام نہ لیا جائے۔ جس بات کا جس درجے میں اثبات ہوا اس کا اسی قدر اثبات کیا جائے اور جس چیز کی جس قدر نفی ہوا اس کی اتنی ہی اور اسی قدر نفی کی جائے۔ افراط و تفریط سے بہت سی استحبابی چیزیں وجوب کا درجہ پا جاتی ہیں اور بہت سی وجوب کا درجہ رکھنے والی چیزیں استحباب کی حد تک آ جاتی ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک نفی اور اثبات میں تشدد کا راستہ اختیار کرنا جائز نہیں تھا۔ مفتی صاحب چونکہ بحیثیت مفتی انتہائی اعتدال پسند تھے، اس لیے یہ اعتدال ان کی شخصیت کا لازمی جزو تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی قومی زندگی میں بھی ہمیشہ اعتدال نظر آتا تھا۔

جمعیت علمائے اسلام کے سرپرست مولانا قاری محمد اجمل خان صاحب حضرت مفتی محمود صاحب مرحوم کی فقاہت اور عالمانہ شان کو یوں بیان کرتے ہیں:

علماء کے سرخیل:

مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ عہد حاضر کے ان علماء اور محققین کے سرخیل تھے جن کے علمی اور سیاسی وجود پر نہ صرف برصغیر بلکہ تمام عالم اسلام فخر کر سکتا ہے۔ وہ ایک ہمہ صفات انسان اور عجیب و غریب خوبیوں کے مالک تھے۔ قدرت نے انہیں بہت سی اعلیٰ و منفرد خصوصیات سے نوازا تھا۔ علم و دانش کے اس درجے پر تھے کہ ان کا علمی استحضار بڑے بڑے علماء کے لیے قابل رشک تھا۔ ان کی ذہانت و بصیرت مسلم تھی۔ وہ بیک وقت مفسر قرآن، محدث زماں، فقیہ دوراں اور عربی کے قادر الکلام مقرر تھے۔ انہوں نے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں منصب افتاء پر فائز ہو کر تقریباً ۲۳ ہزار فتوے صادر کیے اور کسی ایک فتوے پر بھی کوئی عالم یا مفتی آج تک تنقید نہ کر سکا۔ ترمذی شریف کی عربی شرح ان کا علمی شاہکار ہے۔ مفتی صاحب عالم اسلام کے چند بڑے علماء میں سے ایک تھے۔

ڈاکٹر معروف الدوالیبی کا اعتراف

ایک بار ڈاکٹر معروف الدوالیبی، مفتی صاحب سے کہ جب وہ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں تھے ملنے کے لیے تشریف لائے تو فرمانے لگے "مفتی صاحب! ویسے تو آپ کو وقت نہیں ملتا، میں نے سوچا کہ ہسپتال ہی میں آپ سے ایک علمی مسئلے پر بات ہو جائے۔" مفتی صاحب نے فرمایا: "کہیے!" ڈاکٹر صاحب کہنے لگے: "میں آپ سے "مسئلہ رجم" پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اس بارے میں دشمنانِ اسلام عجیب و غریب اعتراض کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ایک وحشیانہ سزا ہے، لیکن چونکہ شریعت نے شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے "رجم" ہی کی سزا مقرر کی ہے، اس بارے میں اسلام دشمنوں کی باتوں کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ جہاں تک سزا کا تعلق ہے یہ تو بہرحال ضروری ہے، لیکن سزا کے طریقے پر نظرِ ثانی کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سزا کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسے قابل آدمی کا وجود برداشت نہیں کرتا جو زنا کا بیج بو کر سوسائٹی کو ناپاک کرتا ہے۔ اسلام نے اس کے وجود سے سوسائٹی کو پاک کرنے کے لیے موت کی سزا تجویز کی ہے۔ اس لیے حکم ہے کہ ثبوتِ جرم کے بعد اس پر حد جاری کر دی جائے۔ اس سزا کی وجہ اس کی جان کا اتلاف ہے۔ اب اگر جان کا اتلاف ہی مقصود ہے تاکہ زنا جیسے بھیانک جرم کے ارتکاب کا ارادہ رکھنے والا ختم ہو اور سوسائٹی اس آلودگی سے بچی رہے تو جدید دور میں اگر کسی دوسرے معروف طریقے کو اختیار کر لیا جائے جس سے مجرم کی جان کنی کا مرحلہ آسان ہو جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ مثال کے طور پر ثبوتِ جرم کے بعد مجرم کو گولی مار دی جائے، بجلی کا کرنٹ لگا کر ہلاک کر دیا جائے، پھانسی دے دی جائے۔ یہ عمل اس صورت سے بہتر ہے کہ ایک آدمی کو سرِ عام کھڑا کر کے تمام لوگوں کو حکم دیا جائے کہ اس پر سنگ باری کریں تاکہ وہ ہلاک ہو جائے یہ تو عذاب کی ہلاکت کی۔ دوسری صورتیں ممکن ہیں، ان سے مقصد پورا ہوتا ہے اور دشمنانِ اسلام کی زبانیں بھی بند ہو جاتی ہیں۔ میں اجمالی طور پر اس مسئلے میں جتنا کر کے اس سزا کی صورت متعین کرنی چاہیے۔ میں نے اب تک عالمِ اسلام کے جن اکابر علماء کے سامنے یہ رائے پیش کی ہے، بیشتر نے میرے خیال سے اتفاق کیا ہے، البتہ چند علماء ایسے بھی تھے جو "رجم" ہی کے حق میں ہیں، لیکن رجم کیوں ضروری ہے؟ اس کے ضروری ہونے کے لیے کوئی وزنی دلیل موجود نہیں۔"

مفتی صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا: "آپ کی بات ختم ہو گئی یا اس سلسلے میں آپ مزید کچھ فرمانا چاہتے ہیں؟" ڈاکٹر صاحب نے کہا: "جی بس!" اس پر مفتی صاحب نے فرمایا: "دراصل آپ نے "رجم" کی مقصدیت کو سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس سزا کے اجراء سے شریعت کا مقصد مجرم کی جان کا اتلاف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگر مجرم کو ہلاک کرنا ہی مقصود ہوتا تو آنحضرت ﷺ

کے دور میں بھی ہلاکت کے دوسرے طریقے موجود تھے۔ کسی زانی یا زانیہ کو تلوار کے ایک ہی وار سے ختم کیا جا سکتا تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجم کا مقصد کم از کم وہ نہیں جو آپ نے سمجھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی مقرر کردہ اس حد پر گفتگو کا جواز ہی نہیں۔ اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف قولی حکم ہوتا تو اس کو سمجھنے سمجھانے کے لیے اس پر کسی حد تک گفتگو کا جواز تھا لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ رسول کریم ﷺ کا صرف قولی حکم نہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی موجود ہے اور آپ ﷺ نے شادی شدہ زانی اور زانیہ پر خود حد جاری فرمائی ہے۔ یہ حد "رجم" کی صورت میں تھی قتل محض کی صورت میں نہیں تھی۔ لہٰذا یہ مفروضہ باطل ہو گیا کہ اس سزا سے مقصد مجرم کی جان کا اتلاف ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سزا کا مقصد کیا ہے؟ جب مقصد سمجھ میں آ جاتا ہے تو اس سزا پر اعتراض یا سزا کے نفاذ کے طریقے میں تبدیلی کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے دو واقعات موجود ہیں اور ان دونوں واقعات میں اس سزا کی حکمت مضمر ہے۔

پہلا واقعہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہے۔ وہ خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اعتراف جرم کر کے آپ سے اپنے اوپر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جاؤ چلے جاؤ" سوچ سمجھ کر آنا کہ تم نے واقعی یہ جرم کیا ہے؟ وہ دوبارہ حاضر خدمت ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا اس شخص کو شاید جنون ہو گیا ہے! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک اور صحیح الدماغ آدمی ہے۔ اس موقع پر بھی رسول خدا نے انہیں واپس بھیج دیا۔ پھر وہ تیسری بار حاضر خدمت ہوئے اور آپ ﷺ سے حد جاری کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا اس شخص نے کچھ پی تو نہیں لیا۔ شاید بہک گیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے اسے سونگھ کر دیکھا اور عرض کیا اس کے منہ سے بو نہیں آتی، اس نے کوئی نشہ آور چیز ہرگز استعمال نہیں کی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

دوسرا واقعہ "غامدیہ" نامی ایک خاتون کا ہے۔ وہ بھی خود ہی حاضر خدمت ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اوپر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے اسے بھی یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ وہ سوچ سمجھ کر آئے کیا واقعی اس نے یہ گناہ کیا ہے۔ وہ دوبارہ اس وقت حاضر خدمت ہوئی جب اس کی گود میں ایک بچہ تھا۔ اس نے اپنے گناہ پر اس بچے کو بطور ثبوت پیش کر کے وہی مطالبہ دہرایا کہ اسے گناہ سے پاک کرنے کے لیے اس پر حد جاری کی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ چلی جاؤ جب یہ بچہ دودھ چھوڑ دے اس کے بعد آنا۔ تیسری بار وہ عورت آئی تو اس کے بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ وہ کہنے لگی: اللہ کے رسول ﷺ! اب تو یہ بچہ کھانے

پیٹ کے قابل ہو گیا ہے۔ اس کے اس تیسرے اقرار کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

اسی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ "رجم" کے وقت جب لوگ اسے پتھر مار رہے تھے تو پتھر لگنے سے اس کے جسم سے خون فوارے کی طرح نکلا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر چھینٹے پڑے۔ اس پر انہوں نے کوئی سخت جملہ کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا "خالد! ایسا مت کہو۔ یہ تو اب اتنی پاک ہو چکی ہے کہ اس کی توبہ اگر مدینے کی پوری بستی پر تقسیم کی جائے تو تمام اہل مدینہ کی بخشش کے لیے کافی ہے۔"

ان دو واقعات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا عمل سامنے آتا ہے۔ اب غور کریں تو زنا کی حد جاری کرنے کی دو ہی عملی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ مجرم خود اعتراف جرم کر لے، جیسا کہ ان واقعات میں نظر آتا ہے۔ دوسرا یہ کہ مجرم کے جرم پر قانون شہادت سے ثبوت مل جائے۔ اب ان صورتوں میں آپ کا عقلی استدلال یہ ہے کہ مجرم کو رجم کرنے کے بجائے گولی مار دی جائے یا بجلی کے جھٹکے سے اسے ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک اس سے مقصود اس کی جان کا اتلاف ہے، لیکن صحیح صورت یہ ہے کہ خدا آپ سے اور ہم سے زیادہ حکیم ہے۔ اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکمت کو تمام انسانوں سے زیادہ بہتر سمجھتا تھا۔ اسلام خود ہی ایک دین فطرت ہے۔ دراصل دنیا جس سزا کو وحشت سے تعبیر کرتی ہے وہی جان بچانے کا سبب ہے۔ آپ نے یہ سمجھا ہے کہ اس سزا سے مقصود اتلاف جان ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سزا سے مقصود حفاظت جان ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر آپ کا طے کردہ طریق سزا مان لیا جائے تو شہادت ملنے یا اقرار جرم کرنے کے بعد مجرم کو ایک منٹ ہی میں ختم کر دیا جائے گا۔ جب کہ رجم میں اس کی بچت کی یہ صورت موجود ہے کہ ادھر سنگ زنی شروع ہوئی اور ادھر کوئی ایک گواہ چیخ اٹھا کہ میں مر گیا، غضب ہو گیا، میں نے فلاں شخص سے دکھانے پر یا فلاں دشمنی کے باعث گواہی دی ہے۔ درحقیقت یہ آدمی مجرم نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ دو چار پتھروں سے آدمی مر تو نہیں سکتا، لیکن گواہ نے اگر جھوٹی گواہی دی ہے تو وہ اس منظر سے اتنا متاثر ہوگا کہ آخر وقت پر بھی سچ کہہ کر اس کی سزا موقوف کرا دے گا۔ اسی طرح اگر مجرم نے خود اقرار کیا اور اس پر حد جاری کی گئی، جب اس پر پتھر برسنے شروع ہوئے تو وہ چیخ اٹھا کہ میں نے مرنے کا ایک بہانہ سوچا تھا اب میں مرنا نہیں چاہتا اس قسم کی کوئی اور بات وہ کہہ دے تو اس کی سزا فوراً موقوف ہو جائے گی۔"

مفتی صاحب کی گفتگو پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ڈاکٹر دوالیبی ایک دم کھڑے ہو کر مفتی صاحب سے لپٹ گئے اور کہنے لگے "بس مفتی صاحب! میں نے آج تک اتنے زوردار عقلی دلائل نہیں سنے۔"

مفتی صاحب کے تبحر علم دین اور منفرد مفتی ہونے کا ایک اور واقعہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ مشینی ذبیحہ کے مسئلے پر اختلاف کی صورت میں سامنے آیا۔ مفتی شفیع صاحب مرحوم کا

فرمان تھا کہ اگر کسی مسلمان شخص نے "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر مشین کا بٹن آن کر دیا تو مشین کے چلنے سے جتنے جانور ذبح ہوں گے وہ سارے حلال ہوں گے، کیونکہ مشین چلانے والا مسلمان ہے اور اس نے بوقت ذبح اللہ کا نام لیا ہے۔ مشین چوں کہ تکبیر کی شرط پوری نہیں کر سکتی وہ شرط اس مسلمان نے بٹن آن کرتے وقت پوری کر دی تو یہ ذبیحہ حلال ہوگا، کیونکہ "تکبیر" اور "ذبح" دونوں کا ظہور ہوا ہے۔ مفتی محمود صاحب کا استدلال تھا کہ جانور پر "تکبیر" پڑھنے والے مسلمان شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود "ذابح" ہو، ذبح کا سبب تو بس مشین چلانے والے عمل میں مسلمان "ذابح" نہیں بنتا، بلکہ صرف ذبح کا سبب بنتا ہے۔ ذابح وہ مشین ہوتی ہے جو بٹن آن کرنے سے چلتی ہے اس لیے اس صورت میں ذبح کی شرط "تکبیر ذابح" ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ ذبیحہ حرام ہوگا، حلال نہیں ہوگا۔ اس سلسلے میں مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ مثال پیش کی کہ فرض کریں ایک مجوسی شخص جانور ذبح کرنا چاہتا ہے اور ایک دوسرا شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ذبح کے عمل سے روک رہا ہے۔ اچانک ایک مسلمان وہاں پہنچ کر اس دوسرے روکنے والے آدمی کو پکڑ لیتا ہے اور مجوسی سے کہتا ہے کہ اپنا کام کرو، جب مجوسی جانور کی گردن پر چھری چلاتا ہے تو مسلمان بسم اللہ اللہ اکبر کہتا ہے۔ کیا ایسا ذبیحہ حلال ہوگا جس پر ایک مسلمان نے تکبیر کہی اور ایک مجوسی نے اسے ذبح کیا؟ مفتی محمود صاحب نے کہا کہ یہ ذبیحہ حرام ہوگا، حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسلمان یہاں ذابح کا سبب بنا ہے، اس نے تیسرے آدمی کو پکڑ کر صرف رکاوٹ کو دور کیا ہے۔ رکاوٹ دور کر کے اس نے تکبیر کہہ دی، لیکن چونکہ وہ مسلم خود "ذابح" نہیں اس لیے ذبیحہ حرام ہے۔ ذابح مجوسی ہے ذبح میں جس کے ہاتھ استعمال ہوئے۔ جس طرح مجوسی کا ہاتھ پکڑنے والا شخص مجوسی کے ذبح میں رکاوٹ تھا، اسی طرح مشین کے چلنے میں وہ بٹن رکاوٹ ہے۔ جس طرح مجوسی کو روکنے والے شخص کو ایک مسلمان آدمی پکڑ کر رکاوٹ دور کرتا ہے، اسی طرح مشین کا بٹن آن کر کے ایک مسلمان اس رکاوٹ کو دور کرتا ہے اور مجوسی کی طرح مشین چل پڑتی ہے۔ اگر مجوسی کا ذبیحہ حلال نہیں، تو اس مشین کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ذابح ہیں، مسلم نہیں ہیں۔ یہ جو مسلمان ان کو متحرک کرنے کے لیے متحرک ہوا ہے، اس نے سبب بن کر رکاوٹ کو دور کیا ہے، جب کہ ذبح کے لیے اس کا ذابح ہونا ضروری تھا اور ان دونوں میں یہ ذابح بن ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا جس طرح اس مجوسی کا ذبیحہ حرام ہے، اسی طرح اس مشین کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔

مولانا فیض احمد مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تفقہ، تدبر، اصابت رائے اور دور اندیشی میں آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ عالم اسلام کے محدث اعظم، عارف باللہ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو "فقیہ النفس" فرمایا کرتے تھے۔ تفقہ اور فہم دین آپ کا طبعی و فطری وصف تھا۔ حقیقت شناسی کا جوہر قسام ازل نے آپ

کی طبیعت میں ودیعت کر دیا تھا۔ آپ نے تقریباً تیس سال مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے دارالافتاء کو زینت بخشی، قدیم و جدید مسائل پر ہزاروں فتوے آپ کے قلم سے آپ کے مشورہ یا آپ کی سرپرستی میں لکھے گئے، جن کی نقول مدرسہ قاسم العلوم کے دارالافتاء میں محفوظ ہیں۔"

مفتی محمود فقیہ النفس:

مندرجہ بالا اکابر علماء کرام کے تأثرات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مفتی محمود صاحب کو حق تعالیٰ نے کس درجہ فقاہت عطا فرمائی تھی اور محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ تو سونے سے لکھنے کے قابل ہے کہ مفتی محمود صاحب فقیہ النفس تھے۔ جیسا کہ بزرگوں کے تأثرات سے اس کا بھی اظہار ہوا کہ مفتی محمود صاحب جس فقہی مجلس میں شریک ہوتے اپنی فقاہت اور وسعت مطالعہ کی بناء پر حاوی ہو جاتے اور کوئی بڑے سے بڑا مفتی بھی ان کے فتویٰ کے دلائل سے صرف نظر نہیں کر سکتا تھا۔ تسمیہ ذبیحہ کے مسئلہ پر جس طرح مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی محمود صاحب کے دلائل کے بعد اپنے فتویٰ سے رجوع کیا، وہ جس طرح مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تواضع، انکسار اور عالم برحق ہونے کی نشاندہی کرتا ہے، اسی طرح حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت پر اور وسعت مطالعہ پر بھی شاہد ہے۔ جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم نے جس طرح ڈاکٹر معروف کے رجم کے مسئلہ پر اٹھنے کے بعد مفتی محمود صاحب سے رابطہ کر کے مفتی محمود صاحب سے ڈاکٹر صاحب کی بات کرائی اور مفتی صاحب نے جس مدلل انداز میں ڈاکٹر معروف دوالیبی کو قائل کیا اور جس پر بے ساختہ ڈاکٹر معروف دوالیبی کو مفتی صاحب کی فقاہت و علمیت کا اعتراف کرنا پڑا اس کے بعد مفتی صاحب کی فقاہت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

مفتی محمد انور شاہ مرتب ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان جو مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور رفیق کی حیثیت سے ۲۵ سال تک مدرسہ قاسم العلوم کے دارالافتاء میں اور وفاق المدارس میں آپ کے ساتھ شریک رہے ان کے بقول مفتی محمود صاحب کو فقہ کے بڑے بڑے مشکل اور پیچیدہ مسائل کا جواب لکھتے ہوئے کسی کتاب کے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فقہ کی بڑی کتب کے صفحات آپ کی نظروں کے سامنے ہیں۔ آپ بے ساختہ فرما دیتے کہ فلاں کتاب الفلاں کے فلاں صفحہ پر یہ مسئلہ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ پر امت کے تمام علماء کرام کو بھرپور اعتماد تھا اور ملک کے اکثر علماء کرام آپ کو مفتی اعظم پاکستان تصور کرتے تھے۔

مفتی محمود رحمۃ اللہ: مفسر، محدث، قاری:

جیسا کہ مفتی احمد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی محمود صاحب کے تذکرہ میں فرمایا کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کی شخصیت جامع ترین شخصیت تھی اور بقول مولانا عبید الرحمن اشرفی مفتی محمود صاحب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کے علوم کے وارث تھے۔ ہم جب مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ کو مسند حدیث پر رونق افروز دیکھتے ہیں تو وہاں وہ اپنے ہم عصر ہی نہیں بلکہ اپنے سے پہلے کے اساتذہ کرام کے بھی ہم پلہ نظر آتے ہیں۔ علماء کرام کو آپ کی ذات میں کہیں وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ اور کہیں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ وغیرہ کے اوصاف کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی اس حیثیت کو خراج تحسین اور کیا ہوگا کہ محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان کو اپنی مسند پر بٹھا کر طلباء کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنی حدیث کی تعلیم کی نسبت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جوڑیں۔ علامہ شمس الحق افغانی، شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مجاہد اسلام مولانا محمد علی جالندھری، [illegible] شیخ الحدیث مولانا عبدالحق جیسی اولوالعزم اور علمی شخصیات علم حدیث میں آپ کی مہارت کو نہ صرف تسلیم کرتی ہیں بلکہ اپنے طلباء کو آپ سے استفادہ کی تلقین کرتی ہیں۔

علم تفسیر میں جب ہم مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اور مہارت کو جانچنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اپنے ہم عصروں میں اس میں بھی بہت زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ اس کی شہادت کے لیے یہی کافی ہے کہ شیخ التفسیر عارف کامل حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ جیسے عظیم مفسر جن کے درس قرآن و تفسیر میں شرکت کرنے کے لیے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ جیسی عظیم علمی شخصیت کے حامل اپنے منصب اور مقام کی قربانی دے کر تحصیل علم کے لیے طالب علمانہ انداز اختیار کر کے ان کا تلمذ اختیار کرنا اپنے لیے سعادت تصور کرتے ہیں اور اس شاگردی پر ناز کرتے ہیں، ان کی مسند کو پر کرنے کے لیے جب اطراف عالم میں علماء کرام کی جستجو و تلاش ہوتی ہے تو نظر انتخاب مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر پڑتی ہے اور آپ کے اس دورہ تفسیر قرآن میں ہر سال سینکڑوں علماء کرام شرکت کر کے آپ کو جانشین حضرت لاہوری کی حیثیت سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ ایک سال نہیں کئی سال آپ کے درس سے ہزاروں علماء کرام مستفید ہوتے ہیں اور اطراف عالم میں قرآنی خدمات کرتے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ اور حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ کے لیے صدقہ جاریہ بنتے رہے۔

فن قراءت و تجوید میں جب ہم مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کی جستجو کرتے ہیں تو استاذ القراء قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ، استاذ القراء قاری محمد طاہر صاحب رحیمی رحمۃ اللہ مفتی محمود صاحب کو خراج تحسین پیش

کرتے نظر آتے ہیں۔

تقریر و تحریر کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، مفتی محمود صاحب کی ہزاروں تقاریر اور ہزاروں فتاویٰ آپ کی مہارت کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔

رشد و ہدایت کے میدان میں آپ کو چاروں سلسلوں میں کئی مشائخ و اکابر علماء کرام نے خلافت سے سرفراز فرمایا اور ہزاروں مریدین نے اپنی اصلاح آپ سے کروائی۔

مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ جہاں زندگی بھر درس و تدریس، افتاء، تصنیف و تالیف، تحریر و تقریر کے ذریعہ دین کی خدمت کرتے رہے وہیں فرق باطلہ اور کفریہ قوتوں کے مقابلہ میں آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ پاکستان کی تاریخ میں کوئی ایسی تحریک نہیں ملتی جس میں آپ نے قائدانہ کردار ادا نہ کیا ہو۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت پاکستان کے قیام کے بعد عالمانہ چلنے والی پہلی تحریک ہے جس میں حکومت اور دینی قوتوں کا مقابلہ ہوا۔ قادیانیوں نے اپنے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کے ذریعے اپنے نام نہاد خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کی سرکردگی میں پاکستان کو یا بلوچستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانے کی کوشش کی۔ سر ظفر اللہ نے بڑے منظم انداز میں سیرت کے نام پر سرکاری مشنری کے سائے میں جلسے کرنا چاہا جن میں وہ اسلام کے خلاف پرچار کرنے کا پروگرام بنا کر مسلمانوں کے اسلام یا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو غلط ثابت کرنا چاہتا تھا۔ مجلس احرار اسلام کے علماء کرام امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری رحمہم اللہ نے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کو جمع کیا اور قادیانیوں کے ان عزائم کو ناکام بنانے کی جدوجہد شروع کی۔ جب حکومتی مشینری نے اس تحریک کو ناکام بنانے کی کوشش کی ناکام رہی، مارشل لاء لگا دیا گیا تو جوانوں کو گولیوں سے بھون دیا گیا۔ دس ہزار نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا، ایک لاکھ سے زائد علماء کرام و جاں نثاران ختم نبوت پابند سلاسل کیے گئے۔ ان تمام قربانیوں کے نتیجے میں قادیانیوں کے عزائم ناکام ہوئے۔ مولانا مفتی محمود صاحب نے اس تحریک میں بھرپور کردار ادا کیا اور پابند سلاسل بھی ہوئے۔

صدر ایوب خان جب آمریت کے مسند پر پہنچے تو اسلام پر مشق آزمائی کرنے کی کوشش کی۔ منکرین حدیث کا ٹولہ اس کے اردگرد جمع ہو گیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمن نامی منکر حدیث اور ملحد کی سرکردگی میں ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کر کے ماڈرن اسلام کی تشکیل شروع ہوئی۔ مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ، مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علماء اسلام کے ساتھ میدان عمل میں اترے ہوئے تھے۔ مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ نے اس تحریک میں مرکزی کردار ادا کیا۔ تحقیقات اسلامی کے اجلاسوں میں جس میں مفتی اعظم فلسطین اور عرب ممالک کے بڑے بڑے اکابر علماء کرام شامل تھے ان کے

کی کوششوں سے دینی جماعتیں تحفظ ختم نبوت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں کامیاب ہوئی۔

اس کے بعد بھی مفتی محمود صاحب مختلف تحریکات میں حصہ لیتے رہے تا آنکہ آپ کی زندگی کی آخری تحریک جو ایک دینی تحریک تھی گو کہ سیاسی جماعتوں کی شرکت کی وجہ سے وہ ایک سیاسی تحریک قرار پائی۔ اس کی قیادت مولانا مفتی محمود صاحب نے کی اور نمایاں قربانی دی۔ پوری قوم نے آپ کو اپنا متفقہ رہنما تسلیم کیا۔ اس تحریک کے تذکرہ سے قبل ضروری ہے کہ مفتی محمود صاحب کی سیاسی زندگی کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جائے۔

جیسا کہ ابتدا میں تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ مفتی محمود صاحب زمانہ طالب علمی میں مولانا محمد میاں صاحب کی زیر تربیت رہے۔ اس زمانہ میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی قیادت میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا محمد میاں اور دوسرے بڑے بڑے اکابر تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لے رہے تھے۔ بعض وقت ضرورت کی بنا پر طلباء کو بھی بعض معاملات میں شریک کیا جاتا تھا۔ مراد آباد میں انتخابات کے موقعہ پر مولانا مفتی محمود صاحب نے طالب علمی کی زندگی میں جمعیت علماء ہند کے امیدواروں کے لیے کام کیا اور فراغت کے بعد تقسیم ملک سے قبل جمعیت علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے رکن بھی منتخب ہوئے۔ پاکستان آنے کے بعد تدریس میں مشغول ہو گئے لیکن جب مفتی محمود صاحب کھل کر سیاسی میدان میں منظر عام پر چھا گئے اور بھرپور آپ نے ڈکٹیٹروں کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور جمہوری اور سیاسی تحریک میں حکمرانوں کے خلاف مسلمانوں کو تیار کیا۔

میدان سیاست کا شہسوار

جمعیت علماء ہند قیام پاکستان کے بعد ہندوستان تک محدود ہو چکی تھی۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی جمعیت علماء اسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے وصال کی وجہ سے ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ ملک میں دینی سیاست کے لیے ایک اہم پلیٹ فارم کی ضرورت تھی۔ مولانا مفتی محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۹۵۶ء میں چیدہ چیدہ علماء کرام کو ملتان میں جمع کیا جن میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد عبداللہ درخواستی، مولانا عبدالحنان ہزاروی، مولانا غلام غوث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ شامل تھے۔ حاجی امین ملتان کی کوٹھی میں ان علماء کرام کا اجلاس ہوا اور مولانا مفتی محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اصرار پر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے جمعیت علماء اسلام کی امارت قبول کی اور مولانا غلام غوث ہزاروی کو ناظم مقرر کیا۔ اس طرح جمعیت علماء اسلام کا احیاء مفتی محمود صاحب کی کوششوں سے ہوا۔ جمعیت علماء اسلام کو فعال بنانے کے لیے مفتی محمود صاحب نے مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کی معیت میں پورے ملک کا دورہ کیا اور تمام علماء کرام کو اس میں شریک کیا۔ اس طرح علماء کرام نے اپنے سیاسی پلیٹ فارم سے متفقہ طور پر جمعیت کی جدوجہد کا آغاز کیا۔

۱۹۶۲ء میں صدر پاکستان محمد ایوب خان نے بی ڈی سسٹم کے تحت انتخابات کا اعلان کیا، جمعیت علماء اسلام نے اس میں شرکت کا فیصلہ کیا۔ مولانا مفتی محمود ؒ کو بھی انتخابات میں حصہ لینے کے لیے کہا گیا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ اگر خانقاہ موسیٰ زئی کے اکابر مجھے اجازت دیں گے تو انتخابات میں حصہ لوں گا۔ ان کی اجازت سے آپ نے انتخابات میں حصہ لیا اور پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ حلف اٹھاتے ہوئے آپ نے حلف کے الفاظ پر اعتراض کیے اور اس میں صحیح الفاظ کا اضافہ کرایا۔ ایوب خان نے آمریت کے نشے میں بہت کچھ کرنے کی کوشش کی، مفتی محمود صاحب نے ہر جگہ مزاحمت کی اور ایوب خان کے غیر اسلامی اقدامات کو نافذ ہونے سے روکا۔ صدر ایوب خان کی آمریت کو ختم کرنے میں مفتی محمود صاحب اور جمعیت علماء اسلام نے بھرپور کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۰ء میں جب یحییٰ خان نے انتخابات کا اعلان کیا تو مفتی محمود ؒ نے جمعیت علماء اسلام کی سیٹ سے بھٹو کو ڈیرہ اسماعیل خان میں زبردست شکست دی۔ بھٹو نے کان پکڑ کر اعلان کیا کہ وہ مفتی محمود صاحب کے خلاف الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے۔ بھٹو نے آئین بناتے وقت اس کو سیکولر بنانے کی کوشش کی مفتی محمود صاحب نے اس کو ناکام کر کے اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دلوایا اور دیگر اسلامی دفعات کا اضافہ کرایا۔ ۱۹۷۷ء میں جب بھٹو نے آمریت کر ملک پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو مفتی محمود صاحب نے تحریک نظام مصطفیٰ چلا کر نہ صرف بھٹو کا بوریا بستر گول کرایا بلکہ پاکستان کے اسلامی رخ کو بھی ایسا متعین کیا کہ آج تک کوئی حکمران اس کی اسلامی حیثیت کو ختم کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ مفتی محمود صاحب نے اسلامی نظام کے لیے تعاون شروع کیا اور کچھ اسلامی دفعات کا اعلان بھی کروا دیا گیا۔ جب ضیاء الحق مرحوم آمریت کی طرف رخ کرنے لگے تو مفتی صاحب نے جنرل صاحب کی آمریت کو للکارا اور اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

محمود الملۃ والدین:

جنرل ضیاء الحق کے خلاف آپ تحریک کا آغاز کرنے کے لیے تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں کو متحد کر رہے تھے کہ چودھویں صدی کے آخری حج کے سفر پر تشریف لے جاتے ہوئے کراچی میں قیام کے دوران جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہمان خانہ میں مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد رفیع عثمانی، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مفتی احمد الرحمن، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد طاسین، مولانا محمد بنوری اور راقم الحروف سے زکوٰۃ کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے داربقا کی طرف تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قربان جایئے۔ موت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت شجاعت کا دنیا کو مشاہدہ کرایا۔ آپ کی وفات پر شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی ؒ نے "بینات" میں "محمود الملۃ والدین" کے عنوان سے جو اداریہ تحریر فرمایا وہ آب زر

کے ایک فرد پر نظر عنایت ہوتی ہے اسے قطبیت کبریٰ کے مقام پر فائز کر کے امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی بنا دیا جاتا ہے۔ کشمیر کی سنگلاخ سرزمین سے ایک گمنام خاندان کے ایک فرد کو لایا جاتا ہے اور علوم نبوت کا پورا کتب خانہ اس کے سینے میں انڈیل کر اسے امام العصر علامہ محمد انور شاہ رحمۃ بنا دیا جاتا ہے۔ گوجرانوالہ کے ایک گاؤں سے ایک نومسلم کو لاتے ہیں اور اسے ولایت کبریٰ اور مقام صدیقیت پر فائز کر کے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ بنا دیتے ہیں اور ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک غیر معروف قصبہ سے ایک فرد کو کھینچتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے عالم، حافظ، قاری، فقیہ، مفتی، محدث، متکلم اور پھر وزیر اعلیٰ سے لے کر قائد حزب اختلاف تک بنا دیتے ہیں۔ اس صدی (اور گزشتہ صدیوں) کے اکابر کے ابتدائی حالات کا مشاہدہ کیجیے تو بظاہر اسباب کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نونہال کا سایہ ایک عالم پر پھیلا ہوگا۔ اس سے واضح ہوا کہ مشیت الٰہی حفاظت دین اور پاسبانی ملت کا انتظام ظاہری اسباب سے بالاتر کرتی ہے اور لطف الٰہی خود ایسے افراد کا انتخاب کرتا ہے جن سے دین قیم کی خدمت کا کام لیا جائے۔

حضرت اقدس مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ حرمین شریفین کے لیے عازم سفر تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ اپنی علالت اور ضعف و ناتوانی کے علی الرغم چودھویں صدی کے آخری حج میں شرکت کریں اور خانہ کعبہ جا کر بارگاہ ذوالجلال میں بصد عجز و نیاز یہ التجا کریں کہ پوری صدی میں امت سے جو کوتاہیاں، جو لغزشیں اور جو تقصیریں ہوئی ہیں، حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت بے پایاں اور اپنے محبوب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے امت کے پوری صدی کے گناہوں کو معاف کر دیں۔ لیکن حق تعالیٰ شانہ کی مشیت و تکوین شاید یہ چاہتی تھی کہ مفتی محمود کے اس حسن اخلاص اور حسن نیت کی وجہ سے اس صدی کا خاتمہ ہی "محمود" پر کر دیا جائے۔

الٰہی عاقبت "محمود" گرداں

اس لیے حرمین شریفین کے لیے پرواز سے ٹھیک ۲۴ گھنٹے پہلے ان کی بے تاب و بے چین روح اس صدی کے مسلمانوں کی سفارش لے کر سیدھی بارگاہ ذوالجلال میں پہنچ گئی۔

﴿ یایتھا النفس المطمئنۃ ۝ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ ۝ فادخلی فی عبادی ۝ وادخلی جنتی ۝ ﴾

حضرت مفتی صاحبؒ ۱۱ اکتوبر یکم ذوالحجہ کو بروز ہفتہ کراچی پہنچے۔ ۱۵ اکتوبر، ۵ ذوالحجہ کی پرواز میں ان کی نشست محفوظ ہو چکی تھی۔ دن کو بیشتر قیام یہاں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہمان خانہ میں رہتا تھا اور رات کو اپنے مخلص دوست جناب حاجی محمد حنیف صاحب کے یہاں پی ای سی ایچ سوسائٹی میں تشریف لے جاتے تھے۔

لیے رخصت ہو چکے ہیں۔ ہم سب یہی سمجھے کہ دل کے دورہ کی وجہ سے سکتہ کی سی بے ہوشی ہوگئی ہے۔ اس لیے مولانا محمد حاسین صاحب نے منہ میں پانی ڈالا۔ راقم الحروف نے زور سے مقام قلب کو مسلنا شروع کیا۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب اور مفتی احمد الرحمن صاحب نے پاؤں کی مالش شروع کردی۔ مولانا محمد رفیع عثمانی نے زبان کے نیچے دوا کی وہ گولی جو شدید دورۂ قلب میں دی جاتی ہے۔ مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد بنوری اور مولانا محمد اسمٰعیل خان ڈاکٹروں کی طرف دوڑے مگر وہاں کیا رکھا تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ نے وقفہ وقفہ سے دو تین ہچکیاں لیں اور ابدی نیند سو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ راقم الحروف نے مصنوعی دانت اپنے ہاتھ سے نکالے اور آنکھوں سے چشمے اتارے۔ زندگی کی تمام علامتیں ختم ہو چکی تھیں اور یقین آ چکا تھا کہ حضرت مفتی صاحب ملت کی روح پرواز کر چکی ہے۔ لیکن ان کے معالج ڈاکٹر کا اصرار تھا کہ انہیں ہسپتال ضرور لایا جائے۔ چنانچہ ہسپتال لے گئے اور آدھے گھنٹے تک تنفس جاری کرنے کی کوشش کی گئی۔ بالآخر اشک بار آنکھوں سے جناب ڈاکٹر حلیم صاحب اور ان کے رفقاء نے موت کی تصدیق کردی۔

﴿ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل عندہ باجل مسمی﴾

یوں تو موت سنت بنی آدم ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں۔ یہاں جو بھی آیا جانے ہی کے لیے آیا۔ لیکن بعض حضرات کی زندگی کی طرح ان کی موت بھی لائق رشک ہوتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی موت کئی لحاظ سے حسن خاتمہ کی علامت ہے۔ ایک تو وہ سفر میں تھے اور سفر میں مومن کی موت معنوی شہادت ہے۔ پھر یہ سفر بھی سفر حج تھا۔ گویا یہ موت فی سبیل اللہ تھی۔ پھر ایک دینی وشرعی مسئلہ کی وضاحت وتشریح کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ دینی مسائل کا مذاکرہ و تکرار بھی ذکر الٰہی کا ایک فرد ہے۔ پس ان کا خاتمہ ذکر الٰہی پر ہوا اور مفتی کی حیثیت سے جو خدمت حق تعالیٰ نے ان کو تفویض فرمائی آخری لمحہ تک اسی میں مشغول رہے۔ پھر ان کے طائر روح نے جس سرعت سے پرواز کی وہ بجائے خود حیرت انگیز ہے۔ راقم الحروف کا احساس یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ جب فقرہ پورا کر کے خاموش ہوئے تو اسی لمحہ بیٹھے بیٹھے ان کی روح پرواز کرگئی۔

اتنی آسانی سے روح کا قبض ہونا اس ناکارہ کے لیے بالکل ہی نیا مشاہدہ تھا کہ موت سے پہلے کسی تکلیف کی شکایت نہ کسی درد وکرب کا اظہار۔ شیخ عطار رحمۃ اللہ کے درویش کا واقعہ کتابوں میں پڑھا تھا کہ ان کی دہلیز پر سر رکھ کر لیٹ گئے اور کہا کہ ہماری روح تو یوں قبض ہو جائے گی۔ مگر اس کا چشم دید مشاہدہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کے وصال سے ہوا کہ مرنے والے یوں بھی مر کر دکھا دیا کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ نے کسی کی موت کے لیے جو وقت مقدر فرما رکھا ہے موت ٹھیک اسی وقت مقررہ پر آتی ہے۔ اس میں ایک لمحہ کی تقدیم وتاخیر نہیں ہو سکتی اور یہ حق تعالیٰ شانہ کے علم میں ہے کہ کس کی موت کے لیے کون

كتاب العقائد

﴿ج﴾

دوسری اس سے اچھی اور صحیح آسان فہم کتابیں موجود ہیں جن کے پڑھنے سے دین آ سکتا ہے جیسے بہشتی زیور اور تعلیم الاسلام، رسول کی سنتیں، حقوق الاسلام، فضائل نماز، فضائل صدقات، فضائل رمضان، فضائل حج، فضائل تبلیغ، حکایات صحابہ، ان جیسی آسان کتابیں اردو زبان میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھ لیا کریں۔ باقی کتاب تحفۃ الاسلام میں حق و باطل ملا ہوا ہے۔ اس لیے عوام کے لیے اس کا پڑھنا مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ عوام حق کو باطل سے امتیاز نہیں کر سکتے بلکہ اس کے پڑھنے سے گمراہ ہوں گے۔

کیا گناہ کبیرہ کے مرتکب پر لعنت کرنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص مرتکب بمعاصی الکبیرہ والکثیرۃ مثلاً قتل المسلم ظلماً، زنا، شراب نوشی، سود خوری، رشوت خوری وغیرہا، لیکن ساتھ ساتھ اعتقاد دیت پر قائم بالقلب واللسان ہے اور ایسا کوئی کفر صادر نہیں ہوا جو خروج از اسلام کردے۔ آیا ایسے شخص کو ملعون، مردود، بے دین کہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ جو ایسے شخص کو ملعون کہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کی وضاحت دلائل سے تحریر فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں تا کہ مسئلہ بابصیرت مفہوم ہو سکے۔ السائل العاجز بندہ محمد حسین ولی عنہ بہاولنگر

﴿ج﴾

اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ بندہ کبائر مادون الکفر کے ارتکاب سے اسلام سے خارج نہیں ہوتا[1]۔ اس کے دلائل قرآن و حدیث و کتب فقہ و کلام سے بکثرت مل سکتے ہیں اس لیے کسی پر بھی لعنت جائز نہیں ہے جب تک کفر تک نہ پہنچا ہو۔ کرنے والا گنہگار ہے توبہ کرے[2]۔

واللہ اعلم محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) کما فی البخاری عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان رجلا علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اسمہ عبد اللہ وکان یلقب حمارا وکان یضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد جلدہ فی الشراب فاتی بہ یوما فامر بہ فجلد فقال رجل من القوم اللہم العنہ ما اکثر ما یؤتی بہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تلعنوہ فواللہ ما علمت انہ یحب اللہ ورسولہ (کتاب الحدود) باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر) ج ۲ ص ۱۰۰۲ مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراتشی
ھکذا فی مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۱۶ طبع قدیمی کتب خانہ کراتشی.

۲) کما فی ردالمحتار حقیقۃ اللعن المشہورۃ ھی الطرد عن الرحمۃ وھی لا تکون الا لکافر ولذا لم تجز علی معین لم یعلم موتہ علی الکفر بدلیل وان کان فاسقا مشہورا کیزید علی المعتمد (کتاب الطلاق مطلب فی حکم لعن العصاۃ ص ۴۵۳ ج ۳ طبع مکتبۃ رشیدیہ کوئٹہ)

کیا عیسائی کے ساتھ ایک برتن میں کھانا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ مسلمان اور عیسائی دونوں کا ایک ہی برتن میں کھانا جائز ہے یا حرام ہے۔ براہ کرم صحیح مسئلہ سے آگاہ فرما کر چند لوگوں کو یہ کام کرنے سے بچالیں مہربانی ہوگی۔

نوٹ: ہم نے کافی دفعہ سمجھایا لیکن انہوں نے فتویٰ مانگا ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگرچہ عیسائی کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھانا حرام نہیں لیکن ان کے اختلاط سے برے اثرات کا خدشہ ہے، اس لیے ان کے ساتھ اکٹھے خورد و نوش سے اجتناب ضروری ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

اقلیتوں کی سیٹ کے لیے خود کو عیسائی ظاہر کرنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) اس دفعہ جو حکومت نے اقلیت کو سیٹ دینے کا اعلان کیا ہے تو اس کے لالچ میں کمزور ایمان والے مسلمان ظاہر میں اپنے آپ کو عیسائی ثابت کر کے وہ سیٹ لینے لگے۔ یہی مسئلہ ہمارے شہر بھیرہ میں پیش آیا کہ ایک شخص کو چند مسلمانوں نے مل کر بظاہر عیسائی بنا کر عدالت میں پیش کر دیا اور اس پر حلفیہ بیانات دے کر اقلیت کی سیٹ پر عیسائیوں کا نمائندہ بنا دیا۔ تو اب وہ شخص جو بظاہر عیسائی ہوا اور دوسرے مسلمان جو یہ تجویز بنانے والے تھے مرتد ہوں گے یا مسلمان سمجھے جائیں گے۔

(۲) اگر وہ مسلمان ہو کر تجدید نکاح بھی کر لیں۔ لیکن ووٹ استعمال کرنے کا وقت آئے تو عیسائیوں کا نمائندہ بن کر استعمال کریں اور تجویز بنانے والے بھی اس بات پر خوش ہوں۔ تو اب ان کا حکم کیا ہے۔ مسلمان

---

۱) لما في تفسير ابن كثير واما نجاسة بدنه فالجمهور على انه ليس بنجس البدن والذات لان الله تعالى احل طعام اهل الكتاب ج ۱ ص ۵۰۶، طبع قديمي كتب خانه مقابل آرام باغ كراتشي)
كما في الهندية ولا بأس بالذهاب الى ضيافة اهل الذمة هكذا ذكر محمد رحمه الله الخ ج ۵ ص ۳۴۷ (كتاب الكراهية) الباب الرابع عشر في اهل الذمة، طبع مكتبه رشيديه كوئته)

یا مرتد ہوں گے اور ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا ہے۔ بینوا توجروا

مولوی جلال الدین مدرس مدرسہ حنفیہ وخطیب جامع مسجد پادگان ضلع مراد آباد

﴿الجواب﴾

(۱) واضح رہے کہ ایمان اور اسلام ایک بہت بڑی دولت ہے۔ دنیا اور مافیہا اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ کسی بھی وقت اگر کسی شخص کے دل میں اسلام حقیر اور خفیف نظر آجائے یا کسی بھی وقت بلا ضرورت اکراہ کے زبان پر کلمہ کفر جاری کرے العیاذ باللہ۔ تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض افعال مثلاً سجدہ للصنم اور شد زنار وغیرہ سے بھی شخص دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ صورت مذکورہ مستثنیٰ ہے۔ لقوله تعالى الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان. الآية.[1] افسوس ہے کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ جس کے متعلق صادق ومصدوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ پیشین گوئی فرمائی ہے۔ ياتي على الناس زمان يصبح الرجل فيه مؤمنا ويمسي كافرا ويمسي مؤمنا ويصبح كافرا او كما قال.[2] آپ دیکھ رہے ہیں آج کل اکثر مسلمان کہلانے والے معمولی ضرورت کے لیے بلاوجہ کلمات کفریہ کہتے ہیں اپنے آپ کو کافر ظاہر کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ نعوذ بالله من ذلك.

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

بشرط صحت واقعہ شخص مذکور دائرہ اسلام سے نکل گیا ہے بلکہ اس شخص کو عیسائی ہونے کی تجویز پیش کرنے والوں کا ایمان بھی خطرہ سے باہر نہیں ہے۔ ان سب پر لازم ہے کہ فوراً تجدید اسلام کرکے توبہ اور استغفار کریں اور نکاحوں کی تجدید کریں۔

(۲) اگر عیسائیوں کا عیسائی نمائندہ اپنے آپ کو ظاہر کرے تو کفر ہے اور اگر عیسائیوں کا مسلمان نمائندہ اپنے آپ کو ظاہر کرے تو کفر نہ ہوگا۔ بہرحال ایسے شخص کو تجدید نکاح کرنی ضروری ہے۔ تجدید کی حیثیت سے اس صورت میں مستثنیٰ ہونا لازم ہے۔ بصورت ان لوگوں کے توبہ تائب نہ ہونے کے دیگر مسلمانوں کو ان سے قطع تعلق کرنی ضروری ہے

---

(۱) كما في القرآن المجيد (سورة النحل) آيت ۱۰۶.

(۲) كما في جامع الترمذي باب ما جاء ستكون فتنة كقطع الليل المظلم ج ۲ ص ۴۲ طبع ایچ ایم سعید کمپنی.

سادے چند مخبوط مسلمان ہیں۔ نہ زانی نہ زانی سے محبت، نہ چور نہ چور سے محبت، نہ اہل تشیع سے تعلق ہے، نہ بدعتی نہ بدعت کے حامی بلکہ ان کے تمام گھر والے پنج نمازی اور دیندار ہیں۔ بلکہ ایک لڑکا حافظ و عالم سند یافتہ قاسم العلوم ملتان ہے۔ ایک لڑکا مڈل پاس ہے۔ ایک چودھواں پارہ حفظ کر رہا ہے اور ایک پندرھواں پارہ حفظ کر رہا ہے۔ مولوی صاحب موصوف کا ایک بھتیجا حافظ و عالم فاضل خیر المدارس کا ہے۔ بائیکاٹ کرانے والے حضرات بھی سنجیدہ و فہمیدہ آدمی ہیں ایک مولوی صاحب ہیں اور ایک حضرت حاجی الحرمین الشریفین ہے۔ بوقت ضرورت جھوٹی قسم اٹھا لیتے ہیں، دروغ نہیں کرتے۔ گناہ کی باتوں میں ایک دوسرے کے ممد و معاون رہتے ہیں۔ رشتہ اخوت اسلامی کے قطع کرانے اور کرنے والوں کی شرعی سزا و جزا کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر فی الواقع مولوی صاحب موصوف میں کوئی اس قسم کا شرعی عیب موجود نہ ہو جس کی بدولت شرعاً اس سے قطع تعلق جائز ہو تو قطع تعلق اور بائیکاٹ کرانے والے اور کرنے والے ہر دو فریق بڑے گناہگار ہیں۔ ان کو فوراً توبہ کرنی چاہیے اور تعلقات بحال رکھ کر مولوی صاحب موصوف سے معافی مانگنی چاہیے [1]۔

احادیث شریفہ میں مسلمان بھائی سے ناجائز قطع تعلق کے متعلق سخت سخت وعیدیں وارد ہیں۔ وعن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يحل لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلث فمن هجر فوق ثلث فمات دخل النار. رواه احمد و ابوداؤد وعن ابی خراش السلمی انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من هجر اخاه سنة فهو كسفك دمه رواه ابوداؤد (بحواله مشكوة شريف صفحه ۴۲۸ باب ما ينهى عنه من التهاجر الفصل الثانی) [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) كما فی رد المحتار: ولو أم قوما وهم له كارهون ...... كره ...... وان هو احق لا والكراهة عليهم كتاب الصلوة مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد ج ۲ ص ۳۵۴ طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) كما فی صحيح مسلم: عن ابی ايوب الانصاری رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال لا يحل لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلاث ليال يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا وخيرهما الذی يبدأ بالسلام۔

كما فی شرحه للنووی: قوله صلى الله عليه وسلم لا يحل لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلاث ليال، قال العلماء فی هذا الحديث تحريم الهجر بين المسلمين اكثر من ثلث ليال واباحتها فی الثلاث الاول (الخ) كتاب البر والصلة والآداب باب تحريم الهجر فوق ثلاثة ايام بلا عذر شرعی، ص ۳۱۶، ج ۲، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔

كما فی المشكوة عن ابی خراش السلمی انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من هجر اخاه سنة فهو كسفك دمه رواه ابوداؤد بحواله مشكوة شريف صفحه ۴۲۸، كتاب المحمود باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، كما فی رد المحتار وصلة الرحم واجبة ولو كانت بسلام وتحية وهدية ...... وفی الحديث ان الله يصل من وصل رحمه ويقطع من قطعها وفی الحديث صلة الرحم تزيد فی العمر، كتاب الحظر والاباحة، وجوب صلة الرحم وقطعها ج ۶ ص ۴۱۱ طبع ايچ ايم سعيد۔

پابند اور جملہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے متبع ہیں۔ اس لیے اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی۔ تفترق امتی علی ثلث و سبعین ملۃ کلها فی النار الا ملۃ واحدۃ فقیل ما الواحدۃ قال ما انا علیہ واصحابی رواہ الحاکم ولهذا الحدیث اسانید کثیرۃ والفاظ متقاربۃ. ما انا علیہ میں اشارہ سنت کی طرف ہے اور واصحابی میں جماعت کی طرف[1]۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۲۸ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کے پیچھے بھاگنا

﴿س﴾

تفسیر حقانی اور چند دیگر تفاسیر میں آیت ﴿ یایها الذین امنوا لاتکونوا کالذین اذوا موسی فبراہ اللہ مما قالوا و کان عند اللہ وجیها ﴾ (الاحزاب ج ۱/۲۲-۱) کی تفسیر کچھ عجیب طریقے سے موجود ہے۔ اس مسئلہ کی صداقت پر علماء کرام کچھ روشنی ڈالیں۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام فی الواقع اپنے پارچہ جات کے پیچھے عریاں چلے تھے۔ جبکہ ان کے پارچہ جات ایک پتھر لے بھاگا تھا۔

حافظ محمد عبداللہ قادر بدین پور ڈیرہ اسماعیل خان

﴿ج﴾

یہ واقعہ بالکل صحیح ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم و دیگر جملہ کتب احادیث میں مذکور ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والتسلیمات کو لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچانا اور ان کی وجاہت کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانا اس واقعہ کا مقصد تھا اور عریاں ہونا چونکہ اس قوم کی عادت میں کوئی عیب شمار نہیں ہوتا تھا اس لیے انبیاء علیہم السلام کی عزت پر عوام کے نزدیک کوئی حرف نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے عین حکمت کے مطابق قلیل وقت میں غیر مناسب طور پر (جو کہ قوم کے نزدیک قطعاً غیر مناسب نہ تھا) پیغمبر کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے فی الحقیقت آپ کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر فرما کر ان کی عظمت بڑھائی اور عمر بھر کے لیے تہمت سے بری کرا دیا۔ نفع کثیر کے مقابلہ میں ضرر قلیل کو برداشت

---

۱) رواہ الترمذی، تفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ کلهم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من هی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی، باب افتراق هذه الامۃ ج ۲ ص ۹۳، طبع ایچ ایم سعید کمپنی۔
کما فی شرح العقائد النسفیۃ، فهذا الجبائی وترک الاشعری مذهبہ فاشتغل هو ومن تبعہ بابطال رأی المعتزلۃ واثبات ما ورد بہ السنۃ ومضی علیہ الجماعۃ فسموا اهل السنۃ والجماعۃ، ص ۸ طبع دار الاشاعۃ العربیۃ، کوئٹہ۔

کرنا بھی تقاضائے عصمت ہے، بالخصوص جبکہ قوم کی نظر میں نبی علیہ السلام کا کوئی عیب سامنے آ گیا ہو اس لیے اس واقعے کو تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کرنی چاہیے۔ چونکہ صحیح سند سے معتبر کتب حدیث میں ثابت ہے۔ صحیح ثابت شدہ روایات کا انکار کرنے کے بجائے اپنی فہم و دانش کو قصور وار ٹھہرانے کے علاوہ احتیاط کی کوئی راہ نہیں ہے[1]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۲۹ = ۶ = ۱۳۸۶ھ

کسی کے وسیلے سے دعا کرنے اور غیر اللہ سے مدد مانگنے کی شرعی حیثیت

سوال نامہ

فما قولكم رحمكم الله هل تجدون في الكتاب والسنة والاجماع والقياس الشرعي وفتاوى علماء ديوبند حجة لمن يتوسل بذوات الانبياء والصلحاء في دعائه لربه تبارك وتعالى بلفظ اللهم اقض لي حاجتي فلانة بحق فلان او ببركة حلوله في الذين او اللهم اني اقسم عليك بحق فلان ان تقضي لي حاجتي. اذ طائفة من العلماء الحنفية في باكستان يفتون بجوازه في مجالس الوعظ ويحتجون بمصانيف اكابر اهل السنة والجماعة من اهل ديوبند في جوازه كحجة الله على العالمين وآية من آيات الله مولانا محمد قاسم النانوتوي وقطب الاقطاب المؤيد بالحق والصواب مولانا رشيد احمد گنگوهي وشيخ الاسلام وفخر الايمان مولانا محمود الحسن الديوبندي والسيف المسلول على شاتم الرسول حكيم الامت مولانا الشيخ اشرف علي التهانوي الذين يعتقد

---

(۱) يايها الذين آمنوا لا تكونوا كالذين آذوا موسى فبرأه الله مما قالوا وكان عند الله وجيها. سورة الاحزاب ۶۹۔
كما في صحيح البخاري عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان موسى كان رجلا حييا ستيرا لا يرى من جلده شيء ۔۔۔ ان الله عز وجل اراد ان يبرئه مما قالوا ۔۔۔ وطلب الحجر فجعل يقول ثوبي حجر ثوبي حجر حتى انتهى الى ملأ من بني اسرائيل (الخ) كتاب الانبياء باب قول الله عز وجل ۔۔۔ حديث موسى ج ۱ ص ۴۸۲، طبع قديمي كتب خانه كراتشي۔
وهكذا في صحيح مسلم حدثنا ابو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔۔۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت بنو اسرائيل يغتسلون عراة ۔۔۔ وكان موسى عليه السلام يغتسل وحده ۔۔۔ فوضع ثوبه على حجر ففر الحجر بثوبه قال فجمح موسى عليه السلام باثره يقول ثوبي حجر ثوبي حجر (الخ) كتاب الفضائل باب من فضائل موسى عليه السلام ج ۲ ص ۲۶۶، طبع قديمي كتب خانه كراتشي۔

هذا الزمان الاخير امثالهم بعد موتهم بلا خلاف. لعمري هذا الاحتجاج بعيد عن الحق بمراحل و كذب بحت و افتراء من نحو الاختراع على هؤلاء الأكابر الذين لم يخلق مثلهم في البلاد لاطلاقه برجوع المسائل من معروفة هذا الزمان. اه تفسير التهانوي عازية عن هذا المعنى من الوسيلة في قوله تعالى وابتغوا اليه الوسيلة (پاره نمبر ۲ مائده و يهي قرب پاره نمبر ۱۰)، حيث فسره شيخ العلام و البحر القمقام بقرب الله تعالى بالطاعة و ازدياد الخير والصلاح كما في روح المعاني نمبر ۱ و على تقدير تسليم فما الجواب عما في القاموس الوسيلة والواسلة المنزلة عند الملك والدرجة والقربة و وسل الى الله تعالى توسيلا عمل عملا تقرب به اليه كتوسل والواسل والواجب والراغب الى الله تعالى ۳ الخ ج ۳

۲: و ايضا فما الجواب عن نقد الحكيم الالوسي حيث قال في تفسيره ومن الناس من منع التوسل والقسم على الله تعالى باحد من خلقه مطلقا و هو الذي يترشح به كلام المجدد ابن تيمية و نقله عن الامام ابي حنيفة و ابي يوسف و غيرهما من العلماء الاعلام رضي الله عنهم و اجاب عن حديث ضرير البصر على ما رواه الترمذي بانه على حذف مضاف اي بدعاء او شفاعة نبيك فيه جعل الدعاء وسيلة و هو جائز بل مندوب والدليل على هذا التقدير قوله في اخر الحديث اللهم شفعه في بل في اوله ايضا ما يدل على ذلك حيث قال الضرير للنبي صلى الله عليه وسلم ادع الله ان يعافيني و قد انكر تاج السبكي كما هو عادته على المجدد فقال و يحسن التوسل والاستغاثة بالنبي صلى الله عليه وسلم و لم ينكر ذلك احد في السلف والخلف حتى جاء ابن تيمية فانكر ذلك و عدل عن الصراط المستقيم و ابتدع ما لم يقله عالم و صار بين الانام مثلة انتهى روح المعاني ج ۶ ص ۱۲۶.

۳: و ايضا فما الجواب عن نقد الحكيم الالوسي تحت حديث انا نستشفع بك الى الله تعالى و نستشفع بالله تعالى عليك مجابا لقوله صلى الله عليه وسلم ان الله لا يستشفع به على احد من خلقه فان الله تعالى اعظم من ذلك حيث قال و لو كان الاقسام معنى الاستشفاع فلم انكر النبي صلى الله عليه وسلم مضمون الجملة الثانية دون الاولى كما انهم يقولون معنى الاستشفاع الاقسام على الله تعالى كما اعتقد هؤلاء الغلاة الهي بحق فلان اقض لي حاجتي فمضمون الجملة الاولى كان احق بالانكار عليه اذ هو محل النزاع و تسكير النبي صلى الله عليه وسلم جملة الثانية كان متروكا لكونها خلاف الحق بلا نزاع

کما ترک النبی صلی الله علیه وسلم تکرۃ الجملة الاولی لاستغراق المعنی لاستشفاع طلب الدعاء فیه صلی الله علیه وسلم ولیس هو محل النزاع. وایضا فیما الجواب عن نقده رحمه الله تعالی علیه تحت حدیث الاستسقاء فی زمن عمرؓ حیث قال فانه لو کان التوسل به علیه الصلاۃ والسلام بعد انتقاله من هذه الدار لما عدلوا الی غیره. بل کانوا یقولون اللهم انا نتوسل الیک بنبینا فاسقنا وحاشهم ان یعدلوا عن التوسل بسید الناس الی التوسل بعمه العباس وهم یجدون اولی مساغ لذلک وعدو الیهم هذا مع انهم السابقون الاولون و هم اعلم بالله تعالی و رسوله صلی الله علیه وسلم و حقوق الله تعالی و رسوله علیه الصلوۃ والسلام وما یشرع من الدعاء وما لا یشرع وهم فی وقت الضرورۃ و مخمصة یطلبون تفریج الکربات و تیسیر العسیر وانزال الغیث بکل طریق دلیل واضح علی ان المشروع ما سلکوہ دون غیرہ. روح المعانی ج۴ ص ۱۲۶ .

۴: وایضا فیما الجواب عن نقد الحکیم الالوسیؒ تحت قوله تعالی ایهم اقرب سورۃ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ والعمری لم یبق فی التوسل منزعا فی تحقیقه لکن التوجیه مع هذ متکلف وجوز الحوص والزجاج ان یکون (ایهم اقرب) مبتداء وخبر والجملة فی محل النصب ینظرون ای یفکرون والمعنی ینظرون ایهم اقرب فیتوسلون به وکان المراد یتوسلون بدعاء والا ففی توسل بالذوات فیه وتعقب ذلک فی البحر بان اضمار الفعل المطلق و مع ذا هو وجه غیر ظاهر روح المعانی ص ۹۹ ج ۱۰ .

۵: وایضا فیه الجواب عما فی روح المعانی فی تفسیرہ فی انفسکم افلا تبصرون ای فی ذواتکم آیات اذلیس فی العالم شئی الا وفی ذات الانسان له نظیر یدل مثل دلالته علی ما انفرد به من الهیئات النافعة والمناظر البهیة والترکیبات العجیبة والتمکن من الافعال البدیعة واستنباط الصنائع المتنوعة واستجماع الکمالات المختلفة و آیات الانفس اکثر من ان تحصی افلا تبصرون ای الا تنظرون فلا تبصرون بعین البصیرۃ وهو تعنیف علی ترک النظر فی الایات الصراحة والنفسیة وقیل فی اخبر مسائل السلوک التهانوی ج۳ ص ۱۲۳ - روح المعانی ج۲۰ ص ۹ - انظر والیه: این السبیل للمؤمن لاتخاذ الوسیلة مقربات المخلوق فی لمحة من لمحات حیاته حیث عنف المؤمن علی ترک النظر فی

الأبيات النفسية كأنها فرض من فرائض الاعمال كالصلوة وغيرها من الامور الطاعة فاتها رفاعها اكلا وشاربا قائلا وعاملا وغير ذالك من الحوائج الانسانية فيؤتى اى لمحة من لمحات حيات المؤمن بقي لاتخاذه الوسيلة بذوات المخلوق بالدعاء.

۲ـ وايضا الجواب عن قوله تعالى ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون. اذ دخول الجنة مكتوب عند الله تعالى تفضلا منه من جزاء الاعمال الصالحة والوسيلة بالذات مشروط بصحته باذن الله تعالى من يشفع عنده الا باذنه فبكمال شرفكم اسرعوا بالجواب فانى انتظر لذالك اشد انتظار الذي هو جزء من اجزاء الدين.

خادم العلماء الدكتور الحافظ ضياء الحسن الانصارى الجنجوهي ايل ايس ايم ايف ايس

ڈاکخانه راهيوالى ضلع مظفر گڑھ

﴿ج﴾

اقول وبالله التوفيق انى امهد اولا مقدمات عديدة ليمكن فهم الجواب عما سألتم

(۱) بنو آدم كلهم شركاء فى نفس البشرية ومتساوية الاحكام فى الماهية الانسانية والحيوانية فان المنطقيين صرحوا بذلك بان لاتشكيك فى الماهيات والتفاوت بينهم والتفاضل فى مراتبهم انما يكون بحسب الملكات الفاضلة والاعتقادات الحقة والاعمال الحسنة والتوفيقات الالهية فمن بشر يصطفيه الله عزوجل فيجعله بحيث يصير جامعا للكمالات ومكارم الاخلاق ومحاسن الاعمال ويعصمه الله بحيث يصير مجتنبا من الشرك والكفر والرذائل محفوظا من الذنوب والخطايا مصونا من السيئة والزلل وهم فى ذلك على درجات غير متناهية ومن رجل يضله الله فيكون غليظ القلب سيء الاخلاق والاعمال لايدرى الطاعة من المعصية ولا يميز بين الحق والباطل يهيم فى وادى الضلال وفيهم ايضا مراتب لاتحصى فالتفاوت عند الله انما يكون بالاوصاف العارضة للانسانية لامن حيث هى هى.

(۲) الموت منبه للاعمال لا مفسد فان الاعمال الصالحة والعقائد الصحيحة وثمر

انها تنتهي وتنقطع وتنسد بالموت لا انها تفسد فانها هي الباقيات الصالحات فالرجل بعد الموت ايضا موصوف بالكمالات التي كان موصوفا بها في الحيوة الدنيا لايحبط عمله بالموت فان الله لا يضيع اجر المحسنين.

(٣) الاعمال الصالحة سواء كانت من نفسه او من غيره تصلح ان تكون وسيلة الي النجاة ولذا قال النبي صلى الله عليه وسلم انا فرطكم على الحوض وانا فرط من لافرط له" والشفاعة مبنية على هذا الاصل فان الشفيع باعماله الصالحة يتقرب الي الرب تعالي وتقربه بتلك الاعمال يكون ذريعة لقبول الشفاعة في حق العاصي فكان العاصي استفاد بالاعمال الصالحة للشفيع نجاة لنفسه واستفادة النجاة باعمال الغير هو التوسل باعماله وانت ايها السائل معترف بالتوسل بالاعمال.

فبعد تمهيد تلك المقدمات اقول ان التوسل بنبي او ولي لايكون من حيث هو انسان وبشر بل من حيث هو موصوف بكمالات النبوة فائز بمراتب الرسالة اخذ باهداب الولاية وصالح العمل. فالتوسل في الدعاء وان كان بلفظ دال على الذات كما في اللهم اني اتوسل اليك بفلان لكنه في الحقيقة يكون باعماله الصالحة فان الكل سواء في نفس الانسانية والاشياء الباعث له علي ان يتوسل بالصالح المطيع دون الطالح العاصي لهذا ينادي باعلى نداء ان مقصوده بالتوسل بذات الصالح انما هو التوسل باعماله الصالحة وانت معترف بجوازه وليت شعري كيف يقول احد بعدم جواز التوسل بالذوات بعد اقراره جواز التوسل بالاعمال كما عرفت من ان التوسل بالذات من حيث اتصافها بالاعمال لا من حيث نفسها واعماله الصالحة لما كانت باقية بعد موته جاز التوسل مطلقا في حياته ومماته. ومن اكابر العلماء الديوبندية كلهم قائلون بجواز التوسل بالاموات قال السيد الشاه محمد اسماعيل الشهيد في منصب الامامة توسل بالنبي صلى الله عليه وسلم ومولانا قطب الجنجوهي في فتاواه قال بجوازه والشجرة المباركة والسلسلة الطيبة لمولانا الشيخ حسين احمد المدني مدظله وحضرة شيخ الهند قدس سره الي النبي صلي الله عليه وسلم مملوءة بالتوسل بمشائخهم وهذا هو مسلك العلماء الديوبندية ومشائخهم الشاه ولي الله المحدث الدهلوي وابنه الشاه عبدالعزيز وحفيده الشاه

الہامات وکرامات اولیاء حق ہیں

سوال

مولوی نور خان وحافظ غلام محمد ومیاں محمد نور خان وغیرہ کا عقیدہ ہے کہ انبیاء واولیاء اللہ کی قبروں میں شیطان ہوتا ہے اور جب صوفیاء کشف سے قبر کا حال معلوم کرتے ہیں تو ان کو شیطان ہی نظر آتا ہے اور اسی شیطان سے کلام بھی ہوتا ہے نہ کہ ارواح مقدسہ سے ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ جو کشف وکرامت اور الہام کا قائل ہے وہ جاہل، خام، بدعتی، گمراہ، بے دین، مشرک ہے جو صوفیاء کرام سے مراقبہ یا روح سے فیض کا حصول ہو کر منازل سلوک ہوتے ہیں۔ جیسا متقدمین صوفیاء سلسلہ اویسیہ میں اس حصول فیض کے قائل ہیں کیفیت خدا جانے لاتقف مالیس لک به علم خلاصہ یہ ہے کہ نور خان وغیرہ اس کو قطعی مشرک بدعتی لادین تصور کرتے ہیں اور مولوی اللہ یار خان جو کہ دیوبندی خیال کا ہے اس نے ان تمام چیزوں کا ثبوت پیش کیا اور فتویٰ دیا کہ مذکورہ عقائد والے مولوی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے یہ معترلہ سے بھی بڑھ گئے ہیں اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ مولوی نور خان کا عقیدہ ٹھیک ہے یا مولوی اللہ یار خان کا اور کیا ان عقائد والے کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ ان دونوں امور کو بالوضاحت بیان فرمانا کہ لوگ غلطی سے محفوظ رہیں۔

جواب

الہام وکشف وکرامات اولیاء حق ہیں اہل السنۃ والجماعت کا یہی عقیدہ ہے[1]۔ حصول فیض قبور اولیاء سے ہوتا ہے معنی لم یلق لم یعرف یہ صحیح عقیدہ ہے اس کے خلاف نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ مروجہ خرافات بھی زیادہ قبور اولیاء پر جن بدعات ورسوم شرکیہ کا صدور ہوتا ہے وہ لوگ اکثر حصول فیض کے نام سے یہ تمام بداعمالیاں

---

۱) کما فی شرح الفقه الاکبر والکرامات للاولیاء حق ای ثابت بالکتاب، لقوله تعالی فی حق الذی عنده علم الکتاب انا آتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك فلما رآه مستقرا عنده قال هذا من فضل ربی (النمل آیت ۴۰)۔

وقوله فی حق مریم رضی الله عنها کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقا قال یا مریم انی لك هذا قالت هو من عند الله ان الله یرزق من یشاء بغیر حساب، (آل عمران آیت ۳۷) خوارق العادات للانبیاء والکرامات للاولیاء حق ص ۲۴۰ طبع دار البشائر الاسلامیة، کما فی رد المحتار، ثم قال والانصاف ما ذکره الامام النسفی حین سئل عما یحکی ان الکعبة کانت تزور واحدا من الاولیاء هل یجوز القول به فقال نقض العادة علی سبیل الکرامة لاهل الولایة جائز عند اهل السنة، کتاب الجهاد مطلب فی کرامات الاولیاء ج ٦ ص ۲۷ طبع مکتبه رشیدیه۔

کرتے ہیں حصول نفع نفوس کا کام ہے عوام کا اس سے سروکار نہیں (۱)۔ ان مسائل میں اختلاف بلا وجہ بڑھ گیا ہے کسی کی صحیح بات دوسرے تک نہیں پہنچتی۔ نقل و حکایت میں اکثر بعد از تحقیق غلطی ثابت ہوتی ہے۔ ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (۲)۔ نفس عقیدہ کا جواب دے دیا گیا اور خاص اشخاص کے متعلق جن سے نہ میں واقف اور نہ آپ کے استفتاء سے میرے لیے کوئی شرعی ثبوت پہنچتا ہے کہ واقعی انہوں نے ایسے الفاظ کہے ہیں تو میں کیسے کسی خاص شخص کے متعلق رائے ظاہر کروں۔ البتہ یہ کہوں گا کہ یہ عقیدہ جو استفتاء میں درج ہے یہ غلط اور باطل ہے۔ واللہ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ

غیر اللہ کو ندا شرک ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

۱- یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اعینونی یا عباد اللہ، یا غوث اعظم وغیرہ کلمات ندائیہ کہنے جائز ہیں یا ناجائز استمداد از انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء امت جائز یا ناجائز۔

۲- اسماعیلی فرقہ کے شیعہ جن کے ہندوستان سے بھی کسی نبی ولی یا صحابی کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ نہیں سنا گیا اگر وہ وظیفہ کہے کہ صرف تکبیر مروجہ یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور کو ذبح کیا ہے کیا اس کا ذبیحہ قابل اکل ہے یا نہ۔ جواب مفصل و مدلل مرحمت فرما دیں۔

﴿ج﴾

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ندا غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے (۳) ورنہ شرک نہیں مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے (۴)۔ یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں

---

(۱) وهكذا في رد المحتار: واما الاولياء فانهم متفاوتون في القرب من الله تعالى ونفع الزائرين بحسب معارفهم واسرارهم. كتاب الصلوة مطلب في زيارة القبور ج ۲ ص ۱۷۸، طبع مكتبه رشيديه۔

(۲) سورة الحجرات آيت ۶۔

(۳) كما في القرآن الكريم: فلا تدعوا مع الله احدا. سورة الجن آيت ۱۸، اياك نعبد واياك نستعين. فاتحة آيت ۴، وهكذا في تفسير ابن كثير: يقول تعالى آمرا عباده ان يوحدوه في محال عبادته ولا يدعى معه احد ولا يشرك به. سورة الجن ج ۴ ص ۴۳۰، طبع قديمي كتب خانه كراتشي۔

(۴) كما في سنن النسائي عن عبد الله رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام. باب التسليم على النبي صلى الله عليه وسلم ج ۱ ص ۱۸۹، قديمي كتب خانه كراتشي۔

یا عرض حال کی تحریر و فرمان میں کہ ایسے موقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں۔ لیکن ہرگز مقصود نہ اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ۔ پس فی حد ذاتہ یہ الفاظ نہ شرک ہیں نہ معصیت ہیں۔ مگر ہاں بوجہ موہم ہونے کے ان کلمات کا مجامع میں کہنا مکروہ ہے (۱) کہ عوام کو ضرر ہے اور فی حد ذاتہ ایہام ہے البتہ اگر غیر اللہ کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرکے پکارے تو صاف کلمات کفر ہیں نہ ان کو سننا حلال ہے اور نہ سکوت روا ہے۔ اگر قادر نہ ہو تو الگ ہو جائے۔

استمداد غیر اللہ سے وہ کفر ہے جو ان کو موثر بالذات مجھ کر یہ کہے کہ تم میرا کام کر دو اور اگر ان کو موثر بالذات نہیں سمجھتا اور یہ کہتا ہے کہ دعا کرو کہ حق تعالیٰ یہ کام کر دیوے یا یہ کہے کہ یا اللہ اگر یہ آپ کا مقرب بندہ ہے تو اس کے وسیلہ سے ہم پر بھی رحم فرما تو یہ کفر نہیں۔ مگر جو منکر سماع ہیں وہ منع کرتے ہیں بسبب لغو ہونے کے اور عدم ثبوت کے سنت سے اور مجوزین جائز کہتے ہیں بسبب سماع کے ثبوت کے ان کے نزدیک اور ثبوت اس کی اصل کی پس یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ (کذا فی فتاوی رشیدیہ مختصراً) (۲)

(۲) اگر شیعہ کسی مسئلہ ضروریہ کا منکر نہ ہو مثلاً الوہیت علی رضی اللہ عنہ کا قائل نہ ہو، جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے میں غلطی کا قائل نہ ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان نہ باندھتا ہو وغیرہ ذالک تو وہ کافر نہیں (۳) اگر وہ بسم اللہ اللہ اکبر کے ساتھ جانور کو ذبح کرے تو حلال ہے (۴)۔

---

۱) کما فی صحیح البخاری لقوله علیه السلام فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام، کتاب الایمان باب من استبرأ لدینه ج ۱ ص ۱۳، طبع قدیمی کتب خانه،
کما فی القرآن الکریم، وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو، سورة الانعام آیت ۵۹۔

۲) کما فی القرآن الکریم، ولا تدع من دون الله ما لا ینفعك ولا یضرك فان فعلت فانك اذا من الظالمین،
سورة یونس آیت ۱۰۶ ایاك نعبد وایاك نستعین، فاتحة آیت ٤۔
کما فی جامع الترمذی عن ابن عباس رضی الله عنهما قال کنت خلف النبی صلی الله علیه وسلم یوماً فقال .... اذا سالت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله (الخ) ابواب صفة القیامة، ج ۲ ص ۷۸، طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔
کما فی تفسیر المنیر، وابتغوا الیه الوسیلة، فقد استدل به بعض الناس علی مشروعیة الاستغاثة او التوسل بالصالحین (الخ) سورة المائدة آیت ۳۵، ج ٤ ص ۱۷٤، طبع مکتبة غفاریة کوئٹه، وکذا مر تفصیله فیما قبل۔

۳) کما فی رد المحتار، واما الرافضی ساب الشیخین بدون قذف للسیدة عائشة رضی الله عنها فلیس بکافر (الخ) کتاب الجهاد مطلب فی حکم سب الشیخین ج ٦ ص ۳٦٤، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وهکذا فی الهندیة وان کان یفضل علیاً کرم الله وجهه علی ابی بکر رضی الله عنه لایکون کافراً الا انه مبتدع۔

٤) کما فی رد المحتار، وتشترط التسمیة من الذابح حال الذبح، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۰٤، طبع مکتبه رشیدیه۔
وکذا فی الهندیة (ومنها) التسمیة حالة الذکاة وعندنا ای اسم کان وسواء قرن بالاسم بصفة بان قال الله اکبر الله اعظم الله اجل الله الرحمن الله الرحیم ونحو ذلك الخ کتاب الذبائح الباب الاول فی رکنه وشرطه ج ۵ ص ۲۸۵ طبع مکتبه علوم اسلامیه کما فی فتح القدیر، وما تداوله الالسن عند الذبح وهو قوله باسم الله والله اکبر (الخ) کتاب الذبائح ج ۸ ص ٤۱۲، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

(۳) جو اہل کتاب سماوی مذہب اور کتاب کا معتقد ہو گو عامل بالکتاب نہ ہو اس کا ذبیحہ جب کہ تکبیر سے ہو جائز اور حلال ہے[۱]۔ البتہ جو باوجود اس قوم میں سے ہونے کے کسی کتاب سماوی کے اعتقاد کا التزام نہ رکھیں جیسے آج کل بعض کی حالت ہوتی ہے تو ان کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا اور نہ ان کا ذبیحہ جائز ہوگا[۲]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَغِثْنَا یا مُحَمَّدُ کہنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین در ایں مسئلہ کہ چار یار یا ائمہ کرام نے کبھی اپنی عمر میں اغثنا یا محمد یا محمد المدد کہا ہے تفصیل طور پر احادیث کا حوالہ عنایت فرما دیں۔

﴿ج﴾

کسی صحیح روایت میں صحابہ، تابعین اور مجتہدین سے اَغِثْنَا یا مُحَمَّدُ یا محمد المدد ثابت نہیں۔ بلکہ ان الفاظ کا استعمال جائز بھی نہیں اگر عقیدہ حاضر و ناظر کے ساتھ ہو[۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنے کا عقیدہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ایسے شخص کے متعلق جو کہتا ہے آقائے نامدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ماکان و مایکون کا اور حاضر ناظر سمجھتا ہے نذر نیاز غیر اللہ کا بھی قائل ہے۔ باوجود سمجھانے کے بھی اپنی ہٹ

---

۱) كما في القرآن الكريم، وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم، سورة المائدة آيت ٥۔
وهكذا في رد المحتار، وكذا حل ذبيحتهم، كتاب النكاح مطلب في وطء السراري ج ٤ ص ١٣٣، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
كما في الهندية، وتؤكل ذبيحة أهل الكتاب ويستوي فيه أهل الحرب وغيرهم (الخ) كتاب الذبائح الباب الأول في ركنه وشرطه، ج ٥ ص ٢٨٥، طبع مكتبه علوم اسلاميه۔

۲) كما في رد المحتار ورجحه في فتح القدير بأن القائل بذلك طائفتان من اليهود والنصارى انقرضوا لا كلهم (الخ) كتاب النكاح، مطلب في وطء السراري ج ٤ ص ١٣٣، مكتبه رشيديه كوئٹه

۳) اياك نستعين فاتحة آيت ٤، كما في جامع الترمذي عن ابن عباس رضي الله عنهما ... اذا سألت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله (الخ) ابواب صفة القيامة ج ٢ ص ٧٨، طبع ايچ ايم سعيد كراتشي۔

جہری سے باز نہیں آتا اور اپنے عقیدہ پر مضبوط رہتا ہے اور ساتھ ہی کلمہ شریف پڑھتا ہے کیا یہ شخص یا ایسا عقیدہ رکھنے والے اشخاص مشرک ہیں یا نہیں؟ اگر مشرک ہیں تو پھر مرتدین کی صف میں شمار ہوں گے اور ان کا ذبیحہ حرام ہوگا یا باوجود مشرک ہونے کے اہل کتاب کا حکم رکھتے ہیں۔ بینوا بالدلائل جزاکم اللہ۔

(۲) توسل بالاحیاء والاموات جائز ہے یا نہ، اگر جواب اثبات میں ہو تو پھر قابل توضیح یہ بات ہے کہ توسل بالاحیاء والاموات برابر ہے یا فقط یہ صورت جائز ہے کہ جو نیک لوگ زندہ ہیں۔ ان کے پاس جا کر ان سے بارگاہ ایزدی میں دعا کی درخواست کی جائے۔ یا بحرمت فلاں بطفیل فلاں ببرکت فلاں کہہ کر دعا مانگی جائے۔ جو صورت جواز ہو اس کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا جائے۔

(۳) موجودہ ملکی، دینی، اقتصادی حالات کے تحت کسی جماعت کی شمولیت کے بغیر انفرادی طور پر دین کے لیے جدوجہد کرنا بہت مشکل ہے موجودہ دور میں ویسے تو کئی ایک جماعتیں حتی المقدور اپنے اپنے اصول کے تحت دین کو فروغ دینے کے سلسلہ میں جانفشانی سے کام کر رہی ہیں۔ مثلاً جماعت تحفظ ختم نبوت، تنظیم اہل سنت والجماعت، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی مگر موخر الذکر جماعت کے اصول وضوابط، نظم ونسق اور طریق کار بظاہر اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے لیکن پاکستان کے اکابر علماء کرام میں سے اکثر علماء اس جماعت سے اختلاف رکھتے ہیں مگر پوچھنے اور غور کرنے کے باوجود بھی بظاہر کوئی وجہ اختلاف سمجھ میں نہیں آئی اس لیے یہ مسئلہ ہمارے ذہن میں عقدہ لاینحل بن چکا ہے۔ لہٰذا مہربانی فرما کر ہمارے اس عقدہ کو حل فرما کر ہماری پوری رہبری فرمائی جاوے کہ اس وقت کون سی جماعت میں شامل ہو کر کام کیا جائے اگر موخر الذکر جماعت سے احتراز کا حکم ہو تو دوسری جماعت کی وجہ ترجیح اور اس کے پورے کے پورے نقائص بالدلائل بیان فرما کر ہماری تشفی فرمائی جاوے۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾

۱- جواب تو یہ ہے کہ آیات واحادیث واقوال فقہاء کثیرہ سے اس پر دلائل ہیں کہ علم غیب کلی ذات باری کا خاصہ ہے[1]۔ دوسرے کے لیے اس صفت کا ثابت کرنا شرک فی الصفات[2] ہے۔ نیز ذبیحہ کا عبادت ہونا متفق

---

۱) قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ (النمل آیت ۶۵) وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو (الانعام آیت ۵۹) وللہ غیب السموات والارض (النحل آیت ۷۷)۔
فی صحیح مسلم: فقال قم یا حذیفۃ فأتنا بخبر القوم (الخ) کتاب الجہاد والسیر باب غزوۃ الاحزاب ج ۲ ص ۱۰۷ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) کما فی الفتاوی الولوالجیۃ من تزوج امرأۃ بشہادۃ اللہ ورسولہ لا یجوز النکاح وحکی عن ابی القاسم رحمہ اللہ تعالی ان ہذا کفر مطلق لانہ اعتقد ان رسول اللہ ﷺ یعلم الغیب وہذا کفر، کتاب النکاح الفصل الرابع ج ۱ ص ۲۷۱ طبع بیروت لبنان، وہکذا فی شرح الفقہ الاکبر، فالعلم بالغیب امر تفرد بہ سبحانہ ولا سبیل للعباد الیہ الا باعلام منہ (الخ) ص ۲۲۱ طبع دار البشائر الاسلامیۃ

کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ مختصراً عرض ہے شرعی حیثیت سے یہ بات معلوم اور واضح ہے کہ اسلامی جماعت بندیوں کا قائل نہیں ہے جس کا آج رواج عام ہے ہر امر خیر جس پلیٹ فارم پر ہو اس کی تائید اور اس سے تعاون کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے لہٰذا جماعت تبلیغی ہو یا تنظیم اہلسنت ہو یا مجلس ختم نبوت ہو ہر ایک کے کام میں حسب استطاعت موقع پر شامل ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں کہ ان کے باقاعدہ نظم میں آپ شامل ہوں۔ البتہ جماعت اسلامی ایک مستقل طرز فکر کی حامل ہے ان میں اصولی خطرات یہ ہیں کہ ان کے مدرسہ خیال میں فقہ، تصوف، ادب مع الاسلاف کو وہ خاص مقام حاصل نہیں ہے جو ہونا چاہیے اگر مدرسہ فکر کی اشاعت عوام الناس میں ہوئی تو قرآن و حدیث سے اپنے زعم و فہم کے تحت یا کسی مقرر کردہ اصول اجتہاد کے ایسے مسائل مستنبط ہوں گے جو اجماع امت کے بھی خلاف ہوں گے خرق اجماع کو کسی مجتہد نے بھی آج تک جائز نہیں کہا میں بہت سے ایسے مسائل کی نشاندہی کرا سکتا ہوں کہ جماعت کے امیر سابق مولانا مودودی صاحب کی جو تحقیقات ہیں وہ خلاف الاجماع ہیں۔ اجماع امت کے خلاف ہر کسی شخص کی انفرادی رائے کے قابل تسلیم ہونے سے دین قدیم کی تعبیر کا جو حشر ہوگا وہ آپ پر بھی بخیر و خوبی مخفی نہ رہے گا۔ البتہ نظام اسلام کا مطالبہ اور اس کے قیام کی جدوجہد ہر مسلمان کا فرض ہے خداوند قدوس مسلمانوں کی حالت پر رحم فرما کر صحیح رہنمائی فرمادے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (1)۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم شہر ملتان

اولیاء کے مزارات پر چراغاں کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) اولیاء کے مزار پر جا کر ان سے مراد و حاجت مانگ سکتے ہیں یا نہ؟

(۲) اس طرح کہہ سکتا ہے کہ اے ولی یا اے بابا فلاں میں تجھ سے مانگتا ہوں اور میری حاجت کو پورا کر۔ مثلاً ولد، عورت، مقدمہ میں کامیابی لڑکا وغیرہ اسی طرح نفع، برکات، زندگی، راحت کے دروازوں کا وا کر دو وغیرہ۔

(۳) اہل قبور کو اپنا وسیلہ بنا سکتے ہیں یا نہ؟ اور یہ ہماری دعائیں اور مرادیں جو ہم چاہتے ہیں اللہ سے پوری کروا سکتے ہیں۔

(۴) اور مراد پوری ہونے پر نذر و نیاز کرنا یعنی ولی کے مزار پر چراغاں کرنا، قیمتی چادر، غلاف ڈالنا اور جانور ذبح کرنا جائز ہے یا نہ۔

---

(۱) کما فی قولہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، سورۃ مائدہ آیت

ہوگا۔ اس کو نقصان نہیں پہنچتا اور اگر پہنچتا ہے تو اس کا احتمال ہے۔ کوشش کرے کہ فرض نماز کے جو کچھ وہاں کو جائز سمجھتا ہے وہ مبتدع ہے۔ یہ دینی اور شرعی رسوم کو ثواب سمجھنے سے بڑھ کر کیا گناہ ہے۔ ان کو ترک کرنا لازم ہے۔ خطرہ ہے کہ شرک کی حد کو نہ پہنچ جاوے(۱)۔

(۷) فطرے کا حق دار صرف امام نہیں ہے بلکہ ہر مسکین اور اس شخص کو جو زیادہ محتاج ہو اس کو دیتے ہیں اس میں زیادہ ثواب ہے۔ فقط کی امید ہے(۲)۔

(۸) یہ بھی محض رواج ہے۔ اس کو اگر ثواب سمجھا جاوے تو گناہ اور بدعت ہے ورنہ لغو ہے(۳)۔

فقط واللہ اعلم۔

قبروں پر پیروں سے مطلب حاصل کرنا

(سوال)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ قبروں پر پیروں سے مطلب حاصل کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے کام کرا دیویں۔ یہ جائز ہے یا نہیں۔ مطلب کی خاطر پیروں کو بلانا جائز ہے یا نہیں۔ کسی بزرگ یا ولی یا نبی یا فرشتہ کو حاضر ناظر جاننا جائز ہے یا ناجائز۔ پیر فقیر کے نام پر منت دینا جائز ہے یا نہیں۔ پیر کے نام کا حصہ گیارھویں دینا جائز ہے یا ناجائز۔ امام بخش، نبی بخش، محمد نواز، غوث بخش، حسین بخش وغیرہ نام رکھنے جائز ہیں۔ تیجہ، قل خوانی، بیسواں، چالیسواں، روح کا آنا اور ہر جمعرات اور گیارھویں لازم سمجھ کر قرض اٹھا کر کرنا ان کو حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں۔

---

(۱) ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ۔ سورۃ الانعام آیت ۱۷۔ قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ما شاء اللہ۔ سورۃ اعراف آیت ۱۸۸۔

(۲) كما في الهداية فمصرفه كالمصارف المذكورة، كتاب الزكاة باب المصرف ج ۲ ص ۲۲۴ طبع مكتبة رشيديه كوئته۔ كما في الهندية منها الفقير هو من له ادنى شيء وهو ما دون النصاب او قدر نصاب غير نام هو مستغرق في الحاجة (الخ) كتاب الزكاة باب المصارف ج ۱ ص ۱۸۷ طبع مكتبة رشيدية كوئته۔

(۳) كما في المشكوة عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔ متفق عليه۔ كتاب السنة باب الاعتصام ج ۱ ص ۲۷ طبع قديمي كتب خانه كراتشي۔

(۳) اولیاء مومنین کی کرامت مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اس خرق عادت کو انبیاء کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ اور بعض اولیاء کے لیے بھی اس کے قائل ہیں۔ یہی دوسرا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ حضرت پیر رحمۃ اللہ علیہ سے اگر صحیح روایت سے ثابت ہو جائے تو ان لینے میں کوئی دقت نہیں کرنی چاہیے[۱]۔

(۴) لڑکے لڑکیاں صرف خدا وند کریم ہی دیا کرتا ہے[۲]۔ البتہ اگر ان کی دعا اللہ تعالیٰ کسی کے حق میں اپنے اختیار سے قبول فرما کر لڑکے عطا فرمادے تو یہ عقیدہ درست ہے اور ہو سکتا ہے[۳]۔

(۵) یہ عقیدہ مطلقاً غیر صحیح ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی وقت کسی کو سنانا چاہے تو دور سے بھی سنا سکتا ہے[۴]۔

(۶) ان کی تصنیف میں یہ قول موجود ہے۔ لیکن یہ قول ان کا علی الاطلاق نہیں ہے۔ بلکہ مؤول ہے[۵]۔

(۷) قطعاً نہیں نصوص قطعیہ کے خلاف ہے[۶]۔

(۸) کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں محض واہیات باتیں ہیں[۷]۔

(۹) صحیح روایت سے کسی کی تعریف کرنی چاہیے۔ غلط روایتوں سے نہیں[۸]۔ استمداد مافوق الاسباب صرف اللہ تعالیٰ سے ہو سکتی ہے[۹]۔

---

۱) كما في رد المحتار، والحاصل انه لاخلاف عندنا في ثبوت الكرامة وانما الخلاف في ما كان من جنس المعجزات الكبار والمعتمد الجواز مطلقا (الخ) كتاب الطلاق مطلب في ثبوت كرامات الاولياء والاستخدامات ص ۲۵۳، ج ۵، طبع مكتبه رشيديه، كوئٹه۔

۲) يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور، سورة شورى آيت ۴۹۔

۳) كما في رد المحتار، مقابل مقتضى العادة على سبيل الكرامة وانما الخلاف في ما كان من جنس المعجزات الكبار والمعتمد الجواز مطلقاً (الخ) كتاب الطلاق مطلب في ثبوت كرامات الاولياء والاستخدامات ج ۵ ص ۲۵۳، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۴) ان الله يسمع من يشاء، سورة فاطر آيت ۲۲۔

۵) یہ قصہ بے اصل ہے اس کی کوئی معتبر سند اور ثبوت نہیں ہے کفایت المفتی ج ۱ ص ۲۰ طبع دار الاشاعت کراچی

۶) سبحن الذي اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام، سورة بني اسرائيل آيت ۱۔

۷) یہ بے اصل ہے سند اور مافوق الاسباب استمداد ہے، كفاية المفتي، ج ۱ ص ۱۱۸، دار الاشاعت كراتشي۔

۷) یہ روایت غلط ہے کہ آپ ایک عالم باعمل اور شیخ طریقت ولی اللہ تھے، حقانیہ ج ۱ ص ۲۰۳، طبع جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

۹) سورة الفاتحة آيت ۴، كما في جامع الترمذي ابواب صفة القيامة، ج ۲ ص ۷۸، طبع ايچ ايم سعيد كراتشي، [illegible]

(۱۰) یہ جو بجانا شعائر ہیں جن میں سے بعض کی تو کوئی تاویل صحیح نہیں ہو سکتی(۱)۔

(۱۱) نہیں یہ طریقہ قطعاً غلط ہے۔ پیر صاحب نے ایسا قطعاً نہیں فرمایا ان کا دامن پاک ہے(۲)۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان یکم جمادی الثانیہ ۹۷ھ

مزار پر جانور کو ذبح کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان شخص نے ایک مینڈھا اس نیت سے خریدا کہ میں اس جانور کو کسی ولی اللہ کے مزار کے پاس لے جا کر خدا کے نام پر ذبح کروں گا اور اس کا ثواب اسی ولی اللہ کو بخشے۔ کیا یہ جانور حلال ہوا یا نہیں۔ کیا مسلمان اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر خالصۃً لوجہ اللہ شرعی طریقہ سے تکبیر کے ساتھ اس جانور کو ذبح کیا ہے تو یہ ذبح درست اور گوشت حلال ہے(۳)۔ لیکن مزار کے پاس لے جانا یا وہاں ذبح کرنے کی تخصیص کرنا درست نہیں آئندہ اس سے احتراز کریں(۴)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ۱۰-۱۲-۱۴۰۰ھ

سماع موتیٰ کا قرآن وحدیث سے ثبوت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین متدرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) کیا سماع موتیٰ قرآن اور حدیث نبوی اور اقوال ائمہ سے ثابت ہے یا نہیں ہمارے وطن میں اس کا بہت جھگڑا ہو رہا ہے۔

(۲) کیا وسیلہ پکڑنا نبی اور ولی وغیرہ کا جائز ہے یا نہیں۔

---

۱) اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

۲) یہ تمام امور بے اصل ہیں۔ کفایۃ المفتی، ج ۱ ص ۱۶۸، طبع دار الاشاعت کراچی۔

۳) کما فی الشامیۃ: وشرط التسمیۃ من الذابح حال الذبح، کتاب الذبائح ج ۶ ص ۳۰۰، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۴) کما فی البزازیۃ: ویکرہ اتخاذ الطعام ...... ونقل الطعام الی القبر فی المواسم (الخ) کتاب الصلوٰۃ نوع آخر ذهب الی المصلی قبل الجنازۃ (الخ) ج ۴ ص ۸۱، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ (چمن)۔

ما ذکر ادلة الجانبين. والحق ان الموتى يسمعون في الجملة وهذا على احد وجهين[1] الخ

دلیل فریق اول: وقال في المرقاة شرح المشكوة (ج ۱ ص ۳۳۹ باب اثبات عذاب القبر) تحت حديث انه ليسمع قرع نعالهم قيل اي يسمع صوتها لو كان حيا فان جسده قبل ان ياتيه الملك فهو ميت لا يحس بشيء وهو ضعيف اذ ثبت بالاحاديث ان الميت يعلم من يكفنه[2] ومن يصلي عليه ومن يحمله ومن يدفنه وقال ابن الملك اي صوت دقها وفيه دلالة على حياة الميت في القبر لان الاحساس بدون الحياة ممتنع عادة۔ الخ۔

دلائل فریق ثانی: مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فتاویٰ رشیدیہ ص ۸۷ پر ارشاد فرماتے ہیں[4] اور یہ مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ ہے اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا تحقیق کہ بعد والوں کے سن پر تفی ہے۔ جس پر عمل کرے درست ہے۔

وفي فتح القدير[3] ج ۲ ص ۴۴۷ ويشكل عليهم ما في مسلم ان الميت يسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا اللهم الا ان يخصوا ذلك باول الوضع في القبر مقدمة للسؤال جمعا بينه وبين الآيتين۔ الخ۔

(۲) وسیلہ انبیاء علیہم السلام کا اور اولیاء رحمہم اللہ کا پکڑنا جائز ہے اور ثابت ہے۔ کما قال في وفاء الوفاء باخبار دار المصطفى لنور الدين علي ابن احمد السمهودي المتوفى ۹۱۱ ج ۴ ص ۱۳۷۲ اعلم ان الاستغاثة بالنبي صلى الله عليه وسلم وبجاهه وبركته الى ربه تعالى من فعل الانبياء والمرسلين وسير السلف الصالحين واقع في كل حال قبل خلقه صلى الله عليه وسلم وبعد خلقه في حياته الدنيوية ومدة البرزخ وعرصات القيامة الخ. فذكر فيه احاديث وروايات ودلائل تشفي الغليل وتروي العليل، وقال فيه الحال الثاني التوسل به صلى الله عليه وسلم بعد خلقه في مدة حياته في الدنيا فمنه ما رواه جماعة منهم النسائي والترمذي في الدعوات عن عثمان بن حنيف ان رجلا ضرير البصر اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله لي ان يعافيني قال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خير لك قال فادعه

---

۱) كما في روح المعاني، سورة روم آيت ۵۲، ج ۲۱ ص ۷۹، طبع دار احياء التراث العربي۔

۲) وفي فتح القدير، باب الجنائز، ج ۲ ص ۶۹، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۳) كما في مرقاة المفاتيح، كتاب الايمان، باب اثبات عذاب القبر، ج ۱ ص ۲۰۲، طبع دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

۴) فتاوی رشیدیہ ص ۱۰۸، ادارہ اسلامیات لاہور۔

فامره ان یتوضا فیحسن وضوئه ویدعو بهذا الدعاء اللهم انی اسالک واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجهت بک الی ربی فی حاجتی لتقضی لی اللهم شفعه فی قال الترمذی حسن صحیح غریب لانعرفه الامن هذا الوجه و صححه البیهقی وزاد فقام وقد ابصر وفی روایة ففعل الرجل فبرأ. وفی صحیح البخاری ج ا ص ۱۳۷ (باب الاستسقاء)[1]: عن انس بن مالک ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب رضی الله عنه فقال اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی الله علیه وسلم فتسقینا واناتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون[1]۔ (۳) نذر لغیر الله باطل ہے اور حرام ہے اور اگر غیر اللہ کو متصرف فی الامور سمجھتا ہو تو شرک و کفر ہے۔ کما قال فی الدر المختار مع شرحه رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۹ واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفها لفقراء الانام الخ۔ وقال الشامی تحته (قوله باطل وحرام) لوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز ولانه عبادة والعبادة لاتکون لمخلوق ومنها ان المنذور له میت والمیت لایملک ومنها انه ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ واعتقاده ذلک کفر[2] الخ۔ (۳) میت کے لیے اگر خیرات کرتا اس قسم کا ہو کہ اس میں بدلے ایصال ثواب قرآن شریف یا بعض سورتوں کا ختم کرایا جائے اور اس میں طعام اور قراء کو دعوت دی جائے تو یہ تو تین دن سے پہلے جائز ہے اور تین دن کے بعد کسی وقت جائز ہے۔ قرأة قرآن لاجل الاکل یکرہ اطعام لاجل قرأة القرآن برعتوں ناجائز ہے[3]

---

(۱) وابتغوا الیه الوسیلة، سورة مائدة آیت ۳۵، وکذا فی مشکوٰة المصابیح باب الاستسقاء ج ۱ ص ۱۳۲، قدیمی کتب خانه کراتشی۔

(۲) کما فی رد المحتار، کتاب الصوم مطلب فی النذر الذی یقع للاموات ج ۲ ص ۴۹۱، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی صحیح البخاری عن انس بن مالک رضی الله عنه ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب رضی الله عنه فقال اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی الله علیه وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون، باب الاستسقاء ج ۱ ص ۱۳۷ طبع قدیمی کتب خانه۔

(۳) کما فی البزازیه واتخاذ الدعوة بقرأة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم (الخ) کتاب الصلوٰة نوع اخر ذهب الی المصلی، ص ۸۱، ج ۴، مکتبه علوم اسلامیه، چمن وکما فی ردالمحتار، کتاب الصلوٰة مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت، ص ۲۴۱، ج ۲، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

اور اگر مجرد کھانا کھلانا ہو تو تین روز کے اندر درست نہیں ہے اور تین دن کے بعد جائز ہے (۱) اور اگر نقدی یا کوئی جنس تقسیم کرنا ہو یا فقراء کے لیے خیرات وتیاری کرنا ہو تو وہ ہر وقت جائز ہے۔ کما قال فی العالمگیریہ ج ۱ ص ۱۶۷ ولا یباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلاثۃ ایام کذا فی التتارخانیۃ (۲) وفی البزازیۃ علی ہامش العالمگیریۃ ج ۱ ص ۷۹ ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ لانہا ایام تاسف فلا یلیق فیہا ما یختص باظہار السرور وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا ولو فی الترکۃ صغار لا یتخذ منہا وہکذا فی الشامیۃ فی کتاب الجنائز (۳)۔

(۵) غیر اللہ سے مافوق الاسباب اشیاء کا سوال کرنا متصرف فی الامور سمجھ کر شرک ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبد اللطیف غفر لہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲-۳-۱۳۸۷ھ

پیران پیر کو متصرف ماننا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ

(۱) ہر چاند کی گیارھویں تاریخ کو پیران پیر صاحب کو متصرف مان کر اور انہی کے نام پر نیاز نذر کر کے دودھ خیرات کرے اور ساتھ یہ بھی خیال کرے کہ اگر میں نے یہ گیارھویں نہ کی تو میرے مال میں تباہی ہو جائے گی ایسے حالات کے ماتحت جو دودھ دیا گیا ہو۔ یہ فقیر استعمال کر سکتا ہے۔ غنی لے سکتا ہے یا کہ وہ دودھ ان کے ایسے اعتقاد سے حرام اور نجس ہو جاتا ہے۔

---

۱) کما فی رد المحتار، ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث (طلع) کتاب الصلوۃ مطلب فی کراھۃ الضیافۃ من اہل المیت، ص ۱۷۶، ج ۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، وکذا فی البزازیۃ، کتاب الصلوۃ نوع آخر الی فصل، ص ۸۱، ج ۴، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ، چمن۔

۲) کما فی الہندیۃ، کتاب الصلوۃ الحادی والعشرون فی الفصل السادس، ص ۱۶۷، ج ۱، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) کما فی رد المحتار، کتاب الصلوۃ مطلب فی کراھۃ الضیافۃ من اہل المیت، ص ۱۷۵، ج ۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۴) ولا تدع من دون اللہ، سورۃ یونس آیت ۱۰۶، وکذا فی جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، ص ۷۸، ج ۲، طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔

پیر کو حالات پر مطلع سمجھنا

(س)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید گیارہویں دیتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ پیر میرے حال پر مطلع ہے اور اگر میں گیارہویں نہ دوں تو مال میں نقصان ہوگا یا دودھ میں کمی ہو جائے گی یا کوئی نقصان ہو جائے گا یہ عقیدہ رکھ کر دودھ نکالتا ہے اور پھر ایصال ثواب کرتا ہے۔ کیا اس عقیدہ والا گیارہویں شرک ہے یا نہیں پھر اس دودھ کا پینا حلال ہے یا حرام۔ بینوا توجروا

(ج)

بغیر نذر ماننے کے اگر گیارہویں شریف کو خیرات کر کے ثواب حضرت شیخ عبد القادر صاحب کی روح کو بخشے تو شرک یا حرام نہیں بلکہ مستحب ہے[1]۔ البتہ یہ عقیدہ کہ اس دن ثواب صدقہ کا زیادہ ملتا ہے تو یہ عقیدہ فاسدہ ہے اور بدعت ہے[2] اور عقیدہ کہ حضرت پیر کو ہر وقت میری بات اور احوال کا علم ہوتا ہے عقیدہ شرکیہ ہے۔ اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔ وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو الآية[3]۔ نیز یہ کہ اگر یہ خیرات نہ کروں تو نقصان پہنچے گا یہ عقیدہ بھی فاسدہ ہے اس سے توبہ کرنا چاہیے۔ بزرگوں کی ذات سے کسی کو نقصان پہنچنا تو ان کی شان کی تنقیص و توہین ہے۔ اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کی ذات با برکت ہے ان سے کسی کو نقصان نہ پہنچے[4]۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

غیر اللہ کی نذر ماننا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ غیر اللہ کی نذر جائز ہے یا کہ نہیں

---

1) كذا في الهداية، كتاب الحج باب الحج عن الغير، ج ١ ص ٢٩٦، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔ مر ذكره مرارا۔
وكما في رد المحتار، مطلب في اهداء ثواب الاعمال للغير ج ٢ ص ٢٤٣، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
2) كما في مشكوة المصابيح، عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد متفق عليه، كتاب السنة باب الاعتصام ج ١ ص ٢٧، طبع قديمي كتب خانه كراتشي
3) سورة الانعام، آيت ٥٩، قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله، سورة النمل آيت ٦٥۔
4) قل لا املك لنفسي نفعاً ولا ضراً الا ما شاء الله، سورة الاعراف آيت ١٨٨۔

سید عبدالقادرؒ کے نام

السؤال

۱۔ زید نے نذر مانی کہ میری فلانی حاجت میری مراد کے مطابق پوری ہو جائے تو میں سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر بکرا دوں گا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت میری نذر سے مطلع ہیں کہ فلاں مرید نے اپنے اوپر نذر کی ہے کہ بکرا اللہ کی نذر ہے اور ثواب حضرت صاحب کے لیے ہے تاکہ حضرت میرے کام میں شفاعت کریں، یہ عقیدہ شرک ہے یا نہیں۔

۲۔ زید نے نذر کسی بزرگ کے نام پر مانی ہے اسی عقیدہ سے مرغ یا کھانا متعدد لوگوں پر تقسیم کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کا تصور تک بھی اس کو نہیں کہ ثواب اس عمل کا اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس بزرگ کو پہنچے تو ایسا شخص عند الشرع مشرک ہے یا مسلمان اور منت ورشد و طعام کا کھانا حلال ہے یا حرام۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) اگر نذر کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر مانی اور دل میں یہ تھا کہ اس کا ثواب فلاں بزرگ کو بخش دوں گا تو یہ نذر صحیح ہے اور اس کو ثواب ملے گا۔ لیکن اگر نذر کے وقت اس بزرگ کا نام لیا تو نذر صحیح نہیں: واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل وحرام لوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز لانه عبادة والعبادة لاتکون الا لله[1] الخ۔

جو تقرب الی غیر اللہ میں خوف کفر ہے اللہ تعالیٰ اس سے مسلمانوں کو بچائے اس صورت میں جب منت لغیر اللہ ہو اور تقرب کسی بزرگ کا ہو۔

(۲) وہ چیز بھی حرام ہے، قال الشامی ولانه حرام بل سحت[2]۔ فقط واللہ اعلم۔ مفتی محمود عفا اللہ عنہ

---

(۱) کما فی رد المحتار، کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی یقع للاموات، ص ۴۳۹، ج ۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، ص ۵۲۰، ج ۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) کما فی رد المحتار، کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی یقع للاموات، ص ۴۳۹، ج ۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

پیر کی گائے

﴿س﴾

(۱) ایک شہر میں صدیوں سے ذبائح آ رہے ہیں اب فی زمانہ ان کا نام پیر کی گائے مشہور و مروج ہے۔ چھوٹے بڑے اسی نام سے بتایا کرتے ہیں۔ یہ ذبائح اس طریقہ سے ہوتے ہیں کہ چند آدمی اہل شہر کے تمام گھروں سے بطور چندہ گندم، چنا، روپیہ وصول کر لیتے ہیں اور عام لوگ بھی کہتے ہیں کہ ذبائح پیر کی گائے کے لیے خیرات جمع کرتے ہیں۔ بعد میں اس چندہ سے گائے خرید لیتے ہیں۔ بعدہ ذبح باسم اللہ کر ڈالتے ہیں۔ یہ ذبائح حرام ہیں یا نہیں کیا حکم ہے۔

(۲) اکثر اوقات خیرات کے نام کا چندہ لیتے ہیں لیکن اگر کچھ چندہ اس شرط پر دیا گیا ہو کہ یہ پیر کی گائے کے لیے ہے۔ اگر ایسے شخص کا حصہ بھی اس میں داخل ہو تو اس میں خرابی ہے یا نہیں۔

(۳) ہمارے وطن میں یہ رواج ہے کہ کسی کو ایک مہم درپیش ہو یا کوئی حاجت ہو تو کہہ دیتا ہے کہ میرا کام ہو جائے تو میرا بکرا یا گائے بندہ مردہ کا ہے یہ ذبیحہ اور نذر کیسی ہے۔

﴿ج﴾

ہر جانور جو غیر اللہ کے نامزد کرایا جائے بایں صورت کہ اس سے غیر اللہ (بزرگ یا پیر یا فرشتہ یا بادشاہ) کی خوشنودی اور تقرب مقصود ہو تو وہ ما اهل به لغير الله کے تحت داخل ہو کر حرام ہو جاتا ہے۔ چاہے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام پڑھے۔ اس کا کھانا اور استعمال کرنا شرعاً حرام ہے[1] جب تک اس کا مالک تائب ہو کر غیر اللہ کی نامزدگی اور شہرت کو ختم نہ کرے۔ اور ایسے جانور کے لیے جو پیر کا نامزد ہو چندہ لینا اور جمع کرنا دونوں حرام ہیں۔ زیادہ تفصیل بیان القرآن، تفسیر مظہری، ترجمہ قرآن مجید حضرت شیخ الہند میں دیکھ لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاک شفا کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مطلقاً مٹی کا کھانا جائز ہے یا حرام اور خاک شفا کا حکم کیا ہے۔ شریعت مطہرہ اور احادیث صحیحہ کی رو سے واضح فرما دیں۔ عبدالرشید

---

۱) ما اهل به لغير الله، سورة البقرة آيت ۱۷۳۔ ... وكذا في ردالمحتار، كتاب الصوم مطلب في النذر الذي يقع للاموات ص ۴۹۱، ج ۲ طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم فصل في النذر، ص ۲۹۰، ج ۲ طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في بيان القرآن، ما اهل به لغير الله ص ۹۷، ج ۱، طبع ايچ ايم سعيد كمپني

﴿ج﴾

مٹی کا کھانا مطلقاً حرام ہے اگرچہ مٹی پاک ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر چیز پاک ہو اس کا کھانا بھی حلال ہو۔ البتہ ضرورۃً قدرِ قلیل کھانا جائز ہے جیسا کہ چونا جو کہ بعض زمین میں سے ہے پان پر لگا کر تھوڑا سا کھانا جائز ہے۔ اسی طرح متبرک مٹی مثلاً خاکِ شفاء اس کو اگر اس طرح استعمال کیا جائے کہ پانی میں ڈال کر پانی کو نتھار کر پئیں تو جائز ہوگا کیونکہ مٹی نیچے بیٹھ جائے گی اور اس کی برکت پانی کے ذریعے سے حاصل ہو جائے گی۔ وذکر شمس الائمة الحلوانی اذا کان یخاف علی نفسه انه لو اکله اورثه ذلک علة او آفة لا یباح له التناول وان کان یتناول منه قلیلا او کان یفعل ذلک احیانا لا بأس به کذا فی المحیط[1]۔ (عالمگیری ج ۵ ص ۳۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲ رمضان ۱۳۹۳ھ

پیر کے قائم کردہ کنویں سے شفا کا عقیدہ

﴿س﴾

علماء دین ومفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی پیر صاحب یا سید صاحب ایک چاہ کھدوا کر تیار کرائیں تو پھر اس چاہ کے پانی میں غسل کرنا اس ارادے سے کہ یہ چاہ سید صاحب نے یا پیر صاحب نے تیار کیا ہے۔ وہاں پر عورت اور مرد ہجوم کے ہجوم جا کر غسل کریں تو ان کو ہر ایک مرض سے شفا ہو جائے گی اور دعا بھی قبول ہوگی کیا ایسی صورت میں وہاں پر غسل کرنا جائز ہے۔

﴿ج﴾

تبرک بآثار الصالحین اگرچہ جائز ہے[2] لیکن جہاں پر عقیدہ پیدا ہونے کا احتمال ہو اور عوام مسلمین کے اعتقاد

---

۱) عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراھۃ فی الاکل، ج ۵، ص ۳۴۰، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ وفیہ ایضاً: اکل الطین مکروہ ..... بحوالہ بالا۔
وھکذا فی المحیط البرھانی: اکل الطین مکروہ وان کان یتناول منه قلیلاً وکان یفعل ذلک احیاناً لا بأس به، کتاب الکراھیۃ والاستحسان، باب الکراھۃ فی الاکل، ج ۶، ص ۹۰، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ۔ ومثل ھذا فی خلاصۃ الفتاوی: "وفی الفتاوی اکل الطین مکروہ لانه تشبه بفرعون"۔

۲) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: اتخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم خاتماً من ورق وکان فی یده ثم کان بعد فی ید ابی بکر، ثم کان بعد فی ید عمر، ثم کان بعد فی ید عثمان، حتی وقع بعد فی بئر اریس ... (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب نقش الخاتم، ج ۲، ص ۸۷۲، قدیمی کتب خانہ) وفی فتح الباری: وفیه استعمال آثار الصالحین ولباس ملابسهم علی جهة التبرک والتیمن بها۔ (کتاب اللباس، باب هل یجعل نقش الخاتم ثلاثة اسطر؟ ج ۱۰، ص ۴۱۷، دار الفکر بیروت) وھکذا فی الشامی، کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی زیارۃ القبور، ج ۲، ص ۱۷۸، رشیدیہ کوئٹہ طبع جدید۔

کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو وہاں پر ایسی خرافات کی گنجائش نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شجرہ مبارکہ کو بیخ سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ مسلمانوں کے لیے باعث فتنہ بن جائے لہٰذا مسلمانوں کو ایسے مقام پر جانا جائز نہ ہوگا[1]۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۵ صفر المظفر [illegible]

محرم میں سبیلیں لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ محرم کے اول عشرہ میں جگہ جگہ سبیلیں لگائی جاتی ہیں اور نیاز بصورت کھانا بنام حضرت حسین رضی اللہ عنہ دی جاتی ہے۔ کیا ان سبیلوں سے پانی پینا یا نیاز کا کھانا کھانا جائز ہے۔ بعض حضرات ان دنوں میں خالصاً للہ بھی لوگوں کو پانی پلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں لیکن یہ تخصیص کرنا کہ کونسا للّٰہی ہے اور کونسا غیر للّٰہی ہے مشکل ہے۔ کیا ان سبیلوں میں جو للّٰہی ہیں کچھ عطیہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ سائل محمد دین [illegible] ملتان شہر

﴿ج﴾

جو سبیل نذر حسین رضی اللہ عنہ لگائی گئی ہو یا کھانا نذر لغیر اللہ ہو تو اس سبیل سے پانی پینا اور یہ کھانا جائز نہیں ہے[1] البتہ کوئی خالص للہ پانی پلاتا ہو اس کا پینا اور پلانا بھی جائز ہے[2]۔ دن کی تخصیص سے پینے کا ناجائز ہونا لازم نہیں آتا اگرچہ تخصیص فی نفسہ بدعت ہے[3]۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) المشهور ان الناس كانوا يأتونها فيصلون عندها فبلغ ذلك عمر رضي الله عنه فامر بقطعها خشية الفتنة بها لقرب الجاهلية وعبادة غير الله تعالى فيهم (تفسير روح المعاني للآلوسي، سورة الفتح، ج ۲٦ ص ٣٦٤، دار احياء التراث العربي بيروت، وفي الدر المختار: اذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام، كتاب الطهارة، مطلب في ابحاث الغسل، ج ۱ ص ۱۷٦، طبع ايچ ايم سعيد.

۲) كما في الدر المختار مع رد المحتار: واعلم ان النذر الذي يقع للاموات من اكثر العوام ... فهو بالاجماع باطل وحرام ... قال ابن عابدين رحمه الله لوجوه: منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز ..... الخ، كتاب الصوم، مطلب النذر الذي يقع للاموات، ج ۳ ص ٤٩١، مكتبه رشيديه كوئٹه طبع جديد.

وهكذا في البحر الرائق: كتاب الصوم، فصل في النذر، ج ۲ ص ۳۰۲، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۳) كما في الدر المختار مع رد المحتار: اي بان تكون صيغة النذر لله تعالى للتقرب اليه ويكون ذكر الشيخ مراداً به فقراءه (بحواله بالا)

(۴) كما في البزازية على هامش العالمگيرية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعياد ..... الخ۔

كتاب الصلوة، الباب الخامس والعشرون في الجنائز، ج ٤ ص ۸۱، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

وهكذا في الشامية: كتاب الصلوة، مطلب كراهة الضيافة من اهل الميت، ج ۲ ص ۲٤٠، رشيديه كوئٹه طبع جديد، ومثل هذا في مجموعة الفتاوى: ابواب الجنائز، ج ۱ ص ۱۹۵، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

عقائد و اعمال کی بعض بدعات و رسومات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ چند مولوی صاحبان فرماتے ہیں کہ:

(۱) نبیوں کو بھائی کہنا کفر ہے۔ (۲) یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا کفر ہے۔ (۳) زیارت و مقام سے مٹی لے کر پانی کے ساتھ ملا کر پینا درست ہے۔ (۴) عید کے دن سویاں ضروری ہے عید کی نماز سے پہلے۔ (۵) میت کو غسل دینے کے بعد دو آدمی ایک مولوی صاحب دوسرا اور کوئی قرآن شریف کو دونوں ہاتھوں سے لے کر مولوی صاحب پوچھتا ہے کہ یہ قرآن میرا ملک ہے۔ وہ بھی مولوی سے قبول کرتے ہیں۔ اس میت کو آج سے لے کر بلوغ تک جو اس کا صوم صلوٰۃ ادا نہیں۔ یہ کہ زر یہ بحرمت اس کلام پاک۔ کہ اللہ صاحب کو بخش دیں کریں اس طرح بھی ایسے کرتے ہیں۔ (۶) میت کے ساتھ قرآن کریم کو قبر تک لے جانا (۷) میت کے دفن کے بعد اذان کہنے کو ضروری سمجھنا۔ (۸) عاشورہ کے دن ہری ٹہنی وغیرہ قبر پر رکھتے ہیں۔ ان تمام سوالات کا قرآن و حدیث سے جواب عنایت فرمادیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (۱) نبیوں کو بھائی کہنا اس معنی میں کہ وہ انسان اور بشر ہیں، آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں صحیح اور درست ہے۔ کلام پاک میں اللہ جل جلالہ نے انبیاء کو رجال (مرد) اور اپنی اپنی قوم کا بھائی درج کیا ہے۔ کما قال تعالی وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیہم [۱] الآیۃ وقال تعالی والی عاد اخاہم ہودا [۲] الآیۃ۔ یعنی قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے (قومی) بھائی ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ (سورہ ہود) وقال تعالی والی ثمود اخاہم صالحا [۳] الآیۃ۔ ہاں نبی کو اپنے برابر بھائی کہنا ناجائز ہے۔ انبیاء کی شان برتر و اعلیٰ ہے۔ انبیاء انسانوں کے بھائی ہونے کے باوجود انسانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ یہی عقیدہ رکھنا چاہیے [۴]۔

---

۱) سورۃ الانبیاء آیت ۷۔

۲) آیت ۵۰ سورۃ ہود پارہ ۱۲۔

۳) سورۃ ہود آیت ۶۱۔

۴) ولا یبلغ ولی درجۃ الانبیاء لان الانبیاء معصومون مامونون الخ۔
شرح العقائد النسفیہ ص ۱۶۸، دار الاشاعت العربیۃ کوئٹہ، کذا فی الشامی، باب صفۃ الصلوٰۃ ج ۲ ص ۲۹۵، رشیدیہ کوئٹہ، وکما فی البزازیۃ: لو عاب نبیاً کفر، کتاب الفاظ تکون اسلاماً او کفراً الثالث فی الانبیاء ج ۹ ص ۳۲۷، رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا کفر ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرنا کفر ہے[1]۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی[2]. الآیۃ "اے نبی آپ فرمادیں کہ میں تو بس تم جیسا بشر ہوں، ہاں مجھے وحی ہوتی ہے"۔

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرنا چہ جائیکہ بشر کہنے سے کفر کہا جائے، اس آیت سے اور اسی طرح دیگر متعدد آیت کے صریح خلاف ہے۔

(۳) ایسا کرنا درست نہیں ہے[3] کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا ایسا کرنا بدعت ہے۔ کما قال فی فتح القدیر[4] ج ۱ ص ۱۰۲، ویکرہ النوم عند القبر وقضاء الحاجۃ بل اولی وکل مالم یعھد من السنۃ والمعھود منھا لیس الازیارتھا والدعاء عندھا قائما کما کان یفعل صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع ویقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اسال اللہ لی ولکم العافیۃ.

(۴) اگر نماز ملنے کی امید ہے تب تو سعی ضروری ہے[5] ورنہ نہیں[6]۔

(۵) ایسا کرنا ناجائز اور بدعت ہے۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۲، فتاویٰ دارالعلوم ۷ ص ۱۸۲۔

---

۱) کما فی صحیح البخاری: انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون، کتاب الصلوۃ باب توجہ نحو القبلۃ، ج ۱ ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ کراتشی۔ ومن قال لا ادری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان انسیاً او جنیاً یکفر کذا فی الفصول العمادیۃ (عالمگیری، کتاب السیر، باب تاسع، مطلب موجبات الکفر، ج ۲ ص ۲۶۳، علوم اسلامیہ چمن، وھکذا فی تفسیر روح المعانی سورۃ آل عمران، الآیۃ ۱۶۴، ص ۴۴۳، ج ۴، دار احیاء التراث العربی بیروت۔
۲) سورۃ الکھف پارہ ۱۶، آیت ۱۱۰۔
۳) اکل الطین مکروہ، العالمگیری، کتاب الکراھیۃ، باب الکراھیۃ فی الاکل، ج ۵ ص ۳۴۰، رشیدیہ کوئٹہ، وھکذا فی المحیط البرھانی، کتاب الکراھیۃ والاستحسان، باب فی الاکل ج ۶ ص ۹۰، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ۔
۴) کتاب الجنائز فصل فی الدفن، ج ۲ ص ۱۰۲، مکتبہ رشیدیہ۔
۵) کما فی قولہ تعالیٰ: فاسعوا الی ذکر اللہ، الآیۃ ۹، سورۃ الجمعۃ پارہ ۲۸۔
۶) لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا، سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۶۔
۷) عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد، متفق علیہ، مشکوۃ، باب الاعتصام ص ۲۷، قدیمی کتب خانہ کراتشی۔

(٦) یہ بھی شرعاً ثابت نہیں ہے[1] اگر وہاں تلاوت کی غرض سے لے جائیں تو جائز ہے[2]۔

(٧) دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا بدعت ہے۔ کما قال فی رد المحتار ج ١ ص ٢٨٣. قیل وعند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا لکن رده ابن حجر فی شرح العباب[3]۔ فتاوی رشیدیہ ص ١٣٢۔ اذان بعد دفن کے قبر پر بدعت ہے کہیں قرون ثلاثہ (مشہود لہا بالخیر) میں اس کا ثبوت نہیں ہے اور جو امر ایسا ہو وہ مکروہ ہے[4] فقط بندہ رشید احمد عفی عنہ۔

(٨) سبز ٹہنی رکھنا قبر پر اگرچہ جائز ہے[5] لیکن عاشورہ کے دن کی تخصیص ناجائز ہے[6]۔

کما قال فی رد المحتار ج ١ ص ٦٦٨. ویؤخذ من ذلک ومن الحدیث ندب وضع ذلک للاتباع ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوه وصرح بذلک ایضا جماعة من الشافعیة وهذا اولی مما قاله بعض المالکیة من ان التخفیف عن القبرین انما حصل ببرکة یده الشریفة صلی الله علیه وسلم او دعائه لهما فلا یقاس علیه غیره وقد ذکر البخاری فی صحیحه ان بریدة بن الخصیب رضی الله عنه اوصی بان یجعل فی قبره جریدتان[7]. والله تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ٢٠ ذی الحجہ ١٣٨٥ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ٢٢-١٢-١٣٨٥ھ

---

١) کما فی المشکوٰة بحواله بالا۔

٢) کما فی رد المحتار: ویقرأ من القرآن ما تیسر له من الفاتحة ..... الخ۔
کتاب الصلوٰة، مطلب فی زیارة القبور، ج ٣ ١٧٩، مکتبہ رشیدیہ طبع جدید۔
وهکذا فی الهندیة: قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالی لا تکره ..... الخ۔
(باب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ١ ص ١٦٦، رشیدیہ کوئٹہ۔

٣) کتاب الاذان، مطلب فی مواضع التی یندب لها، ج ٢ ص ٦٣، مکتبہ رشیدیہ طبع جدید۔
ومثله ایضاً: باب صلوٰة الجنازة، مطلب فی دفن المیت، ج ٣ ص ١٦٦، رشیدیہ کوئٹہ طبع جدید۔

٤) بحواله حدیث عائشة رضی الله عنها حاشیة سابقه ٢، وکذا فی فتح القدیر، ویکره النوم عند القبر .....
وکل ما لم یعهد من السنة الخ، کتاب الجنائز فصل فی الدفن، ج ٢ ص ١٠٢، رشیدیہ۔

٥) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال مر النبی صلی الله علیه وسلم بقبرین یعذبان ..... ثم اخذ جریدة رطبة فشقها بنصفین ثم غرز فی کل قبر واحدة ..... الخ، الحدیث، صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر، ج ١ ص ١٨٢، قدیمی کراچی۔

٦) کیونکہ قرون ثلاثہ میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے (بحوالہ حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا حاشیہ ٢۔

٧) رد المحتار، کتاب الصلوٰة، مطلب دفن المیت، ج ٣ ص ١٨٤، مکتبہ رشیدیہ طبع جدید۔

ربیع الاول میں چراغاں کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقع پر مکانات و مساجد پر چراغاں کرنا درست ہے یا نہ۔ نیز عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشی کے اظہار کا صحیح طریقہ کیا ہے اور کیا روضہ اطہر کی شبیہ بنا کر اظہار محبت کرنا جائز ہے۔

جواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت پر مسلمانوں کو مطلع کرنا اسلام کا اہم ترین فرض ہے[1] اور اسی میں مسلمانوں کی فلاح وبہبود منحصر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ شریعت نے ہر کام کے لیے اور ہر عبادت کے لیے کچھ حدود اور قواعد مقرر فرمائے ہیں۔ ان سے تجاوز کرنا ہر عبادت میں سخت گناہ ہے[2]۔ کوئی شخص اگر مغرب کی تین رکعتوں کے بجائے چار پڑھنے لگے تو ظاہر ہے کہ وہ تلاوت قرآن اور تسبیح وتہلیل ہی ہوگی۔ فی نفسہ کوئی گناہ کی چیز نہیں لیکن تجاوز عن الحدود احداث فی الدین یعنی بدعت ہونے کی وجہ سے ساری امت اس کو گناہ کہتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حالات پر مسلمانوں کو مطلع کرنا ایک ایسی ضرورت وعبادت ہے جو آج ہی پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ بعثت نبوت کے بعد ہی سے اس کی ضرورت تھی۔ حتی کہ ابتدائی زمانہ اور قرون اولی میں جبکہ سیرت مدون نہیں ہوئی تھی اور منتشر کلمات مختلف لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے۔ اس وقت اس کی ضرورت آج سے زیادہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود قرون اولی میں بلکہ اس کے بھی بہت بعد تک اس کی ایک نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ کہ کہیں جلسوں کا انعقاد اس کام کے لیے ان تعینات ورسومات مروجہ کے ساتھ کیا گیا ہو۔ نیز مسلمانوں کا تو یہ منصب ہے کہ کوئی دن آپ ﷺ کے ذکر مبارک سے خالی نہ جائے۔ بلکہ ہر کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت کو یاد رکھے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حق ہے کہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ بھی صرف ایک دن کے لیے کر کے فارغ ہوجائیں اور اس میں بھی بہت سی بدعات شامل کریں۔ الغرض ہمارے نزدیک تو یہ جلسہ وجلوس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

---

(۱) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: بلغوا عنی ولو آیۃ (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، ج ۱ ص ۴۹۱، قدیمی کتب خانہ۔

(۲) تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون، سورۃ البقرۃ: آیت ۲۲۹۔

سے مروجہ رسومات کے ساتھ منانا بدعت ہے۔ اس سے احتراز لازم ہے[1]۔ کما فی فتاویٰ دارالعلوم[2] ج ۲ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدس کی شبیہ بنانا اور اس سے اظہار محبت کرنا بھی جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲-۳-۹۹ھ

آسیب سے بچنے کے لیے تعویذ وغیرہ رکھنا

«س»

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اندریں مسئلہ کہ بوقت تزویج زوجین دولہا کو آسیب، جنات وغیرہ سے تکلیف دینے کا خوف ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ دولہا اپنے ہاتھ میں از قسم لوہا ہتھیار کلوا دیا جاتا یا پھر ہمراہ خود ہاتھ میں رکھے تاکہ از آسیب بلیات سے محفوظ ہو۔ نیز برائے زینت زوجین ان ایام میں چنبیلی کی مہندی لگایا کرتا جو کہ رنگ آور جو مہندی تیل وغیرہ تیار کیا جاتا ہے ضروری کریں۔ آیا ایسا کرنا اور اعتقاد رکھنا شرعاً جائز ہے۔ خیر القرون میں کیا کرتے تھے یا کہ مجتہدین رحمہم اللہ سے ثابت ہے۔ بحوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔ سائل عبدالخطاب ملتان

«ج»

یہ امور حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام و تابعین و ائمہ اسلاف رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں اور نہ خیر القرون میں معمول بہا تھے۔ اس لیے ان کو ضروری اعتقاد رکھنا بدعت ہے۔ اس قسم کے عقائد صرف وساوس باطلہ پر مبنی ہیں مسلمان کی شان کے خلاف ہیں۔ ان سے اجتناب لازم ہے[3]۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

(1) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد. مشكوة، كتاب الاعتصام، ص ۲۷، قديمي كتب خانه.

وفي فيض الباري: واعلم أن القيام عند ذكر ميلاد النبي صلى الله عليه وسلم بدعة لا أصل له في الشرع واحدثه ملك الاربل كما في تاريخ ابن خلكان. وحكمه على هامشه لعدو عالم السيوطي. كتاب الصلوة، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، ج ۲ ص ۱۰۱، مكتبه عثمانيه كوئته.

ونظير ذلك فعل كثير موضوعاً ذكر مولده صلى الله عليه وسلم ووضع امه له من طيبه وهو ايضاً بدعة لم يرد فيه شيء ... الخ. الفتاوى الحديثية، مطلب في ان القيام في ذكر مولده الشريف بدعة، ص ۱۶۲، دار احياء التراث العربي بيروت.

(2) فتاوى دار العلوم امداد المفتيين، مصنف حضرت مولانا مفتي محمد شفيع صاحب، كتاب السنة والبدعة، ج ۲ ص ۱۷۴، طبع دار الاشاعت كراچی.

(3) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد. مشكوة المصابيح، كتاب الاعتصام، ص ۲۷، قديمي كتب خانه.

الضيافة ثلثة ايام في ايام المصيبة (ج ۲ ص ۲۳۸) فقط (۱) محمد عثمان ... یہ مسئلہ بالکل درست ہے۔
عطا محمد غفرلہ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم۔ عبدالعزیز عفی اللہ عنہ مدرس مظاہر العلوم ... الجواب صحیح محمد یامین ... العلوم
... محمد اشرف علی عفی اللہ عنہ ...
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

چالیسویں میں برادری میں کھانا تقسیم کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقوں میں یہ رواج ہے کہ چالیسویں پر جو طعام پکایا جاتا ہے وہ سب کو برادری میں تقسیم کیا جاتا ہے اور بعض اوقات برادری خود مجبور کرتی ہے۔ ہماری دعوت کرو کیا یہ طعام برادری کو کھلانا چاہیے یا کہ مسکینوں کو۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ چالیسویں پر جو طعام پکایا جاتا ہے شرع میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک رسم اور بدعت ہے (۲) البتہ بلا التزامات مروجہ بلا پابندی وقت ایصال ثواب جائز اور مستحسن ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۱۵ شوال ۱۳۹۶ھ

---

(۱) ولا يباح اتخاذ الضيافة ثلاثة ايام (فتاوى تاتارخانية، كتاب الصلوة، باب الجنائز وما يتصل بها، ج ۲ ص ۱۸۳، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي)۔
وهكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل في حملها، ص ۶۱۷، دار الكتب العلمية بيروت۔
(۲) ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام في المواسم الخ (رد المحتار: كتاب الصلوة، باب زيارة القبور، ج ۳ ص ۱۷۶، مكتبه رشيديه كوئته طبع جديد)۔
وهكذا في البزازية: كتاب الصلوة، الباب الخامس والعشرون في الجنائز ج ۴ ص ۸۱، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔
ومثل هذا في حاشية الطحطاوي: كتاب الصلوة، باب الجنائز، ص ۶۱۷، دار الكتب العلمية بيروت۔
(۳) من صام او صلى او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز، ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة (شامية، كتاب الصلوة، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له، ج ۳ ص ۱۸۰، مكتبه رشيديه كوئته طبع جديد)۔
وفي البزازية: وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا (كتاب الاستحسان، ج ۶ ص ۳۷۸، مكتبه علوم اسلاميه چمن)۔

نمازِ جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ:

نماز جنازہ میں نیت باندھ کر جو دعا پڑھی جاتی ہے اس کے بعد سلام پھیر کر اسی جگہ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہیے یا نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا کیا طریقہ تھا۔ پھر مردہ کو دفن کرکے دعاء پڑھ کر پھر تقریباً بیس اکیس قدم پر جو دعاء پڑھتے ہیں یہ دعا پڑھنی چاہیے یا نہیں بزرگانِ دین کا کیا طریقہ تھا۔ (۲) پھر ایک دن یا تیسرا دن مردہ کے عزیز و اقارب مسجد میں یا کسی اور مکان میں کلمہ طیبہ چنوں پر پڑھتے ہیں اور پھر چنے تقسیم کرتے ہیں اور اس کو ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ کام جو نہ کریں انہیں برا کہتے ہیں۔ تو یہ چنے پڑھنے چاہئیں یا نہیں۔ (۳) جمعرات کو کوئی خاص آدمی مقرر کرکے اس سے روٹی وغیرہ پر فاتحہ دلانا اور اسے ضروری سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ جمعرات کو مردوں کی روحیں اپنے اپنے گھر آتی ہیں یہ بات بدعت ہے یا نہیں۔ (۴) پھر چالیس دن ہونے پر چاول وغیرہ پکانا اور ان میں سے تھوڑے سے کسی رکابی (پلیٹ) میں ڈال کر فاتحہ پڑھنے والے کے سامنے رکھنا اور مختلف قسم کے پھل بھی رکھنا اور دودھ پانی بھی سامنے رکھنا اور پھر پڑھنے والے کا قرآن پاک کی چند سورتیں اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر کھانے کے سامنے دعا مانگنا، یہ درست ہے یا نہیں۔ جس کو عرفِ عام میں ختم کہتے ہیں۔ (۵) کونڈا کرنا، امام جعفر رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی خاص تاریخ مقرر کرکے کھچڑا پکانا، اسی طرح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ان کھانوں کی خصوصیت کرنی کیسی ہے۔ (۶) مجلس مولود کرنا اور پھر کھڑے ہو کر سلام پڑھنا۔ یا نبی سلام علیک۔ یا رسول اللہ سلام علیک یا حبیب سلام علیک اور یہ سمجھنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اب اس مجلس میں تشریف لے آئے ہیں اور پھر شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر تقسیم کرنا کیسا ہے۔ مندرجہ بالا مسائل کے سوالات کے جوابات سلیس اردو میں حدیث شریف اور قرآن پاک سے سمجھا کر ثواب دارین حاصل کریں۔ ن چ حبیب علی دیوبندی جمعدار جعفر خان نمبردار بقلم خود۔

جواب

جملہ امور مذکورہ اس ہیئت کے ساتھ جو سوال میں درج ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وائمہ صالحین رحمہم اللہ کے زمانہ میں ان کا کہیں ثبوت نہیں ہے اور کسی امر کو از خود بغیر ثبوت شرع کے

موجب ثواب سمجھنا بدعت سیئہ ہے[1]۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد[2]۔ (الحدیث) البتہ مطلق دعا کرنا اور ایصال ثواب درست ہے[3]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان شہر ۲۵ شوال ۱۳۷۶ھ

مزار کے قریب جانور ذبح کرنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسلمان شخص نے ایک بچھڑا اس نیت سے خریدا کہ میں اس جانور کو کسی ولی اللہ کے مزار کے پاس لے جا کر اللہ کے نام پر ذبح کروں گا اور اس کا ثواب اس ولی اللہ کی روح کو بخشوں گا، پھر وہ اسی نیت پر قائم رہا۔ پھر اس نے کچھ عرصہ کے بعد اسی جانور کو کسی ولی اللہ کے مزار کے پاس خالص نیت واسطے خدا تبارک وتعالیٰ کے ذبح کیا اور اس کا ثواب ولی اللہ کو بخشا۔ کیا یہ جانور حلال ہوا یا نہیں؟ کیا مسلمان اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

﴿ج﴾

اگر خالصۃً للہ شرعی طریقہ سے تکبیر کے ساتھ اس جانور کو ذبح کیا ہے تو یہ ذبح درست اور گوشت حلال ہے[4]۔ لیکن مزار کے پاس لے جانا یا وہاں ذبح کرنے کا تعین کرنا درست نہیں آئندہ اس سے احتراز کریں[5]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) ولا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ (خلاصۃ الفتاوی، کتاب الصلوۃ باب الجنائز، ج ۱ ص ۲۲۵، رشیدیہ کوئٹہ، ومثل ھذا فی البزازیۃ: کتاب الصلوۃ، باب الجنائز، ج ۱ ص ۸۰، کوئٹہ۔
وفی الشامیۃ: ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث، وبعد الاسبوع ... کتاب الصلوۃ باب الجنائز، فصل فی الدفن، ج ۳ ص ۱۷۶، رشیدیہ کوئٹہ، طبع جدید۔ وفی فیض الباری: واعلم ان القیام عند ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدعۃ لا اصل لہ فی الشرع ... الخ، کتاب الصلوۃ، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال، ج ۲ ص ۳۰۹، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ۔

۲) مشکوۃ، باب الاعتصام، ص ۲۷، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) کما فی الشامیۃ من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابھا الیھم کتاب الصلوۃ، مطلب فی القراءۃ للمیت واھداء ثوابھا لہ، ج ۳ ص ۱۸۰، رشیدیہ کوئٹہ طبع جدید۔
وھکذا فی الھدایۃ: باب الحج عن الغیر، ج ۱ ص ۲۹۶، مکتبہ رحمانیہ لاھور۔

۴) کما فی الشامیۃ: واعلم ان النذر قربۃ مشروعۃ ... الخ
کتاب الایمان، مطلب فی احکام النذر، ج ۵ ص ۳۷۵، مکتبہ رشیدیہ طبع جدید۔

۵) کما فی الدر المختار: کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۱۵۵، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ طبع جدید، ومثلہ فی البزازیۃ، بحوالہ بالا۔

اور علامہ شامی نے اس عبارت کو نقل کرکے لکھا ہے وقد ابتلی الناس بذلک ولا سیما فی هذه الاعصار(1) شامی ج ۲ ص ۱۳۹ ۔ واللہ اعلم ۔

پیر کی قبر پر خیرات کا بکرا ذبح کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص کسی بزرگ کی نذر کا بکرا خیرات کرنا چاہتا ہے۔ لیکن گھر میں ذبح نہیں کرتا بلکہ گھر سے دور قریب ایک محل ہے جہاں پیر کی قبر ہے بکرا وہاں لے جاکر ذبح کرکے گوشت تقسیم کرتا ہے۔ کسی سے سوال کیا جاتا ہے کہ گھر میں کیوں ذبح نہیں کرتے اور پیر کی قبر پر کیوں لے جاتے ہو تو جواب دیتا ہے کہ وہاں جانے میں تو کوئی مصلحت نہیں ہے اس شخص کا مقصد صرف ثواب ہے۔ لہٰذا اس بکرے کو وہاں لے جاتا ہوں اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں اور وہ ذبح حلال ہے یا حرام میں داخل ہے یا نہیں مہربانی فرماکر مسئلہ حل کرکے ثواب دارین حاصل کریں۔

السائل محمد بخش

﴿ج﴾

یہ خیرات جو کی جاتی ہے یہ گو خیرات کرنے والا اگرچہ ظاہراً یہ کہتا ہے کہ میں صرف ثواب کے لئے ذبح کرتا ہوں اور شرعاً مسئلہ نے منت مانی ہے۔ لیکن مجاور بھی وہاں پر لے جانے میں تقرب ضرور سمجھتا ہے اور تقرب سمجھنا بھی موجب حرمت ہے۔ کما قال صاحب بحر الرائق ص ۲۹۸ ج ۲ فما یوخذ من الدراهم والشمع والزیت وغیرها وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیهم فحرام باجماع المسلمین(2) واللہ اعلم بالصواب۔

عبداللہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

(1) شامی، کتاب الصوم، فصل فی النذر الذی یقع للاموات، ج ۲ ص ۴۹۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ طبع جدید، وهكذا في البزازية، كتاب الصيد، ج ۶ ص ۳۰۲، مکتبہ علوم اسلامیہ چمن۔

(2) بحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، ج ۲ ص ۲۹۸، رشیدیہ کوئٹہ۔

وهكذا في الشامية: كتاب الصوم، فصل في النذر الذي يقع للاموات، ج ۲ ص ۴۹۱، رشیدیہ کوئٹہ طبع جدید۔

غیب حاصل نہیں۔ جو لوگ پوچھنے آتے ہیں ان کو بھی یہی کہتا ہے کہ ان پر اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ یہ صرف مشاہدہ ہے اور تجربہ کبھی سچ کبھی جھوٹ نکلتی اور قطعی بالکل نہیں۔ برائے مہربانی اس شخص کے بارے میں جو بھی شرعی فیصلہ ہو تو ارشاد فرمائیں کہ اس کی امامت جائز ہے یا ناجائز اور اس کے ساتھ تعلقات وغیرہ رکھیں یا بائیکاٹ کریں اور اس کا یہ عمل درجہ کفر تک پہنچ چکا ہے یا نہیں۔

نوٹ: جب اسے منع کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا اعتقاد ان باتوں پر نہیں میں ان کی تصدیق کو کفر سمجھتا ہوں اور کہتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی ایسے اعمال جن کے ذریعہ چوری وغیرہ معلوم ہو جاتی تھی۔ لکھے ہیں۔ فقط

﴿ج﴾

واضح رہے کہ اگرچہ اس عمل پر امام مذکور فی نفسہ یقین نہ کرے۔ بلکہ قرآن کا اتباع کرے۔ پھر بھی چونکہ عوام اس حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً اس عمل کے ذریعے سے اس شخص کو چور سمجھتے ہیں جس کے چور ہونے کا یقین کامل نہیں اور یہ نص ولا تقف ما لیس لک به علم [1] کے خلاف ہے کیونکہ علم سے مراد دلیل شرعی ہے اور ایسے اعمال دلیل شرعی نہیں اس لیے یہ عمل جائز نہیں [2]۔ البتہ اگر یہ عمل کسی امر ناجائز کی طرف مفضی نہیں ہوتا تو جائز ہوگا [3]۔ ..... مولانا تھانوی رحمہ اللہ چوری برآمد کرنے کے لیے عملیات سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک بالکل ناجائز ہے۔ اس لیے کہ عوام حد شرعی سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ (امداد الفتاوی ج ۴ ص ۸۷) [4]

---

۱) آیت نمبر ۳۶، سورۃ بنی اسرائیل، پارہ ۱۵۔

۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه من اتی کاهنا فصدقه بما یقول .... فقد برئ مما انزل علی محمد (الحدیث) مشکوة، باب الکهانة، ص ۳۹۲، فصل ثانی، قدیمی کتب خانه، وفی شرح الفقه الاکبر: ومنها: ان تصدیق الکاهن ...... بما یخبره من الغیب کفر، ص ۱۶۱، دار النفائس اسلامیه، بیروت، وهکذا فی رد المحتار: مقدمة، ج ۱ ص ۱۱۰، رشیدیه کوئٹه۔

۳) ولا باس بالمعوذات اذا کتب فیها القرآن واسماء الله تعالی، شامی، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی اللبس، ج ۹ ص ۶۰۰، رشیدیه کوئٹه طبع جدید، وهکذا فی فتح الباری، وقد اجمع العلماء علی جواز الرقی عند اجتماع ثلاثة شروط ... الخ کتاب الطب، باب الرقی بالقرآن والمعوذات، ج ۱۱ ص ۲۰۶، دار الفکر بیروت۔

امداد الفتاوی باب تعویذات واعمال ص ۸۸، ج ۴، طبع دار العلوم، کراتشی۔

۴) امداد الفتاوی، باب تعویذات و عملیات، ص ۸۸، ج ۴، طبع دار العلوم، کراچی، قدیم

علم نجوم پر عمل کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر ہم لوگوں میں اختلاف ہوگیا ہے کہ زید کہتا ہے کہ علم نجوم پر عمل کرنا درست ہے۔ بکر کہتا ہے درست نہیں ہے۔ اور زید کہتا ہے کہ علم نجوم پر عمل کیا جاتا ہے۔ زید کی دلیل دیکھئے۔ حدیث عن معاوية بن الحكم قال قلت يا رسول الله امورا كنا نصنع في الجاهلية كنا نأتي الكهان قال فلا تأتوا الكهان قال قلت كنا نتطير قال ذلك شيء يجده احدكم في نفسه فلا يصدنكم وفي رواية قال قلت ومنا رجال يخطون قال كان نبي من الانبياء يخط فمن وافق خطه فذاك رواه مسلم ج ۲ ص ۲۳۳۔ اور یہاں حدیث شریف کے خط کو علم نجوم قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام بھی ایسا کرتے تھے اس وجہ سے اور بھی کئی دلائل پیش کرتے ہیں لیکن اور صحیح حدیث کوئی ہے۔ لیکن ہمیں معلوم نہیں۔

اب بکر کا تمسک ملاحظہ ہو یہ صرف دو تین احادیث پیش کر کے اس علم نجوم سے منع کرتا ہے اور اس کے پاس کوئی حجت نہیں۔ (۱) عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر زاد ما زاد رواه احمد و ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۸۔ (۲) عن قتادة خلق الله تعالى هذه النجوم لثلث جعلها زينة للسماء و رجوما للشياطين و علامات يهتدى بها فمن تأول فيها بغير ذلك اخطأ واضاع نصيبه وتكلف ما لا يعلم رواه البخاري تعليقا وفي رواية رزين وتكلف ما لا يعنيه وما لا علم له به وما عجز عن علمه الانبياء والملائكة وعن الربيع مثله وزاد والله ما جعل الله في نجم حياة احد ولا رزقه ولا موته وانما يفترون على الله الكذب ويتعللون بالنجوم مشكوة ج ۲ ص ۳۹۴۔ (۳) عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اقتبس بابا من علم النجوم لغير ما ذكر الله فقد اقتبس شعبة من السحر المنجم كاهن والكاهن ساحر والساحر كافر (نعوذ بالله منها) رواه رزین مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۹۴۔ مدلل مفصل جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب

علم نجوم، ہیئت اور اس پر عمل کرنا دونوں ناجائز ہیں۔ کما قال في الدر المختار مع شرحه رد المحتار ج ۱ ص ۴۳ وحرام وهو علم الفلسفة والشعبذة والتنجيم والرمل وعلوم

كان والاحتراز منه غير ممكن بخلاف الطب فان الحاجة ماسة اليه واكثر ذلك بما يطلع عليه وبخلاف التعبير وان كان تخمينا لانه جزء من ستة واربعين جزء من النبوة ولا خطر فيه فقط والله تعالى اعلم[1]

محمد عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶-۷-۸۵ء
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۲-۷-۸۵ء

پنجتن پاک کے ذریعہ قرعہ اندازی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میں ایک دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میری پہلی بیوی اس عورت سے تعلق نہیں مانتی۔ کافی دنوں سے اس بات پر گھر میں جھگڑا چل رہا ہے۔ آخر تنگ آ کر جب میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا تو ایک دن میں نے بعد نماز ظہر اپنی پہلی بیوی کو پاس بلایا اور ۱۳ پرچیاں اس طرح ڈالیں ایک خدا تعالیٰ کے نام کی ایک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی پانچ پنجتن پاک کے نام کی چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام کی ایک جناب پیر دستگیر کے نام کی اور ایک پرچی جس پر لکھا ہوا تھا کہ شادی کرنی چاہیے۔ دوسری پرچی پر اس عورت کا نام لکھا ہوا تھا کہ شادی نہ کرنی چاہیے۔ یہ تمام پرچیاں میں نے پہلی بیوی کے ہاتھ میں دے دیں اور کہا کہ ان کو قرآن پاک کے اوپر رکھ دو۔ اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ یا اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے غیب کا علم تو ہی جانتا ہے۔ ہماری سمجھ محدود ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ دوسری شادی کرنے میں میری بہتری ہے یا نقصان ہے۔ ہم تیرا اور تیرے قرآن اور تیرے ان نیک لوگوں کا سہارا لیتے ہیں۔ تو ہی فیصلہ فرما دے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد میری بیوی نے ایک ایک کر کے پرچیاں اٹھانا شروع کیں۔ چند پرچیوں کے بعد ایک پرچی نکلی جس پر اس عورت کا نام لکھا ہوا تھا اور لکھا تھا کہ اس سے شادی کرنی چاہیے۔ بات یہاں ختم ہو گئی۔ لیکن چند دن گزرنے کے بعد میری بیوی نے پھر انکار کر دیا اور گھریلو حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ اگر میں اس عورت سے شادی کرتا ہوں تو میرا سب کچھ تباہ ہو جائے گا؟ ان حالات کو دیکھتے ہوئے اگر میں شادی کرنے سے باز آ جاؤں یعنی یہ اپنا ارادہ ترک کر دوں کیا عورت مجھے معاف کر دے گی اور شرعاً میرے لیے کیا حکم ہے۔ براہ کرم رہنمائی فرما دیں۔

---

(۱) احیاء العلوم، کتاب العلم، باب ثالث، ج ۱ ص [illegible]، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

﴿ج﴾

اس بیان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص قرآن اور دیگر احادیث رسول ﷺ وغیرہ سے فال نکالنا چاہتا تھا۔ ور فال نکالنے کا جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے، یہ اس کی مخترعات میں سے ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور نہ اس پر عمل چھوڑنے میں کوئی شرعی قباحت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲۔۳۔۱۴۰۱ھ

تعویذات کے ذریعہ مکان خالی کرانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میں نے ایک شخص کو رہائش کے لیے اپنا مکان دیا۔ جب کچھ عرصہ بعد میں نے اس سے مکان کا کرایہ طلب کیا تو اس نے کرایہ دینے سے انکار کر دیا اور نہ ہی مکان خالی کرتا ہے بلکہ دھمکیاں بھی دیتا ہے۔ یہ آدمی شرارتی اور بازاری قسم کا ہے۔ اگر اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے تو اس سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں میں تعویذات کے ذریعہ اپنا مکان خالی کروا سکتا ہوں یا نہیں۔

﴿ج﴾

جائز ہے اگر تعویذ کے استعمال میں ناجائز امور کا ارتکاب نہ کرتا ہو(۲)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم

---

۱) ومن جملة علم الحروف فأل المصحف حيث يفتحونه ۔۔۔ ولا يأخذ الفال من المصحف۔۔۔۔
وهي الأزهر شرح فقه الأكبر، بيان تصديق الكاهن كفر، ۲۱۲، دار البشائر الاسلامية بيروت۔
وهكذا في كتاب الفتاوى الحديثية، ورد النهي عن تصغير لفظه ۔۔۔ ويكره اخذ الفال من المصحف مطلب: في انه يكره اخذ الفال من المصحف، ص ۳۰۷، دار احياء التراث العربي بيروت، وهكذا في رد المحتار، وفي فتاوى ابن حجر ان تعلمه وتعليمه حرام شديد التحريم لما فيه من ايهام العوام ان فاعله يشارك الله تعالى في غيبه، مقدمة شامي، مطلب: في التنجيم والرمل، ج ۱ ص ۱۶۰، مكتبه رشيديه كوئته جديد، وفيه ايضاً: باب الهدي، مطلب في الفال والطيرة، ج ۳ ص ۵۰، رشيديه كوئته طبع جديد۔

۲) عن عوف بن مالك الاشجعي قال كنا نرقي في الجاهلية فقلنا يا رسول الله كيف ترى في ذلك فقال اعرضوا على رقاكم لا بأس بالرقى مالم يكن فيه شرك، المشكوة، كتاب الطب والرقى، ص ۳۸۸، قديمي كتب خانه۔ ان الرقى يكره منها كان بغير اللسان العربي ۔۔۔ لا بأس بالرقى مالم يكن فيه شرك، اي كفر، مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الاول۔
اجمع العلماء على جواز الرقية عند اجتماع ثلاثة شروط: ان يكون بكلام الله تعالى وباسمائه وصفاته ۔۔۔۔ وباللسان العربي ۔۔۔ او بما يعرف معناه من غيره ۔۔۔۔ وان يعتقد ان الرقية لا تؤثر بذاتها بل بقدرة الله تعالى ۔۔۔۔ الخ، فتح الباري، كتاب الطب، ج ۱۱ ص ۲۵۴، دار الفكر بيروت، وهكذا في الشامية: كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس، ج ۹ ص ۶۰۰، مكتبه رشيديه كوئته طبع جديد۔

دہلیز پر قرآنی آیت کے تعویذ دفن کرنا

سوال

تعویذ کے طور پر قرآن شریف کی آیت کے الگ الگ ٹکڑے لکھ کر اسے دہلیز کے نیچے دفن کیا جائے جس کے اوپر سے آدمی کا گزر ہوتا ہے کیا ایسا تعویذ جائز ہے۔

الجواب

اس طرح تعویذ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اس میں قرآن پاک کی بے ادبی ہوتی ہے[1]۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

قادیانیوں سے میل جول کا شرعی حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ھذا میں کہ ایک شخص جو کہ خود ہمیشہ تبلیغ کرتا رہا ہے کہ غیر مسلم یعنی مرزائی سے تعلق نہ رکھیں اور وہ تبلیغ کنندہ یونین کونسل کا ممبر ہے اور قادیانی بھی یونین کونسل کا ممبر ہے۔ اب اسی دیہات میں پوری یونین کا اجتماع ہوتا ہے اور وہی تبلیغ کنندہ سب کی دعوت کرتا ہے جس میں اسی دیہات کا وہ قادیانی بھی شامل ہے اور پھر اسی طرح دوبارہ اجتماع ہوتا ہے تو وہ قادیانی دعوت کرتا ہے۔ جس میں وہ تبلیغ کنندہ بھی شامل ہوتا ہے۔ لیکن اس کی شمولیت مشروط ہے کہ خوراک جو ہے اس میں سے نصف خرچ میرا ہوگا۔ کیونکہ ہم دونوں کے مشترکہ مہمان ہیں اور دونوں صورت میں دعوت منعقد ہو جاتی ہے۔ اس دعوت میں کسی قسم کا کوئی جو قادیانی کا خود کا حصہ ہے۔ جو خود خرید ہوگا گوشت مسلمان سے خریدا گیا ہے اور مسلمان ہی پکانے والا ہے۔ البتہ باقی روٹی اور برتن وغیرہ اس کے ہیں اور وہی تبلیغ کنندہ قادیانی ممبران یونین کے مجبور کرنے پر کہ اب دونوں کے ملنے سے دیہاتی کاموں میں ہم کو بہت فائدہ ہے تو وہ کھانا کھالیتا ہے۔ کھانے کے برتن میں مرزائی شریک نہیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ بعدازاں وہ قادیانی ٹیسٹ نہیں لیتا۔ جواب دیا جاتا ہے کہ پہلے آپ نے انتظام کیا ہے

---

(1) يتعلق أي يحصل في حرمة صغيرة ويدفن في محل غير ممتهن لا يوطأ.
شامية كتاب الطهارة، مطلب: يطلق الدعاء على ما يشتمل الثناء، ج ۱ ص ۳۵۴، رشيدية كوئٹه، طبع جديد۔
قال الزركشي: يحرم مد الرجل على شيء من القرآن ... ولا يتخطاه ولا يرمى بالأرض بالوضع (الخ)۔
الفتاوى الهندية، مطلب: حكم مد الرجل للمصحف، ص ۲/۲۰۶، دار إحياء التراث العربي، بيروت۔
وهكذا في شرح فقه الأكبر، فصل في القراءة والصلاة، ص ۲۵۷، دار النفائس الإسلامية، بيروت۔

نے کچھ نہیں دیا۔ اب میں نے انتظام کیا ہے آپ سے کچھ نہیں لوں گا۔ کیونکہ اس وقت بھی مشترکہ خرچ ہوتا تھا۔ اب اس شخص کے حق میں شرعی فیصلہ کیا ہے اور کس قدر مجرم ہے اور بعد ازاں ایک مولوی صاحب یا کوئی شخص جو کہ ایک ایسی پارٹی کے پاس مہمان ہوتا ہے جس کا ہر قسم کا لین دین حتی کہ دعوتوں میں شمولیت بھی کرتے ہیں اس قادیانی کے ساتھ ہے اور وہ مبلغ یا کوئی شخص اس کو کافروں سے مشابہت اور کتوں سے مشابہت دیتا ہے۔ کیا اس مبلغ نے قرآن وحدیث کی رو سے ٹھیک کہا یا غلط۔ اگر غلط ہے تو اس کی سزا کیا ہے۔

﴿ج﴾

(۱) صورت مسئولہ میں تبلیغ کنندہ کا پہلا رویہ درست تھا کہ ان کا کھانا اہل اسلام کے لیے درست نہیں۔ اس لیے کہ ان مرزائیوں سے تعلقات میل جول مفاسد سے خالی نہیں لہٰذا بعد میں مرزائی کی دعوت کو قبول کر لینا کھلی ہوئی غلطی اور بے شرمی اور حمیت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ نیز خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے عدم محبت کا اظہار ہے۔ دعوت میں شرکت کرنے والے اور مرزائی کو دعوت دینے والے دونوں مجرم ہیں۔ جلد از جلد توبہ کرنا لازم ہے[۱]۔ واضح رہے کہ تمام مسلمان مل کر اس برائی کو دور کریں[۲]۔

(۲) چونکہ مرزائی کافر ہیں[۳] اور مذکورہ مسلمان ان سے میل جول تعلقات رکھتے ہیں اور مرزائی اور وہ

---

۱) قال الله تعالى: ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار، والركون الى الشيء هو السكون اليه بالانس والمحبة فاقتضى ذلك النهي عن مجالسة الظالمين ومؤانستهم والانصات اليهم وهو مثل قوله تعالى: (فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين)، احكام القرآن للجصاص سورة هود، ج ٤ ص ٣٧٩، دار احياء التراث العربي، بيروت۔
وقال الله تعالى: (يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم اولياء تلقون اليهم بالمودة) الممتحنة آيت ١ وفي شرح العقيدة الطحاوية: قوله: وكل دعوة نبوة بعده، فغي وهوى" (ش ٩ لما ثبت انه خاتم النبيين، علم ان من ادعى بعده النبوة فهو كاذب، الخ" (باب كل من ادعى النبوة بعده صلى الله عليه وسلم كاذب ص ١٢٥، دار ابن حزم بيروت۔

۲) قال رسول الله ﷺ عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه سمعت رسول الله ﷺ يقول: من راى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذالك اضعف الايمان، كتاب صحيح مسلم، باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان، ج ١ ص ٥٠، قديمي كتب خانه۔

۳) قال الله تعالى: ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين، الآيت ٤٠ سورة احزاب پاره نمبر ٢٢، وقد اخبر تعالى في كتابه: ورسوله في السنة المتواترة عنه انه لا نبي بعده، ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب افاك دجال ضال مضل، تفسير ابن كثير، پاره ٢٢، سورة الاحزاب (٣٣) آيت ٤٠، ج ٥ ص ١٨٨، قديمي كتب خانه كراتشي، وهكذا في الدر المختار: (وان) انكر بعض ما علم من الدين ضرورة (كفر) كتاب الصلوة باب الامامة، ج ٢ ص ٣٥٨، رشيديه كوئته، طبع جديد، فهكذا في العقيدة الطحاوية، ص ١٣٥، دار ابن حزم، بيروت۔

مسلمان ایک دوسرے کی دعوت وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں۔ اس بنا پر مولوی کا کہنا کوئی غلط نہیں البتہ مولوی کو چاہیے کہ حکمت کے ساتھ سمجھائیں[1]۔ لیکن اگر مذکورہ ممبران وغیرہ باوجود حکمت کے سمجھانے کے بھی تعلقات نہیں توڑتے تو اس مصلحت کی بناء پر کہ (مسلمان مرزائیوں کے شر سے محفوظ ہیں)۔ مولوی کا کہنا بجا اور صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قادیانی کا اپنے کو مسلمان کہنا

﴿س﴾

چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ شخصے بنام عبدالعزیز مرزائی کہ می قسم بخدائے ذوالجلال والاکرام صحیح العقیدہ مسلمان ہستم۔ مرزائی بگوید پروپیگنڈا بکند ایں را مزاز روئے قرآن کریم وحدیث شریف فتویٰ چیست۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مجمل از شروط صحت اسلام ودرستی عقیدہ ایں ہم است کہ یقین حاصل باشد کہ بعد از ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ دعویٰ نبوت کردہ آں دجال، کافر، کذاب ہست[2]، اگر فی الواقع شما ایں عقیدہ میدارید ونیز دیگر ضروریات دین را یقین میکنید وبا ایں ہمہ کسے شمارا مرزائی یا کافر گوید۔ آں مجرم است وآن را خوف کفر است توبہ کردن لازم[3]۔ لیکن شرط ایں است کہ او بیقین ایں قسم جملہ گفتہ باشد وبا قاعدہ شہادت شرعی بر تحقق او از ایں قسم جملہ ہائی موجود باشد۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ رجب ۱۳۹۵ھ

---

۱) قال اللہ تعالیٰ: ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ، آیت سورۃ النحل۔

۲) کما فی تفسیر ابن کثیر، تقدم تخریجہ فی السؤال السابق۔
وکذا فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ: وکل دعوۃ نبوۃ بعدہ، فغی وھوی (تقدم تخریجہ فی السؤال السابق)۔

۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بھا (ای رجع بإثم تلک المقالۃ) احدھما: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان ...... ج ۹ ص ۰۰۰، دار الکتب علمیہ بیروت۔
وھکذا فی فتح الملھم شرح صحیح مسلم، کتاب الایمان باب قول الرجل لاخیہ المسلم، یا کافر ج ۲ ص ۴۰، دار العلوم کراتشی۔
وھکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ۵ ص ۲۰۷، رشیدیہ کوئٹہ۔

لاہوری مرزائی کی امامت کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ کل مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۷۳ء بوقت ساڑھے چار بجے دن سابق امام مسجد محمد طفیل ایم اے معتقد مرزائی فرقہ لاہوری کی سالی کا جنازہ مسجد ہذا میں لایا گیا اور یہاں کے سرکاری امام خواجہ قمر الدین نے جو کہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں۔ مرزائی سابق امام محمد طفیل کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی۔ جب چند معززین نے اس حرکت کا محاسبہ کیا تو خواجہ قمر الدین سرکاری امام ووکنگ مسجد نے یہ دلیل پیش کی کہ میں نے اس لیے جنازہ میں شرکت کی ہے کیونکہ مرزا محمد طفیل بسا اوقات میرے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے ہیں اور دوسری دلیل یہ پیش کی کہ میں لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتا کیونکہ وہ مرزا غلام احمد کو صرف مجدد تسلیم کرتے ہیں اور ان کو کافر نہیں کہتے۔ لہٰذا آپ مہربانی فرما کر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے شخص کے متعلق شرعی فتویٰ سے مطلع فرما دیں۔

دستخط کنندگان عینی شاہد:

صابر حسین، محمد شریف، عبدالرحمان، ملک محمد خان مکنانی لندن، ووکنگ مسجد ایک مسجد ہے جس پر مرزائیوں نے پچاس سال غاصبانہ قبضہ رکھا۔ مولانا ابوالحسین مرحوم کے تبلیغی دورہ کے وقت آج سے پانچ برس قبل اہل اسلام کو دوبارہ قبضہ ملا۔

حاجی محمد شریف، ووکنگ، لندن، انگلینڈ۔

جواب

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت اس کی کتابوں سے ظاہر ہے اور تواتر سے ثابت ہے۔ مدعی نبوت کو مجدد تسلیم کرنا تو کجا اسے مسلمان خیال کرنا بھی کفر ہے[1]۔ ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جس پر قرآن و سنت سے قطعی دلائل علماء امت نے پیش کئے ہیں۔ مسئلہ بہت واضح ہے علماء امت کا اس پر اتفاق ہے[2]۔

---

(۱) وذكر شيخ الاسلام، ان الرضا بكفر غيره انما يكون كفراً اذا كان يستجيزه ويستحسنه ... الخ (شرح الفقه الاكبر، فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص ۴۸۵، دار البشائر الاسلامية بيروت) وكذا في السمرقندية، كتاب الأدب، ج ۹ ص ۱۳۲، دار الكتب العلمية بيروت. اجمع العلماء على ان شاتمه كفر، البزازية، كتاب الفاظ تكون اسلاماً، ج ۱ ص ۳۲۲، علوم اسلامیہ، چمن۔

(۲) قال الله تعالى ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين، الآية ۴۰ سورة احزاب، وفي شرح العقيدة الطحاوية: قوله وكل دعوة نبوة بعده فغي وهوى، لما ثبت انه خاتم النبيين، علم ان كل من ادعى النبوة بعده صلى الله عليه وسلم كاذب، ص ۲۶۰، دار ابن حزم بيروت۔ وهكذا في تفسير ابن كثير، پاره ۲۲، سورة احزاب ۳۳، آيت ۴۰، ج ۵ ص ۱۸۸، قديمي كتب خانه كراتشي۔

جائز نہیں اور امامت جو بیان کی گئی کہ واشنگٹن مسجد کا سرکاری امام خواجہ قمر الدین لاہوری مرزائیوں کا (جو جھوٹی نبوت مرزا غلام احمد کو مجدد مانتے ہیں) مسلمان یقین کرتا ہے تو وہ خود دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کی اقتدا میں نماز نہ پڑھیں اور ان کو واشنگٹن مسجد کی امامت سے فوراً علیحدہ کر دیں[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲ رمضان ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء

قادیانی کی دعوت کھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اگر کوئی مرزائی مسلمانوں کو کھانے کی دعوت دے تو ان کے گھر کھانا جائز ہے یا نہ؟ مرزائی دعوت کھانے والوں کے لیے کیا حکم ہے۔

فضل الرحمن

﴿ج﴾

مرزائی کی دعوت کھانا عوام المسلمین کے لیے جائز نہیں یہ اس طرح دھوکہ دیتے ہیں[2]۔

مفتی محمد عبداللہ ۵ شوال ۱۳۹۳ھ

مرزائی کی مسلمان اولاد سے رشتہ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باپ کٹر مرزائی احمدی ہے اس کی اولاد جو کہ بالغ ہے بیوی بچوں کے ساتھ انگلینڈ میں رہتے ہیں۔ کٹر مرزائی باپ کچھ دنوں سے یہاں اس ملک میں آیا ہوا ہے۔ اولاد کے خطوط سے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہیں۔ ہم شرع کے مطابق جو کچھ لکھا ہے ہیں ان کو بلایا جا سکتا ہے۔ ہم بھی

---

[1] ويكره تقديم (اي تحريماً) امامة عبد ... وفاسق واعمى ... الى قوله (وان) تنكر بعض ما علم من الدين ضرورة (كفر بها) فلا يصح الاقتداء به اصلاً (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الامامة ج ١ ص ٢٥٨، رشيديه كوئٹہ) قال المرغيناني: تجوز الصلوة خلفه مع فسقه والا فلا. (عالمگیری، كتاب الصلوة، باب الامامة ج ١ ص ٨٤، علوم اسلاميه چمن)

[2] قال الله تعالى: يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم اولياء تلقون اليهم بالمودة (الآية) سورة الممتحنة. قال الله تعالى (ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار) والركون الى الشيء هو السكون اليه بالانس والمحبة فاقتضى ذلك النهي عن مجالسة الظالمين ومؤانستهم والانصات اليهم وهو مثل قوله تعالى (فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين). (احكام القرآن للجصاص، سورة هود ج ٤ ص ٣٧٩، دار احياء التراث العربي بيروت)

کے دعویٰ نبوت کو جانتے ہوئے بھی اس بنیاد پر رہتا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ان کے نزدیک اسلام کا بنیادی عقیدہ نہیں ہے تو وہ بھی کافر ہے[۲]۔ اور اگر ختم نبوت کا اجماعی عقیدہ جو کتاب و سنت سے صراحۃً ثابت ہے ایسا کامل عقیدہ رکھ کر مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت یا اس کے عقائد باطلہ اور اس کے ضلال سے مطلع نہیں ہے تو وہ کافر نہیں ہے[۱]۔ البتہ اس کا فرض ہے کہ بغیر تحقیق مذہب قادیانی اس طرح کا فتویٰ نہ دے اور اس فتویٰ سے رجوع کر کے توبہ کرے[۳]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عطاء اللہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶-۲-۶۸ء

مسلمان ہونے والے قادیانی کا اپنے خاندان سے تعلق

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دو حقیقی بھائیوں میں سے ایک نے قادیانی عقائد اختیار کر کے کافر اور مرتد ہو گیا ہے اور دوسرا بھائی ابھی تک اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور مسلک اہل سنت والجماعت ظاہر کرتا ہے۔ اس کو ہر چند سمجھایا گیا کہ مرزائی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اپنے بھائی سے ہر قسم کا قطع تعلق کرے مگر وہ اپنے قادیانی بھائی سے قطع تعلق نہیں کرتا۔ بلکہ رشتہ ناطہ بھی کر رہا ہے اور شادی بیاہ خوشی غمی میں بھی قادیانی بھائی کے ساتھ شریک ہوتا رہتا ہے۔ اب اس شخص کے بارے میں اس کی مسلمان برادری پریشان ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے آدمی سے مسلمان برادری قطع تعلق کرے اور اس کو اپنی خوشی غمی میں شریک نہ کرے۔ کیا ایسا کرنے کی شرع شریف میں اجازت ہے۔ بینوا توجروا۔

---

۱) وقد اخبر تعالى في كتابه ورسوله في السنة المتواترة عنه انه لا نبي بعده (فتقدم تخريج في السؤال السابق) وفي الدر المختار: (وان) انكر بعض ما علم من الدين ضرورة (كفر) (كتاب الصلوة، باب الامامة، ج ۲ ص ۳۵۸، رشيديه كوئٹه طبع جديد۔
وهكذا في المرقاة شرح مشكوة اذا رأى منكراً من الدين ضرورة ورضي به كان كافراً (اي جہاں میں اس کی تحقیق کی گئی)

۲) (الايمان) هو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم في جميع ما جاء به عن الله تعالى مما علم مجيئه ضرورة (شامي كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ۳۴۲۔
وهكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۰۳، رشيديه كوئٹه۔

۳) قال الله تعالى: (انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب) آيت ۱۷، سورة النساء، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله عليه (من الحديث الطويل) حديث الافك صحيح البخاري كتاب المغازي، ج ۲، ص ۵۹٦، قديمي كتب خانه كراتشي۔

﴿ج﴾

مرزائیوں کے ساتھ برادری کے تعلقات قائم کرنا یا رشتہ کرنا ناجائز و حرام ہے[1]۔ لہٰذا اس شخص پر لازم ہے کہ وہ اس مرزائی کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات ختم کرے اور ونخلع و نترک من یفجرک[2] پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے اس کے بندوں کی رضا مندی کو نہیں۔ لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق[3]۔ دوسرے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس شخص کو مزید سمجھانے کی کوشش کریں اور اس شخص کو اپنانے کی کوشش کریں تا کہ یہ مرزائی کے ساتھ تعلقات ختم کر دے[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرزائی کو کافر نہ سمجھنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ ذیل میں کہ ایک مولوی صاحب تعلیم یافتہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے ہیں اور شاگرد حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن صاحب کے ہیں اور نہایت صحیح العقیدہ اہل حق ہیں اور نہایت پختہ سنی المذہب دیوبندی ہیں۔ صرف ان کا عقیدہ مرزا قادیانی کو کافر نہ کہنے کا ہے، ہاں بدعتی ملحد بددین زندیق خارج از دائرہ سنت و جماعت سے خارج غرض برے سے برے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن کافر نہیں کہتے کہ مذہب اہل السنت والجماعت یہی ہے۔ اس لیے کہ حنفیہ میں فقہاء مجتہدین جس بدعتی کی بدعت خلاف قطعیہ تاویل کرنے سے کفر تک بھی پہنچ جائے اس کو بھی بسبب اہل قبلہ ہونے کے کافر نہیں کہتے۔ اور بعض فقہاء مجتہدین کافر کہتے ہیں۔ چنانچہ درمختار وغیرہ کتب میں مصرح ہے۔ کل من کان من قبلتنا لایکفر بہ حتی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار﴾ والرکون الی الشیء هو السکون الیه بالانس والمحبة فاقتضی ذلک النهی عن مجالسة الظالمین ومؤانستهم والانصات الیهم وهو مثل قوله تعالیٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین﴾ احکام القرآن للجصاص، سورة هود، ج ۴ ص ۳۷۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیهم بالمودة﴾ آیت ۱، الممتحنة۔

(۲) مصنف لابن ابی شیبة، کتاب ۶، باب ۱۲۹، فی قنوت الوتر من الدعاء، حدیث ۵، ج ۲ ص ۲۰۰، طبع مکتبہ امدادیہ ملتان۔

(۳) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارة، فصل ثانی، ص ۳۲۱، قدیمی کتب خانہ

وایضاً فی الشامیة: لا طاعة لمخلوق الخ کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع، ج ۹ ص ۶۷۲، رشیدیہ کوئٹہ طبع جدید۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین﴾ آیت ۵۵ سورة الذٰریٰت۔

الخوارج الذين يستحلون دمائنا و اموالنا ونسائنا ويسب اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وينكرون صفاته تعالى وجواز رويته لكونه تاويلا و شبهة ۔ یعنی ان کا اعتقاد اس سبب سے بگڑا کہ انہوں نے موافق نص کو اپنے مطلب کے موافق بنا لیا۔ جو معانی سلف الصالحین سے مروی تھے ان کے پابند ہوئے۔ وقولنا منعی کفرهم اس پر امام شامی نے فرمایا کہ مذہب معتقدین کے خلاف اور خلاصہ سے بحر الرائق نے بعض ایسے فروع نقل کیے ہیں کہ جن بدعتیوں کا صریح کفر پایا جاتا ہے مگر ان کے لیے کہتے ہیں مذہب معتمد یہی ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کافر نہ کہا جائے۔ (ان کی تاویل کے سبب) ردالمحتار ص ۳۳۸ ج ۳ میں ہے۔ في المختار خرجوا عن طاعة الامام بتاويل يرون انه على باطل كفر او معصية توجب قتاله بتاويلهم يستحلون دمائنا واموالنا ويسبون نسائنا ويكفرون اصحاب نبينا عليه افضل الصلوة حكمهم حكم البغاة باجماع الفقهاء كما حققه في الفتح ۔ اس کے بعد صاحب ردالمحتار نے فرمایا وانما لم نكفرهم لكونه عن تاويل وان كان باطلا بخلاف المستحل بلا تاويل كما مر في باب الامامة ۔ فتح القدیر میں ہے کہ جمہور فقہا و محدثین کے نزدیک کافر نہیں اور بعض محققین ان کے کفر کے قائل ہوئے ہیں اور محیط میں ہے بعض فقہا تکفیر کے قائل ہیں اور بعض فقہا تکفیر نہیں کرتے اس بدعت والے کی جس کی بدعت دلیل قطعی کے خلاف اور کفر ہو۔ صاحب محیط نے عدم تکفیر کو اثبت واسلم لکھا ہے۔ اور محقق نے کہا کہ یہ کلام وجیہ ہے۔ كذا في غاية الاوطار۔ اس پر مولوی صاحب موصوف الصدر فرماتے ہیں کہ سلف الصالحین کا طریق اسلم واحکم ہے۔ مرزا قادیانی کے کفر میں تو محتمل روایات باطلہ سے پیدا ہوگئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اب اس مولوی صاحب کا کیا حال ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اور پہلے جو عرصہ دراز سے ان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں ان سب کی قضا ہے یا نہ؟ اور مرزا مذکور کو کافر کہنا فرض یا سنت یا ترک اولیٰ۔ مولوی صاحب مذکور کا استدلال صحیح ہے یا غلط؟

الجواب

مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت چونکہ ان کی ذاتی تحریرات اور صریحہ سے اور اس کے متبعین کی عظیم جماعت کی سند سے متواتر ثابت ہو چکا ہے اور ختم نبوت کا عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے[۱]۔ آپ ﷺ کے بعد کسی

---

(۱) قال الله تعالى ولكن رسول الله وخاتم النبيين آيت نمبر ۴۰ سورة الاحزاب۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ولا تقوم الساعة حتى يبعث دجالون كذابون قريبا من ثلاثين كلهم يزعم انه رسول الله الحديث. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ج ۱ ص ۵۰۹، قديمي كتب خانه) وفي شرح العقيدة الطحاوية: قوله: "وانه خاتم الانبياء ... قوله. "وكل دعوة نبوة بعده فغي وهوى" لما ثبت انه خاتم النبيين، علم ان من ادعى بعده النبوة فهو كاذب الخ (ص ۱۲۶، ۱۲۷، دار ابن حزم بيروت)۔

مرزائی سے نکاح کا حکم

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان عظام ان مسائل کے بارے میں کہ

(۱) کیا مرزائی (احمدی) فرقہ اسلام سے خارج ہے اور اگر ہے تو کن وجوہات کی بناء پر۔

(۲) کیا اہل سنت والجماعت کی لڑکی کا نکاح ایک مرزائی سے ہو سکتا ہے یا نہ، اور کیا مرزائی لڑکی کا نکاح اہل سنت والجماعت کے لڑکے کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں۔

(۳) اگر نکاح ہو چکا ہو تو کیا وہ نکاح درست ہے یا نہیں۔

السائل شریف احمد آزاد کشمیر ضلع میرپور

﴿جواب﴾

۱- مرزائی (احمدی) کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں کیونکہ یہ غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتے ہیں۔ حالانکہ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث سے بالتصریح ثابت ہے اور اس کا انکار کفر و ارتداد ہے لہٰذا یہ لوگ مسلمان نہیں[1]۔ (۲) مسلمان اہل سنت والجماعت لڑکی کا نکاح مرزائی سے بالکل ہرگز ہرگز جائز نہیں اور ایسے ہی مرزائی لڑکی کا نکاح مسلمان لڑکے کے ساتھ بھی جائز نہیں[2]۔ (۳) اور جو نکاح ہو چکا ہو وہ صحیح نہیں فوراً ان دونوں ناکح و منکوحہ کے درمیان جدائی کر دی جائے[3]۔ فقط والسلام واللہ اعلم۔

---

۱) قال الله تعالى: ولكن رسول الله وخاتم النبيين۔ آیت ۴۰ سورة الاحزاب۔
وفي تفسير ابن كثير: وقد اخبر تعالى في كتابه ورسوله في السنة المتواترة انه لا نبي بعده، ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب افاك دجال ضال مضل الخ (سورة الاحزاب آیت ۴۰، ج ۵ ص ۱۸۸، قدیمی۔
وكذا في الدر المختار: (وان) انكر بعض ما علم من الدين ضرورة (كفر) كتاب الصلوة، باب الامامة ج ۲ ص ۳۵۸، رشیدیہ کوئٹہ
۲) ولا يصلح (ان ينكح مرتد او مرتدة احداً) من الناس مطلقاً، در مختار، کتاب النکاح، ج ۴ ص ۳۶۲، رشیدیہ کوئٹہ۔
وهكذا في الهندية: ولا يجوز نكاح المجوسيات ... ويدخل في عبدة الاوثان ... وكل مذهب يكفر به معتقده الخ (کتاب النکاح، باب المحرمات بالشرك، ج ۱ ص ۲۸۱ علوم اسلامیہ چمن۔
وهكذا في البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، ج ۳ ص ۱۸۱، رشیدیہ کوئٹہ۔
۳) ارتد احد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة الخ (هندية، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر ج ۱ ص ۳۳۹، علوم اسلامیہ چمن (ارتد احدهما) اي الزوجين (فسخ) ... عاجل بلا قضاء (در مختار، کتاب النکاح، باب نکاح کافر ج ۴ ص ۳۶۶، رشیدیہ کوئٹہ۔

قادیانی کا جنازہ پڑھانے والے امام کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

(۱) ہمارے شہر مری کی ایک مسجد کے پیش امام مولوی صدیق اکبر نے ایک ایسے متمول متوفی مرزائی کی نماز جنازہ کی امامت کی جو عرصہ قریباً پچیس سال سے اس شہر میں سکونت پذیر تھا اور شہر کا بچہ بچہ اور بوڑھا بخوبی اسے پہچانتا تھا۔ شہر مری کے عوام اور مقتدی مولوی صاحب کی امامت سے سخت متنفر اور صدمہ سے مشتعل ہیں کیا ایسا شخص اہل سنت والجماعت کی مسجد کا امام باقی رہ سکتا ہے۔

(۲) مولوی صاحب مذکور نے گراں قدر رقم لے کر یہ خدمت انجام دی ہے۔ اس قسم کی اجرت کی شرعی حیثیت کیا ہے اور ایسا کرنے والا شریعت حقہ کے نزدیک کیسا ہے۔

﴿ج﴾

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی کذاب[۱] اور اس کے پیروکار یعنی اس کو اپنے دعاوی میں سچا سمجھنے والے کافر مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں[۲]۔ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنا بالکل درست نہیں ہے[۳] اور کسی امام مسجد کا یہ فعل بالکل قبیح ہے اور اگر وہ پڑھانے والا بھی ایسے ہی عقائد رکھتا ہے تو اسلام سے خارج ہوگا[۴]۔

(۲) ایسے شخص کی امامت صحیح نہیں[۵] جب تک کہ اس فعل سے اعلانیہ توبہ نہ کرے اور مرزائیوں کے کافر

---

۱) (قد تقدم تخريجه في السؤال السابق)

۲) اذا رأى منكرا معلوما من الدين بالضرورة فلم ينكره واستحسنه كان كافرا (مرقاة كتاب الأدب، ج ۹ ص ۳۲۴، دار الكتب العلمية بيروت) أي الرضا بكفر غيره انما يكون كفرا اذا كان مستجيزا و مستحسنا (شرح فقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص ۴۸۴، دار البشائر الإسلامية بيروت)
وهكذا في البزازية: كتاب الصلح تكون اسلاما ج ۶ ص ۳۲۲، علوم اسلامية چمن۔

۳) اما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب، اى ولا يغسل ولا يكفن (شامية، كتاب الصلوة، باب الجنائز ج ۳ ص ۱۵۸، رشيدية كوئته)
وفي الهندية: وشرطها اسلام الميت وطهارته (كتاب الصلوة، باب الجنائز ج ۱ ص ۱۶۲، علوم اسلامية چمن) وهكذا في البحر الرائق: كتاب الجنائز ج ۲ ص ۳۱۴، رشيدية كوئته۔

۴) قد تقدم تخريجه في اول السؤال۔

۵) واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه وبأن في تقديمه للامامة تعظيمه (كتاب الصلوة باب الامامة ج ۲ ص ۲۵۶، رشيدية كوئته)
وفي العالمكيرية: وحاصله ان كان هوى لا يكفر به تجوز الصلوة خلفه مع الكراهة والا فلا الخ (كتاب الصلوة، باب الامامة ج ۱ ص ۸۴، علوم اسلامية چمن) وفي الشامية: ايضاً (وان) انكر بعض ما علم من الدين ضرورة (كفر بها) (فلا يصح الاقتداء به اصلاً) كتاب الصلوة، باب الامامة ج ۲ ص ۳۵۸، رشيدية كوئته طبع جديد۔

مسلمان کے احکام جاری نہیں ہوں گے(۱)۔ مرزائی تو توحید کے بھی قائل ہوتے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی مانتے ہیں اور اس کلمہ شریف کا مطلب تو اتفاقی ہے۔ اس کے تو وہ مرزائی ہو کر بھی قائل تھے۔ مرزائی کا کفر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کاذب مدعی نبوت کی نبوت کے اقرار سے لازم آیا تھا اور اس کلمہ شریف کے پڑھنے سے اس مذکورہ کفر کی برأت لازم نہیں آتی لہٰذا اس کلمہ کو ایسے سبب کفر سے بیزاری کا قرینہ نہیں قرار دیا جائے گا البتہ اگر اس نے ختم نبوت کا اقرار اور مدعی نبوت کی نبوت سے انکار کا اظہار کیا ہو اور اس پر گواہ ہوں خواہ اس کے لڑکے ہی کیوں نہ ہوں تو اس صورت میں مسلمان ہوگا(۲) اور اس کا جنازہ پڑھنا درست ہوگا۔ مولوی صاحب مذکور نے یقیناً غلطی سے اس کا جنازہ پڑھا ہوگا اسے کافی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اور اس گزشتہ غلطی سے توبہ کرنی چاہیے۔ غلطی کا اقرار کرنے کی صورت میں توبہ کر کے اس کی امامت درست ہوگی(۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”فرقہ شیعہ“ سے تعلقات کا حکم

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ علماء الباکستان میں مذہب شیعہ کے چند گروہ ذکر کیے گئے ہیں:

(۱) ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ کریم کی ذات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں حلول کر لیا ہے۔ قرآن مجید بھی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نازل ہونا تھا لیکن جبرئیل سے غلطی ہوگئی۔ نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت کے قائل نہیں۔ اس گروہ کی میت کا جنازہ شرعاً پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) الایمان: هو تصدیق محمد صلی الله علیه وسلم فی جمیع ما جاء به عن الله تعالیٰ مما علم مجیئه ضرورة (در مختار، کتاب الجهاد، باب المرتد ج ۶ ص ۳۴۲، رشیدیه کوئٹه، وهکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، احکام المرتدین ج ۵ ص ۲۰۲، رشیدیه کوئٹه۔ رقد مر تخریجه، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "لا یؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به" مشکوٰة المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ج ۱ ص ۳۰، قدیمی کتب خانه کراتشی۔

(۲) (والصلوٰة علیه فرض کفایة) قال القهستانی وسبب وجوبها المیت المسلم الخ (شامی، کتاب الصلوٰة مطلب فی الصلوٰة الجنازة ج ۲ ص ۲۱۰، رشیدیه کوئٹه، وکما فی الهندیة: الصلوٰة علی الجنازة فرض کفایة --- وشرطها اسلام المیت کتاب الجنائز فصل فی الصلوٰة علی الجنازة ج ۱ ص ۱۶۲، علوم اسلامیه چمن، وهکذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، ج ۱ ص ۲۹۱، رشیدیه کوئٹه۔

(۳) قال الله تعالیٰ: انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء بجهالة ثم یتوبون من قریب، (الآیت ۱۷ سورة النساء) قال النبی صلی الله علیه وسلم: فإن العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله علیه (الحدیث الطویل) صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث الافک، ج ۲ ص ۵۸۶، قدیمی کتب خانه، وقال ایضاً: "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" مشکوٰة۔

(۲) دوسرا گروہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو سب وشتم دیتے ہیں۔ ان سب وشتم دینے والے گروہ کی میت کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) تیسرا گروہ سنی ہے جو کہ صحابہ میں سے کسی کو سب وشتم نہیں دیتا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ پر فضیلت دیتا ہے۔ اس گروہ کی میت کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص مذہب سنی کا دوسرے مسلمان کو سب وشتم دیتا ہے، کیا اس سنی کی میت کا جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

(۵) ایک شخص مسلمان کلمہ گو ہے لیکن زانی ہے، حد سے اور سود خور اور شرابی ہے اور صوم وصلوٰۃ کا پابند نہیں۔ اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب

(۱) یہ گروہ جن کے مذکورہ بالا عقائد ہیں دائرہ اسلام سے خارج ہیں[1]۔ ان کی نماز جنازہ مسلمانوں کے لیے درست نہیں[2]۔ (۳ تا ۵) ان سب کی نماز جنازہ میں شرکت درست ہے[3]، البتہ اگر مقتدا اور پیشوا شخص تنبیہ کی خاطر شریک نہ ہوا تو یہ بھی جائز ہے۔ بغیر جنازہ پڑھے ان لوگوں کو دفن کرنا جائز نہیں ہے[4]۔ واللہ اعلم۔

---

۱) نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها الخ (شامي، كتاب الجهاد، ج ۴ ص ۳٦٤، رشیدیہ کوئٹہ طبع جدید) وهكذا في الهندية: ولو قذف عائشة رضي الله عنها بالزنى كفر بالله ... ويجب اكفار الروافض ... بقولهم ان جبرئيل غلط في الوحي الخ كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ۲ ص ۲٦٤، رشیدیہ کوئٹہ وهكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب احكام المرتدين ج ۵ ص ۲۰۲، رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) وشرطها اسلام الميت وطهارته، فلا تصح على الكافر الخ (البحر الرائق، كتاب الجنائز، ج ۲ ص ۳۱۱، رشیدیہ کوئٹہ)
وهكذا في الهندية: كتاب الجنائز، فصل خامس ج ۱ ص ۱٦۳، رشیدیہ کوئٹہ، وكذا في الشامية، كتاب الصلوٰة باب الجنائز، ج ۲ ص ۲۱٤، رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) واما الرافضي ساب الشيخين بدون قذف السيدة عائشة ... فليس بكفر (شامي كتاب الجهاد، باب الجنائز، ج ۲ ص ۲۰۷، رشیدیہ کوئٹہ)
وهكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة ج ۱ ص ٦۱۱، رشیدیہ کوئٹہ۔

۴) كل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيراً كان او كبيراً ... الا البغاة وقطاع الطريق ... لقول النبي صلى الله عليه وسلم: صلوا على كل بر وفاجر الخ (بدائع الصنائع، كتاب الجنائز، فصل في صلوة الجنازة، رشیدیہ کوئٹہ)
وهكذا في العالمگيرية: كتاب الجنائز، ج ۱ ص ۱٦۳، رشیدیہ کوئٹہ، وكذا في الشامية، كتاب الجنائز، مطلب في صلوة الجنازة، ج ۲ ص ۱۲۵، رشیدیہ کوئٹہ۔

کلمہ طیبہ میں اضافہ کرنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کلمہ طیبہ شریف یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں زیادتی کرے۔ یعنی علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وغیرہ کلمات پڑھائے ایسا شخص مسلمان ہے یا کافر ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ جاری فرمادیں۔

﴿ج﴾

ایسا شخص گمراہ اور بے دین ہے توبہ و استغفار اس پر لازم ہے اور کافر نہیں[1]۔ فقط والسلام واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۴-۳-۱۲

الجواب صحیح عبداللطیف غفر لہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۲-۳-۱۲

شیعہ تبرائی کا ذبیحہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ذبیحہ اہل تشیع تبرائی کا جائز ہے یا نہ۔ شیعہ تبرائی مرد کا نکاح سنی عورت سے جائز ہے یا نہ۔ اہل سنت مولوی ان کا نکاح پڑھ سکتا ہے یا نہ۔ شیعہ تبرائی مسلم ہیں یا کافر۔ یا اہل کتاب۔ شیعہ تبرائی اور سنی کا آپس میں نکاح ولیمہ دعوت خیرات صدقات کھانا پینا جائز ہے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جو شیعہ امور دین میں سے کسی مسئلہ ضروریہ کا منکر ہو۔ مثلاً الوہیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قائل ہو یا صحبت صدیق کا منکر ہو یا تحریف قرآن کا قائل ہو یا جبرئیل علیہ السلام کے وحی لانے میں غلطی کا قائل ہو۔

---

(۱) کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وصی ہونا یا خلیفہ بلا فصل ہونا شیعوں کا عقیدہ ہے اگرچہ کفر نہیں فسق اور بدعت ہے کما فی الشامیۃ: "ان الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما فهو کافر وان کان یفضل علیاً علیهما فهو مبتدع" (رد المحتار، کتاب الجهاد مطلب مهم فی حکم سب الشیخین ج ۶ ص ۳۶۳، رشیدیہ کوئٹہ)

وفی الهندیة: وان کان یفضل علیاً   لا یکون کافراً الا انه مبتدع (الهندیة، کتاب السیر، باب احکام المرتدین ج ۲ ص ۲۶۴، علوم اسلامیہ چمن)

افکِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کرتا ہو وہ کافر ہے (۱)۔ اس کا ذبیحہ حرام اور مسلمان لڑکی کا اس کے ساتھ نکاح ناجائز ہے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والے شیعہ گروہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی اولاد کا رشتہ شیعہ لوگوں میں کیا ہوا ہے۔ جس کی تمام برادری شیعہ ہے اور اس کا حقیقی بھائی بھی شیعہ ہے اور اس کا کھانا پینا بھی شیعہ لوگوں کے ساتھ ہے اور رسومات شیعہ لوگوں کے ادا کرتا ہے۔ مثلاً گیارہویں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی جو مشہور ہے وہ دیتا ہے اور ان کی مجالس میں صحابہ کرام کو جو سب کرتے ہیں وہ ان کو حق پر سمجھتا ہے۔ اور ان کی مجلس میں شامل ہوتا ہے اور پھر اس کی اولاد بھی یقیناً شیعہ ہے اور وہ ایسے شیعہ ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان عظیم بھی باندھتے ہیں اور وہ اپنی اولاد کے لیے اہل سنت والجماعت کے آدمی سے رشتے لینا چاہتا ہے۔ کیا اس کی اولاد کو اہل سنت والجماعت کا آدمی شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق رشتے دے سکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ جو شیعہ ایسا ہو کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہو مثلاً اس کا عقیدہ ہو کہ معاذ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی تھی وہ صحیح ہے۔ وامثال ذلک۔ تو یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کما قال فی رد المحتار الکافر بسب الشیخین او بسب احدهما (الی ان قال) نعم

---

(۱) نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها او انكر صحبة الصديق او اعتقد الالوهية في علي او ان جبريل غلط في الوحي الخ (رد المحتار، كتاب الجهاد، مطلب في حكم سب الشيخين، ج ٦ ص ٣٦٤، رشيديه كوئته، وهكذا في البحر الرائق، كتاب السير، احكام المرتدين، ج ٥ ص ٢٠٤، رشيديه كوئته، وفي الهندية ولو قذف عائشة رضي الله عنها كفر بالله ... الخ (كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ٢ ص ٢٦٤، علوم اسلامية چمن۔

(۲) لا تؤكل ذبيحة اهل الشرك والمرتد، (هندية، كتاب الذبائح، ج ٥ ص ٢٨٥، رشيديه كوئته، وكذا في طحطاوي، كتاب الذبائح، ج ٤ ص ١٩٧، رشيديه كوئته، لا يجوز نكاح المجوسيات .... وكل مذهب يكفر به معتقده (هندية، كتاب النكاح، باب المحرمات بالشرك، ج ١ ص ٢٨١، رشيديه كوئته، كذا في الشامي، كتاب النكاح، فصل محرمات، ج ٤ ص ١٣١-١٣٤۔

روافض کی رسوم باطلہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت والجماعت اس مسئلے کے بارے میں کہ ایام محرم میں سینہ کوبی کرنا اور پیٹنا اور نوحہ وغیرہ رسومات کرنا شرعاً جائز ہیں یا نہ، بعض شیعہ رافضی کہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابوں کی رو سے تمام امور جائز ہیں کیا یہ صحیح ہے۔ یا نہ مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے دیتے ہیں۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۵۳، سیرۃ حلبیہ ص ۷۷۹، سیرۃ ابن ہشام ج ۳ ص ۳۰۵، سر الشہادتین ص ۸۷، وغیرہ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

﴿ج﴾

سینہ کوبی اور پیٹنا اور نوحہ کرنا اور اہل تشیع کے دوسرے رسومات جو ایام محرم وغیرہ میں کرتے ہیں، یہ سب امور شرعاً بدعت سیئہ اور ناجائز ہیں[1]؟ حدیث شریف میں وارد ہے **شر الامور محدثاتها و كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة**[2]۔ (رواہ مسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے برا کام وہ ہے جو دین میں نیا پیدا کیا جائے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث حدثا او اوى محدثا فعليه لعنة الله و الملائكة والناس اجمعين**[3]۔

ترجمہ: کہ جس شخص نے کسی بدعت کو ایجاد کیا یا موجد بدعت کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی اور واضح امر ہے کہ مذکورہ بالا افعال اور دوسرے رسومات جو شیعہ ایام محرم اور دیگر مخصوص دنوں میں کرتے ہیں یہ سب دین میں نئی پیدا کردہ باتیں ہیں؟ کیونکہ اگر یہ باتیں دین ومذہب سے ہوتیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کرتے اور فرماتے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غزوات میں کتنے صحابہ شہید

---

۱) کما فی مجموعۃ الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، تعزیہ داری در عشرہ محرم با غیر آن ساختن ضرائح وصورت قبور وعلم تیار کردن دلدل وغیرہ ذلك ان همه امور بدعت است نه در قرن اول بود نه در قرن ثانی الخ (کتاب الکراهیة باب ما یحل استعماله او ما لا یحل ج ٤ ص ٣٤٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
کما فی الشامیة: وتعقبه ابن العز بانه لم یصح عنه صلی الله علیه وسلم ویوم عاشوراء غیر حرمه الخ (کتاب، مطلب فی حدیث التوسعه علی العیال والاکتحال الخ ج ۲ ص ۲۱۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
۲) مشکوة باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الاول، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۳) کما فی البخاری (کتاب الاعتصام باب آثم من اوی محدثاً ج ۲ ص ۱۰۸٦، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

ہوئے۔ خصوصاً غزوۂ احد میں ۷۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے۔ جن میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھی چچا تھے، لیکن آپ نے بھی شیعوں کی طرح سینہ کوبی وغیرہ رسومات کو نہ کیا اور نہ دیگر صحابہ نے کسی رشتہ دار پر یہ رسومات کیں، حتیٰ کہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے بھی اور دیگر اہل بیت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے پر یہ رسومات نہ کیں، تو یقیناً یہ امور محدث ہیں۔ جن کے متعلق ذکر ہوا اور بہت سی وعیدیں وارد ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس منا من ضرب الخدود و شق الجیوب ودعا بدعوی الجاهلیة ۔ رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ (۱) یعنی ہم مسلمانوں کی جماعت سے نہیں جو رخساروں کو مارے اور گریبانوں کو پھاڑے وغیرہ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں نوحہ کرنے اور گریبان پھاڑنے کو کفر فرمایا ہے۔ عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ثلثة من الکفر بالله شق الجیب والنیاحة والطعن فی النسب. رواہ ابن حبان (۲) والحاکم وفی روایة لابن حبان ثلث من عمل الجاهلیة لایترکهن اهل الاسلام الحدیث ۔ اس روایت میں اور اسی طرح کی روایتوں میں ان کو رسومات جاہلیہ یعنی اسلام سے قبل کی رسومات فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے۔ لیس منا من حلق ولا خرق ولا صلق (۳)۔ یعنی ہم میں سے نہیں ہے جو عورت مصیبت کے وقت سر مونڈے اور کپڑے پھاڑے اور نوحہ کے وقت آواز کو اونچا کرے اور یہ تو فرمان ہے یعنی مصیبت کے وقت جبکہ انسان صدمہ سے بسا اوقات بے قابو ہوجاتا ہے لیکن جو چودہ سو سال تک یہ رسومات ادا کرتے رہیں اور قصداً اور اختیار سے معصیت بناتے اور مناتے رہیں ان کے متعلق مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی وعیدیں اور نار دوزخ کتنی سخت ہوں گی، بہر کیف احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ان باتوں سے اموات کو تکلیف پہنچتی ہے کتب فقہ میں صراحۃً ان افعال شنیعہ سے منع وارد ہے۔ چنانچہ مجمع البرکات میں ہے۔ ویکرہ تسوید الثیاب وتخریقها للتعزیة واما تسوید الخدود والایدی وشق الجیوب وخدش الوجه ونثر التراب علی الرؤس والضرب علی الصدر والفخذ وایقاد النار علی القبور فمن رسومات الجاهلیة والباطل وکذا فی مجموعة الفتاوی ص ۲۸۰ - ۲۸۱ (۴) [ترجمہ] سیاہ کپڑے رنگنا تعزیہ کے لیے

---

۱) کما فی البخاری، باب لیس منا من شق الجیوب الخ ج ۱ ص ۱۷۲، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ کما فی مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ضرب الخدود الخ، ج ۱ ص ۷۰، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ وایضاً فی الترمذی، باب ما جاء فی النہی عن ضرب الخدود الخ ج ۱ ص ۱۹۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
۲) ومثلہ فی المسلم، کتاب الایمان، باب ضرب الخدود، ج ۱ ص ۷۰، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۳) کما فی المسلم: کتاب الایمان باب ضرب الخدود الخ، ج ۱ ص ۷۰، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۴) مجموعۃ الفتاوی۔

کپڑے پھاڑنا، بجز رخساروں اور ہاتھوں کو سیاہ کرنا، گریبان پھاڑنا، چہرہ نوچنا، سر پر خاک ڈالنا، بیہودہ گوئی کرنا، رانوں پر ہاتھ مارنا، پیٹنا، قبروں پر آگ جلانا یہ سب افعال زمانۂ قبل از اسلام جاہلیت کے ہیں، حرام اور محض باطل ہیں۔ اہل سنت والجماعت کی کتابوں پر اور اقوال شیعہ اور روایات۔ یہ کوئی چھپا مخفی تہمت اور افترا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے منع وعیدیں و تہدیدیں اور کتب فقہ سے منع ذکر کی گئی ہیں۔ ان روایات کے متعلق جملہ کتب مذہب اہل سنت والجماعت کا حکم مذکور ہوا ہے۔ کوئی بھی جواز کا قائل نہیں، بلکہ خود شیعوں کے مذہب اور کتابوں میں ان برے رسومات سے منع وارد ہے۔ وہاں کے مجتہدوں اور محقق مفتیوں نے ان رسومات کے بدعت ہونے اور عدم جواز کے فتوے دیے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں مفتی فقیر محمد تقی فرماتے ہیں تعزیہ اور دلدل نکالنے اور ماتم بازہ بنانے کا کوئی شرعی ثبوت نہیں، جن کتابوں میں ایسی باتیں درج ہیں وہ دیر لوگوں کی تصنیف ہیں اس لیے حوالے بیکار ہیں اور حق تو یہ ہے کہ سب باتیں بدعت میں داخل ہیں۔ اخبار اہل بیت لکھنو ۳ مارچ ۱۹۱۵ء بحوالہ مطبوعہ اشتہارات [illegible] کے بارے میں شیعہ مولوی حافظ مفتی [illegible] حسن صاحب کا فتویٰ (سوال) کیا تعزیہ کے ساتھ یا ایام عاشورہ میں رونا پیٹنا اور سوگوار رہنا جائز ہے۔ ان ایام میں کالے کپڑے پہننے کا کیا حکم ہے۔ (جواب) قطعاً ناجائز ہے۔ ان باتوں کا اسلاف شیعہ کے قول و فعل سے اور روایات ائمہ میں کوئی ثبوت نہیں۔ رسالہ گرینہ علی[1] ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ۔ قم اور نجف [illegible] خراسانی میں شیعہ مفتی [illegible] ناصر حسین مجتہدی کا فتویٰ بجناب سید رسول [illegible] امام حسینؓ کے ماتم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم بیہودہ کوٹ کوٹ چھاتی لال کر دیں، معاذ نوچیں چہرے کو زخمی کریں، لوہے کی زنجیر سے بدن کو چھلنی کریں نہیں، اور [illegible] محبت حسین کا ثبوت دیں۔ ایسی باتیں تو شریعت محمدیہ اور طریقت میں تحت منع ہیں، ان سے تو خدا اور پیغمبر نے روکا ہے۔ کتاب ماتم حسین صفحہ ۹ مطبوعہ نولکشور دہلی لہٰذا ان رسومات سیئات کے ممنوع ہونے کے ان واضح دلائل کے بعد (جو اہل سنت والجماعت و شیعوں کی کتابوں سے پیش کیے گئے) سنی اہل سنت والجماعت کو شیعوں سے جو گروہ اور ان رسومات میں شامل ہونا قطعاً ناجائز ہے اور گمراہی ہے۔ تمام اہل اسلام کو ان سے احتراز لازم ہے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو کسی طریقے سے ان بدعات کو مٹانے اور سنت طریقے کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر [illegible] ۱۳۸۴ھ

---

(۱) رسالہ کربلا۔

نابالغہ سنی لڑکی کا شیعہ سے نکاح

س

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو کہ مذہبی لحاظ سے اہل سنت والجماعت ہے۔ اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح کسی شیعہ سے کرنا چاہتا ہے، جس کا کچھ عرصہ متعدد افراد سے ثابت ہے۔ کیا شرعی لحاظ سے یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

ج

اگر شیعہ ایسا ہے تو اگر وہ کسی ایسے عقیدہ کا قائل ہے جو صریح نص قرآنی کے خلاف ہو مثلاً الوہیت علی رضی اللہ عنہ کا قائل ہے یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کا قاذف ہے یا صحبت صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر ہے۔ نفس سب صحابہ سے کافر نہیں بنتا اگرچہ بدعتی فاسق مردود، مستحق تعزیر وقتل ضرور بن جاتا ہے۔ کما قال فی ردالمحتار ص ۳۲۱ ج ۳ علی ان الحکم علیہ بالکفر مشکل لما فی الاختیار اتفق الائمة علی تضلیل اهل البدع اجمع وتخطئتهم وسب احد من الصحابة وبغضه لا یکون کفرا لکن یضلل الخ۔ وذکر فی فتح القدیر ان الخوارج الذین یستحلون دماء المسلمین واموالهم ویکفرون الصحابة حکمهم عند جمهور الفقهاء واهل الحدیث حکم البغاة وذهب بعض اهل الحدیث الی انهم مرتدون قال ابن المنذر ولا اعلم احدا وافق اهل الحدیث علی تکفیرهم. الخ [1]

وقال ایضاً ج ۳ ص ۳۲۱ نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ تعالی عنها او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی ونحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقران [2]۔ صورت مسئولہ میں اگر یہ شخص کوئی کفریہ عقیدہ رکھتا ہے تو نکاح باطل ہے ورنہ صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ [3]

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۳ محرم ۱۳۸۹ھ

---

(۱) کتاب الجهاد، مطلب مهم فی حکم سب الشیخین، ج ۶ ص ۳۶۳، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
وایضاً فی البحر الرائق شرح کنز (کتاب الصلوة، باب الامامة، ج ۱ ص ۶۱۱) طبع رشیدیہ کوئٹہ
(۲) کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ۳ ص ۳۶۴، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
(۳) ... کہ ساتھ نکاح جائز نہیں۔ کما فی الشامیة وبهذا ظهر ان الرافضی الخ (کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السراری ج ۳ ص ۱۲۴، طبع رشیدیہ کوئٹہ
وایضاً فی الهندیة (ومنها الطائفة الرافضی ... وحکم المرتدین، کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین، ج ۲ ص ۲۶۴، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

لاعلمی میں لڑکی کا نکاح شیعہ سے کر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے لاعلمی میں ایک لڑکی کا رشتہ ایک شیعہ مذہب لڑکے سے کر دیا۔ جس کے عقائد حسب ذیل ہیں:

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سب بکنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے۔ عشرہ محرم میں سینہ کوبی کو نجات اخروی کا سبب یقین رکھتا ہے۔ حضرت اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان پاک میں تہمت ناپاکی لگاتا ہے۔ حضور سرکار مدینہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک دختر پاک مانتا ہے دوسری بیٹیوں کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکیاں نہیں مانتا تو کیا عند الشریعت لڑکی مذکورہ کا نکاح ایسے شخص سے درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو بغیر طلاق کے لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مندرجہ بالا عقائد رکھنے والا شخص بوجہ انکار قرآن کریم خارج عن الاسلام ہے۔ جیسا کہ عالمگیری میں موجود ہے[1]۔ لہٰذا اس کے ساتھ کسی مسلمان کا عقد نہیں ہو سکتا[2]۔ صورت مسئولہ میں مائی نسیم کا نکاح نابالغی میں لاعلمی کی صورت میں جو اس کے باپ نے کرایا تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں اس لیے اب بغیر طلاق لیے اس لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی اور اجازت کے ساتھ کسی دوسری جگہ کرایا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[3]۔

سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان ۳ فروری ۱۹۷۰ء

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ

---

۱) غالی شیعہ کافر ہے۔ کما فی الشامیۃ: کتاب الجھاد، مطلب مھم فی حکم سب شیخین ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔ وایضاً فی الشامیۃ: ج ٤ ص ١٣٤، کتاب النکاح، مطلب مھم فی وطء السراری اللاتی الخ طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

وکما فی البحر الرائق: وبانکار صحبۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ بخلاف غیرہ، وبانکارہ امامۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ علی الاصح کانکارہ خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ علی الاصح، کتاب السیر، باب احکام المرتدین؛ ج ٥ ص ٢٠٤، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) نکاح غالی شیعہ کے ساتھ۔ کما فی الشامیۃ: "وبھذا ظھر ان الروافض ان کان ممن یعتقد الالوھیۃ فی علی اوان جبرائیل غلط فی الوحی الخ" (کتاب النکاح، مطلب مھم فی وطء السراری اللاتی الخ، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔ کما فی الھندیۃ:

"ویجب اکفار الروافض —— ان جبرائیل غلط فی الوحی —— واحکامھم احکام المرتدین کذا فی" کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین ج ٢ ص ٢٦٤، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۳)

تبرائی شیعہ سے متعلقات

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص شیعہ مذہب نے کہا ہے کہ دین اسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھیلایا ہے تم باقی اصحاب کرام کا نام کیوں لیتے ہو تو ایک شخص خدا بخش نامی نے کہا تو صحابہ نے کہا کہ اہل سنت کے دین کے بغیر کوئی اور دین بھی ہے جو شخص اہل سنت کو نہیں مانتا وہ تو مسلمان بھی نہیں ہے۔ تو اس پر گلاب خان شیعہ نے کہا کہ تم پھر ابوبکر اور عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کا نام کیوں لیتے ہو خدا بخش مذکور نے کہا کہ حضور ﷺ تو دونوں صحابیوں کو اپنے ہمراہ لے چکے ہیں تو یہ بات سنتے ہی شخص مذکور شیعہ نے کہا کہ میں صحابیوں کی لڑکیوں کے ساتھ بدفعلی کرتا ہوں۔ العیاذ باللہ۔ اس پر خدا بخش نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں تمہیں تعزیر لگواؤں گا تو شخص نے کہا کہ میرا آلہ تناسل تو زندہ ہو جو تم نے کرنا ہے کر لو۔ تو ایسے شخص کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے اور مسلمانوں کو ایسے شخص کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے۔

(۲) شیعہ تبرائی کا اہل سنت والجماعت کے جنازہ میں داخل ہونا جائز ہے یا نہ اگر داخل ہو جائے تو کوئی نقص ہے یا نہیں۔

غلام صدیق گل منڈی قصبہ نواں کوٹ تحصیل و ضلع مظفر گڑھ

﴿جواب﴾

(۱) ایسا شخص جس نے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کی ہے واجب التعزیر ہے۔ مسلمان حاکم کے ذریعہ سزا دلوائی جائے۔ حاکم وقت تحقیق کرے اگر معلوم ہو جاوے کہ اس شخص نے ایسے کلمات گستاخانہ زبان سے نکالے ہیں تو سخت سزا دے تاکہ دوسروں کے لیے بھی عبرت ہو۔ ۳۹ کوڑے تک سزا دیا جا سکتا ہے[1]۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) وجوب تعزیر کما فی الشامیۃ "کل من ارتکب منکراً او اذی مسلماً بغیر حق بقول او فعل او اشارۃ یلزمہ التعزیر" (کتاب الجہاد، مطلب فی التعزیر بالمجرد، ج ۶ ص ۱۱۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ)
کما فی الہندیۃ "الاصل فی وجوب التعزیر ان کل من ارتکب منکراً الخ (الباب السابع فی حد القذف والتعزیر، فصل فی التعزیر، ج ۲ ص ۱۶۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ)
وایضاً فی الہندیۃ "تعزیرہ للامام او نائبہ الخ" (کتاب الحدود، الباب الاول فی تفسیرہ شرعاً ورکنہ وشروطہ وحکمہ، ج ۲ ص ۱۴۳، طبع رشیدیہ کوئٹہ)
وایضاً فی الشامیۃ "اکثرہ تسعۃ وثلاثون سوطاً" کتاب الحدود، باب التعزیر، ص ۹۶، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) ایسے شیعوں کو جنازے میں داخل نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ لوگ نماز جنازہ میں بجائے دعا کرنے کے بددعا کرتے ہیں ان کی کتابوں میں یہی لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسلمان لڑکی سے شیعہ کا نکاح درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اندریں مسئلہ کہ اگر زوجین میں سے ایک سنی المذہب ہو اور دوسرا رافضی اور وہ مندرجہ ذیل عقائد رکھتا ہے (۱) قرآن مجید تحریف شدہ ہے۔ (۲) نزول وحی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت علی پر ہونا تھا۔ (۳) سب شیخین کو جائز سمجھتے۔ (۴) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قذف کو صحیح تصور کرنا۔ تو کیا اگر لڑکی کا باپ خود نکاح کر دے تو کیا یہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔

﴿ج﴾

جس آدمی کے مندرجہ بالا عقائد ہوں وہ باتفاق اہل سنت والجماعت وہ کافر ہے، دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ایسے آدمی سے مسلمان لڑکی کا عقد نکاح درست نہیں ہے اور اگر غلطی سے مسلمان لڑکی کا عقد نکاح اس سے کر دیا گیا ہے تو وہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ یہ لڑکی طلاق حاصل کیے بغیر دوسری جگہ عقد نکاح کرا سکتی ہے[1]۔

ایسے شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

(۱) اہل شیعہ جو کہ تبرا کہتے ہیں اس سے رشتہ کرنا یعنی وہ لڑکی اپنی اہل سنت والجماعت کو دینا چاہے تو شرعاً کیا حکم ہے۔

---

(۱) جیسا کہ رحیمیہ ج ۷ ص ۱۵۴، طبع دار الاشاعت کراچی، میں مذکور ہے۔

لما فی الشامیة: "وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية" الخ "کتاب النکاح، مطلب مهم في وطء السراري اللاتي" ج ۴ ص ۱۳۴، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

کما فی الهندية: "ويجب إكفار الروافض ...... وأحكامهم أحكام المرتدين" کتاب السیر، الباب التاسع في أحكام المرتدين، ج ۲ ص ۲۶۴، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۳) اگر عمداً اس نے قرآن کی آیت کا انکار کردیا تو یہ کفر ہے[1] اس سے توبہ کرنی لازم ہے۔ واللہ اعلم۔[2]

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

شیعہ لڑکی سے نکاح

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) کیا اذان کے بعد کلمہ طیبہ یا دعا پڑھنا جائز ہے۔

(۲) کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی نماز کبھی قضا ہوئی ہے۔

(۳) کیا شیعہ عورت کے ساتھ سنی مرد کا نکاح جائز ہے۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کھانے کے بعد صبح صادق ہونے پر غسل کیا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) جائز ہے۔ کما فی الدر المختار باب الاذان ص ۲۹۳ جلد ۱ ویدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم وفي رد المحتار اي بعد ان يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم لما رواه مسلم[3]. وروى البخاري وغيره من قال حين يسمع النداء اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة ات محمدن الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودن الذي وعدته حلت له شفاعتي يوم القيامة الخ[4]

---

۱) آیت کا منکر، کما في البزازية: انكر آية من القرآن او سخر بآية منه كفر (الباب الثاسع فيما يقال من القرآن والاذكار والصلوة، ج ٦ ص ٣٤٢، طبع رشيديه كوئته.

کما في الشامية. "او نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن" كتاب الجهاد، مطلب في حكم سب الشيخين ج ٦ ص ٣٦١، طبع رشيديه كوئته.

۲) لزوم توبہ: کما في الشامية: ولذا تقبل توبته، (كتاب الجهاد، مطلب في حكم سب الشيخين ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشيديه كوئته.

وايضاً قاله تعالى: انما التوبة على الله للذين يعملون السوء، سورة النساء، آيت ١٧۔

قال الله تعالى: توبوا الى الله توبة نصوحا الخ، سورة التحريم آيت ٨۔

بحواله سوال نمبر ۹۴ جزء نمبر ۸۔

۳) كتاب الصلوة، باب الاذان مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، ج ص ٤٣١، طبع رشيديه كوئته۔

۴) باب الدعاء عند النداء، كتاب الاذان ج ١ ص ٨٦، طبع قديمي كتب خانه كراچي.

''صحابہ کو اچھا نہیں سمجھتا'' کہنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید پہلے اہل سنت والجماعت تھا کچھ عرصہ کے بعد کسی شخص نے اس سے صحابہ کرام کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ صحابہ کرام کو اچھا نہیں سمجھتا آپ لوگ جو زور لگا سکتے ہیں لگالیں۔ اس مجلس میں ایک اور شخص موجود تھا وہ کہتا ہے کہ آپ کی بات اچھی ہے اس پر ثابت رہنا۔ ان دونوں شخصوں کا میل جول شیعہ لوگوں سے ہے اور وہ دونوں شخص کلمہ بھی شیعوں کا پڑھتے ہیں۔ اور تعزیہ ماتم سینہ کوبی وغیرہ کرتے ہیں۔ ان دونوں کا نکاح سنی المذہب عورتوں کے ساتھ ہے۔ کیا ایسے الفاظ کہنے والا عندالشرع مسلمان رہ سکتا ہے یا نہ؟ اور ان کا نکاح سابقہ درست رہتا ہے یا فاسد ہو جاتا ہے۔ اگر ایسے لوگ ان الفاظ سے توبہ کرلیں تو کیا ان کا نکاح سابقہ درست رہے گا یا دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہوگی۔

نوٹ: نیز یہ دونوں شخص نماز اہل سنت والجماعت کے مطابق پڑھتے ہیں دو مرد اور ایک عورت اس تمام واقعہ کے شاہد ہیں۔

﴿ج﴾

شرعاً دونوں شخص انتہائی فاسق اور قریب الکفر ہیں کہ ان کے ایمان جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ لیکن جب تک کوئی عقیدہ کفریہ ان عقائد کفریہ میں سے جو آج کل عام شیعوں کے ہیں مثلاً (تہمت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قائل ہونا یا صحبت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار کرنا یا تحریف قرآن کا قائل ہونا یا حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی کا قائل ہونا، یا الوہیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قائل ہونا وغیرہ) ان کے علاوہ اور کوئی عقیدہ کفریہ نہ رکھیں تو اس وقت ان کو کافر نہیں کہا جائے گا[1] اور ان کے نکاح بھی باقی رہیں گے البتہ ان کو احتیاطاً تجدید نکاح کرلینی چاہیے، لیکن ان دونوں آدمیوں کو ان کلمات سے نیز دوسرے ان افعال کے ارتکاب سے جو کہ شیعوں کے ہیں اور ناجائز ہیں، توبہ کرنا لازم ہے[2]۔ اگر وہ تائب نہ ہوں تو برادری و عام اہل اسلام پر یہ فرض ہے کہ ان سے قطع تعلق کریں۔ ان کا حقہ پانی بند کریں تا آنکہ وہ تائب ہو جائیں۔ **فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**[3]

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲-۵-۱۳۸۴ھ

---

(۱) كما في الشامية: وبهذا ظهر ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الألوهية ــــ بخلاف ما اذا كان يفضل علياً او يسب الصحابة فانه مبتدع لا كافر، كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري الاتي الخ ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشيديه كوئته.

كما في البحر الرائق: والرافضي ان فضل علياً على غيره فهو مبتدع ــــ وان انكر خلافة الصديق رضي الله عنه فهو كافر"، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٦١١، طبع رشيديه كوئته.

كما قاله تعالى: "ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار" سورة الهود، الآية ١١٣، وايضاً قاله تعالى: "يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي الخ" سورة الممتحنة، الآية: ١، باب المرء مع من احب، ج ٢ ص ٣٣٢، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

كما في المشكوة: وعن ابن عمر قال ــــ من تشبه بقوم فهو منهم رواه احمد وابوداود، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص ٣٧٥، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

سبِ صحابہ کرنے والے شیعوں کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ فرقہ شیعہ جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قرآن مجید کو کتاب آسمانی اور بارہ دین سمجھیں اور ۱۲ کے قائل بھی ہوں تو کیا ان کو مسلمان صاحب اسلام سمجھا جائے گا۔

﴿ج﴾

اگر ایسا شیعہ ہو کہ توحید کے ساتھ دیگر ضروریات دین میں سے کسی مسئلہ کا منکر ہو مثلاً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا منکر ہو یا افک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قائل ہو یا جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے میں غلطی اور خیانت کا قائل ہو وغیرہ ذالک یا سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو جائز کار خیر سمجھتا ہو ایسا شیعہ کافر ہے[1]۔ اگر اس قسم کا غالی شیعہ نہ ہو بعض اسلام کے عقائد میں سے کسی عقیدہ کا منکر نہ ہو تو صرف تفضیلِ علی رضی اللہ عنہ کا قائل ہو تو یہ مسلمان فاسق ہے کما قال فی رد المحتار[2] ج ۳ ص ۳۱۳ وبھذا ظھر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوھیة فی علی او ان جبرائیل غلط فی الوحی او کان ینکر صحبة الصدیق او یقذف السیدة الصدیقة فھو کافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدین بالضرورة بخلاف ما اذا کان یفضل علیا و یسب الصحابة فانه مبتدع لا کافر[3]۔

قرآن مجید کے متعلق شیعوں کے عقائد

﴿س﴾

چہ می فرمایند علماء دین و مفتیان شرع متین در ان فرقہ اثنا عشریہ کہ نظریات و اعتقادات شان علی حسب ذیل است۔

---

۱) کما فی الشامیة: "نعم لا شك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة الخ" کتاب الجهاد، مطلب فی حکم سب الشیخین، ج ٦ ص ٣٦١، طبع رشیدیه کوئٹه۔

کما فی البحر الرائق: ویقذف عائشة رضی الله عنها الخ، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢٠٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) الشامیة: کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السراری اللاتی، ج ٤ ص ١٢٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۳) کما فی البحر، والرافضی ان فضل علیاً علی غیره فهو مبتدع الخ، کتاب الصلوٰة، باب الامامة، ج ١ ص ٦١١، طبع رشیدیه کوئٹه۔

حضرت عائشہؓ پر بہتان لگانے والے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شیعہ جو کہ اصحاب ثلاثہ کی توہین کرتا ہے اور ان کو گالیاں دیتا ہے اور حضرت علی کو حق سمجھتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والا اور تحریف کرنے والا اور کئی منسوخوں کا قائل ہونے والا اور قرآن اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف انکار کرنے والا ہے۔ کیا وہ شخص اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کے مطابق مسلمان ہے یا کافر؟ اور شریف اور ایک عورت جو عقائد اہل سنت والجماعت رکھنے والی ہے اس کے ساتھ اس کا نکاح ہو سکتا ہے؟ اور نکاح بھی عدم واقفیت سے نابالغی کے وقت باندھا گیا ہو تو فسخ کس طرح ہو سکتا ہے۔

گل محمد چک نمبر ۳-۱۴R ضلع ملتان تحصیل خانیوال

جواب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافق لوگوں نے تہمت لگائی تھی اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور میں ان کی صفائی اور براءت ظاہر فرمائی ہے۔ اب اگر کوئی شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشتا ہے تو وہ نص قرآنی کے انکار کی وجہ سے کافر ہے[1]۔ اس کا نکاح باقی نہیں رہتا۔ مگر تحقیق لازم ہے۔ اگر بالتحقیق معلوم ہو کہ شیعہ مذکور کے عقائد ایسے ہی ہیں تو اس کے ساتھ نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں[2]۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) كما قال تعالى: سبحانك هذا بهتان عظيم (سورة النور الآية ۱۶)

كما في الهندية: أو قذف عائشة رضي الله عنها بالزنا كفر بالله (كتاب السير باب أحكام المرتدين ج ۲ ص ۲۶۴ طبع رشيدية كوئٹہ)

وأيضاً في الشامية: أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر (كتاب النكاح مطلب مهم في وطء السراري اللاتي ج ۳ ص ۴۲ طبع رشيدية كوئٹہ)

(۲) كما في الهندية: ويجب إكفار الروافض ... وأحكامهم أحكام المرتدين (كتاب السير الباب التاسع في أحكام المرتدين ج ۲ ص ۲۶۴ طبع رشيدية كوئٹہ)

كما في الشامية: وبهذا ظهر أن الرافضي الخ (كتاب النكاح مطلب مهم في وطء السراري اللاتي ج ۳ ص ۴۶ طبع رشيدية كوئٹہ)

قذفِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قائل کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شخص زید عقائد کے لحاظ سے ظاہراً مشرک ہے کہتا ہے کہ ائمہ کرام کو اور حضرت علی کو اور اولیاء کو اور انبیاء کو خدا نے مختار کردیا ہے کہ جو کچھ چاہیں عالم دنیا میں کر سکتے ہیں۔ اور قذفِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قائل ہے۔ ۲ چار حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر سب و شتم کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا شخص شرعاً کافر ہے یا نہیں اور ایسے شخص کو نام لے کر ظاہراً نظاہر کافر کہنا جائز ہے یا نہیں اگر یہ شخص کافر ہے تو اس کو کافر نہ کہنے والا بلکہ مسلمان سمجھنے والے کا کیا حکم ہے۔ ہم فقط ازروئے مسئلہ دریافت کر رہے ہیں، نہ کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا ہے اور نہ مقصود صرف شرعی حکم کیا ہے۔

جواب

عالم الغیب ہونا اور جمیع ما کان وما یکون کا علی التاکید عالم ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو الایۃ[1]۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ذات قادر و مختار مطلق ہے۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ والعیاذ باللہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نصوصِ قطعیہ قرآنیہ سے ثابت ہے۔ ان کے متعلق افک کا قائل ہونا کفر ہے[2]۔ اگر بالیقین معلوم ہو جاوے کہ فلاں شخص حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قائل ہے تو اسے بالتخصیص کافر کہنا جائز ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ایسی کوئی صورت اختیار نہ کی جاوے کہ جس سے ان لوگوں کو زیادہ موقع ان کفریات کا مل جاوے۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم[3]۔ بلکہ ان کو سمجھانے کی کوشش کی جاوے یا حکمت اور تدبیر سے لوگوں کو اس کے کفریات سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ واللہ اعلم۔[4]

---

۱) کما قال تعالیٰ: وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو" سورۃ الانعام، الآیۃ: ۵۹۔
کما فی شرح فقہ الاکبر: وبالجملۃ فالعلم بالغیب امر تفرد بہ سبحانہ الخ، ص ۲۲۲، طبع دار البشائر الاسلامیۃ۔ کما فی المسلم: قم یا حذیفۃ فاتنا بخبر القوم" باب غزوۃ الاحزاب، ج ۲ ص ۱۰۷، طبع قدیمی کتب خانہ۔
کما فی البزازیۃ: "من تزوج امرأۃ ... لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھذا کفر"، کتاب النکاح، الفصل الرابع، ج ۲ ص ۳۷۴، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔
۲) کما قالہ تعالیٰ: سبحانک ھذا بہتان عظیم، سورۃ النور، الآیۃ ۱۰۸۔
کما فی الہندیۃ: ولو قذف عائشۃ بالزنا کفر باللہ الخ (کتاب السیر باب احکام المرتدین، ص ۲۶۱، ج ۲، طبع رشیدیہ کوئٹہ) وایضاً فی الشامیۃ: او یقذف السیدۃ الصدیقۃ فھو کافر الخ (کتاب النکاح، مطلب مہم فی وطء السراری اللاتی، ص ۱۳۴، ج ۵، رشیدیہ کوئٹہ
۳) کما قال تعالیٰ ولا تسبوا الذین الخ (سورۃ الانعام، الآیۃ ۱۰۸)
۴) کما قال تعالیٰ: ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ الخ، سورۃ النحل، الآیۃ ۱۲۵۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کے منکر کا حکم

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ شیخین کریمین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا منکر اور ان کو سب وشتم اور ان پر لعنت کرنے والا مسلمان ہے یا کافر اور ایسی متعصب شیعہ کو مسلمان سمجھنے والا مسلمان ہے یا کافر بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾

شیعہ اگر ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو یعنی شیعہ غالی ہو۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا منکر ہو یا افک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قائل ہو یا تحریف قرآن کا قائل ہو یا جبرئیل علیہ السلام کے وحی لانے میں غلطی کا قائل ہو یا شیعہ تبرائی ہو جو سب صحابہ کو جائز اور کار خیر سمجھتا ہو تو ایسا شیعہ کافر ہے(۱) اور اس کے ساتھ مسلمان لڑکی کا نکاح ناجائز ہے(۲)۔ کما فی الشامیة نعم لا شک فی تکفیر من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها او انكر صحبة الصديق رضي الله عنه او اعتقد الالوهية في علي رضي الله عنه او ان جبريل عليه السلام غلط في الوحي او نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن ولكن لو تاب تقبل توبته (شامی باب المرتد ج ۳ ص ۳۲۱)(۳)

اور جو شیعہ قطعیات اسلام میں سے کسی عقیدہ کا منکر نہ ہو۔ لیکن سب شیخین کرتا ہو یا تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا قائل ہو تو وہ مسلمان ہے۔ لیکن مبتدع اور ضال ہے کما قال فی الشامیة بخلاف ما اذا کان یفضل علیا ویسب الصحابة فانه مبتدع لا کافر(۴) (شامی ج ۲ ص ۴۱۳) وایضاً فی الشامية واما الرافضي ساب الشيخين بدون قذف السيدة عائشة رضي الله عنها والانكار لصحبة الصديق ونحو ذلك فليس بكفر فضلا عن قبول التوبة بل هو ضلال وبدعة شامی، ج ۳ ص ۳۲۰)(۵)

ایسے شیعہ کے ساتھ اگرچہ نکاح جائز ہے(۶)۔ لیکن ان کے ساتھ بھی مناکحت نہ کی جائے کیونکہ اس میں

---

۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان (سب صحابہ کرنے والے شیعہ کا حکم) جزء نمبر ۱، ص ۲۶۰۔
۲) تقدم تخریجہ تحت عنوان (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والا کا حکم) جزء نمبر ۱، ص ۲۶۳۔
۳) كتاب الجهاد، مطلب في حكم سب الشيخين، ج ۶ ص ۳۶۴، طبع رشيدية كوئٹہ۔
۴) كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري اللاتي ... ج ۳ ص ۴۶، طبع رشيدية كوئٹہ۔
۵) كتاب الجهاد، مطلب في حكم سب الشيخين، ج ۶ ص ۳۶۴ طبع رشيدية كوئٹہ۔
۶) تقدم تخریجہ تحت عنوان (منی کھلانے والے شخص کے شیعوں جیسے اعمال) جزء نمبر ۱ ص ۱۱۹۔

متعدد شرعی قباحتیں موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ائمہ اربعہ کا مسلک

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسائل کہ:

(۱) زید کہتا ہے کہ اہل سنت میں تمام ائمہ کرام امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ داخل ہیں۔ ان حضرات کا مسلک بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل تھے اور تنقید سے بالا تھے۔ اگر زید کا قول صحیح ہے تو کم از کم امام اعظم کا قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت پر ضرور تحریر فرما دیں (۲) زید کہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کو جائز سمجھنے والے جدید اسلام پیش کرنا چاہتے ہیں کیا اس کی یہ بات ٹھیک ہے (۳) اب زید کے خلاف بکر کہتا ہے کہ صحابہ کرام کی فضیلت اپنی جگہ پر ٹھیک ہے میں مانتا ہوں لیکن ان میں اچھے برے ہر قسم کے موجود تھے۔ نعوذ باللہ بعض نے مال غنیمت چرا لیا اور زنا جیسے سنگین جرم کے مرتکب ہوئے اگر ان کو تنقید سے بالا سمجھا جائے تو شرک فی النبوۃ لازم آتا ہے (۴) بکر کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو تنقید سے بالا نہیں سمجھنا چاہیے آئمہ کرام کا بھی یہی مسلک تھا۔ خصوصاً امام مالک رحمہ اللہ کا قول بڑے دھڑلے سے پیش کرتا ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک بتاتا ہے امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی کا بنیادی مسلک یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنقید سے بالا نہیں کیا یہ ٹھیک ہے؟ (۵) بکر یہ بھی کہتا ہے کہ امیر جماعت اسلامی مکمل طور پر کلی اسلام کے قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے باقی جماعتوں نے تو بعض اجزاء کو لیا ہے اسلام کے بنیادی نظریات کی اصلاح وہی کر رہا ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے اور وہ صحیح کہتا ہے (۶) انگریزی طرز کے بال سر پر رکھنے کا جواز اور قبضہ سے کم داڑھی کتروانے کا جواز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع روحانی کو ثابت کرتا اور بسم اللہ پڑھ کر چھاتی ہوئی بندوق کے شکار کو مذبوح کا حکم دینا وغیرہ کو فقہی اختلاف سمجھتا ہے مودودی صاحب کو فقیہ اور مجتہد مانتا ہے۔ بینوا علی الصواب۔

﴿ج﴾

(۱) لفظ تنقید کے اصل معنی تو پرکھنے کے ہیں کہ کھرے کو کھوٹے اور کھرے کو کھر دلائل سے ثابت کرنا یہ کام تو اللہ نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور تمام محدثین و ائمہ مجتہدین کے نزدیک صاف متفق طریقہ پر یہ بات تسلیم کی جا چکی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کھرے ہی کھرے عادل ہیں۔ عدل میں کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی ان کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن شریف میں جگہ جگہ ان سے اپنی رضا ثابت فرمائی گئی ہے۔ وہ شخص کہ جس سے حق تعالیٰ کی رضا متعلق ہو اس کو کھرا نہ سمجھنا اور تنقید کر کے اس کے عیوب و نقائص ڈھونڈنا اور بیان کرنا تو خدا تعالیٰ کے فیصلہ پر ناروا تبصرہ اور اعتراض ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو

بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم[1] یعنی سے بھی پتا لگتا ہے اور صاف ارشاد ہے کہ جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے محبت رکھتا ہے۔ جو ان سے بغض رکھتا ہے (جو عیب لگانے کا سبب ہے) وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے اس لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عیب دار سمجھنا ان میں عیب نکالنا حضور کو عیب دار سمجھنا ہے۔ اور اس کو غور سے دیکھ لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا اسلام سے خارج کرنے کے معنی رکھتا ہے بلکہ ترمذی کی حدیث میں آگے یہ لفظ بھی ہیں۔ ومن آذاهم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذى الله ومن آذى الله يوشك ان يأخذه[2]۔ لہٰذا عیب لگانے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اذیت ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی اذیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت سے (اللہ کی اذیت اور اللہ کی اذیت سے دنیا و آخرت کا عذاب) قریب ہے کہ اس کو گرفت میں لے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ اصحابی امنة لامتی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی ما یوعدون[3]۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام امت کا امن فرما رہے ہیں ان کا ایسا کہنا دیکھ لیجیے حدیث کے کس قدر خلاف ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض واقعات جن کی حقیقت تک ہم لوگوں کی عقلیں نہیں پہنچتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ کما فی الطبرانی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بوعلی کے یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اذا ذکر اصحابی فامسکوا[4]۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تنقید یعنی پرکھنا یا یعنی عیب داری کا مستحق سمجھنا حدیث و قرآن و اجماع اہل سنت والجماعت سے حرام اور خلاف امت ہے۔ اور غور کیا جائے تو یہ بات تمام دین اسلام کی جڑیں اکھاڑنے والی ہے۔ قرآن و حدیث سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے واسطے سے امت کو پہنچا ہے ان کو عیب دار قرار دینا تمام دین کو مشکوک قرار دینا ہے۔ شک آیا اور

---

۱) کما فی الترمذی، ابواب المناقب، باب ما جاء فی فضل من بایع تحت الشجرة، ص ۲۲۵، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وایضاً فی المشکوٰۃ: (باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ، الفصل الثانی، ص ۵۵۴، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) کما فی الترمذی: ابواب المناقب، باب ما جاء فی فضل من بایع تحت الشجرة، ج ۲ ص ۲۲۵، طبع ایچ ایم سعید کراچی
کما فی المشکوٰۃ: (باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ، الفصل الثانی، ص ۵۵۴، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) کما فی المسلم: (باب فی بیان ان بقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ص ۳۰۸، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۴) کما فی شرح فقہ الاکبر، ص ۲۰۹، طبع دار البشائر الاسلامیۃ۔

منعه ذلک ای تنفیذه بعد الیهود عن الطعن فیهم فرای ذلک مجابا للایمان (نمبر ۲) یہ صحیح کہنا ہے[1] (نمبر ۳) شرک فی النبوۃ تو غلط ہے۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف و تعظیم قرآن کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعظیم و تکریم فرمائی اور ہم کو حکم دیا اور تمام اہل سنت والجماعت کا جس پر اجماع ہے اور جن کے متعلق خراب گمان کو ایمان کے خلاف قرار دیا گیا ہے ان کی تعظیم و تکریم کرنے سے ان کو نبی ماننا لازم نہیں آتا، اس کو شرک فی النبوۃ کہنا بالکل غلط ہے۔ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل ہے اور ان کی عظمت حضور ﷺ ہی کی وجہ سے ہے ان کی ذات کی وجہ سے نہیں جس وقت حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو ان سے محبت کرے گا میری محبت کی وجہ سے کرے گا جو بغض رکھے گا مجھ سے بغض کی وجہ سے بغض رکھے گا[2] یہ صحیح ہے کہ بعض صحابہ سے گناہ کا ارتکاب ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے۔ کلکم خطاؤن و خیر الخطائین التوابون[3] ان کو معصوم نہیں کہا جا رہا ہے بلکہ اگر گناہ کا صدور ہوا تو فوراً توبہ کرکے تیر ہونے کی سند حاصل کرلی حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق بخاری کی حدیث کے اخیر میں ہے فقال له النبی صلی الله علیه وسلم خیرا و صلی علیه[4] ان کو خیر فرمایا اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے تو ان کی عجب شان ہے۔ لقد تاب توبة لو قسمت بین امة لوسعتهم مسلم (الکتب الستہ حدیث ۴۴۹۵/ص ۹۷۸)[5] ایسی بے مثال توبہ ہے۔ صحابہ شرعیات سے بھی معصیت کا صدور بعید نہیں ہے مگر حسب ارشاد توبہ بھی ان کی ایسی ہوئی ہے جیسے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی کہ پوری امت پر تقسیم کر دی جائے تو سب کو کافی ہے۔ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ان حضرات سے گناہوں کا صدور اور توبہ کا ظہور کرا دیا۔ ورنہ بعد والے مومنوں کے لیے تو ہر گناہ موت ہوتا اور وہ کہاں کے

---

(۱) کتاب کے سوال کا جزو نمبر ۲، کما قال تعالیٰ: یریدون لیطفئوا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو کره الکفرون، سورة الصف، الآیة ۸۔

(۲) سوال کے جزو نمبر ۳ میں کما فی المشکوة، فمن احبهم فبحبی احبهم الخ، باب مناقب ابی بکر رضی الله عنه، الفصل الثانی، ص ۵۵۴، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔
وایضاً فی الترمذی: ابواب المناقب، باب ما جاء فی فضل من رای النبی صلی الله علیه وسلم، ج ۲ ص ۲۲۵، ایچ ایم سعید کراچی۔

(۳) کما فی المشکوة: باب الاستغفار، الفصل الثانی، ص ۲۰۴، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔
ایضاً فی ابن ماجه، باب ذکر التوبة، ص ۳۲۳، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

(۴) کما فی الترمذی: ابواب الحدود، باب ما جاء فی درء الحد عن المعترف اذا رجع، ج ۱ ص ۲۶۴، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وایضاً فی البخاری، باب الرجم بالمصلی، ج ۲ ص ۹۹۴، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وایضاً فی البخاری، باب الرجم بالمصلی، ج ۲ ص ۱۰۰۷، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

(۵) کما فی المسلم: (باب حد الزنا، ج ۲ ص ۶۸، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

پیش کی اور دو آدمی ابھی تک اپنے الفاظ واپس نہیں لیتے۔ براہ کرم جواب سے نوازیں۔

نوٹ: دو آدمی امام مسجد بھی ہے جس کے متعلق فتویٰ طلب کیا گیا ہے۔ اسماعیل بقلم خود۔

﴿ج﴾

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جلیلۃ القدر فقیہہ تھیں آپ کی فقاہت اور مسائل میں مہارت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں متفق علیہ ہے[۱]۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے[۲]۔ اس لیے ان کے بارے میں اس قسم کے خفیف الفاظ استعمال کرنا جن سے مقصد ان کی تحقیر (العیاذ باللہ) ہے[۳]۔ اس بات سے توبہ کرنا لازم ہے[۴]۔ کیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کر کے آخرت کو خراب کرتے ہیں[۵]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ شوال ۱۳۷۰ھ

شیعہ سے ہدیہ لینے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک اہل سنت والجماعت کا پڑوسی شیعہ ہے، جب وہ شیعہ

---

۱) كما في الترمذي، عن أبي موسى قال ما أشكل علينا أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم حديث قط فسألنا عائشة رضي الله عنها إلخ، أبواب المناقب، باب من فضل عائشة رضي الله عنها، ج ٢ ص ٢٢٧، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

وأيضاً: في حلية الأولياء، حدثنا الحسن ..... ما رأيت أحداً من الناس أعلم بالقرآن ولا فريضة ..... من عائشة رضي الله عنها إلخ، ذكر النساء الصحابيات، عائشة زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج ٢ ص ٥٣، طبع دار إحياء التراث العربي، بيروت۔

۲)

۳) كما في الترمذي، عن عائشة رضي الله عنها ..... قال يا أم سلمة ... لا تؤذيني في عائشة ... إلخ (أبواب المناقب، فضل عائشة، ج ٢ ص ٢٢٦، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

وأيضاً في البخاري: (أبواب المناقب، باب فضل عائشة، ج ١ ص ٥٣٢، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔

۴) كما قوله تعالى: إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة إلخ (سورة النساء: الآية ١٧۔

وأيضاً قوله تعالى: توبوا إلى الله توبة نصوحا، سورة التحريم، الآية ٨۔

۵) كما في الترمذي: ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله إلخ (أبواب المناقب، ج ٢ ص ٢٢٥، طبع ايچ ايم سعيد كراچی)۔

بیاہ شادی تقریبات تعزیت عیادت بیمار پرسی جنازہ وغیرہ امور میں شرکت کرتے ہیں۔ کیا ہم بھی ان سے ان جملہ امور میں یا بعض امور میں انسانی ہمدردی یا اخلاق حسنہ کے تحت شمولیت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہمارے کسی عالم سے وہ نکاح وغیرہ کرانا چاہیں یا نابالغ کا جنازہ پڑھوانا چاہیں تو کیا حکم ہے۔ براہ کرم تفصیل سے جواب مرحمت فرمادیں کہ ہمیں کن کن امور میں ان سے قطع تعلق اور کن امور میں تعلق رکھنا چاہیے۔ سب وشتم سے یا بعض صحابہ کرام کی تحقیر سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں۔ براہ کرم جلد جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

﴿ج﴾

شیعہ کا وہ فرقہ جو سب شیخین نہ کرے اور اصحاب کو برا نہ کہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قذف کا قائل نہ ہو اور کوئی عقیدہ کفریہ نہ رکھتا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جاوے اور اگر اہل سنت والجماعت بھی ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا پڑھادیں تو کچھ حرج نہیں اور کوئی تعزیر نہیں[1] اور میل جول ان سے منع نہیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شیعوں سے تعلقات رکھنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارا گاؤں جس میں کچھ گھر اہل شیعہ ہیں اور کچھ اہل سنت ہیں۔ اب مقصد یہ ہے کہ ہم یہاں کے رہنے والے اپنے گاؤں میں یہ تبلیغ کرتے ہیں۔ کالا کپڑا پہننا، مجلس عزا کرنا، پیٹنا وغیرہ منع ہیں، اسی طرح تعزیہ نکالنا یا نذر و نیاز دینا اس کا کھانا پینا سب منع ہیں۔ یا شیعوں کی مجالس میں اٹھنا بیٹھنا منع ہے۔ تو اہل شیعہ اس کے برعکس لوگوں کو دوری جھگڑا کرنے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے ہم سب آپس میں قریبی رشتہ دار ہیں۔ مثلاً چچا، ماموں، بھانجا اور بھائی ایسے اور لیکن اس مذہب کی خاطر ایک دوسرے سے بولنا چالنا بند ہے اور رشتہ داری کی لین دین یا کھانا پینا بند ہے۔ حتیٰ کہ شیعوں نے ہم پر مقدمہ بھی کیا۔ لیکن رب پاک

---

(۱) كما في الشامية: بخلاف ما إذا كان يفضل علياً أو يسب الصحابة فإنه مبتدع لا كافر، كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري اللاتي، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشيديه كوئٹه۔

كما في البحر الرائق: والرافضي إن فضل علياً على غيره فهو مبتدع (الخ)، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٦١١، طبع رشيديه كوئٹه۔

كما في الشامية: أما الرافضي ساب الشيخين ... فليس بكفر، كتاب الجهاد، مطلب سب الشيخين، ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشيديه كوئٹه۔

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان (شیعہ سے مذہبی لین دین کی شرعی حیثیت) جز نمبر ۵ ص ۳۶۸۔

الجواب صحیح۔ لیکن مذہبی امور میں سختی سے اپنے موقف پر قائم ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے فسادات سے احتراز کیا جاوے[1]۔ تبلیغ دین میں احسن طریق کو اختیار کیا جاوے[2]۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

ایسا شخص سنی نہیں کہلا سکتا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک اہل سنت والجماعت کے مزار کا سجادہ نشین شیعہ جو کہ قرآن پاک ناظرہ بھی نہیں پڑھ سکتا اس نے اپنے اہل شیعہ امام مسجد رکھے ہوئے ہیں۔ جس کے ایک فرد نے سٹیج پر دیدہ دانستہ حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سخت بری طرح غلیظ الفاظ میں توہین کی ہے اور سجادہ نشین ان کا سرکردہ سرپرست ہے۔ کیا اہل سنت والجماعت ایسے پیر کی بیعت کر سکتے ہیں اور جو پہلے بیعت کر چکے ہیں وہ اس بیعت پر قائم رہ سکتے ہیں یا نہیں اور اگر کوئی ایسی صورت میں قائم رہے تو وہ اہل سنت میں شمار ہو سکتا ہے اور وہ سنی اپنے آپ کو کہلا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ **لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ۔** (رواہ البخاری ومسلم کتب)[3] یعنی میرے صحابہ کو برا مت کہو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی صدقہ کرے تو وہ ان کے ایک سیر اور نصف سیر کی برابری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح متعدد آیات واحادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان بیان کی گئی ہے[4]۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں گستاخانہ کلمات کہنا ناجائز اور حرام ہیں۔ ایسے لوگوں کی سرپرستی کرنے والے شیعہ سجادہ

---

1) کما قال تعالی: ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ الخ، سورۃ الانعام، الآیۃ ۱۰۸۔

2) کما قال تعالی: ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ الخ، سورۃ النحل، الآیۃ ۱۲۵۔

3) کما فی المسلم: باب تحریم سب الصحابۃ، ج ۲ ص ۳۱۰، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
وبمعناہ فی البخاری، کتاب المناقب، باب فضل ابی بکر رضی اللہ عنہ، ج ۱ ص ۵۱۸، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

4) صحابہ کے بارے میں آیات واحادیث منقول ہیں تحت عنوان (صحابہ کرام کے بارے میں ائمہ اربعہ کے مسلک) ص ۲۹٤۔

شخص کی بیعت ناجائز ہے۔ جو ایسے شیعہ سجادہ نشین سے بیعت ہوں وہ اپنی بیعت اس سے توڑ دیں[1]۔ جو شخص اس پیر کے شیعیت کے عقائد سے واقفیت رکھتے ہوئے اس کی بیعت پر قائم رہے اور اسے اپنا پیشوا و مقتدا سمجھے ایسا شخص سنی نہیں کہلا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پیر کے عقائد و اعمال کیسے ہونے چاہئیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک پیر صاحب اپنے مریدوں کو مندرجہ ذیل تبلیغ کرتا ہے اور تحریر بھی کہ اپنے پیر و مرشد کو مقامات عالیہ پر پہنچا ہوا اعتقاد کرو تاکہ تمہیں فیض زیادہ حاصل ہو۔ اگر شیخ و مرشد میں کوئی شرعی نقص و عیب دیکھو تو اس میں نہ سمجھو بلکہ اپنا سمجھو۔ اگر مرشد حکم دے عورت کے طلاق کا یا زنا کا حکم دے یا شراب سے مصلیٰ بھرنے کو جیسے حافظ کا شعر اس کی تائید میں پڑھا جاتا ہے

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

تو طاعت کرنی ضروری اور لازمی ہے۔ پیر صاحب غیر محرم رشتہ دار مریدوں سے اپنی عورتوں کا پردہ نہیں کراتا۔ اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ تبلیغ بالا شرعاً درست ہے یا نہ؟ اور ایسے مرشد کی بیعت شرعاً جائز ہے یا نہ؟ اور جو لوگ بیعت ہو چکے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

حقیقت میں کسی کو پیر و مرشد بنانے سے قبل اس کو خوب دیکھا جائے کہ اس میں شیخ بننے کی اہلیت ہے یا نہ؟ سب سے بڑی بات علوم دینیہ سے واقفیت اور اتباع سنت ہے۔ پھر جب عالم دین متبع سنت صاحب اخلاق فاضلہ بزرگ سے ارادت و عقیدت ہو تو یقیناً ان کو مقامات عالیہ پر فائز خیال کرنا ہوگا اور اسی صورت میں اس سے فیض کا استفادہ بھی ہو سکے گا۔ بغیر عقیدت کے فیض کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ زانی

---

(۱) کما فی شرح العقائد: والولی هو العارف باللہ تعالیٰ وصفاته الخ (باب کرامات الاولیاء، ص ۱۰۰، طبع دار الاشاعة العربیة، قندھار وایضاً کو الہندی جوك کراچی)۔
وایضاً فی النبراس، بشرط انه کونه محفوظاً کما یشترط فی النبی کونه معصوماً، المقدمة، مطلب یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل، ج ۱ ص ۱۱۰، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وایضاً فی النبراس حتی یخرج بالکبیرة والاصرار الصغیرة (ص ۲۹۵)، طبع امدادیه ملتان۔

اور جہالت سے کسی بدعتی جاہل کو جو نہ سنتِ نبوی سے واقف ہو اور نہ اس پر عامل ہو، مرشد بنالیا تو اس کو بھی مقامات عالیہ پر خیال کرکے اس سے فیض حاصل کرنا چاہے۔ جس کی زندگی مخالفتِ سنت اور بدعتوں میں گزر رہی ہو تو وہ خود گمراہ ہے۔ اس سے تعلق رکھنا گمراہی ہے۔ اس کو مقامات عالیہ پر فائز سمجھنا جہالت ہے اور فیض کا حصول اس سے ناممکن ہے[1]۔ شیخ میں اگر کوئی شرعی عیب نظر آوے تو حتی الوسع اس کی صحیح تاویل کرلی جائے[2]۔ اگر تاویل ممکن نہ ہو تو یہ سمجھا جاوے کہ معصوم تو کوئی نہیں ہے۔ شیخ میں بھی کوتاہی ہوسکتی ہے۔ اس کوتاہی کے باوجود اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ تو اس کی بیعت کو نہ توڑے۔ وہ اگر کوتاہی اس قسم کی ہے کہ باوجود کہنے سننے کے اس کی اصلاح ناممکن ہے اور اس کوتاہی کے باوجود اس سے متعلق رہنا مشکل ہو تو بیعت توڑ کر دوسرے شیخ کی تلاش کی جاوے۔ یہ غلط ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہیں ہوسکتی بلکہ اس کی غلطی کو اپنی غلطی سمجھا جاوے۔ اگر عورت اچھی ہے یا باہم زوجین میں کوئی منافرت نہیں ہے، تو پیر نہ تو اس کی طلاق کا حکم دے گا اور نہ اس کو طلاق دینی چاہیے[3] اور اگر کوئی پیر بلا ضرورت بدون کسی خاص وجہ کے طلاق کا حکم یا کسی دوسری معصیت کا حکم دے تو اس کی اطاعت لازم نہیں ہے۔ لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق یہ حکم شرعی ہے۔ ایسے پیر کی بیعت جائز نہیں ہے[4]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۲/۶/۱۳۷۶ھ

قوالی سننے والے پیر کا مرید بننے سے متعلق

(سوال)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک پیر صاحب لوگوں کو مرید بناتے ہیں اور اکثر اوقات قوالی

---

(۱) دیکھنا چاہیے۔ تفصیل کے لئے زیر عنوان (ایسے شخص کی بیعت نہیں کی جاسکتی) از نمبر ص ۲۳۰۔

(۲) كما في المشكوة: "عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حسن الظن من حسن العبادة". باب ما ينهى عنه من التهاجر الخ، الفصل الثاني، ص ۴۲۹، طبع قديمي كتب خانه كراچى۔

(۳) كما في الشامية: مال المعصومة لبيت المال الخ (كتاب الجهاد، مطلب احصوا على كفر مرتد) ج ۴ ص ۲۵۵، طبع رشيديه كوئٹه۔

(۴) كما في المشكوة: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔ كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني، ج ۱ ص ۳۲۱، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔

وأيضاً في الشامية: لا طاعة لمخلوق الخ (كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع) ج ۶ ص ۴۲۷، طبع رشيديه كوئٹه۔

وأيضاً في التفسير المظهري: فلا يجوز اطاعة في الظلم والمعصية الخ (في تفسير سورة البقرة، تحت آية لاينال عهدي الظالمين) ج ۱ ص ۱۲۴، طبع بلوچستان بك ڈپو مسجد روڈ كوئٹه۔

کراتے ہیں۔ قوالوں کے پاس باجے ڈھولک ہوتے ہیں اور قوالی کے ساتھ خوب تالیاں بجاتے ہیں۔ تو کیا ایسے پیر کا مرید بننا جائز ہے یا نہیں اور کیا ایسی قوالی سننا جائز ہے یا نہیں۔

ضیائی احسان الحق نقشبندی قادری بزبان سنڈی ضلع بہاولپور

{ج}

پیر مذکور خود راہ راست سے ہٹا ہوا ہے اس کا مرید ہونا کس طرح جائز ہو سکتا ہے[1]۔

فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی قاسم العلوم ۷-۷-۱۴۰۰ھ

سنی امام نے تبرائی کا جنازہ پڑھایا

{س}

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک امام نے (جو اہل تحریک کا دینی مقتدا بھی شمار ہوتا ہے) ایک شیعہ کا جنازہ پڑھایا ہے۔ وہ شیعہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصاً اور صحابہ کو عموماً سب کیا کرتا تھا۔ ہر وقت ایسا نہیں کرتا تھا لیکن کبھی کسی مجلس میں بحث ہوتی تو اس کی زبان سے تبرا سنا گیا اور شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی نامناسب قسم کے الفاظ کہہ دیتا تھا۔ اگر اس امام نے اسے مسلمان سمجھا اور اس کے جنازے کو جائز سمجھ کر پڑھایا تو کیا حکم ہے اور اگر محض کسی دباؤ یا دنیاوی غرض سے پڑھایا ہے تو کیا حکم ہے۔ کیا یہ امام فاسق ہے یا نہیں اگر فاسق ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز۔ مزید برآں توبہ کی کیا صورت ہے۔ اعلانیہ توبہ ضروری ہے یا مخفی توبہ کافی ہے۔ بینوا توجروا۔

{ج}

واضح رہے کہ جو شیعہ کسی مسئلہ ضروریہ کا انکاری ہو مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو یا تحریف قرآن کا قائل ہو۔ یا جبرائیل علیہ السلام کو وحی پہنچانے میں غلطی کرنے کا قائل ہو۔ یا صحبت صدیق رضی اللہ عنہ کا انکاری ہو یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت (قذف) لگاتا ہو۔ یا سب صحابہ کو جائز اور کار خیر سمجھتا ہو تو یہ کافر ہے اور اس کا نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں[2]۔

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان (ایسا شخص سنی کہلانے کا مستحق نہیں) جلد نمبر ۱ ص ۲۳۰۔

(۲) كما في الشامية. نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها الخ (كتاب الجهاد، مطلب في حكم سب الشيخين، ج ۶ ص ۳۶۱، طبع رشيديه كوئٹه۔

وكذا في البحر الرائق: ويقذف عائشة رضي الله عنها الخ، كتاب السير باب احكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۰۴، طبع رشيديه كوئٹه۔

كذا في الهندية ويجب اكفار الروافض ...... الخ، كتاب السير باب التاسع في احكام المرتدين، ج ۲ ص ۲۶۴ طبع رشيديه كوئٹه۔

قال ابن عابدين في رد المحتار ج ۲ ص ۳۱۳ وبهذا ظهر ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الالوهية في علي او ان جبريل غلط في الوحي او كان ينكر صحبة الصديق او يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة(1)۔ یونہی اگر اسلام کے کسی مسئلہ ضروریہ کا انکاری نہ ہو تو وہ مسلمان ہے اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ قال في رد المحتار ۲-۳۱۴ بخلاف ما اذا كان يفضل عليا او يسب الصحابة فانه مبتدع لا كافر(2). الخ۔

مسئولہ صورت میں اگر یہ شیعہ پہلی قسم کا تھا تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا ناجائز تھا(3) اور دوسری قسم کا تھا تو جائز(4)۔ باقی یہ ایک خاص واقعہ ہے کہ مولوی صاحب نے جس شیعہ کا جنازہ پڑھا ہے وہ کس قسم کا تھا اور مولوی صاحب نے کس بنا پر جنازہ پڑھا۔ تحقیق سے پتہ چل سکتا ہے۔ لہذا سوال میں مختلف قسم کے شیعوں کے بارے میں علیحدہ حکم کا تعین تحقیق کے بعد ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ صفر ۱۳۹۹ھ

سنی امام کا شیعہ کا نکاح پڑھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب جن کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے اور مذہب شیعہ کے لوگوں کا جن لوگوں کے متعلق انہیں یقین ہے کہ وہ سب شیخین رضی اللہ عنہم کرتے ہیں۔

---

۱) كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري اللاتي يؤخذ ج ۴ ص ۱۳۴، طبع رشيديه كوئٹه۔

۱) كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري اللاتي يؤخذ ج ۴ ص ۱۳۴، طبع رشيديه كوئٹه

وايضاً في البحر الرائق والرافضي ان فضل عليا الخ (كتاب الصلوة، باب الامامة، ج ۱ ص ۶۱۱، طبع رشيديه كوئٹه۔

۳) كما في الشامية: وشروطها ستة (اسلام الميت وطهارته) فلا تصح على الكافر الخ (كتاب الجنائز، فصل احق بصلاته، ج ۲ ص ۲۰۷، طبع رشيديه كوئٹه

ومثله في الهندية: كتاب الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت، ج ۱ ص ۱۶۲-۱۶۳ طبع رشيديه كوئٹه

۴) كما في الهندية: ومن قتل بحق بسلاح او غيره الخ، كتاب الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت، ج ۱ ص ۱۶۳، طبع رشيديه كوئٹه۔

كما في الدر المختار: وهي فرض على كل مسلم خلا اربعة بغاة وقطاع الطريق الخ كتاب الصلوة، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي، ج ۲ ص ۱۲۰، طبع رشيديه كوئٹه۔

وهكذا في البدائع: كتاب الصلوة فصل في شرائط وجوبه، ج ۱ ص ۳۰۲، طبع رشيديه كوئٹه

منسلک ہے۔ اس کے والدین بھی جمعیت علماء اسلام سے منسلک ہیں۔ وہ ہر وقت جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھتا ہے اور تشہیر کرتا رہتا ہے۔ اس کے والدین مجھ سے رشتہ طلب کرتے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ رشتہ قانون اسلام کی رو سے جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مودودی صاحب کے متعلق اکابر دیوبند مثلاً مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا نصیرالدین صاحب غورغشتوی اور اسی طرح دیگر علماء کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ مودودی ضال مضل ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کی ذوات پر اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں ناپاک حملے کیے ہیں۔ اسی طرح چند دیگر مسائل متفق علیہا بین الائمہ میں اپنی منفردانہ رائے ذکر کر چکے ہیں۔ جس کی تفصیل آپ ان سے متعلق رسائل میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

پس مودودی صاحب کا ان مخصوص خیالات و مجتہدات میں پیروکار شخص ضال و فاسق شمار ہوگا[1]۔ لہٰذا ایسے فاسق شخص کو رشتہ دینے سے اجتناب کرنا ضروری ہے[2]۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق نکاح میں دینداری کا لحاظ رکھنا باقی امور سے مقدم ہے[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸۔۵۔۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۸۔۶۔۱۳۹۰ھ

مودودی صاحب کی کفریہ تحریریں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا جس کی سزا میں انہیں بہشت سے باہر نکلنا پڑا اور یونس علیہ السلام سے گناہ سرزد ہوا جس کی سزا میں انہیں مچھلی کے

---

(۱) خیر الفتاویٰ، ج ۱ ص ۴۴۳، مکتبہ امدادیہ ملتان۔
احسن الفتاویٰ، ج ۱ ص ۳۰۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
فتاویٰ حقانیہ، ج ۱ ص ۴۴۰، طبع جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔
(۲) تقدم تخریجہ تحت عنوان (مذہب شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں) حوالہ نمبر ۴، ص ۲۱۶۔
(۳) کما فی البخاری: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ ... قال تنکح المرأۃ لاربع لمالہا الخ
(کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، ج ۲ ص ۷۶۲، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔)

پیٹ میں تیر بھونکتی بڑی اور موسیٰ علیہ السلام کے سر بھی قتل کا گناہ تھوپا ہے۔ عصمت انبیاء کے بارے میں اسے سمجھایا گیا مگر وہ نہ مانا کہا کہ میرا عقیدہ یہی ہے جو میں رکھتا ہوں اب یہ پوچھنا ہے کہ یہ شخص اہل سنت والجماعت کے ساتھ قربانی میں اور نمازوں میں بغیر تائب ہونے کے شریک ہو سکتا ہے۔

مودودی کی تصنیف شدہ کتابوں کو اپنا موقف ہدایت سمجھتا ہے اور وہ عبارتیں جو کتب مذکورہ میں سراسر اسلام کے خلاف انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین سے بھری ہیں۔ اس شخص کے نزدیک حق ہیں۔ کتابچے اٹھا اٹھا کر عوام الناس جو کہ حنفی المسلک ہیں کو دکھاتا پھرتا ہے کہ تراویح آنحضور کب تھیں اس طرح اور باتوں میں عوام اور سادہ دلوں کو مشوش کرنے میں کوشش جاری رکھتا ہے۔ ایسے شخص کی صحبت سے کیا لوگوں کو منع کرنا چاہیے؟

﴿ج﴾

انبیاء علیہم السلام کی عصمت طہارت اور نزاہت کا اعتقاد جزو ایمان ہے۔ ان کا باطن مادہ معصیت سے بالکلیہ پاک ہوتا ہے۔ انبیاء کرام سے اگر کوئی لغزش بطریق سہو ونسیان صادر ہوتی ہے تو وہ باہر سے آتی ہے اندر سے نہیں۔ وہ محض صورت کے اعتبار سے معصیت ہوتی ہے حقیقت کے اعتبار سے طاعت ہوتی ہے۔ بلکہ این خطا از صد صواب اولیٰ تر است کا مصداق ہوتی ہے[1]۔ جو شخص ان لغزشوں کو علی الاطلاق گناہ کہنے پر مصر ہے۔ وہ مبتدع ہے[2] قربانی وغیرہ میں شریک کیا جا سکتا ہے[3]۔ عوام المسلمین کو ایسے شخص سے بے ضرورت میل جول سے منع کیا جاوے[4]۔ الدین النصیحۃ[5]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) كما في شرح فقه الأكبر: والأنبياء عليهم الصلوة والسلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر الخ، ص ۱۶۹ طبع دار البشائر الإسلامية۔
كما في شرح العقائد: وفي عصمتهم عن سائر الذنوب الخ (ص ۱۰۲، طبع دار الاشاعة العربية كوئٹہ۔
۲) كما في البخاري، سباب المسلم فسوق الخ (باب ما ينهى عن السباب واللعن، ص ۸۹۳، ج ۲، طبع قديمي كتب خانه كراچی(
۳) كما في الهندية: ويجب أن يعلم ...... من سبعة لما كانوا يريدون وجه الله الخ (كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ج ۵، ص ۳۰۴، طبع رشيديه كوئٹہ۔
كما في البدائع: لا تجزي عن سبعة والبقرة تجزي عن سبعة، كتاب التضحية، فصل اما محل اقامة الواجب، ج ۵ ص ۷۰، طبع رشيديه كوئٹہ۔
۴) تقدم تخريجه تحت عنوان (شيعه سے عقيدت كی شرعی حيثيت) جزء نمبر ۵ ص ۲۲۸۔
۵) كما في المشكوة، باب الشفقة والرحمة على الخلق، ج ۱ ص ۴۲۳، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔
وأيضاً في المسلم: باب بيان الدين نصيحة، ج ۱ ص ۵۴، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔

حقیقی اور کامل عصمت انبیاء کرام کو حاصل ہے کہ باوجود مادہ معصیت اور اسباب معصیت بہ تمام موجود ہونے کے پھر ان سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا۔

مودودی صاحب کو دینی رہنما تسلیم کرنا

﴿س﴾

جناب حضرت مفتی صاحب! ہم عامی لوگ ہیں۔ علم دین سے کما حقہ ناواقف ہیں۔ خود اپنی رہنمائی نہیں کر سکتے۔ جناب سے درخواست ہے کہ ہماری آخرت کی بھلائی کو سامنے رکھ کر کتاب و سنت کی روشنی میں واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یہ فرماویں کہ کیا جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی اس لائق ہیں کہ ان کو اپنا دینی رہنما تسلیم کیا جائے۔ ان کے عقائد کو کسوٹی پر پرکھا جائے اور ان کی آواز پر لبیک کہا جاوے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب مودودی صاحب عالم نہیں ہیں۔ ان کو اپنا دینی مقتدا بنایا جائے اور نہ ان کے ان مخصوص عقائد کو (جن میں وہ منفرد ہیں اور علماء نے مختلف رسائل میں ان کی نشان دہی کی ہے) صحیح سمجھا جائے۔ متعدد اکابر علماء نے مودودی صاحب کو گمراہ کہا ہے۔ موصوف کے ان عقائد کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اگر ضرورت ہو تو اس قسم کے رسائل دفتر ترجمان اسلام لاہور سے منگوالیں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاکسار تحریک سے منسلک لوگوں کے ساتھ تعلقات کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) عنایت اللہ مشرقی اور اس کی جماعت خاکسار اہل حق کی نظر میں کس پایہ اور پوزیشن کے حامل ہیں۔ شرعی فتویٰ ان کے متعلق کیا ہے۔

(۲) خاکسار جماعت کا کوئی رکن ہماری مساجد و مدارس دینی اداروں میں بحیثیت مشیر یا سرپرست یا رکن کام کر سکتا ہے یا نہیں؟ ہم سب مستعد ہیں ان کے حامی یا مؤید ہیں ان کے متعلق شرعی فیصلہ کیا ہوگا۔

(۳) دینی اداروں مساجد و مدارس میں ان کی رقم لگانا اور ان سے معاونت قبول کرنا درست ہے یا نہیں۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے تحت عنوان (مودودی عقائد رکھنے والے شخص کے ساتھ تعلقات رکھنے کا حکم) جزء نمبر ۱ ص ۲۳۵۔

(۴) خاکسار کے افراد کے ساتھ دوستانہ تعلقات نشست و برخاست خوشگوار ماحول پیدا کرتا لیتا ہے۔
(۵) کن مسائل میں یہ جماعت اہل حق کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

علامہ مشرقی کی کتاب تذکرہ اور اشارات وغیرہ میں بہت سے مسائل اسلامی شریعت کے قطعی اور واضح اصول کے خلاف ہیں۔ "مولوی کا غلط مذہب" کے کئی نمبر بھی علماء کرام کی توجہات کے حامل ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے متذکرہ نظریات پر اعتقاد رکھتا ہے اسے دینی اداروں میں سرپرستی تو کیا کسی قسم کی مداخلت کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ اس طرح دینی اداروں میں ان فاسد خیالات کی اشاعت کا شدید خطرہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے احتراز کرنا اور بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے[1]۔

اسی طرح ان کی مالی معاونت قبول کرنے سے بھی لا محالہ غیر شعوری طور پر ان کا اثر اداروں پر پڑے گا۔ اس سے بھی بچنا لازم ہے۔ ان سے تعلقات ان کی اصلاح کی خاطر صرف وہ لوگ رکھ سکتے ہیں جو اس کی اہلیت رکھتے ہوں ورنہ جو لوگ اس کے برعکس ان کے عقائد و نظریات سے ان کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی صورت میں اثر پذیر ہو سکتے ہیں ان کو احتراز لازم ہے[2]۔ مسائل مختلفہ اور عقائد فاسدہ ان کے کثیر ہیں۔ فتویٰ میں اس کی تفصیل پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے ان کی کتب کا مطالعہ کرنے سے بالوضوح ان مسائل پر عبور حاصل ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰-۵-۱۳۸۸ھ

اللہ کی شان میں گستاخی کرنے کی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے کہا کہ خداوند تعالیٰ کو مسلمانوں کے تمام ممالک اکٹھے پیدا کرنے چاہیے تھے۔ جب کفار مسلمانوں پر حملہ کرتے تو مسلمانوں کی بھاری طاقت ہوتی اور دشمنوں کو ختم کر دیتے پھر اسی شخص نے کہا کہ میں خدا سے یہ پوچھتا ہوں کہ خدا کو مسلمانوں کے اس طرح ذلیل و خوار کرنے

---

۱) كفاية المفتي، ج ۱ ص ۳۰۶، ص ۳۰۸، ص ۳۱۲، طبع دار الاشاعت كراچی، محمودیہ ص ۳۰۹، طبع جامعہ فاروقیہ كراچی۔

۲) ان کی مدد کما قال تعالیٰ۔ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان الخ (سورة المائدة ۲)
ايضاً قاله تعالیٰ: ولا تركنوا الى الذين ظلموا الخ (سورة هود الآية ۱۱۳)۔

سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ پھر اسی شخص نے کہا کہ خدا کو یوں نہیں یوں کرنا چاہیے تھا وہ کہتا ہے کہ اگر خدا میری مانتا تو
خدا کو یوں کرنا چاہیے تھا، جیسا اس نے کیا ہے خدا کو نہیں کرنا چاہیے تھا۔

یعنی اس شخص کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے کیا یعنی مسلمانوں کے ممالک کو ایک دوسرے سے دور دور
رکھا اور کفار کی طاقت کو بڑھایا یعنی اس طرح خدا کو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جب اس شخص کو ان باتوں سے روکا گیا تو
وہ غصہ میں آ کر کہنے لگا کہ کیا بندہ کو خدا سے پوچھنے کا حق یا سوال کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ تو وہ شخص بار بار اپنی بات
پر اصرار اور کہتا رہا کہ اگر خدا میری مانتا تو اس طرح کرتا۔ اگر خدا میری مانتا تو اس طرح نہیں اس طرح کرتا۔ اور
خدا کو یوں نہیں کرنا چاہیے تھا تو شریعت محمدی میں اس شخص پر کیا فتویٰ صادر ہوتا ہے۔ مع حوالہ کتب ثابت فرمائیں۔
اور جو لوگ اس کی تائید و تصویب کرتے ہیں اور عقلی دلائل سے اس کے مدعا کا اثبات کرتے ہیں مثلاً کوئی
شخص اس کے اس فقرہ کو دہرائے کہ اگر خدا میری مانتا تو خدا کو یوں کرنا چاہیے تھا۔ اگر کا لفظ لگانے سے وہ گنہگار
نہیں ہوتا ان کے متعلق شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اس شخص کے یہ الفاظ (کہ میں خدا سے پوچھتا ہوں کہ خدا کو مسلمانوں کو اس طرح
ذلیل و خوار کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے) نہایت گستاخانہ اور بے ادبی کے ہیں۔ بلکہ قرآن کے خلاف ہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون [1]۔ یعنی خدا جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے
سوال نہیں کیا جا سکتا اور لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان سے سوال کیا جائے گا۔ یہ الفاظ کہ کیا بندہ کو خدا سے پوچھنے کا
حق یا سوال کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس کا عقیدہ بالکل قرآن کے خلاف اور گستاخانہ ہے۔ لہٰذا اس شخص کو خدا
سے توبہ کرنی چاہیے اسی طرح خدا کسی کے مشوروں کا بھی محتاج نہیں کیونکہ وہ قادر ہے مالک ہے اور ہر چیز پر
تصرف کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے فضل و کرم سے بندہ کے لیے بہتر ہی کرتا ہے۔ اگرچہ
بندہ اپنی نظر سے اس کو برا سمجھتا ہو۔ قرآن میں ہے عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسی ان
تحبوا شیئا وھو شر لکم [2] کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور کسی چیز کو تم اچھا سمجھو اور
اللہ کے نزدیک وہ چیز تمہارے لیے بری ہو۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو یہ شخص ذلت سمجھتا ہے وہ عزت کا سبب
بن جائے۔ غرض یہ کہ اس کے تمام الفاظ خدا کی شان میں گستاخانہ ہیں اور اسلام سے خارج کرنے والے

---

(۱) پارہ نمبر ۱۷، سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۲۳۔
(۲) پارہ نمبر ۲ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۱۶۔

ہیں[۱]۔ اس کو خدا سے توبہ کرنی چاہیے[۲]۔ فقط واللہ اعلم۔

نوٹ: اس کی تائید کرنے والے بھی گنہگار ہیں۔ اگر کہنے سے واقعی گستاخی نہیں بھی نکلتا، بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوائی والے کو خدا کے فعل سے زیادہ بہتر جانتا ہے اور یہ تنقیص شان ہے۔ یہ کلمات کفریہ ہیں توبہ کرنا لازم ہے۔

توہین آمیز کلمات کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مورخہ ۱۹۶۲/۱/۱۱ کو جنگ اخبار ملتان میں ص ۸ پر ایک خبر کی سرخی یوں درج ہے۔ خدا اور رسول دو دن جیل میں۔ اس کے نیچے خبر درج ہے کہ کھر یا سوز (ڈیرہ غازی خان) معلوم ہوا ہے کہ میرن کا گاؤں میں تین اشخاص نے خدا رسول اور ولی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پولیس نے تینوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اب عاشق حسین چشتی کہتا ہے کہ جو سرخی اس خبر کی دی گئی ہے وہ توہین آمیز ہے سرخی میں لفظ بزعم خود، جعلی یا نقلی ضرور درج کرنا چاہیے تھا۔ اس طرح کھلے طور پر خدا رسول اور ولی کی توہین ہے۔ مگر اخبار والے کہتے ہیں کہ کوئی توہین نہیں ہے اب ان دونوں میں سے کون سچا ہے۔

﴿ج﴾

یہ کلمات ایسے ہیں جن سے توہین نکلتی ہے ایسے کلمات کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ [illegible]

---

(۱) وفي البحر الرائق: فيكفر إذا وصف الله تعالى بما لا يليق به أو سخر باسم من أسمائه (كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ج ۵، ص ۲۰۳، طبع مكتبة رشيدية كوئٹہ)۔

ومثله في الهندية: (الباب التاسع في أحكام المرتدين، ج ۲، ص ۲۵۸، طبع رشيدية كوئٹہ)

وهكذا في التاتارخانية: ولو قال بأن لله تعالى شريك أو ولد أو زوجة أو هو جاهل أو عاجز أو نفى صفة من صفاته، كفر. كتاب أحكام المرتدين فصل فيما يتعلق في ذات الله وصفاته، ج ۵، ص ۴۶۳، طبع إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

(۲) قال الله تعالى في كلامه المجيد: إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فأولئك يتوب الله عليهم وكان الله عليماً حكيماً) پارہ نمبر ۴، سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۷۔

كذا في الدر المختار: وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح، كتاب الجهاد مطلب جملة من لا يقتل إذا ارتد، ج ۶، ص ۳۷۷، طبع رشيدية كوئٹہ۔

سکتا ہوں اور دنیا بھر کو قائل کر سکتا ہوں"۔ کا اصل مطلب کیا ہے۔ جبکہ پیغمبر بھی ہدایت نہیں بخش سکتا اور نہ ایسی بات منوا سکتا ہے (الا ماشاء اللہ) بلکہ پیغمبر کا کام صرف پہنچانا ہے۔ حضرت مجھے یہ بات ہر وقت کھٹکتی رہتی اور پریشان کیے رکھتی ہے کہ ہم لوگ جس طرح بدعتیوں، رافضیوں، مرزائیوں اور دیگر باطل مذاہب والوں کو لاجواب کر سکتے ہیں۔ آخر وہابیوں کو کیوں کر ٹھوس دلائل سے لاجواب نہیں کر سکتے۔

﴿ج﴾

ملحد اور بے دین لوگوں کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کا کام کرنے کے بجائے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور تبلیغی جماعت میں اپنی اصلاح نفس اور دینی فکر پیدا کرنے کے لیے صرف چار ماہ لگائیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے تمام مسائل اور مشکلات حل فرما دیں گے[1]۔ اس میں شک نہیں کہ ملحدوں اور بے دینوں کو تبلیغ بھی نہایت ضروری ہے۔ مگر یہ علماء کا کام ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو علماء کے پاس بھیج دیں وہ ان کو دلائل عقلیہ سے قائل کریں گے اور بیان الرشید کے شروع کی عبارت کا حاشیہ بھی مقامی علماء سے حل فرمائیں[2]۔
فقط واللہ اعلم۔

"میرا نبی بھی وہی خدا بھی وہی" کہنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے چک میں ایک شخص کو چند ناصحین والدین کی خدمت کی ترغیب و تحریض دلا رہے تھے کہ درمیان میں اس کے پیر کا ذکر بھی آگیا کہ اس کی پرستش میں تو کمی نہیں کرتے اور والدین کے ساتھ یہ سلوک ہے۔ تو اس نے جواب دیا میرا سب کچھ وہی ہے۔ میرا باپ بھی وہی میرا پیر بھی وہی، میرا نبی بھی وہی میرا خدا بھی وہی ہے۔ یہ تمام کفریہ کلمے اس نے علی الاعلان بھرے مجمع درمیان استعمال کیے۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ کیا لتحذیر الناس ایسے شخص کے لیے ارتداد کے مطلق ہو جانے کا فتویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ براہ نوازش اس کا جواب عنایت فرمادیں۔

---

(۱) کما قال تعالیٰ: قد افلح من تزکی الخ (سورۃ المؤمنون، آیت ۱)
(۲) کما قال تعالیٰ: فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون، سورۃ الانبیاء، آیت ۷۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ "یہ کلمات کہ میرا نبی بھی اتنا ہی میرا خدا بھی والی ہے" کفریہ کلمات ہیں۔ توبہ کرنی ضروری ہے(۱)۔ احتیاطاً تجدید نکاح کر لیا جائے البتہ کفر کا حکم نہ لگایا جاوے۔ کفر کے حکم میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ رجب ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ رجب ۱۳۸۵ھ

اللہ الصمد کی نفی

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ خدا کریم کی بے اوقات (نعوذ باللہ) نہیں بھلی ورد کی بات کی تعمیل کا اعلان کرتا ہے۔ کیا یہ بات صمدیت خداوندی کے منافی تو نہیں؟ اور اس کے قائل کے متعلق شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی رو سے کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر زید کا قول یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) تو یہ قطعاً غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہیں۔ یہ خیال اللہ الصمد نص قطعی کے خلاف ہے(۳)۔ اگر زید کا مقصد یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر

---

(۱) كما في الشامية: وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح الخ (كتاب الجهاد، مطلب جملة من لا يقتل اذا ارتد، ج ٦ ص ٣٦٧، طبع رشيدية كوئٹه)
كما في جامع الفصولين: ولو كانت ... يؤمر بالتوبة وتجديد النكاح الخ (كتاب الردة، الفصل الثامن والثلاثون في مسائل كلمات الكفر، ج ٢ ص ٣١١، طبع اسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن كراچي)
ومثله في الهندية: الباب التاسع في احكام المرتدين، ج ٢ ص ٢٨٣، طبع رشيدية كوئٹه۔
(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان (توهين امير كلمات كا حكم) جزء نمبر ٢ ص ١٣٩۔
(۳) كما قال تعالى: الله الصمد الخ (سورة الاخلاص: الآية ٢)۔
كما في روح المعاني: عن ابن جبير هو الكامل في جميع صفاته وافعاله الخ (الجزء الثلاثون من كتاب روح المعاني تفسير سورة الاخلاص، ج ٣٠ ص ٢٧٤، طبع دار احياء التراث العربية بيروت)
كما في شرح العقائد: الذات الواجب ... ولا يحتاج الى شيء اصلاً، ص ٣٥، طبع دار الاشاعة عربية قندهار كوئٹه۔

صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت تسلیم کرنے سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا تو بلاشبہ یہ درست ہے۔ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کا کافر ہونا لازم نہیں آتا[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳۰ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴-۳-۱۳۹۱ھ

"میں بھی رب اور رحیم ہو سکتا ہوں" کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے بکر کو توحید و رسالت میں بحث کے دوران یہ کہہ دیا کہ میں بھی رب اور رحیم و کریم ہو سکتا ہوں اور خدا تعالیٰ کا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ میں بے مثل و بے مثال ہوں۔ جبکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پاؤں بھی ہیں اور ہمارے بھی ہیں اور خدا تعالیٰ کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ میں ہی عالم الغیب ہوں اور ماں کے پیٹ کی بچی بچے کو میں جانتا ہوں۔ یہ تو ایکسرے والا ڈاکٹر بھی دیکھ سکتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ کیا ایسے شخص کا ایمان و نکاح باقی ہے یا نہیں؟ کیا وہ توبہ کرکے بیوی کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے یا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔

﴿ج﴾

بشرط صحت سوال زید پر لازم ہے کہ وہ توبہ تائب ہو کر تجدید ایمان کرلے اور اس کے بعد تجدید نکاح بھی کرلے[2]۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷-۲-۱۴۰۰ھ

---

۱) كما في شرح العقائد: هو التصديق بما جاء به من عند الله تعالى اى تصديق النبي بالقلب الخ، ص ۹۰، طبع دار الاشاعة العربية، كوئٹه بلوچستان۔

كما في البحر الرائق: والايمان التصديق بجميع ما جاء به محمد صلى الله عليه وسلم الخ، كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۰۲ طبع رشيديه كوئٹه۔

كما في الدر المختار: هو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم في جميع ما جاء به الخ، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ۴ ص ۲۲۱، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) كما في البزازية: ولو ارتد والعياذ بالله تحرم امرأته ويجدد النكاح بعد اسلامه الخ (الثاني فيما يكون كفراً من المسلم وما لا يكون، نوع الاول المقدمة، ج ۶ ص ۳۲۱، طبع رشيديه كوئٹه۔

كما في الدر المختار: فلو ارتد مرارا وجدد الاسلام ... وجدد النكاح ... تحل امرأته الخ (كتاب النكاح، ج ۴ ص ۳۶۲، طبع رشيديه كوئٹه۔

نوٹ لازمی تقدیم تشریحہ تحت عنوان (عیسائی بنی رہی حقانیت کا حکم) جزء نمبر ۱ ص ۲۱۰۔

"میں سور کا گھر دیکھ آیا ہوں" کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید حج کو گیا وہاں فریضہ حج ادا کر کے جس وقت اپنے مکان پر پہنچا تو اس کے مجملہ سامان میں سے کچھ سامان یعنی ایک بوری گم ہوگئی تھی۔ اس کی تلاش کے دوران وہ وقتاً فوقتاً بھی کسی پر بھی کسی پر شبہ کرتا رہا۔ بعد ازاں اس نے اپنے داماد پر بھی سامان چوری کرنے کا بہتان رکھا۔ جس وقت اپنے داماد پر سامان فرار کرنے کا بہتان رکھا تو اس کے داماد نے عرض کیا کہ میں نے تمہارا سامان نہیں چرایا۔ اگر مجھ پر آپ کو یقین نہیں ہے تو آپ کی لڑکی کو طلاق دے کر چلا جاتا ہوں چنانچہ وہ چلا گیا۔ مگر زید دو تین روز بعد اپنے داماد کو منت کر کے گھر پر لے آیا۔ بعدہ اپنے حقیقی بھائی کے لڑکے پر سامان چرانے کا بہتان رکھا۔ زید کے بھتیجا نے ادب منت سماجت کی اور زید سے کہا چچا آپ خدا کا گھر دیکھ کر آئے ہیں مجھ پر کیوں بہتان رکھتے ہو۔ اس پر زید نے برجستہ ہو کر کہا کہ میں خدا کا گھر دیکھ کر نہیں آیا۔ العیاذ باللہ۔ میں سور کا گھر دیکھ کر آیا ہوں۔ لہذا معلوم کرنا ہے کہ اس قول بد پر زید شرعاً کس جرم کا مستحق ہے اور اس کی کیا سزا ہے۔ از روئے شریعت جواب باصواب فرما کر مشکور فرمائیں۔

(۲) زید کے بھائی سے زید کے بھتیجے نے کہا کہ ہم پر ظلم مت کرو۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ کا سامان ہم نے چرایا ہے تو قرآن پر فیصلہ کر لو۔ اس پر زید کے بھائی نے برجستہ یہ الفاظ کہا کہ میں قرآن کو نہیں مانتا۔ اس کے لئے بھی از روئے شریعت جواب باصواب فرما کر مشکور فرمائیں۔

جواب

اگر کسی شخص نے واقعی یہ الفاظ "میں سور کا گھر دیکھ کر آیا ہوں۔" یا یہ الفاظ "میں قرآن کو نہیں مانتا" ہوش و حواس اور دانستہ طور پر کہے ہوں تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے[1]۔ العیاذ باللہ۔ اس کو توبہ کرنا لازم ہے۔ نیز

---

(۱) کما فی شرح فقہ الاکبر: من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوہ الخ (فصل فی القراءۃ والصلوٰۃ، ص ٤٥٧، طبع دار البشائر الاسلامیہ۔

کما فی الشامیۃ: والاستخفاف بہ وبالمصحف والکعبۃ: (کتاب الجہاد، باب احکام المرتدین، ج ٦ ص ٣٤٣، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

کما فی البحر الرائق: ویکفر اذا انکر آیۃ من القرآن او سخر بآیۃ الخ (کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢٠٥، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

اپنی عورت سے تجدید نکاح کرے(۱)۔ کیونکہ عمداً کلمۂ کفر کا تکلم ہونا اگرچہ اعتقاد نہ ہو، موجب کفر ہے، چنانچہ ردالمحتار میں لکھا ہے۔ قال في البحر والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل ولا اعتبار باعتقاده كما صرح به قاضي خان في فتاواه ومن تكلم بها مخطئا أو مكرها لا يكفر عند الكل ومن تكلم بها عامدا كفر عند الكل ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف الخ(۲)

وفي الفتح ومن هزل بلفظ كفر ارتد وإن لم يعتقده للاستخفاف فهو ككفر العناد قال في رد المحتار(۳) ص ۳۱۰ ج ۳ أي تكلم به باختياره غير قاصد معناه وهذا لا ينافي ما مر من أن الإيمان هو التصديق فقط أو مع الإقرار لأن التصديق وإن كان موجودا حقيقة لكنه زائل حكما لأن الشارع جعل بعض المعاصي أمارة على عدم وجوده كالهزل المذكور وكما لو سجد لصنم أو وضع مصحفا في قاذورة فإنه يكفر وإن كان مصدقا لأن ذلك في حكم التكذيب كما أفاده في شرح العقائد انتهى. رجل كفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن على الإيمان يكون كافرا ولا يكون عند الله مؤمنا كذا في قاضي خان فقط(۴) والله تعالى أعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹-۳-۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۰-۳-۱۳۸۸ھ

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بنا کر'' کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں صورت مسئلہ کہ زید نے جو اپنے آپ کو عالم کہلاتا ہے مجلس عام میں حضور نبی علیہ السلام کے معراج کا بیان کرتے ہوئے کہا کہ آغاز ابتداء سے قبل خدا کو بشر بنا کر پہلے ازل میں کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بنا کر آسمان پر پہنچا دوں گا سامعین نے خوش ہو کر شاباش آفرین کہی، آیا زید بوجہ اس قول کا مجرم ہے یا نہ۔ اور سننے والوں کا بھی قصور ہے یا نہ۔

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان (میں نبی، رب رحمٰن ہوں سب کا ہوں کہنے کا حکم) جزء ۲ ص ۲۹۱۔

(۲) كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۱۰، طبع رشيديه كوئٹہ۔

(۳) باب أحكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۳۲، طبع رشيديه كوئٹہ۔

(۴) شامي كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ۶ ص ۳۴۲، طبع رشيديه كوئٹہ۔

جن کے متصرف الامور ہونے کا عقیدہ

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین متعددجہ ذیل مسائل میں کہ:

(۱) کفار اور مشرکین کو زکوٰۃ اور خیرات دینا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) مشرک کا ذبیحہ کھانا حلال ہے یا حرام۔

(۳) مشرک کے ساتھ نکاح کرنا کیسا ہے اور یہودی اور عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) کافر مشرک کو دوست بنانا کیسا ہے۔

(۵) مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگانے سے خود فتویٰ لگانے والا کافر ہو سکتا ہے یا نہیں۔

(۶) مشرک کو گواہ بنانا جائز ہے یا نہیں، اس کی گواہی شریعت کی رو سے قبول ہوتی ہے یا نہیں۔

(۷) کسی پیر، ولی، فرشتہ، جن یا پیغمبر کو متصرف فی الامور مافوق الاسباب کا عقیدہ رکھنے والے کا کیا حکم ہے۔

(۸) تعویذ کرنا کیسا ہے؟ تلبیس ابلیس والے نے اس کو شرک قرار دیا ہے۔

(ج)

(۱) کفار اور مشرکین کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ **کما فی الهدایہ ص ۱۸۵ ولا یجوز ان یدفع الزکوۃ الی ذمی لقوله علیه السلام لمعاذ خذها من اغنیائهم وردها فی فقرائهم** اور صدقات خیرات وغیرہ دینا جائز ہے۔ **ویدفع الیه ما سوا ذلک من الصدقة لقوله علیه السلام تصدقوا علی اهل الادیان کلها** (حوالہ بالا)[۱]

(۲) مشرک کا ذبیحہ حرام ہے۔ **ولا تؤکل ذبیحة المجوسی والمرتد والوثنی (شرط کون الذابح مسلما (در مختار)**[۲]

---

(۱) ولا یجوز ان یدفع الزکوۃ الی ذمی لقوله علیه السلام لمعاذ خذها من اغنیائهم وردها فی فقرائهم، کتاب الزکوۃ باب من یجوز دفع الصدقات الیه ومن لا یجوز ج ۱ ص ۲۲۲، طبع رحمانیه لاهور، ویدفع الیه ما سوی ذلک من الصدقة ... الخ، کتاب الزکوۃ باب من یجوز دفع الصدقات الیه ومن لا یجوز، ج ۱ ص ۲۲۲، طبع مکتبه رحمانیه لاهور، وهکذا فی رد المحتار ابن عابدین: ولا تدفع الی ذمی لحدیث معاذ وجاز دفع غیرها وغیر العشر والخراج ... الخ، ج ۲ ص ۳۵۲، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

(۲) الهدایة، کتاب الذبائح، ج ۴، ص ۴۳۵، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن بلوچستان، وهکذا فی الدر المختار، وشرط کون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرم ان کان صیداً، ج ۶ ص ۲۹۵، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

اور گناہوں پر چڑھتا ہے وغیرہ وغیرہ چیزوں لکھتے ہیں۔ هذا الحديث مما عده بعض الفضلاء من المشكلات من حيث ان ظاهره غير مراد، وذلك ان مذهب اهل الحق انه لايكفر المسلم بالمعاصي والقتل والزنا الخ[1]

(۶) مشرک کو گواہ بنانا جائز نہیں لقوله تعالى لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا[2]
وكما في الهداية ص ۲۸۹ ج ۲ لاشهادة للكافر على المسلم[3]

(۷) کسی ولی، نبی، فرشتہ وغیرہ کو بذات خود متصرف فی الامور مافوق الاسباب ماننا شرک فی التصرف ہے جس کی تردید میں متعدد آیات اللہ تعالیٰ نے سورہ مؤمنون، جن، نحل، یونس اور سورہ سبا وغیرہ میں نازل فرمائی ہیں[4]۔

(۸) جو تعویذات موافق شرع الفاظ پر مشتمل ہوں اور خلاف شرع کاموں کے لیے بھی نہ ہوں وہ جائز ہیں[5] اور اگر شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں یا خلاف شرع کاموں کے لیے ہوں تو جائز نہیں۔ بلکہ بعض دنی قسم کے تعویذ گنڈے یا جھاڑ پھونک کو اگر صحیح جانے تو کفر و شرک کا خطرہ ہے۔ اعاذنا الله منه[6]۔ والله اعلم

---

۱) شرح نووی علی صحیح المسلم ص ۵۷، ج ۱، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)۔
۲) سورۃ النساء آیت نمبر ۱۴۱۔
۳) هدایة ص ۲۰۷، ج ۳، طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور) وهكذا في شامية ولاتقبل شهادة كافر على مسلم، ص ۱۶۷، ج ۸، طبع مکتبہ رشیدیہ جدید کوئٹہ) وكذا في شامية: حلا بعقد بحضرة العبد ... والكفار في نكاح المسلمين لانه لاولاية لهؤلاء، ص ۹۹، ج ۴، رشیدیہ کوئٹہ)۔
۴) قال الله تعالى: (قل من بيده ملكوت كل شيء وهو ... الخ۔ سورۃ المؤمنون آیات نمبر ۸۸) (قل اني لااملك لكم ضرا ولا رشدا سورة الجن آیت نمبر ۲۱) (ويعبدون من دون الله مالا يملك ... الخ۔ سورة النحل آیت نمبر ۷۳) (قل لااملك لنفسي ضرا ولا نفعا الا ماشاء الله سورة يونس آیت نمبر ۴۹) (فاليوم لايملك بعضكم لبعض نفعا ولا ضرا سورة سبا آیت نمبر ۴۲)۔ (ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الامور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر، الشامية، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، مطلب في النذر الذي يقع للاموات من اكثر، ص ۴۹۱، ج ۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔
۵) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلمهم من الفزع كلمات اعوذ بكلمات الله التامة من غضبه ... الخ سنن ابي داؤد، باب كيف الرقى، ص ۱۸۷، ج ۲، طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور)۔ (ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن، أو أسماء الله تعالى الخ الشامية، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس ص ۶۰۰، ج ۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
۶) وانما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب ولا يدرى ماهو ... الخ۔ الشامية، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس ص ۶۰۰، ج ۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

"ہاں ہمارا خدا وہی ہے" کا حکم

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کی بیوی اور بیوی کے خاندان والے مزار پرست ہیں۔ زید نے اپنی بیوی کو سمجھایا اور توبہ کرائی۔ اس کے بعد ایک دن ان کے درمیان کچھ اس قسم کی بات چلی تو زید نے طنزاً اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارا خدا تو ولی فقیر ہے۔ یہ اس لئے کہا کہ اس کے خاندان والے مصیبت میں اس سے مانگتے ہیں۔ اس پر بیوی نے کہا کہ ہاں ہمارا خدا وہی ہے۔ اس قسم کا جواب دینا عموماً عورتوں کی عادت ہے۔ اگر چہ دل میں ارادہ نہ ہو تو کیا ان لفظوں سے وہ بیوی مرتد ہوئی ہے اور مرتد ہو کر طلاق بائنہ پڑ گئی ہے یا نہ؟ عالمگیری جلد دوم ص۲۳۸ پر ہے۔ اگر گوید مرا بآسمان خدا است و بزمین تو کافر شود اور ص۲۴۳ پر ہے۔ اگر کسے گفت کہ تو علم غیب داری گفت بلے دارم کافر شود۔

﴿جواب﴾

جو کلمات کفر آپ نے لکھے ہیں ان میں تاویل ممکن ہے۔ ان سے ان پر کفر کا فتویٰ نہ دینا چاہیے مالابدمنہ وغیرہ میں اس قسم کے الفاظ پر کفر کے حکم سے مقصود تنبیہ و زجر ہے۔ تکفیر مسلم میں از حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ وقد ذكروا ان المسئلة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع وتسعون احتمالا للكفر واحتمال واحد في نفيه فالاولى للمفتي والقاضي ان يعمل بالاحتمال النافي لان الخطأ في ابقاء الف كافر اهون من الخطأ في افناء مسلم واحد (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص۱۹۵)[۱] وفي الدر المختار مع شرحه رد المحتار ج۳ص ۲۹۳ مطبوعه مصر: (و) اعلم انه (لا يفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن او كان في كفره خلاف ولو) كان ذلك (رواية ضعيفة) كما حرره في البحر وعزاه في الاشباه الى الصغرى وفي الدرر وغيرها اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر وواحد يمنعه فعلى المفتي الميل لما يمنعه ثم لو نيته ذلك فمسلم[۲].

---

(۱) شرح فقه اكبر، مطلب معرفة المكفرات لاجتنابها، ص ۱۹۵، طبع دار البشائر الاسلامية، بيروت، وكذا في البحر الرائق، والذي تحرر انه لا يفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه ... الخ كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۱۰، طبع رشيديه كوئٹه۔

(۲) وكذا في الشامية: كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ۶ ص ۳۵۲، طبع رشيديه كوئٹه

(۴) بھنگ گھوٹ کر اپنے ورد کر پلاتا ہے اور حقہ بھی بھر کر پلاتا ہے۔ اس پر مقتدیوں نے روکا تو کہا کہ تمہاری نظر نہیں۔ بھنگ حقیقت میں بھنگ نہیں ہے۔ تمہاری آنکھ معرفت والی نہیں ہے۔

(۵) مقتدیوں نے زور دیا کہ توبہ کر۔ اس نے توبہ کے لفظ منہ سے نکالے صرف یہ کہا میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ یہ بھی چند دفعہ کے اصرار کے بعد۔ پھر بچوں کو قرآن مجید بھی پڑھاتا تھا کبھی نہ پڑھاتا تھا تو لوگوں نے کہا کہ ہم دوسرا امام مقرر کرتے ہیں تو اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ مقتدی دوسرا امام لے آئے اور اسے کہا کہ مسجد چھوڑ دے۔ اس نے کہا میں اپنے پیر سے دریافت کروں گا۔ اگر اس نے کہا تو میں امامت چھوڑ دوں گا اگر وہ نہ کہے تو میں امامت نہیں چھوڑوں گا۔ اگر وہ کہے کہ امامت نہ چھوڑو تو اس میں میرا فائدہ ہوگا۔ اگر وہ کہے کہ چھوڑ دو اور میں امامت کروں تو میرا نقصان ہوگا۔

کیا ایسے عقیدے والے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا کہ نہیں؟

﴿ج﴾

اگر واقعی مندرجہ بالا عقائد کا ثبوت ہو جاوے تو یہ شخص نعوذ باللہ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جاتا ہے [۱]۔ اسے توبہ کرنا لازم ہے [۲] اللہ تعالیٰ ایسے عقائد کفریہ سے بچائے۔ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے [۳]۔

واللہ اعلم محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

دین اور اہل دین کی توہین کرنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید و عمر کو آپس میں لین دین کے معاملہ میں تنازع کرتے ہوئے تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے کئی مرتبہ معززین حضرات کو جمع کر کے تنازع کے حالات واضح طور پر ظاہر کیے ہیں۔ حضرات نے حالات سماعت فرما کر مثلاً زید کو سچا مانا اور حکم دے دیا کہ زید کے مطالبات جائز ہیں۔

---

۱) وكذا في العالمگيرية: يكفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به .... الخ الباب التاسع في احكام المرتدين، ج ۲ ص ۲۵۸، طبع رشيديه كوئٹه۔
وكذا في الشامية: وإن انكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بها .... فلا يصح الاقتداء به اصلاً، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۳۵۸، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) انما التوبة على الله للذين يعملون السوء، سورة النساء الآية ۱۷۔

۳) في الشامية: وإن انكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بها .... فلا يصح الاقتداء به اصلاً، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۲ ص ۳۵۸، رشيديه كوئٹه۔

الا الله وانی رسول الله ۔الحدیث۔ اسی طرح بخاری شریف ج ۱ ص ۸ پر ہے[۱]۔ عن واقد بن محمد قال سمعت ابی یحدث عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله ویقیموا الصلاۃ الحدیث[۲]۔

تو حضرت قاری صاحب اس کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ مزید تشفی حضرت قاری محمد طیب صاحب سے ہی کرالیں اور ان کو اس رسالہ رضوان کی وہ کٹنگ بھی بھیج دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہٗ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲۔ ۷۔ ۱۳۸۷ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳۔ ۷۔ ۱۳۸۷ھ

علماء کی توہین کرنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عالم دین کو گالیاں دینے والا شخص گنہگار ہے یا کہ کافر؟

﴿ج﴾

علم دین کی اہانت اور علماء حق کو اس لیے گالیاں دینا کہ وہ حاملین علم دین ہیں، کفر ہے[۳]۔ قال فی الریقة المحمودیة شرح الطریقة المحمدیة. قال فی الاشباہ الاستهزاء بالعلم والعلماء کفر[۴]۔ لیکن اگر عالم کو ذاتی دشمنی یا دیگر کاروباری امور وغیرہ کی وجہ سے برا بھلا کہا جائے تو یہ کفر نہیں گناہ

---

۱) جواب: صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ، ج ۱ ص ۱۸۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلوۃ ـــ الخ، ج ۱ ص ۸، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

وهکذا فی الصحیح لمسلم حدثنی ابی عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال بینما نحن عند رسول الله صلی الله علیه وسلم ـــ ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله وتقیم الصلاۃ ـــ الخ کتاب الایمان، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) وکذا فی العالمگیریة ویخاف علیه الکفر اذا شتم عالما أوفقیها من غیر سبب ـــ الخ، ومنها مایتعلق بالعلم والعلماء ص ۲۷۰، ج ۲، طبع، مکتبه علوم الاسلامیة چمن، بلوچستان)۔

۴) کتاب الاشباہ والنظائر، کتاب السیر ص ۱۸۹، طبع، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور اگر اس کا نکاح ٹوٹ گیا تو اب اس کا نکاح بعد عدت کیا جائے یا کہ اسی وقت ہو سکتا ہے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر اس شخص کی ان الفاظ سے شریعت کی توہین مقصود تھی تو واقعی اس پر کفر کا فتوی عائد ہوتا ہے[1] جس سے اسے توبہ کرنا اور تجدید نکاح کرنا لازم ہوگا لیکن اگر نیت شریعت کی توہین کرنے کی نہیں تھی تو کفر کا فتوی اس پر عائد نہیں ہوگا[2] اور تجدید نکاح کرنا لازم نہ ہوگا البتہ ایسے الفاظ استعمال کرنا جن میں شریعت[3] کی توہین نکلتی ہو، درست و جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالی اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ھذا

"علماء اور شریعت کو جوتے لگاؤں گا" کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کسی غلام محمد کو جب سب علماء کرام اور توہین احکام شرائع اور سنت نبوی سے منع کیا گیا جس کو اس نے مشغلہ بنایا ہوا ہے کہ شریعت مطہرہ اس کردار کی سخت مذمت کرتی ہے تو مسمی مذکور نے مزید براں اصرار کرتے ہوئے کہا کہ میں علماء اور شریعت دونوں کو جوتیاں لگاؤں گا۔ میرا کیا کر سکتے ہیں۔ اس کی توجہ احکام قرآن کی طرف مبذول کی گئی تو کہا کہ میں قرآن کو بھی ذکر سمجھتا ہوں (العیاذ باللہ) نیز مسمی مذکور تارک جمعہ بھی ہے۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ شریعت مصطفوی میں ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

---

۱) والاستهزاء بشيء من الشرائع كفر. الشامية، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، ج ٨ ص ٢١٥، طبع رشيدية كوئته، وهكذا في شرح الفقه الأكبر، من اهان الشريعة او المسائل التي لا بد منها، كفر ... الخ فصل في العلم والعلماء، ص ٢٧٢، دار البشائر الإسلامية بيروت۔

۲) وكذا في الهندية: ثم ان كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير فهو مسلم ...... وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته كذا في المحيط، ومنها ما يتعلق بالحلال والحرام ... الخ، ج ٢ ص ٢٨٣، طبع علوم الإسلامية چمن بلوچستان، وهكذا في الشامية: وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح، كتاب الجهاد، مطلب: الإسلام يكون بالفعل كالصلوة بجماعة، ج ٦ ص ٣٥٣، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) خاصم فقيهاً على امر من الفقه له وجها شرعياً فقال خصمه .... اى دانشمندك اولعوى اى علوى بلك لا يكفر لو لم يقصد الاستخفاف بالدين، الفصل الثامن والثلاثون، كتاب جامع الفصولين، ج ٢ ص ٢٢٦، طبع اسلامی کتب خانہ کراچی۔

ج

مذکورہ خیالات سارے کے سارے کفریہ ہیں۔ ان کا معتقد کافر ہے[1]۔ معجزات کا ثبوت تواتر سے ہے۔ خصوصاً شق القمر کا معجزہ تو کلام پاک کے اندر موجود ہے[2]۔ ملائکہ شیطان اور جنات کا انکار کر کے صرف قوی کے ساتھ اس کی تاویل کرنا سراسر الحاد و زندقہ ہے۔ یہودیوں اور نصرانیوں کو باوجود کافر و مشرک ہونے کے محض دیگر کچھ اچھے اور نیک کام کرنے سے جنتی ماننا[3] قرآن پاک کی اس آیت ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء۔[4] الآیۃ۔ سے متصادم ہے اور اس کا انکار ہے۔

اسی طرح شیطان کے بخشے جانے کا قول کرنا نصوص قطعیہ کا انکار ہے۔ وغیرہ وغیرہ لہٰذا ایسا شخص کافر ملحد اور زندیق ہے[5]۔ فوراً ان اقوال وعقائد سے توبہ کرنی ضروری[6] ہے۔ قال فی العقائد النسفیۃ والملائکۃ عباداللہ تعالیٰ عاملون بامرہ ولا یوصفون بذکورۃ ولا انوثۃ وفیہا ایضا والنصوص من الکتاب والسنۃ تحمل علی ظواھر ھا والعدول عنھا الی معان یدعیھا اھل الباطن وھم الملاحدۃ الحاد[7]۔ لیکن اگر یہ شخص ان عقائد و خیالات کا انکار کرتا ہے۔ یا اقرار کرنے کے بعد ان عقائد سے توبہ کر لیتا ہے تو پھر مسلمان شمار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲ جمادی الاولیٰ ۹۵ھ

---

۱) وکذا فی الشامیۃ: وان انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر بھا، کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ، ج ۲ ص ۳۵۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ، وکذا فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ: فمن انکر شیئاً مما جاء بہ الرسول کان من الکافرین، حکم من انکر ــــ الخ ص ۲۴۱۔

۲) اقتربت الساعۃ وانشق القمر سورۃ القمر آیت نمبر ۱، وکذا فی شرح الفقہ الاکبر، والآیات ای خوارق العادات المسماۃ بالمعجزات للانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام، ص ۲۳۵، طبع دار البشائر الإسلامیۃ بیروت، وھکذا فی الصحیح البخاری عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال انشق القمر علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ــــ الخ باب قول اللہ تعالی یعرفون کما یعرفون ــــ الخ ج ۱ ص ۵۱۳، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) کل آمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ــــ سورۃ البقرۃ، الآیۃ ۲۵۸ شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو ــــ الخ سورۃ ال عمران، الآیۃ ۱۸، وھکذا فی شرح الفقہ الاکبر یجب ان یقول آمنت باللہ وملائکتہ ــــ الخ ص ۵۳، طبع دار البشائر الإسلامیۃ بیروت، قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا ــــ الخ سورۃ الجن، الآیۃ نمبر ۱، ۲، واذا صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن ــــ الخ سورۃ الاحقاف، الآیۃ نمبر ۲۹۔

٤) سورۃ النساء، الآیۃ نمبر ٤٨، نمبر ١١٦۔

٥) لاملئن جھنم منک وممن تبعک منھم اجمعین، سورۃ ص، الآیۃ ٨٥۔

٦) انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ ثم یتوبون من قریب، سورۃ النساء، الآیۃ نمبر ١٧۔

٧) شرح عقائد، ص ۱۰۳، دار الإشاعۃ العربیۃ کوئٹہ۔

﴿ج﴾

ایسے الفاظ کہنے ہرگز جائز نہیں ہیں۔ توبہ کرنی ضروری ہے۔ دستور اساسی کوئی دینی کتاب نہیں ہے بلکہ محض ایک دنیوی ضابطہ اور وثیقہ ہے اس لیے ایسی کتاب کے متعلق ایسے کلمے الفاظ کہنے جائز نہیں ہیں۔ باقی رہے مسئلے کا عقیدہ رکھنا بھی سراسر گناہ ہے۔ جنت کی ٹھیکیداری کا دعویٰ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے لہٰذا ان الفاظ کا کہنے والا مرتکب گناہ ہے فوراً توبہ اور استغفار کرے[1]۔ فقط واللہ اعلم

"حدیث ڈھکوسلہ ہے" کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ کوئی آدمی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے اور یہ الفاظ کہے کہ یہ حدیث تو بالکل ڈھکوسلہ ہے جب کہ کوئی آدمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک صحیح طور پر بیان کر رہا ہو اور پھر اس مجلس میں بیٹھا ہوا دوسرا آدمی یہ کہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے۔ بالمقابل یہ شخص ایسے الفاظ زبان سے نکالے جو صاف طور پر انکار حدیث کی طرف مشعر ہوں اور توہین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں تو اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے۔ اور وہ حدیث شریف یہ ہے عن قيس بن سعد قال اتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم فقلت رسول الله صلى الله عليه وسلم احق ان يسجد له قال فأتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت اني اتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم فانت احق ان يسجد لك قال أرأيت لو مررت بقبري أكنت تسجد له قال قلت لا فقال فلا تفعلوا لو كنت آمرا احدا ان يسجد لاحد لامرت النساء ان يسجدن لازواجهن لما جعل الله لهم عليهن من الحق۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۱۔

سائل محمد اسحاق ولد [illegible] موضع [illegible] تحصیل [illegible] ضلع ملتان

---

(1) انما التوبة على الله للذين يعملون السوء [illegible] سورة النساء آية ۱۷۔

کرتا ہے، جو کفر ہے(۱)۔ اس صورت میں اس کی عورت سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن یہ خوب غور کرلیا جائے کہ یہ تحقیق شرعی محض افواہ پر تو قابل اعتبار نہیں اور نہ اس پر کوئی حکم مرتب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ۲ ذی الحجہ ۸۸ھ

داڑھی کی شرعی حد

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ مرد مسلمان کا داڑھی منڈوانا، کترانا اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے یا نہیں اور جو مسلمان یہ عمل کرتا ہے وہ عذاب الٰہی کا مستحق ہے یا نہیں اور مطابق مذہب حنفی کے داڑھی رکھنے کی حد شرعاً کتنی ہے۔

﴿ج﴾

حدیث صحیح میں داڑھی کے بڑھانے اور مونچھوں کے کتانے کا ذکر ہے(۳)۔ جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے۔ عشر من الفطرة قص الشارب وإعفاء اللحية الحديث (۴) (مشکوٰۃ) جس سے قطع کرنا داڑھی کا حرام ہونا ثابت ہوا اور فقہاء نے حلق بھی اور ما دون قبضہ کو کتروانا حرام لکھا ہے۔ کما فی الدر المختار ص ۲۸۸ ج ۵ کتاب الحظر والإباحة ولذا يحرم على الرجل قطع اللحية الخ۔ والسنة فيها القبضة الخ (۵)۔ پس معلوم ہوا کہ داڑھی کو قبضہ سے کم کتروانا اور قطع کرنا یا منڈوانا حرام ہے اور قطع کرنے یا منڈوانے

---

(۱) وهكذا في الشامية، ولو استهزأ بشيء من الشرائع كفر، كتاب الشهادات باب القبول وعدمه، ج ۸ ص ۲۱۰، طبع رشيديه كوئٹه۔ وهكذا في العالمگيرية، والاستهزاء بأحكام الشرع كفر، كذا في المحيط، ج ۲ ص ۲۸۱، طبع رشيديه كوئٹه۔

(۲) وارتداد أحدهما أي الزوجين فسخ فلا ينقص عددا عاجل، الشامية، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ج ۱ ص ۳۹۲، طبع مكتبه رشيديه، كوئٹه۔

(۳) عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب ... الخ، الصحيح البخاري، باب تقليم الأظفار، ج ۲ ص ۸۷۵، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

(۴) وكذا في الصحيح لمسلم، عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عشر من الفطرة قص الشارب ... الخ باب خصال الفطرة، ص ۱۲۹، طبع قديمي كتب خانه كراچي، وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: الفطرة خمس الختان والاستحداد وقص الشارب ... الخ، مشكوة المصابيح، باب الترجل، ج ۲ ص ۳۸۰، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

(۵) ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته ... الخ رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، ج ۹ ص ۶۷۲، رشيديه كوئٹه۔ وكذا في الشامية: وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد الخ، ج ۳ ص ۴۵۶، طبع رشيديه كوئٹه۔

اب متکلم مذکور کو خواہ مخواہ متشابہات اور توہین کا مرتکب قرار دے کر کافر کہنا فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ [۱] کا مصداق بننا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الراقم الاحقر محمد انور خادم دارالافتاء دارالعلوم فیض محمدی لائل پور۔ الجواب صحیح عبدالحمید غفرلہ جامعہ مدنیہ لاہور ۹۱-۹-۱۴ الجیب مصیب۔ اس لیے کہ فقہ اکبر میں منقول ہے "وعن الذخیرۃ ان فی المسئلۃ اذا کان وجوہ توجب التکفیر ووجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الذی یمنع التکفیر حسنا للظن بالمسلم" [۲]۔ لہٰذا متکلم مذکور کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

خلیل احمد خطیب جامع مسجد لائل پور۔

الجواب صحیح کیونکہ جبریل امین کی تشریف آوری بغیر نبی کے بتانے کے صحیح معلوم ہونی ممکن نہیں اور فی الوقت کوئی نبی نہیں نہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اس لیے یہ تحقیق بے کار سی ہوگی اور قائل کی نیت معتبر ہوگی۔ حامد میاں (۲۳ رجب ۹۱ھ)

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ شعبان ۹۱ھ

بلاوجہ کفر کا فتویٰ

﴿س﴾

ہمارے چک ۱۰۱ ایم این تحصیل لیہ ضلع مظفر گڑھ میں ایک بزرگ کی خانقاہ ہے جس پر ایک شخص بطور مجاور بیٹھا ہوا ہے۔ مورخہ ۶۳-۹-۱۱ کو گیارہویں شریف کا ختم خانقاہ پر ہوا۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے، میں بھی وہاں گیا، جب کھانا تیار ہوا تو مجاور مذکور نے تمام آدمیوں کو کہا کہ پہلے نماز پڑھ لو بعد میں کھانا کھاؤ۔ لیکن چونکہ میرے کپڑے پاک نہیں تھے اس وجہ سے میں نے نماز پڑھنے سے معذوری ظاہر کی اور تب وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں واپس آیا تو اس مجاور نے مجھے کہا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی اس وجہ سے تم کو کھانا نہیں ملے

---

۱) سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۷۔

۲) شرح فقہ الاکبر میں یہ حوالہ تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملا۔ اور یہ عبارت جامع الفصولین میں ج ۲ ص ۲۱۶، الفصل الثانی، طبع اسلامی کتب خانہ۔

وفی الشامیۃ: اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب الکفر وواحد یمنعہ فعلی المفتی المیل لما یمنعہ الخ، ج ۶ ص ۴۵۴، مطلب فی حکم من شتم دین مسلم، طبع رشیدیہ کوئٹہ، وفی البزازیۃ: اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجبہ ووجہ واحد یمنعہ لعین العالم الی ما یمنع من التکفیر طبع الباب الثانی فی ما یکون کفراً من المسلم وما لا یکون، ج ۶ ص ۳۲۱، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ چمن۔

﴿ج﴾

یہ تمام عقائد مذہب اہل سنت والجماعت کے مطابق ہیں۔ قال تعالیٰ: لا یعلم الغیب الا اللہ، الآیۃ[1]. ما کنت لدیہم اذ یلقون اقلامہم[2] الآیۃ. وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام[3] وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام[4]. (مشکوۃ شریف) عالم غیب[5] ہونا اور حاضر و ناظر ہونا رب تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہیں[6]۔ مذکورہ عقائد رکھنے والا صحیح سنی مسلمان ہے۔ اس کے ساتھ باقاعدہ مسلمان بھائی کی حیثیت سے برتاؤ رکھنا چاہیے، اسے تکلیف دینا اور بے جا ستانا جائز نہیں ہے[7]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) سورۃ النمل الآیۃ ۶۵۔

۲) سورۃ آل عمران الآیۃ ۴۴۔

۳) مشکوۃ المصابیح، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ، ص ۸۶، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۴) مشکوۃ المصابیح، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۸۶، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۵) قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ، سورۃ النمل الآیۃ ۶۵، وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو، سورۃ الانعام الآیۃ ۵۹، ثم یا حذیفۃ فاتنا بخبر القوم، مسلم شریف ج ۲ ص ۱۰۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

وکذا فی شرح الفقہ الاکبر، وبالجملۃ: فالعلم بالغیب امر تفرد بہ سبحانہ ولا سبیل للعباد الیہ الا باعلام منہ ---- الخ، ص ۲۲۹، طبع بیروت۔

وکذا فی الفتاوی الولوالجیۃ، من تزوج امرأۃ بمحضر من السکاری وہم عرفوا النکاح ..... ان ہذا کفر محض ..... یعلم الغیب ہذا کفر، کتاب النکاح، الفصل الرابع، ج ۱ ص ۲۷۴، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ومثلہ فی الفتاوی العالمگیریۃ، الباب التاسع فی احکام المرتدین، ج ۲ ص ۲۶۶، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۶) وما کنا غائبین، سورۃ الاعراف، الآیۃ ۷۔

ان اللہ مستخلفکم فیہا فناظر کیف تعملون ..... الخ، مشکوۃ المصابیح، باب الامر بالمعروف، ص ۴۳۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۷) والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا ---- الخ سورۃ الاحزاب الآیۃ ۵۸۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع فقال ..... لا تؤذوا المسلمین ..... رواہ الترمذی، مشکوۃ المصابیح، باب ما ینہی عنہ من التہاجر، ص ۴۲۹، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

مستقل سے محدود کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ حضور کی ذات اقدس کا رحمت ہونا فقط اہل اسلام کے لیے ہو اور غیر محدود کے معنی یہ بتلائے گئے کہ آپ کا رحمت ہونا اہل اسلام سے خاص نہ ہو۔ بلکہ کفار و مشرکوں کے لیے بھی آپ رحمت ہیں اور یہی فریقین کے درمیان مابہ النزاع ہے۔۔

﴿ج﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عام ہے۔ اہل اسلام کو تو فیض رحمت پہنچتا ہی ہے جو کہ ظاہر و باہر ہے۔ کفار و مشرکین بھی آپ کے لطف و فیض کرم سے محروم نہیں۔ ان کو یہ رحمت حاصل ہوتی ہے کہ سخت سے سخت عذاب یعنی مسخ، زمین میں دھنسا دیا جانا، پتھروں کی بارش کا ہونا اس امت سے اجتماعی طور پر اٹھا لیے گئے۔ بطور عبرت کے ایک آدھ واقعہ خسف و مسخ کا قادح نہیں لہٰذا آپ اللہ کی ایسی رحمت ہیں جو صرف اہل اسلام ہی کو نہیں بلکہ تمام جن وانس و ملائکہ تک درجہ بدرجہ حسب استعداد و قابلیت پہنچ رہی ہے[1]۔

پھر یہ ہے ایسے مسائل میں اختلاف اور بحث مباحثہ کرنا اچھا نہیں۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ایسے مباحث امت کی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہیں۔ علماء کی خدمت میں عرض ہے کہ اختلاف ختم کرنا چاہیے[2]۔

فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ہذا

یا رسول اللہ کا نعرہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ بہت علماء تحریر و رسالات تقریروں میں لکھواتے ہیں۔ لہٰذا نعرہ یا رسول اللہ ہونا چاہیے۔ بلکہ ضروری ہے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح روضہ اقدس پر

---

(۱) فقال من آمن بالله واليوم الآخر كتب له الرحمة في الدنيا والآخرة، ومن لم يؤمن بالله ورسوله عوفي مما أصاب الأمم من الخسف والقذف. (تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۲۶۲، طبع بیروت)۔
وعن ابن عباس رضي الله عنهما (وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين) قال: من تبعه كان له رحمة في الدنيا والآخرة ومن لم يتبعه عوفي مما كان يبتلى به سائر الأمم من الخسف والمسخ والقذف۔

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله يرضى لكم ثلاثا ويسخط لكم ثلاثا ... قيل وقال، وكثرة السؤال ... الخ (تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۲۷۶ طبع بیروت)۔
وينبغي أن لا يشتغل الإنسان بما لا حاجة إليه ... (حاشية ابن عابدين، مسائل شتى كتاب الخنثى، ج ۱۰ ص ۴۲۰، طبع رشیدیہ جدید کوئٹہ)۔

سنتے ہیں، اسی طرح دور سے خواہ پاکستان کے باشندے یا کہیں بھی ہو ہر وقت ہر آن سنتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ نعرۂ رسالت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ سمع و بصر اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا دور سے ہر آن ہر وقت کوئی ولی ہو یا نبی ہو نہیں سنتے۔ البتہ معجزہ گاہے گاہے ممکن ہے۔

﴿ج﴾

فتاویٰ دارالعلوم امداد المفتین ج ۳ ص ۱۱۷ میں ہے۔ اگر کوئی شخص اس عقیدہ سے یا رسول اللہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر موجود ہیں۔ یا ضرور میری آواز کو سن لیں گے تو یہ جائز نہیں۔ بلکہ ایک نوع شرک ہے (۱) اور اگر محض تخیل کے طور پر شاعرانہ و عاشقانہ خطاب کرتا ہے تو جائز ہے۔ جیسے اہل معانی و بلاغت نے بیان کیا ہے کہ بعض اوقات معدوم کو موجود فرض کر کے یا غیر حاضر کو حاضر فرض کر کے خطاب کیا جاتا ہے اور یہ ایک نوع بلاغت ہے (۲) جو قرآن کریم میں بکثرت موجود ہے (۳)۔ الی قولہ۔ محض یا رسول اللہ، یا رسول اللہ، یا رسول اللہ کو وظیفہ بنالے اور عبادت سمجھ کر اس لفظ کو رٹتا رہے، یہ بدعت ہے۔ اور بے معنی بھی ہے (۴)۔ بخلاف یا اللہ کے کہ نفس ذکر اسم ذات عبادت ہے۔ جس صیغہ اور جس صورت سے بھی ہو (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۵ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

---

۱) وبالجملة فالعلم بالغيب امر تفرد به سبحانه ولا سبيل للعباد والهام بطريق ـــ ثم اعلم ان الانبياء عليهم الصلاة والسلام لم يعلموا ـــ وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاده ان النبي عليه الصلاة ـــ (قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله) سورة النمل الآية ٦٥، شرح الفقه الاكبر ص ٤٢٢، طبع بيروت۔
وكذا في شرح الفقه الاكبر: ثم اعلم ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما اعلمهم ـــ الخ ص ٤٢٢، طبع بيروت۔
وفي البزازية: عن هذا قال علماؤنا من قال ارواح المشائخ حاضرة يكفر، الثاني فيما يتعلق بالله، ج ٦ ص ٣٢٦، طبع علوم الإسلامية، چمن بلوچستان۔
۲) بالله يا ظبيات القاع قلن لنا اليلاً منكن ام ليلاً من البشر۔
وكذا قال جامي، زمانك اے لاله سيراب برخيز، چونرگس خواب چند از خواب برخيز۔
۳) (يا ايها المزمل ـــ سورة المزمل الآية ١، يا ايها النبي جاهد الكفار، سورة الآية ٨٣، يا ايها المدثر، سورة المدثر الآية ١۔
٤) فينبغي او يجب التباعد عن هذه العبادة (الموهم لمعنى الشرك) شامي كتاب الجهاد، مطلب في معنى درويش، درويشان ج ٦ ص ٣٩٦، طبع رشيديه كوئٹه۔
٥) وفي التاتار خانيه معزياً للمنتقى عن ابي يوسف عن ابي حنيفة لا ينبغي لاحد ان يدعوا الله الا به وفي الشامي (به) اى بذاته وصفاته واسمائه، حاشية ابن عابدين، كتاب الحضر والإباحة، فصل في البيع، ج ٩ ص ٦٥٣، طبع رشيديه كوئٹه۔

معراج میں اپنی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دریں مسئلہ کہ معراج کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا اپنی آنکھوں سے دیدار کیا یا نہیں۔ فکان قاب قوسین او ادنیٰ کی آیت کس چیز کی قربت اور دیدار ظاہر کرتی ہے۔

﴿ج﴾

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نیز ائمہ اربعہ و علماء اہل سنت والجماعت رحمہم اللہ کا مسلک یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے[1]۔ فکان قاب قوسین او ادنیٰ[2] کی آیت میں روایت و درایت کی رو سے حضرت جبریل علیہ السلام کے قرب و دیدار کی شان ذکر کی جاتی ہے البتہ بعض روایات ضعیفہ کی بناء پر مفسرین نے اختلاف کو نقل کیا ہے اور اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کو بتلایا ہے[3]۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور مختار کل سمجھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے حق میں کہ:

(۱) زید نبی علیہ السلام کو حاضر و ناظر سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کا وجود مبارک نور ہے بشر نہیں ہیں۔ بکر کہتا

---

۱) وفي صحيح مسلم عن ابي ذر رضي الله عنه قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم هل رأيت ربك؟ فقال: "نور انى اراه" وفي رواية: "رأيت نورا" سورة النجم، الآية ۱۲ تفسير ابن كثير، ج ۶ ص ۲۴، طبع قديمي كتب خانه كراچى۔
عن ابن عباس رضي الله عنه قال رأى محمد صلى الله عليه وسلم ربه، ج ۶ ص ۲۴، طبع قديمي كتب خانه كراچى۔ تفسير ابن كثير طبع قديمي كتب خانه كراچى۔

۲) فكان قاب قوسين او ادنى، سورة النجم الآية ۹۔

۳) قال عبد الله ابن مسعود رضي الله عنه في هذه الآية: (فكان قاب قوسين او ادنى) قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، رأيت جبريل له ستمائة جناح، تفسير ابن كثير، ج ۶ ص ۲۳، طبع قديمي كتب خانه كراچى۔

ہے کہ حضور علیہ السلام حاضر ناظر نہیں ہیں..... اور حضور ﷺ افضل البشر ہیں نور نہیں ہیں۔

(۲) زید کہتا ہے کہ حضور ﷺ مختار کل ہیں اور کل علم غیب جانتے ہیں اور خدا کے پکڑے ہوئے کو چھڑا سکتے ہیں لیکن خدا ان کے پکڑے ہوئے کو نہیں چھڑا سکتا بکر کہتا ہے کہ آپ ﷺ نہ مختار کل ہیں نہ کل علم غیب جانتے ہیں لیکن جو وحی سے بتلایا گیا فقط وہی ہے اور حضور ﷺ خدا کے مغضوب علیہ کو نہیں چھڑا سکتے۔

(۳) زید کہتا ہے کہ اولیاء کی قبروں سے امداد حاصل کر سکتے ہیں اور ان کی گیارہویں دینی ضروری ہے کیونکہ ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر علاقہ میں کسی نہ کسی نبی ﷺ بزرگ کو مقرر کیا ہے وہ دنیا کا انتظام کرتے ہیں۔ بکر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوی امداد کے کوئی لائق نہیں اور گیارہویں شرک ہے کیونکہ تقرب غیر اللہ پایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنا کام کسی کے سپرد نہیں کیا۔

(نوٹ) زید جو کہ مذکورہ بالا عقیدہ رکھتا ہے عند الشرع مشرک ہے یا مسلمان مع الدلائل تحریر فرمادیں اور عقیدہ مذہب کا حق ہے یا بکر کا ہر ایک کی بات کو دلیل سے رد کریں۔

﴿ج﴾

یہ سب یعنی انبیاء و اولیاء یا کسی مخلوق کو حاضر ناظر سمجھنا[1] نیز انبیاء کو بشر نہ یقین کرنا[2] یا انبیاء کو مختار کل یا خدا کے پکڑے ہوئے العیاذ باللہ خدا کی مرضی کے بغیر چھڑا سکنا یہ سب شرک و کفر کی باتیں ہیں[3] اولیاء سے

---

۱) ومن هذا قال علماءنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة يكفر، الثاني ما يتعلق بالله، البزازية ج ٦ ص ۳۲٦، طبع علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔
وكذا في شرح الفقه الاكبر، ثم اعلم ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما اعلمهم ..... الخ ص ۲۹۲، طبع بيروت۔

۲) ومن قال لا ادرى ان النبي ﷺ كان انسياً او جنياً يكفر كذا في الفصول العمادية، فتاوى العالمگيرية، ومنها ما يتعلق بالانبياء ..... الخ، ج ۲ ص ۲٦۳، طبع علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔
(قل انما انا بشر مثلكم يوحى الي ..... الخ، سورة الكهف، الآية ۱۱۰، سورة حم السجدة الآية ٦۔
(ان انتم الا بشر مثلنا ..... سورة ابراهيم الآية ۱۰۔
(قالت لهم رسلهم ان نحن ..... سورة ابراهيم۔

۳) (قل من بيده ملكوت كل شيء وهو يجير ..... سورة المؤمنون، الآية ۸۸۔
(قل اني لا املك لكم ضراً ولا رشداً ..... سورة الجن، الآية ۲۱)۔
(قل لا املك لنفسي ضراً ولا نفعاً ..... سورة يونس، پاره صفحه ۲٦۷۔
ومنها انه ان ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالى ..... الخ حاشية ابن عابدين كتاب الصوم، مطلب في النذور، ج ۲ ص ٤۹۱، طبع رشيديه كوئٹه۔

مستقل امداد جائز (۱)۔ جمعہ گیارہویں کو غیر اللہ کی نذر ماننا کو کرنا یہ بھی شرک ہیں (۲)۔ البتہ اولیاء کی قبور سے فیض کا حصول ہوتا ہے (۳)۔ جو صاحبان خواص کو محسوس ہوتا ہے۔ یہ عوام کا کام نہیں۔ تکوینی نظام کے لیے اقطاب ابدال ہوتے وغیرہ اہل لوگوں کو مقرر کیا گیا ہے۔ یہی اہل سنت والجماعت صوفیہ حقہ کا مذہب ہے (۴)۔ واللہ اعلم۔

بالصواب محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حضور ﷺ کے علم کو خدا کے علم کے مساوی سمجھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ

(۱) زید کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو فرمایا ہے۔ واللہ لا ادری ما یفعل بی و لا بکم یہ حدیث ہے۔ عمر کہتا ہے یہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ جو اس کو حدیث کہے وہ جھوٹا ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔ عمر کہتا ہے یہ غلط ہے۔ جب تک کسی کتاب کا حوالہ نہ ہو ہم اس کے قائل کو جھوٹا کذاب جانتے ہیں۔ ان دونوں کے اختلاف کا فیصلہ فتویٰ پر ہے۔

﴿ج﴾

(۱) پارہ ۲۶ کی ابتداء سورہ احقاف میں یہ قرآن کی آیت ہے۔ وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (۵).

---

(۱) فلا تدعوا مع اللہ احداً، سورۃ الجن، ایاک نعبد وایاک نستعین، سورۃ الفاتحۃ، الآیۃ ۵.

(۲) واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام ... فهو بالاجماع باطل وحرام، حاشیۃ ابن عابدین، کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی ... الخ، ج ۲ ص ۴۳۹، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔ لانہ عبادۃ حاشیۃ ابن عابدین کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی ... الخ، ج ۲ ص ۴۳۹، طبع رشیدیہ جدیدیہ کوئٹہ۔

وکذا فی البحر الرائق: واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما هو مشاهد ... فهذا النذر باطل بالاجماع لوجوہ، کتاب الصوم فصل فی النذر، ج ۲ ص ۵۲۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۳) وینتفع الزائرون بحسب معارفهم واسرارهم ... الخ کتاب الصلاۃ، مطلب فی زیارۃ القبور، ج ۲ ص ۶۲۸، حاشیۃ ابن عابدین طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۴) وقال ابن عابدین فی رسائل الرسالۃ الباب الثانی فی ما ورد فیهم من الآثار النبویۃ الدالۃ علی وجودهم وصفاتهم ... ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تسبوا اهل الشام فان فیهم الابدال رواہ الطبرانی وغیرہ، ج ۲، ص ۲۶۹، طبع سہیل اکیڈمی لاہور۔

(۵) وما ادری ما یفعل بی ولا بکم، سورۃ الاحقاف، الآیۃ ۹.

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق امت کو بتائی ہیں اس لیے یہ تو صحیح نہیں کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کا کوئی علم نہیں[1]۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت وہ باتیں آپ کو نہ بتائے، راز میں مخفی رکھنا چاہے تو پھر ان باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مخصوص ہوگا[2]۔ ایسی باتوں میں نزاع نہ کیا جاوے[3]۔ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مخلوقات میں سب سے وسیع ہے[4] اور اللہ تعالیٰ اور آپ کے علم کو مساوی اور برابر قرار دینا شرک ہے[5]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ، مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ

حضور ﷺ خدا کے جسم کا نوری مظہر ہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی جو کہ اپنے آپ کو عالم حقانی ہونے کا دعویٰ کر کے چند بھولے بھالے مسلمانوں کو دو ماہ یا کم و بیش عرصہ نماز پڑھاتا رہے۔ مگر بعد میں کسی غیر شرعی کام کرنے پر جب اس سے دریافت کیا جائے تو وہ مندرجہ ذیل عقائد کا اظہار لسانی کرے۔ تو وہ سیدھے سادھے مسلمان فوراً اپنی نماز علیحدہ علیحدہ ادا کریں۔ اور پھر اس کی اقتداء نہ کریں۔ کیا ان کی پیچھے ادا شدہ نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ براہ کرم ان سوالوں کا جواب دیں۔

(۱) زید کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے جسم کا نوری مظہر ہیں۔

(۲) حضرت محمد مصطفیٰ نبی آخر الزمان ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

---

۱) ذالک من انباء الغیب نوحیه الیک، سورة یوسف، الآیة ۱۰۲۔

۲) وان الرسل یعرفون بعض الغیب، قال الله تعالیٰ: عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا، سورة الجن، الآیة ۲۶، حاشیه ابن عابدین، کتاب النکاح، مطلب فی عطف الخاص علی العام، ج ٤ ص ۲۰۲، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۳) (وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو) سورة الانعام، الآیة ۵۹۔

٤) عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان الله یرضی لکم ثلاثا ویسخط لکم ثلاثا ...... قیل وقال، وکثرة السوال ...... الخ تفسیر ابن کثیر، ج ۱ ص ۵۱٦، بیروت، وینبغی ان لا یسئل الانسان عما لا حاجة الیه ...... الخ، حاشیه ابن عابدین، کتاب الخنثی، مسائل شتی، ج ۱۰ ص ۵۳۰، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۵) عن عائشة رضی الله عنها ...... ثم یقول ان اتقاکم واعلمکم بالله انا، صحیح البخاری، باب قول النبی ﷺ انا اعلمکم بالله ...... الخ ص ۷، طبع قدیمی کتب خانه، (لیس کمثله شیء) سورة الشوریٰ، الآیة ۱۱، (من شبه الله بشیء من خلقه فقد کفر) شرح الفقه الاکبر، ص ۱۹٤، طبع بیروت۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اہل سنت کے عقائد

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ایک شخص کلمہ گو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے اپنے ذات کے نور سے ہیں۔ کیا وہ مسلمان ہے یا مشرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ شرک ہے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو۔ جو صحابہ کرام وشہداء واولیاء کرام کا عقیدہ ہے۔

(۲) درود تاج، درود لکھی، درود اکبر اس ترتیب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام سے ثابت ہیں یا نہ؟ یا کس نے ان کو رواج دیا ہے۔

سائل محمد قاسم شہیدی

﴿ج﴾

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہنا جائز ہے[1]۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ آپ اور تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جنس بشر سے ہیں۔ اگرچہ افضل البشر ہیں۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنا شرکیہ عقیدہ ہے۔ یہی قرآن وحدیث کی نصوص سے ثابت ہے اور یہی تمام امت کا عقیدہ چلا آتا ہے[2]۔

(۲) اس ترتیب پر اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین سے ثابت نہیں، لیکن جو بھی درود ہو پڑھنے کے جائز ہے۔ جب تک اس میں شرعاً کوئی ناجائز کلمہ موجود نہ ہو۔ میں نے تفصیل نہیں پڑھی اور نہ یہ معلوم ہے۔ اس لیے تفصیلات کا علم نہیں[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵/ذی الحجہ ۸۸ھ

---

۱) (قالت لهم رسلهم إن نحن إلا بشر مثلكم) سورة إبراهيم، الآية: ۱۱، (إن أنتم إلا بشر مثلنا) سورة إبراهيم، الآية: ۱۰، (قل إنما أنا بشر مثلكم يوحى إلي) سورة الكهف، الآية: ۱۱۰، سورة حم السجدة، الآية: ٦، (من قال لا أدري أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إنسا أو جنا يكفر) الفتاوى العالمكيرية، ومما يتصل بذلك، ج ۲ ص ۲٦۳، طبع علوم إسلامية، چمن بلوچستان۔

۲) والمعتقد المعتمد أفضل محقق نبينا حبيب الحق وقد ادعى بعضهم الإجماع على ذلك ..... إلخ، شرح الفقه الأكبر، تفضيل بعض الأنبياء ..... ص ۲۲۰، طبع بيروت، وكذا في الشامية اجتمعت الأمة على ..... إلخ كتاب الصلاة، ج ۲ ص ۲٤٥، طبع رشيدية كوئٹہ

۳) ولا شك أن أنفع الأدعية المأثورة أولى وأرجى للقبول، تكملة فتح الملهم، مسئلة التوسل، ج ٤ ص ٦۲۲، طبع دار العلوم كراچی۔

من کل الوجوہ عالم الغیب اور علم کلی کا عقیدہ

﴿س﴾

(۱) کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم من کل الوجوہ عالم الغیب و حاضر و ناظر ہیں۔
(۲) کیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم کلی حاصل ہے۔

﴿ج﴾

(۱) نہیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے[1]۔ (۲) نہیں

قرآن کریم میں تحریف

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا اعتقاد یہ ہو کہ جو واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن شریف میں موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تجلی نور ہوئی اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ یہ تجلی نور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تھی۔ یعنی تجلی نور رب العزت سے اعتقاد نہیں رکھتا بلکہ تجلی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معتقد ہے۔

﴿ج﴾

ایسا قول کرنا آیت کتاب اللہ کی مخالفت کرنا ہے یہ قرآن شریف کی تحریف ہے۔ قرآن میں ہے۔ فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا وخر موسی صعقا فلما افاق قال سبحنک[2]۔ الآیۃ۔ لہٰذا اس سے توبہ کرنا لازم ہے[3] اگر توبہ نہ کرے تو مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے[4]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) (قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ، سورۃ النمل، الآیۃ ۶۵) (وھو اللہ فی السموات وفی الارض یعلم سرکم وجھرکم ویعلم ما تکسبون، سورۃ الانعام، الآیۃ ۳۔

۲) سورۃ الاعراف، الآیۃ ۱۴۳۔

۳) انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء، سورۃ النساء، الآیۃ ۱۷۔

۴) ولا ترکنوا الی الذین ظلموا ۔۔۔ سورۃ ھود، الآیۃ ۱۱۳۔

کیا حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تقویۃ الایمان میں مندرجہ عقائد درست ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری مسجد میں دو گروہ ہیں ایک کہتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلحاظ اخوۃ اسلامی کے بھائی کہنا چاہیے اور دلیل پکڑتا ہے تقویۃ الایمان سے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف یعنی لفظ اعبدوا ربکم و اکرموا اخاکم کے ماتحت فرماتے ہیں۔

(ف) یعنی انسان سب آپس میں بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اسی کی چاہیے اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء اور امام زادہ و پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی اور وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں۔ سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے نہ کہ خدا کی سی (بحق) اب اس عبارت پر دوسرے شخص لکھتے ہیں اس عبارت کو بعض ناواقف اعتراض کا نشانہ بناتے ہیں اور بے ادبی کے الفاظ کہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں یہ بھی کوئی بے ادبی کا لفظ نہیں خود حدیث میں ہے جیسے خود مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب تقویۃ الایمان میں مسند احمد سے بحوالہ کتاب مشکوٰۃ نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعبدوا ربکم و اکرموا اخاکم۔ یعنی عبادت اللہ کی کرو وہاں اپنے بھائی کا یعنی میرا اکرام کرو یعنی ادب کرو یعنی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو بھائی کہا۔

(۲) قرآن میں ہے انما المؤمنون اخوۃ سب مؤمنین بھائی ہیں۔

(۳) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا انما انا اخوک میں تو آپ کا بھائی ہوں جس کے جواب میں آپ نے فرمایا انت اخي في دين الله و كتابه۔ بے شک دین اللہ و کتاب اللہ میں آپ میرے بھائی ہیں۔

(۴) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وددت لو انا قد رأینا اخواننا۔ "مجھے تو بہت پسند ہے کہ کاش میں اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا" اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے وہ لوگ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد آنے والے تھے اور حدیث شریف مکمل طور پر مشکوٰۃ شریف ص ۴۰ پر ہے۔

(۵) قرآن کریم نے نبیوں کو بھی اپنی امت کا بھائی کہا ہے۔ فرمان ہے والى عاد اخاهم هودا۔ والى ثمود اخاهم صالحا۔ والى مدين اخاهم شعيبا۔ و اخوان لوط۔

(۶) اسی طرح اگلے پیغمبروں کو بھی آپ نے بھائی کہا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنا بھائی فرمایا ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی فرمایا ہے۔ انتہی۔ حاشیہ تقویۃ الایمان ص ۴۲ مطبوعہ کراچی۔ اور تقویۃ الایمان کے بارے میں حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب امداد المفتین حصہ پنجم ص ۱۴۲ میں فرماتے ہیں سوال حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی تصنیف تقویۃ الایمان کے بارے کیا رائے ہے اور جو لوگ کفر کا فتویٰ دیتے ہیں وہ کس بنا پر عام طور پر اس کتاب کے متعلق جو اختلاف پیدا ہو چکا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عقیدۃً بھائی کہنا چاہیے یا نہ اور کتاب تقویۃ الایمان کے بارے کیا عقیدہ رکھنا چاہیے تاکہ دوسرا گروہ مخالفت الحق نہ کرے۔

المستفتی اللطیف متعلم مدرسہ قمریہ فیصل آباد

﴿ج﴾

تقویۃ الایمان کے جملہ مسائل بالکل ٹھیک ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اخوت ایمانی میں پوری امت مسلمہ کے بڑے بھائی ہیں اس میں ان کی کسی قسم کی بے ادبی نہیں ہے بلکہ امت کے لیے باعث سعادت ہے [1]۔

عبدالرحمٰن نائب مفتی الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ـ۳ـ۱۳۸۹ھ

کیا تقویۃ الایمان کو درست ماننے والا کافر ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں صورت کہ شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب تقویۃ الایمان کے نام سے تصنیف کی۔ زید نے چند اشخاص کے روبرو کہا کہ اس کتاب کو درست ماننے والا اور پڑھنے والا کافر ہے۔ نیز یہ بھی کہا کہ شاہ اسماعیل شہید کو مومن کہنے والا بھی کافر ہے کیا یہ جناب حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ

---

(۱) انما المؤمنون اخوة. (سورة الحجرات، الآية ۱۰)۔
(عن عمر رضي الله عنه انه استأذن النبي صلى الله عليه وسلم في العمرة فقال: "اي اخي اشركنا في دعائك ولا تنسنا". جامع الترمذي، احاديث شتى من ابواب الدعوات، ج ۲ ص ۱۹۶، طبع ايچ ايم سعيد كمپنی)۔
(وددت انا قد رأينا اخواننا) قالوا: او لسنا اخوانك يا رسول الله؟ قال: "انتم اصحابي واخواننا الذين لم يأتوا بعد". الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة، ج ۱ ص ۱۲۷، طبع قديمي كتب خانه كراچي، ومثله في سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب حلية الوضوء، ج ۱ ص ۳۵، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

کے مذہب میں درست ہے اگر درست نہیں ہے تو کہنے والا یعنی زید کافر ہے یا نہیں اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم، متقی اور بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری کرنے والے اور قرآن وحدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے اور تمام عمر اسی حالت میں رہے۔ آخر فی سبیل اللہ جہاد میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ پس جس کا ظاہر حال ایسا ہو وہ ولی اللہ اور شہید ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ان اولیاءہ الا المتقون [1]۔ اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک وبدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب اجر کا ہے۔ جو اس کے رکھنے کو برا کہتا ہے وہ فاسق اور بدعتی ہے اگر اپنے جہل سے کوئی اس کتاب کی خوبی نہ سمجھے تو اس کا قصور فہم ہے کتاب اور مؤلف کتاب کی کیا تقصیر بڑے بڑے عالم اہل حق ان کو پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کسی گمراہ نے اس کو برا کہا وہ خود ضال اور مضل ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۱) [2]۔ باقی مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو لوگ کافر کہتے ہیں بتاویل کہتے ہیں اگرچہ وہ تاویل ان کی غلط ہے ان لوگوں کو کافر کہنا اور معاملہ کفار کا کرنا نہ چاہیے جب کہ روافض وخوارج کو بھی اکثر علماء کافر نہیں کہتے حالانکہ وہ شیخین وصحابہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کو کافر کہتے ہیں۔ پس جب بسبب تاویل باطل کے ان کے کفر سے بھی ائمہ نے تحاشی کی تو مولوی محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو بطریق اولیٰ کافر نہ کہنا چاہیے۔ فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۰) [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ

---

۱) آیت کا حوالہ ان اولیاءہ الا المتقون، سورۃ الانفال، الآیۃ ۳٤۔

۲) شاہ اسماعیل شہید کے مختصر حالات، فتاوی رشیدیہ، ص ۸۵، طبع ادارہ اسلامیات، لاهور۔

۳) مولانا اسماعیل شہید کو کافر کہنا، فتاوی رشیدیہ، ص ٦۳، طبع ادارہ اسلامیات۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنهما: قال قال رسول اللہ ﷺ ایما رجل قال لاخیه کافراً فقد باء بها احدهما" متفق علیه، صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من اکفر اخاه بغیر ـــ الخ، ج ۲ ص ۹۰۱، قدیمی کتب خانه، وکذا فی التعلیق شرح المشکوۃ المصابیح، وقال ابن بطال یعنی باء باثم دمیه لاخیه بالکفر ای رجع وزر ذلك علیه ـــ الخ، ج ٥ ص ۱۷۳، کتاب الادب، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وهکذا فی العالمگیریة: والمختار للفتوی فی جنس هذه المسائل ان القائل بمثل هذه المقالات ان کان ـــ الخ، ج ۲ ص ۲۷۸، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

کفریہ الفاظ والی نظم

(س)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل نظم کے بارے میں۔

نبی و آل کی رہنمائی کیجیے	یا محمدؐ مقتدائی کیجیے
اسوہ تیرا ہمارا رہنما	ہاں عمل سے رہنمائی کیجیے
کشتی امید ہے سنت تیری	ڈوبتوں کی ناخدائی کیجیے
جان و دل سے اہل دل حاضر ہیں آج	دلستانی دلربائی کیجیے
اپنی امت کی شفاعت کے لیے	مہربانی انتہائی کیجیے
اتباع حق ہے تیرا اتباع	اب فدائی پر خدائی کیجیے
بعد حق سب سے بڑے ہیں آپ ہی	مجھ پہ تم بھی بڑائی کیجیے
ہوں غلام ابن غلام ابن غلام	مجھ سے کیوں بے اعتنائی کیجیے
پھر مدینہ میں مجھے بلوایئے	پاس درد نارسائی کیجیے
عشق صادق ہو رہا ہے یا نبی	عشق کی مشکل کشائی کیجیے
اپنے قدموں میں جگہ دے کے مجھے	بندۂ در سے بھلائی کیجیے

المستفتی: اسلم مجاہد الہ دین، مقام ملتان کبوتر منڈی گلی پاچہ والی

(ج)

اس نظم میں جہاں جہاں پر ایسے جملے لکھے گئے ہیں مثلاً یا محمدؐ، یا مشکل کشائی، یا ڈوبتوں کی ناخدائی وغیرہ وغیرہ ان سب کا تعلق عقیدہ سے ہے، اگر کہنے والے کا یہ عقیدہ ہو کہ نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہیں، میری ندا آواز سنتے ہیں، یا علیم بعلم غیب فریاد رسی کرتے ہیں تو صریح شرک ہے[1] اور اگر محض محبت یا اس خیال کہ حق تعالی

---

(۱) وبالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه ولا سبيل للعباد .... والإلهام بطريق .... ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلاة لم يعلموا ... وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير ... (قل لا يعلم من في السماوات والأرض الغيب إلا الله) سورة النمل الآية ٦٥، شرح الفقه الأكبر ص ٢٢٢، طبع بيروت، وفي البزازية ومن قال أرواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر، فتاوى فيما يتعلق بالله، ج ٦ ص ٣٢٦، طبع علوم الإسلامية چمن، بلوچستان۔

(ولا تدع من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك فإن فعلت فإنك إذا من الظالمين) سورة يونس، الآية ١٠٦، مسئلہ سوال: گفتن یا رسول اللہ و یا ولی جائز است یا نہ؟ ...) و گفتن یا رسول و یا ولی اللہ کہ عادت عوام ہمین است کہ در نشست و برخاست میگویند نزد فقہاء حنفیان ناجائز است، مجموعۂ فتاوی، کتاب الکراہیۃ، ج ۵ ص ۳۲، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے تو جائز ہے۔ چونکہ اس نظم کا لکھنے والا معظم شخص ہے۔ اس لیے بالکل صحیح عقیدے سے یہ نظم لکھی ہے۔ اس لیے کوئی کفر نہیں ارشاد و تنبیہ ہے(1)۔

(نوٹ) آپ خدائی پر غور کیجیے۔ پہلے لفظ خدائی سے دنیا مراد ہے اور دوسرے لفظ خدائی سے حکمرانی مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی ساری دنیا پر مسلم ہے۔ واللہ اعلم۔

عبدالرحمن غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳-۲-۱۳۷۹ھ

"خدائی کا اظہار نہ فرماتے" کا حکم

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ فرماتے تو لوح، قلم، عرش، کرسی، زمین، آسمان حتیٰ کہ اپنی خدائی کا بھی اظہار نہ فرماتے۔ ازروئے قرآن و حدیث صحیح رہنمائی فرمائیں عند اللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ زید کا ایسا کہنا قرآن و حدیث کی رو سے درست ہے جیسا کہ موضوعات کبیر ملا علی قاری صفحہ ۱۰۱ پر ہے لولاک لما خلقت الافلاک قال الصغانی انہ موضوع کذا فی الخلاصۃ لکن معناً صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً اتانی جبریل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار وفی روایۃ ابن عساکر لولاک ما خلقت الدنیا(2)

(ترجمہ) لولاک لما خلقت الافلاک کی حدیث کے متعلق صغانی فرماتے ہیں کہ موضوع (من گھڑت) ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے لیکن مطلب اس حدیث کا صحیح اور درست ہے یعنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اللہ جل شانہ آسمانوں کو بلکہ تمام عالم کو پیدا نہ فرماتے کیونکہ دیلمی نے ابن عباس سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اے محمد ﷺ اگر آپ نہ ہوتے تو جنت و جہنم ہوتی اور نہ ہی دنیا ہی پیدا کی جاتی۔

---

1) مانند با غیبیات نداع فلی انا الا ملکی مع الملائکۃ من البشر۔
وقال جامی: ز خواب اے لالہ سیراب برخیز چو نرگس خوب چند از خواب برخیز۔

2) موضوعات کبری، الملا علی قاری، حدیث نمبر 754 نمبر 155، خوشہ مردان۔

اسی طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مدارج النبوۃ صفحہ۲ جلد۲ پر فرماتے ہیں: بدانکہ اول مخلوقات وواسطہ صدور کائنات وواسطہ خلق عالم وآدم نور محمد است صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری وسائر مکونات علوی وسفلی از آں نور واز آں جوہر پاک پیدا شدہ از ارواح و اشباح وعرش وکرسی ولوح وقلم وبہشت ودوزخ وملک وفلک وانس وجن وآسمان وزمین وبحار وجبال واشجار وسائر مخلوقات ودر کیفیت صدور این کثرت از آں وحدت وبروز دیگر مخلوقات از آں جوہر عبارات وتعبیرات غریب آوردہ اند۔

نیز اسی کتاب کے صفحہ۲ جلد۲ پر ایک روایت کا مضمون نقل فرماتے ہیں: وحی کہ پس خدا آمد کہ وی آخر پیغمبران از ذریت وزمین را تراب بطفیل او آفریدہ ام۔

ولد کی تفسیر نائب کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک مولوی صاحب جو کہ اپنے درس قرآن میں فرق باطلہ کی عموماً اور شرک وبدعت کی خصوصاً تردید کرتا رہتا ہے۔ ایک موقع پر مولوی صاحب مذکور نے اپنے درس میں ایک نعت خوان کے مندرجہ ذیل جملوں کی تردید فرمائی جو کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر کہے گئے تھے۔ وہ یہ ہیں: نہ زمین ہوتی نہ آسمان ہوتا، نہ عرش ہوتا، نہ کرسی ہوتی، نہ لوح محفوظ ہوتی اور نہ خدا کی خدائی ہوتی، اگر محمد رسول اللہ ﷺ نہ ہوتے۔ ان مولوی صاحب نے مذکورہ جملوں کی خوب تردید کی اور کہا کہ یہ الفاظ کہنا شرعاً ناجائز ہیں بلکہ اسی طرح اہل تشیع درجہ غلو میں لولاک لما خلقت الافلاک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کہتے ہیں اور اسی طرح یہود عزیر علیہ السلام اور نصرانی مسیح علیہ السلام کے حق میں کہتے ہیں۔ اور بریلوی حضرات غلو میں پہنچ کر لولاک لما خلقت الافلاک جیسے الفاظ کہتے ہیں مولوی صاحب نے کہا کہ یہ سب کے سب جملے شرعاً ناجائز ہیں اور کبیرہ گناہ ہیں اور یہ سب موضوعات میں سے ہیں ان کی کوئی سند نہیں۔ ایک آدمی نے مولوی صاحب سے سوال کیا کہ یہودی اور عیسائی تو عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھتے تھے جبکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ تم نے ہم کو اس بات میں یہودیوں اور نصرانیوں سے تشبیہ دی ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہودی اور عیسائی اگرچہ انہیں خدا کا بیٹا کہتے ہیں لیکن خدا کی طرف سے ساتھ ساتھ نائب اور متصرف فی الوجود سمجھتے تھے۔ جیسا کہ نحن ابناء اللہ واحباؤہ سے ثابت ہوتا ہے اور بخاری شریف وقالوا اتخذ اللہ ولدا کے تحت بیٹا نائب ومتصرف لکھا ہے۔ اس آدمی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ بخاری کو میں آگ لگاتا ہوں۔

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ مولوی صاحب کی تقریر بالا شرعاً کیا درست ہے اور ولد کا معنی (تاباً متصرفاً) مفسرین سے ثابت ہے اور کیا محلے داروں کو درس سننا چاہیے یا نہیں اور جس نے انکار کرتے ہوئے بخاری کے جلانے کو کہا اس پر شرعاً کیا سزا ہے۔

﴿ج﴾

مولوی صاحب مذکور کی بات بالکل درست ہے۔ نعت خوان کی بات بالکل غیر صحیح ہے [1]۔ ولد کی تفسیر تاباً متصرفاً کے ساتھ ثابت ہے [2]۔ محلہ والوں کو اس کا درس سننا چاہیے۔ توحید و سنت کی اشاعت اس زمانہ میں از حد ضروری ہے لیکن یہ ضرور خیال رہے کہ اشاعت حق میں حکمت اور موعظہ حسنہ سے کام لے۔ شدت اور سختی سے پرہیز کرے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے [3]۔ بخاری کے متعلق بے ادبی کے الفاظ کہنے والے کو توبہ لازم ہے [4]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

شق قمر کے معجزے کی جگہ

﴿س﴾

گزارش ہے کہ چاند دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس مقام پر دکھایا تھا اور چاند کا ایک ٹکڑا کس مقام پر اترا تھا۔ اس کے بارے میں وضاحت فرما دیں۔

﴿ج﴾

ہجرت سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تشریف فرما تھے، کفار کا مجمع تھا انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی، آپ نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو، ناگاہ چاند پھٹ گیا، دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا، بیچ میں پہاڑ حائل تھا۔ جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا

---

۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنهما اتانی جبریل فقال یا محمد لو لاك ما خلقت الجنة ولو لاك ما خلقت النار ..... الخ حدیث نمبر ۷۵۵، موضوعات الکبری، طبع، غوثیہ مردان، حدیث لو لاك لما خلقت الافلاك، حدیث نمبر ۷۵٤، الموضوعات الکبری، طبع غوثیہ مردان، یہ احادیث موضوع ہیں۔

۲) ان الواقع قولنا عزیر ابان اللہ ای اوضح احکامه وبین دینه او نحو ذلك بعد ان اخبر اللہ سبحانه، تفسیر روح المعانی، سورة التوبة، الآیة ۳۰ بیروت۔

۳) ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة، سورة النحل، الآیة ۱۲۵۔

٤) انما التوبة علی اللہ للذین یعملون السوء، سورة النساء، الآیة ۱۷۔

پھر دو ٹکڑے ہو گئے (۱) فقط واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی ۲۰۔۲۔۱۳۳۱ھ

کیا محفل میلاد میں قیام کرنا جائز ہے

(سوال)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیام مروجہ مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ملک میں اکثر عوام تک ضروری جانتے ہیں اور بعض علما بھی اس قیام مروجہ کے نہ کرنے والوں اور منع کرنے والوں کو بے ادب سمجھتے ہیں۔ بعض لعن طعن کرتے ہیں کیونکہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں اور بعض یہ اعتقاد نہیں رکھتے مگر بوقت ذکر ولادت نبی ﷺ قیام مستحب اور مستحسن کہتے ہیں اور بعض اس کو بدعت و حرام کہتے ہیں۔ کیا یہ قیام مولود جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہو تو ان بزرگوں نے کیوں کیا جیسے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی مرحوم۔ مولانا کرامت علی جونپوری علامہ برزنجی و احمد رضا خان بریلوی وغیرہ اور ان حضرت کے بعض رسائل میں بھی جواز قیام پر استدلال ثابت ہے۔ نیز حدیث کی قرینہ میں جو قوموا الی سیدکم ہے اس کا جواب کیا ہے اور اگر یہ قیام مروجہ ناجائز ہے تو مشکوۃ شریف ص ۴۰۳ میں وارد احادیث مثلاً عن انس ﷺ قال لم یکن شخص احب الیہم من رسول اللہ ﷺ وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیته لذلک رواہ الترمذی. وفی حدیث ابی امامة لاتقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضھم بعضاً رواہ ابوداؤد عن معاویة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار. رواہ الترمذی وغیرہ احادیث کا کیا جواب ہے؟

---

(۱) عن انس رضی اللہ عنه انه حدثهم ان اهل مکة سألوا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان یریهم آیة فاراهم انشقاق القمر (الصحیح للبخاری، باب سؤال المشرکین ان یریهم النبی صلی اللہ علیه وسلم آیة الخ ص ۵۱۳ طبع قدیمی کتب خانه کراچی)

وکذا فی تفسیر ابن کثیر: عن ابیه قال انشق القمر علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فصار فرقتین فرقة علی هذا الجبل وفرقة علی هذا الجبل فقالوا ... (سورة القمر، الآیة ۱، ج ۴ ص ۲۶۰ طبع قدیمی کتب خانه کراچی)

وکذا فی تفسیر روح المعانی من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنه انشق القمر علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فرقتین فرقة علی الجبل وفرقة دونه (سورة القمر الآیة ۱، ج ۲۷ ص ۷۴ طبع دار احیاء بیروت)

اور تمام فتاویٰ کی کتابوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قیام مولود کیا خود محفل مولود ہی بدعت ہے مگر پھر بھی ہم اپنے اطمینان کے لیے حضرت والا کی جانب سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی ایک درخواست ہے کہ اس قیام کرنے والے اور رواج دینے والے کو امام مسجد متعین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قیام مروجہ شرعاً ناجائز ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا اس قسم کی مجالس میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں اس قسم کی مجالس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہ بہت بعد کی ایجاد ہے[1]۔ لہٰذا جو شخص اپنے قیام کو رواج دیتا ہے اور باوجود سمجھانے کے بدعات سے باز نہیں آتا تو اس کو امام مقرر نہ کیا جائے اور اس کی امامت مکروہ ہے[2]۔ اس کے متعلق فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۲۲ پر ہے[3]: مجلس مروجہ موجود کہ جس کو سائل نے لکھا ہے بدعت مکروہہ ہے۔ اگرچہ نفس ذکر ولادت فخر دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام جائز ہے۔ مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہوگئی کہ قاعدہ فقہ کا ہے کہ مرکب حلال وحرام سے حرام ہو جاتا ہے[4] پس اس وقت مجموعہ مجلس مولود میں بکثرت روشنی کرنا زائد حد ضرورت چراغ جلانا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے کہ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین[5] الآیہ۔ حکم ناطق قرآن شریف کا ہے۔ علیٰ ہذا امر ان

---

۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷، قدیمی کتب خانہ، وفی فیض الباری: واعلم ان القیام عند ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدعۃ لا اصل لہ فی الشرع واحدثہ ملک الاربل کما فی تاریخ ابن خلکان، وھکذا علی حاشیتہ لبدر عالم المیرٹھی، کتاب الصلوٰۃ، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال، ج ۱ ص ۴۱۶، مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ۔
ومثل ھذا فی الفتاوی الحدیثیۃ، مطلب فی ان القیام فی اثناء مولدہ الشریف بدعۃ، ص ۱۹۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ مطلب فی ان القیام فی اثناء مولدہ الشریف بدعۃ، صفحہ نمبر ۱۶۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
۲) (ویکرہ) تحریماً امامۃ عبد ..... وفاسق واعمی ..... (وان) انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ (کفر بھا) فلا یصح الاقتداء بہ اصلاً) در مختار، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ، ج ۲ ص ۲۹۸، رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی الھندیۃ: قال المرغینانی: تجوز الصلوٰۃ ..... وحاصلہ ان کان ھوی لا یکفر بہ صاحبہ تجوز الصلوٰۃ خلفہ مع الکراھۃ والا فلا، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ، ج ۱ ص ۸۴، رشیدیہ کوئٹہ۔
ومثلہ فی البحر الرائق: کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ، ج ۱ ص ۶۰۷ تا ۶۱۰، رشیدیہ کوئٹہ۔
۳) فتاوی رشیدیہ، مجلس میلاد کا حکم، صفحہ نمبر ۱۱۶، طبع ادارہ اسلامیہ لاہور۔
۴) اذا اجتمع الحلال والحرام ... غلب الحرام، (در مختار، کتاب الطہارۃ، مطلب فی ابحاث الغسل، ج ۱ ص ۱۲۶، ایچ ایم سعید کراچی۔
۵) سورۃ بنی اسرائیل، پارہ نمبر ۱۵، آیت نمبر ۲۷۔

خوش الحان کا نظم اشعار پڑھنا موجب تسکین فتنہ کا ہے اور کراہت سے خالی نہیں اور قیام بالخصوص اسی تکرار اور اسی محفل میں ہونا بدعت ہے۔ پس حضور اس کی فعل کا بسبب ان امور بدعیہ کے مکروہ تحریمی اور بدعت ہوگا۔ انتہی۔

نیز مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ قیام کے بارہ میں مندرجہ ذیل ارشاد فرماتے ہیں، مجموعۃ الفتاوی صفحہ ۲۲۳[1]۔ قیام جو بوقت بیان ولادت نبویہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کیا جاتا ہے اس کی کوئی اصل معتد بہ شرعاً نہیں ہے اور یہ گمان کہ یہ قیام تعظیم نبوی ہے، فاسد ہے۔ اس وجہ سے کہ تین حال سے خالی نہیں یا یہ قیام واسطے تعظیم نام پاک محمدی کے ہے یا واسطے تعظیم ہیئت ولادت وتصور وقائع ولادت کے ہے یا واسطے تعظیم ذات محمدی کے جسداً وروحاً یا روحاً فقط ہے۔ شق اول باطل ہے۔ اولاً اس وجہ سے کہ نام پاک کی تعظیم قیام یا انحناء وغیرہ کے ساتھ کہیں نہیں وارد ہے بلکہ بدعت ہے۔ نام کی تعظیم یہی ہے کہ وقت نام لینے یا سننے کے درود بھیجا جائے۔ دوم ثانیاً اس وجہ سے اگر نام لینے کی تعظیم قیام سے ہو لازم ہے کہ تمام بیان کھڑے ہو کر کیا جائے اور جب آپ کا نام لیا جائے اسی وقت قیام کیا جائے۔ ولا قائل به۔ اور شق دوم بھی باطل ہے۔ اس وجہ سے کہ تصور ہیئت کی تعظیم اس ادا سے نہیں وارد ہے۔ باقی رہی شق ثالث وہ موقوف اس امر پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقت بیان ولادت میں جسماً وروحاً تشریف لاتے ہوں اور یہ امر شرع میں ثابت نہیں ہے۔ ومن ادعی فعلیه البیان بالادلة الشرعیة لا بما قیل او یقال اور اگر بالفرض والتقدیر آپ کا تشریف لانا ثابت بھی ہو تو یہ ثابت ہونا محال ہے کہ بوقت بیان ولادت فقط تشریف لاتے ہیں۔ نہ ابتداء بیان ولادت سے بلکہ بتقدیر ثابت ہونے تشریف لانے کے ظاہر یہ ہے کہ ابتدائی مجلس سے تشریف لاتے ہوں گے۔ پس لازم ہے کہ از ابتداء تا انتہا قیام کیا جائے۔ ولا یقول به احد الخ۔

اور بزرگوں کے عمل کے بارے میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۱۵)[2] اور حجت قول وفعل مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول وفعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور اقوال مجتہدین رحمہم اللہ سے ہوتی ہے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ جب ان کے سامنے غیر سلطان نظام الدین قدس سرہ کا فعل بطور حجت کوئی لا کر روایت کرتے ہیں تم کیوں نہیں کرتے تو فرماتے کہ فعل مشائخ حجت نہ تھا اور اس جواب کو حضرت سلطان الاولیاء بھی پسند فرماتے تھے۔ لہٰذا جناب حاجی صاحب رحمہ اللہ (حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی) کا ذکر کرنا سوالات شرعیہ میں بے جا ہے۔ مزید تفصیل "فتاویٰ رشیدیہ"[3] "مجموعۃ الفتاوی" اور "راہ سنت"[4] میں ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم   فقط محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) مجموعۃ الفتاوی، کتاب المتفرقات، صفحہ نمبر ۱۵۸، جلد سوم، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
۲) فتاوی رشیدیہ، کتاب البدعات، مجلس میلاد صفحہ نمبر ۱۱۵، طبع ادارہ اسلامیات لاہور۔
۳) فتاوی رشیدیہ کوئٹہ۔ بحوالہ بالا۔
مجموعۃ الفتاوی، بحوالہ کتاب الحظر والاباحۃ جلد دوم صفحہ نمبر ۲۸۲، ایچ ایم سعید کراچی، راہ سنت ص ۱۶۰، مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ۔

کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ جلسہ سیرت النبی ﷺ کی میں درود شریف مروجہ جس کو بیان کے بعد لوگ کھڑے ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر باواز بلند درود پڑھتے ہیں اور قیام کرتے ہیں قبل تقریر کے بعد یوں بھی کہتے ہیں کہ جلوہ گر ہو یا سید المرسلین۔ جلوہ گر ہو امام المرسلین۔

ان الفاظ میں اگر حاضر وناظر کا امکان ہے مگر کہنے والے کہتے ہیں کہ ہم ان الفاظ سے حاضر ہونا مقصود نہیں لیتے اور ان الفاظ کے بعد بیٹھنے والے سامعین کو ان الفاظ سے قیام کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اٹھو تعظیم کرنے کے لیے۔ پھر سب کھڑے ہو جاتے ہیں اور درود شریف بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ ان تمام الفاظ کے کہنے کے بعد بھی وہ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محفل میں حاضر ہونے کے قائل نہیں تو اس قسم کی محفل شریف میں ہمارے اکابرین اور سلف نے کیا کیا ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے۔

بحث ومباحثہ کے بعد علاقے کے لوگ وعلماء کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کو حاضر وناظر نہیں سمجھتے مگر اس قسم کے قیام سے ہمارے درود میں خشوع وخضوع ہوتا ہے۔ اس لیے صرف ہماری خوشی کے لیے اس کو قائم رکھنا چاہیے۔ ہمارے اعتقاد میں درود کی کوئی کیفیت نہیں جس طرح چاہے پڑھ سکتے ہیں۔ کتاب وسنت کی روشنی میں بیان فرما کر جلدی جواب عنایت فرماویں۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ذکر ولادت وسعادت کے وقت قیام کرنا بدعت اور ناروا ہے[1]۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ من احدث فی امرنا ہذا مالیس منہ فہو رد او کما قال[2]۔ یعنی جو شخص دین میں کوئی

---

(۱) العمل بالقیام عند ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدعۃ لا اصل لہ فی الشرع ... الخ۔
فیض الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الالتفات والانصراف عن الیمین والشمال، ج ۲ ص ۲۱۹، مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ۔
وھکذا فی الفتاوی الحدیثیۃ، مطلب فی ان القیام فی اثناء مولدہ الشریف بدعۃ، ص ۱۱۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ مطلب فی ان القیام فی اثناء مولدہ الشریف بدعۃ، صفحہ نمبر ۱۱۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت (وقد تقدم)۔

(۲) مشکوۃ المصابیح، کتاب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

نئی بات نکالے وہ مردود ہے قیام میلاد مروج کا ثبوت چونکہ قرون مشہود لہا بالخیر میں نہیں ملتا ہے۔ لہٰذا اس کو اچھا سمجھ کر کرنا دین میں زیادتی اور بدعت ہے۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة وفی روایة و کل ضلالة فی النار[1]۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۲، ۱۲۳[2] پر ایک فتویٰ ہے۔ جس پر ہندوستان کے اکابر علماء کے دستخط ہیں ملاحظہ ہو۔ "مجلس مروجہ مولود کہ جس کو سائل نے لکھا ہے بدعت و مکروہ ہے۔ اگرچہ نفس ذکر ولادت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان امور کے یہ مجلس ممنوع ہو گئی کہ قاعدہ فقہ کا ہے کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہو جاتا ہے۔ پس اس ہیئت مجموعہ مجلس مولود میں بکثرت روشنی زائد از حد ضرورت چراغ جلانا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے کہ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔ قرآن پڑھنا حکم قرآن شریف کا ہے۔ علی ہذا مردان خوش الحان کا نظم اشعار پڑھنا موجب ہیجان نفس کا ہے اور کراہیت سے خالی نہیں اور قیام بخصوص اسی ذکر اور اسی محفل میں ہونا بدعت ہے۔ پس حضور ایسی محفل کا بسبب ان امور بدعت و مکروہ تحریمہ کے مکروہ تحریمہ اور بدعت ہوگا۔ الخ۔

باقی کسی کیفیت یا خضوع و خشوع پیدا کرنے کی خاطر کسی بدعت و ناروا کام کو جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جس سے دین میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوتا ہو[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبد اللطیف غفر لہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰۔۱۰۔۱۳۸۷ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳۔۱۰۔۱۳۸۷ھ

مجلس کے اختتام پر قیام کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقے کے لوگ بتقریب عید میلاد پر مجلس منعقد کر کے ایک خاص موقع پر کثیر لوگ قیام کرتے ہیں۔ اس سبب سے کہ سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں اور ہر وقت حاضر و ناظر ہیں اور سٹیج و پلنگ وغیرہ بھی رکھتے ہیں اس پر آنحضور تشریف رکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

حررہ عبد اللطیف غفر لہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰۔۱۰۔۱۳۸۷ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳۔۱۰۔۱۳۸۷ھ

---

(1) سنن نسائی، کتاب العیدین، باب کیف الخطبة، ج ۱ ص ۲۳۴، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
(2) فتاوی رشیدیہ، کتاب البدعات، مجلس میلاد، صفحہ نمبر ۱۲۶، ۱۲۷، ادارہ اسلامیات لاہور۔
(3) وبشرط ان لا یکفر صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة الخ وان کانت فاسدة الخ (الشامی، باب الامامة، مطلب البدعة خمسة اقسام، ج ۱ ص ۵۶۰، ایچ ایم سعید کراچی۔

رکھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے (۱) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے لیے کھڑے ہونے سے منع فرمایا تھا جب آپ کا انتقال ہوا اس کے بعد بھی وہی حکم باقی ہے (۲)۔ خیر القرون میں کہیں قیام معروف منقول و معمول نہیں ہے، لہٰذا قیام مذکور بغیر اس عقیدۂ باطلہ کے بھی نہ کرنا چاہیے، کرنے والا مبتدع ہے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم درود سن سکتے ہیں

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت والجماعت مندرجہ ذیل مسائل میں، قرآن مجید اور احادیث کا حوالہ ضرور دیا جائے۔

(۱) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا درود شریف سن سکتے ہیں یا نہیں۔

(۲) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود پہنچتا ہے یا نہیں۔

(۳) یا محمد، یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود درود شریف سن سکتے ہیں یا اللہ کریم ہمارا پڑھا ہوا درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے ہیں۔

(۵) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں یا نہیں۔

(۶) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امداد فرما سکتے ہیں یا نہیں۔

(۷) کیا کامل پیر و مرشد کی بیعت کر لی جائے یا نہیں۔

---

(۱) كما في تنوير الأبصار: (ويكره) تنزيهاً (إمامة عبد) ... (وفاسق وأعمى) ... (ومبتدع) أي صاحب بدعة الخ (كتاب الصلاة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ج ۱ ص ۵۵۹ تا ۵۶۲، طبع رشيديه كراچي۔
ومثله في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة ج ۱ ص ۶۰۷-۶۱۱، طبع رشيديه كوئته۔

(۲) كما في مشكوة المصابيح: عن أنس رضي الله عنه قال لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانوا إذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك، (باب القيام، الفصل الثاني) ج ۲ ص ۴۰۳، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

﴿ ج ﴾

(۱) ہر وقت ہر بات کا دور سے اور قریب سے سننا فقط اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا خاصہ ہے [۱]۔ کسی اور کے لیے اس کا ماننا اسلامی عقیدہ نہیں البتہ جس وقت اللہ تعالیٰ کسی کو سنائے تو اس وقت سن سکتا ہے [۲]۔

(۲) درود شریف تمام مسلمانوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور پہنچایا جاتا ہے اس خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص فرشتے مامور ہیں وہی لے کر پہنچاتے ہیں [۳]۔

(۳) یا رسول اللہ کہنا اگر اس عقیدہ کے ساتھ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں ان سے خطاب کر رہا ہوں تو یہ عقیدہ کفر ہے [۴] اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو تب بھی بوجہ ایہام معنی فاسد کے اس سے احتراز کرنا چاہیے [۵]۔

---

۱) قال تعالیٰ: ان اللہ سمیع بصیر، سورۃ مجادلۃ، الآیۃ ۱۔

۲) قال اللہ تعالیٰ: ان اللہ یسمع من یشاء، وما انت بمسمع من فی القبور، سورۃ فاطر، پارہ نمبر ۲۲، الآیۃ ۲۲۔

وفی شرح العقائد: والمحدث للعالم ھو اللہ تعالیٰ ــــ العلیم السمیع البصیر الخ، صفحہ نمبر ۳۰، دار الاشاعت کراچی۔۲

جیسا کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول جیش والوں کو سنایا۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما بعث جیشاً وامر علیھم رجلاً یدعی ساریۃ فبینما عمر یخطب فجعل یصیح یا ساری الجبل فقدم رسول من الجیش فقال یا امیر المؤمنین لقینا عدونا فھزمونا فاذا بصائح یصیح یا ساریۃ الجبل فاسندنا ظھورنا الی الجبل فھزمھم اللہ تعالیٰ الحدیث، مشکوۃ، باب الکرامات، ج۲ ص ۵۴۶، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام، الحدیث۔

مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱ ص ۸۶، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۴) قال اللہ تعالیٰ: قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ، الآیۃ نمبر ۱۵، سورۃ النمل۔

وفی شرح الفقہ الاکبر: وبالجملۃ فالعلم بالغیب امر تفرد بہ سبحانہ ولا سبیل للعباد ــــ الخ، ص ۴۲۲، طبع بیروت۔

ھکذا فی الھندیۃ، ج ۶ ص ۳۲۶۔

۵) کما فی تفسیر ابن کثیر: عن الاقرع بن حابس رضی اللہ عنہ انہ نادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وراء الحجرات فقال: یا محمد وفی روایۃ: یا رسول ــــ سورۃ الحجرات، تفسیر ابن کثیر، ج ۵ ص ۶۴۷، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

وفی الشامیۃ: فینبغی او یجب التباعد عن ھذہ العبادۃ (الموھم نص الشرک، کتاب الجھاد، مطلب فی معنی درویش، ج ۶ ص ۳۹۶، رشیدیہ کوئٹہ۔

کیا عذاب صرف روح کو ہوتا ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ عذاب یا ثواب صرف روح کو ہوتا ہے یا روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ جن لوگوں کی قبریں نہیں ان کو عذاب یا ثواب کہاں ہوتا ہے۔ جو لوگ آگ میں جل جاتے ہیں یا سمندر میں ڈوب جاتے ہیں یا انہیں درندے کھا جاتے ہیں ان کو عذاب یا ثواب کہاں ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

وعذاب القبر للكافرين و بعض عصاة المؤمنين ثابت بالدلائل السمعية ص ۷۶ (۱) شرح عقائد و على حاشيته ويكون الروح متصلا بالجسد و كذا اذا صار ترابا يكون روحه بترابه والروح والتراب تيالم

اور ص ۷۷ پر ہے (۲) والصواب انه يجوز ان يخلق الله تعالى في جميع الاجزاء او في بعضها نوعا من الحيوة الى ان حتى الغريق في الماء والماكول في بطون الحيوانات والمصلوب في الهواء يعذب وان لم نطلع عليه.

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے احادیث اور آیات سے ثابت ہے قال الله تعالى النار يعرضون عليها غدوا و عشيا و يوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب (۳). قال النبي صلي الله عليه وسلم استنزهوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه (۴). بہرحال عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا حق ہے۔ لیکن اس کی کیفیات اور تفصیلات کا علم دنیا میں ہونا ممکن نہیں ہے (۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳۔۴۔۱۳۹۷ھ

---

۱) شرح عقائد، صفحہ نمبر ۷۶، مکتب دار الاشاعت العربیہ کوئٹہ۔ قندھار افغانستان۔

۲) صفحہ نمبر ۷۷، بحوالہ بالا۔

۳) سورۃ مؤمن، پارہ نمبر ۲۴، آیت نمبر ۴۶۔

۴) سنن دار قطنی، باب نجاسة البول، ج ۱ ص ۱۳۶، طبع دار الكتب العلمية، الترغيب والترهيب، ص ۱۸۱، طبع المكتبة العربي الشريفي، كوئٹہ۔

۵) كما في شرح العقيدة الطحاوية. وقد تواترت الاخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في ثبوت عذاب القبر ونعيمه لمن كان لذلك اهلاً ... فيجب اعتقاد ثبوت ذلك والايمان به ولا نتكلم في كيفيته ... الخ، الايمان بعذاب القبر ونعيمه، ص ۳۸۹، دار ابن حزم، بيروت۔

کیا حضور ﷺ قبر میں سنتے ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مبارک میں حیات ہیں۔ اس طرح کہ جسم مبارک میں روح موجود ہے اور جو آدمی وہاں جا کر صلوۃ وسلام پڑھتا ہے وہ سنتے ہیں۔ اور جواب بھی دیتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مبارک میں اس طرح حیات ہیں کہ جسم مبارک میں روح موجود نہیں اور کوئی وہاں جا کر صلوۃ وسلام پڑھتا ہے تو جناب نبی کریم ﷺ نہ سنتے ہیں۔ اور نہ ہی جواب مرحمت فرماتے ہیں اور جسم مبارک میں روح مبارک ماننے والے کا عقیدہ غلط ہے۔ جب کہ روح مبارک آسمان پر ہے۔ تو ان دونوں میں سے کس کا عقیدہ درست ہے؟

﴿ج﴾

پہلے شخص کی بات صحیح ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹-۳-۱۳۹۸ھ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں کیا نبی علیہ السلام روضہ اطہر میں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ یا ہر جگہ سے سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ کیا امام اعظم کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں تو اس آدمی کے لیے کیا حکم ہے جو امام صاحب کی تقلید کرتے ہوئے یہ عقیدہ نہیں رکھتا۔ اور اگر امام صاحب کا یہ عقیدہ نہیں تو اس آدمی کے لیے کیا حکم جو امام صاحب کی تقلید کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھے۔

---

(۱) قال رسول الله ﷺ ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق ..... فاكثروا على من الصلوة فيه فان صلوتكم معروضة على، فقال رجل يا رسول الله كيف تعرض صلاتنا عليك وقد ارمت يعني بليت فقال: انا الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء" الحديث، مصنف ابن ابي شيبة، كتاب الصلوة، باب في ثواب الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم، ج ۲ ص ۳۹۸، طبع امدادیه ملتان۔
وفي بذل المجهود: على ان نبي الله صلى الله عليه وسلم حي في قبره كما ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم، كتاب الصلوة، ج ۲ ص ۱۱۷، مكتبه قاسميه ملتان۔
كذا في الحاوي للفتاوى: فاقول حياة النبي صلى الله عليه وسلم في قبره هو وسائر الانبياء معلومة عندنا علماً قطعياً ..... الخ۔
مبحث انباء الاذكياء بحياة الانبياء، ج ۲ ص ۱۳۹، طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

﴿الجواب﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں حیات (زندہ) ہیں اور قبر شریف پر سلام پڑھا جائے تو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جو دور سے پڑھا جائے فرشتے پہنچاتے ہیں، دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کا سلام آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

محمد عبد الشکور الترمذی ۹ شعبان ۱۴۰۱ھ

روضۂ اقدس پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں کہ:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر یعنی مواجہ شریف پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) حضور حقیقتاً حیات ہیں اور حضور کی حیات اس دنیوی حیات سے کامل و اکمل ہے یا نہیں۔

(۳) حضور والا کا مزار منورہ بھی ہے یا نہیں۔ (یعنی سوال ۲ م)

(نوٹ) ایسے شخص کے پیچھے جو مندرجہ بالا مسائل میں اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿الجواب﴾

(۱) احادیث میں ثابت ہے کہ جب مسلمانوں کی قبر پر سلام کرے تو بصیغۂ خطاب سلام کیا جاوے۔ السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسأل اللہ لنا ولکم العافیة پھر قبر شریف پر بصیغۂ خطاب سے سلام کرنے سے کیا مانع ہے (۲)۔ نیز متعدد احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں: اخرج البیہقی فی شعب الایمان من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته (الحدیث) (۳)

---

(۱) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان للہ ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔ (مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلوٰة، باب الصلوٰة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱ ص ۸۶، قدیمی کتب خانہ، وقد مر تخریجه فی السؤال السابق)

(۲) مشکوٰة المصابیح، باب زیارة القبور، ج ۱ ص ۱۵۴، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

(۳) مشکوٰة المصابیح، باب الصلوٰة علی النبی ﷺ، ج ۱ ص ۸۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

(۲) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں سب احیاء ہیں اخرج ابو داؤد عن اوس بن اوس الثقفی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل ایامکم یوم الجمعۃ فاکثروا علی الصلوٰۃ فیہ فان صلوتکم تعرض علی قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض علیک صلوتنا وقد ارمت (یعنی بلیت) فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء الحدیث الی غیر ذلک من الاحادیث الصحیحۃ الواردۃ فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام[1]۔

لیکن یہ حیات حیات عنصری سے کچھ مختلف ہے۔ شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں علامہ سیوطی نے اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(۳) قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق فرمایا گیا ہے[2]۔ نیز آپ نے اپنی دعاؤں میں بھی اللھم اجعلنی نوراً فرمایا ہے اس لیے یہ اطلاق جائز ہے[3] لیکن اس سے باتفاق علماء مراد یہ ہے کہ جس طرح نور ذریعہ ہدایت ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذریعہ ہدایت ہیں چونکہ نبی کریم کا انتہائی کمال دنیا میں ہے کہ شان نبوت وہدایت میں درجہ کمال حاصل ہو اس لیے اپنی دعاؤں میں اسی کمال کو طلب فرمایا ہے اور اس معنی پر قرآن اور توریت کو بھی قرآن نے نور فرمایا گیا ہے یہ مراد نہیں کہ عالم عناصر کے آثار مخصوصہ سے مجرد ہو کر فقط نور ہی نور ہو گئے۔ بلا تاویل اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے[4]۔
محمود عفا اللہ عنہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

---

۱) ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تفریع ابواب الجمعۃ، ج ۱ ص ۱۰۸، طبع رحمانیہ اردو بازار لاہور۔

۲) قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین، سورۃ المائدۃ، الآیۃ ۱۵، وکذا فی روح المعانی عظیم وھو نور الانوار والنبی ... (قد جاءکم) بغیر عاطف فتعلق بہ اولا وصف الرسول ... الخ، سورۃ المائدۃ، الآیۃ ۱۶، ج ۶ ص ۳۶۷، طبع دار احیاء التراث العربیۃ، بیروت۔

وکذا فی تفسیر قرطبی: (قد جاءکم من اللہ نور) الخ، ای ضیاء، قیل الاسلام، وقیل: محمد علیہ السلام، عن الزجاج، سورۃ المائدۃ، ج ۶ ص ۱۱۸، طبع بیروت۔

۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال بت عند میمونۃ فقام ... واجعل لی نوراً ... الخ، الصحیح البخاری، باب الدعاء اذا انتبہ من اللیل، ج ۲ ص ۹۳۴، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۴) ویکرہ امامۃ ... ومبتدع، ای: صاحب بدعۃ وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ... الخ، حاشیہ ابن عابدین، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ، ج ۱ ص ۵۶۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

وکذا فی البحر الرائق، کرہ امامۃ العبد والاعرابی والفاسق والمبتدع والاعمی ... الخ، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ج ۱ ص ۶۰۷ تا ۶۱۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

اختلاف ہے۔ بعض علماء عدم جواز کو راجح قرار دیتے ہیں اور بعض جواز کو۔ ہمارے ہاں قول ثانی راجح ہے۔ فریقین سے دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو مشرک کافر یا بدعتی نہیں کہتے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ جو عدم سماع کو راجح سمجھتے ہیں۔ اسی قسم کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: صورت مسئولہ میں میری تحقیق عدم سماع ہے۔ حدیث مذکور اور دیگر ایسی احادیث دالہ علی السماع کا جواب شافی دیا کرتا ہوں۔ لیکن باوجود اس تحقیق کے قائلین سماع کو کافر اور مشرک اور گمراہ کہنا سخت ترین گستاخی اور بے دینی ہے۔ یہی فیصلہ ہماری جماعت کا ہے۔ (امداد الاحکام ۱-۲۰)

بہر صورت مسئولہ میں مولوی صاحب کے بارے میں یہ قول کرنا کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک اور کافر ہے۔ سخت ترین گناہ ہے اور قائلین پر کفر کا خطرہ ہے۔ ان لوگوں پر لازم ہے کہ وہ فوراً توبہ تائب ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور اس غلطی پر ندامت کا اعلان کریں[1]۔ مولوی صاحب کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے۔ کوئی شبہ نہ کیا جائے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

کیا "یارسول اللہ" کہنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک امام مسجد بعد نماز یا اور کسی وقت پڑھتا ہے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک واعظ بلکہ یارسول اللہ تو ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ایسا نہیں پڑھنا چاہیے۔ بلکہ صحابیوں پر درود شریف پڑھنا جائز نہیں۔ اب ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یارسول اللہ کہنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ جائز ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت حسین احمد صاحب مدنی

---

(۱) إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء ..... سورة النساء، الآية ۱۷۔

(۲) وكذا في قوله رحمه الله تعالى (والصلوة خلف كل بر وفاجر) اى صالح (من المؤمنين جائزة .
(شرح الفقه الأكبر ص ۲۲۷، طبع دار البشائر الإسلامية بيروت۔)

وفي النهر عن المحيط صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة (حاشية ابن عابدين، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۲ ص ۳۵۸، طبع رشيدية كوئٹه۔)

وكذا في الهندية: تجوز الصلاة خلف صاحب هوى وبدعة (الهندية، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، ج ۱ ص ۸۴، طبع علوم اسلامية چمن۔)

صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے الشہاب الثاقب ص ۶۴، ۶۵ میں لکھا ہے۔ مسئلہ ندا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے ہیں اور یہ حضرات تفصیل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ یا رسول اللہ علیہ السلام اگر بلا لحاظ معنی ایسی طرح نکلا ہے جیسے لوگ بوقت مصیبت و تکلیف ماں باپ کو پکارتے ہیں۔ تو بلاشک جائز ہے۔ علی ہذا القیاس اگر بلحاظ درود شریف کے ضمن میں کہا جائے گا تو بھی جائز ہوگا علی ھذا القیاس اگر کسی سے غلبہ محبت و شدت عشق میں نکلا ہے تب بھی جائز ہے۔ اگر بلحاظ عقیدہ کہا کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنے فضل وکرم سے ہماری ندا کو پہنچادے گا اگرچہ ہر وقت پہنچا دینا ضروری نہ ہوگا۔ تو اس امید پر وہ ان الفاظ کو استعمال کرتا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں اور صحابیوں کو درود شریف میں شامل کرنا کوئی منع نہیں۔ بلکہ کئی صوفیوں کی کتابوں میں وآلہ واصحابہ موجود ہے۔ اور فقہاء نے شروع کے درود میں لکھا ہے الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین. فتاوی عالمگیری. والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد افضل مخلوق و علی الہ و صحبہ القائلین بالحقوق. مراقی الفلاح. صلی اللہ علیہ وسلم و علی الہ وصحبہ الذین جاوا. الخ. در مختار ۔ بہر حال اس طرح پڑھنا ممنوع نہیں۔ ہاں شیعہ صاحبان کا مولوی ہوگا جو اس طرح درود شریف کو پڑھنا منع کرتا ہے۔ اب استفسار ہے کہ اس طرح پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر کوئی اس طرح پڑھنے سے منع کرے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے جو شرعاً حکم ہو تحریر فرمادیں۔

﴿ج﴾

اصل یہ ہے کہ یا رسول اللہ کہنا نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز۔ بلکہ یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدہ سے یا رسول اللہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر موجود ہیں یا ضرور میری آواز کو سنیں گے تو یہ جائز نہیں۔ بلکہ ایک نوع شرک ہے (۱) اور صلوٰۃ وسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر بدون کسی آمیزش

---

۱) وبالجملة، فالعلم بالغيب امر تفرد به سبحانه ولا سبيل للعباد اليه الا باعلام منه والهام بطريق المعجزة — وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاده ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: (قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله، سورة النمل، الأية ٦٥، شرح فقه اكبر، ص ٤٢٢، طبع بيروت. (ثم اعلم ان الانبياء عليهم الصلاة والسلام لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما اعلمهم الله تعالى احياناً، ص ٤٢٢، شرح فقه اكبر، طبع بيروت.
قال ارواح المشائخ حاضرة يعلم يكفر — الخ، بزازية، الثاني فيما يتعلق بالله، ج ٦ ص ٣٢٦، طبع رشيديه كوئته. فينبغي او يجب التباعد عن هذه العبارة (الموهم لمعنى الشرك)، الشامية، مطلب في معنى درويش درويشان، ج ٦ ص ٣٩٦ طبع رشيديه كوئته.
انه نادى رسول الله صلى الله عليه وسلم من وراء الحجرات فقال يا محمد وفي رواية يا رسول — الخ، سورة الحجرات، الأية ٤ تفسير ابن كثير، ج ٥ ص ٦٤٧، طبع قديمي كتب خانه كراچي.

جماعات کے ہے تو اس کے افضل ہونے میں اور صرف بے ثواب ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔

محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

اور اذان سے پہلے جو صلوٰۃ وسلام ہے یہ بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

کیا یا رسول اللہ کہنے سے نکاح ختم ہو گیا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ دوسرے نے اسے منع کیا کہ یا رسول اللہ نہیں کہنا چاہیے اس پر یا رسول اللہ کہنے والے نے شور بپا کر دیا کہ تیرا نکاح ختم ہو گیا۔ تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا جو شخص یا رسول اللہ نہ کہے اس کا نکاح از روئے فقہ حنفی ختم ہو جاتا ہے۔ مدلل تحریر فرما کر مشکور فرماویں۔

نوٹ: جو شخص یا رسول اللہ کہتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھ کر کہتا ہے اور جو شخص اسے منع کرتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خاصہ خداوندی ہے۔ اس لیے یا رسول اللہ کہنا خلاف شرع ہے۔

﴿ج﴾

شرح فقہ اکبر میں ہے۔ ثم اعلم ان الانبیاء علیہم السلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمہم اللہ تعالیٰ احیانا وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ السلام یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کذا فی المسایرۃ (ص ۱۸۵) (۲)۔

جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ رکھ کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے (۳) اور یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں (۴)۔ البتہ اگر اس کلمہ کا ورد

---

(۱) والزیادۃ فی الاذان مکروھۃ۔ البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الاذان، ج ۱ ص ۲۵۴، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانہ۔

(۲) شرح الفقہ الاکبر، ص ۲۲۲، طبع بیروت۔

(۳) وبالجملۃ فالعلم بالغیب امر تفرد بہ سبحانہ ۔ وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاده ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔ قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر۔ بزازیہ، الذی فی ما یتعلق باللہ، ج ۶ ص ۳۲۶، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۴) شاعرانہ طور پر باللہ یا ظبیات القاع قلن لنا لیلای منکن ام لیلی من البشر۔ وقال جامی ز [illegible] لالہ سیراب برخیز، چو نرگس خواب چند از خواب برخیز۔ تفسیر ابن کثیر۔

شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ کرے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ پر پیش کرتے ہیں تو درست ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ملائکہ درود شریف مومن بندہ کا آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ اور ایک صنف ملائکہ کی اسی خدمت پر مامور ہے۔

اس بیان سے آپ کے سوال کا جواب واضح ہوا[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص نے کئی بار روبرو گواہان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے اور معراج شریف اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سخت سست الفاظ کہے۔ ایسے شخص کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔ نیز ایسے اشخاص جو اس رویہ میں امدادی اور حمایتی ہوں ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔

سائل حاجی نبی بخش کوٹ لعل

﴿ج﴾

اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا بدبخت اپنی آخرت اور دنیا کو تباہ کر دیتا ہے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے[2]۔ لیکن جب تک وہ کلمات جو اس شخص نے کہے ہیں، سامنے نہ ہوں کہنے والے پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ کیا معلوم کہ وہ کلمات کیسے ہیں۔ کیا واقعی وہ کلمات توہینی ہیں۔ یا آپ نے اس کو توہینی سمجھا ہے۔ اس لیے بغیر کلمات معلوم کیے اس شخص پر میں کوئی حکم نہیں لگاتا۔ اگر آپ نے وہ کلمات ارسال کر دیے تو کوئی حکم لکھا جا سکتا ہے[3]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ صفر

---

۱) تفسیر ابن کثیر / فقال یا محمد یا رسول اللہ، الخ ص ۲۶۵، ج ٤، بیروت

۲) وفی خلاصة الفتاوی۔ "من شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واهانه او عابه فی امور دینه اوفی شخصه اوفی وصف من اوصاف ذاته سواء کان الشاتم من امته اوغیرها ـــ سواء کان الشتم او الاهانة صادر عنه عمدا اوسهوًا و غفلة او جدا اوهزلاً فقد کفر" (الفصل الثانی فی الفاظ الکفر الجنس الثالث، ص ۳۸٦، ج ٤، طبع مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۳) وفی البحر الرائق: وفی خلاصة الفتاوی وغیرها: اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر، ووجه واحد یمنع التکفیر، فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم، کتاب السیر، احکام المرتدین، ج ۵ ص ۲۱۰، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

ومثله فی التاتار خانیه: ج ۵ ص ٤۵۸، فصل فی اجراء کلمة الکفر۔ ومثله فی الفتاوی العالمگیریة، ج ۲ ص ۲۸۳، کتاب السیر قبل الباب العاشر فی البغاة، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

خدا اور رسول کے نام والے اشتہار کو جلانے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک گاؤں میں اہل سنت والجماعت کی اکثریت ہے لیکن صرف تین گھر شیعوں کے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک شیعہ لڑکے نے مسجد میں کھڑے ہو کر اہل سنت والجماعت کو گالیاں دیں اور سنیوں کا ایک اشتہار جلا دیا۔ جس میں خدا اور رسول۔ احمد محمد ﷺ کے نام موجود تھے۔ وہ صحابہ کرام کی کھلم کھلا توہین کرتے ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے شخص کا کیا حکم ہے۔ جو ان مقدس ناموں کو جلاتا ہے۔ اور صحابہ کرام کی توہین کرتا ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کسی ایسے اشتہار کو جلا دینا جس میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لکھے ہوں علی الاطلاق کفر نہیں ہے۔ ہاں اگر مقصود اس جلانے سے خدا اور رسول ﷺ کے مبارک ناموں کی توہین ہو تو یہ کفر ہے[1]۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سب وشتم کو جائز اور حلال سمجھنا کفر ہے[2]۔ محض سب کرنا بدون حلال سمجھنے کے کفر نہیں ہے[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۷ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷۔۳۔۱۳۸۷ھ

---

۱) كما في البحر الرائق: يكفر إذا وصف الله تعالى بما لا يليق به أو سخر باسم من أسمائه ..... أو نسبه إلى الجهل أو العجز أو النقص، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۰۲، طبع مكتبه رشيديه۔
وهكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب السير، مطلب موجبات الكفر أنواع منها ما يتعلق بالإيمان والإسلام، ج ۲ ص ۲۵۸، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ وفيها في خلاصة الفتاوى: من شتم النبي صلى الله عليه وسلم وأهانه أو عابه في أمور دينه أو في شخصه أو في وصف من أوصاف ذاته ..... فقد كفر، كما مر، ج ٤ ص ۲۸۶، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) وفي شرح الفقه الأكبر: نعم لو استحل السب أو اللعن فهو كافر لا محالة، ج ص ۲۶۱، طبع دار البشائر الإسلامية۔

۳) وفي الجامع للترمذي: "عن ابن عمر رضي الله عنهما: إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شركم"، باب في من سب أصحاب النبي ﷺ، ج ۲ ص ۲۲۵، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔
وفي رد المحتار: اتفق الأئمة على تضليل أهل البدع أجمع وتخطئتهم، وسب أحد من الصحابة وبغضه لا يكون كفرا، مطلب مهم في حكم سب الشيخين، ج ۶ ص ۳۶۳، مكتبه رشيديه كوئته۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں نور تھے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً ایک آدمی نے اپنا عقیدہ یوں بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں نور تھے لیکن دنیا میں بشریت کا لباس پہن کر مبعوث کیے گئے۔ کیا یہ آدمی جو کہ عالم فاضل ہے۔ کس جماعت میں داخل ہوگا۔ بریلوی یا دیوبندی میں یا کسی میں بھی نہیں ہے اور یہ عقیدہ مذکور غلط ہے یا درست ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر جگہ حاضر ناظر تو نہیں ہیں۔ لیکن جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔
یہ عقیدہ صحیح ہے یا غلط قبر میں ہر مومن اپنے نور ایمان کی وجہ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پہچان لے گا۔ ان سوالوں کے جواب مختصر درکار ہیں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ ایسے عقائد والے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

یہ عقیدہ محض رکھنا غلط ہے۔ یاد رکھو جو حقیقت میں بشر نہیں ہوتے وہ کبھی کھاتے پیتے نہیں نکاح بھی نہیں کرتے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے تھے تو انہوں نے جب کھانا کھانے کو کہا تو فرشتوں نے نہیں کھایا۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ہیں تو دوبارہ کہنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ جانتے تھے کہ فرشتے کبھی نہیں کھاتے۔ قال اللہ تعالیٰ فلما رای ایدیھم لاتصل الیہ۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے پیتے تھے۔ نکاح وغیرہ کرتے تھے۔ اس عقیدہ کی تردید روح المعانی میں جو کہ سب سے مشہور تفسیر ہے۔ واضح الفاظ میں مرقوم ہے[1]۔ نیز قرآن شریف میں کئی مقامات پر اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقت میں بشر تھے آیت کریمہ ہے۔ ھل کنت الا بشرا رسولا یا قل انما انا بشر یا ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا۔ وغیرہ وغیرہ[2] اور یہ کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں

---

۱) سورۃ فرقان، ج ۱۸، ص ۵۸۰، طبع دار حیاء التراث العربی۔
۲) ھل کنت الا بشراً، سورۃ بنی اسرائیل، الآیۃ ۹۳۔
قل انما انا بشر مثلکم، الکھف، الآیۃ ۱۱۰۔ ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً، الآیۃ ۹۔
لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم، سورۃ آل عمران، الآیۃ ۱۶۴، عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سمع خصومۃ بباب حجرتہ، فخرج الیھم فقال انما انا بشر —— البخاری، ج ۲ ص ۱۰۶۳، باب موعظۃ الامام للخصوم، طبع قدیمی کتب خانہ۔

چاہیں جا سکتے ہیں، جب تو حاضر ناظر ہوئے۔ یہ عقیدہ بھی غلط ہے(۱)۔ قبر میں ہر مومن نبی کریم علیہ السلام کو دیکھ کر ضرور پہچان لے گا(۲) ورنہ مومن نہ رہے گا۔ مذکورہ بالا عقیدہ رکھنے والا بریلوی ہے، اس کے پیچھے نماز ٹھیک نہیں(۳)، جب تک وہ اس عقیدہ سے توبہ نہ کرے(۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالرحمن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۹/۱۱/۱۳۷۸ھ

سیاہ وسفید کے مختار

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص اولیاء کرام کے بارے میں کہتا ہے کہ ان کو تصرف کا اختیار ہے اور سیاہ وسفید کے مختار بنا دیے جاتے ہیں۔ ما کان وما یکون اور لوح محفوظ کا علم دیے جاتے ہیں۔ مشرق ومغرب تک ساری زمین ایک قدم میں طے کرتے ہیں۔ بہرصورت یعنی زندگی اور موت کے بعد دور ونزدیک سے ان سے مدد مانگنے والے کی مدد کرتے ہیں ان کو دور ونزدیک سے پکارنا جائز ہے(۵) اور کہتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں(۶) اور ہمارے حال سے باخبر ہیں۔ آپ کو بھی بطریق اولیٰ دور و

---

۱) "اعتقاد اینکه کسے غیر حق سبحانه حاضر وناظر وعالم خفی وجلی در هر وقت وهر آن است اعتقاد شرک است" مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، ج ۴ ص ۳۳۱، طبع امجد اکیڈمی۔
۲) (ما كنت تقول في هذا الرجل) قيل يصور صورته عليه الصلاة والسلام فيشار إليه، مرقاة، ج ۱ ص ۲۴۳، باب اثبات عذاب القبر، رشیدیہ کوئٹہ۔
۳) وفي الدر المختار والشامي: "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى إلا أن يكون أعلم القوم ومبتدع لا يكفر بها وإن كفر بها فلا يصح الاقتداء به أصلاً" ج ۱ ص ۵۵۹-۵۶۰، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وكذا في تبيين الحقائق: وحاصله أن كل هوى لا يكفر به صاحبه يجوز مع الكراهة وإلا فلا . . .
كتاب الصلوة، ج ۱ ص ۳۴۵-۳۴۶، طبع دار الكتب العلمية، بيروت۔
۴) التائب من الذنب كمن لا ذنب له، مشكوة باب الاستغفار، ص ۲۰۶، قدیمی کتب خانہ۔
۵) قال تعالى: "قل من بيده ملكوت كل شيء وهو يجير ولا يجار عليه إن كنتم تعلمون" المؤمنون، الآية ۸۸۔ "ويعبدون من دون الله ما لا يملك لهم رزقاً من السموات والارض شيئاً ولا يستطيعون" الآية ۷۳۔
وفي الدر المختار ومنها: انه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر،
مطلب في النذر، ج ۲ ص ۴۳۹، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
۶) تفصیلی تحریر تحت عنوان "نبی جہاں چاہیں جا سکتا ہے" ص ۳۸۸۔

مسئلہ وحدۃ الوجود

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ خالق بھی ہے اور مخلوق بھی ہے۔ دونوں کا وجود اپنی اپنی جگہ پر ہے دوسری شکل یہ بتائی جاتی ہے کہ حقیقی بھی ذات موجود ہے۔ خالق کا وجود ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر ذرہ شکل جہاں یا ہر صورت میں عیاں آیا، لا موجود الا اللہ تیسری شکل یہ ہے کہ مخلوق کا وجود سرے سے ہی نہیں۔ کیا یہ تمام شکلیں درست ہیں یا ان میں سے کون سی شکل درست ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پہلی شکل صحیح ہے (۱) اور اس کا سمجھنا سہل ہے۔ دوسری دو شکلوں کا ظاہری مطلب لیا جائے تو غلط ہے اور اگر اس کی کوئی صوفیانہ یا فلسفیانہ تاویل مراد لی جائے تو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے اور ان کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہے اور نہ اس کی کوئی صحیح تاویل سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام ہے۔ بہرحال آپ پہلی شکل کے مطابق ہی عقیدہ رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ محرم ۱۳۸۶ھ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گستاخ کے ساتھ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاہیے

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نانگلوہ شہر میں برسر بازار مجمع عام کے اندر ایک وقت میں ایک منافق شیعہ نے اپنے جسم کے دوسرے حصہ سے آواز بار بار حاضرین جو موجود تھے مخول کے طور پر اس آواز کو یوں کہ کرتے ہی کہ حضرت سے نعوذ باللہ یہ پاد امیر معاویہ کے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کو طیش آیا۔ انہوں نے تھانہ پولیس میں جا کر مقدمہ درج کرا دیا۔ ایک سال کے لگ بھگ ہو چکا ہے مقدمہ چل رہا ہے زیر دفعہ ۲۹۸ عدالت سے جرم عائد ہو چکا ہے۔ ملزم ملازم ہوتا ہے۔ ملازمت سے معطل ہے مگر اب ملزم پشیمان ہے وہ مسلمانوں کو تحریری نامہ معافی نامہ تحریر کر دینے پر تیار ہے مسلمانان نانگلوہ نے حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری سے تذکرہ کیا جو اتفاقیہ نانگلوہ ایک عرض پر تشریف لائے۔ انہوں نے منع فرمایا کہ اس کا فیصلہ عدالت کرے گی۔

---

(١) هو الله الخالق، الحشر، الآية ٢٤، خلق الخلق سليماً من الكفر والإيمان، شرح فقه الأكبر ص ١٤٤، طبع دار البشائر الإسلامية۔

مسلمانوں کے فیصلہ کرنے کا حق نہیں۔ چنانچہ مسلمانان خانگڑھ مولانا صاحب کے فرمان پر قائم ہیں مگر عدالتیں اور وکلاء فریقین کے مدعیان کو دو تین دفعہ راضی نامہ کے لیے کہہ چکے ہیں اور مجبور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہے کہ ہماری بات نہ ماننے پر عدالت ملزم کو خفیف سزا دے یا صفائی لے کر اسے بری کر دے تو مزید شرارت اور بدنامی کا باعث رہے گا۔ بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ ملزم سے تحریری معافی نامہ وقت بنا کر اپنے قبضہ میں رکھا جائے تو ہمیشہ کے لیے رعب رہے گا آئندہ کوئی شیعہ ایسی بدکلامی نہ کر سکے۔ عدالت میں صرف راضی نامہ دے کر مثل مقدمہ داخل دفتر کرائی جائے۔ دوسرا یہ بھی خیال آتا ہے کہ عدالت تاریخ دیتے دیتے فیصلہ نہ دے جس سے مسلمان تنگ ہو کر پیروی سے کوتاہی کر دیں اور جب عدالت کا منشاء صلح نامہ پر ہے تو مسلمانوں کا کس طرح حوصلہ بلند رہے اور کیسے یقین کریں کہ عدالت مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کرے گی۔ لہٰذا از روئے شریعت کیا جواب ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں مسلمانان خانگڑھ (جہاں اس شیعہ نالائق نے گستاخی کی ہے) اکٹھے ہو کر جو لوگ سمجھدار اور تعلیم یافتہ اور سنجیدہ خیال ہیں مشورہ کریں اور ایک نیک دیانتدار لیکن سمجھدار اور تجربہ کار آدمی کو اس مشورہ میں ثالث بنا دیں۔ پھر ہر پہلو پر غور کریں اور سوچیں اگر صلح کر لینے میں فائدہ دیکھیں تو اس سے معافی نامہ لے کر معاف کر دیں (۱) تاکہ اہل اسلام کا رعب قائم رہے اور آئندہ کے لیے شیعہ لوگوں کو گستاخی کرنے کی جرأت نہ ہو سکے اور اگر باہمی مشورہ سے مقدمہ جاری رکھنا مفید ہو تو مقدمہ بھی جاری رکھ سکتے ہیں (۲)۔

بہر حال شریعت مقدسہ میں دونوں باتوں کی اجازت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ فدوی کا ایک اہل تشیع کے ساتھ رشتہ ہے۔ میری بھتیجی اس کے گھر میں ہے اور وہ خود اہل تشیع کے ساتھ پورا مل ہوا ہے اور خاص کر حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں

---

(۱) وتصلحوا بين الناس، سورة البقرة، الآية ۲۲۴۔

(۲) قال تعالى: ادع الى سبيل ربك بالحكمة ... والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن، سورة النحل، الآية ۱۲۵۔

﴿ج﴾

یہ کفر نہیں بلکہ فسق ہے[1] قریب بہ کفر اور مسلمان عورت کا نکاح اس سے بنا بر عدم کفاءت ناجائز ہے[2] اور اہل اسلام پر واجب ہے کہ اس سے بالکل بائیکاٹ کریں[3] اور متعصب قسم کا شیعہ بھی علی الاعلان اس قسم کے الفاظ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی کہے تو قانون کے تحت اسے گرفتار کرایا جا سکتا ہے اور ایسے آدمی کو ہرگز ایسے الفاظ منہ سے نکالنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی

﴿س﴾

جمیع اہل السنۃ والجماعۃ کا تواتر سے ثابت اجماعی عقیدہ ہے کہ الصحابة كلهم عدول لا نذكر احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الا بخير۔

ابھی حال ہی میں ایک صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھا کہ:

(۱) ایک بزرگ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔ اس عبارت میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو مفاد پرست اور شریعت مقدسہ پر اپنی غرض اور مفاد کو ترجیح دینے والا کہا گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں انہوں نے اور بھی لکھا۔

(۲) اس دور کے تغیرات میں سے ایک اہم تغیر یہ تھا کہ مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی۔ اس پالیسی کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی اور ایک نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ وغیرہ

---

۱) تقدم تخريجه تحت عنوان "حضرت معاویہؓ کی شان میں گستاخی فی صفحہ هذا۔

۲) فليس فاسق كفوا لصالحة، شامي باب الكفاءة، ج ۳ ص ۸۹، ایچ ایم سعید۔

۳) قال الله تعالى: (ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار) والركون الى الشيء هو السكون اليه بالانس والمحبة فاقتضى ذلك النهي عن مجانسة الظالمين ومؤانستهم والانصات اليهم وهو مثل قوله تعالى: (فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين)، احكام القرآن للجصاص، سورة هود، ج ٤ ص ۳۷۹، دار احياء التراث العربي، بيروت۔

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے اجتماعی مترقیہ سیاسی کے لیے جو کارروائی کی اس کے متعلق لکھا ہے کہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام چلنے لگا۔ ہر اردو دان پڑھنے والا اس عبارت کو سمجھ گیا کہ حضرت طلحہ و زبیر ؓ نے جاہلیت کے دور کے قبائلی نظام کا سا کام کیا حضرت عثمان ؓ جو خلفاء راشدین کی شان میں لکھا کہ اس پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا۔ کسی کی غلطی (یا تحفظ) پکڑتا ہے جو اس سے بڑا ہو۔ اس عبارت میں اس لکھنے والے صاحب نے حضرت عثمان سے اپنے بڑے ہونے کا دعویٰ کیا اور حضرت عثمان ؓ کی تغلیط و تنقیص کی۔ احقر کی رائے میں ان صاحب کا ان چاروں صحابہ کی شان میں یہ لکھنا یقیناً (یقین نمبر ۱) اہل السنۃ والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے اور اس لکھنے کی وجہ سے یہ لکھنے والا اگر اپنے اس لکھنے سے رجوع اور توبہ شائع نہ کرے۔ تو یقیناً (یقین نمبر ۲) اہل السنۃ والجماعت سے خارج ہو گیا۔

احقر پورا ایک سال کا وقت خرچ کر کے اور کتابیں منگوا کر اپنے آخری رقعہ سے قبل میں مطالعہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچا۔ آپ کے نزدیک احقر کی یہ رائے قرآنی نقطۂ نظر سے صحیح ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

قال النبي صلى الله عليه وسلم الله الله في اصحابي لا تتخذوهم من بعدي غرضا من احبهم فبحبي احبهم ومن ابغضهم فببغضي ابغضهم [1]۔ شخص مذکور کی عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں صحابہ کرام ؓ کے لیے جذبہ محبت تو موجود نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس بغض کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا شخص مذکور کسی طرح بھی اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ نقطہ نظر شرعاً بالکل درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹۔۸۔۱۳۹۸ھ

حضرت امیر معاویہ ؓ پر لعنت کرنے والے کا حکم

﴿س﴾

اس مسئلہ میں دین کے علمبردار کیا فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت معاویہ ؓ کا اسلام میں کیا مقام ہے اور ان پر لعنت بھیجنے والا اسلام کے پیش نظر کیسا ہے۔ شافی جواب تحریر کیا جائے اور مدلل اقوال پیش کیے جائیں۔

---

۱) جامع الترمذي، ابواب المناقب، باب ما جاء في فضل من بايع تحت الشجرة، ص ۲۲۵، ايچ ايم سعيد كراچی۔
وايضاً في المشكوة، باب مناقب ابي بكر رضي الله عنه، الفصل الثاني، ص ۵۵۴، طبع قديمي كتب خانه۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام لکھنے کا تو یہ موقع نہیں۔ البتہ اختصاراً اتنا عرض ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں [1] اور تمام انسانوں میں اور تمام زمین پر بسنے والوں میں صحابہ کا جو مرتبہ ہے وہ کسی کو نصیب نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خواہ مہاجر ہوں یا انصار تمام مسلمانوں سے بہتر، افضل، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور پیغمبر خدا کے محبوب ہیں۔ تمام جنوں اور انسانوں سے افضل و برتر ہیں [2]۔ کسی صحابی پر لعنت بھیجنے والا یا کسی صحابی کی توہین کرنے والا شخص فاسق اور سخت گنہگار ہے [3]۔

صورت مسئولہ میں اس شخص پر لازم ہے کہ وہ فوراً توبہ تائب ہو جائے [4] اور آئندہ کے لیے کسی صحابی کی شان میں کسی قسم کا توہین آمیز کلمہ ہرگز استعمال نہ کرے۔ ورنہ سوئے خاتمہ کا خطرہ ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ واللہ

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء بمدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۷۔۵۔۱۳۹۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) وکان (معاویہ رضی اللہ عنہ) من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لمعاویۃ اللّٰھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً واھدبہ" جامع الترمذی، مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ، ج ۲ ص ۲۲۴، طبع ایچ ایم سعید کراچی، وایضاً فیہ "فقال عمیر: لا تذکروا معاویۃ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھدبہ اھدہ، ج ۲ ص ۲۲۴، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) لقد رضی اللہ عن المؤمنین، الفتح الآیۃ ۸، السابقون الاولون من المھاجرین والانصار، سورۃ التوبۃ، الآیۃ ۱۰۰، محمد رسول اللہ والذین معہ، الفتح ۲۹، وفی الصحیح البخاری: ولا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھباً ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ، ج ۱ ص ۵۱۸، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی، وھکذا فی صحیح مسلم، ج ۲ ص ۳۱۰، قدیمی کتب خانہ۔

وفی شرح عقیدۃ الطحاویۃ: لقد صدق عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فی وصفھم، حیث قال ان اللہ تعالیٰ نظر فی قلوب فوجد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر قلوب العباد، فاصطفاہ لنفسہ وابتعثہ برسالۃ ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجد قلوب اصحابہ خیر قلوب العباد فجعلھم وزراء نبیہ یقاتلون علی دینہ۔ (ص ۴٦۵ ، دار ابن رجب بیروت)۔

۳) ففی شرح العقائد سب الصحابۃ، وطعن فیھم ان کان مما یخالف الادلۃ القطعیۃ فکفر کقذف عائشۃ رضی اللہ عنھا والا فبدعۃ وفسق ––– ص ۱۱٦، طبع دار الاشاعۃ والعربیۃ، کوئٹہ۔

وفی رد المحتار، اتفق الائمۃ علی تضلیل اھل البدع اجمع وتخطئتھم وسب احد من الصحابۃ وبغضہ لایکون کفراً لکن ، باب المرتد، ج ۴ ص ۲۳۷، طبع ایچ ایم سعید۔

۴) انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء، سورۃ النساء، الآیۃ ۱۷۔

توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کے مرتکب کی معافی کی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بازار میں علی الاعلان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب کیا اور یہ بھی کہا کہ اسی طرح کرتا رہوں گا۔ اس پر ایک سنی نے تھانہ میں رپورٹ درج کرائی پولیس نے اس پر مقدمہ درج کر کے عدالت میں مقدمہ بھیج دیا جو اب چل رہا ہے۔ اب وہ کہتا ہے کہ میں معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معافی دے کر صلح کر لی جائے۔ کیا اس سنی شخص کو جو مدعی ہے حق حاصل ہے کہ وہ اس کو معافی دے کر صلح کرلے اور مقدمہ چھوڑ دے یا اس قسم کی صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿ج﴾

جو لوگ اس واقعہ کے اندر مبتلا ہیں وہ حالات کا جائزہ لیں۔ اگر صلح کرنے میں فائدہ نظر آ جائے[1] مثلاً توبہ تائب ہو جائے اور صدق دل سے وعدہ کرے کہ میں آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ تو صلح کر لی جاوے مگر شرط یہ ہے کہ حکومت کے جو ذمہ دار افسر ہیں ان کا دخل اس صلح میں ضرور ہو تا کہ آئندہ کو اگر وہ شرارت کرے تو حکومت کے ان ذمہ داروں کے ذریعہ تنبیہ کی جا سکے اور سزا دی جا سکے اگر اس معاملہ کا مقصد دفع الوقتی اور دھوکہ دینا ہے تو صلح کرنا مفید نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

خلفاء کو غاصب کہنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک آدمی پہلے اہل سنت والجماعت میں تھا اب وہ شیعہ مذہب اختیار کر چکا ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دیتا ہے اور غاصب شمار کرتا ہے۔ خصوصاً صحابہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو خلیفہ ناحق اور غاصب کہتا ہے اور مخت الفاظ میں گالیاں بھی ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو دیتا ہے اور اعلانیہ طور پر کہتا رہتا ہے کہ یہ خلیفہ غاصب تھے۔ لہٰذا ایسے شخص سے السلام علیکم رکھنا یا دعا سلام شرعاً کیسا ہے برادری اور رشتہ ناتہ کرنا ایسے شخص کے ساتھ شرعاً اہل السنۃ والجماعت کو جائز ہے یا نہیں۔ دلائل واضح سے بیان فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

---

(1) وتصلحوا بین الناس، سورۃ البقرۃ، الآیۃ ۲۲۴۔
ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ   سورۃ النحل، ۱۲۵۔

﴿ج﴾

ایسا شخص مبتدع اور فاسق ہے (۱) جو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو علی الخصوص خلفاء ثلاثہ کو گالی بکتا ہے۔ اس کے ساتھ رشتہ ناتا جائز نہیں (۲) جب تک وہ صحیح طور سے تائب (۳) نہ ہو اسی طرح السلام علیکم اور سلام بھی اس سے ختم کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم کبیر والا ملتان شہر

کافر و مرتد قرار دینا جہالت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیعہ ذاکر نے تقریر کے دوران واقعہ باغ فدک کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے باغ فدک کا انکار کیا تھا۔ اگر میں موجود ہوتا تو ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی داڑھی پکڑ لیتا۔ (العیاذ باللہ) شیعہ مولوی کی اس بات کا اس کے قریب ہی صحیح العقیدہ شخص نے تردیداً جواب میں کہا کہ اگر واقعی حقیقت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق غصب کیا اور دینے سے انکار کیا تھا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق پہنچتا ہے کہ وہ قیامت کے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑے۔ تجھے اور مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم ایسی باتیں کریں۔ پھر یہی شخص مذکور سنی العقیدہ کو جب لوگوں نے احساس دلایا کہ آپ اس طرح کیوں کہتے ہیں۔ تو جواب میں اس شخص نے کہا کہ جوش تردید میں نادانستہ طور پر سہواً مجھ سے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔ میں استغفار کرتا ہوں اور بارگاہ رب العزت و بارگاہ صدیقی حضرت سے معافی کا خواستگار ہوں۔ بعد ازیں ایک مولوی صاحب سنی العقیدہ نے اور انہوں نے فتویٰ دیا کہ یہی شخص مذکور سنی العقیدہ جس نے معافی مانگی ہے اور استغفار بھی کیا ہے وہ کافر و مرتد ہے اور خریدا ہوا اس کا منہ کالا کر کے سر عام پھرایا جائے۔ اب اس مندرجہ بالا استفتاء کی مندرجہ ذیل امور جواب طلب ہیں کہ

(۱) کیا ذاکر نے جو بیان دیا ہے اس کے جواب میں تردیداً سنی العقیدہ شخص نے جو الفاظ کہے ہیں وہ ان

---

(۱) مقدمہ تحریر بحث عنوان: صحابہ کی توہین، ص ۲۹۱۔

(۲) مقدمہ تحریر بحث عنوان: صحابہ کی توہین ... ص ۲۹۱۔

(۳) عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التائب من الذنب کمن لا ذنب له۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الاستغفار، ص ۲۰۶، طبع قدیمی کتب خانہ۔

سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے یا نہیں۔

(۲) اگر توہین کا پہلو نکلتا ہے تو اس کے لیے توبہ واستغفار اور لوگوں کے سامنے ندامت ومعافی اور باری تعالیٰ کا اظہار کافی ہے یا نہیں؟ اور دوسرے مولوی صاحب نے جو کفر وارتداد وغیرہ کا فتویٰ دیا ہے وہ صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر توہین کا پہلو شرعاً نہیں نکلتا تو دوسرے مولوی نے جو کفر وارتداد کا حکم دیا ہے اور ایک مسلمان کو کافر قرار دیا ہے۔ تو اس مولوی صاحب کے لیے کیا حکم ہے۔ جب کہ شرع شریف میں تصریح ہے کہ ایک صحیح مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

محمد عبدالواحد ساکن [illegible] ضلع ملتان

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں زید کو کافر اور مرتد قرار دینا جہالت ونادانی ہے۔ اندیشہ ہے کہ ایسا مفتی ومولوی صاحب خود اس تکفیر کی زد میں نہ آ جائے [۱]۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ نیز زید کا اعلانیہ توبہ واستغفار کرنا کافی ہے [۲]۔ مزید جرمانہ وغیرہ ہرگز ہرگز جائز نہیں [۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جس شخص نے زید کے ارتداد کا فتویٰ دیا ہے وہ افتاء کے منصب کے قابل نہیں جاہل ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اس فتویٰ سے رجوع کرے ورنہ اعلانیہ توبہ تائب کیا جائے۔

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

---

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما رجل قال لاخيه كافر فقد باء بهما اي رجع بإثم تلك المقالة احدهما مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان، ج ۹ ص ۵۵، دار الكتب العلمية بيروت۔

وهكذا في فتح الملهم شرح صحيح مسلم، كتاب الإيمان، ج ۲ ص ۵۲، دار العلوم كراتشي۔

وهكذا في البحر الرائق، باب احكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۰۷، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

(۲) قال الله تعالى: الا الذين تابوا واصلحوا وبينوا، سورة البقرة، الآية ۱۶۰۔

(۳) كما في كنز الدقائق: حاشية نمبر ۸، فقال ابو حنيفة رحمة الله عليه تعزيره التشهير، ولا يضرب ولا يسود وجهه، كتاب الاقالة في البيع والشراء، صفحه ۲۹۷، طبع [illegible] روڈ كراتشي۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) جو شخص شیعوں کی بارگاہوں میں ان کے سٹیجوں پر تقریریں کرے اور ان کے ساتھ لین دین رکھے ازروئے شرع ایسے شخص کا کیا حکم ہے۔

(۲) ایک شخص نے برسر منبر یہ جملے کہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ایک زلف پر قربان ہوں اور ہزاروں صدیق علی المرتضی پر قربان جائیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ لین دین اور کلام کرنا جائز ہے یا نہیں اور ایسے شخص کے لیے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ مفصل جواب سے سرفراز فرماویں۔

﴿ج﴾

(۱) اگر شیعوں کے مذہب اور معتقدات کو اچھا سمجھتے ہوئے ان کی مجالس میں شرکت کرے اور ان کے سٹیجوں پر تقریریں کرے، ان کے ساتھ دوستانہ لین دین رکھے تو یہ شخص بھی شیعہ ہی شمار کیا جائے گا اور اس کا حکم بھی ان کے جیسا ہوگا۔ اور اگر معتقدات کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے ویسے ہی شرکت کرکے ان کے سٹیج پر تقریر کرے اور ان سے دوستانہ تعلقات رکھے تو یہ شخص عاصی گناہگار رہتا ہے۔ **كما في الحديث المرأ مع من احب**[1]. **من تشبه بقوم فهو منهم**[2]. **من كثر سواد قوم فهو منهم او كمال قال.**

(۲) ان کلمات سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بہت بڑی فضیلت اور بڑی فوقیت معلوم ہوتی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ٹپکتی ہے۔ ایسا شخص فاسق و مبتدع ہے ایسے شخص کو سمجھایا جائے[3] اور توبہ تائب ہونے پر آمادہ کیا جائے[4] ورنہ

---

۱) باب المرء مع من احب، ج ۲ ص ۹۳۲، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔ الصحيح للمسلم۔

۲) كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص ۳۷۵، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔ مشكوة المصابيح۔

۳) كما في شرح فقه الاكبر سب الصحابة والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر — والا فبدعة وفسق، ص ۲۱۳ تا ۲۱٤، طبع دار البشائر الإسلامية۔
وايضاً في الشامية، كتاب النكاح، مطلب مهم في وطي السراري الخ، ج ٤ ص ۱۳٤، طبع رشيديه كوئته۔ وفي البحر، كتاب الصلوة، باب الإمام، ج ۱ ص ٦۱۱، طبع رشيديه كوئته۔

٤) كما قاله تعالى: انما التوبة على الله للذين الخ، سورة النساء، الآية ۱۷۔
كما في الشامية: ما فيه خلاف — يؤمر بالاستغفار والتوبة الخ، كتاب الجهاد، مطلب جمله من لا يقتل الخ ج ٦ ص ۳۷۷، رشيديه۔

اس سے دوستانہ تعلقات منقطع کر لیے جائیں[1]۔ باتفاق جمیع اہل السنۃ والجماعت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو تمام انسانوں پر سوائے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے فضیلت حاصل ہے[2]۔ قال فی العقائد النسفیۃ ص ۱۰۷ مطبوعہ کتب خانہ مجیدیہ و افضل البشر بعد نبینا علیہ الصلاۃ والسلام ابوبکر الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورین ثم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ۔ فی شرح العقائد النسفیہ للتفتازانی فسبہم (ای الصحابۃ) والطعن فیہم ان کان مما یخالف الادلۃ القطعیۃ فکفر کقذف عائشۃ رضی اللہ عنہا والا فبدعۃ ۔ شرح عقائد ص ۱۱۶ مطبوعہ کتب خانہ مجیدیہ[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۸ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۹۔۳۔۱۳۸۵ھ

امام حسین رضی اللہ عنہ کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کا عقیدہ

﴿ س ﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک امام مسجد اگر لوگوں کو اس طرح کی ہدایت کرے کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر و حضرت عثمان ذوالنورین و حضرت علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہم ان سارے اصحاب سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بلند ہے۔ بلکہ یہ بھی ساتھ کہے کہ یہ سارے صحابہ حضور پاک کے حضرت امام حسین کے غلام تھے۔

کیونکہ حضرت امام حسین نے لکھ کر دیا تھا کہ آپ ہمارے غلام ہیں اور اصحاب رسول نے سند سمجھ کر اپنے پاس لکھا ہوا خط قبر تک موجود رکھا۔ کیا ایسے عقائد رکھنے والے امام مسجد کے پیچھے اہل سنت والجماعت کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر یہی امام مسجد ایک مطلقہ عورت کی عدت طلاق ختم ہونے سے پہلے دوسرے خاوند ہونے والے کے گھر بٹھا دے اور وہ کئی دن تک عورت مرد اکٹھے کھاتے پیتے رہیں اور بعد عدت ختم ہونے کے وہ شخص مطلقہ عورت سے نکاح نہ کرے اور گھر سے نکال دیوے تو ایسے امام مسجد کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ مولوی صاحب خود جانتے ہیں کہ جب تک عدت ختم نہ ہو تو دوسرے شخص کے ساتھ مطلقہ عورت

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان "صحابہ کی توہین" جز نمبر ۱، ص ۲۹۲۔
(۲) کما فی شرح فقہ الاکبر، وافضل الناس بعد ... ابوبکر (فی شرحہ والحاصل ان افضل الناس ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ثم)، ص ۱۸۲، طبع دار البشائر الاسلامیہ۔
(۳) شرح العقائد ص ۱۱۶، طبع دار الاشاعۃ العربیۃ کوئٹہ۔

نہیں دیکھی اور پھر بھی مولوی صاحب حکم دیتے ہیں بلکہ فوراً ہی اس شخص کے گھر معتدہ عورت کو رکھنے پر مجبور کر کے کچھ عرصہ تک اس کے گھر میں رہائش کراتے ہیں۔ اس قسم کے مولوی صاحب کے متعلق علماء دین کیا حکم فرماتے ہیں۔

«ج»

مندرجہ بالا عقیدہ بالکل غلط عقیدہ ہے۔ اہل سنت حضرات کا متفقہ اور مسلمہ عقیدہ یہ ہے کہ حضرات شیخین بلکہ خلفاء راشدین تمام اشخاص سے افضل ہیں[1]۔ اس طرح کی ضعیف اور موضوع روایات سے استدلال کرنا علم کی کمی بلکہ جہالت کی دلیل ہے۔ ایسے شخص کو امام نہ رکھا جاوے[2] بلکہ فوراً معزول کر کے کسی متدین صحیح العقیدہ عالم کو امام مقرر کیا جاوے[3]۔ ساتھ ہی عدت والی عورت کو کسی اجنبی شخص کے گھر بٹھانا بھی سخت گناہ ہے۔ لیکن تحقیق ضروری ہے کہ کیا واقعی امام مذکور نے یہ حرکت کی ہے یا ایسے خیالات کی اشاعت کی ہے یا نہیں[4]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷-۱-۸۸ھ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار

«س»

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ زید شیعہ غیر تبرائی منکر صحبت صدیق رضی اللہ عنہ نہیں ہے۔ افک عائشہ رضی اللہ عنہا کا قائل نہیں ہے۔ نہیں کہتا ہو کہ ان علیا کان الٰہا نزل من السماء اور نہیں کہتا ہو کہ النبوۃ کانت لعلی و جبرئیل اخطاء اور نہیں کہتا ہو کہ ان علیا افضل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

۱) تقدم تخریجہ عنوان، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینا، جز نمبر ۸، ص ۲۹۷۔

۲) كما في تنوير الأبصار (ويكره) تنزيهاً (امامة عبد ... او فاسق واعمى، ونحوه ... (ومبتدع) اى صاحب بدعة، كتاب الصلوة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ج ۲ ص ۳۵۵، ۳۵۶، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
ومثله في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۶۰۷ تا ۶۱۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) كما في الدر المختار: الا ان يكون اعلم القوم الخ، كتاب الصلوة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ج ۲ ص ۳۵۵ تا ۳۵۶، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
كما في الهندية: الاولى بالإمامة اعلمهم باحكام الصلوة هكذا في المضمرات الخ، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، ج ۱ ص ۸۳، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۴) كما في الدر المختار: ولا تخرج معتدة رجعي وبائن الخ، كتاب الطلاق، مطلب في الحداد، ج ۵ ص ۲۲۷، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

وسلم ہاں یہ ضرور کہتا ہے کہ ان علیا افضل من الشیخین یعنی اور حضرت علی کو برا بھلا نہیں کہتا اس نے
اپنے عقیدہ و مذہب کے مطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ کو نیاز حضرت عباس ابن حسین رضی اللہ عنہما ختم دلوایا۔ نیاز پر
فاتحہ دلائی گئی۔ اس فاتحہ میں اکثر آدمی معتبر اہل سنت والجماعت حنفی کے اور کچھ بچے اہل سنت والجماعت حنفی کے
اور کچھ شیعہ آدمی بھی تھے۔ بعد از فاتحہ کوئی تبرا وغیرہ نہیں کیا گیا۔ نیز فرض کرو کہ اس نیاز میں ایک حنفی نے ایک
روپیہ چندہ کا ثواب سمجھ کر دیا نہ برائے امداد کچھ دن بعد اس نیاز کا تذکرہ چل نکلا۔ علماء سے نہیں نیم خواندہ
مولویوں سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ آیا جو حنفی سنی المذہب نے اس نیاز میں چندہ دیا ہو اور اسے ثواب سمجھ کر کھایا ہو
تو کیا ان سنیوں کا نکاح فسخ ہو گیا یا نہ؟ تو نیم خواندہ مولویوں نے جنہیں فقہ و حدیث و قرآن کا پورا پورا کم علم بھی نہیں
ہے۔ تو انہوں نے بیک جنبش لب فتوی صادر فرمایا کہ نکاح فسخ ہو گیا۔ اور کھانے والے سب کافر۔ نیز انہوں نے
یہ بھی کہا کہ جو شیعہ ہوگا وہ تبرائی وغالی ہوگا۔ غیر تبرائی وغیر غالی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہم ضرور ہی مانتے ہیں کہ ہر شیعہ
تبرائی وغالی ہوگا۔ مگر وہ ہمارے سامنے غیر تبرائی غیر غالی ہونے کا حلفیہ بیان دیتا ہے۔ دلوں کا بھید ہی اللہ ہے۔
مگر شیعہ ہے ہی ضرور۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن حنفیوں نے شیعہ کے ہاں وہ نیاز کھائی اور چندہ دیا کیا
ان کا نکاح جاتا رہا فسخ ہو گیا؟ اگر نکاح فسخ نہیں ہوا تو کیا جن حنفیوں نے نیاز کھائی یا چندہ دیا ہے گنہگار ہوئے یا
نہ؟ کیا توبہ کر لیں۔ درمختار ج ۲ ص ۲۳۳ میں ہے **وبھذا ظھر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد
الالوھیة فی علیؓ او ان جبرئیل غلط فی الوحی او کان ینکر صحبة الصدیقؓ او یقذف
السیدة الصدیقة فھو کافر** انتھی اور مولانا الحاج الحافظ عبدالحی صاحب لکھنوی نور اللہ مرقدہ۔ اپنی کتاب
مجموعہ فتاوی جلد دوم ص ۲۳۳ تا ۲۳۴ مطبع یوسفی لکھنو کتاب الحظر والاباحة میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔
ہر چند کہ ایک جماعت فقہاء نے مطلقا شیعہ کو بسبب سب شیخین رضی اللہ عنہ کے کافر لکھ دیا ہے اور بنائے کفران کے ساتھ
مناکحت کے حرام ہونے کا اور عدم صحت ذبیحہ روافض کا فتوی دیا ہے۔ مگر امر صحیح اور مفتی بہ اور مرجح یہ ہے کہ جو منکر
ضروریات دین ہوں وہ کافر ہیں۔ ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔ مناکحت ان کے ساتھ درست نہیں۔ شرکت ان کے
ساتھ مثل شرکت اہل اسلام جائز نہیں اور جو ایسے نہ ہوں کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم کرتے ہوں وہ فاسق ہیں کافر
نہیں۔ ذبیحہ ان کے ہاتھ کا حلال ہے حرام نہیں۔ مناکحت بھی ان کی درست ہے۔ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
دیوبندی اپنی کتاب فتاوی دارالعلوم دیوبند جلد اول صفحہ ۱۰۱ الناشر مکتبہ دارالاشاعت کراچی فتوی نمبر ۲۰ کے
جواب میں لکھتے ہیں اگر در حقیقت عمر غیر تبرائی وغیر غالی است نکاح سنیہ با وجائز وصحیح خواہد شد اگرچہ بہتر نیست
کہ سنیہ را بنکاح شیعہ دادہ شود اگر عمر شیعہ غالی است کہ قائل افک عائشہ ومنکر صحبت صدیق ست ایں چنیں شیعہ را
علماء باتفاق کافر گفتہ اند۔ نکاح سنیہ با وصحیح نخواہد شد۔ لیکن بہر حال احتراز واجتناب ازیں فرقہ ضالہ لازم است۔

وہرگز عقد مناکحت با ایشان نکردہ شود انتہیٰ۔ جب اس سے صاف ظاہر ہے کہ غیر تبرائی و غیر غالی شیعہ کے ساتھ مناکحت جائز ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں پرہیز چاہیے۔ تو کیا وجہ ہے کہ محض نیاز کھانے سے اور چندہ دینے سے نکاح فسخ ہو جاوے۔ اور لطف یہ ہے کہ کفر کا فتویٰ بھی۔ بحوالہ کتب معتبرہ و حدیث و فقہ مرفوع متصل باسند دیکھ کر ثابت کرے اور عبارت عربی میں اور وضاحت مفصل اردو میں تحریر کریں۔ نام کتب اور صحیح صفحہ مع نام مصنف تحریر کریں۔ جواب مختصر مگر جامع ہو۔

سائل محمد عبدالرحمٰن ملتان۔

﴿ج﴾

جس قسم کے شیعہ کا سوال میں ذکر ہے وہ حد کفر میں داخل نہیں ہے۔ اس بارے میں اس کا قول بھی کافی ہے حکم کفر سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے اور اس میں احتیاط ہے لہذا یہ کہنا کہ ہر شیعہ غالی ہے اس لیے کافر ہے صحیح نہیں باوجودیکہ وہ خود اپنے عقائد کو ظاہر کر کے غیر غالی ہونے کا اقرار کرتا ہے[1]۔ باقی رہا نیازات غیر اللہ میں کچھ دینا تو اس میں تفصیل ہے اگر مقصد یہ ہو کہ اس میت کو ہمارے حالات کا ہر وقت علم ہوتا ہے اور وہ ہمارے حاجت روا اور ہماری مشکلات کو حل کرتے ہیں اور اولاد دیتے ہیں تو تقرب الی غیر اللہ کفر ہے[2]۔ ردالمحتار ص۴۳۹ ج۲ میں ہے منها ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقاده ذلک کفر[3] نیز اس چیز کا کھانا بھی حرام ہے۔ ردالمحتار ص۴۳۹ ج۲ میں ہے۔ اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراہم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فهو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفها لفقراء الانام

---

1) غالی شیعہ کافر ہیں۔ کما فی الشامیۃ: وبهذا ظهر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوهیة ... فهو کافر، کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السراری الخ، ج ۴ ص ۱۳۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
وایضاً فی البحر الرائق: وان انکر خلافة الصدیق فهو کافر الخ، کتاب الصلوات، باب الامامة، ج ۱ ص ۶۱۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
غالی نہ ہو تو کافر نہیں، کما فی الشامیة، بخلاف ما اذا کان یفضل علیاً او یسب الصحابة رضی اللہ عنهم، فانه مبتدع الخ، کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السراری الخ، ج ۴ ص ۱۳۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔ ومثله فی البحر الرائق کتاب الصلوت، باب الامامة، ج ۱ ص ۶۱۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

2) تقدم تخریجه تحت عنوان (قبروں پر چڑھاوے سے مطلب حاصل کرنا) جزء نمبر ۷، ص ۱۷۰۔

3) شامی کتاب الصوم، مطلب فی النذر الخ، ج ۳ ص ۴۹۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

وقد ابتلي الناس بذلك ولا سيما في هذه الاعصار[1]۔ شامی نے ایک قول میں درمختار کے تحت مسئلہ کو بالوضاحت بیان کیا ہے۔ باب الصوم ج ۲ شامی قبل باب الاعتکاف اس مضمون پر فتاویٰ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم بحث ص ۹۱ جلد ثانی دیکھ لیں[2] اور اگر غیر اللہ کے تقرب کی نیت نہ ہو بلکہ محض صدقہ نفلہ ہو اور ثواب اسی بزرگ کو پہنچانا مقصود ہو اس بزرگ کو متصرف، عالم الغیب، مالک نفع وضرر نہیں سمجھتا تو کفر نہیں اور نہ اس چیز کا کھانا حرام ہے[3]۔ اس تفصیل کے بعد اس آدمی چندہ دینے والے کا حکم معلوم کر لیا جاوے۔ اور اگر معاملہ مشتبہ ہو کہ وہ کون سی قسم سے ہے تو بھی شک سے تقریح نہیں لازم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲ صفر

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت کا عقیدہ

﴿س﴾

مولوی کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی شان سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی شان زیادہ ہے۔ اس کے متعلق حدیث یا قرآن مجید سے اس کا حوالہ دیں کہ مسئلہ ٹھیک ہے یا غلط اور کسی کتاب کا حوالہ دیں۔

﴿ج﴾

اجماع امت مسلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر تمام صحابہ، تابعین ائمہ دین رحمہم اللہ اور آج تک کے علماء کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نمبر آتا ہے۔ جس طرح ان حضرات کی خلافت کی ترتیب ہے، اسی طرح ان کی فضیلت کی ترتیب ہے۔ اجماع حدیث واحد سے زیادہ قطعی دلیل ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی حدیث کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر زیادہ تفصیل کی ضرورت ہو تو کتب اہل السنۃ کا

---

(۱) شامي، كتاب الصوم، مطلب في النذر الحج ج ۲ ص ٤٩١، طبع رشيديه كوئٹه

(۲) عبد الحي لكهنوي ج ۱ ص ۱۹۳، مجموعة الفتاوى مطلب

(۳) ... جائز ہے، نظام تعزیہ تحت عنوان (غیراللہ) پڑھاوے سے متکلب حاصل کرنا جزء ۸، ص ۱۷۰

عطا فرمائیں[1]۔ فقط واللہ اعلم۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افضل البشر ہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید اور عمرو دونوں سنی حنفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ عمرو یہ تمام صحابہ ﷺ سے افضل اور برتر اور تمام صحابہ ﷺ کا امام اور پیشوا اور مذہبی اور اخلاقی اور روحانی مرشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مانتا ہے اپنے دعویٰ کی دلیل میں چند آیات، متعدد احادیث، کتب حق حنفی عبارات اور بزرگان دین کے اقوال پیش کرتا ہے، لیکن بکر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل اور برتر اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم کا امام اور مرشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مانتا ہے اپنے دعویٰ کی دلیل میں آیت تطہیر آیت مباہلہ۔ انما ولیکم اللہ الآیۃ اور آیت ھل اتی وغیرہ اور حدیث غدیر من کنت مولاہ۔ اور انا مدینۃ العلم وعلی بابھا اور حدیث لحمک لحمی ودمک دمی وغیرہ پیش کرتا ہے۔

واقعہ خیبر اور جنگ بدر، احد، حنین وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کارنامے پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ تو جنگ سے بھاگ گئے تھے۔ نیز کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں پیدا اور مسجد میں شہید ہوئے اور تا جدار مدینہ پر سوار ہو کر بت توڑے تھے۔ اس کے برخلاف ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تو حضور علیہ السلام سوار ہوئے تھے۔ لہٰذا علی رضی اللہ عنہ افضل ہوں گے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ خاندان نبوت کے فرد ہیں۔ اصحاب ثلاثہ نہیں۔ نیز یہ کہتا ہے کہ

---

(۱) ... من افضل صحابی، کما قال تعالیٰ: ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا، سورۃ التوبۃ، الآیۃ ۴۰۔ کما فی شرح فقہ الاکبر: افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ ثم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ثم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ومثلہ فی شرح العقائد النسفی، ص ۱۰۷، طبع دار البشائر الاسلامی۔

ومثلہ فی شرح العقائد النسفی، ص ۱۰۷، طبع دار الاشاعت العربیۃ کوئٹہ، قندھار۔

کما فی الصحیح لمسلم: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ ادعی لی ابابکر اباک واخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ... ویابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر، ج ۲ ص ۲۷۳، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

ومثلہ فی البخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کنا نخیر بین الناس فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنخیر ابابکر ثم عمر ثم عثمان الخ، مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ، ج ۱ ص ۵۱۶، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ وایضاً تقدم تخریجہ تحت عنوان (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینا) جز نمبر ۸۰۱ ص ۲۹۶ تا ۲۹۷۔

حضرت اصحاب ثلاثہ محض اعمال پریذیڈنٹ یعنی سیاسی راہنما تھے۔ وہ بیعت بھی محض سیاسی قسم کی تھی۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک سیاسی لیڈر سمجھ کر ان سے بیعت کی۔ وہ بیعت مذہبی روحانی قسم کی نہ تھی جس سے اصحاب ثلاثہ کو یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیا جاوے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) اہل سنت والجماعت کے نزدیک افضل البشر بعد از انبیاء کرام علیہم السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ؟

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے نائب مطلق اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے امام اور مسلمانوں کے دینی و مذہبی اور اخلاقی و روحانی مرشد اور پیشوا تھے یا محض سیاسی لیڈر۔

(۳) زید کا عقیدہ صحیح ہے یا عمرو کا۔ ان دونوں میں سے کس پر توبہ لازم ہے؟

﴿ج﴾

واضح رہے کہ افضل البشر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد باتفاق جمیع اہل سنت والجماعت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ویسے فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی متعدد اور بے شمار ہیں۔ صرف سیاسی لیڈر حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نہ تھے بلکہ مستحق امامت و خلیفہ راشد نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ دینی، مذہبی اور سیاسی پیشوا تھے۔ متعدد روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہیں۔ جیسے آگے روایات لکھی جاتی ہیں لہذا جب ساری امت کا آپ کی ہی افضلیت پر اجماع ہے تو ہم کون ہیں اور ہمارا علم کیا ہے کہ ہم دلائل میں غور کر کے ساری امت کے اجماع کے خلاف چلیں[1]۔ فقہ اکبر میں ہے۔ و افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر الصدیق ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین[2]

دیکھیے مسلم شریف کی روایت ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ ادعی لی ابابکر

---

(۱) اہل السنۃ والجماعۃ کے یہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل صحابی ہیں، مزید تخریج تحت عنوان (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینا) جلد نمبر ۸/ ص ۲۹۶ تا ۲۹۷۔

(۲) شرح فقہ الاکبر، ص ۱۸۲، دار البشائر الاسلامیہ۔

اباک و اخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا ولا ویابی الله والمؤمنون الا ابابکر رواہ مسلم[۱]۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۵۵)[۲]

دیکھیے حضرت علی خود حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی افضیلت کے قائل ہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے۔

وعن محمد بن الحنفية قال قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر قلت ثم من قال عمر و خشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت قال ما انا الا رجل من المسلمین رواہ البخاری[۳]۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۵۵)[۴]

دیکھیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا قول ابن عمر رضی اللہ عنہما نقل فرما رہے ہیں۔

وعن ابن عمر قال کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینهم رواہ البخاری[۵] وفی روایة لابی داؤد قال کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی افضل امة النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنهم۔ (مشکوۃ ص ۵۵۵)[۶]

دیکھیے قرآن پاک میں آیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو ارشاد فرما رہے ہیں۔

لا تحزن ان اللہ معنا۔ الآیۃ[۷]۔

---

۱) کتاب مسلم، ج ۲ ص ۲۷۳، مناقب ابی بکر، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) مشکوۃ المصابیح (باب مناقب الصحابہ، الفصل الثالث، ص ۵۵۵، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) بخاری، باب فضائل ابی بکر، ج ۱ ص ۵۱۶، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۴) مشکوۃ المصابیح (باب مناقب الصحابہ، الفصل الثالث، ص ۵۵۵، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

۵) بخاری (باب فضل ابی بکر، ص ۵۱۶، ج ۱، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

۶) مشکوۃ المصابیح، باب مناقب الصحابہ، الفصل الثالث، ج ۱ ص ۵۵۵، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۷) سورۃ التوبۃ، الآیۃ نمبر ۴۰۔

تفصیل کے لیے معارف القرآن کاندھلوی، ج ۳ ص ۴۲۹ اور معارف الحدیث نعمانی، ج ۸ ص ۲۲۹ کا مطالعہ کیا جائے۔

ہے جیسا ان کی شان کے لائق ہے۔ خود قرآن پاک میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و معیت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ وغیر ذلک من الدلائل وفی ما ذکرنا کفایة لمن القی السمع وهو شهيد فقط والله تعالى اعلم حرره عبد اللطيف غفر له۔ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۱۰ ربیع الثانی ۸۶ھ

(۳) ابوبکرؓ کو افضل ماننا لازم ہے، اس عقیدہ پر جو ہو کر کوئی جائے تو مستحق نہیں[1]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۰-۳-۱۳۶۹ھ

کیا پانچواں مسلک ممکن ہے

دلائل حصر مذاہب اہل سنت در اربعہ، اثبات چہار شد یا مذہب خامس باطل است، جواب بہ جواز تحریر

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بدانست که اصحاب مذاهب اهل سنت والجماعت فقهيه چه ابو حنيفه وچه شافعی وچه مالک وچه احمد وچه غير ايشان در تدوين مذاهب واستخراج مسائل خلاف شرع نه ساخته‌اند و ائمه اربعه مستند هر یک هستند و سبب اختلاف فيما بين شان وقوع اختلاف در فهم معانی آيات و احاديث است. نه آنکه احدی تعصب را داده باشد یا آنکه قياس را بر شرع مقدم کرده باشد. حاشا وکلا جمله ائمه هداة از تقديم قياس مبرا هستند. و تهمت کننده این امر بطرف یکی از ايشان کاذب و مفتری است و آنچه که بعضی متعصبين حنفيه را اصحاب الرائی می نويسند قول ايشان از پايه اعتبار ساقط است لهذا في التحقيق مذهب هر امام از ائمه اهل سنت خواه امام اوزاعی باشد خواه ابن ابی ليلی خواه حسن بصری یا دیگر امام صحيح و درست است و مذهب اهل سنت در چهار منحصر نيستند لاکن چونکه سوای مذاهب اربعه ديگر مذهب مضبوط نيست و نه کتب آن مذهب ميسر می شوند که بوقت ضرورت بآن رجوع کرده شود. و نه علماء مقلدين ديگر مذاهب غير مذاهب اربعه در عالم قدر معتدبه موجود هستند که بوقت اشکال بايشان رجوع کرده شود[2]. ازين وجه علماء متاخرين برين اجماع کرده اند که تقليد مذهب

---

(۱) توبہ لازم ہے، تقدم تخریجہ تحت سوال (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینا) جزء نمبر ۱ ص ۲۹۶۔

(۲) فان اهل السنة قد افترق بعد القرون الثلاثة او الاربعة على اربعة مذاهب ولم يبق في فروع المسائل سوى هذه المذاهب الاربعة فقد انعقد الاجماع المركب على بطلان قول من يخالف كلهم. تفسير مظهری، ج ۲ ص ۶۴، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹہ۔

دیگر غیر از مذاهب اربعه درست نیست. و تقلید یکی ازین مذاهب اربعه واجب است
پس وجه حصر مذاهب درچهار مذکور این هرگز نیست که معاذ الله مذهب دیگر باطل
هستند و تقلید آن ازین وجه جائز نیست بلکه تقلید آن ازین وجه جائز نیست که تقلید
آن مذاهب کما حقه هرگز نمی توان کرد. چراکه کتب و علماء آن مذاهب در عالم
موجود نیستند و نه مذاهب ایشان آنطور مدون شده اند چنانچه مذاهب اربعه[1]. وهم
ازین وجه علماء متاخرین فرموده اند که در مملکتی که کتب و علماء مقلدین مذهبی ازین
مذاهب اربعه هم اگر یافته می شود. که بوقت ضرورت بطرف ایشان رجوع کرده شود
تقلید آن مذهب هم برائے عامی و عالم غیر مجتهد دران بلاد جائز نیست چنانچه نوشته
اند که در مملکت پاکستان و هندوستان و بلاد ماوراء النهر که کتب و علماء مذهب
شافعی و حنبلی و مالکی میسر نمی شود صرف مذهب حنفی است. درانجا تقلید مذهبی
دیگر از حنفیت جائز نیست. چراکه تقلید آن نمی تواند کرد[2].

علامه ابن همام رحمه الله در آخر تحریر آورده اند ص ۵۵۲ (تکمله) نقل الامام اجماع المحققین علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابة بل من بعدهم الذین سبروا ووضعوا ودونوا وعلی هذا ما ذکر بعض المتأخرین منع تقلید غیر الاربعة لانضباط مذاهبهم وتقلید مسائلهم وتخصیص عمومها ولم یدر مثله فی غیرهم الآن لانقراض اتباعهم وهو صحیح.

علامه عبدالحی لکهنوی در مجموعه الفتاوی ج ۲ ص ۳۱۱ از شرح جمع الجوامع للعلامة المحلی الشافعی آورده است یجب علی العامی وغیره فمن لم یبلغ درجة الاجتهاد التزام مذهب معین من مذاهب المجتهدین یعتقده ارجح من غیره او مساویا له وان کان فی نفس الامر مرجوحا علی المختار انتهی.

ونیز ج ۱ ص ۳۶۳ از انصاف فی بیان سبب اختلاف می آرند. اعلم ان الناس کانوا فی المائة الاولی والثانیة غیر مجتمعین علی التقلید لمذهب معین وبعد المائتین ظهر فیهم مذهب وقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هو الواجب فی ذلک

---

(۱) هکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ج ۴ ص ۱۵۳ کتاب الذبائح وکذا فی مرقاة المصابیح ج ۱ ص ۴۹۹ مکتبه رشیدیه کوئته.

الزمان فان قيل كيف يكون شيء واحد واجبا في زمان وغير واجب في زمان مع ان الشرع واحد قلت الواجب الاصلي هو تقليد من يعرف الاحكام الشرعية عن ادلتها التفصيلية بحسب على ذلك اهل الحق فاذا كان للواجب طرق متعددة وجب تحصيل طريق من الطرق من غير تعيين واذا كان طريق واحد تعين ذلك الطريق بخصوصه كما كان السلف لا يكتبون الحديث ثم صار في يومنا هذا كتابة الحديث واجبة لان رواية الحديث لا سبيل لها الا معرفة هذه الكتب وكان السلف لا يشتغلون بالنحو والصرف واللغة لان لسانهم كانت عربية ثم صار في يومنا هذا معرفتها واجبة فاذا كان انسان جاهل في بلاد الهند وما وراء النهر وليس هناك شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد بمذهب ابي حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه بخلاف ما اذا كان في الحرمين لانه تيسر هناك معرفة جميع المذاهب انتهى۔ امید کہ ازیں قدر تشفی حاصل خواہد شد۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان [illegible]
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان [illegible]

تقلید سے رجوع کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے حنفی مسلک چھوڑ کر مسلک اہل حدیث اختیار کر لیا ہے بعض لوگ اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں کہ تو مسلک حنفی چھوڑنے سے بے دین ہو گیا ہے۔ کیا وہ واقعی بے دین ہے کیا مسلک اہل حدیث اختیار کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہے نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ اہل حدیث سے حنفی لڑکی کا نکاح جائز ہے قرآن وسنت کی روشنی میں جواب باصواب سے نوازیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ مسلک حنفی کے چھوڑنے سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور نہ بے دین ہوتا ہے البتہ تقلید سے رجوع کرنا باطل ہے اور ایک گناہ عظیم سرزد ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لیے کہ اس نے ایک ایسے مذہب کو جو اس کے نزدیک حق تھا خفیف سمجھ کر کسی غرض کے لیے چھوڑ دیا بہرحال صورت مسئولہ میں

اگرچہ یہ شخص بے دین تو نہیں بنا اور اس کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح بھی جائز ہے [1] لیکن اس کا تقلید سے رجوع کرنا باطل ہے اور اس میں ایک گناہ عظیم کے سرزد ہونے کا اندیشہ ہے جس لیے اس شخص پر لازم ہے کہ وہ مسلک حنفی پر قائم رہے۔

درمختار میں ہے وان الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل اتفاقا وهو المختار في المذهب [2] ج ۱ ص ۵۵ الخ وفي ردالمحتار وقال الجوزجاني في رجل ترك مذهب ابي حنيفة لنكاح امراة من اهل الحديث فقال اخاف عليه ان يذهب ايمانه وقت النزع لانه استخف بمذهبه الذي هو حق عنده وتركه لاجل جيفة منتنة انتهى شامي كتاب التعزير ج ۳ ص ۲۰۸۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹۔۳۔۱۳۸۹ھ

فرقہ ناجیہ

﴿س﴾

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے ان میں ایک جنتی ہوگا باقی جہنمی اگر صحیح ہے تو کیا ایک فرقہ کل ہوگا جس میں نیک بھی ہوں گے اور بد بھی جنتی ہوگا یا ہر ایک فرقہ سے نیک اعمال والے علیحدہ کر لیے جائیں گے باقی جو بچیں گے جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔

﴿ج﴾

فرقہ ناجیہ کے تمام لوگ اولاً یا آخراً جنت میں جائیں گے یعنی اعمال بد کی وجہ سے جو لوگ سزا پائیں گے وہ بھی آخرکار جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [3]

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ ۲۳۔۶۔۱۳۹۱ھ

---

1) شامية المقدمة مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه، ج ۱ ص ۱۲۶، طبع رشيديه كوئٹه۔
شامية مطلب فيما اذا ارتحل الى غير مذهبه، كتاب الحدود، ج ۶ ص ۱۲۸، طبع رشيديه كوئٹه۔
وايضا في فتاوى التاتارخانيه، من ارتحل الى مذهب الشافعي يعزر الخ، كتاب الحدود، باب التعزير، ج ۵ ص ۱۱۴، طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه۔

2) كما في الشامية واعلم ان من اعتقد دينا سماويا فهو من اهل الكتاب فتجوز مناكحتهم الخ، كتاب الزكوة، مطلب مهم وطء السراري الخ، ج ۴ ص ۱۲۳، طبع رشيديه كوئٹه۔

3) باب ماجاء في افتراق هذه الامة بجامع الترمذي، ج ۲ ص ۹۳۔ مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة الفصل الثاني، ص ۳۰۔
عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ... وان بني اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفترق امتي على ثلاث وسبعين ملة كلهم في النار الا ملة واحدة۔
عن ابي ذر رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتاني جبرئيل فبشرني انه من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة قلت وان زنى وان سرق قال نعم۔

کیا فاسق وفاجر سید قابلِ احترام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ سید مجتہد فاسق مجاہر وغیرہ مجاہر بحیثیت سید ہونے کے مستحق محبت وتوقیر بوجہ احبوا اهل بیتی مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۳ الخ واذکرکم الله فی اهل بیتی مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۶۸ الخ کے ہے یا نہیں؟

(۱) اگر مستحق محبت وتوقیر کے ہے تو حدیث عن رقیر صاحب بدعۃ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱ الخ اور حدیث الحب لله والبغض فی الله اور مذکورہ بالا حدیثوں یعنی احبوا اهل بیتی الخ واذکرکم فی اهل بیتی میں کیا تطبیق ہے۔

(۲) اگر سید فاسق مجاہر وغیر مجاہر مستحق محبت وتوقیر نہیں تو فقہاء کرام کے عدم حلیت صدقہ کے قول کی کیا تاویل ہے کہ مطلقاً سید بلا تفصیل فاسق مجاہر وغیر مجاہر کے لیے صدقات وزکوٰۃ بمطابق حدیث ان اهل بیت لاتحل لنا الصدقۃ بوجہ توقیر سید کے حرام ہے۔ جیسا کہ صاحب بدائع نے لکھا ہے والمعنی ما اشار الیه انها من غسالۃ الناس فیتمکن فیها الخبث فصان الله تعالیٰ بنی هاشم عن ذالک تشریفا لهم واکراما وتعظیما لرسول الله صلی الله علیه وسلم۔ ج ۲ ص ۴۹۔ نیز حدیث عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اول من اشفع من امتی اهل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش والانصار ثم من امن بی واتبعنی من اهل الیمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم واول من اشفع له اولو الفضل رواہ طبرانی اوردہ السیوطی فی البدور السافرۃ۔ یہ حدیث بھی تقاضہ کرتی ہے اہلِ بیت پر شفاعت نبی کے مقتضی ہے۔ یہ حدیث لائق اعتبار (امداد ج ۲ ص ۲۹۶) کے ہر سید کی توقیر کی جاوے اور اس کے ساتھ محبت رکھی جاوے۔

نیز حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر سید کی تعظیم کرتے تھے۔ اگرچہ سید شیعہ بھی ہوتا تھا جیسا کہ ارواحِ ثلثہ کے حصہ امیر الروایات محشّیہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں ص ۵۴، ۵۵ حکایت ۴۹ کے تحت درج ہے۔ تو اس حدیث کے تحت طبرانی شریف اور شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معمول کا کیا محمل ہوگا۔ بعض فضلاء نے مذکورہ بالا حدیث میں یوں تطبیق بیان فرمائی ہے کہ توقیر ومحبت اہلِ بیت کی بنیاد شرافت نسبی قرار دی جائے اور کہا جاوے معصیت سے خواہ وہ متعدیہ ہو یا غیر متعدیہ حقوق بالکلیہ ختم نہیں ہو جاتے مگر اس کے کیف وکم میں فرق آ جانا ضروری ہے۔ بلکہ سید کے مجاہر فاسق ومبتدع ہونے کی صورت میں مہذب طریقے سے اس کے معاصی پر نکیر اور ان سے تبری ضروری ہے تاکہ دینی ضرر سے محفوظ رہے اور تبلیغ

حق کا فریضہ ادا ہو۔ الغرض عاصی ہونے کی حیثیت سے اس سے بغض فی اللہ ہو اور ایمان جو کہ راس الاعمال ہے
اور شرافت نسبی کی حیثیت سے دل میں محبت اور حسب ضرورت اکرام و احترام ہو اور لزوم تعظیم صاحب بدعت کا
عذر یہ ہے کہ یہ توقیر و محبت مبتدع کی بوجہ بدعت کے نہیں بلکہ بوجہ سیادت کے ہے جیسے کہ حضرت حکیم الامت
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حکایت مذکورہ بالا حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں بطور تحشیہ تحریر فرمایا ہے کہ
اقول توقیر مبتدع کے لزوم کا عذر یہ ہے کہ توقیر من حیث البدعت تھی کسی دوسرے مقتضی سے تو کافر کا اکرام بھی
وارد ہے۔ اس پر تمام نصوص جمع ہو جاتی ہیں۔ احادیث میں افتخار بالانساب کی جو نہی وارد ہے اس کا محمل وہ
مفاخرة علی وجه التكبر واحتقار مسلم والاتكال علی النسب وترك النفس وهواها ہے۔
کیونکہ محض انتساب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سبب نجات و تفوق علی الصلحاء والاتقیاء سمجھنا قلت عقل وضعف
رائے کی دلیل ہے۔ لقوله تعالى ان اكرمكم عند الله اتقكم. وقوله تعالى لنوح عليه السلام في
ابنه كنعان انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح وقوله عليه السلام سلمان منا اهل
البيت بلکہ اہل بیت رسول کو بوجہ نسب الی النبی ﷺ کے لازم و الزم ہے کہ اکتساب خصائل حمیدہ کریں اور رذائل
سے اجتناب کریں۔ کیونکہ الحسنة وهي من اهل بيت النبوة احسن والسيئة وهي من اهل
بيت النبوة اسوأ۔ آخر تقویٰ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بغیر اتقاء عن التکالیف مشکل ہے۔ ہاں اس کا یہ مطلب
ہرگز نہیں کہ نسب نبوی علیہ السلام کا کوئی امتیاز نہیں۔ اذ شرف النسب مما اعتبر جاهلية واسلاماً واما
جاهلية فالظاهر ان يبرهن عليه واما اسلاما فيدل عليه اعتبار الكفاءة في النسب في باب
النكاح على الوجه المفصل في كتب الفقه اور ہم کو یہ حق ہرگز نہیں کہ ہم آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے
حق محبت و توقیر کو بالکلیہ ختم کرتے ہوئے توہین و تذلیل پر اتر آئیں۔ اور انہیں دشمن کو پہنچا سلام کرتے
پھریں۔ شریف بلاد خراسان کا واقعہ جو کہ فاسق ظاہر الفسق تھا۔ جب سکر کی حالت میں اس نے شیخ وقت مولیٰ اسود
کو سر دو کرم کیا۔ ج ۲۶ ص ۱۳۲۔ یا اسود اخو دفرد المشافر یا كافر ابن كافر انا ابن رسول الله صلى
الله عليه وسلم اذل ورثت تعجل اهان وانت تعان تو لوگوں نے ان کے مارنے کا قصد کیا تو شیخ نے
فرمایا لاتفعلوا یہ مغلظات جو آپ نے میرے حق میں کہے ہیں یہ ان کے جدامجد کے قابل برداشت ہیں۔
هذا متحمل عنه بجده ومعفو عنه وان خرج عن حده نقل عن روح المعانى فى بتغير
وزيادة کیا یہ تطبیق صحیح ہے۔ جو جواب صحیح ہو۔ مفصل و مدلل بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

نحمدہ و نصلی

﴿ج﴾

سید شریف النسب کی شرافت نسبی اور نسبت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً ایک بہت بڑی سعادت اور

منقبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہے۔ لما روی الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لا یعذبھم [1] ولما اخرج الطبرانی فی الکبیر ورجالہ ثقات عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لفاطمۃ ان اللہ عزوجل غیر معذبک ولا ولدک [2]. ولما روی احمد والحاکم فی صحیحہ والبیہقی عن ابی سعید قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول علی المنبر ما بال رجال یقولون ان رحم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنفع قومی یوم القیامۃ بلی واللہ ان رحمی موصولۃ فی الدنیا والاخرۃ وانی ایھا الناس فرط [3] لکم علی الحوض [4]۔ لیکن یہ شرافت نسبی اس وقت آخرت میں نافع اور دنیا میں مستحق تکریم زائد و تعظیم فائق ہے۔ جبکہ اس کے مقتضیات کے مطابق سید عمل کرتا ہو اور اس کے موجبات کا لحاظ کر کے شریعت کا متبع ہو اور اوپر کی جملہ روایات کا محمل وہ سید ہے جو صاحب ایمان ہو، متبع سنت ہو، یا کم از کم اتباع کا عزم صادق رکھتا ہو اگرچہ عملاً قاصر کیوں نہ ہو۔ اور اگر سید مبتدع یا رافضی ہو اور شرافت نسبی کا لحاظ کیے بغیر جرأت و اعلانیہ احکام خداوندی سے بغاوت کرتا ہے تو اس کے لیے صرف شرافت نسبی کافی نہیں۔ لما روی مسلم فی صحیحہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ۔

---

1) المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، مناقب اھل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۳ ص ۱۶۰، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

2) ومثلہ فی المعجم الکبیر للطبرانی، عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فاطمۃ حصنت فرجھا فحرمھا اللہ وذریتھا علی النار مناقب فاطمۃ رضی اللہ عنھا، ج ۱۲ ص ۴۰۷، مطبعۃ الامۃ بغداد۔

3) کتاب معرفۃ الصحابۃ ذکر فضائل القریش، ج ۵ ص ۹۰، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

4) ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، پارہ حم سورۃ الحجرات، الآیۃ ۱۳، (۲) ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منھم تقٰۃ، پارہ نمبر ۳ تلک الرسل، سورۃ آل عمران، الآیۃ نمبر ۲۸، (۳) قال البخاری قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس اکرم؟ قال اکرمھم عند اللہ اتقاھم، تفسیر ابن کثیر، ج ۵ ص ۶۶۳، قدیمی کتب خانہ کراچی، حدیث نمبر ۲۶۱۰۔ وقال مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (تفسیر ابن کثیر ص ۶۶۴ ج ۵ قدیمی) قال الطبرانی انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المسلمون اخوۃ لا فضل لاحد علی احد الا بالتقوی (تفسیر ابن کثیر ص ۶۶۳ ج ۵ قدیمی)

قال الامام احمد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان انسابکم ھذہ لیست بمسبۃ علی احد لیس لاحد علی احد فضل الا بدین وتقوی (تفسیر ابن کثیر ص ۶۶۴ ج ۵ قدیمی)

ھذہ الاحادیث، کلھم موجودون فی رسائل ابن عابدین، رسالہ تنبیہ الغافلین فی نفع نسب الطاہر، ص ۵ جزء ۱، طبع سہیل اکیڈمی۔

گویا کہ اس نے شرافت نسبی کو خود ختم کر دیا اور انہ لیس من اھلک کا مصداق بنا[1]۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ نے مجموعہ رسائل کے ص ۷-۸۶ پر لکھا ہے۔ فکیف یظن احد من ذوی النسب انتھک حرمات اللہ ولم یراع ماعلیہ وجب ان یبقی لہ حرمۃ ومقام عندہ علیہ الصلوۃ والسلام أیزعم الغبی انہ اعظم حرمۃ من اللہ عندنبیہ، کلا واللہ بل قلبہ مغمور فی لجج الغفلۃ وساہ فمن اعتقد ذالک یخشی علیہ سوء الخاتمۃ والعیاذ باللہ۔ الخ[2]۔

باقی حرمت صدقات میں حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی عظمت کو برقرار رکھنا مقصد تھا۔ اس لیے آپ کے متعلقین کے لیے بھی آپ کی وجہ سے اخذ صدقات حرام کر دیا گیا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔ نحن اھل البیت لا تحل لنا الصدقہ[3]۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ بنو ہاشم میں صرف آل علی رضی اللہ عنہ و آل جعفر رضی اللہ عنہ و آل عقیل رضی اللہ عنہ و آل عباس رضی اللہ عنہ و آل حارث ہی پر صدقات حرام کر دیے گئے۔ باوجود یہ کہ بنی ہاشم اور بھی بہت ہیں۔ لیکن ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے آپ کی قربت سے الگ کر دیا گیا ہے۔ حتی کہ ابولہب کی وہ اولاد جو بعد میں مسلمان ہوئی۔ ان پر صدقات حرام نہیں کیے گئے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ نے رد المحتار ج ۲ ص ۷۰ میں لکھا ہے۔ وبہ علم ان اطلاق بنی ہاشم ممالا ینبغی اذلا تحرم علیھم کلھم بل علی بعضھم (الی ان قال) اقول قال فی النافع بعد ذکر بنی ھاشم الامن ابطل النص قرابتہ یعنی بہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قربۃ بینی و بین ابی لھب فانہ آثر علینا الافجرین وھذا صریح فی انقطاع نسبتہ عن ھاشم و بہ ظہران فی اقتصار المصنف علی بنی ھاشم کفایۃ فان من اسلم من اولاد ابی لھب غیر داخل لعدم قرابتہ وھذا حسن جدا[4]۔ الخ۔ معلوم ہوا کہ کفر نے نسبی قرابت کو منقطع کر دیا۔ نیز موالی بنی ہاشم پر عدم جواز زکوۃ بھی اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین خصوصی کے لیے تھی۔ گویا جن کے زکوۃ لینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی متاثر ہو سکتی تھی اگرچہ وہ آپ کے نسب سے نہ ہوں ان کے لیے لینا حرام کر دیا گیا اور فرمادیا کہ موالی القوم

---

۱) مسلم، کتاب الذکر والدعاء الخ، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ج ۲ ص ۳۴۵، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) وایضاً فی ابی داؤد: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... "من ابطا بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ" الظاھر فی نفع نسب الطاھر، ج ۱ ص ۷ تا ۸، سہیل اکیڈمی۔

۳) مجموع رسائل ابن عابدین، رسالہ الظاھر، فی نفع نسب الطاھر ص ۷ تا ۸، ج ۱، سہیل اکیڈمی۔

٤) کتاب الزکاۃ، باب المصرف مطلب فی الحوائج الاصلیۃ، ج ۲ ص ۳۵۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

من انفسھم[۲]۔ اور یہ حکم کہ موالی القوم من انفسھم صرف حرمت اخذ صدقات کے لیے ہے۔ باقی امور میں یہ حکم نافذ نہیں ہے۔ بدائع الصنائع میں اس حدیث کے بعد ذکر ہے۔ ای فی حرمۃ الصدقۃ لا جماعنا ان موالی القوم لیس منھم فی جمیع الاحکام الاتری انہ لیس بکفولھم[۲]۔ الخ معلوم ہوا کہ نسبی قریب جو ہاشمی ہوں کہ ابی لھب و اولادہ مستحق کرامت بحرمت اخذ الصدقات نہیں اور باوجود بھی جب خصوصی کفر یہ متعلقین ہوں کالموالی تو زکوۃ لینی ان کو منع کر دی گئی باقی کفاءت کی بات ہے تو اس کے متعلق جان لیں کہ اس میں سادات کی کوئی خصوصیت نہیں۔ جملہ فقہاء نے تصریح کی ہے۔ قریش بعضھم اکفاء بعض[۳]۔ فتح القدیر ص ۲۲۲ میں ہے ففی الحدیث دلیل علی انہ لایعتبر التفاضل فی مابین قریش. الخ[۴]

کفاءت نسبی کا اعتبار عرفی شرافت سے متعلق ہے۔ حتی کہ اگر کوئی عالم باعمل اور معظم ہو وہ سید لڑکی کا کفو ہے[۵]۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ وکیف یصح لاحد ان یقول ان مثل ابی حنیفۃ او حسن بصری رحمہ اللہ وغیرھما ممن لیس بعربی انہ لایکون کفوا لبنت قرشی جاھل او لبنت عربی یبول علی عقبیہ[۶]۔ الخ۔ نیز واضح ہو کہ شیعہ اگرچہ سید ہو سنیہ عورت کا کفو نہیں ہے۔ اگرچہ غیر سید ہو۔ کما مصرح فی الفتاوی الفقہیہ)

بہرحال شرافت نسبی کافی احترام کا سبب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسلام اور سنت نبوی کا باغی نہ ہو۔ شیعہ جو اس وقت پاکستان میں ہیں وہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق افک کے قائل ہیں۔ صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام عنہم کے متعلق سب وشتم نہ صرف کرتے ہیں بلکہ اسے موجب ثواب سمجھتے ہیں۔ ایسے بے ہودہ لوگوں کا جو نصوص قطعیہ کے منکر ہیں اور بیت رسالت پر ہاتھ ڈالتے ہیں ان کا احترام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب بنے گا۔ (والعیاذ باللہ)

---

۱) الصحیح الترمذی، کتاب الزکاۃ، باب فی کراھیۃ الصدقۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ، ج ۱ ص ۱۴۲، طبع ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔

۲) بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، ج ۲ ص ۱۴۹، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) باب الاولیاء والاکفاء، ج ۳ ص ۱۸۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۴) وایضاً فیہ باب الاولیاء والاکفاء، ج ۳ ص ۱۹۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

۵) وذکر جمع من مشروح النقاوی، العالم یکون کفوا للعلویۃ لأن شرف الحسب اقوی من شرف النسب۔ رد المحتار، کتاب النکاح، ج ۳ ص ۲۰۶، رشیدیہ کوئٹہ۔

۶) کتاب النکاح باب الکفاءۃ، ج ۳ ص ۲۰۷، رشیدیہ کوئٹہ۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے واقعہ کا تو پہلے کوئی صحیح ثبوت نہیں ملا ایک تاریخی قسم کا واقعہ ہے اس
سے استدلال نہیں ہو سکتا اور بشرط ثبوت نہ معلوم انہوں نے کس داعیہ کے تحت ایسا کیا۔ ان کے واقعہ کی صحیح
محمل تلاش کیا جاوے تاکہ ان کی ذات اقدس پر اعتراض نہ آئے۔ لیکن اس سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیامت میں جب امتی پیش کیے جائیں گے تو ایک جماعت کو دوزخ کی طرف لے جاتے
ہوئے لایا جائے گا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ فرماویں گے۔ اصحابی، اصحابی آپ ﷺ سے کہا جائے گا۔
انک لاتدری ما احدثوا بعدک۔ تو آپ ﷺ فرماویں گے سحقا سحقا[1] والتفصیل فی
النووی ج ۱ ص ۱۲۶۔ غور فرماویں یہ ہیں تو حضور علیہ السلام کے امتی لیکن تبدیل دین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان
سے برأت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اس لیے شیعہ جو نصوص قطعیہ کا منکر اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
توہین کنندہ ہو اس کا کوئی احترام نہیں سو کذلک المبتدع فی الدین۔ البتہ فحش گوئی اور گالی بکنا تو کسی کافر کے
لیے بھی جائز نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن
فاحشا[2] ولا متفحشا رواہ البخاری۔ اس لیے فحش گوئی کی اجازت نہیں ہوگی۔ بلکہ لازم ہے کہ نرمی کے ساتھ
انہیں سمجھا کر صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کی جائے تاکہ اہل بیت عذاب اخروی سے بچ جاویں۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ۳ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ

کیا عصر کے وقت پانی پینا ناجائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو مشہور ہے کہ عصر کے بعد یا بوقت غروب پانی پینا ناجائز
ہے اور باعث بے برکتی ہے۔ کیا اس کا کوئی شرعاً ثبوت ہے۔ یا فقط رسمی بات ہے۔ کیا یہ عقیدہ جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اس کی کوئی اصل نہیں ایسا عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے[3]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵۔ ۳۔ ۱۳۸۱ھ

---

(۱) الصحیح المسلم، کتاب الطہارۃ، باب استحباب اطالۃ الغرۃ الخ، ج ۱ ص ۱۲۶، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
(۲) عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما الی آخرہ کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱ ص ۵۰۳، مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراچی۔
(۳) اغلاط العوام (کھانے پینے کی اغلاط ص ۱۹۰) زمزم پبلشرز۔

وہ تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھے۔ اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہ ملازمت بھی جاری رکھے تاکہ گھر کے اخراجات کا انتظام ہو سکے اور وقتاً فوقتاً قریبی مضافات میں تبلیغ بھی کرلے۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو بجالائے۔ ایسی تبلیغ جس میں کسی کی حق تلفی ہو کسی کام کی نہیں۔ حقوق العباد ادا کرنا یہ بھی تبلیغ ہے۔ دین نام ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے ہر شعبہ کے لیے احکامات اور حدود مقرر کیے ہیں۔ ان حدود اور احکام کا لحاظ رکھتے ہوئے دین کا کام نجات اور باعث فلاح ہے۔ اور ان سے ہٹ کر جو کام کیا جائے وہ بے دینی اور گمراہی ہے۔ تبلیغی جماعت اس وقت جس نہج پر کام کررہی ہے وہ بہت اہم اور مفید ہے۔ تبلیغی جماعت حقوق العباد کی حق تلفی کا حکم نہیں دیتی۔ اگر کوئی شخص اپنی جہالت سے حقوق العباد کی پرواہ نہیں کرتا تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اور اس پر لازم ہے کہ وہ حقوق العباد میں ہرگز کمی نہ کرے۔ والدین اور بیوی بچوں کا خیال رکھے۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته۔ الحدیث[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

یہ قصور بعض افراد کا ہے کہ حقوق العباد سے بے توجہی اختیار کرتے ہیں لیکن تبلیغی جماعت کی بدنامی کا سبب بن جاتا ہے۔ حالانکہ جماعت کا قصور نہیں ہے۔

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

ایک شرکیہ شعر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ودریں مسئلہ کہ چند دن ہوئے یہاں ایک محفل ہوا اس میں ایک نعت خواں نے یہ شعر کہا ہے:

حوائج دین ودنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی

کیا صاحب مزار کے بارے میں ایسا کہنا درست ہے؟

---

(۱) فی الصحیح لمسلم کتاب الامارة باب فضیلة الامیر العادل وعقوبة الجائر والحث علی الرفق بالرعیة والنهي عن ادخال المشقة علیهم، ج ۲ ص ۱۲۲، مکتبه قدیمی، کراچی۔

سے مسلمان اسلامی عقائد سے نا واقف تھی۔ لیکن اسلامی عقائد سے وہ منکر بھی نہیں۔ اس لیے اس شخص کو بھی مسلمان سمجھا جائے گا اور اس کا نکاح صحیح ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

کسی کا مسلمان یا مرتد ہونا کس عمر میں معتبر ہے

﴿س﴾

(۱) شیخ بشیر احمد مسلمانی زائد بیس سال سے مشرف با سلام ہو کر پاکستان میں مقیم ہے۔

(۲) شیخ بشیر احمد ہمیشہ اپنے رشتہ داران کو تلقین اسلام کرتا رہا۔ بالآخر دو بزرگوں اور اپنے بھتیجوں مسمی الف، ب کو پالداس کو تبلیغ ہندوؤں کے وقت مسلمان کرنے میں کامیاب ہو گیا اور وہ مجمع عام میں مشرف باسلام ہوئے اور کچھ وقت تک پابند صوم وصلوٰۃ رہے۔ مسمی الف، ب کو پالداس بوقت اسلام تقریباً پندرہ، چودہ سال کی عمر کے تھے۔

(۳) بوقت انقلاب شہر کے دوسرے ہندو مرتدین کے بہکانے پر یہ دونوں صاحبان بھی اسلام سے مرتد ہو کر ہندوستان (دار الحرب) میں چلے گئے اور وہ مستقلاً وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔

(۴) شیخ بشیر احمد گیلانی اس خاندان کا فرد ہے جو بحالت اسلام پاکستان میں مقیم ہے۔

(۵) شیخ بشیر احمد مرتدوں کی جائیداد پر قابض ومتصرف ہے۔ بیان فرمایا جاوے کہ لڑکا کس عمر میں شرعاً مکلف ہوتا ہے کہ مسمی الف، ب کو پالداس کا اسلام شرعاً معتبر تھا۔ نیز جس وقت ان کا ارتداد بھی معتبر تھا۔ اگر نہیں تو کس عمر میں ان کا ارتداد معتبر ہو چکا ہے نیز کیا شیخ بشیر احمد ان کی جائیداد کا صحیح جانشین اور وارث ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

لڑکا جب ہوشیار، عاقل ہو تو باوجود نابالغ ہونے کے بھی اس کا اسلام معتبر ہے البتہ نابالغی میں ارتداد[1] معتبر نہیں اگر بالغ ہونے کے بعد بھی وہ ارتداد پر قائم رہیں تو اب وہ مرتد سمجھے جائیں گے۔ بلوغ کے لیے احتلام

---

(۱) في سنن ابي داؤد: عن عائشة رضي الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يكبر الخ، كتاب الحدود باب في المجنون يسرق او يصيب حداً، ص ۲۴۸، ج ۲، ايچ ايم سعيد۔
وهكذا في الدر المختار: فلا تصح ردة مجنون ومعتوه وموسوس وصبي لا يعقل، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب ما يشك في انه ردة لا يحكم بها، ج ۴، ص ۲۴۶، طبع رشيديه كوئٹه۔
وهكذا في الهندية كتاب السير الباب التاسع في احكام المرتدين، ج ۲، ص ۲۵۳، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

وغیرہ کے عدم ثبوت کی صورت میں چونکہ مسمی عمر آخری ہے اور یہی حقیقی بیٹا ہے۔ اگر حکومت ان کے سب حقوق ملکیت یا شہریت کا فیصلہ دے دے تو شیخ بشیر احمد ہی ان کی جائیداد کا وارث ہے۔ اور حکومت کے اس فیصلہ کے بعد وہ اموات کے حکم میں ہوں گے۔ حکم باللحاق سے وہ میت متصور ہوتے ہیں[1]۔ فقط واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ

کسی عالم دین کو بے دین و کافر کہنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کے ہاں دورہ قرآن مجید پڑھ کر سند قرآن کی لی ہے اور حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی کے ہاں دورہ حدیث پڑھ کر حدیث کی سند لی ہے۔ زید ساری ساری رات قرآن مجید پڑھتا ہے جانوروں کے چرواہوں کے پاس جا کر ان کو کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی اور نماز کا سبق دیتا ہے۔ حتیٰ کہ سنت کا پورا پورا پابند ہے اور عالم باعمل اور موحد ہے۔ عمرو ایک جاہل آدمی بے نماز ہے۔ عمرو نے قرآن غلط پڑھا زید نے اسے روک دیا اسی ناراضگی کی رو سے عمرو نے زید کو بے دین اور کافر کہا ہے۔ اب عمرو کے متعلق کیا فتویٰ ہے۔ بکر مرزائیوں اور مشرکوں اور شیعوں کو کافر نہیں کہتا۔ بکر کے متعلق کیا فتویٰ ہے۔

﴿ج﴾

عمرو ان کلمات کے کہنے سے فاسق ہو گیا لقولہ علیہ السلام سباب المؤمن فسوق[2]۔ بکر کا عقیدہ اگر یہ ہے کہ مرزائی حق بجانب ہیں تو وہ چونکہ ختم نبوت کے منکر ہیں، اس لیے دائرہ اسلام سے خارج

---

۱) وان لحق بدار الحرب مرتدا او حكم الحاكم بلحاقه عتق مدبروه وامهات اولاده وحلت ديونه المؤجلة ونقل ما اكتسبه في حالة الإسلام الى ورثته المسلمين باتفاق علمائنا الثلاثة. كتاب السير باب تاسع في احكام المرتدين، ج ۲ ص ۲۵٤، الهندية علوم اسلامية چمن۔

وهكذا في الدر المختار مع رد المحتار: (وورث كسب اسلامه وارثه المسلم) اشار الى ان المعتبر وجود الوارث عند الموت او القتل او الحكم باللحاق، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ٣٧٧-٣٧٨، رشيديه كوئٹه، رد المحتار: لأنه باللحاق صار من اهل الحرب وهم اموات في حق احكام الإسلام فصار كالموت الا انه لا يستقر لحاقه الا بالقضاء لاحتمال العود ولهذا اعتبر موته ثبت الأحكام المتعلقة، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ٣٧٩، رشيديه كوئٹه۔

۲) في صحيح البخاري عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق ... كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، ج ٢ ص ٨٩٣، قديمي كتب خانه كراچي۔

ہیں(1)۔ البتہ اگر لاعلمی کی بنا پر کہتا ہے تو گنہگار ہے۔ یعنی وہ مرزائیوں کے عقائد خصوصاً عقیدہ ختم نبوت سے واقف نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عبدالرحمن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

عرش کو بطور کشف دیکھنے، جاگتے ہیں حضور ﷺ کو دیکھنے، عالم برزخ میں اولیاء کے ساتھ اجتماع وغیرہ دعووں کی شرعی حیثیت

بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله الذي انزل القرآن ولم يجعل له عوجا و اظهر الملة الحنيفة البيضاء هدى و نورا و ارسل رسلاً هدى للناس وبينات من الهدى. اما بعد فنسئلكم ايها العلماء الكرام ورثة الانبياء عليهم الصلوة والسلام عن عدة اشياء.

(1) الاول في حكم رجل ادعى كشف المحسوسات بعين البصيرة بغير البصر في الارض والسموات والعرش المعلى اهذا الدعوى حق ام باطل فان كان باطلاً فما حكم هذا الرجل في الشريعة.

(2) الثاني انه اذا ادعى رؤية النبي صلى الله عليه وسلم في اليقظان بغير نوم والتكلم معه بالمشافهة فيه والاستفتاء منه في بعض الاحكام وترجيح بعض الاقوال على بعض اهذه الرؤية صادقة واقعة في الشريعة ام كاذبة وغير ثابتة فيه وكذا التكلم الذي ادعاه يمكن ام لا وثبت في الشرع ام لا ان لم يكن ثابتا فما حكم القائل وكذا الاستفتاء المكذائية والعمل بها له ولغيره صحيح ام فاسد فان كان فاسداً فماذا حكمه.

(3) الثالث انه يدعي اني اجتمع مع الاولياء الاموات في البرزخ بالروح يتكلمون معي وانا معهم وكذا مع احبائهم بالروح لا بالجسد واستفهم مسئلة روحانية عن امور واقعة وما سيقع من الكائنات يقظانا بغير نوم كيف هذا.

(4) الرابع ان هذا الرجل ادعى ان لي معراجاً في ابواب السموات والعرش العظيم بالروح المدبر للجسد ولا بالبدن والروح المدبر والجسد ههنا في بيتي يقظان وهو صاعد

---

(1) في مرقاة: اذا رأى منكراً معلوماً من الدين بالضرورة فلم ينكره ولم يكرهه ورضي به واستحسنه كان كافراً. كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، ج 9 ص 321، دار الكتب علمية بيروت.

هكذا في فتاوى خانية ومن رضي بكفر الغير يصير كافراً كتاب السير، باب ما يكون كفراً ج 3 ص 576، علوم اسلاميه چمن۔

في السماء فانظروا فيه حق النظر۔

(۵) الخامس انه قد افتي بعض العلماء بصحة هذه الدعاوي كلها و حقيتها وهو علي هذا فما ذا حكم هؤلاء المفتين يجوز الصلوة خلفهم والفتوي عنهم في الاحكام الشرعية ام لايجوز بينوا او جروا بسند من الكتاب والسنة مع رقم الصفحة بكذا نمبر ۲۳ مثلاً

﴿ج﴾

بسم الله الرحمن الرحيم. هذه الامور المذكورة في السوال الخارقة للعادة بجوزان تصدر عن رجل مؤمن متق صالح متبع للشريعة الاسلامية والسنة السنية مجانبا عن البدعات والمنكرات والهوي العصابية غير مقرون بدعوي النبوة كرامة من الله تعاليٰ للعبد اتباعاً لنبيه افضل الرسل محمد صلي الله عليه وسلم وتكون معجزة لنبيه صلي الله عليه وسلم لان صدور هذه الخوارق من العبد ببركة اتباعه النبي صلي الله عليه وسلم فتكون معجزة له صلي الله عليه وسلم لامحالة. والدليل علي ذلك كله ماقال ابن عابدين الشامي في رسائله ص۲۹۳۔ (الفصل الاول) في كرامة الاولياء وتعريف الولي. قال المحقق التفتازاني في شرح المقاصد الولي العارف بالله تعالي وصفاته المواظب علي الطاعات المجتنب عن المعاصي المعرض عن انهماک في اللذات والشهوات وكرامته ظهور امر خارق للعادة من قبله غير مقرون بدعوي النبوة وبهذا يمتاز عن المعجزه الخ. (الي ان قال) و (ذهب) بعضهم الي امتناع كونها من جنس ماوقع معجزة لنبي كانفلاق البحر وانقلاب العصي واحياء الموتي قالوا وبهذه الجهات يمتاز عن المعجزات وقال الامام هذه الطرق ليست سديدة والمرضي عندنا تجويز جملة خوارق العادات في معرض الكرامات وانما تمتاز من المعجزات بخلوها عن دعوي النبوة حتي لوادعي الولي النبوة صارعدوالله تعاليٰ لا يستحق الكرامة بل اللعنة والاهانة. الخ[1].

وقال في شرح الفقه الاكبر لملا علي القاري ص۷۹ ثم ظاهر كلام الامام الاعظم في هذا المقام موافق لماعليه جمهور علماء الاسلام من ان كل ماجاز ان يكون معجزة لنبي جاز ان يكون كرامة لولي لافارق بينهما الاالتحدي خلافاً للقشيري ومن تبعه كابن السبكي

---

(۱) مجموعة رسائل ابن عابدين، رسالة سل الحسام الهندي لنصرة مولانا خالد النقشبندي، ص ۲۹۳ تا ۲۹۴، طبع سهيل اكيڈمي۔

فهذا ایضاً ممکن وواقع واما الاستفتاء وجوابه فليس ذلك بحجة على الغير كما هو بين.

(۳) هذا ایضاً ممکن وواقع لما قال ابن عابدين في رسالته ص ۳۰۲ بعد مدح الصوفية وبين انهم خير الخلق حتى انهم وهم يقظتهم يشاهدون الملائكة وارواح الانبياء ويسمعون منهم اصواتا ويقتبسون منهم فوائد. الخ [1]

(۴) هذا ایضاً ممکن وواقع لما مر. (۵) يعلم مما قررت حكم المفتين المذكورين بادنى تامل

فهذه الامور في نفسها ممكنة الصدور من الولي واما ان هذا الرجل المذكور في السوال هل تصدر عنه هذه الامور فلا نحكم به فانه اعلم بحال هذا الرجل ان كان عارفا بالله وصفاته اعني ولي الله فلا يبعد ان تصدر عنه وان كان غير ذلك يكون كاذبا في دعواه صدور هذه الامور الخارقة للعادة عنه. والله تعالى اعلم وعلمه اتم واحكم حرره عبداللطيف غفرله معين مفتي مدرسه قاسم العلوم ملتان ۱۳ ربيع الاول ۸۰ھ.

هذه الامور في نفسها جائزة ولكن في هذا الوقت الذي شاع فيه البدع وتغلب ارباب البدع على الناس يأخذون منهم الاموال ويحب دعونهم وهولاء الدجالون الضالون المبتدعون الذين كسوا رداء الاسلام وما دخلت بشاشة الايمان في قلوبهم يظهرون انفسهم اولياء كاملين ويتفوهون بالكرامات لايجوز ان ينطبق حال الاسلاف الكرام المتبعين للسنة النبوية على هولاء الدجاجلة لعنهم الله فالحذر الحذر

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰-۳-۱۳۸۰ھ

کیا محمد بن عبدالوہاب نجدی، حنفی دیوبندی تھے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) کیا محمد بن عبدالوہاب نجدی کو علمائے دیوبند پیشوا اور امام تسلیم کرتے ہیں۔

---

(۱) مجموعة رسائل ابن عابدين، رسالة سل الحسام الهندي لنصرة مولانا خالد النقشبندي، ص ۳۰۲، سهيل اكيڈمی۔

(۲) زید کا یہ قول بہت زیادہ تشدد پر مبنی ہے۔ اگرچہ جو ہونا جائز نہیں ہے۔ لیکن ایسی چیزوں سے تشبیہ دینا خلاف ادب ہے اور اس طرح تو اس کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ واللہ اعلم

محمد عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۳۸۲ھ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سفرِ کوفہ کی غرض

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے اندر سفر کر کے گئے تو آپ کا کیا ارادہ تھا۔ آیا لڑائی کرنے کا ارادہ تھا یا کوئی اور مقصد تھا پھر آپ کو مدینہ شریف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منع کرتے تھے تو آپ نے ان کے مشورہ کو کیوں مسترد کیا اسی طریقہ سے مکہ معظمہ کے اندر بھی آپ کو سفر کرنے سے منع کرتے رہے لیکن آپ نے کسی کی نہیں سنی۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ یعنی زید کے سفر کر کے کوفہ میں پہنچے کوفہ میں جا کر آپ کو مسلمانوں سے لڑائی کرنے کا موقع ملا۔ زید کہتا ہے کہ جس وقت آپ کوفہ میں پہنچے تو وہ اعزہ علماء اور صحابہ تھے۔ سب نے مل کر فتویٰ دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دینا چاہیے تا کہ دنیا کے اندر سے فتنہ ختم ہو جائے۔ تو آپ مکمل جواب دیں کہ آپ کو فتنہ کیوں کہا گیا۔ آیا یہ انہوں نے صحیح کہا یا غلط۔ اور یہ فتویٰ انہوں نے دیا ہے یا کہ نہیں۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کو کیوں موقع ملا۔ اس کے اندر کیا بات تھی۔ لہٰذا زید یہاں پر کچھ عربی فارسی سے تعلق رکھتا ہے اور لوگوں کو وعظ بھی کرتا ہے۔ تو یہ سب مسائل اس نے ہی بیان کر کے شبہ ڈال دیا ہے اور زید حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ان غلطیوں پر معتوب کرتا ہے کہ آپ کیوں گئے اور مسلمانوں کے ساتھ کیوں لڑے جبکہ مسلمان سے مقابلہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ پھر آپ نے صبر کیوں نہ کیا۔ آیا یہ سب مسائل زید کے صحیح ہیں یا غلط؟ اور ایسا عقیدہ رکھنے والا کیسا ہے اور اس کے وعظ و تقریر کو سننا چاہیے یا کہ نہیں؟ جماعت مسلمانان چک نمبر ۳۳ سرگودھا۔

﴿الجواب﴾

ایسے مسائل جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس میں اختلافات اور تنازعات کا ذکر ہو، بہت زیادہ پیچیدہ ہیں۔ ہر ایک شخص کو جب تک باقاعدہ محقق عالم نہ ہو اس میں گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ اکثر لوگ اس میں افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں۔ کچھ اہل بیت کی توہین پر اتر آتے ہیں اور کچھ باقی صحابہ کرام کی توہین کرتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں سے محفوظ رکھے۔ مذہب حق اس کے بین بین ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ یزید[1]

---

(1) كما في البداية: سابع ابن عمر وابن عباس رضي الله عنهم (قصة الحسين ابن علي الخ) ج ٥ ص ٦٤٦، دار الفكر بيروت

فاسق تھا لیکن بعض صحابہ اور تابعین نے مجبوراً اس کی بیعت کی[1] نعوذ باللہ اس لیے نہیں کہ وہ کمزور تھے۔ یا حق کو چھپاتے تھے بلکہ ان کے نزدیک اجتہادی مسئلہ تھا کہ فاسق کو جب امیر بنا دیا جاوے تو اس کی امارت تو صحیح امارت ہے اور اس کی بیعت لازم ہے[2]۔ اس سے خلاف کرنا صحیح نہیں۔ ان کا اجتہاد یہ تھا ان کے پاس کچھ دلائل تھے اور کتاب وسنت سے وہ اس مسئلہ کو ثابت کرتے تھے اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ فاسق کی بیعت جائز نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے انکار کر کے قربانی دی۔ اور قاعدہ شرعی ہے کہ ہر مجتہد کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہے[3]۔ نیز اجتہاد میں اگر خطا بھی ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرتا۔ بلکہ ایک ثواب ملتا ہے[4] اس لیے کسی فریق سے بھی اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرے گا۔ بلکہ دونوں کو ثواب ملے گا۔ باقی

---

(۱) وكذا في رد المحتار: حقيقة اللعن المشهورة هي الطرد عن الرحمة وهي لا تكون إلا لكافر ولذا لم تجز على معين لم يعلم موته على الكفر بدليل وإن كان فاسقاً مشهوراً كيزيد على المعتمد، كتاب الطلاق، مطلب في حكم لعن العصاة، ج ۵ ص ۴۰۳، رشيدية كوئته۔

(۲) كما في رد المحتار: وعند الحنفية ليست العدالة شرطاً للصحة فيصح تقليد الفاسق الإمامة مع الكراهة، كتاب الصلوة، مطلب شروط الإمامة الكبرى، ج ۲ ص ۳۳۴، رشيدية كوئته۔

(۳) كما في رد المحتار: لمخالفة الأمير حرام، كتاب الجهاد، مطلب مخالفة الأمير حرام، ج ۶ ص ۲۲۲، رشيدية كوئته۔

كما في المسلم: عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من رأى من أميره شيئاً يكرهه فليصبر، كتاب الإمارة، باب حكم من فرق أمر المسلمين وهو مجتمع، ج ۲ ص ۱۲۸، قديمي كتب خانه كراچی۔

(۴) كما في شرح فقه الأكبر: وقول علي: ... أن المجتهد يجب عليه اتباع اجتهاده، ج ۱ ص ۱۹۶، دار البشائر الإسلامية۔

كما في البخاري: عن عمرو بن العاص رضي الله عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر، كتاب الاعتصام، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب وأخطأ، ج ۲ ص ۱۰۹۲، قديمي كتب خانه كراچی۔

كما في شرح فقه الأكبر: (ولا نذكر الصحابة) أي مجتمعين ومنفردين وفي نسخة: ولا نذكر أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا بخير (ولا نذكر الصحابة)، ج ۱ ص ۲۰۹، دار البشائر الإسلامية۔

كما في رد المحتار: حقيقة اللعن المشهورة هي الطرد عن الرحمة وهي لا تكون إلا لكافر ولذا لم تجز على معين لم يعلم موته على الكفر بدليل وإن كان فاسقاً مشهوراً كيزيد على المعتمد، كتاب الطلاق، مطلب في حكم اللعن العصاة، ج ۵ ص ۴۰۳، رشيدية كوئته۔

كما في شرح مسايرة لابن أبي شريف، وظاهر قول الشافعي وأبي حنيفة۔

یزید بہرحال فاسق تھا، اس لیے کم از کم اگر اس کا برا ہونا بعض کی دونوں طرف سے غفلت تجاوز ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۱۷ صفر ۱۳۷۵ھ

کیا یزید کے دوزخی ہونے کا عقیدہ رکھنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یزید کو جو برا بھلا کہا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس کو دوزخی ٹھہرایا جاتا ہے۔ کیا اس بارے میں کوئی احادیث آئی ہیں کہ یزید دوزخی اور اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ کوئی اس قسم کی حدیث ہے کہ جس کی رو سے یزید کو جنتی کہتے ہیں۔ جیسے کہ جنگ قسطنطنیہ میں شرکت کے متعلق حدیث شریف ہے کہ جو اس جہاد میں شریک ہوں گے وہ جنتی ہیں۔ اس کے متعلق کیا سمجھا جاوے۔ نیز عہد یزید میں کتنے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اور کتنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیعت یزید سے ثابت ہے اور کیا یزید کی کمان میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جہاد میں شرکت کی؟

﴿ج﴾

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کسی مسلمان کو کافر(۲) کہنا مناسب نہیں، یزید مومن تھا بسبب قتل کے فاسق ہوا کفر کا حال دریافت نہیں۔ کافر کہنا(۳) جائز نہیں کہ وہ

---

۱) تالیفات رشیدیہ، کتاب الایمان والکفر، انہ لا یکفر احد منہم ای لا یحکم بکفر احد من المخالفین فیما لیس من الاصول المعلومۃ من الدین ضرورۃ وھذا ھو المنقول عن جمہور المتکلمین والفقہاء ص ۶۳، ادارہ اسلامیات۔

بحوالہ مجموعۃ الفتاوی ۔ ایچ ایم سعید کتاب العقائد ج ص ۹۱۔

کما فی شرح فقہ الأکبر: ولا یخفی أن ایمان یزید محقق ولا یثبت کفرہ بدلیل ظنی فضلاً عن دلیل قطعی فلا یجوز لعنہ بخصوصہ، ولا نکفر مسلماً بذنب، ج ص ۲۰۸، دار البشائر الاسلامیۃ۔

کما فی شرح فقہ الأکبر: وعلی المسئلۃ فی لعن الأشخاص من خطر فلیجتنب ولا خطر فی السکوت عن لعن ابلیس فضلاً عن غیرہ، انتہی، (ولا نکفر مسلماً بذنب الخ) ج ص ۲۱۶، دار البشائر الاسلامیۃ، وایضاً فی شرح سائر، لابن ابی شریف بحوالہ مجموعۃ الفتاوی کتاب العقائد ص ۹۱ ایچ ایم سعید)

۲) تالیفات رشیدیہ کتاب الایمان والکفر، ص ۶۴ ادارہ اسلامیات۔

۳) فی کلام اللہ: انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ الخ، پارہ نمبر ۴ سورۃ النساء، الآیۃ نمبر ۱۷، تاج کمپنی۔

اگر ارتداد کا فتویٰ صحیح نہیں تو ارتداد کا فتویٰ دینے والا کس نوع کا مجرم ہے۔ براہ مہربانی مسئلے کے ہر پہلو کو مفصل بحث کے ساتھ تحریر فرمادیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں عمر مرتد نہیں ہوا اس کا نکاح بدستور باقی ہے۔ عمر کے ارتداد کا فتویٰ دینا جہالت ہے۔ جس شخص نے یہ فتویٰ دیا ہے اس پر لازم ہے کہ توبہ تائب ہو جائے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ـ۲ـ۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

یزید کے بارے میں بحث کی ضرورت نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ یزید قاتل امام حسین رضی اللہ عنہ ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیا مظالم کربلا اس کے حکم سے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اور وہ ان واقعات پر خوش ہوا یا نہیں۔ کیا یزید لائق و مستحق لعنت ہے یا نہیں۔ اور اہل سنت والجماعت میں سے کس نے جواز لعن اور کس کس نے عدم جواز کا قول کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

محترم المقام سلمکم اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ وقت ان مسائل میں پڑنے کا نہیں۔ اسلام کے خلاف اس وقت جو فتنے کھڑے کیے جارہے ہیں۔ ان کے حل سوچنے اور سد باب کرنے کا وقت ہے۔ فی الشامیۃ ج ۵ ص ۵۴۴۔ وینبغی ان لا یسئل الانسان عما لا حاجۃ الیہ کان یقول کیف ھبط جبرئیل و علی ای صورۃ رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم[2] الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم دار الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ـ۱۸ـ۱۳۸۸ھ

یزید کو خلیفۃ المسلمین کہنا

﴿س﴾

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مندرجہ ذیل عبارات و حوالہ جات کے متعلق کیا یہ عبارت و حوالہ جات صحیح

---

(۱) فی کلام اللہ: انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ الخ، پارہ نمبر ۴ سورۃ النساء، الآیۃ نمبر ۱۷، تاج کمپنی۔

(۲) رد المحتار، کتاب الخنثی، مطلب مسائل شتی، ج ۱۰ ص ۵۲۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ فضیلت یزید بن معاویہ کو حاصل ہے[1] یا نہیں قال القسطلانی کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة ومعه جماعة من سادات الصحابة کابن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر وابی ایوب الانصاری و توفی بها ابو ایوب سنة اثنین و خمسین من الهجرة [2]۔ علامہ ابن حجر العسقلانی نے فتح الباری میں مہلب سے نقل کیا ہے۔ قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویه رضی اللہ عنہ لانه اول من غزا البحر و منقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر [3]۔ اس کے بعد انہوں نے ابن التین وابن المنیر کے اقوال اس کے خلاف نقل کیے ہیں[4]۔ الکوکب الدری تقریر ترمذی کے حاشیہ پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول یہ نقل کیا ہے۔ و کان یزید امیر ذلک الجیش بالاتفاق [5]۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے یہ تحریر فرمایا ہے اور یہی توجیہ بہت پسندیدہ ہے کہ روایات بھی درست ہیں۔ یزید کی قیادت بھی اس جیش میں درست ہے[6]۔ اس جیش کا مغفور لھم ہونا بھی درست کما فی البخاری۔ یزید کا اس فضیلت کے تحت آنا بھی درست ہے۔ لیکن یہ مغفرت صرف ان گناہوں کے لیے ہی تو ہوگی جو اس جیش کی قیادت سے پہلے کے ہوں اور اس کے بعد کے گناہ جو اس کی امارت کے زمانہ میں اس سے سرزد ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے وہ بدنام ہے ان کی مغفرت کا تو حدیث میں ذکر نہیں ہے۔ مغفرت

---

۱) عمدة القاری: قال صلی الله علیه وسلم فی حق هذا الجیش، مغفور لهم قلت قیل: لا یلزم من دخوله فی ذلك العموم، ان لا یخرج بدلیل خاص، اذلا یختلف اهل العلم ان قوله صلی الله علیه وسلم مغفور لهم مشروطة بان یکون من اهل المغفرة حتی لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلك لم یدخل فی ذلك العموم فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فیه منهم، کتاب الجهاد والسیر، باب ما قیل فی قتال الروم، ج ۱۰ ص ۲٤٤، دار الفکر بیروت۔

۲) کتاب الجهاد والسیر، باب ما قیل فی قتال الروم، ج ۱ ص ٤١٠، حاشیة نمبر ۲ البخاری قدیمی کتب خانه، وایضاً فی عمدة القاری، کتاب الجهاد والسیر، باب ما قیل فی قتال الروم، ج ٦ ص ۲۰۱، دار الفکر بیروت۔

۳) فتح الباری، کتاب الجهاد والسیر باب ما قیل فی قتال الروم، ج ٦ ص ۱۰۲، دار الفکر بیروت۔

٤) فتح الباری، کتاب الجهاد والسیر باب ما قیل فی قتال الروم، ج ٦ ص ۲۰۱، دار الفکر بیروت، وایضاً فی حاشیة البخاری، ج ۱ ص ٤١٠۔

٥) الکوکب الدری شرح ترمذی، ابواب فضائل جهاد، حدیث غزو البحر، ج ۱ ص ٤۲۷، حاشیه نمبر ۲، مکتبه ایچ ایم سعید کمپنی۔

٦) فتح الباری لانه کان امیر ذلك الجیش بالاتفاق، کتاب الجهاد والسیر، باب ما قیل فی قتال الروم، ج ٦ ص ۲۰۲، دار الفکر بیروت۔

گناہ کے صدور سے تو پہلے نہیں ہوئی۔ لیکن پھر بھی بہر حال یزید کے بارے میں اہل تشیع کے بہت زیادہ پراپیگنڈے نے یزید کے کسی اچھے کام کو بھی پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور حقیقت پر بہت سے پردہ پڑ چکا ہے البتہ ان کا اہل بیت کے ساتھ رویہ قابل مذمت ضرور ہے[1]۔ واللہ اعلم۔

محمد عطاء اللہ حقی مدرسہ عربیہ ... ۱۲ رجب ۔۔۔ ھ

یزید کی بیعت کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) حضرات صحابہ کرام و تابعین عظام و زین العابدین و محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت کر لی تھی یا نہیں اور یہ حضرات یزید کو امیر المومنین کے لقب سے ملقب کرتے تھے یا نہیں اور اس طرح یزید کی خلافت منعقد ہوئی یا نہیں۔

(۲) کیا یزید زانی، فاسق، فاجر، شرابی تھا۔

(۳) محمد بن حنفیہ کا مقول جو البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳۳ میں بایں الفاظ منقول ہے سو قد حضرته (یزید) واقمت عنده فرأيته مواظبا على الصلوة متحريا يسأل عن الفقه ملازما للسنة" قابل قبول ہے یا نہیں۔

(۴) حضرت شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء میں تصریح فرماتے ہیں کہ استخلاف ہو جانے کے بعد فاسق کی خلافت منعقد ہو جاتی ہے اسی طرح ابو زہرہ مصری حیات امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (مترجم رئیس احمد جعفری ص ۴۴۶) میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں بلکہ یہ بھی یہ لکھتے ہیں کہ اگر لوگ خلیفہ متغلب کی اطاعت کرتے تھے اور اس سے راضی ہوں تو وہ (احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) اس کی خلافت کو بھی جائز قرار دیتے تھے اس معاملہ میں ان کا مسلک وہی تھا جو ان کے شیخ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ اور امامت مفضول کے بارے میں وہ جس مسلک پر قائم تھے وہ امام مالک کا مسلک تھا چنانچہ ایک اپنے رسالہ میں وہ لکھتے ہیں امام وقت و خلیفہ تم خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار اس کی اطاعت واجب ہے۔ وہ جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا

---

(۱) البداية والنهاية: قال: فلما وفدوا إلى يزيد بن معاوية فوضع رأسه بين يديه وعنده أبو برزة الأسلمي، ج ۸ ص ۱۹۲ فجعل يزيد ينكت بالقضيب على فيه ويقول (يفلقن هاماً من رجال أعزة علينا وهم كانوا أعق وأظلم: (فصل في قتل الحسين رضي الله عنه) ج ۸ ص ۲۰۵، ۲۰۶، دار الفكر بيروت۔

خیال درست ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ نیز وہ شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی برحق مانتا ہے اور ان کی محبت کو بھی جزو ایمان جانتا ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص یزید بن معاویہ کو ظالم اور فاسق وفاجر سمجھتا اور اسے مستحق لعنت سمجھتا ہو اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی برسر ناحق سمجھتا ہو۔ بلکہ ان کو ظالم اور جابر جانتا ہو۔ کیونکہ بعض روایات کی رو سے انہوں نے اپنے بیٹے یزید کے لیے لوگوں سے جبراً بیعت خلافت لی تھی اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی اور ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس بنا پر وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی سمجھتا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا حق پر ہے یا نہ۔ بینوا توجروا جزاکم اللہ تعالی۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں یزید مومن تھا۔ بسبب قتل کے فاسق ہوا کفر کا حال دریافت نہیں۔ کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدہ قلب پر موقوف ہے[1]۔ فقط (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۸)[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے یزید کے بارے میں فرمایا تھا۔ کان امیراً من الامراء له حسنات وسیئات لانحبه ولانسبه[3] او کما قال۔ یعنی یزید امیروں میں سے ایک امیر تھا۔ اس کے نیک اعمال بھی ہیں۔ اور برے بھی۔ نہ ہم اس سے محبت رکھتے ہیں اور نہ اس کو برا بھلا کہتے ہیں۔ بہر حال یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے۔ اس میں سکوت احوط ہے۔ آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں

(۱) یہ شخص کسی سزا کا مستوجب نہیں ہے۔ وہ امامت بھی کرا سکتا ہے[3]۔

(۲) یہ شخص بھی امامت کرا سکتا ہے[4]۔

---

۱) فی شرح فقه الاکبر، ولا یخفی ان ایمان یزید محقق ولا یثبت کفره بدلیل ظنی فضلاً عن دلیل قطعی فلا یجوز لعنه بخصوصه، ص ۲۱۸، دار البشائر الاسلامیة۔

۲) کتاب الایمان والکفر، ص ۶۳، طبع ادارہ اسلامیات لاہور۔

۳) فی رد المحتار: وشروط الامامة للرجال الاصحاء ستة أشياء: الاسلام والبلوغ والعقل والذکورة والقراءة ... الخ (مطلب: شروط الامامة الکبری، ج ۲ ص ۳۳۷، رشیدیه کوئٹه۔

هکذا فی حاشیة الطحطاوی: ص ۱۸۷۔

۴) کما فی البدایة والنهایة: باب ابن عمر وابن عباس الخ (قصة الحسین بن علی وسبب خروجه من مکة، ج ۸ ص ۱۵۶، امامت کرنا اسی سوال کا جزو نمبر ۱ کا دوسرا جز میں جواب گزر گیا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ برحق تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے[1] اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تسلیم خلافت کے بعد بالاتفاق برحق امیر المومنین تھے[2]۔ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہم۔ لہٰذا اس شخص کے پیچھے نماز درست ہے۔

(۴) یزید فاسق تھا۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس پر لعنت کرنی جائز نہیں ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کرنا درست نہیں ہے۔ اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے۔ لا یذکر الصحابة الا بخیر[3]۔ لہٰذا ایسے شخص کے پیچھے جو ان باتوں کی تشہیر کرتا ہو نماز پڑھنی کراہت سے خالی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶؍ ۷ ؍ ۱۳۹۰ھ

---

۱) حضرت علی رضی اللہ علیہ برحق تھے فی شرح الفقه الأکبر: ومما یدل علی صحة اجتهاده وخطأ معاویة رضی الله عنه ..... ص ۱۹۳، دار البشائر الإسلامیة۔

هکذا فی شرح العقیدة الطحاویة، ص ۳۶۶۔

۲) فی رد المحتار: حقیقة اللعن المشهورة هی الطرد عن الرحمة وهی لا تکون الا لکافر ولذا لم تجز علی معین لم یعلم موته علی الکفر بدلیل وان کان فاسقا مشهورا کیزید علی المعتمد، کتاب الطلاق مطلب فی حکم لعن العصاة، ج ۵ ص ۲۵۰ رشیدیه کوئٹه۔

کما فی شرح فقه اکبر، ولا نذکر الصحابة ..... الا بخیر ص ۲۰۹، طبع دار البشائر الإسلامیة۔

۳) کان یزید امیر زمانه مجلس بالاتفاق، الکوکب الدری ابواب فضائل الجهاد وصدیث بیع امر وبح ص ۳۳۹، مطبوعه نمبر ۲ انچ ایم سعید کمپنی۔

کتاب الطہارت

احکام استنجا

بوقت استنجا سلام کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پیشاب کے بعد مٹی کے ڈھیلے کے ساتھ خشک کیا جاتا ہے اس حالت میں یا بیت الخلاء کے بعد استنجاء کرنے سے پہلے السلام علیکم یا وعلیکم السلام جواب دینا جائز ہے یا کہ نہیں۔

﴿ج﴾

استنجاء خشک کرتے وقت سلام اور جواب دونوں جائز ہیں عوام میں غلط مشہور ہو چکا ہے کہ ایسے وقت سلام و جواب سلام کو بہت معیوب سمجھتے ہیں شرعاً اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل موجود نہیں درمختار میں ان سب مواضع کو تفصیل سے شمار کیا ہے جن میں سلام کرنا مکروہ ہے سلامک[1] مکروہ علی من ستسمع الی قولہ فہذا اختتام والزیادۃ تنفع باب مفسدات الصلوۃ ج ۱ ص ۲۵۶ لیکن ان میں یہ حالت بیان نہیں کی گئی اور بھی کوئی دلیل حدیث یا فقہ کی اس کے عدم جواز کی معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کے جواز کی تائید میں حدیث موجود ہے کہ حائضہ[2] عورتیں بھی سلام کیا کرتی تھیں اور جواب دیتی تھیں باوجودیکہ ناطاہر تھیں بھی ان کو جائز تھا تو یہاں پر بھی بغیر ناطاہر ہیں اور کوئی وجہ تو ہے نہیں اور یہ ناطاہر مانع سلام نہیں کما فی الحائضہ لہٰذا جائز ہے اور ممنوع بول[3]

---

۱) کذا فی الدر المختار: سلامک مکروہ علی من ستسمع ومن بعد ما أبدی فیتبع: کتاب الصلاۃ باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، ج ۲ ص ۱۰۱، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
وهکذا فی الهندیة: یکرہ السلام عند قراءۃ القرآن جهراً وکذا عند مذاکرۃ العلم الخ، کتاب الکراهیة، الباب السابع فی السلام الخ، ج ۵ ص ۳۲۵، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) وکذا فی حدیث الترمذی: رخص للجنب والحائض فی التسبیح والتهلیل، ابواب الطهارۃ، باب ما جاء فی الجنب والحائض انهما لا یقرآن القرآن، ج ۱ ص ۳۵، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) وایضاً فی حدیث الترمذی: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رجلاً سلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو یبول فلم یرد علیه النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابواب الآداب، باب ما جاء فی کراهیة التسلیم علی من یبول، ج ۲ ص ۱۰۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

کے وقت چونکہ کشف[1] عورت ہوتا ہے اس لیے جائز نہیں حدیث میں بھی منع کر دیا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۲ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

صرف ڈھیلے سے استنجا کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک آدمی کو نماز کی نیت باندھنے کے بعد یاد آتا ہے کہ میں نے چھوٹا استنجا نہیں کیا وہ یہ جان کر کہ استنجا مٹی سے سکھانے کے بعد طہارت کرنا مستحب ہے نیت نہیں توڑتا اور نماز پوری کر لیتا ہے۔ آیا اس کی نماز ہوگی یا کہ نہیں۔

﴿ج﴾

نماز صحیح ہوگی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ و الغسل بالماء بعده اى الحجر ... سنة مطلقا به يفتى (در مختار)[2] ثم اعلم ان الجمع بين الماء والحجر افضل و يليه فى الفضل الاقتصار على الماء ويليه الاقتصار على الحجر و تحصل السنة بالكل وان تفاوت الفضل (ردالمحتار)[3] فصل فى الاستنجاء ص ۲۲۸ ج ۱ ۔ والله تعالى اعلم.

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ

---

۱) وكذا فى الدر المختار: صلاتك مكروه ... - ومكشوف عورة ومن هو فى حال التغوط الخ كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ۲ ص ۱۰۱، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔

وكذا فى البحر الرائق: ولا يرد السلام، ولا يجيب المؤذن الخ، كتاب الطهارة، باب الانجاس، ج ۱ ص ۴۲۲، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وكذا فى الهندية: ولا يشمت عاطسا ولا يرد السلام، ولا يجيب المؤذن كتاب الطهارة وفيه الخ، الباب السابع فى النجاسة الخ، الفصل الثالث فى الاستنجاء، ج ۱ ص ۵۰، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۲) كتاب الطهارة، مطلب اذا دخل المستنجى فى ماء قليل، ج ۱ ص ۶۰۲ تا ۶۰۳، طبع مكتبه رشيديه جديد كوئٹه۔

۳) كتاب الطهارة، فصل فى الاستنجاء، مطلب اذا دخل المستنجى فى ماء قليل، ج ۱ ص ۶۰۴، طبع مكتبه رشيديه جديد كوئٹه۔

وكذا فى الهندية: كتاب الطهارة الباب السابع فى النجاسة الخ، الفصل الثالث فى الاستنجاء، ج ۱ ص ۴۸، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

احکام وضوء وغسل

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ باندھا ہوا دانت بوقت وضو یا غسل نکالنا ضروری ہے یا نہیں۔ خصوصاً ایک آدمی نے ایک نکلے ہوئے دانت کی جگہ دندان ساز سے ایسے طریقہ سے دانت بنوایا کہ کسی صورت میں باندھا ہوا دانت نہیں نکلتا گویا کہ قدرتی دانتوں جیسا ہو گیا۔ اگر اس کو توڑ کر یا کسی صورت میں نکال دیں تو دوبارہ نہیں جڑتا کیا اب وضو اور غسل میں کوئی نقص آئے گا یا نہیں؟

﴿ج﴾

دانت کو نکالنے کی ضرورت نہیں وضو اور غسل صحیح ہے (۱)۔ (فتاویٰ دار العلوم جدید ص ۱۴۳ ج ۱) (۲)

کان کے سوراخ میں پانی پہنچانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میرے کان میں صغرسنی میں ایک سوراخ قصداً کیا گیا تھا اور اس میں تنکا بھی ابھی تک تھا اور غسل کرتے وقت میں نے کان کو نہیں ہلایا ہے۔ اور میرا یقین ہے کہ کان کے سوراخ کو پانی نہیں پہنچا ہوگا اور مجھے ابھی یہ پتہ چلا ہے کہ اس سوراخ کے سوکھا رہنے سے غسل نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کے معلوم ہونے سے مجھے یہ پریشانی لاحق ہوئی ہے کہ میری گزشتہ نمازوں کا کیا حکم ہوگا برائے مہربانی اس مسئلہ کی تشریح فرما دیں۔

﴿ج﴾

اگر تنکا کان کے سوراخ میں اس طرح محکم ہو گیا تھا کہ اس کے نکالنے میں تکلیف ہوتی تھی بغیر حرج کافی

---

۱) وکذا فی رد المحتار (ولا یمنع) الطهارة، (ونیم) أی خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته (وحناء) ولو جرمه، به (یفتی) کتاب الطهارة، مطلب فی ابحاث الغسل، ج ۱ ص ۳۱۶، طبع مکتبہ رشیدیہ (جدید) کوئٹہ۔

وایضاً فی رد المحتار: فالأظهر التعلیل بالضرورة، کتاب الصلوة مطلب فی ابحاث الغسل، ج ۱ ص ۳۱۶، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) (کتاب الطهارة ،الباب الثانی فی الغسل، فصل الاول فرائض الغسل، ص ۱۴۳، ج ۱، طبع مکتبہ امدادیہ ملتان)

اس کا نکالنا متعسر تھا۔ تب تو اس کا غسل ہو گیا ہے نمازیں سب درست ہیں لان الحرج مدفوع اور اگر تنکے نکالنے میں کوئی تکلیف نہ تھی لیکن تغافل برتا گیا تب اگر گمان غالب ہو کہ پانی پہنچ گیا ہوگا اور تنکا مانع نہ ہوتا ہوگا تب بھی غسل ہو گیا ہے اور نمازیں درست ہیں اور اگر تنکا بڑا سخت ہو پانی پہنچنے سے مانع بنتا ہو۔ اور یقین ہو کہ پانی نہ پہنچا ہوگا تب غسل نہیں ہوا ہے۔ اور سب نمازوں کی قضا کرنی ضروری ہے بشرطیکہ تنکے کے نکالنے میں تعذر اور تعسر نہ ہو۔ کما قال فی الکبیری ص ۴۶ تحت قول المنیۃ امرأۃ اغتسلت هل تتکلف فی ایصال الماء الی ثقب القرط ام لا قال تتکلف فیه کما تتکلف فی تحریک الخاتم ان کان ضیقا والمعتبر فیه غلبة الظن بالوصول ان غلب علی ظنها ان الماء لا یدخل الا بتکلف تتکلف وان غلب انه وصله لا تتکلف سواء کان القرط فیه ام لا وان انضم الثقب بعد نزع القرط وصار بحال ان امر علیه الماء یدخله وان غفل لا فلابد من امراره ولا تتکلف بغیر الامرار من ادخال عود ونحوه فان الحرج مدفوع وانما وضع المسئلة فی المرأة باعتبار الغالب والا فلا فرق بین الرجل وکذا فی قوله (امرأة اغتسلت وقد کان) الشان (بقی فی اظفارها عجین قد جف لم یجز غسلها) وکذا الوضوء الخ

(وفیها ایضا ص ۴۸ ولو بقی شیء من بدنه لم یصبه الماء لم یخرج من الجنابة وان قل حتی ولو کان الشیء قلیلا بقدر رأس الابرة لوجوب استیعاب جمیع البدن وفی شرح المنیة ص ۴۸ (واذا کان برجله شقاق فجعل فیه الشحم او المرهم ان کان لا یضره ایصال الماء لا یجوز غسله ووضوءه وان کان یضره یجوز اذا امر الماء علی ظاهر ذلک[1]. فقط واللہ اعلم.

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰ ذوالقعدہ ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حالت جنابت میں بچے کو دودھ پلانا

«س»

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک آدمی اپنی گھر والی کے ساتھ جماع کرتا ہے اور دوران

---

(۱) الحلبی الکبیر: شرائط الصلوۃ فرائض الغسل، ص ۴۸ تا ۵۰، طبع سعیدی کتب خانہ کوئٹہ، بلوچستان۔ وایضاً فی رد المحتار: کتاب الطہارۃ، وارکان الوضوء الخ، ج ۱ ص ۲۶۷، طبع مکتبہ رشیدیہ (جدید) کوئٹہ۔ وایضاً فی الہندیۃ: کتاب الطہارۃ، الباب الثانی فی الغسل، الفصل الاول فی فرائضہ، ج ۱ ص ۱۴، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

جماع بچہ اس کا دیکھتا ہے یا ایک بار جماع کر لیا دوسری بار کرنے کا ارادہ ہے اب بچے نے رونا شروع کر دیا تو کیا اس حالت میں یعنی حالت جماع میں یا جنابت میں دودھ پلانا بچے کو جائز ہے یا وضو یا تیمم کر کے پلاوے۔

(۲) حالت جماع میں اپنی گھر والی کی شرمگاہ کو دیکھنا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

﴿ج﴾

(۱) دودھ پلانا بغیر غسل و وضو اور تیمم کے جائز ہے[1]۔ (۲) جائز ہے لیکن نہ دیکھنا اولیٰ ہے قال فی الدر المختار ص ۲۵۳ ج ۵ وينظر الرجل من الرجل سوى ما بين سرته الى ما تحت ركبته ومن عرسه و امته الحلال الى فرجها بشهوة وغيرها و الاولى تركه الخ[2]۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۷ صفر ۱۳۹۹ھ

ناپاکی کی حالت میں نماز اندیشہ کفر ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

---

۱) كما في مرقاة المفاتيح: ان المؤمن لا ينجس) اى لا يصير عينه نجساً وفي شرح السنة فيه جواز مصافحة الجنب و مخالطته وهو قول عامة العلماء واتفقوا على طهارة عرق الجنب والحائض (لا ينجس) اى حقيقة لا حكماً أو ظاهراً أو باطناً كتاب الطهارة، باب مخالطة الجنب، ج ۲ ص ۱۱۵، طبع دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

وكذا في العالمگيرية: انه نقل الشيخ سراج الدين الهندي الإجماع على انه لا يجب الوضوء على المحدث والغسل على الجنب والحائض والنفساء قبل وجوب الصلاة . . . ولا بأس للجنب أن ينام ويعاود أهله قبل أن يتوضأ وإن توضأ فحسن، وإن أراد أن يأكل أو يشرب فينبغي ان يتمضمض ويغسل يديه كذا في السراج الوهاج، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الثالث في المعاني الموجبة للغسل وهي ثلاثة، ج ۱ ص ۱۶، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹہ۔

۲) كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، ج ۹ ص ۶۰۲ تا ۶۰۵، طبع مكتبه رشيديه (جديد) کراچی۔

وايضاً في العالمگيرية: اما النظر الى زوجته ومملوكته فهو حلال من فرقها الى قدمها عن شهوة وغير شهوة وهذا ظاهر الا ان الاولى ان لا ينظر كل واحد منهما الى عورة صاحبه كذا في الذخيرة، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل، ج ۵ ص ۳۲۷، طبع مكتبه رشيديه کوئٹہ۔

وكذا في البحر الرائق: وينظر الرجل الى فرج امته وزوجته، يعني عن شهوة وغير شهوة . . . الا ان الأولى ان لا ينظر كل منهما الى عورة صاحبه، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، ج ۸ ص ۳۵۴، طبع مكتبه رشيديه کوئٹہ۔

﴿ج﴾

ناخن پالش کے نیچے اگر پانی نہیں جاتا تو وضو اور غسل جنابت دونوں صحیح نہیں نمازیں لوٹانی ہوں گی[۱]۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۳ شعبان ۱۳۸۲ھ

وضو میں شک کا حکم

﴿س﴾

حضرت مفتی صاحب مندرجہ ذیل امور کا حل ارشاد فرما کر ممنون فرمائیں۔

۱۔ میں وضو کرتا ہوں اور مجھے کسی نہ کسی جگہ کے خشک رہنے یا ہوا نکلنے کا یا قطرہ آنے کا وہم ہوتا رہتا ہے۔

۲۔ نماز اور ذکر میں مختلف دنیاوی خیالات اکثر گھیر لیتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف قسم کے شکوک اور شبہات آتے رہتے ہیں اور بعض تو ایسے آتے ہیں جو بالکل ہی قابل ذکر نہیں ایسی باتوں کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔

﴿ج﴾

۱۔ اپنی طرف سے کوشش کر کے صحیح وضو کریں اور پھر اوہام و خیالات آتے رہیں ان کی بالکل پرواہ نہ کریں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ جب تک کہ وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو[۲]۔

۲۔ اپنی ہمت کے مطابق نماز اور ذکر میں خدا تعالیٰ کا دھیان دل میں رکھیں نماز کے جو آداب ہیں ان کا خیال رکھیں کوشش کے باوجود جو خیالات آتے رہیں ان کی پرواہ نہ کریں[۳]۔

---

۱) وكذا في در المختار مع رد المحتار: (بخلاف نحو عجين) اى كعلك وشمع وقشر سمك وخبز ممضوغ متلبد (جوهرة) لكن في (النهر) — واستظهر المنع لأن فيه لزوجة وصلابة تمنع نفوذ الماء، كتاب الطهارة، مطلب في ابحاث الغسل، ج ۱ ص ۳۱۷، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔

وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح: (زوال ما يمنع وصول الماء الى الجسد) لجرمه الحائل (كشمع وشحم) كتاب الطهارة، فصل في احكام الوضوء، ص ۶۲، طبع دار الكتب العلمية بيروت، لبنان۔

۲، ۳) ومن شك في الحدث فهو على وضوء (خلاصة الفتاوى كتاب الطهارة فصل في الوضوء، ج ۱ ص ۱۸، طبع رشيديه كوئٹه۔ كذا وايقن بالطهارة وشك في الحدث او بالعكس أخذ باليقين (در مختار كتاب الطهارة الباب في النواقض الوضوء، ج ۱ ص ۳۱۰، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وهكذا في الهندية: كتاب الطهارة فصل في نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۱۳، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔ وهكذا في الأشباه والنظائر: كتاب الطهارة فصل في نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۶۰، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو غلط خیالات آتے ہیں ان سے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنی طرف سے خواہ مخواہ خیال لانے کی کوشش نہ کریں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۱۲ رمضان ۱۳۹۳ھ

نماز میں ہوا خارج ہونے کا شبہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

۱۔ اگر نماز میں ہوا خارج ہونے کا شبہ ہو اور پھر اسی حالت میں نماز ادا کی تو کیا نماز ہو جائے گی یا نہ۔

۲۔ اگر نماز باجماعت میں پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے مقتدی کا وضو ٹوٹ گیا جہاں سے باہر آنا ممکن نہیں تو کیا وہ تیمم کر کے شامل نماز ہو سکتا ہے۔ یا خاموش کھڑا رہے یا صفوں کو چیر کر نکل جائے۔

﴿ج﴾

۱۔ محض شک وشبہ سے وضو نہیں ٹوٹتا لما فی الدر شک بالحدث او بالعکس اخذ بالیقین اور عالمگیری میں ہے من شک فی الحدث فہو علی وضوئہ نیز اس صورت میں نماز ہو گئی ہے[2]۔

۲۔ صفوں کو چیر کر نکل جاوے۔ فتاوی دارالعلوم ص ۳۰۰ ج ۳[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۴ صفر ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ

---

(۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل تجاوز عن امتی عما حدثت بہ انفسہا ما لم تعمل او تتکلم بہ۔ مسلم شریف، باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس، ج ۱ ص ۷۸، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ وکذا فی المشکوۃ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورہا ما لم تعمل بہ او تتکلم۔ باب فی الوسوسۃ ج ۱ ص ۱۸، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ وفی کفایۃ المفتی غیر اختیاری خیالات سے مواخذہ نہیں ہوتی حتی الامکان ان کو دفع کرنا چاہیے، ج ۲ ص ۴۴۵ طبع سکندر علی تاجران کراچی۔ بحوالہ جزئیہ نمبر ۲ ۳ دونوں کا ہے۔

(۲) در مختار کتاب الطہارۃ مطلب فی نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۱۶۰، باب مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ طبع جدید۔

(۳) فی الہندیۃ: کتاب الطہارۃ، فصل فی نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۱۳، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ چمن۔ ومن سبقہ الحدث فی الصلوۃ انصرف۔ کتاب الصلوۃ باب الحدث فی الصلوۃ، ج ۱ ص ۱۰۵، طبع بلوچستان بکڈپو۔ وہکذا فی الکنز: کتاب الصلوۃ، باب الحدث فی الصلوۃ، ص ۳۵، طبع ... دار العلوم دیوبند، ج ۳ ص ۲۱۲، فصل رابع صفت اقتداء اور امام ومقتدی کا مقام، طبع مکتبہ حقانیہ ملتان۔

استطلاق البطن او انفلات ریح اور عاف دائم او جرح لا یرقا الوقت کل فرض ویصلون به فرضا ونفلا و یبطل بخروجه فقط و هذا اذا لم یمض علیهم وقت فرض الا و ذلک الحدث یو جدفیه .[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۳۱ ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ

معذور کی طہارت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بندہ کو ریح بار بار خارج ہونے اور تبخیر کا مرض ہے جس کی وجہ سے بندہ شرعی طور پر معذور ہے میں جب وضو کرتا ہوں تو وضو کے وقت ہوا خارج ہوتی رہتی ہے کبھی کبھی تو بغیر خارج ہوئے وضو ہو جاتا ہے اور اکثر دفعہ ہوا وضو کرتے وقت نکلنے کی جگہ آ جاتی ہے کیا معذور آدمی باوجود پوری کوشش کے وضو کے دوران میں ہوا نکلتے ہوئے صرف ایک دفعہ وضو کرلے جبکہ وضو کے دوران ہوا نکلتی رہے کیا ایسی صورت میں نماز ہو جاتی ہے۔

﴿ج﴾

اگر ایسی صورت ہو کہ کوئی وقت نماز کا پورا آپ پر ایسا گزر جائے جس میں آپ جلدی جلدی وضو کر کے فرض نماز بھی اس حدث (بے وضوئی) کے پیش ہوئے بغیر ادا نہ کرسکیں تو شرعاً آپ معذور بن گئے ہیں اس کے بعد ہر وقت نماز میں ایک دفعہ ضرور وضو کرلیا کریں اور پورے وقت میں اسی ایک وضو سے جتنی نمازیں پڑھیں پڑھ سکتے ہیں ریاح کے خارج ہونے سے آپ کا وضو بوجہ عذر کے ٹوٹا ہوا شمار نہ ہوگا لیکن اگر کوئی وقت آپ پر

---

[1] وصاحب عذر من به سلسل بول لا یمکنه امساکه او استطلاق البطن او انفلات ریح ـــ ان استوعب عذره تمام الوقت صلاة مفروضة بأن لا یوجد فی جمیع وقتها زمنا یتوضأ ویصلی فیه خالیاً عن الحدث ولو حکماً لأن الانقطاع الیسیر ملحق بالعدم وهذا شرط العذر فی حق الابتداء وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت ولو مرة ـــ وحکمه الوضوء ـــ لکل فرض ـــ ثم یصلی به فیه فرضاً ونفلاً ـــ فإذا خرج الوقت بطل ، در مختار کتاب الطهارة، فصل احکام المعذر ، ج ۱ ص ۵۵۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وهکذا فی الهدایة: کتاب الطهارة فصل المستحاضة، ج ۱ ص ۶۵، طبع مکتبه رحمانیه لاهور۔

وهکذا فی البحر الرائق: کتاب الطهارة، باب الحیض، ج ۱ ص ۳۷۳، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وهکذا فی الهندیة: کتاب الطهارة، فصل فی الأحکام المعذور، ج ۱ ص ۴۰، طبع بلوچستان، بکڈپو کوئٹه۔

بعد میں ایسا گزر جائے کہ پورے وقت نماز میں ایک دفعہ بھی یہ عذر پیش نہ آئے تو آپ کا عذر ختم ہو گیا ہے اور ریاح کے خارج ہونے سے وضوٹوٹ جائے گا عذر کے بقاء کے لیے ضروری ہے کہ وقت نماز میں کم از کم ایک دفعہ یہ عارضہ پیش آتا رہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۹ محرم ۱۳۸۷ھ

بواسیر کی مستقل رساوٹ پر وضو

﴿س﴾

کیا فرماتے علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کو بادی بواسیر ہے جس کی وجہ سے ہر وقت رساوٹ رہتا ہے جس کا روکنا ناممکن ہے اس صورت میں ادائیگی نماز کی کیا صورت ہوگی کہ استنجا کرنے کے بعد پھر ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور ادھر اُدھر رساوٹ لگ جاتی ہے اور کپڑا بھی روپیہ سے زیادہ پلید ہو جاتا ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

ابتداء میں صاحب عذر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ تمام وقت نماز میں اس کو اتنا وقت نہ ملے کہ وضو کر کے نماز بلا ہونے اس عذر کے پڑھ سکے پس اگر ایک بار بھی ایسا وقت آ چکا ہے کہ اس کو اتنا موقع نہیں ملا کہ تمام وقت نماز میں بدون اس عذر کے وجود نماز پوری کر سکا ہو تو وہ معذور ہوگا۔ اس کو ایک وضو سے تمام وقت نماز میں نماز فرض سنن ونفل پڑھنا درست ہے اور جب وقت نکل گیا وضو اس کا باقی نہ رہا پھر وہ شخص اس وقت تک معذور رہے گا کہ تمام وقت نماز میں ایک بار ہی اس کو عذر مذکور واقع ہو جاوے بہر حال وقت نکلنے سے معذور کا وضوٹوٹ جاتا ہے۔ دوسرے وقت کے لیے پھر تازہ وضو کرنا چاہیے وحکم الوضو لکل فرض فاذا خرج الوقت بطل (درمختار)

کپڑے دھونے میں یہ تفصیل ہے اگر یہ اندیشہ ہے کہ اگر کپڑے کو دھویا جاوے گا تو نماز سے پہلے ناپاک

---

1) حوالہ جات کیلیے مندرجہ بالا حوالات دیکھیں۔
لم یجز ولو شك فالأصل الطهارة وفی الشامی قوله لا لو تغیر، أی تغیر، أی لا یتنجس لو تغیر، کتاب الطهارة، باب المیاه، ج ص ۳٦۸، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔
وایضاً وکذا یجوز براكد كثیر كذالك ای فیه نجس لم یر أثره ولو فی موضع وقوع المرئیة، کتاب الطهارة، باب المیاه، ج ۱ ص ۳۷٥، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

ہو جائے گا تو نہ دھونا درست ہے اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے تک درہم سے زیادہ ناپاک نہ ہوگا تو دھونا چاہیے اور یہی حکم استنجا کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفر لہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۱۳ محرم ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۱۳ محرم ۱۳۹۸ھ

کس پانی سے وضو جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک بڑا سا گڑھا جو کہ دہ در دہ سے بھی زائد ہے اگر اس کو نہری پانی سے بھر لیا جاتا ہے وہاں سے وقت بوقت پانی استعمال میں لاتے ہیں اور وہاں سے غسل اور کپڑے بھی صاف کیے جاتے ہیں اور جانوروں کو بھی وہاں سے پانی پلایا اور نہلایا جاتا ہے اور گڑھے کے ارد گرد جو زمین پڑی ہے وہاں اس جگہ کے تمام باشندگان بول و براز بھی کرتے ہیں اور جب بارش ہوتی ہے وہ سب ماحول (ارد گرد) کا پانی بھی مع بول و براز جمع ہوتا ہے کیا وہ پانی استعمال میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں پانی پاک ہے اس سے وضو، غسل، کپڑے دھونا سب جائز ہے جب تک کہ اس گندگی بول و براز کا اثر ذائقہ، بو اور رنگ میں نمایاں نہ ہو۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۳ محرم

حقہ کے پانی سے وضو

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص وضو کر رہا تھا ابھی ایک پاؤں کا دھونا باقی تھا کہ پانی ختم ہو گیا دوسرا پانی موجود نہیں ہے البتہ حقہ کا پانی بقدر کفایت موجود ہے کیا یہ شخص حقے کے پانی سے وضو پورا کرے یا تیمم کرے اگر جواب عدم جواز میں ہے تو کس دلیل سے اگر جائز ہے تو کیونکر فقہ حنفی کی روشنی میں با دلائل اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں و عندالناس مشکور ہوں۔

﴿ج﴾ (۱)

اگر حقہ پیتا ہے تو اس کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے تمباکو نوشی کی وجہ سے اگر بو یا ذائقہ میں فرق آ جائے تو اس سے پانی نجس نہیں ہوتا دوسری بات یہ ہے کہ بدبودار چیز کے استعمال کرنے والے کو مسجد میں جانے سے منع کیا گیا ہے(۲) لیکن بہرحال اگر اور پانی موجود ہو صرف حقہ کا پانی موجود ہو تو اس صورت میں تیمم جائز نہیں لا ای لا ینجس ولو تغیر بطول مکث فلو علم نتنه بنجاسة لم یجز الدر المختار مع شرحه رد المحتار باب المیاه فی مطلب ان الوضوء من الحوض افضل(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸ صفر ۱۳۸۹ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰ صفر ۱۳۸۹ھ

نواقض وضو

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک زخم کے منہ پر خون تھا کسی نے روئی ڈالنے سے خون جذب ہو گیا اور پھر تر ہوا اور کپڑے کی پٹی باندھی گئی اور اس میں جذب ہو گیا اور پھر تر ہو بلکہ رک گیا۔ اب وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں جب کہ ظاہر ہے اگر روئی نہ ڈالتا کپڑا نہ باندھتا تو بہہ پڑتا۔

۲۔ نیز اب جب کسی معاملہ میں دونوں جانبیں برابر ہوں شک میں شمار ہوگا۔ اور غالبا اس صورت میں احتیاط پر عمل نہ کرنا واجب نہ ہوگا بعض کہتے ہیں کہ شک پر عمل کرنا بڑا گناہ ہے کیا یہ صحیح ہے خصوصاً ایک شکی عادت والے

---

(۱) كذا في رد المحتار: لا أي لا ينجس وإن تغير بطول المكث فلو علم نتنه بنجاسة، كتاب الطهارة باب المياه ج ۱ ص ۳۸۰، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه

كذا في البحر الرائق. ويجوز الطهارة بماء خالطه شيء طاهر فغير أحد أوصافه، كتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۲۷، طبع رشيديه كوئٹه

وأيضاً في البحر الرائق: يجوز الوضوء بماء أنتن بالمكث ... قيد بقوله بالمكث لأنه لو علم أنه أنتن للنجاسة لا يجوز به الوضوء، كتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۳۶، طبع رشيديه كوئٹه

(۲) وقال في المشكوة: وعن جابر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس (متفق عليه)، باب المساجد ج ۱ ص ۶۸، طبع مكتبه قديمي كتب خانه آرام باغ كراچی

(۳) وكذا في الدر المختار. (وقدرة ماء كاف لطهره)، كتاب الطهارة، مطلب فاقد الطهورين، ج ۱ ص ۴۷۷، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه

کے لیے لہٰذا شک کی صحیح تعریف یاد و وضاحت کیا ہے جو مذموم ہے جسے بالکل ترک کر دیا جائے۔

۳۔ گمان غالب بمعنی بہ کا معتبر ہے یعنی ہر معاملہ میں اس کا غلبہ ظن شرعاً مسلم ہے۔ خواہ وہ متعدد شک و وہم ہی ہو اور خواہ اس کے فیصلہ میں غلطی ہی ہو جائے اور کسی مسئلہ شرعیہ کی رو سے اس فیصلہ میں غلطی ہو جاوے گی تو نماز وضو روزہ و طہارت سب صحیح ہے۔

﴿ج﴾

ا۔ اگر خون مقدار میں کم تھا کہ اگر مٹی نہ ڈالتے تو نہ بہتا تو مٹی ڈالنے سے جذب ہو گیا اور خشک ہو گیا اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر مقدار میں زیادہ تھا کہ مٹی نہ ڈالے یا پٹی نہ باندھتے تو بہہ پڑتا تو وضو ٹوٹ گیا کذا فی الفتاوی الشامیہ (۱۰۳ ج ا من فتح القدیر)[1]

۲۔ شک کا معنی ایک تو وہی ہے جو آپ نے ذکر فرمایا کہ کسی معاملہ میں تردد و تذبذب ہو جہاں کہ دونوں احتمال برابر ہوں اور دوسرا معنی عرف میں شک بمعنی وہم و وسوسے کے مستعمل ہوتا ہے۔ یہ عموماً مرض سے یا ابتلائے شیطان سے پیش آتا ہے۔ یہ مذموم ہے اس سے بچنے کی ضرور تدبیر کرنی چاہیے اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ایسے خیالات واوہام کے درپے نہ ہو جتنا زیادہ غور کرے گا وہم میں اضافہ ہوگا کام کرتا چلا جائے اور استغفار پڑھتا جائے[2]۔

۳۔ گمان غالب جہاں معتبر ہوتا ہے وہ بمعنی بہ کا ہی معتبر ہوتا ہے لیکن شکی اور متعدد وہم والے کا گمان غالب اس کے رجحانات کے تحت آجاتا ہے لہٰذا ایسے آدمی کو حتی الامکان وساوس اور شبہات کے مواضع سے احتراز کرنا اور استغفار وغیرہ سے علاج کرنا ضروری ہے[3]۔ فقط واللہ اعلم

ابو سعید عبداللہ عفی عنہ مفتی قاسم العلوم ملتان۔ ۱۲ محرم ۱۳۸۴ھ

---

۱) وكذا في الدر المختار: وينقضه خروج نجس منه ——— الى ما يطهر ——— ثم المراد بالخروج من السبيلين مجرد الظهور وفي غيرهما عين السيلان ولو بالقوة لما قالوا لو مسح الدم كلما خرج ولو تركه لسال نقض والا لا، كتاب الطهارة، مطلب في نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۲۸٤، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وايضاً في الهندية: كتاب الطهارة، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۱۱، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وهكذا في الحلبي الكبير: مسائل عديدة ——— دم ——— ان سال عن رأس الجرح نقض الوضوء۔ وان لم يسل عن رأس الجرح لا ينقضه، فصل في نواقض الوضوء، ص ۳۱، طبع مكتبه سعيدی كتب خانه۔

۲و۳) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان تمہارے ہر کام میں ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور لغزشوں کا وسوسہ دل میں ڈالتا رہتا ہے (قرطبی) اس سے پناہ مانگنے کے لیے دعا تلقین فرمائی گئی ہے۔ (اعوذ بكلمات الله التامة من غضب الله)۔

پانی کے استنجے سے قطرات کا آنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو ایک بیماری ہے کہ جب یہ استنجا کرتا ہے بعد میں اس کا پیشاب تھوڑا تھوڑا ضرور نکلتا ہے چاہے وہ جتنی دیر لگا بھی استنجا کرے پیشاب ضرور نکلے گا اب وہ کیا نماز اس حالت میں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ وہ جب بھی استنجا کرے گا پیشاب ضرور آئے گا تو نماز اس حالت میں جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر نجاست اپنے مخرج تک محدود ہے اور ادھر ادھر بالکل نہ ہوئی ہو تو صرف ڈھیلے کا استعمال کریں اور پانی کو ترک کر دیں۔ ڈھیلا استعمال کرنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

استنجے کے کچھ دیر بعد قطرات کا آنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد پیشاب کرتا ہے تو جب پیشاب کو خشک کیا جاتا ہے تو تقریباً آدھ گھنٹہ یا اس سے زیادہ مدت بلکہ کبھی کبھی گھنٹہ تک یہ پیشاب آلہ تناسل سے خشک ہوتا ہے اور اس کے بعد بھی رطوبت نکل جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ آدمی اگر اس ذکر میں کپاس رکھے تاکہ رطوبت اس میں جذب ہو باہر نہ آئے۔ تو کیا اس کپاس میں رطوبت جذب ہونے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اس صورت میں جس وقت قطرہ کرسف سے تجاوز کر کے باہر آ جاوے اس وقت وضو ٹوٹے گا صرف

---

(۱) ثم الاستنجاء بالاحجار انما يجوز اذا اقتصر النجاسة على موضع الحدث. الهداية، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء ج ۱ ص ۸۶ مكتبه رشيديه كوئٹه۔

هكذا في الحلبي الكبير، آداب الوضوء، ص ۲۹، مكتبه سعيدي كتب خانه كاسي روڈ كوئٹه۔

کہ حشفہ میں قطرہ جذب ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جبکہ روئی حشفہ میں غائب ہو یا باہر سے نظر آتا ہے[1]۔ لو حشا احلیله بقطنة وابتل الطرف الظاهر نقض ولو كانت القطنة عالية او محاذية لرأس الاحليل وان متسفلة عنه لا ينقض (الدر المختار مع شرحه رد المحتار ص ۱۴۹ ج ۱)۔ فقط والله تعالی اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ صفر ۱۳۹۸ھ
الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۹ صفر ۱۳۹۸ھ

کنویں کے احکام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنویں میں ایک کتا گر کر مر گیا ہے اور پتہ لگنے پر وہ مردہ کتا کے بعد نکال دیا گیا اب اس کنویں کو پاک کرنے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

کتا جب کنویں میں گر کر مر جائے تو کنویں کے سارے پانی کو نکالا جائے قال فی العالمگیریہ ص ۱۹ ج ۱ وان ماتت فیها شاة او كلب او آدمی انتفخ او تفسخ ينزح جميع ما فيها صغر الحيوان او كبر هكذا فی الهداية[2] اگر کنواں چشمہ دار ہو سارا پانی نہ نکالا جا سکتا ہو تو عادل آدمی جن کو پانی کے معاملات میں مہارت ہو اندازہ لگائیں اور ان کے اندازے کے مطابق پانی نکالا جائے کما قال فی

---

(1) لما فی الحلبی الكبير: وان احتشى الرجل ... ولا ينتقض وضوءه ما لم يظهر البلل على ظاهر القطنة ... الى ان ... ان نفذ البلل الى خارجها اى خارج المحشو انتقض الوضوء، فصل فی نواقض الوضوء، ص ۱۳۶، مكتبه سعيدی كتب خانه كوئٹه۔
هكذا فی الهندية: كتاب الطهارة، فصل فی نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۱۰، مكتبه رشيديه كوئٹه؛ لما فی الدر المختار: كما ينقض لو حشا احليله بقطنة وابتل الطرف الظاهر ... كتاب الطهارة، فصل فی نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۳۰۶، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

(2) لما فی العالمگیرية، كتاب الطهارة الفصل الثالث فی المياه، ج ۱ ص ۱۹، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
ينزح ماء البئر كله بموت ما عادل الشاة فی الجثة كالآدمی والكلب، بحر الرائق، كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۲۱۴، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
هكذا فی الحلبی الكبير: فصل البئر، ص ۱۵۷، مكتبه سعيدی كتب خانه كوئٹه۔

الدر المختار مع شرحه الشامي ص ۱۵۷ ج ۱ [1] (وان تعذر) نزح كلها لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح قاله الحلبي ويوخذ ذالك بقول رجلين عدلين لهما مهارة بالماء) به يفتى والله تعالى اعلم [2]

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی قاسم العلوم ملتان ۔ ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۸۳ھ

پرانے کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ گاؤں کے درمیان ایک کنواں ہے جس کے اندر پانی کی گہرائی تقریباً تیس پینتیس فٹ ہے اور کنویں کی چوڑائی آٹھ فٹ ہے۔ کنواں کو تقریباً سات سال ہو گئے ہیں بیکار ہے اس عرصہ میں اس میں دو کتے ایک بلی کئی مرغیاں گری ہیں اور اب اس کے اندر گل سڑ گئی ہیں اس کے اندر گوبر اور فضلات پھینکا جاتا رہا ہے اب گاؤں کے لوگ اس کو صاف کرنا چاہتے ہیں جس سے کئی چیزیں نکالے جا چکے ہیں مگر دو کتے وغیرہ جو اشیاء تھیں وہ اندر ہی ہیں جو کئی سال سے گرے ہوئے ہیں اور تقریباً چار ماہ بلی گری کو ہو گئے ہیں آیا وہ پاک ہو گیا ہے یا نہیں فتویٰ صادر فرماویں۔

﴿ج﴾

ایسے کنویں کے پاک ہونے کی صورت فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ اس کنویں کو اتنے عرصہ تک چھوڑ دیا جائے کہ اس کتے کی ہڈیاں و گوشت پوست گل کر مٹی اور گارا ہو جائیں اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ چھ مہینے تک اس کو چھوڑ دیا جائے۔ اس کے بعد کل پانی اس کا نکال دیا جائے اور کل پانی نکالنا دشوار ہو بوجہ چشمہ دار ہونے کے تو دو سو ڈول سے تین سو ڈول تک نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا [3]۔ كما في الدر المختار بنزح كل

---

۱) ان كانت البئر معينة لا يمكن نزحها ... وقد اختلف الروايات فيها الى انه يؤتى برجلين لهما بصارة بامر الماء، حلبي كبير، ص ۱۵۸، البحر الرائق، كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۲۱۶، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
هكذا في الهندية: كتاب الطهارة، الفصل الثالث في المياه، ج ۱ ص ۱۹، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱ ص ۲۱۲۔

۳) كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ص ۵۶، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
الدر المختار: وقيل يفتى بمائتين الى ثلثمائة وهذا ايسر وذلك احوط، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱ ص ۲۱۳، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ لما في البحر الرائق: ان الفتوى على انه ينزح ثلثمائة، كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۱۱۶، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

مائها بعد اخراجه الا اذا تعذر كخشبة او خرقة متنجسة فبنزح الماء الى حد لا يملأ نصف الدلو يطهر الكل تبعا ونبّه الشامي واشار بقوله متنجسة الى انه لا بد من اخراج عين النجاسة كلحم ميتة و خنزير قلت فلو تعذر ايضا ففي القهستاني عن الجواهر لو وقع عصفور فيها فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحال وصار حمأة وقيل مدة ستة اشهر[۱] (شامی ج ۱ ص ۲۱۵) جبکہ علت طہارت استحالہ ہے یعنی مٹی کا راجح ہو جانا اس جانور کا تو ظاہر ہے کہ ہر ایک جانور کے لیے بقدر چھوٹے اور بڑے ہونے کے مدت مختلف ہوگی تو اگر پانی اور مٹی کا راجح ہو جائے تو پانی پاک ہو جاتا ہے اس صورت مسئولہ میں اگر بالوجہ حیوانات کے ہڈیوں وغیرہ کا کوئی چیز نہ ملے اور یہ یقین ہو جائے کہ تمام چیزیں مٹی بن کر ضائع ہو گئیں تو کئی ہزار ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[۲]

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۔ ۲۳ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ

ناپاک کنویں کے قریب نلکے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنواں ناپاک ہو گیا ہے اس کے تقریباً پانچ گز یعنی دس ذراع (ہاتھ) قریب نلکا ہے ازروئے شرع اس نلکے کا کیا حکم ہے اس کا پانی قابل استعمال ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر اس نجس کنویں کے پانی کا اثر نلکے کے پانی میں ظاہر ہو گیا ہے یعنی اس نجس کنویں کے پانی کے اوصاف ثلاثہ یعنی رنگ، بو، ذائقہ میں سے کوئی صفت بدل جاتی ہے یا دونوں یا تینوں اوصاف بدلے ہوئے ہیں اس بدلی ہوئی صفت کا نلکے کے پانی میں بھی ظہور ہو گیا ہے یعنی نلکے کے پانی کا رنگ، بو، ذائقہ اس کنویں کے پانی کی وجہ سے بدل گیا ہے تو نلکے کا پانی بھی نجس ہے اور اگر نلکے کے پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہیں یعنی نلکے کے پانی کا رنگ یا بو یا ذائقہ نہیں بدلا تو اس کا پانی پاک ہے درالمختار مع شرحہ رد المحتار ص ۱۶۲ ج ۱ میں

---

(۱) لو وقع فيها عصفور فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحال وصار حمأة وقيل مدة ستة اشهر انتهى وهذا ايضا يفيد انه لا بد من اخراج عين النجس فاذا تعذر فتترك الى ان تستحيل (كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱، ص ۲۳۶، طبع سهيل اكيدمي لاهور.)

(۲) كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱ ص ۲۰۹، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه.

ہے البعد بین البئر والبالوعۃ بقدر مالایظہر للنجس اثر الخ. شامی میں ہے (قولہ البعد الخ) اختلف فی مقدار البعد المانع من وصول النجاسۃ البالوعۃ الی البئر ففی روایۃ خمسۃ اذرع وفی روایۃ سبعۃ اذرع وقال الحلوانی المعتبر الطعم او اللون او الریح فان لم یتغیر جاز والا لا ولو کان عشرۃ اذرع وفی الخلاصۃ والخانیۃ والتعویل علیہ وصححہ فی المحیط بحر والحاصل انہ یختلف بحسب رخاوۃ الارض وصلابتہا ومن قدرہ اعتبر حال ارضہ انتہی[1]. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۲ صفر ۱۳۸۳ھ

ناپاک کنویں سے پانی نکالنے والے لوٹے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک کنویں میں ایک کتا چند وقت تک پڑا رہا (تقریباً چار دن) مر اور بعد میں اسے نکالا گیا ہے اور کنویں کو پاک کرنے کے لیے نئے لوٹے باندھے گئے ہیں اب کنواں شرعی طور پر پاک کیا گیا ہے اب وہ لوٹے بھی پاک ہو گئے یا کوئی دوسرا طریقہ ان کی پاکی کا ہے یہاں بعض کہتے ہیں کہ جب تک ان کو آگ میں نہ تپایا جائے وہ لوٹے پاک نہیں ہوں گے از روئے شرع بمع دلائل کے ان کا حل فرما دیں تمہیں نوازش ہوگی بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں جب کنویں کو شرعی طور پر پاک کیا گیا ہے تو وہ لوٹے بھی پاک ہو گئے جیسے کہ مسائل بیر میں فقہاء لکھتے ہیں کہ کنویں کے پاک ہونے سے رسی ڈول دیواریں وغیرہ سب پاک ہو جاتے

---

(۱) کما فی البنایۃ لما فی الہندیۃ بئر الماء اذا کانت بقرب البئر النجسۃ فہی طاہرۃ ما لم یتغیر طعمہ او لونہ او ریحہ کذا فی الظہیریۃ ولا یقدر ہذا بالذرعان حتی اذا کان بینہما عشرۃ اذرع ولکن یوجد فی البئر اثر البالوعۃ فماء البئر نجس وان کان بینہما ذراع واحد ولا یوجد اثر البالوعۃ فماء البئر طاہر کذا فی المحیط وہو الصحیح کتاب الطہارۃ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۲۰، طبع علوم اسلامیہ چمن۔

کما فی خلاصۃ الفتاوی والذی لا ینبغی ان یکون بین بئر الماء البالوعۃ سبعۃ اذرع والتعویل علی نفوذ الرالنجاسۃ ان تغیر لونہ او طعمہ او ریحہ نجسۃ والا فلا، کتاب الطہارۃ فصل الثالث فی الآبار ج ۱ ص ۱۴ طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

كما في الدر المختار: كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ١ ص ٢٢٤ طبع رشيديه كوئٹه۔

ہیں(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۷ رجب ۱۳۸۱ھ

جاری کنویں میں ناپاکی گرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنویں کے اندر ایک جوتا جس پر قلیل نجاست بھی لگی ہوئی تھی گر گیا کافی تلاش کے بعد بھی جوتا نہ مل سکا کنویں کا پانی دس بارہ فٹ گہرا ہے۔ اس کے تمام پانی کو نکالنا محال ہے کیونکہ جاری پانی ہے اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر واقعی کنویں کا پانی جاری ہے تو اس صورت میں کنویں کا پانی پاک ہے(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

ناپاکی نکالے بغیر کنواں پاک نہیں ہوگا

﴿س﴾

١۔ ایک کنویں جو تقریباً ڈیڑھ یا دو مہینے تک ویران پڑا رہا اور اس میں کئی مینڈک مر کر نیچے بیٹھ گئی ہوں اور ایک مرغی کا یا کبوتر کا بچہ بھی تقریباً چھ سات روز سے مر کر نیچے بیٹھ گیا ہو تو وہ کنواں کس طرح پاک ہو سکتا ہے

---

(١) وفي الدر المختار: ويطهر بكل نحو. وفي الشامي: يطهر ما من الدلو والرشاء والبكرة ويد المستقي معاً لأن نجاسة هذه الأشياء بنجاسة البئر فتطهر بطهارتها للحرج، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ١ ص ٢١٩، ٢٢٠، طبع رشيديه كوئٹه
وفي الهندية: ثم بطهارة البئر يطهر الدلو والرشاء والبكرة ونواحي البئر ويد المستقي هكذا في المحيط السرخسي، الفصل الثالث في ماء الآبار، ج ١ ص ٢٠، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

(٢) وفي الدر المختار: ويجوز بجار وقعت فيه نجاسة والجاري هو ما يعد جارياً عرفاً وقيل ما يذهب بتبنة، كتاب الطهارة، باب المياه، ج ١ ص ٢٤٧، طبع رشيديه كوئٹه
كما في الهداية: لا يتكرر استعماله وقيل ما يذهب بتبنة، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز به، ج ١ ص ٣٦، طبع رحمانيه لاهور۔

کنویں میں گٹر کا پانی مل جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے استنجاء خانوں کا پانی اچانک کنویں میں چلا گیا اور طہارت خانوں کی کیفیت یہ ہے کہ ان میں بسا اوقات لوگ پاخانہ وغیرہ بھی کرتے رہتے ہیں کیا اس چاہ کا سارا پانی نکالا جائے گا یا امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ۲۰۰، ۳۰۰ ڈول نکالنے کفایت کر سکتے ہیں بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

کنویں کا پانی نجس ہو گیا ہے اگر ممکن ہو سکے تو سارا پانی نکال دیا جائے ورنہ اگر سارا پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دو سو سے تین سو ڈول تک نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔ بشرطیکہ پانی کے اندر نجاست کے آثار اوصاف رنگ، ذائقہ، بو وغیرہ ظاہر نہ ہوں[۱]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳ رجب ۱۳۸۹ھ

شبہ سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا

﴿س﴾

ہمارے ہاں ایک کنویں میں ایک پرانا جوتا گر پڑا ہے اس کا معمولی سا امکان بھی موجود ہے کہ شاید جوتے کے ساتھ تھوڑا سا گوبر بھی لگا ہوا ہو گا جو گرنے کے کچھ دیر بعد اسے کنویں سے نکال لیا گیا ہے کنویں میں پانی کی کثرت کا یہ حال ہے کہ تقریباً اٹھارہ فٹ پانی کی گہرائی ہوگی مذکورہ بالا صورت میں کنویں کا پانی پاک ہوگا یا نہیں؟ اور اگر جواب نفی میں ہے تو پاک کرنے کی صورت آپ کیا تجویز فرماتے ہیں۔

﴿ج﴾

فی العالمگیریۃ ص ۱۹ ان او بعر الابل والغنم اذا وقع فی البیر لا یفسد ما لم یکثر ، ھکذا فی فتاوی قاضیخان وعن ابی حنیفۃ ان الکثیر ما استکثرہ الناظر والقلیل ما استقلہ[۲] الخ اذ

---

(۱) لما فی الدر المختار: اذا وقعت نجاسۃ فی بئر ... ینزح کل مائھا الذی کان فیھا وقت الوقوع . وان تعذر نزح کلھا لکونھا معینا فبقدر ما فیھا ... وقیل یفتی بمائتین الی ثلث مائۃ وھذا أیسر وذلک أحوط. کتاب الطھارۃ، فصل فی البئر، ج ۱ ص ۲۱۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

وایضاً فی الھدایۃ. کتاب الطھارۃ، فصل ماء الآبار، ج ۱ ص ۱۹، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) وایضاً فی الشامی: تحت قولہ وبعری ابل وغنم ای لا ینزح بھما وھذا استحسان قال فی النھر: ولا ینجس الا اذا کان کثیراً، ج ۱ ص ۴۲۲، مطلب مھم فی تعریف الاستحسان مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

وایضاً فی الھندیۃ، الفصل الثانی فی الآبار، ج ۱ ص ۱۹، طبع علوم اسلامیہ چمن۔

جزئیات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں گوبر کے موہوم احتمال وقوع سے کنواں ناپاک نہیں ہوا۔ احتیاطاً بیس تیس ڈول نکال لیں تو بہتر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ

کتے گرے ہوئے کنویں کی دوبارہ کھدائی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک غیر آباد چاہ جس میں پانی موجود تھا ایک کتا گر گیا کسی نے نہیں نکالا پھر اس چاہ میں بہت سی ریت پڑ گئی کیونکہ تھل کا علاقہ ہے اور وہ کنواں ریت سے بھر گیا اب اس کو ایک شخص نے آباد کیا ہے اس کی کھدائی کرا کر ریت وغیرہ کو بالکل نکالا گیا ہے اس کنویں سے کتے کا کوئی نام ونشان نہیں ملا کتے کو گرے ہوئے تقریباً دس سال ہو گئے ہیں کیا اب وہ کنواں پاک ہو گیا ہے یا نہ اگر نہیں ہوا تو اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے واضح طور پر بیان فرما دیں۔

﴿ج﴾

کوئی بھی نجاست اگر کنویں میں گر کر اس کی حقیقت بدل کر کیچڑ ہو جاوے تو پاک ہو جاتا ہے اس لیے کنواں پاک ہے اس کے پانی کا استعمال کیا جاوے الحمار او الخنزير وقع في المملحة او بتر البالوعة اذا صار طينا يطهر خلافا لابي يوسف (عالمگیری) ولا قذر وقع في بئر فصار حمأة لانقلاب العين به يفتى [1]۔ فقط واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۳ جمادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ

کنواں پاک ہونے کی کوئی صورت نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک مرغی زندہ چار پانچ دن سے کنویں میں گر گئی اور باوجود تلاش کرنے کے نہیں ملی کیونکہ کنواں بہت پرانا ہے اور اس میں غار ہے اور وہ غار گہری اور دور تک چلی جاتی ہے

---

(۱) عالمگیری فصل اول فی تطہیر الانجاس، ص ۴۴، ج ۱، مکتبہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ۔

كذا في رد المحتار: لو وقع عصفور فيها فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحال وصار حمأة وقيل مدة ستة أشهر، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱ ص ۲۰۷ تا ۲۰۹، مكتبه رشيديه كوئٹه

وهكذا في البحر الرائق: كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۲۱۴، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

کیونکہ کنواں ایک پرانا کنواں ہے پہلے کھودا گیا تھا یعنی جو پہلے کنواں تھا وہ گرنے لگا تو اس میں دوسرا کنواں کھودا گیا اب دوسرا کنواں بھی ایک جگہ سے گر گیا ہے اور وہاں سے غار ہوگئی ہے اب دونوں کنوؤں کا پانی ایک جگہ ہو جاتا ہے تو اس لیے یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ یہ کنواں کس طرح سے پاک کیا جاوے۔

﴿ج﴾

اگر مرغی گرتی ہوئی دیکھی گئی ہے اور اس کے نکالنے کی بھی کوئی صورت نہیں تو جب تک مرغی کے اعضاء یعنی گوشت پوست پٹھے مٹی میں مل کر مٹی کا جزء نہ بن جائیں اس وقت تک پانی کے پاک ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے ہوشیار تجربہ کار لوگوں سے اس مدت کا اندازہ لگوایا جاوے جس میں مرغی کے اجزاء گل کر مٹی بن سکتے ہوں اس وقت تک کنواں کو ہرگز استعمال نہ کیا جاوے اس کے بعد بھی کل پانی نکال کر نئے پانی کو استعمال کر سکتے ہیں اگر پانی نہ نکل سکے تو جتنا پانی کنویں میں اس وقت موجود ہو اس کا اندازہ کر کے نکال جاوے اور بس۔ واللہ اعلم ( )

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۔ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

ناپاک پانی سے پکا ہوا کھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں صورت کہ شادی میاں آبادی پر طعام پکایا گیا بعد پکانے کے کھانے سے پہلے پتہ چلا کہ کنویں میں ایک کتا پھولا پھٹا ہوا موجود ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتا اس شادی والے کا پالتو ہے اور شادی شروع ہونے سے پہلے دو رات سے گم تھا اور وہ لوگ دوسری بستیوں میں اسے تلاش کر رہے تھے گویا یقین ہے کہ یہ کتا جس رات سے گم تھا اسی رات سے کنویں میں گرا ہوا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طعام پختہ جو کہ چاول نیز گوشت اور تقریباً چھ من آٹا پر مشتمل ہے کا استعمال کرنا مسلمان حنفیہ کے لیے جائز ہے یا نہ۔ اگر جائز نہیں تو اس بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ ایک نیم مولوی صاحب نے ان کو استعمال کرنے کا فتویٰ دیا اس شرط پر کہ شریعت کسی کا نقصان برداشت نہیں کرتی اور حسب فتویٰ ان لوگوں نے استعمال بھی کر لیا ہے اور مولوی صاحب نے فتویٰ اس بے باکی سے دیا ہے کہ جو شخص اس کو حرام کہے وہ میرے نزدیک کافر ہے لہٰذا طعام استعمال کر لیا جائے اور جاہل طبقہ نے کفر سے ڈرتے ہوئے کھانے سے دریغ نہ کیا۔ کیا شرع محمدی میں اس کھانے کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو غلط مسئلہ بتانے والے کو کیا سزا دینی چاہیے جبکہ اس نے یہ کہا کہ میرے فتویٰ کے خلاف کرنے والا کافر ہے۔

---

(۱) حوالہ جات کے لیے حوالہ جات مذکورہ بالا ملاحظہ فرمائیں۔

«ج»

صورتِ مسئولہ میں حکم تو یہی تھا کہ اس طعام کو مردار جانوروں کی طرح کتوں وغیرہ کو[1] ڈالتے لیکن جبکہ اس طعام کو کھا چکے ہیں تو بنا بر قولِ ضعیف کے جرم کو خفیف قرار دیتے ہوئے غفلت و جہالت کی وجہ سے کھانا کھانے والوں کا معاف قرار دیا جائے گا۔ لیکن آئندہ کو احتیاط لازم ہے اور اس صورت میں مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ میرے فتویٰ (حرمت طعام) کے خلاف کہنے اور کرنے والا[2] کافر ہے نہایت سخت ظلم ہے اور جہالت پر مبنی ہے۔ نیز غلط و ناجائز ہے اس سے رجوع کرنا لازم ہے اور آئندہ کے لیے اس پر لازم ہے کہ امور شرعیہ میں بغیر تحقیق کے فتویٰ نہ دے اور بہتر یہ ہے کہ اپنی تحقیق کے بجائے قریب والے دینی مدرسوں سے مسئلے معلوم کرے اور پھر عوام الناس میں اس کی اشاعت کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

بچے کا کنویں میں پیشاب کر دینا

«س»

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً دس بارہ سال ہے۔ نے کنویں میں پیشاب کر دیا ہے اس کنویں سے کتنا پانی نکالنا ضروری ہے جس سے کنواں پاک ہو جائے۔

---

(۱) كذا في الدر المختار: وما عجن به فيطعم للكلاب، فصل في البئر، ج ۱ ص ۲۱۰، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
كذا في رد المحتار: وقالا من وقت العلم فلا يلزمهم شيء قبله قيل وبه يفتى، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱ ص ۲۲۰، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وهكذا في البحر الرائق: وما قاله أبو حنيفة احتياطاً في أمر العبادة، وما قالاه عمل باليقين ورفق بالناس وفي تصحيح الشيخ قاسم رحمه الله وفي الفتاوى المختار قولهما، كتاب الطهارة ج ص ۲۲۰، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

(۲) عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها احدهما، باب من اكفر أخاه بغير تأويل فهو كما قال، بخاري، ج ۲ ص ۹۰۱، طبع قديمي كتب خانه آرام باغ كراچي۔
وهكذا في فتح الملهم: شرح الصحيح المسلم، كتاب الإيمان، باب قول الرجل لأخيه المسلم يا كافر، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع مكتبه دار العلوم كراچي۔
وهكذا في البحر الرائق: كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۰۷، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

جواب

لڑکے کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے اور نجاست غلیظہ کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کنویں کا سارا پانی نکال لیا جائے تب کنواں پاک ہو جائے گا۔ اگر کنواں چشمہ دار ہے اس کا سارا پانی نہیں نکالا جا سکتا تب اس کنویں کے اندر موجود پانی کا اندازہ کر لیا جائے اس طریقے سے کہ کنویں کا سارا پانی ناپ لیا جائے اس کے بعد جلدی جلدی تیس چالیس ڈول نکالے جائیں اور پھر ناپ لیا جائے جتنا پانی ان چالیس ڈول سے کم ہوا اس حساب کے ساتھ کنویں کے ساتھ پانی کا اندازہ لگا لیا جائے اسی قدر پانی نکال لیا جائے تب کنواں پاک ہو جائے گا۔ یا چند سمجھدار آدمی کنویں کے موجود پانی کا اندازہ لگائیں اور اسی مقدار کا پانی نکال دیا جائے تب پاک ہو جائے گا۔(۱)

كما قال في عالمگيرية (ص ۱۹ ج ۱ مطبوعه مكتبه ماجديه كوئته) اذا وقعت في البئر نجاسة نزحت وكان نزح ما فيها من الماء طهارة لها باجماع السلف كذا في الهداية وفيها ايضا ص ۴۶ ج ۱ كل ما يخرج من بدن الانسان مما يوجب خروجه الوضوء او الغسل فهو مغلظ كالغائط والبول والمني والمذي والودي والقيح والصديد والقيء اذا ملأ الفم كذا في البحر الرائق وكذا دم الحيض والنفاس والاستحاضة هكذا في السراج الوهاج وكذلك بول الصغير والصغيرة اكلا او لا كذا في الاختيار شرح المختار وفيها ايضا ص ۱۹ ج ۱۔(۲) والاصح ان يؤخذ بقول رجلين لهما بصارة في امر الماء فاي مقدار قالا انه في البئر يخرج ذلك القدر وهو اشبه بالفقه كذا في الكافي وشرح المبسوط لامام السرخسي والتبيين۔(۳)

فقط واللہ اعلم

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ

---

(۱) كما قال في الهندية: كل ما يخرج من بدن الانسان مما يوجب الوضوء او الغسل فهو مغلظ كالبول والغائط ... كتاب الطهارة، فصل في الاعيان النجسة، ج ۱ ص ۴۶، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

(۲) هندية: كتاب الطهارة، فصل في الآبار، ج ۱ ص ۱۹، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

هداية كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱ ص ۴۰، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

(۳) الاختيار لتعليل المختار، فصل في كيفية تطهير ... ج ۱ ص ۲۵، طبع مكتبه حقانيه پشاور۔

کنویں میں تین چڑیوں کا گر کر گم ہو جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت مسئلہ میں کہ ایک کنویں میں تین چڑیاں گر کر گم ہوگئی ہیں باوجود تلاش کرنے کے ان کا نام ونشان نہیں ملتا تو شریعت مطہرہ میں کنویں کو کس طرح پاک کیا جائے
بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر چڑیا کنویں میں مرنے کے بعد لاپتہ ہوگئی ہے تو عند الشریعت کنویں کو چڑیا کے گل کر کالعدم ہونے تک معطل رکھا جائے شریعت مطہرہ کی رو سے اس کی مقدار شش ماہ بھی ہے بعد میعاد مذکورہ کے کنواں پاک کرنے سے پاک ہوگا کذافی فتاوی عزیزی جلد اول در چاہ ہرگاہ کنجشک افتادہ باشد اگر پاک ساختہ شد و اگر چہ پاک ساختہ و بعد وقت قیاس آب اورا ناپاک نہ گفتہ و کنجشک را فتوی واخراج او متعذر است تا در میان مدت پاک نشود مطابق آن ست کہ چاہ را معطل سازند تا آنکہ گل شدہ باشد و بعضے جہت تقدیر شش ماہ ذکر کردہ اند۔

فقط حررہ شیخ نعیم الدین مدنی خطیب مرکزی جامع مسجد شجاع آباد

الجواب صحیح ہے لیکن جب اس وقت کہ یہ محقق ہو کہ چڑیاں کنویں(۱) میں گر چکی ہیں اور نکالی نہیں گئیں تو واضح رہے کہ اس صورت میں میت نجس موجود ہوتے ہوئے پانی قطعاً پاک نہیں ہو سکتا جب تک مدت گزر جائے کہ ان چڑیوں کا گوشت و پوست مٹی بن جاوے اور حقیقت میں انقلاب آ جائے پھر موجود پانی نکال دیا جائے اور کنویں کو استعمال کریں۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۹ محرم ۱۳۷۷ھ

مرغے کا کنویں میں گر کر مر جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنویں میں دو مرغ مر گئے ہیں ایک کو نکال لیا اور دوسرا گل سڑ کر پانی کے ساتھ حل ہو گیا ہوئے شرعاً اس کنویں کے پاک کرنے کا طریق تحریر فرمائیں۔

---

(۱) كذا في رد المحتار: لو وقع عصفور فيها فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحال وصار حمأة وقيل: مدة ستة أشهر، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ص ۲۰۷ تا ۲۰۹، ج ۱، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه، وهكذا في البحر الرائق: كتاب الطهارة، ج ۱، ص ۲۴۳، طبع رشيديه كوئٹه۔

﴿ج﴾

اگر مرغی کا گوشت پوست وغیرہ گل کر مٹی بن چکا ہے اگرچہ ہڈی نہ بھی گلی ہو تو اس کا پانی اگر ممکن ہو تو مکمل صاف کریں ورنہ صرف دو سو سے تین سو ڈول تک نکال کر پانی کو استعمال کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ پانی میں بدبو کا اثر ظاہر نہ ہو، ورنہ اس وقت تک نکالنا ہوگا کہ بدبو کا اثر بالکل زائل ہو جائے[1]۔ واللہ اعلم

محررہ عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر۔ [illegible]

تیمم کے احکام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ چلتی گاڑی میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ آیا بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے اور اگر گاڑی میں پانی نہ مل سکے اور اسٹیشن پر پہنچنے تک نماز کے قضا ہونے کا خوف ہو تو آیا تیمم کرنا جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ گاڑی میں کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھنا ضروری ہے[1] ہاں اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر گاڑی میں نماز نہ پڑھ سکے اور اسٹیشن پر اتر کر نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو ایسی صورت میں بوجہ عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے[2] ہاں اگر پانی ایک میل دور ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے[3] اور اگر میل سے کم فاصلے پر پانی ہو اور نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور پھر اس کا اعادہ کرے[4]۔

---

۱) حوالہ جات کے لیے مندرجہ بالا سوال کے حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

۲) كذا في رد المحتار: (من فرائضها) التي لا تصح بدونها (التحريمة ..... (ومنها القيام) ..... كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة، ج ۲ ص ۱۲۸ تا ۱۳۲، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وهكذا في الهندية: (ومنها القيام) وهو فرض في صلاة الفرض والوتر، كتاب الصلوة، باب الرابع في صفة الصلاة ج ۱ ص ۶۹، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

وهكذا في رد المحتار: من تعذر عليه القيام لمرض حقيقي وحده أن يلحقه بالقيام ضرر به يفتى ..... أو حكمي بأن خاف زيادته ..... أو دوران رأسه أو وجد لقيامه ألما شديداً ..... صلى قاعداً، كتاب الصلاة، باب الصلوة المريض، ج ۲ ص ۶۸۱، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه

هكذا في البحر الرائق: (كتاب الصلوة، باب الصلوة المريض ص ۱۹۸، ج ۲، طبع مكتبه رشيديه، كوئٹه

هكذا في رد المحتار: من عجز عن استعمال الماء لبعده ..... ميلاً ..... تيمم لهذه الأعذار كلها، كتاب الطهارة، باب التيمم، ج ۱ ص ۳۹۶، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

كذا في رد المحتار: قال الحلبي فالأحوط أن يتيمم في الوقت ثم يتوضأ ويعيد، كتاب الطهارة، باب التيمم، ص ۲۴۳، سعيدي كتب خانه كوئٹه۔

مسجد اور گھر کی دیوار پر تیمم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا مسجد کی دیوار پر اور گھر کی دیوار کے ساتھ تیمم جائز ہے یا نہیں؟ یہاں بعض کہتے ہیں کہ مسجد ان دیواروں کے ساتھ تیمم جائز نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

تیمم ہر طاہر چیز سے جائز ہے جو کہ جنس زمین سے ہو، چاہے مسجد کی دیوار طاہر جنس ارض سے ہو یا گھر کی یا اس کے علاوہ ہو۔ لما في الهندية بالتفسير ص ٢٦ ج ١ (ومنها[1] الصعيد الطيب) يتيمم بطاهر من جنس الارض كذا في التبيين الى ان قيل فيه فيجوز التيمم بالتراب والرمل والسبخة والمنعقدة من الارض دون الماء والجص والنورة والكحل والزرنيخ والمغرة والكبريت والفيروزج والعقيق والبلخش والزمرد والزبرجد كذا في البحر الرائق بالياقوت والمرجان كذا في التبيين وبالآجر المشوي وهو الصحيح كذا في البحر الرائق وهو ظاهر الرواية كذا في التبيين الخ لیکن چونکہ تیمم نجاست حکمی کے زوال کا سبب بنتی ہے، اس لیے مسجد کے آداب کے خلاف ہے اور مکروہ ہے[2]۔
الجواب صحیح محمد عطاء اللہ عنہ

موزوں پر مسح کے احکام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی ہر کپڑے کے جرابوں پر مسح کر کے نماز پڑھتا ہے کیا اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ میں نے دیکھا ہے کہ حدیث شریف میں جراب کا لفظ ہے۔

---

۱) وهكذا في حلبي كبير: وحسنئذ فالاحتياط ان يصلي بالتيمم في الوقت ثم يتوضأ و يعيد (كتاب الطهارت فصل في التيمم ص ۱۲، سعيدي كتب خانه، كوئٹه
۲) كذا في الهندية: كتاب الطهارة، فصل الباب الرابع في التيمم، ج ۱ ص ۲٦، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔ وهكذا في الهداية: ويجوز التيمم عند ابي حنيفة ومحمد بكل ما كان من جنس الأرض كالتراب والرمل والحجر والجص والنورة والكحل والزرنيخ، كتاب الطهارة، باب التيمم، ص ۵۰ ج ۱، طبع رحمانيه لاهور۔ هكذا في المنية الكبير كتاب الطهارة باب التيمم ص ۷٦، طبع سعيدي كتب خانه كوئٹه۔ وهكذا في البزازية: ويكره مسح الرجل من طين والردغة باسطوانة المسجد أو بحائطه، كتاب الطهارة، فصل في المسجد ج ۱ ص ۶۵، طبع علوم اسلاميه چمن۔

۱۔ جراب پر مسح جائز ہے یا نہیں۔

۲۔ کسی نے سفر کی نیت کی اور نماز کا وقت گھر پر ہو گیا لیکن کسی وجہ سے ادا نہ کی اب گھر سے کتنی دور نکلنے پر سفر والی نماز ادا کرے۔

﴿ج﴾

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے موزوں پر مسح فرمایا ہے اگر جرابیں سوتی یا اونی ہوں تو ان پر مسح کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ ایسے گاڑھے ہوں کہ ساق پر بلا گرہ وغیرہ کے ثابت اور قائم رہیں اور تین میل کا سفر تنہا ان میں ہو سکے۔ یا وہ جرابیں مجلد و منعل ہوں۔ منعل وہ ہیں کہ نیچے چمڑا لگا ہوا اور مجلد وہ ہیں کہ اس کے تمام پر چمڑا چڑھایا گیا ہو اور مختار یہی ہے۔ (علی ظاہر[1] خفیه او جرموقیه او جوربیه) ولو من غزل او شعر الثخینین بحیث یمشی فرسخا و یثبت علی الساق بنفسه و لا یری ما تحته و لا یشف الخ و المنعلین و المجلدین۔ اس عبارت کا حاصل وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

۲۔ اگر اپنی بستی کی آبادی سے[2] باہر نکل گیا ہے تو پھر قصر کرے گا قصر اس وقت جائز ہوگا جبکہ اڑتالیس[3] میل دور اپنے گھر سے جانے کا ارادہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

---

۱) کذا فی رد المحتار: کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، ج ۱ ص ۴۹۶، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
کذا فی البحر الرائق: قوله والجورب المجلد المنعل والثخین، أی یجوز المسح علی الجورب اذا کان مجلداً أو منعلاً أو ثخیناً ..... والثخین أن یقوم علی الساق من غیر شد ولا یسقط ولا یشف وفی التبیین ولا یری ما تحته، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، ج ۱ ص ۱۸۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) کذا فی رد المحتار: من خرج من عمارة موضع اقامته من جانب خروجه وان لم یجاوز من الجانب الآخر، کتاب الصلاة، باب المسافر، ج ۱ ص ۷۲۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
کذا فی الهندیة: ثم المعتبر المجاوزة من الجانب الذی خرج منه حتی لو جاوز عمران المصر قصر، کتاب الصلوة، باب المسافر، ج ۱ ص ۱۳۹، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ چمن۔
وهکذا فی البحر الرائق: کتاب الصلوة، باب الصلوة المسافر، ج ۲ ص ۱۲۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) کذا فی الهدایة: السفر الذی یتغیر به الاحکام أن یقصد مسیرة ثلاثة ایام ولیالیها، کتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، طبع مکتبہ رحمانیہ لاهور۔
هکذا فی الهندیة: واقل مسافة تتغیر فیها الاحکام مسیرة ثلاثة ایام کذا فی التبیین، کتاب الصلوة باب الصلوة المسافر، ج ۱ ص ۱۲۱، طبع علوم اسلامیہ چمن۔
هکذا فی البحر الرائق: من جاوز بیوت مصره مریداً سیراً وسطاً ثلاثة ایام فی بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباعی، کتاب الصلوة، باب الصلوة المسافر، ج ۲ ص ۲۲۹، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

حالت حیض میں بچوں کو پڑھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

۱۔ عورت بحالت حیض ونفاس کتب فقہ و حدیث و تفسیر جو اردو میں ہوں ان کا مطالعہ کر سکتی ہے یا نہ۔

۲۔ اس حالت میں اگر بچیوں کو سبق پڑھانا چاہے تو کیا جائز ہے کتاب کو ہاتھ لگا سکتی ہے یا کوئی اور صورت اس میں ہو۔

﴿ج﴾

۱۔ مطالعہ کر سکتی ہے[1]۔

۲۔ اگرچہ مستحب یہ ہے کہ ہاتھ نہ[2] لگائے لیکن بوجہ ضرورت کے ہاتھ بھی لگا سکتی ہے، حائضہ جنبی اور محدث تینوں قرآن وغیرہ میں برابر ہیں فرق فقط قراءت میں ہے وفی الخلاصۃ یکرہ مس کتب الأحادیث والفقہ للمحدث عندهما وعند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ الاصح انہ لایکرہ (الی قال بعدہ) والمستحب ان لایاخذ کتب الشریعۃ بکم ایضا بل یجدد الوضوء کلما احدث الخ بحر الرائق ص ۲۰۲۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴۲۵ھ

حیض اور استحاضہ کا تعین

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو ۴۸ دن حیض کا خون آتے ہوئے ہو گئے ہیں جس کی عادت سات دن سات رات کی تھی اب ۴۸ دن حیض کا خون جاری ہو رہا ہے اس ۴۰ یوم کسی وقت معمولی خون آیا اور کسی وقت خون تیز آیا اور اب ۱۸ یوم برابر خون دن رات جاری ہے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اس عورت کو نماز کے بابت کیا حکم ہے۔

---

۱) وایضاً فی حاشیۃ الطحطاوی: باب الحیض، ج ۱ ص ۱۴۳، طبع رحمانیہ لاہور۔

۲) ایضاً فی الهدایۃ (کتاب الطہارت باب الحیض) ص ۶۸، ج ۱، طبع رحمانیہ لاہور

۲۔ نماز ترک کرنے اور [illegible] کے لیے کیا حکم ہے۔

۳۔ نماز ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے۔

۴۔ یہ خون حیض ہے یا استحاضہ۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اس کی سابق عادت قدیمہ سات روز حیض اور باقی ایام کو استحاضہ سمجھنا چاہیے اور ایام استحاضہ میں نماز پڑھنا ضروری ہے[۱] اب اگر خون ایسا جاری ہے کہ اگر وہ کپڑے کو دھو لے تو خیال[۲] ہے کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے پھر نجس ہو جائے گا تو دھونے کی ضرورت نہیں۔ وہ اس طرح ایک وقت میں تمام فرض و واجب نفل پڑھ سکتی ہے دوسرے[۳] وقت کے لیے کپڑے کا دھونا اور دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے۔ بحالت استحاضہ میں مرد کو اس سے صحبت وغیرہ کرنا درست ہے۔ بہر حال یہ کہ ہر مہینہ میں ایام عادت حیض اور باقی استحاضہ ہوگا جس میں نماز روزہ صحبت وغیرہ جائز ہیں۔ فی عالمگیریہ **فان لم یجاوز العشرۃ فالطهر والدم کلاهما حیض سواء کانت معتادة او غیر معتادة وان جاوز العشرة ففي المبتدئة حیضها عشرة ایام وفي المعتادة معروفتها في الحیض حیض وفي الطهر طهر وفي الدر المختار مع شرحه رد المحتار واکثره عشرة بعشرة لیال والناقص والزائد استحاضة لاعند نصب عادة الدم الخ. فقط والله تعالى اعلم**

حررہ محمد انور شاہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۹ ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ

---

(۱) كذا في رد المحتار: ولا بأس لحائض وجنب بقراءة أدعية ومسها وحملها وذكر الله تعالى وتسبيح. كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۴۳۶، مكتبة رشيدية كوئته۔
وأيضاً في الهندية: كتاب الطهارة، فصل في أحكام الحيض، ج ۱ ص ۳۸، طبع رشيدية كوئته۔
وأيضاً في حاشية الطحطاوي: باب الحيض، ص ۱۴۲، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت۔

(۲) البحر الرائق باب الحيض، ج ۱ ص ۳۵۰، طبع مكتبة رشيدية كوئته۔
وهكذا في الهندية: وليس بهما بذكر الله تعالى سوى القرآن قد اطلقه عامة المشايخ هكذا في النهاية. كتاب الطهارة، فصل احكام الحيض، ج ۱ ص ۳۹، طبع مكتبة رشيدية كوئته۔
وكذا في رد المحتار: ولا بأس لحائض ... بقراءة أدعية ومسها ... كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۴۳۶، مكتبة رشيدية كوئته

(۳) كذا في الهداية: ولو زاد الدم على عشرة أيام ولها عادة معروفة دونها ردت إلى أيام عادتها والذي زاد استحاضة، باب الحيض، ج ۱ ص ۶۵، مكتبة رحمانية لاهور۔ وأيضاً في مراقي الفلاح: باب الحيض، ص ۱۴۱، طبع دار الكتب العلمية بيروت۔ وأيضاً في التاتارخانية: كتاب الطهارة، باب أحكام الحيض، ج ۱ ص ۴۰۲، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

حیض کی عادت بدل جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو ابتداء مہینہ میں سات دن حیض آتا تھا اور باقی مہینہ طہر ہوتا تھا یہ عادت تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہی اس کے بعد اس کی یہ عادت ختم ہوگئی اور اس کا کبھی مہینہ میں دو تین دن خون بند ہو جاتا تھا اور کبھی نہیں ہوتا تھا اور کسی وقت اس کا پورا ایک مہینہ خون جاری ہوتا تھا اور کسی وقت دو تین مہینے مسلسل خون جاری رہتا تھا یہ حالت تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہی اس کے بعد ایک سال تک خون بالکل بند تھا لیکن سال کے آخر میں صرف دس دن خون جاری ہو کر بند ہو گیا اس کے بعد پھر چھ سال تک خون بالکل بند تھا چھ سال کے بعد پھر چار مہینے مسلسل خون جاری رہا اور اب اس کی یہ حالت ہے کہ کبھی خون تین دن آتا ہے اور ایک دن نہیں آتا گویا مختلف حالات ہیں اب جواب طلب امر یہ ہے کہ اس کا طہر کتنے دن شمار کیا جائے گا اور حیض کتنے دن ہوگا اور اس کے وضو کرنے کے لیے کون سا وقت اور کیا صورت ہوگی اور کون سے دنوں میں وہ نماز پڑھے گی اور کون سے دنوں میں نہیں پڑھے گی نیز ایسی عورت کے ساتھ صحبت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جب ایک سال خون بند رہنے کے بعد سال کے آخر میں دس دن خون جاری ہو کر بند ہو گیا تو اب یہ عورت معتادہ بن گئی۔ کما فی الدر المختار[1] مع شرحه رد المحتار ص ۲۲۰ ج ۱[2] وهي (ان العادة) تثبت و تنتقل بمرة به يفتى وفي الشامية (قوله وهي تثبت و تنتقل بمرة)

---

۱) كذا في الدر المختار: ودم استحاضة حكمه كرعاف دائم —— يمنع صوماً وصلاةً —— وجماعاً، كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۵۴۴، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وايضاً في الهندية: كتاب الطهارة، فصل احكام الحيض، ج ۱ ص ۳۹، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في رد المحتار: وان سال على ثوبه فوق الدرهم جاز له أن لا يغسل ان كان لو غسله تنجس قبل الفراغ منها والا يتنجس قبل فراغه فلا يجوز ترك غسله، كتاب الطهارة، فصل احكام المعذور ص ۵۵۶، مكتبه رشيديه كوئٹه وايضاً في البحر الرائق: ج ۱ ص ۳۷۴، باب الحيض، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) كذا في رد المحتار: صاحب العذر ..... او استحاضة ..... وحكمه الوضوء لا غسل ثوبه ونحوه لكل فرض ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً فدخل الواجب بالأولى فإذا خرج الوقت بطل، كتاب الطهارة باب الحيض، ج ۱ ص ۵۵۳، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وهكذا في البحر الرائق: كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۴۰، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وايضاً في الهندية: كتاب الطهارة، فصل احكام الحيض، ج ۱ ص ۴۰، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ كذا في الهندية، كتاب الطهارة، فصل احكام الحيض، ج ۱ ص ۳۷، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وايضاً في رد المحتار: واكثره عشر بعشره —— كتاب الصلوة، باب الحيض، ج ۱ ص ۵۲۲، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

اشار الى ان مدة ثلثه تاما بعد الطهر التام يصير عادة لها وهذا مثال الانتقال مرة الخ جب
جب چوتھی مرتبہ کے بعد پھر چار مہینے مسلسل خون جاری رہا اور چار مہینے کے بعد بھی دس دن کے بعد خون
جاری رہا تو ہمیشہ یہ وقت پندرہ دن سے کم ہے تو یہ عورت معتادہ و متحیرہ کے حکم میں ہو جائے گی اس کے لیے حکم یہ ہے کہ سال
کے آخری مہینے کے جن دنوں میں خون جاری ہوا تھا وہ دس دن حیض اور اس کے بعد دو مہینے طہر پھر دس
دن حیض اور اس کے بعد دو مہینے طہر شمار ہوگا۔

(كما في الدر المختار ص ٢٠٨ ج ١) واقل[1] الطهر) خمسة عشر يوما ولياليها
اجماعا (ولا حد لاكثره) وان استغرق العمر (الا عند) الاحتياج الى (نصب عادة لها اذا
استمر) بها (الدم) فيحتاج لاجل العدة بشهرين به يفتى. وعم كلامه المبتدأة والمعتادة ومن
نسيت عادتها وتسمى المحيرة والمضلة الخ قال في الشامية (قوله يفتى) مقابله اقوال ففي
النهاية عن المحيط مبتدأة رأت عشرة دما وستة طهرا ثم استمر بها الدم قال ابو عصمة
حيضها وطهرها ما رأت حتى ان عدتها تنقضي اذا طلقت بثلاث سنين وثلاثين يوما وقال
الامام الميداني بتسعة عشر شهرا الا ثلاث ساعات لجواز وقوع الطلاق في حالة الحيض
فتحتاج لثلاثة اطهار كل طهر ستة اشهر الا ساعة وكل حيضة عشرة ايام (الى قوله)
والحاكم الشهيد قدره بشهرين والفتوى عليه لانه ايسر اه قلت وفي السراجية ان قول
الميداني عليه الاكثر وفي التاتارخانية هو المختار ثم لا يخفى ان هذا الخلاف انما هو في
المعتادة لا مطلقا بل في صورة ما اذا كان طهرها ستة اشهر فاكثر ولا في المبتدأة التي
استمر بها الدم واحتيج الى نصب عادة لها فانه لا اختلاف فيها كما يأتي خلافا لما يفيده كلام
الشارح وايضا في الشامية تحت (قوله وعم كلامه المبتدأة الخ) وان وقع في المعتادة
فطهرها وحيضها ما اعتادت في جميع الاحكام الخ وايضا في الشامية تحت (قوله
وتنقضي العدة للطلاق بسبعة اشهر على المفتى به) اي على القول السابق المفتى به من انه يقدر

---

(١) وكذا في الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ١ ص ٢٨٥، مكتبه رشيديه كوئٹه
وكذا في البحر الرائق. واقل الطهر خمسة عشر يوما بإجماع الصحابة رضي الله عنهم ... ولا حد
لاكثره الا عند نصب العادة في زمن الاستمرار لأنه قد يمتد الى سنة والى سنتين ... فاذا بلغت برؤية
عشرة مثلا دما وستة طهرا ثم استمر بها فقال ابو عصمة والقاضي ... حيضها ما رأت وطهرها ما رأت.
كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ١ ص ٢٣٦، مكتبه رشيديه كوئٹه

طهرها للمعتدة بشهرين فتنقضي بسبعة اشهر لاحتياجها الى ثلاثة اطهر بستة اشهر وثلاث حيضات بشهر وكتب الشارح في هامش الخزائن ما نصه قوله وعليه الفتوى كما في النهاية والعناية والكفاية وفتح القدير واختاره في البحر وجزم به في النهر[1] الخ. والله اعلم.

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۱۹ صفر ۱۳۸۹ھ

---

(۱) كذا في الدر المختار: كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۲۸۵، مكتبه رشيديه كوئٹہ۔
وكذا في الهندية، السادس العادة يكون بمرة، كتاب الطهارة فصل في أحكام الحيض، ج ۱ ص ۳۹، مكتبه رشيديه كوئٹہ۔

کتاب المساجد

احکامِ مساجد

آدابِ مسجد

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد کے سامنے بیٹھ کر گانا بجانا مسجد کی اور شعائر اسلام کی توہین ہے یا نہیں نیز مسجد کے دروازے سے تین گز کے فاصلے پر عین اسی وقت جب نماز باجماعت ہو رہی ہو مسلمانوں کے ایک گروہ کا کھلے عام نماز پڑھنے کے بجائے مسرت میں مشغول رہنا نماز کی توہین ہے یا نہیں۔ نیز مبادکہ یہاں ایک مسجد کے سامنے ایک ذمہ دار افسر نے عین نماز مغرب کے وقت، ڈیکوراس کی بلڈنگ کے سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب منعقد کی نیز اکثر مدعوین کے ساتھ کھانے پینے میں مصروف رہے اور بیٹھ کر گانا بجایا گیا۔

﴿الجواب﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ گانا بجانا مطلقاً اور مسجد کے قریب خصوصاً فی نفسہ[1] امر منکر ہے۔ واجب الانسداد ہے[2]۔ جزو اول کی دلیل نصوص عامہ ہیں۔ اور جزو ثانی کی دلیل یہ آیت ہے۔ وما کان صلاتهم عند البيت الا مكاء وتصدية [3]. الآية (انفال) في روح المعاني مكاء اى صفيرا و تصدية اى تصفيقا وهو ضرب اليد باليد بحيث يسمع له صوت يروى انهم كانوا اذا اراد النبي صلى الله عليه وسلم ان يصلي يخلطون عليه بالصفير والتصفيق الى قوله والمأثور عن ابن عباس وجمع من السلف ماذكرنا الخ ملخصا[4] اور ظاہر ہے کہ تصفیق بجانا اور

---

۱) لما في الهداية: ان الملاهي كلها حرام حتى التغني بضرب القضيب وكذا قول ابي حنيفة كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، ج ٤ ص ٤٥٦، مكتبه رحمانيه لاهور۔
هكذا في الدر المختار. كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ج ٩ ص ٥٦١، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
هكذا في الهندية: باب ١٧ في الغناء واللهو، ج ٦ ص ٤٥١، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
۲) من رأى منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه، مسلم شريف كتاب النهي عن المنكر، ج ١ ص ٥١، مكتبه قديمي كتب خانه كراچي۔
۳) آیت مبارکہ، سورۃ الانفال، ۳۵۔
۴) روح المعاني، ج ٩ ص ٢٩٧، مكتبه بيروت لبنان۔
هكذا في تفسير ابن كثير: ج ٩ ص ٦٠٤، الرياض۔

مسجد کی دیوار سے متصل بیت الخلاء کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ مسجد کی حدود سے باہر ہے لیکن مسجد کی دیوار سے متصل ہے کیا اس جگہ بیت الخلاء بنانا جائز ہے یا کہ نہیں۔ اور اتنی جگہ بھی زیادہ فراخ نہیں جو کہ دوسری جگہ پاہٹ کر بنایا جائے دیوار مغرب کی طرف ہے۔

﴿ج﴾

مسجد کی حدود کے باہر کی دیوار سے متصل بیت الخلاء بنانا جائز ہے۔ اس میں مسجد کی کوئی بے حرمتی نہیں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان۔ ۳/۱۲/۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح بشرطیکہ بیت الخلاء کی بدبو مسجد میں پہنچ کر نمازیوں کے لیے تکلیف دہ نہ ہو[2]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۳/۱۲/۱۳۹۷ھ

مسجد میں سونا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کن کن صورتوں میں سو سکتا ہے۔ مثلاً مسافر یا غیر مسافر مریض یا تندرست یا معتکف وغیرہ۔

---

۱) لما في البحر الرائق: وكره الوطء فوق المسجد وكذا البول والتغوط لأن سطح المسجد له حكم المسجد، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، ج۲ ص ۶۰، مكتبه رشيديه سركي روڈ كوئٹه۔

۲) لما في الحلبي: يجب أن تصان عن ادخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: من أكل الثوم والبصل والكراث فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم متفق عليه، أحكام المسجد، ص ۶۱۰، مكتبه سعيدى كتب خانه كانسي روڈ كوئٹه۔

لما في الدر المختار: للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم ..... قلت علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولا أو غيره، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد، ج ۲ ص ۵۲۵، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

لما في أبوداود: عن عائشة رضي الله عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد في الدور وأن تنظف وتطيب، باب اتخاذ المساجد، ج ۱ ص ۷۸، مكتبه رحمانيه لاهور

﴿ج﴾

وفی الدر المختار و ... کل و نوم الا لمعتکف وغریب . وفی رد المحتار (قولہ واکل و نوم) واذا اراد ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالی بقدر مانوی او یصلی ثم یفعل مایشاء [۱] ص ۶۸۹ ج ۱ اس سے معلوم ہوا کہ بجز معتکف یا مسافر کے اوروں کو مسجد میں سونا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی کو وقت ضرورت ہو تو یہ حیلہ کرے کہ مسجد میں تھوڑی دیر کے اعتکاف کی نیت کرے اور پھر اس میں داخل ہو اور تھوڑا وقت عبادت و ذکر میں صرف کرے پھر وہاں سو رہے اور پھر کو اٹھ کر نماز پڑھے اور مسجد سے باہر آجائے [۲]۔ فقط واللہ تعالی اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ رجب ۱۳۹۰ھ

مسجد کے چراغوں میں مٹی کے تیل کا استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مساجد میں جو مٹی کا تیل استعمال ہوتا ہے۔ لیمپ اور گیس جلائے جاتے ہیں جائز ہیں یا نہیں اگر اس کے بجائے سرسوں کے تیل کا چراغ جلایا جائے تو بہتر ہے یا نہیں۔

زید کہتا ہے کہ مسجد میں مٹی کے تیل کا چراغ جلانا جائز نہیں۔ اس کے بجائے سرسوں کے تیل کا چراغ ہو تو جائز اور بہتر ہے۔ لیکن عمر کہتا ہے کہ سرسوں کے تیل سے صفائی ٹھیک نہیں رہتی البتہ مٹی کے تیل کا چراغ یا لیمپ جلایا جائے تو اس سے مسجد کی صفائی رہتی ہے۔ لہذا مسجد میں مٹی کا تیل جلانا بہتر ہے۔ تو ان دونوں میں کس کی بات درست ہے۔ بینوا توجروا۔

---

۱) کما فی الدر المختار، کتاب الصلوۃ مطلب فی احکام المسجد، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) کما فی الہندیۃ: ویکرہ النوم والاکل فیہ لغیر المعتکف واذا اراد ان یفعل ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیہ ویذکر اللہ تعالی بقدر ما نوی أو یصلی ثم یفعل ما شاء کذا فی السراجیۃ، کتاب الکراہیۃ، باب خامس ج ۵ ص ۳۲۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

﴿ج﴾

زید کا کہنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔۔ ۱۱ ۹ ۱ ھ

مسجد کی دکان حجام کو کرایہ پر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی دکان حجام کو کرایہ پر دینا جس میں وہ بیٹھ کر لوگوں کی داڑھیاں مونڈے گا، شرعاً جائز ہے یا نہیں اور دوسری دکانوں کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

جائز ہے لیکن احتیاط کے خلاف ہے۔ درمختار ص ۲۲۲ ج ۵ میں ہے (و جاز اجارة بيت بسواد الكوفة) لا بغيرها على الاصح (ليتخذ بيت نار او كنيسة او بيعة) الخ. وقال الشامي تحت هذا القول لان الاجارة على منفعة البيت ولهذا يجب الاجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه وانما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه.(۲) الخ.

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد میں عرس منانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد میں مروجہ عرس منانا شرعاً درست ہے یا نہیں۔

---

(۱) لما في مسلم شريف: من اكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا ... باب المساجد، ج ۱ ص ۲۰۹، مكتبه قديمي كتب خانه كراچي۔
لما في الدر المختار: للحديث الصحيح في النهي ... ويلحق به ما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولا أو غيره، كتاب الصلوة مطلب في الغرس في المسجد، ج ۱ ص ۶۲۵، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

(۲) لما في الدر المختار: كتاب الحظر والاباحة فصل في البيع، ج ۵ ص ۵۲۵، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
لما في الهندية: واذا استأجر الذمي من المسلم دارا يسكنها فلا بأس بذلك وان شرب فيها الخمر او عبد فيها الصليب أو أدخل فيها الخنازير ولم يلحق المسلم في ذلك بأس لأن المسلم لا يؤاجرها لذلك انما آجرها للسكنى كذا في المحيط، الفصل الرابع في فساد الاجارة، ج ۴ ص ۴۵۰، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

﴿ج﴾

مروجہ عرس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ محض ایک رسم ہے۔ اس لیے اس کا ترک کرنا لازم ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۲۰۰۰/۲/۲۰ء

مسافر علماء کے لیے مسجد میں رہائش

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بیرونی اور مسافر علماء کے لیے مسجد کے اندر یا چھت پر سونا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

مسافر اور معتکف کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد میں رسومات ادا کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں ختم یا رسومات محرم میں سے کوئی رسم کرنا یا مسجد میں ان کی رسمی چیزوں کو رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہ۔ مسجد میں ان رسومات کے ادا کرنے میں مسجد کی حرمت رہتی ہے یا نہ۔

السائل حافظ محمد رفیع ظفر پٹھان کچہری روڈ ملتان

---

(۱) ولا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السراج والمساجد إليها ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونه عرساً. (التفسير المظهري، ج ۲ ص ٦٥، بلوچستان بکڈپو۔) وفي در مختار: واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو بالإجماع باطل وحرام، ج ۲ ص ٤٩٦، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

هكذا في الهندية: الباب السادس عشر في زيارة القبور ج ٥ ص ٣٥١، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

هكذا في البحر الرائق: ج ۲ ص ٥٢٠-٥٢١، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

(۲) الدر المختار: ويأكل وينام إلا المعتكف وغريب .... كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد، ج ۲ ص ٤٢٥، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

هكذا في الهندية: كتاب الكراهية، باب نمبر ٥ ج ٥ ص ٣٢١، آداب مسجد، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

هكذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الاعتكاف، ج ٢ ص ٥٣٠، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

یہ ضرورت متحقق نہیں۔ اس وجہ سے چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ عالمگیریہ ج ۵ ص ۳۵۶ باب آداب المسجد میں ہے۔ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ. لهذا اذا اشتد الحریکره ان یصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لایکره الصعود علی سطحه للضرورة کذا فی الغرائب[1]

(۲) پہلی صف میں جگہ چھوڑ کر پچھلی صف میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس صورت میں خصوصاً امام کے پیچھے خالی جگہ بغیر ضرورت شدیدہ کے چھوڑنا اور بھی قبیح ہے اور کراہت بڑھے گی اور یہ دوسرا مکروہ پہلے ایک مکروہ فعل کے اختیار کرنے سے (یعنی چھت پر نماز پڑھنا بلا ضرورت مذکورہ کے) پیدا ہو گیا لہٰذا امام و مقتدیوں کو شرعاً لازم ہے کہ چھت پر نماز پڑھنا ترک کر دیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے محراب کے آگے امام کا سونا

س

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ امام مسجد محراب کے آگے والی جگہ پر چارپائی پر سو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

ج

چارپائی ڈال کر سو سکتا ہے۔ بلکہ عند الضرورت مسجد میں بھی سونا جائز ہے[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) یکره للمقتدی أن یقوم خلف الصف وحده الا اذا لم یجد فی الصف فرجة، فصل فی کراهیة الصلوة، ص ۳۶۲، سعیدی کتب خانه کراچی۔
لما فی الدر المختار: وأما کراهة الوطء بالأقدام فوق المسجد فإنه مختص بما اذا کان لغیر عذر واذا کان عذر فلا کراهة فی الصلوة فوقه ایضاً کتاب الصلوة، ص ۶۵۶، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔
۲) ولو صلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنه مکاناً کره کقیامه فی صف خلف صف فیه فرجة، ج ۱ ص ۶۵۶، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔
لما فی المسلم: عن انس بن مالك رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیه فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر باب تسویة الصفوف، ج ۱ ص ۱۸۲، مکتبه قدیمی کتب خانه کراچی۔ ولما قال ابن عابدین: وعلیه فلو وقف فی الصف الثانی داخلها قبل استکمال الصف الأول من خارجها یکون مکروهاً، رد المحتار کتاب الصلوة، مطلب فی جواز لایثار بالقرب، ج ۱۰ ص ۵۶۹، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔
۳) لما فی الدر المختار: وأکل ونوم لا للمعتکف وغریب، وفی رد المحتار: قوله أکل ونوم، واذا اراد ذلك ینبغی أن ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر الله تعالی بقدر مانوی أو یصلی ثم یفعل ما شاء، کتاب الصلوة، مطلب فی أحکام المسجد، ج ۱۰ ص ۴۸۹، مکتبه رشیدیه کوئٹه قدیمی۔
لما فی الهندیة: ولا بأس للغریب ولصاحب الدار أن ینام فی المسجد فی الصحیح من المذهب، کتاب الکراهیة، باب نمبر ۱۰۵، ادب مسجد، ج ۵ ص ۳۲۱، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
لما فی السنن ابن ماجة: عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا اعتکف طرح له فراشه أو یوضع له سریره وراء اسطوانة التوبة، ابواب ما جاء فی الصیام، باب فی المعتکف یلزم مکانا فی المسجد، ص ۱۲۷، قدیمی کتب خانه کراچی۔

امام کا مسجد کی چھت کو راستے کے طور پر استعمال کرنا

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کے متصل مسجد کی چھ دکانیں ہیں۔ جن کے اوپر ایک کمرہ اور اس کے سامنے صحن ہے۔ اور وہاں جانے کا راستہ مسجد کے اوپر کو ہے۔ جس جگہ پر نماز پڑھی جاتی ہے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس حالت میں کیا مسجد کا امام اپنے بال بچے رکھ سکتا ہے۔ اور امام بے حرمتی کر کے نماز پڑھنے والی جگہ سے گزر سکتا ہے۔ کیونکہ غسل خانہ نیچے ہے جب نہانے کی حاجت ہوتی ہے۔ ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنے والی جگہ کے اوپر کو آجا سکتا ہے۔ کیا بیت الخلاء جا سکتا ہے۔

﴿جواب﴾

ایسی جگہ کو بال بچوں کی رہائش کے لیے استعمال کرنا نامناسب ہے[1]۔ اسی طرح مسجد کی چھت کو راستے کے طور پر استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ لہٰذا امام موصوف کے لیے کسی کرایہ کے مکان کا انتظام کر لیا جائے تاکہ امام صاحب کو بھی تکلیف نہ ہو اور مسجد کے آداب بھی ملحوظ رہیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کا روشن دان بند کر دینا

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک مسجد کی دیوار کے ساتھ ایک آدمی کا گھر ہے۔ مسجد کی دیوار میں ہوا کے لیے روشن دان لگے ہوئے تھے اس شخص نے اپنی دیوار مسجد کی دیوار سے متصل کر کے اتنی اونچی کر دی کہ مسجد کے روشن دان بند ہو گئے۔ نیز اپنے مکان میں مسجد کی دیوار کے ساتھ اوپر چڑھنے کے لیے ایک زینہ ایسا بنایا ہے کہ اس زینہ کی ایک جانب کی دیوار بھی وہی مسجد کی دیوار ہے۔ جس کو زینہ چڑھنے کے ساتھ ساتھ بلند

---

(۱) في الدر المختار: وأما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع هكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ۶ ص ۴۴۸، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

(۲) قال في البحر الرائق: وكذا يكره أن يتخذ طريقاً، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۰، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وكذا في رد المحتار: مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً، ج ۶ ص ۴۷۹، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ الأشباه والنظائر: ولا يجوز اتخاذ طريق فيه للمرور فيه إلا لعذر، أحكام المسجد، ص ۲۶۰، مكتبه إدارة القرآن كراچی۔

اور بہت ممکن ہے کہ کچھ زمانہ کے بعد مسجد کی اس دیوار پر جس پر اس کا قبضہ ظاہر وبوجہ استعمال کے ہے۔ ملکیت کا دعویٰ کر لیا جاوے گا نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اب بھی اور عرصہ گزرنے کے بعد ہمسایہ قطعاً اس دیوار کے گرانے پر راضی نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے لیے مانع رہے گا۔ اس لیے ہمسایہ کو اس استعمال سے روک دیا جاوے۔ ورنہ وقف کو نقصان پہنچے گا۔ نیز غالب یہ ہے کہ سیڑھیوں کے تختے مسجد کی دیوار کے اندر رکھے گئے ہوں گے۔ یہ بھی ناجائز ہے۔ اس کا گرا دینا ضروری ہے۔ ولا یوضع علی جدار المسجد و ان کان من اوقافه آه قلت وبه علم حکم مایصنعه بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جداره. فانه لا یحل ولو دفع الاجرة . الخ. شامی ج ۳ کتاب الوقف ص ۴۰۶ ج ۳.[1] واللہ اعلم.

محمود عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ

مسجد کو گزرگاہ سے بچانے کے لیے دروازہ بند کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک چھوٹی سی مسجد میں دو دروازے داخل ہونے کے لیے تھے۔ ایک دروازہ بازار کی طرف تھا اور دوسرا دروازہ شارع عام (گلی) میں ہے۔ بازار کی طرف والے دروازہ سے لوگ مسجد میں جب داخل ہوتے تھے تو مسجد کے احترام میں خلل واقع ہوتا تھا۔ جس کی وجہ استنجاء خانہ غسل خانہ اور وضو کرنے کی جگہ والے دروازہ کے قریب ہیں۔ لوگ حالت جنابت میں مسجد کا صحن عبور کر کے غسل خانہ یا استنجاء خانہ کی طرف جاتے تھے۔ قصابوں (سری پائے والے) کی دکانیں قریب تر ہونے کی وجہ سے اکثر اوقات کتے بھی ایک دروازہ سے گزر کر دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاتے تھے۔ بازار کے دکاندار اور ان کے بچے ننگے پیر سارا دن پانی لینے کے لیے مسجد میں آمد و رفت رکھتے اور مسجد کی سخت بے حرمتی کے مرتکب ہوتے تھے۔ بعض قریبی ہمسائے جو شیعہ ہیں اور پیشہ کے لحاظ سے کنجر ہیں وہ اس مسجد کو مسجد بھی نہ سمجھتے تھے اور بنیت فساد روزانہ کوئی نہ کوئی شرارت کرتے رہتے تھے۔ اندریں حالات مسجد کا بیرونی دروازہ جو بازار کی طرف ہے۔ ۱۹۵۸ء سے تقریباً چودہ سال سے بند کر دیا گیا ہے اور اس میں میں خود دکان کرتا رہا ہوں۔ گلی کے دروازہ سے تمام نمازیوں کی چودہ سال سے نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ آمد و رفت جاری ہے۔ دشمنوں کے اشارہ پر دس بارہ

---

۱) لما فی رد المحتار: ولا یوضع علی جدار المسجد وان کان من أوقافه ـــ كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٥٠، مكتبه رشيديه كوئته۔
هكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٩، مكتبه رشيديه كوئته۔

روز سے دو تین آدمیوں نے باز رکھا دروازہ دوبارہ کھولنے کی تحریک شروع کر دی ہے۔ لہٰذا گزارش ہے کہ از روئے شرع محمدی فتویٰ دیا جائے کہ چودہ سال سے جو دروازہ بند ہو چکا ہے اور آج تک کسی کو کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی اور دکانوں کی صورت میں اگر کچھ کرایہ کی آمدنی ہوتی ہے تو وہ بھی مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے کام آتی ہے۔ مسجد کی ضروریات از خود پوری کرتا رہتا ہوں اور کسی سے چندہ وغیرہ نہیں لیا جاتا۔ لہٰذا شریعت شریف کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔

﴿الجواب﴾

مسجد کی حرمت اور عبادت کا خیال کرتے ہوئے اس دروازہ کا بند کرنا جائز ہے۔ جبکہ اس پر چودہ سال تک عمل ہو اور کسی نمازی کو اس کے بند ہونے سے تکلیف کا سامنا نہیں ہوا[1] ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(1) عن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم ورفع أصواتكم وسل سيوفكم ورهنكم وطرائكم وإقامة حدودكم وخصوماتكم وجمروها يوم جمعكم واجعلوا مطاهركم على أبوابها. مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث: ١٧٢٦، ١/١، باب البيع والقضاء في المسجد ورفع الصوت بالمساجد، طبع دار الكتب العلمية بيروت.

والحاصل أن النجاسة فيه يخاف منها التلويث، وفي شرحه ولذا قالوا ينبغي لمن أراد أن يدخل المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة ثم يدخل فيه احترازاً عن تلويث المسجد، شرح الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد، ٤/١٠٥، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي.

في الكبرى مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً أو المسجد رحبة وأرادوا أن يحدثوا له باباً وأرادوا أن يحولوا الباب عن موضعه فلهم ذلك فإن اختلفوا نظر أيهم أكثر وأفضل فلهم ذلك كذا في المضمرات. الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٦، طبع رشيديه كوئٹه.

وسئل أبو القاسم عن أهل المسجد أراد بعضهم أن يجعلوا المسجد رحبة والرحبة مسجداً أو يتخذ له باباً أو يحولوا بابه عن موضعه فأبى البعض ذلك فإذا اجتمع أكثرهم وأفضلهم على ذلك فليس للأقل منعهم عنه.

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد وهو أنواع، ج ٧ ص ١٢٩، طبع غفاريه كوئٹه.

مسجد سے ملحقہ دکانوں کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسائل کہ:

(۱) مسجد میں جوتوں کے رکھنے کی جگہ اور مسجد کے ملحقہ دکان مسجد کا حکم رکھتے ہیں تو کیا عزت واحترام مسجد جیسا کیا جائے گا؟

(۲) ایک شخص نے دکان پر شفعہ کیا ہوا ہے جو کہ ایک ذاتی مسئلہ ہے اور یہی شخص ایک مسجد کا متولی ہے۔ مسجد کی دکان کی آڑ میں جو کہ ایک وکیل کو دے رکھی ہے۔ دوسرے ایک شخص نے مسجد کی دکان متولی سے لے رکھی ہے۔ اس بیچارے نے سامان دکان میں مہیا کر کے دکان چلانے کی کوشش کی لیکن اسے روک دیا گیا کہ ہم نے دکان مسجد کی اس لیے دے رکھی ہے کہ شفعہ ہمارے حق میں ہو جائے۔ تو کیا متولی ایسا فعل کرنے کے باوجود متولی بننے کا حق رکھتا ہے؟

﴿ج﴾

جوتوں کی جگہ اور دکان وقف ہیں اور جوتوں کے لیے اس جگہ کو استعمال کرنا اور دکان میں خرید وفروخت کرنا درست ہے۔ تمام احکام میں بحکم مسجد نہیں (۱)۔ البتہ شرط واقف کے خلاف کرنا درست نہیں (۲)۔ دکان اگر کرایہ پر دی ہے تو شرائط اجارہ کے مطابق معاملہ کرنا لازم ہے اور اجارہ کے شروط کے خلاف کرنا متولی کے لیے جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ولو اراد أن يقف ارضه على المسجد وما يحتاج اليه —— وما فيه مصلحة المسجد على أن يلقيم أن يتصرف في ذلك على ما يرى" الهندية كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم، ج ۲ ص ۴۵۹۔ ۴۶۰، رشيديه كوئته۔ قيم يبيع فناء المسجد ليتجر فيه القوم أو يضع فيه سريراً آجرها ليتجر فيها الناس فلا بأس اذا كان لصلاح المسجد —— الخ، كتاب الوقف، فصل في احكام المسجد، البحر الرائق، ج ۵ ص ۴۱۸، رشيديه كوئته۔

(۲) قولهم: شرط الواقف كنص الشارع، أى في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، در مختار مع شرحه، كتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع، ج ۶ ص ۶۶۴، طبع رشيديه جديد كوئته۔ "على انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" رد المحتار، مطلب غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصاً، ج ۶ ص ۶۸۳، رشيديه كوئته

(۳) قوله: يراعى شرط الواقف في اجارته) أى وغيرها لما سيأتي في الفروع من أن شرط الواقف كنص الشارع كما سيأتي بيانه، در مختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في اجارته، ج ۶ ص ۶۱۲، رشيديه جديد كوئته۔ فإن كان الواقف شرط أن لا يؤاجر أكثر من سنة ...... فليس للقيم أن يخالف شرطه ويؤاجرها أكثر من سنة" هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، ج ۲ ص ۴۱۹، رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مکان امام مسجد کا ذاتی اور مملوکہ ہے اور ذاتی اور مملوکہ مکان میں راستہ وقف سے لینا جائز نہیں ہے اور اگر مکان ذاتی نہ ہو بلکہ موقوفہ ہو تو پھر واضح کر کے دوبارہ دریافت کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

محراب کو درمیان میں رکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ اس کی زمین تکونی ہے جس کا نقشہ نیچے درج ہے۔ اس کی خوبصورتی اور باہر کے صحن کے مطابق محراب رکھا گیا۔ لیکن دائیں طرف ۹ فٹ زمین زیادہ ہے۔ یعنی پانچ آدمی تقریباً صف میں زیادہ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ کیا فرض، سنت یا مستحب کا ترک تو اس محراب سے نہیں ہوتا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ اندرونی محراب کو بیرونی صحن کے مطابق شرعاً نہیں رکھا جاتا بلکہ محراب کو مسجد کے کمرہ کے عین وسط میں رکھنا مسنون ہے۔ اس طور پر کہ امام جب محراب میں کھڑا ہو تو اس کے دونوں جانب دائیں بائیں نمازی برابر کھڑے ہوں کیونکہ امام کا نمازیوں کے عین وسط میں آگے کھڑا ہونا سنت ہے۔ اور محراب چونکہ امام کے کھڑے ہونے کے لیے متعین کیا جاتا ہے لہٰذا کمرہ مسجد میں ایسی جگہ پر محراب رکھنا صحیح ہے کہ اس کے دونوں جانب برابر برابر مقتدی کھڑے ہو سکیں کسی طرف کی بیشی نہ ہو۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر داہنی جانب کے یہ نو فٹ بھی کمرہ مسجد میں داخل ہوں تو محراب کو اس جگہ سے کچھ ہٹا کر عین وسط میں تعمیر کیا جائے۔

---

۱) لما في الهداية: وإذا صح الوقف لم يجز بيعه، ولا تمليكه، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۱۹، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

ولما في الدر المختار وشرحه: فإذا تم ولزم لا يملك، ولا يملك ولا يعار ولا يرهن، وقال العلامة الشامي: (قوله ولا يملك) أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي، لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه ——— الخ، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٥٣٩، رشيديه كوئته۔

ومثله في البدائع: فصل اما حكم الوقف الجائز وما يتصل به، ج ٦ ص ٢٠٠، طبع رشيديه كوئته۔

كما[1] قال في الشامي ج ۱ ص ۴۲۰ (قوله و يقف وسطا) قال في المعراج وفي مبسوط بكر السنة ان يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان ولو قام في احد جانبي الصف يكره ولو كان المسجد الصيفي بجنب الشتوي وامتلأ المسجد يقوم الامام في جانب الحائط ليستوي القوم من جانبيه والاصح ماروي عن ابي حنيفة انه قال اكره ان يقوم بين الساريتين او في زاوية او في ناحية المسجد او الى سارية لانه خلاف عمل الامة قال عليه الصلوة والسلام توسطوا الامام و سدوا الخلل ومتى استوى جانباه يقوم عن يمين الامام. الخ

وفيه ايضا بعد اسطر (تنبيه) يفهم من قوله او الى سارية كراهة قيام الامام في غير المحراب ويؤيده قوله قبله السنة ان يقوم في المحراب وكذا قوله في موضع اخر السنة ان يقوم الامام ازاء وسط الصف الاترى ان المحاريب مانصبت الاوسط المساجد وهي قد عينت لمقام الامام اه والظاهر ان هذا في الامام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط ولو لم يلزم ذلك لايكره تامل ج ۱ ص ۴۲۰. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بیت الخلا جانے میں مسجد کی بے حرمتی نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ مسجد کی حدود سے باہر کی ہے لیکن مسجد کی دیوار کے متصل ہے کیا اس جگہ بیت الخلاء بنانا جائز ہے کہ نہیں اور اتنی جگہ بھی زیادہ فراخ نہیں کہ دوسری جگہ یا بیت کر بنا لیا جائے۔ دیوار مغرب کی طرف ہے۔

---

۱) (رشیدیہ قدیم کوئٹہ، مطلب في هل الإساءة دون الكراهة والفحش منها، رشيديه جديد، ج ۲ ص ۳۳۱، وكما في الهندية: وينبغي للإمام أن يقف بإزاء الوسط فإن وقف في ميمنة الوسط أو في ميسرته فقد أساء لمخالفة السنة هكذا في التبيين، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم، ج ۱ ص ۸۹، وهكذا في المحيط البرهاني، الفصل السابع عشر، في بيان مقام الإمام والمأموم، ج ۱ ص ۴۸۱، طبع مكتبه غفاريه كوئٹه۔

﴿الجواب﴾

مسجد کی حدود کے باہر کی دیوار سے متصل بیت الخلاء بنانا جائز ہے۔ اس میں مسجد کی کوئی بے حرمتی نہیں۔ فقط واللہ اعلم (۱)۔

مسجد سے متصل مکان والے بیت الخلاء کس طرح بنائیں

﴿س﴾

ایک مکان تعمیر ہو رہا ہے ایک مسجد کے قریب اور مسجد کی دیوار سے مکان کی دیوار آ کر ملتی ہے۔ ویسے مسجد کی دیوار الگ ہے اور مکان کی دیوار الگ۔ صرف مس ہو رہی ہے۔ مذکورہ بالا مکان میں مالک مکان غسل خانہ اور فلش سسٹم لگانا چاہتا ہے۔ عند الشرع اس میں کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

اگر غسل خانہ کے پانی سے مسجد کی نجاست کا خطرہ نہ ہو اور مسجد میں اس کے پانی پڑنے کا خطرہ نہ ہو بلکہ مسجد کی دیوار سے علیحدہ اپنی دیوار کے ساتھ غسل خانہ وغیرہ بنا رہے ہیں تو یہ شرعاً جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲)۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹/۲/۱۳۹۱ھ

---

(۱) لما في الدر المختار: وكره الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط لأن سطحه مسجد له حكم المسجد ... الخ، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ۲ ص ۴۲۰، طبع رشيديه كوئته۔
ولما في أبي داؤد: عن خبيب بن سليمان عن أبيه سليمان بن سمرة عن أبيه سمرة قال إنه كتب إلى بنيه أما بعد فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا بالمساجد أن نصنعها في دورنا ونصلح صنعتها ونطهرها، باب اتخاذ المساجد في الدور، ج ۱ ص ۷۸، طبع رحمانيه لاهور۔
وهكذا في الشامي: مطلب في أحكام المسجد، ج ۲ ص ۴۲۸، رشيديه كوئته۔

(۲) لما في الدر المختار وشرحه: (ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه إلا إذا كان الضرر) بجاره ضررا (بينا) فيمنع من ذلك وعليه الفتوى. وقال العلامة ابن عابدين: والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن من تصرف في خالص ملكه لا يمنع منه ولو أضر بغيره لكن ترك القياس في محل يضر بغيره ضررا بينا وقيل بالمنع، وبه أخذ كثير من مشائخنا وعليه الفتوى، كتاب القضاء، مسائل شتى، ج ۸ ص ۱۷۱، ۱۷۲، رشيديه جديد، ولما في البحر الرائق: ولو اتخذ في ملكه بئرا أو بالوعة فنز إلى حائط جاره فطلب منه تحويله لم يجبر عليه ولا يضمن عيبه إلا إذا انهدم من النز ... وذكر العلامة ابن الشحنة أنه في حفظه أن المنقول عن الثلاثة أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد وزفر والحسن رحمهم الله أنه لا يمنع من التصرف في ملكه وإن أضر بجاره ... الخ، كتاب القاضي إلى القاضي، باب التحكيم، ج ۷ ص ۴۶، طبع رشيديه كوئته۔

مسجد میں اسپرے کرانا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد میں زہریلے ادویہ مچھر وغیرہ ختم کرنے کے لئے اسپرے کرانا جائز ہے یا نہ۔

الجواب

مسجد میں ایسے اسپرے کرانا جس سے مسجد بدبودار ہو جائے جائز نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا من أكل هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس۔ (بخاری و مسلم) کہ جو شخص بدبودار درخت (لہسن پیاز) کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اس لیے کہ فرشتوں کو بھی ان تمام چیزوں سے ایذا پہنچتی ہے جن سے انسانوں کو ایذا ہوتی ہے۔ اس حدیث میں اگرچہ صراحۃً تو فقط کھانے کی چیز کا ذکر ہے لیکن چونکہ آخر میں اس کی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے ایذا ہوتی ہے جن سے انسانوں کو ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم فقط کھانے کی چیزوں میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ تمام استعمال کی چیزوں کا بھی یہی حکم ہے اور اسی وجہ سے مسجد میں مٹی کا تیل جلانے کو بھی منع کیا گیا ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰/۵/۱۴۰۰ھ

---

(۱) لما في صحيح لمسلم: سئل عن أنس رضي الله عنه عن الثوم فقال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أكل من هذه الشجرة فلا يقربنا ولا يصلي معنا. (باب نهي من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا الخ، ج ۱ ص ۲۰۹، طبع قديمي كتب خانه كراچي)۔

ولما في الشامي: (وأكل نحو ثوم) أي: كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ولا يختص بمسجده عليه السلام ... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولا أو غيره. (كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد، ج ۲ ص ۴۶۵-۴۶۶، رشيديه جديد)

ولما في حلبي كبير: ومن أصحابه الأولى فيما تصان عنه المساجد يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: "من أكل الثوم والبصل والكراث فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم، متفق عليه. (فصل في أحكام المسجد، ۶۱۰، سعيدي كتب خانه كوئٹه)۔

مسجد کی چھت کو گوبر ملا پلستر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد کی چھت کے بالائی حصہ پر مٹی میں گوبر ملا کر پلستر کر دیا جائے اور یہ پلستر چھت کی مضبوطی کے لیے کیا جائے۔ جبکہ چھت کے پانی کا نکاس بھی مسجد میں نہ ہو تو کیا جائز ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

وفی الشامیة (ج ص ۳۸۶) فی الفتاوی الهندیة یکره ان یطین المسجد بطین قد بل بماء نجس بخلاف السرقین اذا جعل فیه الطین لان فی ذلک ضرورة وهو تحصیل غرض لا یحصل الا به. کذا فی السراجیة[۱]۔ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ مٹی میں گوبر ملا کر اس سے مسجد کی لپائی درست ہے[۲]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱/۵/۱۳۹۸ھ

مسجد میں بدبودار تیل کا استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مٹی کا تیل مسجد میں روشنی کے لیے یا طلبہ کے مطالعہ کے لیے بوجہ نہ ہونے بجلی کے یا گراں قیمت ہونے مٹی کے تیل کے اور بہت جلنے کے مباح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

۱) رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔

۲) ولما فی الهندیة: ویکره أن یطین المسجد بطین قد بل بماء نجس بخلاف السرقین اذا جعل فیه الطین لان فی ذلک ضرورة وهو تحصیل غرض لا یحصل الا به کذا فی السراجیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، ج ۵ ص ۳۱۹، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

ولما فی البحر الرائق: وقالوا اذا نزح الماء النجس من البئر کره أن یبل به الطین فیطین به المسجد علی القول بنجاسة العین، کتاب الصلوة باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها، ج ۲ ص ۶۱، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

ہیں جو کہ مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے بچے ہیں، کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مسجد میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی جگہ بنائی جاسکے تقریباً ساٹھ بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ کسی بچے کی عمر چھ سال سے کم نہیں ہے۔ سب بچے نماز پڑھتے ہیں۔ استاذ کوئی اجرت نہیں لیتا ہے روئے حدیث کیا حکم ہے، کہ بچے مسجد میں تعلیم حاصل کریں یا کہ تعلیم بند کردی جاوے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جب کہ بچے سمجھدار اور نمازی ہیں اور معلم بغیر اجرت کے تعلیم دیتا ہے تو جائز ہے[1] مسجد میں تعلیم دینا لیکن احتیاط ضروری ہے کہ شور وشغب نہ ہو، اور بچوں کے پیر صاف ستھرے ہوں؟ مسجد میں کچھ نجاست کی آلودگی نہ ہو[2] اور اگر مسجد کے قریب مدرسہ کی بنیاد ڈالی جاسکے تو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں مدرسہ بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

(۱) ایک عبادت گاہ مسجد شریف ہو اس میں عام مدرسہ بنانا کیسا ہے؟

(۲) اس مدرسے میں بالغ اور نابالغ لڑکے پڑھائی کرتے ہیں ان کو یہ سمجھ نہیں ہوتی کہ مسجد کا احترام کیسے

---

۱) لما في الهندية: وأما المعلم الذي يعلم الصبيان بأجر إذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر أو غيره لا يكره، فصل فيما يكره في الصلوة وفيما لا يكره، ج ۱ ص ۱۱۰، رشيديه كوئته
ويكره الصناعة فيه من خياطة وكتابة بأجر وتعليم صبيان بأجر لا بغيره إلا لحفظ المسجد في رواية، وفي الفتح: معلم الصبيان كالكاتب إن بأجر لا يجوز وحسبة لا بأس به، انتهى" الأشباه وشرحه القول في أحكام المسجد، ج ۳ ص ۱۲۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي۔

۲) والوضوء فيما أعد لذلك: وقال العلامة ابن عابدين: لأن ماءه مستقذر طبعاً فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم بدائع، رد محتار وشرحه، ج ۲ ص ۵۲۵، مطلب في رفع الصوت بالذكر، طبع رشيديه كوئته جديد، ورفع الصوت بالذكر إلا للمتفقه (وفي شرحه) والتفسير ويمنع من رفع الصوت بالذكر في المسجد وهو صادق بالمنع للتحريم، والمنع للكراهة، الأشباه وشرحه، ج ۲ ص ۱۹۱، والقول في أحكام المسجد، ادارة القرآن كراتشي۔
والاحسان نجاسة له بخاف منها التلويث وفي شرحه، ولذا قالوا ينبغي لمن أراد أن يدخل المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم يدخل فيه احترازاً عن تلويث المسجد، الأشباه وشرحه: والقول في أحكام المسجد، ج ۳ ص ۱۸۰، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي۔

مسجد میں قرآن پاک کی تعلیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی مسجد میں قرآن کی تعلیم دینا کیسا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مساجد میں تعلیم قرآن پاک دینا جائز نہیں ہے۔ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب دیا جائے۔

﴿ج﴾

حدیث شریف میں وارد ہے۔ جنبوا صبیانکم مساجدکم (۱)۔ بچوں کو مسجدوں سے دور رکھو۔ کیونکہ ان سے مسجد میں نجاست وغلاظت آنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی دوسری جگہ میں قرآن کا انتظام ہو سکے تو دوسری جگہ کر دیا جائے ورنہ شدت مجبوری سے گنجائش ہے کہ مسجد میں تعلیم دی جائے اور اس کی طہارت اور نظافت کا خاص خیال رکھا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ

مسجد میں اسکول کی کتابوں کا مطالعہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) سرکاری سکول کے چند بالغ طلبہ جو کبھی کبھار نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ خانہ خدا میں یعنی مسجد میں سکول کی کتابوں کا نجی اور باہمی مطالعہ کرتے ہیں کیا مسجد میں ان کا یہ مطالعہ جائز ہے یا نہ؟ اگر ناجائز ہے تو کیا طلبہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ جبکہ وہ گھر میں مطالعہ کے لیے مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے مسجد میں مطالعہ کرنے پر مجبور ہیں۔

---

۱) مصنف ابن عبد الرزاق: باب البیع والقضاء في المسجد وما يجنب المساجد. حديث رقم ۱۷۲۹، ج۱ دار الكتب العلمية بيروت۔

۲) واما المعلم الذي يعلم الصبيان باجر اذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر او غيره لا يكره. هندية كتاب الصلوة فصل فيما يكره في الصلوة وما لا يكره، ج ۱ ص ۱۱۰، رشيديه كوئٹه.
أما الكاتب ومعلم الصبيان فإن كان باجر يكره وإن كان حسبة فقيل لا يكره والوجه ما قال ابن الهمام أنه يكره التعليم إن لم يكن ضرورة لأن نفس التعليم ومراجعة الأطفال لا يخلو عما يكره في المسجد ..... الخ، ص ۶۱۱، حلبي كبير.
ولو لم يكن فيه توهم تلويث والعابة علاوة ما أشار إليه قوله عليه السلام، فان المساجد لم تبن لهذا فما كان فيه نوع عبادة وليس فيه اهانة وتلويث لا يكره والا كره، حلبي كبير، فصل في أحكام المسجد، ص ۶۱۱، طبع سهيل اكيڈمي لاهور.

(۲) ایک اور شخص ہے جو ایک سرکاری سکول میں مدرس ہے۔ وہ بھی گھر میں مطالعہ کے لیے مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے سکول کی کتابوں کا مسجد ہی میں خاموشی سے مطالعہ کرتا ہے، جبکہ وہ اسی مسجد میں نماز پنجگانہ کا نمازی بھی ہے اور متشرع بھی۔ کیا ان کے لیے مسجد میں مطالعہ کرنا جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

(۱، ۲) اگر مسجد کے تمام آداب کا خیال کرے۔ بہت زور سے نہ پڑھے کہ اور غیرہ مسجد میں خارج نہ کرے نمازیوں کو تکلیف نہ دے تو درست ہوگا۔ اگرچہ خلاف اولیٰ ہے[1]۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھنے سے قبل وضو کرے اور اعتکاف کی نیت کر کے کم از کم دو رکعت نفل پڑھے اور کچھ تسبیح و تہلیل کر کے مطالعہ شروع کرے اگر مذکورہ بالا تمام امور کا اہتمام سے خیال رکھے تو بلا کراہت جائز ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۲۰/۶/۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۵/۶/۱۳۹۶ھ

مسجد کے برآمدہ میں قرآنی تعلیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک دکان، مسجد کا ایک حجرہ، استنجا خانہ، غسل خانہ اور برآمدہ

---

۱) ویکرہ ...... رفع صوت بذکر قال العلامۃ ابن عابدین شحتہ وفی حاشیۃ الحموی عن الإمام الشعرانی: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم أو مصل أو قاریٔ. شامی، کتاب الصلوۃ، مطلب فی رفع الصوت بالذکر، ج ۲ ص ۴۲۴، رشیدیہ کوئٹہ۔

وھکذا فی الأشباہ والنظائر: ج ۳ ص ۱۹۱، الفروق فی أحکام المسجد، ادارۃ القرآن والعلوم الإسلامیۃ کراچی۔

۲) ولا بأس للمحدث ان یدخل المسجد فی أصح القولین ویکرہ النوم والأکل لغیر المعتکف واذا اراد ان یفعل ذلک ینبغی أن ینوی الاعتکاف فیدخل فیہ، ویذکر اللہ تعالی بقدر مانوی أو یصلی ثم یفعل ما شاء کذا فی السراجیۃ. (ھندیۃ) کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد، ج ۵ ص ۳۲۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

والمعلم أن کان یعلمہ بأجرۃ وان کان بغیر اجرۃ أو یعملہ لنفسہ لا یکرہ اذا لم یضر بالمسجد، الجوھرۃ النیرۃ، باب الاعتکاف، ج ۱ ص ۱۷۷، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

ولا بأس بالجلوس فی المسجد لغیر الصلوۃ لکن لو قعد بہ حرج بعض کذا فی الخلاصۃ: ھندیہ، کتاب الصلوۃ فصل فی ما یکرہ فی الصلوۃ وما لا یکرہ، ج ۱ ص ۱۱۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

ٹونٹیوں کے اوپر ایک درسگاہ قرآنی کی خاطر برآمدہ بنانے کا خیال ہے تاکہ بجائے مسجد شریف کے قرآنی تعلیم وہاں دی جائے اس کا راستہ بھی مسجد سے باہر ہوگا کیا اس برآمدہ میں قرآن کریم کی تعلیم دینا شرعاً جائز ہے یا کہ نہیں۔ (نقشہ یہ ہوگا)

برآمدہ برائے درسگاہ قرآنی تعلیم			
استنجاء خانہ	غسل خانہ	برآمدہ برائے ٹونٹیاں	دکان حجرہ مسجد
مسجد			

﴿ج﴾

مندرجہ بالا نقشہ میں جو برآمدہ درسگاہ قرآنی بنانے کا خیال ہے بہت درست و صحیح ہے۔ اور بلاشبہ اس میں تعلیم قرآن دینا شرعاً جائز ہے مکان کے اوپر کے حصے کا حکم شرعاً نیچے حصے سے علیحدہ ہے۔ لہٰذا نیچے استنجاء خانہ، غسل خانہ وغیرہ ہوں اور اوپر قرآنی تعلیم کی درسگاہ ہو اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۹/۳/۱۳۸۶ھ

چھوٹے بچوں کا مسجد میں پڑھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد میں درس قرآن پاک اس صورت میں کہ اس کے متبادل جگہ بھی مل سکتی ہو کہ چھوٹے بچے اکثر مسجد میں بول و براز میں مبتلا رہتے ہیں اور مسجد کو بار بار پاک کرنا پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے مدرسہ ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور اس وجہ سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے بہ نماز میں شور وغیرہ ہوتا ہے۔

---

(۱) ولو أراد أن يصرف فرضه على المسجد وعمارة المسجد وما يحتاج إليه من الدهن ...... فما فضل من ذلك يصرف إلى عمارة المسجد ودهنه وحصيره وما هو مصلحة المسجد على أن للقيم أن يصرف في ذلك على ما يرى ... فهو كذلك كذا في الظهيرية "الهندية" كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، تصرف القيم ... الخ، ج ۲ ص ۴۵۹، طبع رشيديه كوئٹه۔

وإذا كتب اسم الله على كاغذ ووضع تحت طنفسة يجلسون عليها فقد قيل يكره وقيل لا يكره وقال ألا ترى أنه لو وضع في البيت لا بأس بالنوم على سطحه كذا ههنا كذا في المحيط، الهندية، كتاب الكراهية الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج ۵ ص ۳۲۲، رشيديه كوئٹه۔

﴿ج﴾

وفی العالمگیریہ ج۵ ص ۳۵۶ والرابع عشر ان یزهه عن النجاسات والصبیان والمجانین[1] الخ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جب بچوں کی پڑھائی کے لیے علیحدہ جگہ کا انتظام ہو سکتا ہے تو اپنے چھوٹے بچے (جن سے مسجد کے ناپاک ہونے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے) مسجد کے اندر نہ پڑھیں بلکہ مسجد سے باہر ان کی پڑھائی کا انتظام کرنا لازم ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۔ [illegible]

کیا کسی مسجد کو ''مسجد ضرار'' کہنا درست ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک چھوٹی سی آبادی جس میں کچھ خانہ بدوش لوگ موجود رہتے ہیں اس میں ایک مسجد اور اس میں ایک امام مقرر ہے۔ چند آدمی کسی ذاتی رنجش کی بناء پر اس امام پر ناراض ہو گئے اور اس لیے انہوں نے اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور ایک نئی مسجد کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ نئی مسجد اس چھوٹی سی خانہ بدوش لوگوں کی بستی میں تیار کرا دی۔ اب اس دوسری مسجد میں امامت کرنا اور نماز پڑھنا از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے۔ از روئے شرع شریف اس کو مسجد ضرار کہنا یا اس پر ضرار کے احکام کا صدور درست ہے یا کہ نہیں۔ جبکہ علت اس کی فقط ذاتی غیر شرعی رنجش ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر کسی مصلحت شرعیہ سے یہ مسجد بنائی گئی ہے۔ تب تو کچھ حرج نہیں اور اگر کسی نفسانی غرض سے بنائی گئی ہے تو بنانا مکروہ ہے لیکن نماز پڑھنا اس میں اگر خلوص سے ہو درست ہے ورنہ مکروہ اور ناجائز کسی حال

---

۱) ھندیۃ: ج ۵ ص ۳۲۱، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان تنظف وتطیب، ابوداؤد، باب اتخاذ المساجد فی الدور، ج ۱ ص ۷۸۔

ومنها حرمۃ ادخال الصبیان والمجانین حیث غلب تنجیسهم والا فیکره ومنها تحریم البول فیه ولو فی اناء..... الخ، شرح الأشباه والنظائر، ج ۲ ص ۱۸۶، والقول فی أحکام المسجد، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی۔

ومثله فی الشامی: کتاب الصلوة، مطلب فی أحکام المسجد، ج ۲ ص ۸ ۱ ۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

میں نہیں (۱)۔ مسجد ضرار اس وقت ہوتی جبکہ اس کی بناء مسجد کی نیت سے نہ ہوتی محض صورت مسجد کی سی ہوتی۔ جیسے منافقین نے بنائی تھی اور جبکہ نیت مسجد بنانے کی ہو گو خود بنانے میں نیت خالص نہ ہو تو وہ مسجد ضرار نہیں ہے۔ جس مسجد ضرار کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ وہ ہے جس کی نسبت قطعی دلیل سے ثابت ہے کہ وہاں مسجد ہی بنانے کی نیت نہ تھی۔ محض صورت مسجد ضرار اسلام کی نیت سے بنائی تھی (۲)۔ سو جس مسجد کا بانی دعویٰ نیت بناء مسجد کا کرے اور کوئی قطعی دلیل اس کی مکذب نہ ہو۔ اس کو مسجد ضرار کیسے کہا جا سکتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ ایسی مسجد کے انہدام اور اس میں القاء کناسہ کو جائز کہا جاوے۔ لان الشی اذا ثبت ثبت بلوازمه اور اس کا کوئی قائل نہیں پس ثابت ہوا کہ ایسی مسجد مسجد ضرار میں تو داخل نہیں۔ البتہ خود یہ قاعدہ مقرر ہے کہ اگر طاعت میں غرض معصیت ہو جیسے مسجد بنانے سے غرض تعصب اور تفریق مذموم ہو تو اس فعل میں عاصی ہوگا۔ لیکن مسجد مسجد ہی ہوگی مع اپنے جمیع احکام لازمہ کے باقی اس نیت کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے دوسروں کو اس پر حکم جازم لگانا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) أهل محلة قسموا وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم امام عليحدة ومؤذنهم واحد لا بأس به والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن قال ركن الصباغي كما يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين فلهم أن يجعلوا المسجدين واحداً لإقامة الجماعة أما للتذكير والتدريس فلا لأنه ما بنى له وان جاز فيه كذا في القنية" الهندية، كتاب الكراهية الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، ج ٥ ص ٣٢٠، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وجعل المسجدين واحدا وعكسه لصلوة لا لدرس" تنوير الأبصار وشرحه كتاب الصلوة مطلب في من بنى مسجداً الى مباح، ج ٢ ص ٥٢٨، طبع رشيديه كوئته۔

۲) قوله تعالى: (والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً) الآية روى عن جماعة من السلف انهم كانوا اثنى عشر رجلاً من الاوس والخزرج قد سموا استأذنوا النبى صلى الله عليه وسلم فى بناء مسجد لليلة الشاتية والمطر والحر ولم يكن ذلك قصدهم وانما كان مرادهم التفريق بين المؤمنين وان يتحزبوا فيصلى حزب فى مسجد وحزب فى مسجد آخر لتختلف الكلمة وتبطل الألفة والحال الجامعة ــــ الخ تفسير أحكام القرآن للجصاص، ج ٤ ص ٣٦٧، طبع دار الأحياء التراث العربى، بيروت۔

قوله تعالى: (والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً وتفريقاً بين المؤمنين) لأنهم كانوا يصلون فى مسجد قبا فبنوا مسجد الضرار ليصلى فيه بعضهم فيؤدى ذلك الى الاختلاف وافتراق الكلمة وكان يصلى بهم مجمع بن حارثة ــــ الخ، تفسير مظهرى، ج ٤ ص ٢٩٦، طبع بلوچستان بكڈپو كوئته۔

بعينه يهى جواب امداد الفتاوى، ج ٢ ص ٦٧١، ميں هے احكام مسجد مكتبه دار العلوم كراچى۔

مدرسہ کے قریب مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ بستی بہاولپور گھلواں کی حدود سے باہر متصل ایک مدرسہ عزیز العلوم عرصہ دو سال سے جاری کیا گیا ہے جس میں دو علمائے کرام فارغ التحصیل درس دینی فرماتے ہیں۔ مساجد قریبہ مذکورہ سے کم از کم دو سو کرم سے کچھ زائد فاصلے پر ہیں۔ جس میں طلبہ کرام کا ہر وقت جانا دشوار ہے۔ لہٰذا مدرسہ میں ادائیگی نماز کے لیے ایک جگہ مقرر کر دی گئی ہے جہاں پنجوقتہ اذان اور باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں صبح سویرے ترجمۃ القرآن بھی ہوتا ہے جس میں قرب وجوار کے افراد صبح کی نماز میں آ کر شامل ہوتے ہیں۔ اب مقام معینہ پر ایک مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ حسب ہدایات مذکورہ کے مدنظر مسجد مذکورہ کی تعمیر شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ کیا یہ مسجد مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے؟

﴿ج﴾

مصلحت اور ضرورت مذکورہ کی وجہ سے دوسری مسجد بنانی جائز ہے[1]۔ یہ مسجد اس مسجد ضرار کے حکم میں جو قرآن میں مذکور ہے قطعاً داخل نہیں وہاں تو سرے سے مسجدیت کا قصد ہی نہیں تھا۔ بلکہ محض تفریق و مرکز نفاق ہی کا بنانا پیش نظر تھا[2] اور جب مساجد دوسری مسجدوں کے قریب بنائی جاتی ہیں۔ ان میں بانی کا مقصد مسجد بنانا ہی ہوتا ہے۔ اور اس مقام کو نماز کے لیے مخصوص کرنا ہی مطمح نظر ہوتا ہے۔ البتہ اگر کسی مسجد کی تعمیر میں نیت مسجدیت کے ساتھ ساتھ بانی کے دل میں فخر ومباہات یا تفریق بین المسلمین کا جذبہ یا بلا ضرورت تعمیر مسجد کا

---

۱) أهل المحلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطا ولكل منهم إمام على حدة ومؤذنهم واحد لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن على حدة كما يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين فلهم أن يجعلوا المسجدين واحدا لإقامة الجماعات أما للتذكير والتدريس فلا لأنه ما بني له وإن جاز فيه كذا في القنية۔ هندية كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة الخ، ص ٣٢٠/٥، مكتبه رشيديه كوئٹہ، وفي الشامي، حواله سوال بالا: ص ٤٢٨/٢، رشيديه جديد كوئٹہ

۲) قوله تعالى (والذين اتخذوا مسجدا ضرارا) الآية، روي عن جماعة كانوا اثني عشر رجلا من الأوس والخزرج قصدوا استاذنوا النبي صلى الله عليه وسلم في بناء مسجد للبلة الشاتية والمطر والحر ولم يكن ذلك قصدهم وإنما كان مرادهم التفريق بين المؤمنين وأن يتحزبوا فيصلي حزب في مسجد وحزب في مسجد آخر لتختلف الكلمة وتبطل الألفة والحال الجامعة... الخ و تفسير أحكام القرآن للجصاص: ص ٣٦٧/٤، طبع، دار إحياء التراث، بيروت، وهكذا في تفسير المظهري، ص ٢٩٦/٤، طبع بلوچستان بك ڈپو كوئٹہ

سید صاحب سادے مسلمانوں کو اپنی طرف یوں مائل کرتے ہیں کہ ہم اہل رسول ہیں۔ ہم سید ہیں۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں اور کرتے ہیں وہی دین، مذہب، ایمان اور اسلام اور صحیح طریقہ ہے۔ اور خود سید صاحبان یہ کرتے ہیں کہ وصول ہو جانے والے کے رو برو طواف کرتے ہیں۔ گانے بجانے قوالی وغیرہ کو جائز سمجھتے ہیں اور خود عملی طور پر ان میں شریک بھی ہوتے ہیں۔ اور قبروں کا طواف بھی کرتے ہیں۔ شریعت سے ناواقف سیدھے سادے مسلمان یہ دیکھ کر کہتے ہیں کہ اہل رسول جب یہ کام کرتے ہیں تو سب جائز ہیں۔ مگر ان کی اس قسم کی حرکات سے شہر کے سمجھدار لوگ ناراض ہیں۔ لیکن شہر کی جو مسجد ہے وہ ان سید صاحبان کے قبضے میں ہے۔ وہ اس مسجد میں درس قرآن اور درس حدیث کی اجازت کسی صحیح سمجھنے والے کو نہیں دیتے اور کوئی کسی طریقہ سے درس قرآن و درس حدیث دے تو یہ سید صاحبان کہتے ہیں یہ وہابی ہے۔ ان کی بات مت سنو۔ اس طریقہ سے لوگوں کو قرآن و حدیث سننے سے منع کرتے ہیں لہٰذا لوگ مشتعل ہو گئے جھگڑا ہو گیا۔ حتیٰ کہ لوگوں کی نا اتفاقی ہو گئی اور کچھ لوگوں کو مسجد میں آنے سے روکا گیا تو وہ مجبور ہو گئے اور انہوں نے دوسری مسجد بنائی۔ چند سالوں تک حالات پرسکون رہے۔ پھر جن لوگوں نے سید صاحبان سے اتفاق کیا تھا ان میں بھی انہی وجوہات کی بنا پر اختلاف ہو گیا اور جھگڑا فساد ہو گیا۔ حتیٰ کہ عدالتوں تک اس جھگڑے کو لے جایا گیا۔ اب جو لوگ سید صاحبان کے ساتھ تھے ان کی اکثریت ان کے مخالف ہو گئی اور یہ کہا کہ اس مسجد میں ایک صحیح عالم دین کو رکھا جائے جو قرآن و حدیث ہم لوگوں کو سمجھائے مگر سید کہتے ہیں کہ یہ مسجد ہماری ہے۔ ہم اس مسجد میں ایسے لوگ نہیں چھوڑتے جو ہماری بات کو نہ مانے۔ اب جو لوگ ان کے مخالف ہو گئے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر روز کے جھگڑے فساد سے بچنے کے لیے ایک تیسری مسجد بنائی جائے کیونکہ شہر بھی کافی بڑھ گیا ہے اور اس مسجد میں ہر روز جھگڑا فساد ہوتا ہے۔ اب جب سید صاحبان نے یہ دیکھا کہ ہماری وجہ سے تیسری مسجد بن رہی ہے تو ان لوگوں نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ اصل مسجد ہماری ہے۔ کیونکہ قدیم ہے۔ اب جو مسجد بن جائے تو یہ مسجد ضرار ہے اس میں نماز ناجائز ہے۔ لہٰذا قابل دریافت مندرجہ ذیل باتیں ہیں کہ از روئے شریعت شریف:

(۱) ان سید صاحبان کے ساتھ کیا کیا جائے۔

(۲) تیسری مسجد بنائی جائے یا نہ۔

(۳) مسجد ضرار کی تعریف کیا ہے۔

(۴) اور اس نئی مسجد میں نماز ہوگی یا نہ اور یہ مسجد بنانے والے گنہگار ہوں گے یا نہ؟ بینوا بالبرہان توجروا عند الرحمن۔

﴿ج﴾

تیسری مسجد بنانے والے گنہگار نہیں ہوں گے اور وہ مسجد ضرار نہیں ہوگی۔ بن جانے کے بعد اس کے تمام احکام مسجد کے ہوں گے اس میں بلا کراہت جماعت درست ہوگی[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد ضرار کی تعریف

﴿س﴾

مسجد ضرار کی تعریف فرمادیں۔ کیا ایسی مسجد مسلمانوں کی ہوسکتی ہے چاہے وہ کسی مقصد کے تحت بنائی جائے اور کیا وہ مسجد ضرار کہلائی جاسکتی ہے۔

﴿ج﴾

اگر کسی مصلحت شرعیہ سے مسجد بنائی گئی ہو تب تو کچھ حرج نہیں اور اگر کسی نفسانی غرض سے بنائی گئی ہو تو بنانا مکروہ ہے[2] لیکن یہ مسجد ضرار کسی حال میں نہیں کیونکہ مسجد ضرار اس وقت ہوتی جبکہ اس کی بناء مسجد کی نیت سے نہ ہوتی محض صورت مسجد کی ہوتی جیسے منافقین نے بنائی تھی[3] اور جب نیت خالص نہ ہو بلکہ نفسانی غرض سے مسجد تعمیر کی جائے وہ مسجد ضرار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالرحمن نائب مفتی قاسم العلوم

---

۱) وإذا قسم أهل المحلة المسجد وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم إمام على حدة ومؤذنهم واحد لا بأس به والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن كما يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين فلهم أن يجعلوا المسجدين واحداً لإقامة الجماعات..... الخ، بحر الرائق كتاب الصلوٰة باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها، ج ۲، ص ٦٢، طبع رشيديه کوئٹه.
وهكذا في الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد وقبلة، ج ٥، ص ٣٢٠، طبع رشيديه کوئٹه۔ وهكذا في الشامي: كتاب الصلوٰة، مطلب في من سبقت يده الى مباح، ج ١ ص ٥٢٨، رشيديه جديد کوئٹه۔

۲) وايضاً في امداد الفتاوىٰ، احكام مسجد، ج ۲ ص ٦٦٩، طبع مكتبه دار العلوم کراچی۔

۳) قوله تعالىٰ: (والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً) الآية روى عن جماعة من السلف انهم كانوا اثنى عشر رجلاً ..... ولم يكن ذلك قصدهم وانما كان مرادهم التفريق بين المؤمنين وان يتحزبوا فيصلي حزب في مسجد وحزب في مسجد آخر لتختلف الكلمة وتبطل الالفة والحال الجامعة، أحكام القرآن للجصاص، ج ٤ ص ٣٦٧، سورة التوبة، الآية ١٠٧، طبع دار احياء التراث، بيروت۔
وهكذا في تفسير المظهري، ج ٤ ص ٢٩٦، طبع بلوچستان بکڈپو۔
ولعل المحلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطاً ..... الخ بحر الرائق كتاب الصلوٰة، فصل ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها، ج ۲ ص ٦٢، طبع رشيديه کوئٹه، وكذا في امداد الفتاوى، احكام المسجد، ج ۲ ص ٦٦٩، مكتبه دار العلوم کراچی۔

امام صاحب کا مسجد سے نکلنے کے بعد دوسری مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مسئلہ ذیل میں کہ ایک مولوی صاحب جو عرصہ سے جامع مسجد ملازمین ریلوے روڈ شورکوٹ جنکشن کے امام تھے۔ تو کسی وجہ سے ان میں اور مقتدیوں میں اختلاف پیدا ہوا اور وہاں سے نکال دیے گئے۔ انہوں نے اس مسجد سے تقریباً فرلانگ یا کچھ زائد فاصلہ پر ریلوے حدود سے باہر منڈی میں ایک مدرسہ عربیہ اور مسجد بنائی جس میں پانچ وقت نماز باجماعت اور جمعہ بھی ادا ہوتا ہے۔ نماز فجر کے بعد درس قرآن شریف بھی بالالتزام ہوتا ہے۔ اور طلبہ مدرسہ میں اس وقت ۲۸ بچے قرآنی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اب مسجد ملازمین ریلوے میں جو نئے امام آئے ہیں وہ بھی اور عام لوگوں میں کہتے ہیں کہ اس مولوی صاحب مذکور کی بنائی ہوئی مسجد مسجد ضرار ہے۔ مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکتا ہے اور اس نئی مسجد کو گوردوارہ کہتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ نئی مسجد پرانی مسجد کے مقابلہ میں بنائی گئی ہے۔ اس لیے یہ مسجد مسجد ضرار ہے۔ اب اس حقیقت کے پیش نظر دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) مذکورہ نئی مسجد مسجد ضرار ہے؟ (۲) کیا اسے گرا دیا جائے اور مدرسہ کو بھی؟ (۳) اگر یہ مسجد ضرار نہیں تو اس کو مسجد ضرار یا گوردوارہ کہنے والے کا کیا حکم ہے؟ اور قائل امامت کے قابل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کن شرائط سے۔

سائلین انجمن مسجد شورکوٹ روڈ

﴿ج﴾

(۱) مسجد مذکور کسی صورت میں بھی مسجد ضرار نہیں ہے۔ مسجد ضرار وہ ہوتی ہے جس کی بنا مسجد کی نیت سے نہ ہو۔ بلکہ محض صورت مسجد کی ہو کسی دوسرے مقصد کے لیے بنائی گئی ہو اور مسجد کے نام سے اس دوسرے مقصد کو پورا کرنا مقصود ہو جیسا کہ منافقین نے بنائی تھی اور جبکہ نیت مسجد بنانے اور اس میں نماز پڑھنے پڑھانے کی ہو تو وہ مسجد ضرار قطعاً نہیں ہو سکتی۔ گو خود بنانے والے کی نیت خالص نہ بھی ہو۔ بصورت نیت خالص نہ ہونے کے بنانے والے کو ثواب موعود حاصل نہ ہوگا لیکن مسجد مسجد ہوگی۔ اور اس میں نماز جائز ہوگی[1]۔

---

(۱) حوالہ سوال بالا۔

جس کی بنا پر جدید مسجد کو گزشتہ سال کے رمضان شریف سے بند رکھا گیا ہے اور نماز پڑھنے سے ہمیشہ کے لیے وہاں سے روکا گیا ہے۔ ایسی صلح شرعاً کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ لہٰذا ایسی صلح توڑ دی جائے۔ کما فی الحدیث كل صلح جائز فيما بين المسلمين الا صلحا احل حراما و حرم حلالا۔ رواه ابو داود عن حديث ابي هريرة ونقله في الهداية ج ۳ ص ۲۴۹ كتاب الصلح)[1]

باقی اس کو مسجد ضرار کہہ کر اس میں نماز پڑھنے سے روکنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ آج کل بالفرض اگر کوئی مسجد ناجائز غرض کے لیے بھی بنائی جائے۔ تب بھی چونکہ اس کو مسلمان بناتے ہیں لہٰذا ضرور بالضرور نماز پڑھنی بھی اس میں مقصود ہوتی ہے۔ لہٰذا مسجد ضرار کے حکم میں نہ ہوگی[2]۔ جس کو منافقین نے ناجائز اغراض (ضرارا وكفرا وتفريقا بين المؤمنين وارصادا لمن حارب الله ورسوله) کے لیے تعمیر کر چکے تھے۔ لہٰذا اگر ثواب نہ ہونے میں مشابہ بالضرار ہو تب بھی اس کے احکام سارے کے سارے مسجد ہی کے ہوں گے۔ از قسم نماز پڑھنے کا جواز، ممنوعیت دخول مع حیض و نفاس اور جنب وغیرہ وغیرہ۔

كما قال في تفسير الاكليل على مدارك التنزيل بعد ما حقق و اطال ج ۲ ص ۲۸۵ سورة توبه و نهي الصلوة في مسجد الضرار مخصوص به فلا يتعدى الى ملحقاته۔

نیز فتاویٰ دارالعلوم ج ۲ ص ۱۹۱ پر کافی تفصیل سے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے دیکھ لیں۔

اس مسجد کی تولیت اس کے بانی کو، اور اس کے بعد اس کے ورثاء کو ہوگی دوسرے اہل محلہ کو تولیت نہ ملے گی۔ امام رکھنے کا اختیار بھی اس کے بانی کو اور اس کے وارثوں کو ملتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ایسے شخص کو امام بنائیں جو امامت کی اہلیت رکھتا ہو اور اس میں اس کے فرائض کی ادائیگی کی پوری صلاحیت موجود ہو۔

كما قال في البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۹، ۲۷۰ تنازع اهل المحلة والباني في عمارته او نصب المؤذن او الامام فالاصح ان الباني اولى به الا ان يريد القوم ماهو اصلح منه و قيل الباني بالمؤذن اولى و ان كان فاسقا بخلاف الامام والباني احق بالامامة والاذان و ولده من

---

1) رواه ابو داؤد، باب الصلح، ج ۲ ص ۱۵۰، حدیث نمبر ۳۵۹۴، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
ہدایہ، جلد نمبر ۳ ص ۲۵۰، کتاب الصلح۔

2) ولعل المحلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطاً ... البحر الرائق، کتاب الصلوة، فصل في ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ۲ ص ۶۲، رشیدیہ کوئٹہ۔
وهكذا في الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، ج ۵ ص ۳۲۰، مكتبه رشيديه كوئته۔

بعدہ و عشیرتہ اولی بذلک من غیرھم وفی المجرد عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ ان البانی اولی بجمیع مصالح المسجد و نصب الامام والمؤذن اذا تاھل للامامۃ او (۱)

ہاں اگر مسجد کو ضرار نہیں کہا گیا اور نہ ہمیشہ کے لیے اس میں نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دے کر اسے بند کر دیا گیا ہے۔ بلکہ عارضی طور پر رفع فساد اور دفع فتنہ کی غرض سے مصلحت کی بنا پر بند کر دیا ہے تب جائز ہے اور صلح درست ہے۔ جب فساد اور فتنہ ختم ہو جائے تب نماز پڑھنی اس میں شروع کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مالک کی اجازت سے قائم مسجد کو مسجد ضرار کہنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ مسلمان کی قطعی ملکیت زمین ہے۔ ہندو نے اس زمین پر قبضہ کر لیا اور اس مقبوضہ زمین پر دھرم سال بنالیا۔ چونکہ اس وقت حکومت انگریزوں کی تھی۔ تمیں چالیس سال تک دھرم سال رہا۔ تبدیل پاکستان میں ہندو لوگ ہندوستان چلے گئے اور مہاجرین حضرات آگئے چونکہ مہاجرین حضرات کی طبیعت نرمی کی جانب مائل تھی اور پشتون لوگوں کی طبیعت سختی کی جانب مائل ہے اس وجہ سے مہاجرین لوگوں نے باجازت مالک مسلمان قدیم اور بامشورہ علماء کرام اور بارضامندی پاسیان صاحبان وغیرہ کے اور دیگر مسلمانان شہر بھی رضامند تھے، مہاجرین حضرات نے اس جگہ مسجد بنالی اور امام قائم کیا اور نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ یہ مسجد جدید تقریباً ۱۷یا ۱۸ سال تک مسجد رہی۔ اس مسجد جدید پر کہ جس میں کوئی مانع شرع شریف نہیں ہے۔ تعصب کی وجہ سے بعض علماء کرام نے مسجد ضرار کا حکم کیا ہے اور اکثر علماء کرام مسجد شرعی کا حکم دیتے ہیں۔ اس لیے اس مسجد جدید کے واقعہ پر عوام اور مابین علماء کرام میں بہت سخت کش مکش شروع ہے اور بحث مباحثہ شروع ہے۔ اس لیے آپ صاحبان مہربانی فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں اور اس واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحیح مسئلہ تحریر فرماویں کہ یہ مسجد شرعی ہے یا مسجد ضرار۔

---

۱) البحر الرائق، ج ۵ ص ۲۴۹، طبع ماجدیۃ کتب خانہ۔
البحر الرائق، ج ۵ ص ۴۱۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
رجل بنی مسجداً فی سکۃ فاحتاج الی العمارۃ فنازعہ أھل السکۃ فی العمارۃ کان البانی بالعمارۃ أولی من أھل السکۃ ولا یکون لأھل السکۃ منازعۃ فی ذلک وکذا لو نازعہ اھل السکۃ فی نصب الإمام والمؤذن کان ذلک الیہ الا اذا عین ھو لذلک رجلاً وعین اھل السکۃ رجلاً آخر اصلح ممن عینہ البانی فحینئذ لا یکون البانی أولی، خانیہ کتاب الوقف باب الرجل یجعل دارہ مسجداً أو حانوتاً أو سقایۃ أو مقبرۃً، ج ۳ ص ۲۹۷، رشیدیہ کوئٹہ۔
ھکذا فی البزازیۃ کتاب الوقف، الرابع فی المسجد وما یتصل بہ، ج ۶ ص ۲۶۹، رشیدیہ کوئٹہ۔

(نوٹ) اس مسجد جدید کا ایک قطعہ قدیم تا حال زندہ ہے اور مسجد ہونے پر قائم ثابت ہے لیکن مخروب ہے۔

﴿الجواب﴾

سائل کا بیان اگر صحیح ہے تو اس تحریر کے ماتحت جواب یہ ہے کہ یہ مسجد صحیح ہے اور ضرار کا حکم لگانا اس پر درست نہیں ہے(۱) اور اگر واقعات اس کے خلاف ہیں تو حکم بدل جائے گا۔ نیز جو کچھ مسجد ضرار کہنے والوں کے وجوہ اور دلائل بھی تحریر کیے جائیں تا کہ حقیقت حال واضح ہو، وجوہ اور دلائل خود انہی سے لکھوا کر ارسال کیے جائیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بلاوجہ کسی مسجد کو مسجد ضرار کہنا

﴿سوال﴾

الاستفتاء في المسجد المبني على اختلاف اهل المسجد القديم.

بنى اهل القرية بالاتفاق في ارض واحد منهم باذنه مسجداً وكلهم يصلون فيه ويعلم امام فيه ومضت على تلك الكيفية سنوات. ثم وقع بينهم تضارب فذهب المضروب وقبيلته فبنوا مسجداً الى جنب المسجد القديم اضراراً له وتفريقاً بين اهله على ظن ان الاول للضارب لان الارض موقوفة من جانبه وذهب الامام القديم مع الفريق الذاهب ومضى نحو ثلثين سنة وهم يسعون في تعطيل اهل المسجد القديم وهذه حالهم الى ان وقع النزاع بين هذا الفريق الذاهب في ولاية المبني الجديد وامامته فحكموا محكما ليحكم بينهم حكم الشريعة الغراء فهل هذا المبني الجديد يكون مسجداً ترتب عليه احكام المسجد من التولية والامامة وان ليس الامام ان يخرج من له حدثاً من غير جنحة مع ما زبرت من حالهم ام لا يكون كانه حقيقة مصورة بصورة المسجد كما نطقت آية التنزيل به اعني والذين اتخذوا مسجداً ضراراً. الآية. او يكون لاحقاً بمنطوق الآية الذي هو الضرار كما قيل كل مسجد بني مباهاة او رياء او سمعة فان اصله ينتهي الى المسجد الذي بني ضراراً... وعن عطاء لما فتح الله الامصار على يد عمر رضي الله تعالى

---

(۱) كما تقدم تخريجه۔

عنه امر المسلمين ان يبنوا المساجد وان لايتخذوا في المدينة مسجدين يضار احدهما صاحبه هذا معنى الكشاف ونقله صاحب الكنز وفي تفسير المدارك واحترم ونقله ملا احمد في تفسير الاحمدي ونسبه اليهما وكذا ذكره في الخازن ثم بروح في الاحمدي فقال فالعجب من المشائخ المتعصبة في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم واستعلاء لشانهم واقتداء بآبائهم ولم يتأملوا معنى هذه الاية والقصة من شناعة حالهم وسوء فعالهم وهذه القصة.. ايعمل بما ذكره هؤلاء الاعلام في تفسيره الاية وجعلوه مدلول النص ولم يذكروا خلافاً فيه لا صراحة ولا اشارة ام لمحمل مدلوله على ماذكروه ورأينا ظهره بينوا توجروا اجراً جزيلاً.

﴿الجواب﴾

بسم الله الرحمن الرحيم اقول مستعيناً بالله تعالى متقابلا حققه حكيم الامة مولانا اشرف علي التهانوي رحمه الله تعالى ان المسجد الجديد حكمه كحكم المسجد ولو بني مباهاة ورياء تجوز الصلاة والاعتكاف فيه ولايجوز دخول الجنب والحائض والنفساء فيه ويحرم القاء الكناسة فيه وهدمه وان كان غير مقبول عندالله تعالى وغير مثاب بانيه بل آثماً غاصباً فانه لاتلازم بين كونه مسجداً وكونه مقبولاً مثاباً عليه.

قال العلامة التهانوي في بيان القرآن تحت هذه الاية. پ ۱۱ ص ۳۳۱. مسئلہ: آں قصہ سے جو بعض علماء نے سمجھا ہے کہ جو مسجد تفاخر و ریا کے لیے بنائی جاوے وہ مسجد نہیں۔ مجھ کو اس میں کلام ہے کیونکہ منافقین علیہم ما علیہم کی تو درحقیقت مسجد بنانے کی نیت نہ تھی۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں مسجد بنانا موجب تقرب نہ تھا۔ بخلاف مفتخرین کے کہ وہ مسجد بنانے کو موجب تقرب سمجھتے ہیں گو اس میں نیت فاسدہ ہے۔ تو تفاخر والی نیت کو فساد عقیدہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور مجتہد مذہب سے یہ جزئیہ کہیں منقول نہیں دیکھا گیا۔ اس لیے کلام ظاہری یہی ہے کہ وہ مسجد ہے۔ گو عنداللہ مقبول نہ ہو باقی مسجدیت اور مقبولیت میں تلازم نہیں نہ ایک جانب سے نہ دونوں جانب سے واللہ اعلم[1]۔

وقال ایضا فی امداد الفتاوی ج ۲ ص ۵۸۰۔ جس مسجد کا ذکر قرآن میں ہے وہ وہ ہے جس کی نسبت دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ وہاں مسجد بنانے کی نیت نہ تھی محض صورت مسجد ضرار اسلام کی نیت سے بنائی گئی۔ سو جس

---

(۱) بیان القرآن سورۃ التوبۃ الآیۃ ۱۰۷، پارہ نمبر ۱۱ ج ۱ ص ۱۴۳، مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی۔

مسجد کا بانی ذمی نہیں بنا، مسجد کا ہے اور کوئی تعلق وتکفل اس کی مذہب نہ ہوا، اس کو مسجد ضرار کیسے کہا جا سکتا ہے(۱)۔ بل ذکر الفقہاء بعضہم لم یشترطوا فی صحة شرائط الوقف ان لا یکون ذمیا ومنہم بل شرطوا ان یکون قربة ذاتہ حتی یصح وقف المسجد من الذمی. فقط واللہ تعالیٰ اعلم(۲)

مسئلة المسجد الجدید. ثم بعد ذلک ظفرت بالاکلیل علی مدارک التنزیل للشیخ عبد الحق وانہ قال تحت قول النسفی (وقیل کل مسجد بنی مباھاة او ریاء او سمعة او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فہو لاحق بمسجد الضرار)(۳) ج ۳ ص ۲۸۳-۲۸۵ قال صاحب الکشاف و عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی ان قال وقد ذکر علماء الاصول ان الصلوة فی الارض المغصوبة منہیة لغیرہا اعنی شغل ملک الغیر لا لانہا صلاة ولکن لما لم یتصل المکان بالصلاة اتصال الوقت بہا او بالعموم لم یکن الصلوة فی المکان المغصوب مکروہا کالصلاة فی الاوقات المکروہة والفاسدة کالصوم فی یوم النحر انتہی التفسیرات الاحمدیة.

---

(۱) امداد الفتاوی، ج ۲ ص ۶۷۱، طبع مکتبہ دار العلوم کراچی۔

(۲) ومثلہ فی البحر الرائق: ویصح وقف المرتدة لانہا لا تقتل واما الاسلام فلیس من شرطہ فصح وقف الذمی بشرط کونہ قربة عندنا وعندہم. کتاب الوقف ج ۵ ص ۳۱۶، رشیدیہ کوئٹہ۔
کذا فی الہندیة: کتاب الوقف، الباب الاول فی تعریفہ ورکنہ، الخ، ج ۲ ص ۳۵۲-۳۵۳، رشیدیہ کوئٹہ۔

(۳) قولہ تعالیٰ: (والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا) ویستفاد من الآیة ایضا ... قیل النہی عن الصلوة فی مساجد بنیت مباھاة او ریاء وسمعة او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ تعالیٰ والحق بذلک کل مسجد بنی بمال غیر طیب وروی عن شقیق انہ ... ذلک وروی عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی عمر رضی اللہ عنہ امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا فی مدینة مسجدین یضار احدہما صاحبہ. روح المعانی، سورة التوبة، الآیة ۱۰۷، ج ۱۱ ص ۲۱، دار احیاء التراث بیروت۔
یہ دوسری مسجد جدید تمام احکام میں مسجد ہی ہے اس میں نماز پڑھنا بلا تامل جائز ہے اور جس طرح دوسری مسجد واجب التعظیم ہے اسی طرح اس کی بھی حرمت وعظمت رکھنا ضروری ہے، دونوں مسجدوں میں دو امر میں کوئی فرق احکام میں نہیں۔ (امداد المفتیین، کتاب الوقف، احکام المساجد، ص ۸۰۷، طبع دار الاشاعت کراچی۔)
وہکذا تفسیر النسفی (مدارک التنزیل) ج ۱ ص ۲۰۹، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

قال العلامة الشيخ الاجل مولانا احمد المعروف بملاجیون صاحب التفسيرات الاحمديه في المنية المقصود من الكلام تتميم مسئلة المساجد المذكورة بما يناسبها والتنبيه ان قبح المكان بمثل هذه الوجوه لايفسد الصلاة ولايكرهها وان كان موجبا للاثم ونهى الصلاة في مسجد الضرار مخصوص به فلايتعدى الى ملحقاته اه. فقط والله تعالىٰ اعلم.

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کیا ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنانا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک چاہ پر قدیمی مسجد ہے اور مالک اس چاہ کے چار اشخاص ہیں اور ان کے مکان رہائش اپنی اپنی زمین میں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ گاؤں یا شہر کی صورت میں نہیں کہ ایک دوسرے کے مکانات متصل ہوں۔ یا قریب قریب ہوں۔ چنانچہ ایک فریق کے مسجد سے ۳۰ یا ۴۰ کرم دور اور مسجد کی جنوبی اور مشرقی جانب ہیں۔ اور دوسرے فریق کے مکانات بیس یا تیس کرم کے فاصلہ پر مسجد کی مشرقی طرف ہیں۔ اور تیسرے فریق کے مسجد سے چالیس یا پچاس کرم اور مشرقی وشمالی سمت ہیں۔ اور چوتھے فریق کے مکانات مسجد سے شمال مغربی کونہ کی طرف ہیں۔ اور فاصلہ بیس یا تیس کرم کا ہے اور یہ چار فریق آپس میں خویش و رشتے دار ایک قوم کے ہیں۔ باہمی ان کے کوعرصہ سے جھگڑے دنیاوی آ رہے ہیں۔ لیکن چار سال سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ان کی دو پارٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ جو کہ فریق اول اور فریق دوم کی ایک پارٹی ہے۔ ان میں آپس میں اتفاق ہے۔ اور فریق سوم اور چہارم کی دوسری پارٹی ہے۔ اور یہ باہم متفق ہیں۔ اور پہلی پارٹی والوں نے دوسری پارٹی والوں کے امام کے پیچھے عرصہ چار سال سے نماز پڑھنا چھوڑی ہوئی ہے۔ اور جو رمضان اب گزرا ہے اس سے پہلے رمضان مبارک میں پہلی پارٹی والوں نے اسی مسجد میں دوسری جماعت شروع کر دی تھی۔ سارے رمضان میں دو جماعتیں ہوتی رہیں متفق نہ ہوئے۔ پھر اس رمضان شریف کے ختم ہونے پر دوسری پارٹی والوں میں سے ایک شخص نے بوجہ خطرہ کے قریب اپنے مکان کے اپنی زمین میں جائے نماز مقرر کر لی۔ وہاں پر نمازیں پڑھنا شروع کر دیا۔ جس کو ایک سال چار ماہ ہو گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس نے خطرہ شر کے باعث اپنی زمین میں جائے نماز بنائی ہے۔ اب اس کا ارادہ ہے کہ دوسری جگہ اپنے مکانوں کے قریب ایک مسجد بنوائے اور اس کو راستہ دے کر وقف کر دے اور اس مسجد جو نئی بنائی جائے گی اور اس مسجد پرانی کے درمیان تقریباً بیس کرم کا فاصلہ ہے۔ کیا اس کو دوسری مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں۔ اور کیا اس نئی مسجد کو مسجد ضرار تو نہ کہا جائے گا۔ بینوا توجروا۔

رفعِ اختلافات کے لیے دوسری مسجد بنانا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دیہات ہے جو کہ آبادی کے لحاظ سے بڑے دیہاتوں میں شمار ہوتا ہے اور اس میں بہت قبائل مختلف آباد ہیں جن میں دو قبیلوں کی اکثریت ہے جن میں ایک احمد زئی قبیلہ اور دوسرا محمد زئی ہے باقی قبیلے اقلیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور اس دیہات میں آباؤ واجداد سے لے کر آج تک ایک مسجد ہے اور اس میں امام بھی دو ہیں۔ ایک احمد زئی کی طرف سے اور دوسرا محمد زئی کی طرف سے متعین ہیں اور ان دونوں اماموں کا آپس میں مسائل پر کچھ اختلاف ہے جیسے دعا بعد الجنازہ اور بھی کئی مسائل ہیں اس اختلاف کی وجہ سے دونوں قبیلوں میں سخت اختلاف ہوگیا ہے اور کچھ ویسے ان دونوں قبیلوں میں ذاتیات کی بنا پر اختلاف ہے اور خاص کر مسجد کے صحن کے فراخ کرنے میں بھی اختلاف ہے یعنی ایک گلی کو مسجد کی حدود میں داخل کرنے میں بھی اختلاف ہے ایک داخل کرنے میں کوشاں ہے تو دوسرا داخل نہیں کرنے دیتا اور باقی جو قبیلے قلیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں وہ مغلوب ہیں حق کی آواز بلند کرنے سے قاصر ہیں اور اس اختلاف میں مجبوراً پھنسے ہوئے ہیں اور اقلیت والے قبیلوں کے گھر دیہات کی ایک جانب میں واقع ہیں اور وہاں کسی وقت اذان سنائی دیتی ہے اور کسی وقت سنائی نہیں دیتی اکثر اوقات اذان سنائی نہیں دیتی اور باقی بھی بہت تکالیف ہیں مسجد کو آنے جانے کی اب یہی اقلیت والے قبیلے متفق ہو کر ایک علیحدہ مسجد کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ہم ان دو قبیلوں کے اختلاف سے بچ جائیں اور تکالیف وغیرہ دور ہو جائیں اور ہم زندگی راحت کے ساتھ گزاریں نہ کہ اس وجہ سے بنانا چاہتے ہیں کہ ہم ان کی ضد کی وجہ سے بنائیں یا ہمارے الگ ہو جانے کے ساتھ مسجد کی آبادی پر اثر پڑے گا بلکہ یہ صرف اپنی آزادی وراحت چاہتے ہیں کیا اس مسجد کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں اقلیت قبیلے والوں کے لیے اپنے محلہ میں مسجد تعمیر کرنا جائز ہے اور کار خیر ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت حکام کے نام ایک حکم جاری فرمایا کہ محلہ میں مسجدیں بناؤ مگر ایسی مسجدیں نہ بناؤ جن سے پہلی مسجدوں کی جماعت توڑنا مقصود ہو۔ تفصیلہ فی اداب المساجد من الکشاف[1]۔

---

(۱) حوالہ سوال بالا۔

بہرحال بضرورت مذکورہ مسجد بنانا جائز ہے۔ كما يجوز لاهل المحلة ان يجعلوا المسجد الواحد مسجدين[1] الخ (بحرالرائق ج۵ص ۲۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اہم وجوہات کی بناء پر دوسری مسجد بنانا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے گاؤں موضع پڑ واقع تحصیل وضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی آبادی تقریباً سات سو گھر پر مشتمل ہے اور تمام گاؤں کی صرف ایک مسجد ہے وہ شہر کے مغربی کنارے پر ہے اب مشرقی کنارے والے بندرجہ ذیل حقائق کے پیش نظر اپنی دوسری مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) جامع مسجد ہم سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ (۲) بعد دوری پانچوں وقت مسجد جانے سے قاصر ہیں۔ (۳) محلے کے بوڑھے تو بالکل نہیں پہنچ سکتے۔ (۴) شروع ہی سے اہل خیال دوسری مسجد تعمیر کرنے کا تھا لیکن استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام رکا ہوا تھا اور اب خدا کے فضل و کرم سے ہم اس اہم فریضہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے قابل ہو گئے ہیں۔

اب از روئے شریعت کیا محلے والے دوسری مسجد محض اللہ کا گھر بنانے کی نیت سے تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر جواب ہاں میں ہے تو کیا اس نئی مسجد کا جمع شدہ چندہ جامع مسجد میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب

اگر اس دوسری مسجد کی تعمیر سے پہلی مسجد کے غیر آباد ہونے کا خطرہ نہیں اور محض اس نیت سے دوسری مسجد تعمیر کرتے ہیں کہ جو لوگ اس مسجد میں نہیں پہنچ سکتے وہ اس ثانی مسجد میں نماز باجماعت ادا کر سکیں تو دوسری مسجد تعمیر کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں جائز ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ۲ ص ٦٢، رشيديه كوئٹه۔
وكذا في الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، ج ۵ ص ۳۲۰، رشيديه كوئٹه۔

(۲) وجعل المسجدين واحداً وعكسه لصلاة، در مختار، كتاب الصلوة، في احكام المسجد، مطلب في من سبقت يده الى مباح، ج ۲ ص ۴۲۸، رشيديه جديد، كوئٹه۔
وهكذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب ما يفسد وما يكره فيها، ج ۲ ص ٦۲، رشيديه كوئٹه۔
وهكذا في الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، ج ۵ ص ۳۲۰، رشيديه كوئٹه۔

(۲) شمال کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا جائز ہے۔ اگرچہ عوام اس کو اچھا نہیں سمجھتے جواز کی دلیل یہ مشہور حدیث ہے۔ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے فرمائی تھی۔ لاتستقبلوا القبلة ولاتستدبروها ولکن شرقوا او غربوا۔ (ترجمہ) پیشاب کرتے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پیٹھ بلکہ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف منہ کیا کرو (جبکہ مدینہ منورہ کے قبلہ کا رخ جنوب کو تھا)۔ عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں محض عوام کا خیال ہے[1]۔ (۳) مصلی امام پر نماز پڑھنا جائز ہے اور حقارت سے دیکھنا گناہ ہے[2]۔ (۴) بلا عذر ترک جماعت کرنا سخت گناہ ہے[3]۔ (۵) بستی میں جمعہ جائز نہیں تمام کتب احناف اس سے بھری پڑی ہیں[4]۔ (۶) دفن سے پہلے دعا کا ثبوت بالکل نہیں[5] غیر دو مسئلوں میں شک ہو تو مکرر پوچھیے لیکن سوالات زیادہ نہ ہوں۔

عبدالرحمن نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۲۲/۳/۷۳

---

۱) سنن ابی داؤد، باب کراھیة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، ج ۱ ص ۱۲، رحمانیہ لاہور۔
ومثله فی جامع الترمذی باب النهی عن استقبال القبلة لغائط أو بول، ج ۱ ص ۸، ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) وفی النصاب ومن ابغض عالماً بغیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر، خلاصة الفتاوی، کتاب الفاظ الکفر الجنس الثامن فی استخفاف العلم والعلماء ج ۴ ص ۳۸۸، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
ومثله فی المنح الروض الأزهر شرح فقه الأکبر، فصل فی العلم والعلماء، ص ۲۷۰، دار البشائر الإسلامیة، بیروت۔

۳) والأحکام تدل علی الوجوب من أن تارکها بلا عذر یعزر وترد شهادته ویأثم الجیران بالسکوت عنه، وقیل هذا المقول والعراقیون علی انه یأثم اذا اعتاد الترک کما فی القنیه، رد المحتار تحت قوله در مختار والجماعة سنة مؤکدة للرجال، ج ۲ ص ۲۸۱، رشیدیہ جدید کوئٹہ۔

۴) ویشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر: تنویر الابصار مع شرحه، کتاب الصلوٰة باب الجمعة، ص ۳/۶، رشیدیہ، جدید، کوئٹہ
ومثله فی البحر الرائق: کتاب الصلوٰة، باب الجمعة، ج ۲ ص ۲۴۵، رشیدیہ کوئٹہ

۵) لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة لانه دعا مرة لأن اکثرها دعاء، البزازیة، کتاب الصلوٰة نوع، ج ۴ ص ۸۰، رشیدیہ کوئٹہ
ومثله فی خلاصة الفتاوی، کتاب الصلوٰة نوع منه، ج ۱ ص ۲۲۵، رشیدیہ کوئٹہ۔

قبیلوں کے اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد کا قیام

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ ایک دیہات ہے جس کی آبادی تقریباً آٹھ سو افراد پر مشتمل ہے۔ اور اپنے ساتھ والے دیہاتوں سے بڑا ہے۔ اور اس میں مختلف قبیلے آباد ہیں جن میں سے دو قبیلے آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں ہیں اور باقی اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی کوئی ایک گھر ہے یا دو گھر اور جو دو قبیلے اکثریت رکھتے ہیں ایک کا نام کہاوڑ اور دوسرے کا ڈھول ہے۔ اور اس دیہات میں آباؤ اجداد سے لے کر اب تک ایک مسجد ہے۔ اور اس مسجد میں پہلے تو ایک امام تھا۔ لیکن بعد میں دو قبیلوں میں اختلافات پیدا ہونے کی وجہ سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ امام مقرر کر دیئے۔ قبیلوں کے درمیان اختلاف کے ساتھ ساتھ دونوں اماموں کے درمیان بعض مسائل پر سخت اختلاف ہے۔ مثلاً دعا بعد الجنازہ وغیرہ۔ اور ان دونوں قبیلوں میں مسجد کے صحن کو وسیع کرنے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قوم کہتی ہے کہ مسجد کی اگلی گلی صحن میں شامل کر لی جائے اور دوسری قوم اس کی مخالفت کرتی ہے اور اس قومی جھگڑے میں ایک آدمی جو مستوفی صلح کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس لوگ اس کی کوشش کو مطلب پرستی پر محمول کرتے ہیں۔ اور اس کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ اب یہ آدمی جھگڑے کو ختم کرنے کی خاطر علیحدہ اپنی ایک مسجد بنانا چاہتا ہے۔ یہ مسجد ایک ایسی جگہ پر بنا رہے ہیں۔ جہاں چند قبیلے آباد ہیں۔ جو کہ چھوٹے ہیں۔ اور پہلی مسجد سے دور ہے اور اس دوسری مسجد سے پہلی مسجد پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔ تو کیا ان وجوہات کی بناء پر دوسری مسجد بنانی جائز ہے یا نہیں۔

﴿جواب﴾

صحت مسجد کا مدار ضرورت وحاجت اور نیک نیتی پر ہے۔ جو مسجد بنائی جائے اللہ کے واسطے اور نیک نیتی سے بنائی جائے اور اخلاص اور نیک نیتی سے ایک مسجد کے قریب ہی دوسری مسجد بنائی جاوے تو شرعاً جائز اور بانی مستحق اجر ہے[1]۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت حکام کے نام ایک حکم جاری فرمایا کہ ہر محلہ

---

(۱) ..... انه سمع عثمان بن عفان رضي الله عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم انكم اكثرتم واني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من بنى مسجداً قال بكير حسبت انه قال يبتغي به وجه الله بنى الله له مثله في الجنة. رواه البخاري، كتاب الصلوٰة باب من بنى مسجداً ج ۱ ص ۶۴ قديمي كتب خانه كراچي.

میں مسجد نہیں بنائی گئی اور ان مساجد میں نماز جن سے پہلی مسجد والوں کی جماعت توڑنا مقصود ہو۔ تفصیله فی آداب المساجد من الکشاف(1)۔

پس صورت مسئولہ میں مذکورہ وجوہات کی بناء پر جب کہ پہلی مسجد کا ضرار اور تقلیل جماعت مقصود نہیں، مسجد تعمیر کرنا درست اور جائز ہے اور اس میں چندہ دینا موجب خیر و برکت ہے۔ کما یجوز لاهل المحلة ان یجعلوا المسجد الواحد مسجدین(2)۔ ج ۵ ص ۲۷۰ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد ثانی کی تخریب پر صلح کا معاہدہ

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں

(۱) کسی گاؤں میں ایک مسجد موجود ہے۔ اور دوسری مسجد بنیت ثواب بنانا جائز ہے کہ نہیں۔

(۲) کیا ہر صلح شرع میں معتبر ہے یا کہ کوئی صلح ناجائز قرار دی جا سکتی ہے۔

(۳) بعض علماء کرام نے مسجد ثانی کی تعطیل و تخریب پر صلح کی ہے۔

خلاصہ یعنی دوسری مسجد جو کہ نئی تعمیر کی گئی ہے اور اس کی تعمیر کو تقریباً ۵۰ سال ہو گئے۔ پرانی مسجد ۱۰۰ (سو) سال کی قدیم ہے۔ اور بانی مسجد ثانی وفات پا چکے ہیں۔

﴿جواب﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (۱) دوسری مسجد بنانا اگر ضرورت ہو یا لوگوں کی سہولت مد نظر ہو اور مقصد تفریق بین المؤمنین تفرقہ و فساد نہ ہو(3)، محض اللہ کی رضامندی کے لیے بنیت ثواب بناتا ہے تو جائز ہے۔

---

(1) تفسیر کشاف، ج ۲ ص ۳۱۰، طبع دار الکتاب العربی، بیروت، ومثله فی روح المعانی، ج ۱۱ ص ۲۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

(2) بحر الرائق: ج ۵ ص ۲۴۹، کتاب الصلوٰة، فصل فی احکام المسجد، رشیدیہ کوئٹہ۔

ومثله فی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة، ج ۵ ص ۳۲۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

(3) ... وانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من بنی مسجدا قال بکیر حسبت انه قال یبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة، رواه البخاری کما مر تخریجه فی السوال السابق۔

(۲) ہر صلح شرعاً معتبر نہیں ہے۔ بعض جائز اور معتبر ہیں۔ اور بعض ناجائز اور کالعدم ہیں[1]۔ صورت مسئولہ میں مسجد ثانی کی تخریب وتعطیل کی نوعیت اور اس کے وجوہ نہیں لکھے گئے ہیں۔ اس لیے بغیر تفصیلی آگاہی کے اس کے متعلق کوئی فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ وجوہ تعطیل اور اس کی نوعیت لکھی جائے تب فتویٰ دیا جا سکے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دور ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد کی تعمیر

﴿سوال﴾

ما قولکم ایها العلماء الربانیون فی المسئلة الاتیة۔ کسی بستی میں اکثر نے اتفاق کر کے یوں اقرار کیا کہ پرانی مسجد میں نمازیوں کو آمدورفت میں انتہائی تکلیف ہوتی ہے نیز یہ پرانی مسجد بستی کے کنارے پر واقع ہے۔ اس لیے بستی کے درمیان میں تبدیلی مسجد پر اکثر کی خوشی ورضا کے بعد بستی کے درمیان جدید مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔ شدہ شدہ تیاری پر بعض لوگ منکر ہو گئے۔ اور بعض باقی جدید مسجد کے فیصلہ پر قائم رہ گئے۔ الغرض کچھ لوگ قدیم پر قائم ہیں۔ اس ناچاکی کی حالت سے عوام پر بہت برا اثر پڑا۔ اس لیے اطراف کی کئی بستیوں کے علماء وسردار وسربراہان نے اتفاق کی صورت یوں فیصلہ کیا کہ جدید والے بھی اپنے لیے جدید کو ترک کر دیں۔ اور قدیم والے بھی اقرار کر کے فراموش کر دیں اور یہی مناسب ہے۔ اس لیے دونوں بھی ترک کر دیویں لہٰذا موضع ثالث میں احسن صورت سبھی نے متفق ہو کر آمین کر کے مناجات کی پھر بعد کو قدیم والے بعد مناجات کے کہتے ہیں کہ ہم اس فیصلہ کو نہیں تسلیم کرتے۔ اس میں دو مرتبہ تمام علماء وعوام نے تفرق کا سد باب کرنے کے لیے موضع ثالث مقرر کیا مگر عدم تسلیم قرار پایا۔ علاوہ ازیں قدیم والوں نے مسجد جدید کو پاخانہ وپیشاب سے ملوث کیا اور گرایا۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الصلح جائز بین المسلمین زاد احمد الا صلحا حرم حلالا او احل حراما زاد سلیمن بن داؤد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المسلمون علی شروطهم. رواه ابوداؤد، باب فی الصلح، ج ۲ ص ۱۵۰، حدیث نمبر ۳۵۹۴، رحمانیہ لاہور۔

هدایہ، ج ۳ ص ۲۵۰، رحمانیہ کتب خانہ لاہور۔

﴿ج﴾

چونکہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے مسجد رہتی ہے [1] لہٰذا سرداران وگردونواح کے علماء کا یہ فیصلہ کہ قدیم والے قدیم کو چھوڑ دیں اور جدید والے مسجد جدید کو چھوڑ دیں۔ اور تیسری جگہ جو موزوں ہو تیسری مسجد تعمیر کر کے اس پر دونوں فریق اتفاق کر لیں یہ فیصلہ غلط ہے [2]۔ اب صحیح فیصلہ یہ ہے کہ قدیم مسجد بھی قائم رکھی جائے اور جدید مسجد بھی مکمل کی جائے اور تیسری مسجد جس پر اتفاق ہو چکا ہے۔ اگر اس کی ضرورت ہو تو آہستہ آہستہ چندہ جمع کر کے تیار کی جاوے [3]۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کی دو حصوں میں تقسیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جو کہ مشترکہ رقم سے تیار ہو چکی تھی بعد وا س کی عمارت گر چکی ہے اور از سر نو تعمیر کی ضرورت ہوئی جس کی بنا پر دونوں فریق نے کچھ رقم جمع کر کے اینٹیں خریدنے کے لیے کچھ رقم دے دی ہے اور بقایا رقم ادا کرنی ہے۔ لیکن دونوں فریقوں میں اختلاف ہو چکا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مسجد کو نصف نصف کر دیا جائے آیا یہ مسجد دو حصوں میں منقسم ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اور جو اینٹیں قابل خرید ہیں ان کی بھی تقسیم ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اور اگر تقسیم نہیں ہو سکتی تو ایک ہی مسجد میں بیک وقت دو جماعتیں ہو سکتی ہیں یا نہیں ہو سکتیں۔

---

١) "ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع ولا يبيعه ولا يورث عنه" الهداية، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٤٤، طبع مكتبه رحمانيه لاهور.

ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام (والثاني) أبداً إلى قيام الساعة (وبه يفتي) تنوير الأبصار مع شرحه، كتاب الوقف، مطلب فيما خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥٠، رشيديه جديد كوئته.

هكذا في البناية: كتاب الوقف، ج ٧ ص ٤٦٧، دار الكتب العلمية بيروت.

٢) كما تقدم تخريجه في السؤال السابق.

٣) هل للمحلة تسميتها للمسجد وصيرورته حائطاً، كما مر تخريجه غير مرة.

وروي عن عطاء أنه لما فتح الله الأمصار على عمر رضي الله عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه. روح المعاني، سورة التوبة، الآية ١٠٧، ج ١١ ص ٣٠، طبع دار إحياء التراث، بيروت.

(۴) اور ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر وقت حاضر وناظر جانتا ہو۔ مختار کل سمجھتا ہو۔ عالم الغیب، مشکل کشا اور مصیبت میں یا غیر مصیبت میں پکارتا ہے۔

(۵) اگر مسجد کے بالکل متصل کچھ جگہ خالی پڑی ہو تو اس جگہ دوسری مسجد بن سکتی ہے یا کہ نہیں جس وقت کہ دونوں مسجدوں کی درمیانی دیوار متصل بھی ہو۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر صحیح العقیدہ امام پر اتفاق نہ ہوسکے تو چونکہ ان مذکورہ عقیدوں والے امام کے پیچھے کہ واقعی ان کے مذکورہ عقیدے ہوں کسی طرح نماز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ عقیدے کہ نبی عالم الغیب ہو یا حاضر وناظر یا مختار کل ہو یا یہ ایسی صفات ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے ساتھ خاص ہیں کوئی نبی، فرشتہ یا ولی ان صفات میں اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے ساتھ شریک نہیں[1]۔ اس لیے یا تو اہل مسجد اس مسجد کو باتفاق ایک فریق کے حوالے کردیں اور یہ جمع شدہ رقم اور اس سے خریدی ہوئی اینٹیں بھی اس مسجد کے لیے اسی فریق کو دے دیں[2] اور جس فریق کو اتفاق سے مسجد حوالے کردیں۔ یہ فریق دوسرے فریق کے لیے دوسری جگہ دوسری مسجد بنوالے۔ بہتر یہ ہے کہ اس پرانی مسجد کے کچھ فاصلہ پر ہو اور اگر دوسری جگہ اتفاق نہ ہوسکے تو مجبوری کی صورت میں اس مسجد کی ساتھ والی جگہ پر چاہے دیوار متصل بھی ہو بنے دوسری مسجد بنالیں اور اگر اس طرح بھی دونوں فریق میں کسی طرح اتفاق نہ ہوسکے تو بوجہ مجبوری وضرورت کے اور جھگڑے کے ختم نہ ہونے کی وجہ سے اس پرانی مسجد اور اس کے چندے وخرید شدہ سامان اینٹیں وغیرہ کو تقسیم کرلیں۔ تو ہر فریق اپنی مسجد میں الگ الگ جماعت کرسکتے ہیں ایک مسجد میں دو جماعتیں ہونا یہ جائز نہیں[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال الله تعالى: (قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله) سورة النمل، الآية ۶۵۔
وبالجملة العلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه وتعالى ولا سبيل إليه للعباد. شرح فقه الأكبر ص ۴۶۲، طبع دار البشائر۔
ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى إلا أن يكون أعلم القوم ومبتدع لا يكفر بها وإن كفر بها فلا يصح الاقتداء به أصلاً. در مختار وشامي، ج ۱ ص ۵۵۹-۵۶۲، ايچ ايم سعيد كراچي كتاب الصلوٰة۔
وحاصله إن كان هوى لا يكفر به صاحبه تجوز الصلوٰة خلفه مع الكراهة وإلا فلا. هكذا في التبيين (الخلاصة منه)
هندية: كتاب الصلوٰة، الباب الخامس في بيان من يصلح إماماً لغيره، ص ۸۴، ج ۱، رشيديه كوئٹه۔
(۲) لعل المحنة فسووا المسجد وضموا إليه ... شيء، كما مر تحته۔
(۳) ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة، وقال العلامة ابن عابدين تحته: ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة ولو بدون أذان ويؤيده ما في الظهيرية. الدر المختار مع شرحه كتاب الصلوٰة مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ج ۲ ص ۳۴۲-۳۴۳، رشيديه جديد كوئٹه۔
ومنها حكم تكرار الجماعة في مسجد واحد ففي الصحيح لا تكره إلا في مسجد محلة بأذان ثان وفي المسجد ... يكره تكرارها في مسجد بأذان وإقامة ... البحر الرائق كتاب الصلوٰة باب الإمامة، ج ۱ ص ۳۶۵، مكتبه ماجديه كوئٹه۔

کیا مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں۔ اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں نے ایک بستی آباد کی۔ مسجد بھی تعمیر کی۔ جس پر تقریباً ۳۵ ہزار روپے لگے۔ مگر کچھ عرصہ بعد مسلمان وہاں سے کوچ کر کے کسی اور جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ اور مسجد والی سابقہ جگہ پر صرف غیر مسلم ہندو وغیرہ آباد ہیں۔ اور قدرے قبرستان بھی بنتا جا رہا ہے۔ اور گرد و نواح میں مسلم آبادی بھی نہیں۔ اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم کسی وقت مسجد کی توہین کریں۔ کیونکہ موجودہ وقت میں وہ غیر آباد اور ویران پڑی ہوئی ہے۔ اور ۳۵ ہزار کی لاگت ہے۔ اس لیے ڈر ہے کہ غیر مسلم آبادی اس کا سامان نکال کر لے جائے اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد کی تعمیر کی تھی اب اس چیز کے خواہاں ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسجد کو منتقل کر دیں۔ یعنی وہ سامان جو وہاں اس کی عمارت کی تعمیر میں آ چکا ہے۔ وہ لا کے جو نئی بستی انہوں نے تعمیر کی وہاں سابقہ مسجد کے سامان سے دوسری مسجد بنائیں۔ کیا وہ سابقہ مسجد کا سامان لا کر جدید مسجد بنا سکتے ہیں۔ اول الذکر صورت حال کو مدنظر رکھ کر قرآن و حدیث و آثار فقہ سے جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾

في رد المحتار وفي جامع الفتاوى لهم تحويل المسجد الى مكان آخر ان تركوه بحيث لا يصلى فيه ولهم بيع مسجد عتيق لم يعرف بانيه وصرف ثمنه في مسجد آخر اه (الى قوله) لكن علمت ان المفتى به قول ابي يوسفؒ انه لا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر كما مر عن الحاوي. (الى ان قال) قلت لكن الفرق غير ظاهر فليتامل. والذي ينبغي متابعة المشائخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد او حوض كما افتى به الامام ابو شجاع والامام الحلواني وكفى بهما قدوة ولا سيما في زماننا فان المسجد او غيره من رباط او حوض اذا لم ينقل ياخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذلك اوقافه ياكلها النظار او غيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج الى النقل اليه وقد وقعت حادثة سئلت عنها في امير اراد ان ينقل بعض احجار مسجد خراب في سفح قاسيون بدمشق ليبلط بها صحن الجامع الاموي فافتيت بعدم الجواز متابعة للشرنبلالي ثم بلغني ان بعض المتغلبين اخذ تلك الاحجار لنفسه فندمت على ما افتيت به. ثم رأيت الآن في الذخيرة قال وفي فتاوى النسفي سئل شيخ الاسلام عن اهل قرية رحلوا و

صرف چاردیواری میں سے ایک دیوار کے نشان و بنیاد رہ گئے۔ اب سابقہ جگہ سے مسجد کو اہل قریہ دوسری جگہ تیار کرنے پر آمادہ ہیں کیونکہ پہلی جگہ رودکوہی سے مسجد کا بچانا مشکل ہے اگر بہت زور بھی لگایا جاوے، رودکوہی بند کیا جاوے تب بھی اطمینان نہیں کیونکہ بہت بارش کے وقت رودکوہی کے آنے کا خطرہ ہے۔ اب قابل دریافت دو امر ہیں ایک تو یہ ہے کہ اس مجبوری کی وجہ سے مسجد کا سامان دوسری جگہ منتقل کر کے دوسری مسجد پر لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ امر ثانی یہ کہ مسجد اولیٰ کی جگہ بوجہ عذر ہائے مذکورہ کے منتقل ہو سکتی ہے اور حکم و احترام مسجد میں نہ رہے گا یا ابداً آباد رہے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد کی زمین ابداً آباد مسجد ہی رہے گی اس کا احترام ضروری ہوگا اس مقام پر مسجد کی علامات اگر ہو سکے رکھی جاویں (1)۔ البتہ اس کا سامان دوسری جگہ مسجد میں منتقل کر سکتے ہیں۔ علامہ شامی اور دوسرے علماء محققین نے اس صورت میں جواز نقل کو مختار قرار دیا ہے۔ کذا فی رد المحتار ج ۳ ص ۴۰۷۔ واللہ اعلم (۲)۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

تنگی کی وجہ سے دوسری جگہ مسجد منتقل کرنا

السوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو بہت پرانی ہے اور مکانوں کے اندر ہے، وہاں ہوا وغیرہ نہیں لگتی اور بہت تنگی ہے۔ اب مسجد والوں نے اس کا حل یہ سوچا ہے کہ اس مسجد کو اس جگہ سے ختم کر کے کسی اور جگہ بنائیں اور وہاں جگہ بہت تنگ ہے۔ کیا اسے توڑ کر کسی دوسری جگہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ زمین ایک ہی آدمی کی ہے۔ مسجد والی بھی اور دوسری بھی۔

---

۱) كما تقدم تخريجه في السؤال السابق.

۲) جزم به في الإسعاف حيث قال ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد ... وبه علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد، والمراد بالآلات المسجد نحو القناديل والحصير ... شامي كتاب الوقف مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، ج ۳ ص ۴۰۷ رشيديه قديم كوئٹه. ومثله في البحر الرائق: كما تقدم تخريجه في السؤال السابق. وكذا في الهندية، كتاب الوقف والباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ۲ ص ۴۵۸ رشيديه كوئٹه.

الجواب

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جائے، وہ تا قیامِ قیامت مسجد ہی رہتی ہے۔ لہٰذا یہ جگہ بھی مسجد ہی ہے۔ تمام احکامِ مسجد اس کو حاصل ہیں۔ اس لیے اس کو توڑ کر غیر آباد کرنا جائز نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بے پردگی کی وجہ سے مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہماری بستی جو کہ تین خاندانوں پر آباد ہے، اس آبادی میں مسجد واقع ہے۔ جو کہ ۱۹۴۷ء میں ترکِ وطن ہندوؤں کے زمانے میں ایک چھوٹے سے چبوترہ کی شکل میں تھی، لیکن بعد میں وہ مسجد بنا دی گئی۔ لہٰذا وہ آبادی کے اندر ہے، چاروں طرف گھر ہیں، جبکہ مسجد کے ساتھ کافی جگہ ہے جس میں مسجد دوبارہ تعمیر کرنے کے لیے وسیع کیا جا سکتا ہے، لیکن اکثریت کا خیال ہے کہ مسجد کو باہر کھلی جگہ بنایا جائے، چونکہ باہر سے لوگ اور تبلیغی جماعتیں جو آتی ہیں ان سے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے، لہٰذا اس مسجد کو بند کر کے گرا دیا جائے۔ اس میں صحیح رہنمائی شریعتِ مطہرہ کے تحت فرمائیں تاکہ آبادی میں انتشار پیدا نہ ہو۔ اس کی جگہ آبادی کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس مسجد کو گرا کر دوبارہ تعمیر کر کے وسیع کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب

اس مسجد کو بند کرنا اور غیر آباد کرنا جائز نہیں(۲)، اس کو وسیع کرنا جائز ہے، چار دیواری اونچی بنائی جائے کہ جس سے مسجد کی حفاظت اور احترام ملحوظ رہے اور ملحقہ گھروں کی پردہ داری بھی محفوظ رہے، نیز جو لوگ مسجد میں تبلیغ

---

(۱) ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه ولا يورث عنه" (الهداية، ج ۲، كتاب الوقف، ص ۶۴۴، طبع مكتبه رحمانيه لاهور)

(ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة (وبه يفتى) (تنوير الأبصار مع شرحه، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ۴، ص ۳۵۸، رشيديه جديد كوئٹه)

ثم نقل الطرابلسي عن كتاب الصلاة ما يؤيده، وعلله العلامة بأنه لم يجز للآمر أن يهدمه ولا يعمر به منزلاً ولا يبيعه، قال الناطفي هذا قول أبي يوسف رحمه الله (البناية، كتاب الوقف، ج ۷، ص ۴۴۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) كما تقدم تخريجه في السوال السابق۔

ہے تو اسی کو وسیع کردیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

ویران جگہ کی وجہ سے مسجد کو ختم کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج سے قبل ایک جنگل سرکار میں تقریباً پچاس سال ہم قیام پذیر رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد نہر آئی پھر ہم نے سرکاری نیلام ٹھیکہ پر لے کر اس جگہ کو آباد کیا۔ اور اس جگہ پر بندہ نے مسجد تعمیر کرائی۔ اور درس قرآن مجید، باقاعدہ باجماعت نماز ادا ہوا کرتی تھی۔ اور جلسے اجلاس وغیرہ بھی ہوا کرتے تھے۔ اور مسجد پکی دو چھت والی ہے۔ باقاعدہ مسجد کے صحن میں ایک حجرہ اور ایک ملک بھی تھا۔ ۱۹۶۵ء میں سرکار نے ایک انگورا گوٹ فارم بنا دیا۔ انہوں نے ہمیں بے دخلی کے نوٹس دے دیے بندہ نے لاہور ایسوسی بورڈ تک کوشش کی۔ لیکن ہمیں کوئی حق نہ ملا۔ مکان وغیرہ سب گرا کر اور وہ چھوڑ کر تقریباً دو مربعہ کے فاصلہ پر اب قیام پذیر ہیں۔ اس وقت مسجد ویران ہے محلہ والے کہتے ہیں کہ مسجد کو گرا کر اس کا سامان لے جاؤ۔ آپ مہربانی فرما کر مجھے آگاہ کریں کہ قانون شریعت میں ایسی مسجد کے بارے میں کیا فیصلہ ہے۔ مسجد کو شہید کر کے اس کا سامان کسی اور مسجد پر لگا سکتے ہیں یا نہیں، اگر قانون شریعت میں یہ اجازت ہو کہ مسجد کی چار دیواری حجرہ وغیرہ پر لگ سکتا ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا بھی نہ ہو کہ پہلا ثواب بھی چلا جائے اگر نہیں اجازت تو محلہ والے جانیں چاہے اس کو شہید کریں یا نہ کریں۔ لیکن اس وقت بالکل ویران ہے۔

---

(۱) فرع أراد أهل المحلة نقض المسجد وبناء ه احكم من الأول ان البانى من أهل المحلة لهم ذلك والا لا، بزازية، قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وفى طوطارى عن الهندية: ومسجد متى أراد رجل أن ينقضه ويبنيه —— وأما أهلها فلهم أن يهدموه، ويجدد بناء ه، ويفرشوا الحصير، ويعلقوا القناديل لكن من مالهم لا من مال المسجد الا بأمر القاضى، در المختار مع شرحه كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٤٨، رشيديه جديد كوئٹه۔

هكذا فى البزازية: كتاب الوقف، الرابع فى المسجد وما يتصل به، ج ٦ ص ٢٦٨، رشيديه كوئٹه۔

وكذا فى البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد، ٥ ص ٤٢٠، رشيديه كوئٹه۔

أرض وقف على مسجد والأرض بجنب ذلك المسجد وأرادو أن يزيدوا فى المسجد شيئاً من الأرض جاز لكن يرفعون الأمر الى القاضى ليأذن بهم —— الخ، هندية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٦، رشيديه كوئٹه۔

ضرورت کی بناپر مسجد کی منتقلی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زمین میں شرعی اصول کے مطابق مسجد تعمیر کرلی ہے اور سالہا سال سے اس میں نمازیں بھی پڑھی جاتی ہیں۔ اب یہ شخص کسی ضرورت کی بناپر اس مسجد کو موجودہ جگہ سے ہٹا کر زمین کے کسی اور حصہ میں تعمیر کرنا چاہتا ہے کیا شرعاً اس شخص کے لیے اس کی اجازت ہے کہ وہ مسجد کو گرا کر اس زمین کو اپنی ضرورت میں لائے اور مسجد اور جگہ تعمیر کردے۔

﴿ج﴾

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ قال فی [1] **شرح التنویر ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجد اعند الامام والثانی ابداً الی قیام الساعة وبه یفتی. وفی الشامیة وقوله ولوخرب ماحوله. الخ. ای ولومع بقائه عامراً وکذالو خرب ولیس له مایعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد اخر.** پس صورت مسئولہ میں اس جگہ کو گرانا اور اس کی زمین کو اپنی ضرورت میں لانا جائز نہیں۔ اگرچہ دوسری جگہ مسجد تعمیر بھی کردے۔ فقط واللہ اعلم۔

---

١) وفی الدر المختار: (ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام، والثانی) أبداً الی قیام الساعة (وبه یفتی) کتاب الوقف، مطلب فی لو خرب المسجد أو غیره، ج ٤ ص ٣٥٨، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔

وفی الشامیة: تحت قول الدر المختار: (قوله ولو خرب ما حوله) أی ولو مع بقائه عامراً —— قوله عند الإمام والثانی) فلا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أولا وهو الفتوی حاوی القدسی، وأکثر المشائخ علیه، کتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیره، ج ٤ ص ٣٥٨، ایچ ایم سعید کراچی۔

وفی البحر الرائق: وقال أبویوسف: هو مسجد أبداً الی قیام الساعة —— سواء کانوا یصلون فیه أولا وهو الفتوی، کتاب الوقف فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

هکذا فی العالمکیریة: أما علی قول أبی یوسف —— وإن خرب واستغنی عنه أهله لا یعود الی ملك الباني، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٨، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

اور اگر (۱) وہ جگہ مالک نے وقف کر کے مسجد نہیں بنائی بلکہ بغیر وقف کیے ایک جگہ ایسی بنائی جہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ بعض گھروں میں عورتیں بھی جگہ مختص کر لیتی ہیں تو یہ مسجد کا حکم نہیں رکھتی اس کو منتقل کرنا جائز ہے۔

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کی جگہ دیگر مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک مسجد کو گرا کر اس سے متصل ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اب سابقہ مسجد والی جگہ پر امام مسجد کا مکان یا درسگاہ یا مسجد کی دو کانیں تعمیر ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جو زمین ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی۔ کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور نہ (۲) اس زمین پر امام مسجد کے لیے مکان یا درسگاہ وغیرہ تعمیر کرنی جائز ہیں بلکہ یہ حصہ مسجد ہی رہے گا۔ اس پرانی مسجد کو نئی مسجد کے صحن میں شامل کر دیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ جس قدر زمین پرانی مسجد کی سمجھی جاتی ہے اس کا کوئی جزو خارج مسجد کی شکل بنانا درست نہیں۔ قال (۳) فی

---

۱) وفی الفتاوی قاضی خان: رجل له ساحة لابناء فیها أمر قوماً ــــ وان أمرهم بالصلوة شهراً أو سنة ثم مات أو خاناً أو سقایه أو مقبرة، ج ۳ ص ۲۹۰، مکتبه علوم اسلامیه چمن۔
هکذا فی العالمکیریة: من بنی مسجداً لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه ویأذن بالصلوة فیه أما الافراز فلانه لا یخلص لله تعالی الا به، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ۲ ص ٤٥٤، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وفیه أیضاً: رجل له ساحة لا بناء فیها أمر قوماً ــــ وأما أن وقت الأمر بالیوم أو الشهر أو السنة ففی هذا الوجه لا تصیر الساحة مسجداً لو مات یورث عنه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ج ۲ ص ٤٥٥، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۲) وفی العالمکیریة: قیم المسجد لایجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لأن المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقت علی المسجد وتصرف القیم وغیره فی مال الوقف علیه، ج ۲ ص ٤٦٢، مکتبه بلوچستان بکڈپو
هکذا فی البحر الرائق: وفی المجتبی لا یجوز لقیم المسجد أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فنائه، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤١٨، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) کتاب الوقف مطلب فیما لوخرب المسجد لوغیره، ج ٤، ص ۳۵۸، مکتبه ایچ ایم سعید، کراچی

شرح التنویر، ج ۳ ص ۲۴۲ (ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الامام والثانی (ای ابی یوسف) ابدا الی قیام الساعة (وبه یفتی) وفی الشامیة (قوله ولو خرب ما حوله) ای ولو مع بقائه عامرا وکذا لو خرب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی جگہ پر مدرسہ کی تعمیر

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے ہاں ایک مسجد ہے جو مختصر اور مسجد کے ساتھ متصل ایک طرف مسجد کی زمین ہے جس میں مسجد کی طہارت خانہ پانی وغیرہ کا انتظام ہے اور یہ جگہ قدیم مسجد سے خارج ہے۔ تو کیا اس وضو والی جگہ کے اوپر ہم ایک دینی مدرسہ تعلیم القرآن مقامی بچوں کے لیے قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

جو زمین مسجد کے لیے وقف ہے اس پر مدرسہ تعمیر کرنا درست نہیں[1]۔ شرط الواقف کنص الشارع۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام کا وقف مکان کو مدرسہ بنانا

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ: (۱) ایک مسجد شریف ہے اور اس کے احاطہ کے اندر پیش کی

---

(۱) کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، ج ۴ ص ۴۳۳، مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی۔ وهکذا فی الشامیة: مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص والحکم به حکم بلا دلیل وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حکم لا دلیل علیه، کتاب الوقف، ج ۶ ص ۶۷۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

وهکذا فی الهندیة: ویصرف نماء الوقف الی جهته فلا یصرفه الی غیرها، کتاب الوقف، الباب الرابع عشر فی المتفرقات، ج ۲ ص ۴۹۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

وهکذا فی تنویر الابصار مع الدر المختار: فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن، کتاب الوقف، ج ۴ ص ۳۵۱، مکتبہ سعید کراچی۔

وهکذا فی الشامیة: وکذلک یبنی للقیم الاستبدال الا ان ینص له علیه، کتاب الوقف، مطلب فی اشتراط الادخال والاخراج، ج ۴ ص ۳۸۵، مکتبہ ایچ ایم سعید۔

جانب ایک مکان اور کچھ زمین اس غرض سے وقف ہے کہ ہر امام مسجد جو بھی وقتاً فوقتاً خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ اس مکان میں سکونت پذیر رہے اور ایک دینی مدرسہ جاری رہے۔ تو کیا کسی امام مسجد کو از روئے شریعت حق پہنچتا ہے کہ وہ مکان کی اپنی مرضی سے شکل وصورت تبدیل کر کے اسے اپنی ذاتی ملکیت بنائے۔

(۲) یہ کہ ایسی حالت میں تبدیلی مکان پر جو روپیہ وہ صرف کرے وہ شرعاً مسجد شریف سے وصول کرنے کا مجاز ہے۔ جبکہ مسجد شریف کی کسی قسم کی آمدنی بھی نہیں ہے۔

(۳) کیا اس مکان پر قابض رہنے کی صورت میں قبضہ مخالفانہ جائز ہے۔ یا کسی شرعی یا غیر شرعی حیلے وجواز کی بنا پر یہ اس کی ذاتی ملکیت ہو سکتی ہے۔

(۴) یہ کہ اہل محلہ اور واقف کاران حال پر کیا شرعی حکم عائد ہوتا ہے۔ مفصل جواب عنایت فرماویں۔

ج

(۱) امام مسجد[1] مکان وقف کی شکل وصورت کو اس وقت تبدیل کر سکتا ہے جبکہ وہ خود اس مسجد اور مکان کا متولی ہو یا دوسرے متولی یا انجمن جو مسجد کے انتظام وغیرہ کے لیے مقرر ہیں کی اجازت سے ہو، ورنہ اسے شکل وصورت کی اس تبدیلی کا حق نہیں پہنچتا ہے۔ بانی وقف[2] کو ذاتی ملکیت تو ہرگز نہیں بنا سکتا، متولی کی اجازت سے ہو یا اس کی اجازت کے بغیر ہو، لان **الوقف لا یملک**، ہاں امام مذکور کو جب تک وہ اس خدمت پر مامور ہے شرط واقف کے مطابق[3] اس مکان میں رہائش کا حق حاصل ہے۔

---

۱) کما فی تنویر الأبصار مع رد المحتار: ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه، کتاب الوقف، ج ٦ ص ٦٤٥، طبع رشیدیه کوئٹه۔ وفیه أیضاً جعل الواقف الولایة لنفسه جاز بالاجماع و کذا لو لم یشترط لاحد فالو لایة له عند الثانی وهو ظاهر لامذهب نهر خلافا لما نقله المصنف ثم لوصیه ان کان والا فللحاکم ص ٥٨٢ ج ٦۔

۲) کما فی تنویر الأبصار مع رد المحتار: فاذا تم ولزم لا یملك ولا یملك ولا یعار ولا یرهن، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔
هکذا فی الشامیة: (قوله لا یملك) أی لایکون مملوکاً لصاحبه ولا یملك أی لا یقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه کتاب الوقف، مطلب مهم فرق أبویوسف بین قوله موقوفة وقوله موقوفة علی فلان، ج ٦ ص ٥٣٩، رشیدیه کوئٹه۔ هکذا فی البحر الرائق: ان الوقف لا یملك ولا یباع، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٣٤٤، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) کما فی در المختار: شرط الواقف کنص الشارع کتاب الوقف، ج ٤، ص ٤٣٣، سعید کراچی
هکذا فی الشامیة، ماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، کتاب الوقف مطلب ما خالف شرط الواقف، الخ، ص ٧٦٠، ج ٦، رشیدیه، کوئٹه۔
هکذا فی تنویر الأبصار مع الدر المختار: ویبدأ من غلته بعمارته ـــــ ثم ما هو أقرب لعمارته کإمام المسجد ومدرس کتاب الوقف، ج ٥ ص ٥٦٣، مکتبه رشیدیه۔
هکذا فی الشامیة: قال فی الحاوی القدسی، والذی یبدأ به من ارتفاع الوقف، أی من غلته عمارته شرط الواقف أولاً ثم ما هو أقرب الی العمارة۔

کرتے ہوئے ان مکانوں کے املاک ختم کر کے مسجد کو آباد کر دیا جائے اور اس کی شہادت کے لیے موقع کے آثار قدیمہ موجود ہیں۔

موقع کی وسعت دیتے ہوئے حق و مسجد کے حق رسی فرما سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے مسجد پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے ان سے بھی خالی کرایا جائے۔

﴿الجواب﴾

واقعی (١) اگر بینہ میں پہلے قدیم سے مسجد کا ٹکڑا ہے اور اس کا ثبوت ہو جائے تو وہ لازماً مسجد کو واپس دی جائے کہ مسجد ہو جانے کے (٢) بعد قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے۔ وہ کسی طرح مسجد سے نکل نہیں سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

---

(١) كما في العالمكيرية: الوقوف التي تقادم أمرها ومات وارثها ومات الشهود الذين يشهدون عليها، فإن كانت لها رسوم في دواوين القضاة يعمل عليها فإذا تنازع أهلها فيها أجريت على الرسوم الموجودة في دواوينهم وإن لم تكن لها رسوم في دواوين القضاة يعمل عليها تجعل موقوفة فمن ثبت في ذلك حقا قضي له به هكذا اذا لم تبق ورثة الواقف، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الشهادة، ج ٢ ص ٤٤٩، مكتبه رشيديه كوئته.

وفيه أيضاً: وتقبل الشهادة على الشهادة في الوقف وكذا شهادة النساء مع الرجال كذا في الظهيرية، وكذلك الشهادة بالتسامع فلو أنهما شهدا بالتسامع وقالا نشهد بالتسامع تقبل شهادتهما وإن صرحا به لأن الشاهد ربما يكون سنه عشرين سنة وتاريخ الوقف مائة سنة فيتيقن القاضي أن الشاهد يشهد بالتسامع لا بالعيان، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الشهادة، ج ١ ص ٤٢٨، مكتبه رشيديه كوئته.

(٢) كما في الدر المختار: ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتى، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٥٥٠، مكتبه رشيديه كوئته.

وهكذا في البحر الرائق: وقال أبو يوسف هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة ... سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مكتبه رشيديه كوئته.

وهكذا في العالمكيرية: أما على قول أبي يوسف ... وإن خرب واستغني عنه أهله لا يعود إلى ملك الباني، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ج ٢ ص ٤٥٨، مكتبه رشيديه كوئته.

وضو خانے کے اوپر چوبارہ کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد شریف کے ایک کونے میں حجرہ، وضو کا مٹ، کنوئیں کی جگہ، نہانے کی جگہ، طہارت کی جگہ بنی ہوئی ہے اس کے اوپر چوبارہ بنانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ چوبارہ کا کرایہ مسجد کے اخراجات میں صرف کیا جائے گا۔ نیز اس چوبارہ پر مرد و عورت دونوں رہ سکتے ہیں یا نہیں۔

نوٹ: یاد رہے کہ حجرہ، وضو کی جگہ، کنوئیں کی جگہ، نہانے کی جگہ اور طہارت کی جگہ ابتداء سے مسجد شریف کے اکٹھے بنے ہوئے تھے۔

محمد رفیق از مستوئی مسجد

﴿ج﴾

حجرہ برائے سکونت امام مسجد نیز غسل خانہ، طہارت خانہ، وضو اور کنوئیں کی جگہ جب ابتداء ہی میں مسجد کے ساتھ متصل بنائی گئی ہیں۔ تو بلاشبہ یہ وقف علی المسجد ہے۔ مسجد نہیں اور نہ اس زمین کو مسجد کی حرمت حاصل ہے جو نماز کے لیے مخصوص ہے[1]۔ لہٰذا اس جگہ پر بلاشبہ مکان مسجد کے مصالح کے لیے بنایا جا سکتا ہے۔ اس کا کرایہ[2] مسجد پر صرف کیا جاوے گا۔ اس میں ہر مرد و عورت سکونت کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

(۱) كما في العالمكيرية: ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم ان يبني فيها بيوتا فيؤاجرها. كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، ج ۲ ص ۴۱۹، مكتبة بلوچستان بك ڈپو۔

(۲) كما في البحر الرائق: قال في الخلاصة وهذا دليل على ان المسجد اذا احتاج الى نفقة تؤاجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه، كتاب الوقف، ج ۵ ص ۲۳۹، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

هكذا في العالمكيرية: وسئل الخجندي عن قيم المسجد يبيع فناء المسجد ليتجر القوم هل له هذه الإجارة فقال اذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس به ان شاء الله، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، ج ۵ ص ۳۲۰، مكتبه علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔

مسجد کی زمین سے راستہ نکالنا

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زمین خریدتے وقت ایک کنال زمین وقف برائے مسجد کردی ظاہراً اس کی حد بندی نہیں کی گئی۔ چونکہ یہ زمین وقف شدہ سڑک کے ملحق ہے تو اس ملحقہ وقف شدہ میں سے راستہ نکالا یا کوئی اور ردوبدل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ شرعاً تفصیل سے تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خریدتے وقت ایک کنال زمین معلوم ہونے کے ساتھ مع وقف کرنے سے وقف صحیح ہوجاتا ہے اس لیے کہ یہ مقدار معلوم[1] ہے اور چونکہ خالی زمین ہے اور اس کا راستہ سڑک کی طرف ہے اس لیے یہ وقف زمین برائے مسجد ممیزۃ الطریق ہے جو صحیح ہے اور[2] بنابرقول امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہ وقفتہ مسجداً یعنی میں نے اس کو وقف برائے مسجد کردیا سے وقف لازم ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد رجوع کرنے اور اس میں ردوبدل کرنے کا اختیار واقف اور کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس وقف مذکورہ میں سے راستہ نہیں نکال سکتا اور فتویٰ[3] بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر دیا گیا ہے۔ کما قال[4] الکنز ص ۲۲۱ من بنی **مسجداً لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقہ ویأذن للناس بالصلوۃ فیہ فاذا صلی فیہ واحد زال ملکہ وفی الدر المختار مع شرحہ الشامی ج۳ ص ۴۰۳–۴۰۵ (ویزول[5] ملکہ عن المسجد والمصلی) بالفعل و(بقولہ جعلتہ مسجداً) عند الثانی (وشرط محمد) والامام (الصلوۃ فیہ) بجماعۃ وقیل یکفی واحد وجعلہ فی الخانیۃ ظاہر الروایۃ، وقال الشامی**[6]

---

۱) کما فی الدر المختار: وشرطہ شرط سائر التبرعات ..... وان یکون قربۃ فی ذاتہ معلوماً ... حتی لو وقف شیئاً من ارضہ ولم یسمہ لا یصح ولو بین بعد ذلک. (کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورۃ، ج ۶ ص ۵۲۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) کما فی البحر الرائق: وقال ابو یوسف یزول ملکہ بقولہ جعلتہ مسجداً لأن التسلیم عندہ لیس بشرط. کتاب الوقف، فصل فی احکام المساجد، ج ۵ ص ۴۲۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

وهکذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجداً عند الثانی. کتاب الوقف، فصل فی احکام المساجد، ص ۵۴۶، ج ۶، مکتبہ رشیدیہ۔

۳) کما فی الشامیۃ: وفی الدر المنتقی: وقدم فی التنویر والدرر والوقایۃ وغیرها قول ابی یوسف وعلمت ارجحیتہ فی الوقف والقضاء. کتاب الوقف، مطلب فی احکام المساجد، ج ۶ ص ۵۴۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۴) کتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۲۵، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۵) کتاب الوقف، فصل فی احکام المساجد، ج ۶ ص ۵۴۶، مکتبہ رشیدیہ۔

۶) کتاب الوقف، مطلب فی احکام المساجد، ج ۶ ص ۵۴۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

تصحیحه وفی الدر المنتقی وقدم فی التنویر والدرر والوقایة وغیرها قول ابی یوسف رحمه الله وعلمت ارجحیته فی الوقف والقضاء. اہ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے صحن میں کرایہ کے لیے حجرہ بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو کہ محلہ قائم والا میں ہے زیر تعمیر ہے۔ اس مسجد کے صحن میں چبوترہ عبادت کی باقی ہے کیا اس صحن کے اندر حجرہ بغرض کرایہ وغیرہ تعمیر ہو سکتا ہے۔ جبکہ دو عدد حجرے اس سے پہلے مسجد کی ملکیت میں موجود ہیں اور وہ دونوں حجرے -/۳۰ روپیہ ماہوار کرایہ پر چل رہے ہیں۔ نقشہ مسجد بھی پیش خدمت ہے۔ اور مطابق نقشہ موقع بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

﴿ج﴾

زمین کا جو حصہ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو چکا ہے اور نماز کے لیے[1] اس کو متعین کیا گیا ہے۔ اب کسی بھی غرض کے لیے اس حصے کو مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں۔ یہ حصہ مسجد ہی رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے حجرہ کو دکان بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ایک مسجد جو کہ برلب سڑک ہے اور اس کا حجرہ بھی سڑک پر ہے۔ کیا اس کا دروازہ سڑک کی طرف نکال کر اس میں امام مسجد اپنا کاروبار کر کے اس مسجد کو آباد کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسجد میں چندہ وغیرہ رہتی ہے۔ برائے مہربانی مسئلہ کا جواب دے کر مشکور فرماویں۔

---

(۱) کما فی الهندیة العالمکیریة: قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمته وهذا لا یجوز، والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ۲ ص ۴۶۲، مکتبه بلوچستان بکڈپو، کوئٹه۔ وهکذا فی البحر الرائق: وفی المجتبی: لا یجوز لقیم المسجد أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۸، مکتبه رشیدیه۔ کذا فی قاضی خان، ولو أن قیم المسجد أراد أن یبنی حوانیت فی حریم المسجد وفنائه، قال الفقیه أبو اللیث رحمه الله: لا یجوز له أن یجعل شیئاً من المسجد مسکناً أو مستغلاً، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۲۹۴، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

﴿ج﴾

مسجد کے حجرہ کو نمازیوں کے مشورہ سے دکان[1] کی حیثیت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس دکان کی وجہ سے فتنہ وفساد برپا نہ ہو۔ پھر اس دکان کو امام مسجد یا کسی اور نیک آدمی کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ امام سے کرایہ لیں۔ یہ کم کرایہ لیں یا مناسب لے کر اتنا یا اس سے کم وبیش تنخواہ میں اضافہ کردیں سب جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

مسجد کی اشیاء کو کرایہ پر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کی متعلقہ اشیاء غیر منقولہ مثلاً مکان دکان اور منقولہ مثلاً لاؤڈ سپیکر، شامیانے کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

مسجد کی وہ متعلقہ اشیاء جو بناتے وقت کرایہ پر دینے کا ارادہ بھی ہو اور مسجد کے لیے[2] سامان دینے والوں نے دیتے وقت کرایہ پر دینے کی اجازت دی ہو۔ تو وہ سامان کرایہ پر دینا جائز ہے۔ اگر بناتے وقت کرایہ پر دینے کا ارادہ نہ ہوا ہو اور اسی طرح اگر معطین نے اجازت نہ دی ہو تو پھر کرایہ پر دینا جائز نہیں۔

مسجد کے صحن کو مدرسہ میں تبدیل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہماری شہر کی قدیم ترین مساجد میں سے ایک مسجد غیاں والی ہے۔

---

1) كما في العالمكيرية: سئل عن قيم المسجد يبيع فناء المسجد ليتجر القوم هل له هذه الإجارة فقال اذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس به كتاب ما قابل فهم ج ٥ ص ٣٢٠، رشيدية كوئته۔

2) كما في الدر المختار: قولهم شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٦٦٤، مكتبه رشيديه۔

كما في الشامية: وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص ..... فيجب اتباعه كتاب الوقف، مطلب مما خالف شرط الواقف، ج ٦ ص ٧٦٠، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا في العالمكيرية: ولا يجوز تغير الوقف عن هيئته فلا يجعل الدار بستانا، كتاب الوقف، الباب الرابع عشر، ص ٤٩٠، ج ٢، مكتبه رشيديه كوئته۔

آج سے تقریباً دو تین سال قبل اس مسجد میں ایک مولوی صاحب بحیثیت امام مقرر ہوئے۔ ان کے تقرر کے کچھ عرصہ بعد مسجد مذکور کے متولی ایک خان صاحب تھے کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد مسجد کی عمارت میں تبدیلی کی گئی۔ جو حسب ذیل ہے۔ مسجد کے صحن جس پر جو سردیوں میں دھوپ میں باجماعت نماز ہوتی تھی اس صحن کو کھود کر ایک تہ خانہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور اس تہ خانہ میں دو رہائشی حجرے اور طلبہ کے لیے درس گاہ بنائی گئی ہے۔ اور وضوخانہ بھی بنایا گیا۔ یہ تبدیلی موجودہ امام صاحب کے بزور اصرار پر لائی گئی ہے۔ تو کیا یہ تبدیلی شرعاً درست ہے؟ اور مسجد کے کسی حصہ کو کسی اور کام کے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

مسجد کا جو حصہ سردیوں میں نماز کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اگر یہ حصہ واقعی مسجد ہی کا صحن تھا عرفاً اور مسجد کی انتظامیہ اس حصہ کو مسجد ہی سمجھتے رہے اور اس کے ساتھ مسجد کا معاملہ کرتے رہے تو یہ حصہ اب بھی مسجد ہے اور کسی (۱) بھی مصلحت کے لیے اس کو مسجد سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر رہائشی کمرے اور وضوخانہ بنانا درست نہیں۔ البتہ اگر یہ حصہ (۲) مسجد کا باقاعدہ حصہ اور صحن نہ تھا تو یہ تصرف درست ہے۔ مقامی طور پر علماء موقع پر جا کر تحقیق کر کے شرعی حکم صادر فرما دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حجرہ مسجد کی حیثیت تبدیل کرنا

﴿س﴾

علماء کرام ومفتیان دین متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں۔ نقشہ بالا کے مطابق ایک مسجد کا نقشہ

---

۱) كما في رد المحتار: وبه صرح في الأسعاف، واذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجداً، قال في البحر وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى (وان المساجد لله) كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٧، ايچ ايم سعيد كراچي۔ كذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد۔
كذا في الشامية: على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة ـــ وجب العمل بما أراده، ولا يجوز صرف اللفظ عن مدلوله العرفي، لأنه صار حقيقة عرفية في هذا المعنى، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في اجارته، مطلب غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصاً، ج ٤ ص ٤٤٥، سعيد كراچي۔

۲) كما في الهندية سئل الخجندي: عن قيم المسجد ـــ المسجد ليتجر القيوم هل له هذه للاباحة فقال اذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس به انشاء الله، كتاب الكراهية الباب الخامس في آداب المسجد، ص ٣٢٠، ج ٥، رشيديه كوئٹه۔
هكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ص ٢٣٩، ج ٥، رشيديه كوئٹه۔

ہے کیا حجرہ امام، مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ ابتدائی بناتے مسجد میں اس کو بطور حجرہ کے برائے رہائش امام وغیرہ ضروریات مسجد کے لیے بنایا گیا تھا۔ چنانچہ امام اور اس کے مہمانوں کی رہائش اور جوتا سے چلنا پھرنا اور جنابت کی حالت میں سونا وغیرہ امور اس میں سرانجام پاتے تھے۔ اور بلا کسی کے انکار کے یہ عمل آج تک جاری رہا۔ اب متولی مسجد چاہتا ہے کہ حجرہ کا دروازہ شارع عام کی طرف جو بازار ہے۔ نکال کر اس سے مسجد کی آمدنی کے لیے کرایہ پر کسی دکاندار کو دیا جاوے اور اس کے اوپر امام کی رہائش کے لیے حجرہ بنا دیا جائے۔ اگرچہ امام کی رہائش کے لیے جنوبی جانب کو کمرہ موجود ہے۔ اور جنوبی جانب کمرہ طلب پر بالا خانہ بھی موجود ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اوپر کمرہ بنانا چاہتا ہے۔ البتہ نیچے کے حجرہ کو صرف مسجد کی منفعت کی خاطر دکان بنا کر کرایہ پر دینا چاہتا ہے۔ کیا متولی کے لیے یہ تصرف جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جب کہ صورت مسئولہ میں حجرہ مذکورہ بالا مسجد کے حکم میں نہیں ہے بلکہ مسجد کی ضروریات کے لیے وقف علی المسجد ہے۔ تو اس کو سجدہ گاہ کی شرافت مخصوصہ اور عظمت حاصل نہیں۔ اور اسے مسجد کی ضروریات کے پیش نظر کرایہ[1] پر دکان کے لیے دینا جائز ہے۔ نیز اس حجرہ کا دروازہ شارع عام کی طرف نکالنا لازم ہے۔ شارع عام اور بازار میں ہر ایک مکان کا دروازہ نکالا جا سکتا ہے۔ کسی کو اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ بلکہ یہاں تو امام کی رہائش گاہ ہونے کی صورت میں بھی اس کا دروازہ شارع عام کی طرف ہونا چاہیے تاکہ مسجد کے صحن[2] میں اس کا راستہ

---

۱) کما فی الهندية: سئل الخجندي عن قيم المسجد يبيع فناء المسجد ليتجر القوم هل له هذه الإباحة فقال اذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس به ان شاء الله، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، ج ۵ ص ۳۲۰، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

هكذا في البحر الرائق: قال في الخلاصة، وهذا دليل على أن المسجد اذا احتاج الى نفقة تؤاجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه، كتاب الوقف ج ۵ ص ۳۳۹، مكتبه رشيديه۔

۲) كما في الهندية: ان أرادوا أن يجعلوا شيئاً من المسجد طريقاً للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلك وانه صحيح، كذا في المحيط، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ج ۲ ص ۴۵۷، رشيديه كوئٹه۔

وفيه أيضاً ولو كان الى المسجد مدخل من دار موقوفة لا بأس للامام أن يدخل للصلوة من هذا الباب، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، ص ۳۲۰، ج ۲، رشيديه كوئٹه

وفيه أيضاً دار لمدرس المسجد مملوكة ـــــ متصلة بحائط المسجد هل له أن ينقب حائط المسجد ويجعل من بيته باباً الى المسجد ـــــ فقالوا ليس له ذلك كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، ج ۵ ص ۳۲۰، رشيديه كوئٹه۔

مسجد کے درمیان سے سڑک نکالنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں جس کے حالات یہ ہیں۔ ہم مشرقی پنجاب سے مہاجر ہیں، ۱۹۴۸ء سے موضع چیلاں میں آباد ہیں۔ جس محلہ میں ہم آباد ہیں وہاں میں کوئی مسجد نہیں کیونکہ یہ تمام محلہ ہندو آبادی کا تھا۔ اس وجہ سے ہم مہاجرین نے چندہ کر کے متروکہ ایک پلاٹ پر مسجد تعمیر کر لی اور باقاعدہ نماز شروع کر لی۔ اس مسجد میں روزانہ پنجگانہ نماز باجماعت ادا ہوتی ہے۔ مسجد آباد ہے۔ اب محکمہ پی ڈبلیو ڈی اس مسجد کے درمیان ایک سڑک گزارنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے مسجد شہید ہوتی اور برباد ہوتی ہے۔ نوٹ مسجد ۱۹۴۸ء سے تعمیر شدہ ہے اور سڑک بعد میں نکالی جا رہی ہے۔ مسجد مہاجرین نے تعمیر کی ہے اور اب بھی مہاجر قابض ہیں۔ مسجد متروکہ جائداد پر بنی ہوئی ہے۔ جس وقت مسجد بنائی گئی یہ پلاٹ کسی کو الاٹ نہیں ہوا۔ کیا اس مسجد کو شہید کر سکتے ہیں اور کسی دوسری جگہ تعمیر کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس مسجد کو شہید کر کے دوسری جگہ بنا سکتے ہیں تو کیا شرائط ہیں۔ مفصل جواب عنایت فرماویں۔

﴿ج﴾

سردار نشتر مرحوم جب پنجاب کے گورنر تھے انہوں نے یہ اعلان فرمایا کہ جو مسجدیں متروکہ اراضی میں بلا اجازت بنائی گئی ہیں میں ان کی[1] اجازت دیتا ہوں اور انہیں درست تسلیم کرتا ہوں۔ گورنر مرحوم کے اس اعلان کے بعد ضلع میانوالی جو سابق پنجاب کا حصہ تھا کی مسجدیں بھی جائز بن چکی تھیں۔ اور وہ[2] قیامت تک مسجدیں رہیں گی۔ ان میں کسی قسم کی مداخلت کرنا جائز نہیں[3]۔ عامۃ المسلمین پر لازم ہے کہ وہ ہر قیمت پر اس جائز مسجد کی حفاظت کریں اور شہید نہ ہونے دیں۔ قانونی چارہ جوئی بھی جہاں تک ہو سکے کی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

(۱) كذا في الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، احكام المسجد ص ۴۶۲، ج ۲، ادارة القرآن كراتشي۔
وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في احكام المسجد، ص ۲۶۷، ج ۵، رشيدية۔

(۲) كما في الدر المختار: ويبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتى، كتاب الوقف، ج ۴ ص ۳۵۸، سعيد كراتشي۔ ومثله في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۲۷۱، مكتبة رشيدية كوئته۔

(۳) كما قال الله تعالى: وتعاونوا على البر والتقوى الخ، المائدة۔
هكذا في أحكام القرآن: إن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجبان من الأمور الواجبة فعلاً أو تركاً على القادر عليهما ج ۲ ص ۳۷، ظفر أحمد عثماني۔ هكذا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من رأى منكم منكراً فليغيره ... فإن لم يستطع فبلسانه رواه الترمذي، أبواب الفتن، باب ما جاء في تغيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب، ج ۲ ص ۴۰، طبع سعيد كراتشي۔

زبانی وقف برائے مسجد

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے زبانی کلامی دو آدمیوں کے سامنے اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ چار کنال زمین میں مسجد کے لیے دیتا ہوں۔ اس بات کو کیے ہوئے تقریباً عرصہ دو سال ہو چکا ہے اور کوئی تحریر وغیرہ نہیں کی۔ اب صورت مسئولہ یہ ہے کہ وقف کرنے والے نے اپنے بیٹے کو کہا کہ اس کی قبر مسجد میں جوتیوں کی جگہ بنا دینا وصیت کے مطابق قبر بنا دی گئی۔ مسجد کی کوئی تعمیر نہیں ہوئی۔ صرف جگہ کا تعین اور تھڑا بنا دیا گیا ہے اور ایک طرف نلکا لگا دیا گیا ہے اور قبر بنانے کے بعد اس دن سے وہاں چار اذانیں اور نماز باجماعت ہوتی ہے اور بچے بھی پڑھتے ہیں تو کیا شرعاً یہ جائز ہے۔ اگر جائز نہیں تو کیا اس صاحب قبر کا بیٹا ملحقہ زمین سے پانچ مرلے زمین دے دے۔ تو کیا نعم البدل ہو جائے گا۔ تاکہ قبر وہیں رہ سکے اور بعد میں اس جگہ صاحب واقف کے وارث یا غیر آدمی دفن کیے جا سکیں؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت[1] واقعہ زبانی وقف کرنے سے بھی وہ زمین مسجد کے لیے وقف ہو گئی۔ اب اس معین جگہ میں واقف کو دفنانا درست نہیں تھا[2]۔ اب جبکہ قبر بن گئی ہے تو اب میت[3] کو

---

۱) كما في الدر المختار: ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله: جعلته مسجداً عند الثاني، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٥٤٦، مكتبه رشيديه كوئته۔
هكذا في البحر الرائق: وقال أبو يوسف: يزول ملكه بقوله جعلته مسجداً لأن التسليم عنده ليس بشرط، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٦، مكتبه رشيديه كوئته۔
ومثله في الشامية: وعند أبي يوسفؒ يزول بمجرد القول، كتاب الوقف، مطلب اذا وقف كل نصف على حدة، ج ٥ ص ٥٤٦، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كما في رد المحتار: ومقتضاه أنه لا يدفن في مدفن خاص كما يفعله من يبني مدرسة ونحوها، ويبني له بقربها مدفناً، كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت، ج ٣ ص ١٦٦، مكتبه رشيديه كوئته۔
ومثله في العالمكيرية: وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعة الى العباد، فيلزم ولا يباع ولا يورث ولا يوهب، كتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٠، رشيديه كوئته۔ هكذا في الشامية: قال ابن عابدين: (قوله لا يملك) أي لا يكون مملوكاً لصاحبه أولا يملك، أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٢، سعيد كراتشي۔

۳) كما في الدر المختار: ولا يخرج منه بعد اهالة التراب، الا لحق ادمي كأن تكون الأرض مغصوبا كتاب الصلوة، باب الجنائز، ج ٣ ص ١٧٠، مكتبه رشيديه كوئته۔
هكذا في فتح القدير: ولا ينبش بعد اهالة التراب لمدة طويلة ولا قصيرة الا لعذر ـــ والعذر أن الأرض مغصوبة، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل في الدفن، ج ٢ ص ١٠١، مكتبه رشيديه كوئته۔

وہاں سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ واقف کا بیٹا اگر اس کے ساتھ ملحق اراضی قبرستان کے لیے وقف کرنا چاہتا ہے تو یہ بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے صحن میں اسکول کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کچھ عرصہ قبل مسجد کو اس کا ملحقہ حصہ وقف کیا گیا۔ جہاں وضو خانہ بھی رہا۔ بعد میں وضو خانہ کو تبدیل کر دیا گیا۔ وہاں ایک عدد برآمدہ اور چھوٹا سا سٹور بھی مسجد کے سامان کے لیے بنایا گیا۔ برآمدے کے بنانے کی غرض و غایت صرف قرآن مجید کی تعلیم اور عربی دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کرنا تھا۔ انتظامیہ مسجد کے تبدیل ہونے کے ساتھ اس برآمدہ کو پرائمری سکول کھول کر استعمال کیا جا رہا ہے۔ جبکہ اس اسکول (یعنی برآمدہ) میں بچوں کے آنے کا متبادل راستہ بھی نہیں ہے۔ ان کا آنا جانا مسجد سے ہوتا ہے۔ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ وقف شدہ رقبہ پر مسجد کے فنڈ کے علاوہ تعمیر وغیرہ کی جا سکتی ہے؟ اگر نہیں تو تعمیر شدہ برآمدہ کو گرا دینا چاہیے یا نمازیوں کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ اس برآمدہ میں پرائمری کا شعبہ قائم کرنا چاہیے یا ختم کرنا چاہیے؟ قائم کرنا چاہیے تو کن وجوہ کی بنا پر۔ شرعی نقطہ نگاہ سے آگاہ فرمایا جاوے مسجد کی حرمت اور اس کی بقاء کو مدنظر رکھتے ہوئے وضاحت فرمائی جاوے۔

﴿ج﴾

مسجد کے لیے وقف شدہ اراضی کو مسجد ہی کی ضروریات میں استعمال کرنا لازم ہے۔ اس میں بچوں کے لیے سکول جاری کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد میں توسیع کے بجائے اسکول کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مالک مکان نے اپنے مکان میں سے مکان کے متصل جامع مسجد کی توسیع کے لیے کچھ زمین مفت اور کچھ زمین معمولی قیمت پر مسجد کے امام کو دے دی تاکہ مسجد میں توسیع کر سکے۔ اس مقصد کے لیے مسجد والوں نے بھی کچھ کام کیا اور مٹی ڈال کر تھوڑا سا بنا دیا۔

اب معلوم ہوا ہے کہ امام صاحب مسجد کی توسیع کے بجائے بچوں کا سکول بنانا چاہتے ہیں جب کہ مالک

مکان نے مخالفت کی ہے اور اپنی دی ہوئی زمین واپس لینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تو کیا مکان کی دی ہوئی زمین واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ اس رقبہ پر صرف مسجد(۱) کی تعمیر درست ہے۔ اس رقبہ(۲) کو بچوں کے لیے سکول بنانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

وضو خانے کی بجائے دکانوں کی تعمیر

﴿السؤال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دامت برکاتہم اس مسئلہ میں کہ مسجد شریف کی وہ جگہ جہاں وضو کیا جاتا ہے جب سے مسجد شریف بنی ہے اسی دن سے اس جگہ ٹونٹیاں وغیرہ لگائی گئی ہیں۔ اگر نمازی زیادہ ہو جاویں تو متوضے والی جگہ نماز بھی پڑھ لی جاتی ہے۔ اب مسجد شریف کی آمدنی کے پیش نظر اس جگہ پر دکانات تعمیر کر لی جاویں تو کیا یہ شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟

﴿الجواب﴾

بانی مسجد یا اہل محلہ کو یہ حق ہے کہ وہ مسجد یا مسجد کے مصالح میں مسجد کے لیے مفید تصرفات کر سکتے ہیں بشر،

---

(۱) كما في الشامية: على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة ... وجب العمل بما أراده، ولا يجوز صرف اللفظ عن مدلوله العرفي. كتاب الوقف، مطلب مراعاة شرط الواقف في إجارة، مطلب غرض الواقفين واجبة، ج ٤ ص ٤٤٥، سعيد كراتشي۔
وهكذا في الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٣، سعيد كراتشي۔
وفيه أيضاً: فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن. كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١، سعيد كراتشي۔

(۲) كما في حلبي كبير: ومنها أحكام: الأول فيما يصان عنه المساجد يجب أن تصان عن إدخال ... وعن المرور فيها لغير ضرورة ... وإدخال المجانين والصبيان لغير الصلوة ونحوها. كتاب الصلوة، فصل في أحكام المسجد، ج ١ ص ٦١٠، سعيدي كتب خانه كوئته۔
وفيه أيضاً وروى عبد الرزاق ... عن معاذ بن جبل رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم الخ. كتاب الصلوة فصل في أحكام المسجد، ج ١ ص ٦١١، سعيدي كتب خانه كوئته، ومثله في العالمكيرية: والرابع عشر أن ينزهه عن النجاسات والصبيان. كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، ج ٥ ص ٣٢١، رشيديه۔

اور پانی کا انتظام جب ابتداء بنا کے وقت مخصوص کردیا ہے تو وہ مسجد نہیں بلکہ وہ وقف علی المسجد ہے، لہٰذا اس میں دکان وغیرہ بنانا جائز ہے جبکہ مصلحت اسی میں ہو(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عطاء اللہ عفی عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

مسجد کے نچلے حصے میں دکانیں بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر مسجد کو گرا کر شہید شدہ مسجد کی سطح کو اونچا کر کے نیچے دکانات بنا کر اور اوپر چھت ڈال کر مسجد کے ساتھ ملا دیا جائے۔ تو کیا ایسی صورت میں از روئے شرع شریف محمدی مسجد شریف کی شہید شدہ جگہ جو کہ مسجد ہی ہو کر وہاں پڑی تھی دکانات تعمیر کی جا سکتی ہیں۔ یا مسجد کی جگہ دکانوں کی جگہ جدید تعمیر اور مرمت کے بعد دوبارہ مسجد ہی تعمیر کی جا سکتی ہے وہاں اور کوئی چیز تعمیر نہیں کی جا سکتی؟

﴿ج﴾

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے تحت الثریٰ سے لے کر عنان السماء تک مسجد ہی رہے گی۔ مسجد میں ایک دفعہ داخل کرنے کے بعد اس کو مسجد سے خارج کر کے اس میں دکانیں بنا کر ان کی چھت پر مسجد تعمیر کرنا ناجائز ہے۔ الغرض کسی بھی ضرورت کے لیے اب اس جگہ کو مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

قال فی البحر ج ۵ ص ۲۷۱ کتاب الوقف لو بنی بیتا علی سطح المسجد لسکنی الامام فانه لا یضر فی کونه مسجدا لانه من المصالح فان قلت لو جعل مسجدا ثم اراد ان یبنی فوقه بیتا للامام او غیره هل له ذلک قلت فی التتارخانية اذا بنی مسجدا و بنی غرفة و هو ای المسجد فی یده فله ذلک وان کان حین بناه خلی بینه وبین الناس ثم جاء بعد

---

(۱) کما فی الهندية: أرض وقف علی مسجد والأرض بجنب ذلک المسجد وأرادوا أن یزیدوا فی المسجد شیئا من الأرض جاز ... ومستغل الوقف کالدار والحانوت، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ۲ ص ۴۵۶، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

ومثله فی البحر الرائق: قال فی الخلاصة وهذا دلیل علی أن المسجد اذا احتاج الی نفقة تؤاجر قطعة منه بقدر ما ینفق علیه، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۲۹، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وهکذا فی العالمکیرية: وسئل الخجندی عن قیم المسجد یبیع فناء المسجد لیتجر القوم هل له هذه الاباحة فقال اذا کان فیه مصلحة للمسجد فلا بأس به ان شاء الله، کتاب الکراهية، الباب الخامس فی آداب المسجد، ج ۵ ص ۳۲۰، مکتبه علوم اسلامیه چمن بلوچستان۔

ذلک یبنی لایترکه و فی جامع الفتاویٰ اذا قال عنیت ذالک فانه لایصدق (البحر الرائق[1] ج ۵، ص ۲۷۱، کتاب الوقف) قال شارح التنویر لانه مسجد الی عنان السماء و فی الشامیة و کذا الی تحت الثریٰ (ردالمحتار[2] ج ۱ ص ۳۸۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محراب کو پیچھے کرنا

﴿س﴾

مسجد کے کمرے میں امام کا محراب کو پیچھے کرنے کا ارادہ ہے۔ اس طرح محراب کی مقدار اگلی صف میں کچھ حصہ امام کی محاذات میں ہو جائے گا۔ اور جماعت کے وقت استعمال نہیں کیا جا سکے گا۔ اب اس حصہ میں مسجد کے سامان کے لیے سٹور بنانے کا ارادہ ہے۔ کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

﴿ج﴾

جو جگہ ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو گئی ہے۔ اب اس کو کسی اور چیز کے لیے استعمال کرنا درست نہیں اگر چہ اس سے نمازیوں پر تنگی کا خطرہ نہ ہو۔ لیکن ما اعد للصلوۃ کو مشغول کرنا جائز نہیں[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۱، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وفیه أیضاً وقال أبو یوسفؒ هو مسجد أبداً الی قیام الساعة ــــ وهو الفتوی، کتاب الوقف ص ۴۲۱، رشیدیه کوئٹه۔ هکذا فی : وهو مسجد أبداً علی حاله، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، ج ۵ ص ۸۴۶، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة۔

۲) کتاب الصلوة، مطلب فی أحکام المسجد، ج ۲ ص ۵۱۶، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
هکذا فی التاتارخانیة: وفی الجامع الصغیر رجل جعل داره مسجداً وتحته سرداب أو فوقه بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزله عن ملکه فإنه لا یصیر مسجداً حتی لو مات یورث عنه وله أن یبیعه حال حیاته، کتاب الوقف، احکام المسجد، ج ۵ ص ۸۴۳، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراتشی۔ هکذا فی فتح القدیر: قال الله تعالیٰ: وان المساجد لله مع العلم بأن کل شیء له فکان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق کل من سواه عنه وهو منتف فیما ذکر، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ۵ ص ۴۴۴، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) کما فی الشامیة: لأن المسجد لا یخرج عن المسجدیة أبداً، کتاب الوقف، مطلب جعل شیء من المسجد طریقاً، ج ۴ ص ۳۷۹، مکتبه سعید کراچی۔
هکذا فی العالمگیریة: قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لأن المسجد اذا جعل حانوتاً ومسکناً تسقط حرمته وهذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، ج ۲ ص ۴۹۳، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔ هکذا فی البحر الرائق: وفی المجتبیٰ: لا یجوز لقیم المسجد أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فنائه، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۸، رشیدیه کوئٹه۔
هکذا فی الشامیة: لو غرس شجرة للمسجد ــــ فرد علیه بأنه لا یلزم من ذالک حل الغرس الا لعذر المذکور، لأن فیه شغل ما أعد للصلوة ونحوها، وان کان المسجد واسعاً، کتاب الصلوة، مطلب فی الغرس فی المسجد، ج ۲ ص ۵۲۵، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

مسجد کی چاردیواری کے اندر امام کا گھر بنانا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی چاردیواری کے اندر مسجد کے چندہ کے ساتھ امام مسجد اپنے بال بچوں کے رہنے کے واسطے مکان تیار کرا سکتا ہے۔

(ج)

جو جگہ ایک دفعہ مسجد میں شامل کی گئی ہے اس میں مکان وغیرہ بنانا جائز نہیں (۱) مسجد کے دیگر رقبہ میں مسجد کی منتظمہ کمیٹی کے باہمی فیصلہ سے چندہ دہندگان کی اجازت سے مسجد کے چندہ سے مکان کی تعمیر کرنا جائز ہے (۲)۔ جبکہ واقف نے اس زمین کو مسجد اور اس کے مصالح وغیرہ کے لیے وقف کیا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) كما في الخانية: ولو أن قيم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه، قال الفقيه أبو الليث: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۲۹۳، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا في فتح القدير: والمسجد خالص لله تعالى ليس لأحد فيه حق قال الله تعالى وان المساجد لله، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ٤٤٤، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا في الدر المختار: ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى، كتاب الوقف، ج ٤ ص ۳۵۸، سعيد كراتشي۔

۲) كما في الشامية: على انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة وجب العمل بما أراده ولا يجوز صرف اللفظ، عن مدلوله العرفي، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في اجارة، ج ٤ ص ٤٤٥، سعيد كراتشي۔

كذا في تبيين الحقائق: اذا كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين، يجوز لأنه اذا انتفع به عامة المسلمين صار ذلك لله تعالى — لو جعل تحته حانوتاً وجعله وقفاً على المسجد قيل لا يستحب ذلك، كتاب الوقف، ج ٤ ص ۲۷۱، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت۔

هكذا في الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤۳۳، سعيد كراتشي۔

وفيه أيضاً: لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر لأنه من المصالح، كتاب الوقف، ج ٤ ص ۳۵۸، سعيد كراتشي۔

هكذا في الهندية: والأصح ما قال ظهير الدين أن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح المسجد سواء، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، مطلب الوقف على عمارته ومصالحه سواء، ج ۲ ص ٤٦۲، مكتبه رشيديه كوئته۔

مسجد کے حصے کے علاوہ جگہ پر مدرسہ کی تعمیر

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جامع مسجد میں عرصہ دو تین سال سے ٹیوب ویل و غسل خانے و طہارت خانے وغیرہ عوام کے چندہ سے کافی رقم خرچ کر کے تعمیر کیے گئے تھے۔ اور ساتھ ہی پیشتر ازیں ایک حجرہ جو مسجد کی حدود میں عرصہ ۲۰/ ۲۵ سال سے تعمیر شدہ ہے۔ اور اس میں طلبہ کو قرآنی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس وقت انتظامیہ کے چند ارکان نے حجرہ کو منہدم کر دیا ہے۔ اور ٹیوب ویل وغیرہ کو منہدم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کی جگہ پر زیریں منزل پر مدرسہ اور اس کے اوپر بالائی منزل پر مولوی صاحب کا مکان تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں مولوی صاحب مع اہل و عیال رہائش رکھیں گے۔ اہل محلہ اس امر پر معترض ہیں کہ چندہ بار بار نہیں ہوتا۔ تعمیری اشیاء کو منہدم نہ کیا جائے۔ نیز مولوی صاحب کی رہائش کے لیے مکان تعمیر کرنا مسجد کے اندر مناسب نہیں ہوگا۔ کیونکہ مکان میں بیت الخلاء وغیرہ کا استعمال بھی ہوگا۔ اور مستورات بھی رہیں گی۔ نیز نچلی منزل پر درس قرآن ہوگا۔ کیونکہ سابقہ مدرس کرایہ پر مکان لے کر رہائش رکھتے تھے اور اب مزید چندہ اکٹھا کرنا بھی دشوار ہے۔ بوجوہات بالا اس تعمیر و تبدیل جدید مکان بالائی منزل پر تعمیر کے لیے شریعت کیا حکم دیتی ہے۔

﴿الجواب﴾

صورت مسئولہ میں مسجد کی منتظمہ کمیٹی مسجد اور مدرسہ کے مصالح کا لحاظ رکھتے ہوئے حجرہ، مدرسہ، مسجد میں مناسب رد و بدل کا اختیار رکھتی ہے[1]۔ البتہ مسجد کے کسی حصہ کو مدرسہ میں یا مکان میں داخل کرنا جائز نہیں ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) كما في الهندية: في الكبرى، مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً أو المسجد رحبة وأرادوا أن يحدثوا له باباً وأرادوا أن [illegible] الباب عن موضعه فلهم ذلك، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ج ۲ ص ٤٥٦، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) وكذا في البزازية: أهل المسجد إذا أرادوا أن يجعلوا المسجد رحبة الخ، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به، ج ٦ ص ٢٦٨، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وكذا في الهداية: ولو أن مسجداً بني على مهب الريح لا يجوز أن يجعل من فناء المسجد [illegible] إن كان [illegible] جاز، كتاب الوقف، ج [illegible] ص [illegible]۔

مسجد والے حصے میں جوتوں کی جگہ بنانا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عرصہ تقریباً بارہ سال پہلے ایک بنے بنائے کوٹھے کو مسجد کی شکل دی گئی تھی اور اس کے بعد اب تنگی کے پیش نظر مسجد مغرب کی جانب شمال کی جگہ تعمیر کی جا چکی ہے اس وقت مسجد کا بیرونی دروازہ تنگ ہے اور جوتے رکھنے کی جگہ بالکل نہیں ہے۔ (جیسا کہ نقشہ میں ظاہر کیا گیا ہے) کیا از روئے شرع محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والتسلیم سب سے پہلے کوٹھے والی جگہ پر جو اب صحن مسجد کی شکل میں ہے دروازہ اور جوتے رکھنے کی جگہ بنانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(ج)

اگر یہ جگہ ابتداء سے ہی مسجد میں داخل نہ کی جاتی تو اس میں جوتے رکھنے کی جگہ بنانا جائز تھا۔ مسجد میں ایک دفعہ داخل کرنے کے بعد اس میں جوتا رکھنے کی جگہ بنانا اور مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں۔ البتہ دروازہ بنانا جائز ہے۔ بشرطیکہ مواضع للصلوٰۃ کو مشغول نہ کیا جائے۔ کیونکہ مواضع للصلوٰۃ کو مشغول کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ مسجد وسیع بھی ہو۔ **قال فی البحر لو بنی بیتا علی سطح المسجد لسکنی الامام فانہ لایضر فی کونہ مسجدا لانہ من المصالح فان قلت لو جعل مسجدا ثم اراد ان یبنی فوقہ بیتا للامام او غیرہ ہل لہ ذلک قلت قال فی التتارخانیۃ اذا بنی مسجدا و بنی غرفۃ وہو (ای المسجد) فی یدہ فلہ ذلک وان کان حین بناہ خلی بینہ و بین الناس ثم جاء بعد ذلک یبنی لایترکہ و فی جامع الفتاوی اذا قال عنیت ذلک فانہ لایصدق (البحر الرائق[1] کتاب الوقف ج۵ ص ۲۵۱) وفی الشامیۃ[2] ج۱ ص ۴۸۹ فی بیان الاشجار فی المسجد ولا یضیق علی**

---

(۱) کتاب الوقف، فصل فی احکام المسجد، ج۵ ص ۴۲۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
ہکذا فی الدر المختار: اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع، ولو قال عنیت ذلک لم یصدق، کتاب الوقف، ج۴ ص ۳۵۸، سعید کراچی۔
کذا فی الشامیۃ: وعبارۃ التاتارخانیۃ: وان کان حین بناہ خلی بینہ وبین الناس ثم جاء بعد ذلک یبنی لا یترکہ وبہ علم ... واما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد ہدم ذلک البناء فانہ لا یمکن من ذلک، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد، ج۴ ص ۳۵۸، سعید کراچی۔

(۲) کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی الغرس فی المسجد، ج۲ ص ۴۲۵، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
ہکذا فی العالمگیریۃ: قیم المسجد لا یجوز لہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ ... وھذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، ج۲ ص ۴۶۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
ہکذا فی البحر الرائق: لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فنائہ، کتاب الوقف، فصل فی احکام المسجد، ج۵ ص ۴۱۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

کر کے اس کی جگہ کمرہ رہائش اور نمائشی مینار اور وضو کی ٹوٹیاں اور کچھ حصہ باہر سڑک پر چھوڑ دیا گیا ہو اور اوپر کی منزل پر غسل خانہ وغیرہ بنا دیا گیا ہو اور محراب کو ختم کر دیا گیا ہو اور سب کچھ جان بوجھ کر کیا گیا ہو اور مسجد کو ڈھا کر تعمیر کیا گیا ہو۔ تو کیا مسجد کی جگہ پر جو چیزیں بنائی گئی ہیں وہ درست ہیں اور ان کو استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے۔ اب اس کو مسجد سے خارج کرنا اگرچہ مصالح مسجد ہی کے متعلق ہو مثلاً امام کے لیے مکان بنانا یا مسجد کے لیے وضو خانہ یا غسل خانہ بنانا یہ سب ناجائز ہیں۔ یہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور اگر کسی نے اس کو مسجد سے نکال کر کوئی دوسری چیز بنادی تو متولی مسجد پر واجب ہے کہ اس کو منہدم کر کے مسجد میں شامل کر دے۔ قال في البحر فان قلت لو جعل مسجداثم اراد ان يبني فوقه بيتا للامام او غيره هل له ذالک قلت في التتارخانية اذا بنى مسجدا و بنى غرفة و هواى المسجد في يده فله ذالک. وان كان حين بناه خلى بينه و بين الناس ثم جاء بعد ذالک يبنى لايتركه و في الجامع الفتاوى اذا قال عنيت ذالک فانه لايصدق. بحر الرائق كتاب الوقف ج۵ص ۲۵۱[1] كذا في فتاوى دار العلوم ديوبند ج ۲ص ۶۰۷ قال في شرح التنوير ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عندالامام والثانى ابداً الى قيام الساعة وبه يفتى. وفي الشامية (قوله ولو خرب ماحوله الخ) اى ولو مع بقائه عامرا و كذالو خرب وليس له مايعمر به وقداستغنى الناس عنه لبناء مسجد اخر. ردالمحتار ج۳ص۴۰۹)[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پرانی مسجد کی جگہ حجرہ تعمیر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اہل بیہ نے ایک جگہ مستقل مسجد بنائی اور ۳۰/۳۵ سال کے بعد

---

۱) البحر الرائق، ج ٥ ص ٤٢١، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، طبع رشيديه كوئته۔
هكذا في الدر المختار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، سعيد كراتشي۔
كذا في الشامية: كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٨، سعيد كراتشي۔

۲) كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، سعيد كراتشي۔
هكذا في البحر الرائق، وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً الى قيام الساعة ـــــ وهو الفتوى كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥، ص ٤٢١، رشيديه كوئته۔
هكذا في العالمكيرية: أما على قول ابي يوسف: وان خرب واستغنى عنه أهله لا يعود الى ملك الباني، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ج ٢ ص ٤٥٨، مكتبه رشيديه كوئته۔

تعمیر جدید کے وقت مسجد کے کمرہ سے کچھ حصہ بطور حجرہ چھوڑ دیا گیا مذکورہ بالا صورت میں حجرہ بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر پیش امام یہ کہے کہ حجرہ تعمیر ہو سکتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی۔ امام مسجد وغیرہ کے لیے حجرہ بنانے یا کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

قال في شرح التنوير (ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني) أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى[۱]. وقال في البحر ج۵ ص ۲۵۱ كتاب الوقف . فإن قلت لو جعل مسجدا ثم أراد أن يبني فوقه بيتا للإمام أو غيره هل له ذلك قلت في التتارخانية إذا بنى مسجدا وبنى غرفة وهو (أي المسجد) في يده فله ذلك وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك يبني لا يتركه[۲].

پس صورت مسئولہ میں مسجد کے کمرہ کے کچھ حصہ پر حجرہ بنانا جائز نہیں اور مسجد کے حصہ کو مسجد سے الگ کر کے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا درست نہیں۔ امام اگر اس پر مصر ہے تو لائق امامت نہیں[۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) تنوير الأبصار، ج ٦ ص ۵۵۰، كتاب الوقف، طبع رشيديه كوئته۔
هكذا في البحر الرائق: وقال أبو يوسف: هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة ..... وهو الفتوى، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۱، رشيديه كوئته۔
هكذا في العالمكيرية: أما على قول أبي يوسف وإن خرب واستغني عنه أهله لا يعود في ملك الباني، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ج ۲ ص ۴۵۸، رشيديه كوئته۔
۲) كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۱، رشيديه كوئته۔
هكذا في الدر المختار: كتاب الوقف، ج ۴ ص ۳۵۸، سعيد كراتشي۔
۳) كما في العالمكيرية: الأولى بالإمامة أعلمهم ..... ولم يطعن في دينه ..... ويجتنب الفواحش ..... وأورع منه، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ج ۱ ص ۸۳، مكتبه رشيديه كوئته۔
كذا في الدر المختار: ويشترط كونه مسلماً ..... ويكره تقليد الفاسق، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۲ ص ۳۳۳، رشيديه كوئته۔
كذا في الشامية. قوله (ويكره تقليد الفاسق) أشار إلى أنه لا تشترط عدالته، وعدها في المسايرة من الشروط ..... وعند الحنفية: ليست العدالة للصحة فيصح تقليد الفاسق الإمامة مع الكراهة ..... ولكن يستحق العزل إن لم يستلزم فتنة، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة، ج ۲ ص ۳۳۴، رشيديه كوئته۔

مسجد کی جگہ کو اپنی مملوکہ زمین میں شامل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ پاکستان سے بہت عرصہ پہلے تقریباً پچیس تیس سال ہوئے کہ کچھ مسلمانوں نے ہندو سے قطعہ زمین غصب کر کے مسجد بنائی۔ جو کہ پھر قانونی حیثیت سے باقاعدہ مسجد تسلیم کر لی گئی۔ ہندو نے وہ قطعات جن میں مسجد بھی تھی مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دیے لیکن مسجد والے قطعہ کے پیسے نہیں لیے۔ مسلمانوں نے مسجد کے رقبہ کو آہستہ آہستہ اپنے مکان میں شامل کر لیا اور مسجد کو رفاہ عامہ کی زمین سے جو کھیتی کی قیمت بھی خارج کر دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اصل رقبہ مسجد کا کتنا تھا اور اس کے عوض میں جو مسجد تیار کی گئی ہے اس کا رقبہ تقریباً دو مرلے ہے۔ کاغذات کی رو سے اس مالک جدید مسلمان کی خرید زمین دس مرلے ہے لیکن جب اس نے فروخت کی تو پہلے پانچ مرلے پھر آٹھ مرلے کر کے تیرہ مرلے کی رقم وصول کر کے دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ اب آخری مالک جس کے قبضہ میں آٹھ مرلے زمین ہے، جو درحقیقت پانچ مرلے ہونی چاہیے تھی۔ کیا اس سے وہ قطعہ زمین واپس لیا جا سکتا ہے جب کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے آٹھ مرلے کی قیمت ادا کی ہے۔ اگر زمین مسجد کی اس میں شامل ہے تو اس کا جرم فروخت کرنے والے پر ہے میں نے تو پوری رقم ادا کی۔ کاغذات کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ تین مرلے زائد زمین میں کچھ ہندو حصے دار ہیں اور کچھ زمین کا قطعہ ہے مگر کاغذات میں مسجد کا رقبہ نہیں ملتا۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اہل اسلام اس کے مجاز ہیں کہ جتنا رقبہ مسجد کا مسلمان خریدار نے اپنی مملوکہ زمین میں مدغم کر لیا تھا۔ اس کی بازیابی کے لیے قانونی چارہ جوئی کریں اور واپس لینے پر حکومت سے باقاعدہ اجازت بصورت معاوضہ یا بلا معاوضہ حاصل کر کے اسے مسجد میں شامل کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے احاطہ کے اندر رہائشی عمارت بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ: (۱) مسجد کے احاطہ کے اندر رہائشی عمارت بنانا یا عمارت وغیرہ کے اندر رہائش کرنا بلا کرایہ عام زمیندار شخص کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) نقشہ پیش خدمت ہے تمام زمین عرصہ تعمیر مسجد سے وقف ہے دیہہ آبادی میں دکان وغیرہ اور بنی

مسجد کی وقف شدہ زمین پر قبضہ

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء دین درین مسئلہ کہ (۱) مسجد شریف کے متصل کسی کا مکان ہے وہ شخص مسجد کی زمین
حد سے زیادہ مکان کے ساتھ ملا لیا ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے۔
(۲) اگر کوئی آدمی مذکورہ زمین کی واپسی کی کوشش نہ کرے تو ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) مسجد کی زمین جس پر نماز پڑھی جاتی ہو یا مسجد کی دوسری زمین جو مسجد پر وقف ہو اس کو اپنے مکان
میں شامل کرنا اور واقف کی غرض کے خلاف دوسرے امور میں اس کو استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے[1]۔
لہٰذا تمام اہل محلہ پر لازم ہے کہ اس شخص سے واپس کریں اور اگر ان کو قدرت نہ ہو تو حکومت کے ذریعے اس شخص
سے واپس لینے کی کوشش کریں۔
(۲) اگر کوئی آدمی کوشش نہیں کرتے تو دوسرے لوگ کوشش کریں اور اگر سب نہ کریں گے تو سب گناہ
گار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[2]۔

امام مسجد کے مکان کی قبرستان میں توسیع

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء دین درین مسئلہ کہ مسجد کی موقوفہ زمین میں ایک مکان امام مسجد و خادم مسجد کے لیے

---

(۱) في الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع الخ كتاب الوقف ج ٦ ص ٦٦٤ طبع رشيديه كوئٹه۔
وفي الشامية: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حكم لا دليل عليه ... مطلب ... كتاب الوقف مطلب في مخالفة شرط الواقف ج ٦ ص ٦٧٦ طبع رشيديه كوئٹه۔
وفي الهندية: قيم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لا يجوز، الباب الحادي عشر في المسجد الفصل الثاني في الوقف على المسجد ج ٢ ص ٤٦٢ طبع رشيديه كوئٹه۔
(۲) كما قال الله تعالى: وتعاونوا على البر والتقوى الآية (المائدة)
وفي أحكام القرآن: إن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجبان من الأمور الواجبة فعلا وتركا على القادر عليهما ج ٢ ص ٤٨٧ ... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه الخ رواه مسلم باب كون النهي عن المنكر ج ١ ص ٥١۔

ج

مسجد کی موقوفہ اراضی کی آمدنی دوسری جگہ صرف نہیں ہو سکتی۔ باغ مسجد کے لیے لگایا جا سکتا ہے[1] نیز مسجد کی موقوفہ زمین کو تین سال سے زیادہ کسی کو اجارہ پر دینا جائز نہیں[2] چہ جائیکہ نصف زمین دوسرے کو اجرت آبادی میں دے دیں اس لیے یہ طریقہ جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کی دیوار پر گھروں کے میٹر لگوانا

س

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص کا مکان کوچہ کے اندر ہے اور اس نے اپنے گھر کے اندر بجلی لگوائی ہے۔ دو چار گھر اور بھی پردہ دار اس کے ساتھ ہیں۔ اپنے گھر کی بے پردگی اور دوسروں کے گھر کی بے پردگی کے واسطے وہ میٹر بجلی کا مسجد کی دیوار کے ساتھ لگانا چاہتے ہیں۔ وہ آدمی اس کا کرایہ ماہواری ادا کرتا رہے گا۔ اس طرح جو مسجد کی دیوار کے قریب گھر ہیں وہ بھی بجلی گھر میں لگاتے جاویں۔ اور میٹر مسجد کی دیوار پر لگاتے جاویں اور کرایہ ادا کیا کریں۔ نیز جس نے بجلی گھر میں لگوائی میٹر کا حجرہ مسجد میں لگا سکتا ہے؟ اگر کرایہ بھی دیا کریں۔

سائل: غلام حسین درکھانہ محلہ ملتان

---

۱) كما في العالمكيرية: مسجد له مستغلات وأوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد رهنا أو حصيرا أو حشيشاً وقال تفعل ما ترى من مصلحة المسجد كان له أن يشتري للمسجد ما شاء، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، ج ۲ ص ٤٦١، رشيديه كوئته. هكذا في الخانية: المتولي اذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلا آخر جاز لأن هذا من مصالح المسجد، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۲۹۷، رشيديه كوئته. هكذا في العالمكيرية: القيم اذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن يستغل ويباع عند الحاجة جاز، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، ج ۲ ص ٤٦٢، رشيديه كوئته.

۲) كما في العالمكيرية: متولي الوقف اذا اجر داراً موقوفة ـــ فالمختار أن يقضي بالجواز في الضياع في ثلاث سنين وهو المختار للفتوى وكذلك المزارعة والمعاملة، كتاب الوقف، مطلب في ما اذا اجر الوقف أكثر من سنة، ج ۲ ص ٤١٩، رشيديه كوئته.
هكذا في الخانية: وعن الفقيه أبي الليث: أنه كان يجيز اجارة الوقف ثلاث سنين من غير فصل ـــ وعن أبي حفص كان يجيز إجارة الضياع ثلاث سنين فإن اجر أكثر من ثلاث سنين اختلفوا فيه، كتاب الوقف، فصل في اجارة الوقف ومزارعتها، ج ۳ ص ۳۳۳، رشيديه كوئته.
هكذا في الدر المختار: ولم تزد في الأوقاف على ثلاث سنين ـــ في الضياع، كتاب الإجارة، ج ۹ ص ۱۰، رشيديه كوئته.

﴿ج﴾

مسجد کی دیوار[1]، اس کی زمین، اس کی ہوا پر کسی غیر مسجد کی بنا صحیح نہیں۔ مسجد کو بالکلیہ غیر مسجد سے مشغول کرنا اگرچہ وہ غیر مسجد اوقاف مسجد ہی میں سے کیوں نہ ہو جیسے حجرہ امام ومؤذن اور دکان وغیرہ حتی کہ غیر مسجد کے شہتیر وغیرہ کو بھی مسجد کی دیوار پر نہیں رکھ سکتے۔

درمختار ج ۳ ص ۴۰۶ میں ہے۔ ولو بنی فوقه بيتا للامام لا يضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع الى ان قال فيجب هدمه ولو على جدار المسجد شامی لکھتے ہیں۔ قوله ولو على جدار المسجد مع انه لم يأخذ من هواء المسجد شيئا اه ونقل في البحر قبله ولا يوضع الجذع على جدار المسجد و ان كان من اوقافه اه۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

غیر آباد مسجد کے صحن میں کمرہ تعمیر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک مسجد مدت سے غیر آباد ہو گئی تھی۔ اس مسجد کے صحن کے اندر کسی شخص نے ایک کمرہ تعمیر کرایا اور اسے اپنے طور پر کاروبار کے لیے استعمال کرتا رہا اور پھر اس شخص نے مسجد کے غسل خانہ کی جگہ دوسرا کمرہ تعمیر کرایا اور اسے بھی اپنے کام میں استعمال کر رہا ہے کیا اس شخص کا یہ فعل از روئے شریعت صحیح ہے یا نہیں؟

---

۱) كذا في الدر المختار: لو بنى فوقه بيتاً ـــ فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ـــ كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٦ ص ٤١٩، مكتبه رشيديه كوئته۔

وفي رد المحتار: قلت: وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره فإنه لا يحل ولو دفع الأجرة، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٥٠، مكتبه رشيديه كوئته۔

كذا في البحر الرائق: ولا يوضع الجزع على جدار المسجد وان كان من أوقافه، كتاب الوقف فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٩، مكتبه رشيديه كوئته۔

(۱) واقف نے ایک قطعہ زمین کا مسجد کے نام سے خریدا کچھ حصہ پر مسجد کا اضافہ کیا اور کچھ پر ایک مکان بنا اس مکان کو اگر دکانوں کی شکل دی جاتی تو اچھا موقع تھا بازار جو اس کے مکان کی شکل کھلے ہال کی سی ہے۔ سڑک کی طرف سے کوئی دروازہ بھی بالکل نہیں ہے۔ یہ مکان مسجد کے شمال طرف میں ہے۔ اس کا رخ مغرب کی طرف ہے اور تین کھلے محراب ہیں۔ جس میں کوئی دروازہ نہیں اس ہال کے مغربی طرف میں ایک حجرہ ہے جس کا دروازہ ہال میں سے ہے۔ یہ تو اس مکان کی حالت ہے۔ اب واقف وفات پاچکا ہے۔ اس قسم کی شہادتیں موجود ہیں کہ واقف نے یہ مکان مدرسہ کے لیے بنایا تھا اور دو طلباء سے تدریس کے سلسلہ میں گفتگو بھی ہوئی تھی۔ لیکن درمیان والوں کی باطنی خباثت کی وجہ سے وہ ناکام رہی دور اول میں اور وقتاً فوقتاً اس مکان میں تعلیم بھی ہوئی ہے۔ پچھلوں نے اس مکان میں درد زہ ڈلوا کے کرایہ پر بھی استعمال کیا ہے اور وہ کرایہ متولی وقف نے اپنے مصارف میں استعمال کیا ہے نہ کہ مسجد میں۔ اب آٹھ سال سے اس مکان میں مدرسہ ہے اور متولی وقف نے ایک مدرسہ کو جو کہ دوسری جگہ تھا۔ وہاں سے منتقل کر کے اس مکان میں آنے کی دعوت ہی نہیں بلکہ اصرار کیا اب مطلوب یہ امر ہے کہ مذکورہ مکان کا مدرسہ کی صورت میں کرایہ واجب الادا ہوگا یا کرایہ دینا واجب نہیں؟

(۲) مسجد کی دیکھ بھال کے لیے ایک کمیٹی ہے۔ جس نے جھگڑ کر مسجد کو اوقاف کے حوالہ کر دیا جماعت اور علماء اور اکابر نے تاکید کی کہ مسجد کو واپس کرادو۔ لیکن کمیٹی نے کسی کی نہ مانی آخر دوسری جماعت نے مسجد کے کاغذات اوقاف سے خارج کرا کے مسجد کو واپس کیا۔ اب وہ کمیٹی جنہوں نے مسجد کو اوقاف میں دیا اور وہ جماعت جس نے مسجد کو واگزار کرایا ان دونوں میں کون سی جماعت مسجد کی دیکھ بھال کی مستحق ہے۔

(۳) مذکورہ کمیٹی نے مسجد کے خرید شدہ پلاٹ میں ایک قبر بھی جبراً کھدوادی ہے۔ جس میں ایک آدمی کو دفن کیا گیا ہے۔ جو کہ بدعتی مولوی تھا۔ اب اس کمیٹی کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

نوٹ: ان تینوں سوالوں کا جواب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ سے حاصل کیا گیا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔ اوقاف میں دینے والے اور وقف علی المسجد میں قبر بنانے والے خائن اور واجب العزل ہیں اور جنہوں نے مسجد چھڑائی وہ مستحق ہیں۔ مسجد کے اور حجرہ کے لیے فرمایا کہ دینی تعلیم بھی مسجد کے مقاصد میں سے ہے۔ تین کمرے میں مدرسہ بغیر کرایہ ادا کیے رکھا جا سکتا ہے۔ جزاکم اللہ۔

﴿ج﴾

(۱) واضح رہے کہ اگر کوئی شرعی ثبوت اس بات کا موجود ہے کہ واقف نے مکان مذکور کو مسجد پر وقف کیا ہے۔ بایں طور کہ اس کو کرایہ وغیرہ پر دیا جائے اور اس کے حاصل مسجد پر صرف کیے جائیں تب تو مدرسہ والوں کے لیے اس کا استعمال بدون کرایہ کے جائز نہ ہوگا اور اس کے برعکس اس بات کا شرعی ثبوت موجود ہو کہ واقف نے

مکان مذکور کو درس وتدریس کے لیے وقف کیا ہے۔ اس کا ثبوت باقاعدہ شہادتوں وغیرہ کے ساتھ تو موجود نہیں۔
لیکن اس وقت سے لے کر آج تک اس مکان کو بغیر کرایہ کے درس وتدریس کے لیے مسلسل استعمال میں لایا گیا
ہے۔ نیز دیگر قرائن بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ مکان درس وتدریس کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ سوال
میں درج ہے۔ اب یہ مکان درس وتدریس کے لیے ہی استعمال میں لایا جائے گا۔ اور اس کا کرایہ واجب نہ
ہوگا۔ كما[1] في الفتاوى العالمگيرية ج ۲ ص ۴۳۹ سئل شيخ الإسلام عن وقف مشهور
اشتبهت مصارفه وقدر ما يصرف إلى مستحقيه قال ينظر إلى المعهود من حاله فيما سبق
من الزمان أن قوامها كيف يعملون فيه وإلى من يصرفون وكم يعطون فيبنى على ذلك
كذا في المحيط۔

(۲-۳) سابقہ کمیٹی نے جو مسجد کی زمین میں جو کہ قبور کے لیے وقف نہ تھی ایک مردہ کو دفنانے کی اجازت
دی ہے یہ شرعاً خیانت ہے جس کی وجہ سے یہ مستحق العزل ہو گئے۔ اس کے بعد محکمہ اوقاف کی تحویل میں اس کمیٹی
کے مسجد کو دینے سے یہ لوگ تولیت سے معزول ہو گئے۔ اب جبکہ دوسرے لوگوں نے مسجد واگزار کرائی تو اگر
واگزار کرانے والوں کو حکومت نے اس مسجد کی تولیت بھی دی ہو تو یہی لوگ شرعاً متولی کہلائیں گے۔ کیونکہ حکومت
کو متولی مقرر کرنے کا شرعاً اختیار حاصل ہوتا ہے اور اگر کمیٹی انہوں نے مسجد واگزار کرائی ہے اور حکومت نے
تولیت ان کے سپرد نہیں کی۔ صرف اپنی تولیت بنائی ہے تو اس صورت میں مسجد مذکور بمعہ وقف پلاٹوں وغیرہ کے
ابھی تک بلا متولی کے کہلائیں گے۔ ایسی صورت میں محلہ کے متعلقین مسجد میں سے جو لوگ ارباب حل وعقد
اور اصحاب رائے ہوں ان کو متولی مقرر کرنے کا اختیار بحیثیت متولی متاخرین حاصل ہوتا ہے۔ اب سب کو چاہیے کہ
متولی کسی ایک آدمی کو یا چند افراد کی جماعت کو باتفاق مقرر کر لیں۔ نیز یہ خیال رہے کہ واقف کی اولاد میں سے
اگر کوئی شخص اہل موجود ہے اور غاصبین میں سے نہیں ہے تو اس کو مقرر کر لیا جائے۔ نیز اس سابقہ کمیٹی والوں میں
سے جنہوں نے وقف علی المسجد کی زمین میں قبر کھودنے کی اجازت دی ہے۔ ان کو بھی مقرر نہ کیا جائے اور اگر کمیٹی

---

(۱) كتاب الوقف، الباب السادس في الدعوى والشهادة، الفصل الثاني في الشهادة، ج ۲ ص ۴۳۹، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔
وكذا في الخيرية: (سئل) في وقف اشتبهت مصارفه كيف يعمل في غلته (أجاب) إن لم يوقف على شرط واقفه يعمل فيه بما كانت تفعله القوام سابقاً كتاب الوقف، ج ۱ ص ۱۱۵، طبع مير محمد كتب خانه آرام باغ كراچى۔
وكذا في رد المحتار: كما لو سكن بلا إذن أو أسكنه المتولي بلا أجر كان على الساكن أجر المثل كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في إجارته، ج ٦ ص ۶۲۵، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

کے ارباب حل وعقد کا اتفاق نہیں ہوسکتا تو ایسی صورت میں ان کو چاہیے کہ کسی ایک معتمد عالم یا معتمد علماء حضرات کو حکم مقرر فرمالیں اور وہ حکم تمام حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی ایک شخص یا متعدد افراد کو متولی مقرر کردیں اور اگر اس پر اتفاق نہیں ہوسکتا تو حکومت کی طرف رجوع کرلیا جائے اور وہ جس کو متولی مقرر کردے، وہی شرعاً متولی شمار ہوگا۔ کما قال فی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار (ولایة[1] نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه) لقیامه مقامه. الخ ج۳ص ۴۴۹. ثم ذکر[2] عن التتارخانیة ماحاصله ان اهل المسجد لو اتفقوا علی نصب رجل متولیا لمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح ولکن الافضل کونه باذن القاضی ثم اتفق المتاخرون ان الافضل ان لایعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاة فی اموال الاوقاف وکذلک اذا کان الوقف علی ارباب معلومین یحصی عددهم اذا نصبوا متولیا وهم من اهل الصلاح وفی الدر المختار مع شرحه ردالمحتار ج۳ص ۴۵۰ (ومادام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب) لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف الیهم. فقط واللہ اعلم۔

آمدنی کے لیے مسجد کے حصہ کو دکانیں بنانا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں کہ جس مسجد کی آمدنی اخراجات سے اتنی زائد ہو کہ ضروریات مسجد کو پورا کرنے کے بعد بھی رقم بچتی ہو اور بنام مسجد جمع ہو تو ایسی مسجد کا بعض حصہ کاٹ کر محض آمدنی کی زیادتی کے لیے دکان بنانا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

---

۱) کتاب الوقف، مطلب ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه ثم للقاضی، ج ٦ ص ٦٤٥، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۲) کتاب الوقف، مطلب ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه ثم للقاضی، ج ۳ ص ۴۴۹، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی البحر الرائق: وقال أبویوسف: الولایة للواقف وله أن یعزل القیم فی حیاته، واذا مات الواقف بطل ولایة القیم، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۷۷، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی حلبی کبیر: رجل بنی مسجداً وجعله لله فهو أحق بمرمته وعمارته وبسط البواری والحصیر والقنادیل والأذان والإقامة والإمامة فیه ــ وکذا ولد البانی وعشیرته من بعده أولی من غیرهم، فصل فی أحکام المسجد ص ٦١٥، طبع سعیدی کتب خانه کانسی روڈ کوئٹه۔

﴿ج﴾

مسجد قیامت (۱) تک مسجد رہتی ہے۔ اس کا کوئی بھی حصہ مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں، خواہ آمدنی کا ذریعہ دوسرا امر ہو یا نہ ہو۔ کذا فی الکتب الفقہ۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

واقف کا مسجد کے مدرسہ پر قبضہ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد بنانے کے لیے زمین خریدی گئی، جو اب مسجد جامع ہے اور کچھ میں مکان اب واقف کی ذات پر چڑھا ہے۔ مذکورہ بات پر ہر قسم کی شہادات موجود ہے۔ اول مدرسہ کے لیے یہاں ایک مدرس سے بات چیت ہو چکی تھی لیکن چونکہ واقف کی خباثت کی وجہ سے وہ بات نامکمل رہی، پھر بات چیت واقف کی زندگی میں واقف نے خود سے ہوئی تھی۔ عوام میں سے عینی شہادات بھی دی جا سکتی ہیں۔

ثانیاً یہ مکان دوران میں مدرسہ کے لیے بھی استعمال نہیں ہوا۔ بعد میں متولی نے اپنے ذاتی مفادات کے لیے کچھ حالات میں تبدیلی بھی کروا کے کرایہ پر بھی دے کر زر خود کھایا ہے۔

ثالثاً اس دور میں مسجد کی ضروریات کے لیے ایسے مکان بنانے کا اس علاقہ میں رواج تھا اور نہ ہی ضرورت تھی۔

رابعاً اس مکان کو درس و تدریس میں استعمال ہونا اتفاقاً ثابت ہے۔

خامساً یہ مکان مسجد سے جنوب کی طرف ہے اور مکان میں نمبر کے ملحق ہیں جو مسجد کی طرف میں ہیں اور اس مکان کی چوڑی میں ایک شاہراہ ہے۔ اس طرف میں کوئی ایک چھوٹا سا دروازہ بھی نہیں، دروازے کھلے ہیں

---

(۱) كذا في تنوير الأبصار مع رد المحتار: (ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة (وبه يفتى) كتاب الوقف، ج ۶ ص ۵۵۰، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

كذا في الهندية: قيم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتاً ومسكناً تسقط حرمته وهذا لا يجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد

كذا في محيط السرخسي، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، ج ۲ ص ۴۶۲، طبع بلوچستان بک ڈپو كوئٹه۔

وكذا في البحر الرائق: لا يجوز لقيم المسجد أن يبني حوانيت في حد المسجد أو فنائه، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۸، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

ساتھ مغربی طرف میں ایک حجرہ ہے جس کا دروازہ مشرقی طرف یعنی ہال میں سے ہے جس کا نقشہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مکان اگر مدرسے کے لیے استعمال کیا جائے تو کیا اس کا کرایہ واجب الاداء ہو سکتا ہے یا مدرسہ کی صورت میں کرایہ ادا کرنا جائز ہے۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ اگر کوئی شرعی ثبوت اس بات کا موجود ہے کہ واقف نے مکان مذکور مسجد پر وقف کیا ہے بایں طور کہ اس کو کرایہ پر دیا جائے اور اس کے حاصل مسجد پر صرف کیے جائیں۔ تب تو مدرسہ والوں کے لیے اس کا استعمال بدون کرایہ کے جائز نہ ہوگا۔ ان کے ذمہ اجر مثل واجب الاداء ہوگا اور اگر اس بات کا شرعی ثبوت موجود نہیں ہے کہ واقف نے مکان مذکور کو درس و تدریس کے لیے وقف کیا ہے یا اس کا ثبوت موجود نہیں لیکن اس وقت سے لے کر آج تک اس مکان کو بغیر کرایہ کے درس و تدریس کے لیے عموماً استعمال کیا گیا ہے۔ نیز دیگر قرائن بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ مکان درس و تدریس کے لیے وقف ہے۔ جیسا کہ سوال میں درج ہے۔ تب یہ مکان درس و تدریس کے لیے استعمال میں لایا جائے گا اور اس کا کرایہ واجب الاداء نہ ہوگا۔

كما قال في العالمگيرية ج ۲ ص ۴۳۹[1] سئل شيخ الإسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه وقدر ما يصرف الى مستحقيه قال ينظر الى المعهود من حاله فيما سبق من الزمان ان قوامها كيف يعملون فيه والى من يصرفون وكم يعطون فيبنى على ذالك كذا في المحيط۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی زمین کو مکان میں شامل کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کیا مسجد کی جگہ کوئی شخص زبردستی اپنے مکان میں شامل کر سکتا ہے۔

---

۱) كتاب الوقف، الباب السادس في الدعوى والشهادة، الفصل الثاني في الشهادة، ج ۲ ص ۴۳۹، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹہ۔

وكذا في ردالمحتار: لو سكن بلا اذن او اسكنه المتولى بلا أجر كان على الساكن أجر المثل، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في اجارته، ج ۶ ص ۶۶۰، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه

وكذا في البحرية: (سئل) في وقف اشتبهت مصارفه كيف يعمل في غلته (أجاب) ان لم يوقف على شرط واقفه يعمل فيه بما كانت تفعله القوام سابقا، كتاب الوقف، ج ۱ ص ۱۶۵، طبع مير محمد كتب خانه آرام باغ كراچي۔

التنویر ولو خرب ما حوله واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعة وبه یفتی وفی الشامیة (قوله ولو خرب ما حوله) ای ولو مع بقائه عامرا وکذا لو خرب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر (ردالمحتار ج ۳ ص ۴۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قیامت تک مسجد رہے گی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ متروکہ زمین میں مسجد بنائے ۱۳ سال ہو گئے ہیں۔ اس میں پانچ وقت نماز وجمعہ وعیدین بھی ہوتی ہیں اور پہلے سرکاری اعلان ہوا تھا کہ کسی نے متروکہ زمین میں کوئی مسجد وغیرہ بنائی تو ہم کو اطلاع دو اور اس کی اطلاع دی گئی اور اوقاف والوں نے کئی سوال کیے تھے ان کو بھی جواب دے دیا گیا۔ پھر فوجی حکومت ہوئی اور اس نے کہا کہ ہم اس کو نیلام کریں گے۔ اس نے نیلام کر دی۔ اس کی قیمت بھی کسی صاحب نے ادا کر دی اور وقف کر دی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جہاں مسجد بنائی گئی تھی اس کے آگے بھی زمین ہے اس میں مسجد مدرسہ بھی ہے تعلیم القرآن کا۔ جب مسجد آگے بڑھائی جائے تو اس حصہ میں جہاں اب نماز پڑھتے ہیں مدرسہ اور امام کا مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جو جگہ مسجد بن گئی(1) ہے اور جو مسجد کا حصہ ہے کسی طرح بھی دوسرے مقصد مثلاً مدرسہ کے لیے یا امام کے لیے رہائشی مکان میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ وہ قیامت تک مسجد رہے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

---

(1) وفي الدر المختار: (ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة، (وبه يفتى) كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، ج ۴ ص ۳۵۸، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچی۔

وكذا في البحر الرائق: ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً وقد منعه، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۱، طبع مكتبه رشيديه كوئٹہ۔

وفيه أيضاً: وقال أبو يوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة ... سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى ... كتاب الوقف ... فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۱، طبع مكتبه رشيديه كوئٹہ۔

پرانی مسجد کا کیا کریں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک مسجد گرا کر اس کے متصل ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اب سابقہ مسجد والی جگہ پر امام مسجد کا مکان یا وضو گاہ یا [illegible] تعمیر ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب

جو زمین ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس زمین پر امام مسجد کے لیے مکان یا وضو گاہ وغیرہ تعمیر کی جا سکتی ہے بلکہ یہ حصہ مسجد ہی رہے گا۔ پرانی مسجد کو نئی مسجد میں شامل کر لیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ جس قدر زمین پہلی مسجد کی سمجھی جاتی ہے اس کے کسی جزو کو خارج مسجد کی شکل دینا درست نہیں۔

قال في شرح التنوير(١) ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى وفي الشامية (قوله ولو خرب ما حوله) أي ولو مع بقائه عامرا وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر. (رد المحتار ج ٣، ص ٤٠٢، مطبوعه كوئته)

---

(١) كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥٠، مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا في البحر الرائق: لا يجوز لقيم المسجد أن يبني حوانيت في حد المسجد أو فنائه، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٨، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وفيه أيضا: وقال أبو يوسف: هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة ... سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وفيه أيضا: ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئا من المسجد مستغلا ولا مسكنا وقد تقدم، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا في فتاوى قاضيخان: ولو أن قيم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى لا يجوز له أن يجعل شيئا من المسجد مسكنا أو مستغلا، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدا الخ، ج ٣ ص ٢٩٣، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

مسجد اور مدرسہ کے پرانے سامان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک مسجد پرانی ہو کر گر گئی ہو اور اس کی پرانی چٹائی اور شہتیر موجود ہیں، جو قابل استعمال نہیں ہیں۔ آیا ان چٹائیوں اور شہتیروں کا جلانا اور کسی کام کے اندر استعمال کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر لکڑی چٹائی وغیرہ سامان باوجود قابل استعمال نہ ہونے کے مال متقوم ہے جس کو فروخت کیا جاسکتا ہے تو اس کو قاضی کے امر سے فروخت کر کے اس رقم کو اسی مسجد میں واپس صرف کرے۔ اور اگر وہ مسجد بالکل غیر آباد ہوگئی ہے تو کسی دوسری مسجد میں اس رقم کو صرف کیا جاوے۔ لیکن پہلی مسجد تا قیامت مسجد ہی رہے گی۔ فی الشامی[1] كتاب الوقف كالمسجد اذا خرب واستغنى اهل القرية فرفع ذلك الى القاضى فباع الخشب وصرف الثمن الى مسجد اخر جاز و قال بعد ذلك هل لواحد من اهل المحلة ان يبيع الخشب بامر القاضى و يمسك الثمن ليصرفه الى بعض المساجد اوالى هذا المسجد قال نعم ص ۴۰۷ جلد ۳۔ الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

ایک مسجد کی اینٹ دوسری مسجد کے لیے استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد بنانے کے لیے پندرہ ہزار اینٹ پختہ کی ہے

---

۱) كتاب الوقف: مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه، صفحه ٤٠٧، ج ٣، طبع مكتبه رشيديه (قديم) كوئٹه۔ كذا في البحر الرائق: وأما الحصير والقناديل فالصحيح من مذهب أبي يوسف أنه لا يعود إلى ملك متخذه بل يحول إلى مسجد آخر أو يبيعه قيم المسجد للمسجد: كتاب الوقف، فصل في احكام المسجد، صفحه ٤٢١، ج ٥، طبع، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وفيه ايضاً: وعند أبي يوسف يباع ذلك و يصرف ثمنه إلى حوائج المسجد فان استغنى عنه هذا المسجد يحول الى مسجد آخر والفتوى على قول محمد: كتاب الوقف، فصل في احكام المسجد، صفحه ٤٢٣، ج ٥، طبع، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

لیکن مسجد پر اس قدر روپیہ خرچ ہوتا ہے دوسرے شخص نے اس ... جز کا استعمال کیا ہے کیا یہ چندہ کی رقم دوسری مسجد پر خرچ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر اس اینٹ کو کسی مسجد پر وقف کر دیا تو دوسری مسجد پر صرف نہیں کر سکتا مصالح پر ہی صرف کرے۔ فان وقفها[1] على اهل ذلك الموضع لم يجز نقلها عنه لا لهم ولا لغيرهم وظاهره انه لا يحل لغيرهم الانتفاع به الخ شامی ج ۳ کتاب الوقف اور اگر فقط ارادہ و نیت یہ ہو کہ اس مسجد پر صرف کروں گا اور الفاظ وقف استعمال نہ کیے ہوں تو دوسری مسجد پر صرف کر سکتا ہے نیز اگر قیمتی اس مسجد کی ضرورت سے زائد ہو تو بھی صرف کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

مسجد کے سامان کو فروخت کرنا

﴿س﴾

مسجد کے برآمدہ کی چھت خراب ہو گئی ہے اب معمار کہتے ہیں کہ اس چھت کو اتار کر نئے سرے سے چھت تیار کرائی جائے لہٰذا عرض ہے کہ جو شہتیر و بالے چھت سے اتاری جائیں کیا فروخت ہو سکتی ہیں یا نہ اگر فروخت نہیں ہو سکتیں تو مسجد کے ساتھ حجرہ اور اس کے ساتھ ایک برآمدہ بنانے کا ارادہ ہے کیا اس پر استعمال ہو سکتے ہیں یا نہ۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) كتاب الوقف: مطلب في نقل كتب الوقف من محلها، صفحة ٤٦٦، ج ٤، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی

كذا في العالمگيرية: سئل شمس الائمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أوقافه الى مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الاوقاف الخ، صفحة ٤٧٨، ج ٢، طبع مكتبه علوم اسلاميه، چمن، بلوچستان۔

كذا في البحر الرائق: وهكذا نقل عن الشيخ الامام الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه انه تصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر، كتاب الوقف، فصل في احكام المسجد، صفحة ٤٢٩، ج ٥، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

﴿ج﴾

مسجد کا سامان اگر مسجد ہی میں صرف ہو سکتا ہے تو صرف کر لیا جاوے[1] ورنہ متولی کو اختیار ہے کہ اس کو مناسب قیمت پر فروخت کر دے مگر چونکہ مسجد سے خارج ہے وہاں بغیر قیمت کے لگانا ٹھیک نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

کیا نئی مسجد کا سامان پرانی مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کچھ اختلاف کی بناء پر ایک مسجد ہوتے ہوئے دوسری مسجد تعمیر کی گئی۔ صلح کے بعد ایک ہی مسجد میں نماز پڑھنے پر رضامند ہو گئے۔ کیا اس وقت ایک مسجد کا سامان از قسم لکڑی و دری وغیرہ اس دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

دونوں مسجدوں کو آباد کرنا ضروری ہے۔ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں۔ یعنی ایک کو بالکلیہ غیر آباد کرنا جائز نہیں۔ قال ابن[2] **عابدين الفتوى على ان المسجد لايعود ميراثا**

---

۱) كذا في رد المحتار: سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلواء وتداعى مسجدها الى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه الى دورهم، هل لواحد من أهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، ويمسك الثمن ليصرفه الى بعض المساجد، أو الى هذا المسجد، قال نعم كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، ج ٤ ص ٣٦٠، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وكذا في الهندية: الفاضل من وقف المسجد هل يصرف الى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح ولكن يشترى به مشغلا للمسجد كذا في المحيط، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به وفيه فصلان، الفصل الثاني في الوقف على المسجد الخ، ج ٢ ص ٤٦٣، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔
وكذا في البحر الرائق: وعند أبي يوسف يباع ذلك ويصرف ثمنه الى حوائج المسجد، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره ج ٦ ص ٥٥٠، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه (جديد)۔ وكذا في البحر الرائق: وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً الى قيام الساعة لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وأيضاً فيه: وبه علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد، وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر (۲۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اجڑی ہوئی مسجد کے سامان کا کیا کریں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنی زمین کو آباد کرنے کے لیے وہاں پر بستی قائم کی اور اس بستی میں ایک پکی مسجد تعمیر کی اور یہ مسجد عرصہ تیس سال سے غیر آباد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس بستی کے لوگ ایک دوسری جگہ اپنی ملکیت میں منتقل ہو گئے ہیں۔ اب یہ مسجد ایک ویرانے میں بڑی خستہ حالت میں ہے جس کا آدھے سے زیادہ سامان ٹوٹ پھوٹ چکا ہے دروازے کھڑکیاں وغیرہ لگی ہوئی ہیں اور ان لوگوں نے جو نئے موضع میں منتقل ہوئے ہیں متولی کی اجازت سے اس غیر آباد مسجد کا ملبہ اٹھا کر اپنی ایک نئی پکی مسجد بنائی ہے اور اس پرانی مسجد کی دیواروں کے ارد گرد باڑ لگا دی ہے جس سے مسجد کی جگہ کو محفوظ کر دیا ہے تاکہ دوسری زمین کے ساتھ نہ مل جائے۔ اور متولی نے بھی کہا ہے کہ اس پرانی مسجد کو بنانے کا میرا فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اگر بناؤں گا تو پختہ مسجد تعمیر کروں گا۔ یا ایسے بناؤں گا۔ بہرحال یہ سامان آپ لے جائیں تاکہ مزید خراب نہ ہو تو کیا

(۱) اجڑی ہوئی مسجد کا ٹھیک سامان دوسری مسجد میں لگانا درست ہے؟

(۲) اب جو یہ دوسری نئی مسجد اس پرانی مسجد کے سامان سے بنائی گئی ہے۔ اس مسجد میں نماز پڑھنا اور چندہ دینا جائز ہے؟

﴿ج﴾

(۱) پرانی مسجد کا صحیح سامان دوسری نئی مسجد میں لگانا درست ہے [1]۔

(۲) اس نئی مسجد میں نماز وجماعت درست ہے۔ اس میں کسی قسم کا تردد نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۰/۹/۱۳۹۹ھ

---

(۱) في الهندية: رجل بسط من ماله حصيراً في المسجد فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه ... عند أبي يوسف يباع ذلك ويصرف ثمنه الى حوائج المسجد فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول الى مسجد آخر" كتاب الوقف الباب الحادي عشر في ما يتعلق بالمسجد، ج ۲ ص ۴۵۸، رشيديه كوئٹه۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۲۲، رشيديه كوئٹه۔

وفي الفتاوى الكاملية: وفي البزازية والخلاصة اذا خرب المسجد وتفرق الناس عنه تصرف اوقافه الى مسجد آخر، كتاب الوقف، مطلب واذا خرب المسجد وما حوله صرفت اوقافه الى مسجد آخر، ص ۶۱، مكتبة حقانيه كوئٹه۔

وفي الشامي: والذي ينبغي متابعة المشائخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد أو حوض، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه، ج ۴ ص ۳۵۵، رشيديه كوئٹه۔

مسجد کے تیل کو فروخت کرنا

﴿سوال﴾

جو تیل مسجد میں جلانے کے لیے اکٹھا ہوتا ہے۔ اس کو فروخت کر کے اس کی رقم تعمیر میں لگائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ یا چٹائیاں خرید کر سکتے ہیں یا نہیں؟ صحیح صورت کیا ہے۔

﴿الجواب﴾

صورت مسئولہ میں اگر مسجد کا یہ تیل مسجد کی ضرورت سے زائد ہو۔ تو اس کی رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے۔ نیز اس کی رقم سے چٹائیاں بھی خریدی جا سکتی ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ تیل لانے والوں سے کہا جائے کہ جو تیل مسجد میں ضرورت سے زائد بچ جاتا ہے۔ اس کو فروخت کر کے اس کی رقم سے مسجد کی فلاں فلاں ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں۔ تو ان چیزوں پر صرف کرنا بلاشبہ جائز ہوگا[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

یا تیل لانے والوں کو ترغیب دی جائے کہ تیل بقدر ضرورت ارسال فرماویں اور زائد رقم مسجد کے فنڈ میں جمع کروائیں۔

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک بستی میں ایک مسجد بنی ہوئی تھی لیکن نمازیوں کے لیے تنگ اور دیوار کے پھٹنے کی وجہ سے اب نئے سرے سے تعمیر ہو رہی ہے اور مسجد کا کچھ حصہ بڑھا دیا گیا ہے اور پرانا سامان شہتیر و کڑیاں وغیرہ فروخت کر کے گارڈر و ٹی آئرن وغیرہ وغیرہ چھت کے واسطے خریدنا چاہتے ہیں۔ اب شرع کی روشنی میں اس چیز سے آگاہ فرماویں کہ یہ سامان وغیرہ فروخت ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اور خریدنے والا مکان کی چھت پر چڑھا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ چونکہ یہ مسجد دیہات کی مسجد ہے اور اس بستی میں قریب آدھی آبادی ہیں وہ دانا سرمایہ بھی نہیں کہ اس سامان کو رکھ کر دوسرا سامان خریدا جائے۔ فقط

---

(۱) ففی البحر الرائق: وفی الخانیة: المتولی اذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلا آخر جاز لأن هذا من مصالح المسجد، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۴۶، رشیدیہ کوئٹہ۔

وفی التاتارخانیة: ولو اشتری بالغلة حانوتاً أو داراً تستغل وتباع عند الحاجة هو أقرب الی الجواز، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، ج ۵ ص ۸۶۰، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراچی۔

ومثله فی خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، ج ۴ ص ۴۲۲، ۴۲۳، رشیدیہ کوئٹہ۔

پرانی مسجد کے ملبہ کی فروخت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ ایک مسجد پہلے کچی تھی اس کو اب ہم نے پختہ بنایا ہے۔ اور اس کے جو پرانے بالے اور اینٹیں وغیرہ پڑی ہیں، کیا اب ہم ان پرانی اشیاء کو فروخت کر کے اسی مسجد پر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر استعمال نہیں کر سکتے تو ان کو کیا کیا جائے؟ اس کی جو اینٹیں وغیرہ پڑی ہیں وہ ایک مسجد والے خرید کرنا چاہتے ہیں کیا ان کو قیمتاً دیا جائے یا مفت دے سکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

یہ اشیاء اگر اس مسجد کے کام میں نہ آتی ہوں۔ تو دوسری مسجد میں مفت بھی منتقل ہو سکتی ہیں۔ **فمنهم من افتى بنقل بناء المسجدو منهم من افتى بنقله و نقل ماله الى مسجد اخر شامى على البحر الرائق ج۵ ص ۲۵۳**[1] **الى اخر ماحققه** اور اگر دوسری مسجد خریدے اور اس مسجد کی ضرورت باقی ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ **كما فى البحر الرائق ۲۵۳ وان بلى ذلك كان له ان يبيع و يشترى بثمنه حصيرا اخر**[2]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) منحة الخالق على البحر الرائق: للعلامة ابن عابدين الشامي، ج ٥ ص ٤٢٤، كتاب الوقف، رشيديه كوئٹه۔ وفي رد المحتار: فمنهم من أفتى بنقل بناء المسجد ومنهم من أفتى بنقله ونقل ماله الى مسجد آخر — والذى ينبغى متابعة المشائخ المذكورين فى جواز النقل بلا فرق بين مسجد أو حوض كما أفتى به الإمام أبو شجاع والإمام الحلوانى وكفى بهما قدوة — الخ، كتاب الوقف، مطلب فى نقل انقاض المسجد ونحوه، ج ٦ ص ٥٥٢، رشيديه جديد كوئٹه۔ وكذا فى الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فيما يتعلق بالمسجد ج ٢ ص ٤٥٨، رشيديه كوئٹه۔

۲) البحر الرائق كتاب الوقف ج ٥ ص ٤٢٣، رشيديه كوئٹه۔
وفى التاتارخانية: ومن بلى ذلك لكان له أن يبيع ويشترى بثمنها حصيراً آخر، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، ج ٥ ص ٨٤٦، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى۔
وفى الشامى: نافلاً عن فتاوى النسفى: سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا و تداعى مسجدها الى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه، وينقلونه الى دورهم هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضى ويمسك الثمن ليصرفه الى بعض المساجد أو الى هذا المسجد؟ قال نعم، كتاب الوقف، مطلب فى نقل انقاض المسجد، ج ٦ ص ٥٥٢، رشيديه جديد كوئٹه۔

ضرورت کے باوجود مسجد کا سامان دوسری مسجد پر لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا مقررہ سامان ہے۔ اس سامان کو متولی مسجد دوسری مسجد پر لگانا چاہتا ہے۔ حالانکہ پہلی مسجد کو جس کا سامان ہے اس سامان کی اشد ضرورت ہے۔ اب صورت مسئولہ یہ ہے کہ کیا ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد پر لگانا جائز ہے یا کہ نہیں؟ جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

﴿ج﴾

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد پر لگانا جائز نہیں(۱)۔ البتہ اس مسجد کے سامان کی اگر ضرورت نہ ہو تو متولی اسے برابر کی قیمت سے فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد پر صرف کرے۔ دوسری مسجد میں کسی صورت سے جائز نہیں(۲)۔ واللہ اعلم۔

محمد عطاء اللہ عفی عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ ذی الحج ۱۳۷۲ھ

مسجد کی زمین کا کیا کریں

﴿س﴾

فیصلہ شرعی مطلوب ہے اندریں صورت کہ ہمارے قصبہ میں ایک شخص نے ایک قطعہ زمین مسجد کے لیے

---

(۱) الدر المختار: ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وأيضاً في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبہ رشيديہ (جديد) كوئٹہ۔ وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: كتاب الوقف، الفصل الثاني استبدال الوقف وبيعه في حالة الخراب، ج ١٠ ص ٧٦٧٣ طبع دار الفكر بيروت۔

(۲) رد المحتار: وأما ما اشتراه المتولي من مستغلات الوقف فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٧٧، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وكذا في البحر الرائق: وفي الحاوي قال حيث هلاك النقض، باعه الحاكم وأمسك ثمنه لعمارته عند الحاجة، فعلى هذا يباع النقض في موضعين، عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢٨، مكتبہ رشيديہ جديد، كوئٹہ۔
وكذا في فتح القدير: كتاب الوقف، فصل لأحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٤٦، مكتبہ رشيديہ كوئٹہ۔

قدیم کا سامان سعی وکوشش کر کے نئی تعمیر شدہ مسجد پر لگایا گیا۔ جو اس پر صرف ہو سکا۔ حالانکہ نئی مسجد اب بھی زیر تعمیر ہے۔ بہت کچھ تعمیر باقی ہے۔ جو سامان قدیم مسجد کا نئی مسجد پر صرف ہوا، وہ تو ہو چکا۔ لیکن جو سامان باقی ہے تو چونکہ وہ مسجد نئے طرز پر تعمیر کی جا رہی ہے۔ اس لیے اس پر کسی طریقہ سے نہیں لگ سکتا۔ حالانکہ تعمیر کا حصہ باقی ہے کیا قدیم مسجد کا بقیہ سامان فروخت کر کے زیر تعمیر مسجد پر لگایا جا سکتا ہے اور پھر فروخت ہو جائے تو مشتری بھی اپنے مکان یا دوسری ضروریات پر صرف کر سکتا ہے۔ اگر مسجد قدیم کا سامان پڑا رہے تو ضائع ہو جائے گا۔ ضائع ہونے کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مسجد قدیم کا سامان فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور زیر تعمیر مسجد پر لگایا جائے یا نہیں؟ نیز مشتری مسجد قدیم کا سامان خرید کرنے کے بعد کہاں صرف کر سکتا ہے؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں قدیم مسجد کا بقیہ سامان (جو نئی مسجد کی تعمیر میں کسی طرح نہیں لگ سکتا) فروخت کر کے اس کی قیمت کو نئی مسجد کی تعمیر پر صرف کیا جائے۔ مشتری اسے اپنی ضروریات پر صرف کر سکتا ہے۔ اپنے رہائشی مکانات میں لگا سکتا ہے۔ البتہ بیت الخلاء وغیرہ میں جو جائے بے ادبی ہو نہ لگا دے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

متروکہ مسجد کا سامان

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی کے اندر مسجد تعمیر کی گئی اب سب لوگ وہاں سے چلے گئے ہیں۔ ایک آدمی بھی وہاں نماز پڑھنے والا نہیں رہا۔ اب اس آدمی کی اجازت سے جس نے اس مسجد کو تعمیر کیا تھا۔ اس مسجد کا سارا سامان مثلاً (کڑیاں شہتیر اینٹیں) دوسری مسجد میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ حوالہ سے بیان فرمادیں۔

---

۱) فی تنویر الأبصار مع الدر المختار: وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه ان تعذر اعادة عينه الى عمارته ان احتاج والا حفظه ليحتاج والا اذا خاف ضياعه فيبيعه ويمسك ثمنه ليحتاج (كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٧٧، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

وكذا في الهداية: وان تعذر اعادة عينه الى موضعه بيع وصرف ثمنه الى المرمة صرفاً للبدل الى مصرف المبدل (كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢٠، طبع مكتبه رحمانيه اردو بازار لاهور۔

وكذا في تبيين الحقائق: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٢٦٧، طبع مكتبه دار العلمية بيروت لبنان۔

﴿ج﴾

صورتِ مسئولہ میں صحیح سالم مسجد کو گرانا اور اس کے ملبہ کو دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں[۱] البتہ جب یہ مسجد گرنے لگے یا گرنے کے بعد اس کے ملبہ کے ضیاع کا اندیشہ ہو کہ چور لے جاویں گے یا بے فائدہ لکڑیاں وغیرہ گل جائیں گی تو اس وقت اس مسجد کا سامان مذکورہ دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے[۲] مگر جب ایک مرتبہ مسجد ہو جاتی ہے، وہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے۔ اس لیے اس مسجد کے احاطہ کو محفوظ کر دیا جائے۔ قیامت تک دوسرے مقاصد میں استعمال کرنے سے اس کو محفوظ رکھنا ضروری ہے[۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کا سامان گل سڑ گیا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ صدیوں پرانی مسجد منہدم ہو چکی ہے، وہاں سے وہ لوگ وہ جگہ چھوڑ کر اور جگہ چلے گئے ہیں۔ اس مسجد میں قرب و جوار میں بھی کوئی ایسی آبادی نہیں کہ لوگ اسے مرمت کر کے اس میں نمازیں پڑھیں۔ اب اس مسجد کے ملبہ میں صرف ایک نیم حا شہتیر ملا ہے۔ وہ کئی سال سے وہاں پڑا ہے۔ اسے کوئی نہیں اٹھاتا کیا اس شہتیر کو اٹھا کر کسی مصرف میں لایا جائے یا اس کی قیمت کسی مصرف میں خرچ

---

۱) فی رد المحتار: وأما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لا يمكن، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

وكذا في فتاوى العالمكيرية: وفي الكبرى: مسجد مبني أراد رجل أن ينقضه ويبنيه ثانياً أحكم من البناء الأول ليس له ذلك لأنه لا ولاية له، كذا في المضمرات، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٧، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به، ج ٦ ص ٢٦٨، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) في رد المحتار: والذي ينبغي متابعة المشايخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد أو حوض، كما أفتى به الإمام أبو شجاع والإمام الحلواني وكفى بهما قدوة، ولا سيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد، (كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، ج ٦ ص ٥٥٢، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔

وفي البحر الرائق: وعند أبي يوسفؒ يباع ذلك ويصرف ثمنه الى حوائج المسجد فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول الى مسجد آخر، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔

۳) وكذا في الفتاوى عالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٨، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

کی جاوے۔ یا اس شہتیر کو وہاں رہنے دیا جاوے۔ تاکہ وہاں پر گل سڑ کر ختم ہو جاوے۔ جیسے کہ اس کی دوسری چیزیں غالباً ایسے ہی ختم ہو گئی ہیں۔

﴿ج﴾

شہتیر کو فروخت کر لیا جاوے اور اس کی رقم کسی قریبی مسجد پر صرف کر دی جاوے [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد پر کیسا مال صرف کیا جائے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بینک میں سودی کاروبار لکھنے پر ملازم ہے اور بینک میں سے تنخواہ لیتا ہے۔ کیا ایسے شخص سے ہم تعلیم دین کے لیے یا مسجد کے لیے چندہ لے سکتے ہیں۔ جبکہ اس کی آمدنی سود ہی سے ہے؟

﴿ج﴾

حرام مال مسجد پر صرف کرنا موجب گناہ اور مکروہ ہے۔ **قال فی الشامیة (قوله بماله الحلال قال تاج الشریعة اما لو انفق فی ذلک مالاخبیثا ومالاسببه الخبیث والطیب فیکره لان الله تعالی لایقبل الاالطیب فیکره تلویث بیته بمالایقبله۔** (ردالمختار [2] ج ۱ ص ۴۸۷)

ایسی رقوم کا صرف طلبہ کرام پر ہو سکتا ہے کیونکہ وہ عموماً فقراء ہوتے ہیں وہ طلبہ کی امداد میں داخل کر دیں تو تنخواہ وغیرہ میں بھی صرف ہو سکے گا [3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) فی تنویر الأبصار مع رد المحتار: (ومثله) فی الخلاف المذكور (حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنهما و) كذا (الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (الی أقرب مسجد أو رباط أو بئر) أو حوض (الیه) كتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیره، ج ٦ ص ٥٥١، طبع مكتبه رشیدیه (جدید) كوئٹه بلوچستان۔
وكذا فی التاتار خانیه: كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی یستغنی عنها، ج ٥ ص ٨٧٧، طبع ادارة القرآن كراچی۔ وكذا فی العالمكیریة: كتاب الوقف، الفصل الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها الخ، ج ٢ ص ٤٧٤، طبع مكتبه رشیدیه كوئٹه بلوچستان۔

٢) فی ردالمحتار: كتاب الصلاة، مطلب كلمة لا بأس دلیل علی أن المستحب غیره الخ، ج ١ ص ٦٥٨، طبع ایچ ایم سعید كراچی۔ وأیضاً فی رد المحتار: لأن الملك ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص، كتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملك والمتقوم، ج ٤ ص ٥٠٢، طبع ایچ ایم سعید كراچی۔
وكذا فی صحیح البخاری: عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تصدق بعدل تمرة من كسب طیب ولا یقبل الله الا الطیب الخ، باب الصدقة من كسب طیب، ج ١ ص ٨٩، طبع قدیمی كتب خانه كراچی۔

صلح کے لیے مسجد کو چندہ دینے کی شرط

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بکر خالد کے مکان میں بطور کرایہ دار بیوی بچوں سمیت کچھ عرصہ رہتا رہا اور دونوں ایک دوسرے کے قریبی ہمسایہ تھے۔ بکر نے خالد کی ایک قریبی رشتہ دار عورت جو کہ شادی شدہ تھی سے ناجائز تعلقات استوار کر کے اسے اغوا کر لیا اور راتوں رات اپنے اہل کنبہ کے سمیت مکان چھوڑ کر روپوش ہو گیا۔ بکر کا ایک دوست ناصر جو دوسری جگہ رہتا تھا کبھی کبھی بکر کو ملنے آتا تھا، وقوعہ کے ایک دو روز بعد وہ حسب معمول بکر سے ملنے آیا تو وہاں سے نہ مل سکا اور خالد نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ اس اغوا کے کیس میں تیرا بھی ہاتھ ہے۔ ناصر نے اسے ہر قسم کی یقین دہانی کرائی کہ مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں، اگر علم ہوتا تو میں یہاں کیوں آتا۔ لیکن بکر نہ مانا۔ یہ بات ناصر کے وارثوں کو معلوم ہوئی۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم شریف آدمی ہیں ہمیں ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن بکر بضد رہا۔ آخر ساجد نے خالد و ناصر کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کی۔ ساجد نے ناصر سے کہا کہ ہماری مسجد غریب ہے۔ اس کی امداد کرنی ہوگی۔ ناصر کے وارث اس بات پر رضامند ہو گئے۔ اور کہا کہ ہم مسجد کے لیے اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ساجد نے یہ فیصلہ کیا کہ ۵۰۰/- روپے مسجد کے لیے چندہ اور دو ہزار روپے خالد کو بطور ہرجہ خرچہ دیں تو ساجد کے اس فیصلے کو ناصر کے وارث مان گئے۔ تو انہوں نے ۵۰۰/ روپے مسجد کے لیے اور دو ہزار روپے خالد کو دیے۔ اب آپ فرمائیں جو رقم مبلغ ۵۰۰/- روپے مسجد کے لیے وصول کی گئی ہے۔ مسجد کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

ناصر کے ورثہ سے معلوم کیا جائے اگر بطیب خاطر وہ یہ رقم مسجد کو دینا چاہے تو مسجد میں صرف کرنا درست ہے۔ اگر بطیب خاطر نہ دے تو ان کی رضامندی کے بغیر یہ رقم مسجد پر صرف نہ کی جاوے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) كما في مشكاة المصابيح، وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا لا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه الخ، (باب الغصب والعارية) ص ۲۵۵، طبع قديمي كتب خانه آرام باغ كراچي۔
كما في شرح المجلة: ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده عينا وإن كان قائما وإلا فيضمن قيمته، (رقم المادة ۹۷) ۱/۶۴، طبع مكتبه حنفيه كوئٹه۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير، ج ۵ ص ۶۸، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه بلوچستان۔

بغیر اجازت اینٹوں کو مسجد پر لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اینٹوں کا بھٹہ بنایا ہوا ہے۔ اس کے نزدیک ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے مسجد کے بنوانے والوں نے پہلے تو مالک بھٹہ سے کچھ اینٹیں خریدیں۔ اور مالک بھٹہ نے مسجد کی امداد سمجھ کر بہت کچھ رعایت کی۔ جتنی کہ اس کی طاقت تھی۔ پھر مالک بھٹہ کے رشتہ داروں کی فوتگی ہوگئی اور وہ سالم کنبہ وہاں چلا گیا۔ بعد میں مسجد بنوانے والوں نے بھٹہ سے چوری اینٹیں نکال کر مسجد پر لگا دیں۔ فوتگی سے واپس آنے پر مالک بھٹہ نے مطالبہ کیا تو ٹھیکیدار نے جواب دیا ہم نے اینٹیں مسجد پر لگا ئیں ہیں کوئی اور مکان تعمیر نہیں کرایا جو کچھ کارروائی کرنی ہے کرو۔

عالی جاہ استدعا ہے کہ آیا چوری کی اینٹوں سے مسجد بنوائی جاسکتی ہے یا نہیں اور جنہوں نے اینٹیں چوری کر کے ایسا کام کیا ہے ان کے لیے کوئی سزا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

جو اینٹیں چوری کی گئی ہیں وہ حرام ہیں اور حرام ملک سے تعمیر مسجد جائز نہیں۔ جن لوگوں نے یہ کام کیا ہے وہ گنہگار ہیں لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ یا تو اینٹوں کی قیمت ادا کردیں۔ یا مال حرام سے تعمیر کردہ دیواریں گرا کر حلال مال سے دوبارہ تعمیر کریں۔ **قال فی الشامیة (قوله لو بماله الحلال) قال تاج الشریعة اما لو انفق فی ذلک مالا خبیثا ومالاسببه الخبیث والطیب فیکره لان الله تعالیٰ لایقبل الا الطیب فیکره تلویث بیته بمالایقبله. شرنبلالیة در المختار ج ۱ ص ۳۸۷) و مثله فی احسن الفتاوی ص ۳۸۲)**۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[1]۔

---

۱) فی رد المحتار: (کتاب الصلوة، مطلب کلمة لا بأس دلیل علی أن المستحب غیره الخ، ج ۱ ص ۶۵۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

وکذا فی صحیح البخاری: عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من کسب طیب الخ، باب الصدقة من کسب طیب، ج ۱ ص ۱۸۹، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

وکذا فی رد المحتار: لأن الملك ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملك والمتقوم، ج ٤ ص ٥٠٢، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

چور سے وصول شدہ جرمانہ کی رقم کا مسجد میں استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کافی عرصہ سے یہ طریقہ بد شروع کر رکھا ہے کہ مسجد سے تیل وغیرہ چوری کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے گھر سے مسجد کے پانچ آہنی لوٹے بھی برآمد ہوئے۔ اسی طرح کنویں کی بالٹی بھی اٹھالیتا ہے اور اس نے اپنی شقاوت قلبی کا یہاں تک مظاہرہ کیا کہ ایک گھر سے اس نے جوتہ چوری کیا حالانکہ اسی گھر میں اس وقت ایک نوجوان لڑکا جان کنی میں مبتلا تھا بالآخر چور پکڑا گیا اور اس نے خود اقبال جرم کرتے ہوئے کہا کہ یہ پیشہ میں کافی عرصہ سے کر رہا ہوں۔ اب تقریباً تین صد روپے کا تیل مسروقہ فروخت کر دیا ہے دریں اثناء اہل محلہ اور مسجد کے مقتدیوں نے فیصلہ کیا کہ دوسروں کی عبرت کے لیے سارق پر کم از کم پانچ صد روپے جرمانہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس سے وہ رقم تعزیراً لی بھی گئی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ آیا وہ رقم محصلہ مسجد کی تعمیر کے لیے خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مسجد زیر تعمیر ہے اور اہل محلہ بھی سب رضامند ہیں۔ اگر ناجائز ہے تو پھر رقم محصلہ کا مصرف کیا ہوگا۔

﴿ج﴾

مالی جرمانہ شخص مذکور پر پنچایت کا شرعاً درست نہیں ہے[1]۔ اس لیے یہ رقم مسجد کی تعمیر پر خرچ کرنا جائز نہیں بلکہ یہ رقم اس شخص مذکور کو واپس کرنا ضروری ہے۔ لیکن واپس کرنے کے لیے ایسی صورت اختیار کی جائے کہ جس سے اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ وہی رقم جو مجھ سے بطور جرمانہ وصول کی گئی ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) كما في مشكاة المصابيح: وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا لا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ ألا بطيب نفس منه رواه البيهقي في شعب الإيمان والدار قطني في المجتبى (باب الغصب والعارية) ص ٢٥٥، طبع قديمي كتب خانه آرام باغ كراچي۔
كما في رد المحتار: اذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال، ج ٤ ص ٦١، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔
وأيضاً في البحر الرائق: كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير، ج ٥ ص ٦٨، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔

۲) كما في الدر المختار: وفيه عن البزازية وقيل يجوز ومعناه أن يمسكه مدة لينزجر، ثم يعيده له الخ، كتاب الحدود، باب التعزير، ج ٤ ص ٦١، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير، ج ٥ ص ٦٨، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔
وكذا في النهر الفائق: (كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير، ج ٣ ص ١٦٥، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

اختلاف کی صورت میں دوسری مسجد کے لیے رقم کا جرمانہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مشائخ عظام اس مسئلہ میں کہ ایک متروکہ جائیداد کو منہدم کر کے عامۃ المسلمین نے ایک مسجد بنائی اور ہر مسلمان نے چندہ دیا دو ماہ قبل مسجد میں محفل میلاد منعقد کرنے پر آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا اور نتیجے کے طور پر دونوں فریقوں بریلوی صاحبان اور دیوبندی حضرات کے مابین اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوا کہ دونوں فریقوں کو اپنی اپنی طرف سے اے۔ ڈی۔ ایم کی عدالت میں نوے نوے ہزار روپے کی ضمانتیں داخل کرانا پڑیں۔ لیکن اس کے باوجود روز بروز کشمکش میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ شاید قتل سے بھی گریز نہ کیا جاتا۔ چنانچہ اے ڈی ایم کی بروقت مداخلت سے یہ باہمی فیصلہ ہوا کہ جو فریق مسجد پر اپنا قبضہ کلی طور پر رکھنا چاہے وہ دوسرے فریق کو مبلغ دس ہزار روپے علیحدہ مسجد بنانے کو ادا کرے۔ واضح ہو کہ مسجد مذکورہ جس متروکہ جائیداد کو منہدم کر کے بنائی گئی ہے اس کی قیمت تا حال حکومت کو ادا نہیں کی گئی۔ دونوں فریقوں کی حیثیت روپیہ مذکورہ ادا کرنے اور وصول کرنے کے بارے میں مفصل طور پر شرعی حکم سے روشناس فرمایا جائے۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں یہ رقم یا تو اس مسجد کے عوض میں دی جا رہی ہے یا رشوت کے طور پر دے رہے ہیں اور دونوں صورتیں ناجائز ہیں اس لیے کہ مسجد کی بیع باطل اور حرام ہے۔ اسی طرح رشوت لینا دینا بھی حرام ہے۔ الحاصل صورت مسئولہ میں رقم لینا دینا جائز نہیں۔ چنانچہ درمختار اور اس کی شرح ردالمختار میں ہے۔ (ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجداً عند الامام و الثانى) اى ابى يوسف ابداً الى قيام الساعة (وبه يفتى) (درمختار) فلا يعود ميراثا و لا يجوز نقله و نقل ماله الى مسجد اخر سواء كانوا يصلون فيه او لا. وهو الفتوى و اكثر المشائخ عليه وهو الاوجه[1] (ردالمحتار) والله اعلم.

بنکوں کے عطیہ سے مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کی سٹاف کالونی میں نماز پڑھنے کے

---

۱) الدر المختار مع رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب فى ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، ایچ ایم سعید کراچی۔ وهكذا الهندية كتاب الوقف، الفصل الأول فى ما يصير به المسجد مسجداً الخ، ج ٢ ص ٤٥٨، بلوچستان بکڈپو۔

لیے کوئی مسجد نہیں ہے مسجد کی سرکاری طور پر تعمیر کے سلسلے میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب سے ملاقات کی گئی۔ مگر انہوں نے مجبوری ظاہر کی کہ مسجد کی تعمیر کے لیے کوئی سرکاری فنڈ وغیرہ نہیں ہے۔ یونیورسٹی کے کسی اور فنڈ سے وہ خرچ نہیں کر سکتے تاہم انہوں نے اطمینان دلا دیا کہ وہ مسجد کی تعمیر کا ضرور انتظام کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف بینکوں کو خطوط لکھوائے کہ وہ ایک پرائیویٹ قسم کا فنڈ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں سے وہ یونیورسٹی کے اندر مسجد کی تعمیر اور ضرورت کے مطابق دیگر رفاہی کاموں میں خرچ کریں گے۔ کئی بینکوں نے وائس چانسلر صاحب کی اس درخواست پر عطیے دیے۔ جس سے ایک کثیر رقم اکٹھی ہوگئی۔ (اگرچہ اس فنڈ کے قائم ہونے کی وجہ مسجد کی تعمیر ہی تھی۔ مگر یہ فنڈ ہمیشہ کے لیے قائم کیا گیا ہے) اس جمع شدہ رقم میں سے وائس چانسلر صاحب نے ایک مسجد کی تعمیر کا حکم دے دیا۔ جو کہ آج کل زیر تعمیر ہے۔ مسجد کے لیے زمین یونیورسٹی کی زمین سے وقف کردی گئی ہے۔ اس کا بنکوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن تعمیر پر خالصتاً بنکوں کا پیسہ صرف ہو رہا ہے۔ کیا مسجد کی یہ تعمیر شریعت کی رو سے جائز ہے۔ اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ہے۔ اگر اس موجودہ صورت کے مطابق جائز نہیں ہے تو کسی اور صورت سے جائز ہو سکتی ہے۔ یا نہیں؟ مثلاً مقامی لوگ تھوڑا بہت چندہ جمع کر کے اس میں شامل کردیں۔ اگر کسی طرح بھی جائز نہیں ہے تو اس مسجد (زیر تعمیر) کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے۔ براہ کرم وضاحت فرما دیجیے۔

﴿ج﴾

آج کل بنکوں کا سارا کاروبار سودی لین دین سے چلتا ہے جو کہ قطعی حرام ہے اور حرام مال مسجد پر صرف کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور ان کا حکم بھی مختلف ہے:

(۱) حرام مال سے مسجد کی زمین نہ خریدی گئی ہو۔ بلکہ دیواروں پر خرچ کیا ہو اس صورت میں چونکہ نماز پڑھتے وقت حرام کا استعمال نہیں پایا جاتا۔ اس لیے اس میں نماز درست ہے۔ مگر حرام مال مسجد پر صرف کرنے کا گناہ ضرور ہوگا۔ لہذا مال حرام سے تعمیر کردہ دیواریں گرا کر حلال مال سے دوبارہ تعمیر کرنا ضروری ہے۔

قال في الشامية (قوله لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة اما لو انفق في ذلك مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره لان الله تعالى لايقبل الا الطيب فيكره تلويث

منه بما لا يقبله. شرنبلالية (رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۸)(۱)

(۲) اگر حرام مال فرش پر لگایا گیا تو نماز پڑھنے سے حرام کا استعمال ہوگا۔ لہٰذا اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اس کا تدارک یوں ہو سکتا ہے کہ حرام مال سے تیار کردہ فرش اٹھا کر طیب مال سے فرش لگایا جائے۔ (کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۴۳۲ ج ۶)(۲)

اس روپے سے مسجد تعمیر کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی سے قرض لے کر اس سے مسجد تعمیر کی جاوے۔ اور بنکوں کی طرف سے جو رقم مسجد کے لیے ملی ہے۔ اس سے وہ قرض ادا کیا جائے۔ قرض خواہ کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے۔ اور قرض ادا کرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔ **کما فی السراجیة(۳) المغصوبة اذا قضی دینه من كسبه اجبر الطالب على الاخذ**۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹/۲/۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹/۲/۱۳۸۸ھ

جھوٹے الزام والی رقم سے مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے ایک زمین تبلیغی مرکز (مسجد وغیرہ) کے لیے [illegible] فروخت کی۔ اس پر تعمیر ہو رہی ہے۔ بکر کہتا ہے کہ زید نے یہ زمین فراڈ کے روپیہ سے خریدی تھی۔ لیکن بکر کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جب زید سے تحقیقات کی گئیں تو اس نے کہا میں بینک کا ملازم ہوں میں نے ایک پیسہ بھی سود کا اس زمین کی خرید میں نہیں لگایا۔ بلکہ بینک کی طرف سے ملازمین کو مکان بنانے کے لیے بلا سود قرضہ ملتا تھا۔ میں نے چھ ہزار روپیہ بلا سود لے کر اس زمین کی خرید میں لگائے۔ باقی ماندہ رقم تبلیغی مرکز کے منتظمین سے مختلف

---

(۱) رد المحتار: كتاب الحظر، مطلب كلمة لا بأس دليل على أن المستحب غيره الخ، ج ٦ ص ٤٥٨، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وايضاً في الدر المختار: لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك الخ، ج ٤ ص ٥٠٢، ايچ ايم سعيد كراچی۔
وهكذا في البخاري: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ولا يقبل الله إلا الطيب، باب الصدقة من كسب طيب، ج ١ ص ١٨٩، قديمي كتب خانه كراچی۔
(۲) أحسن الفتاوى، كتاب الوقف، أبواب المساجد، ج ٦ ص ٤٣٢، ايچ ايم سعيد كمپنی۔
(۳) یہ کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

اقساط میں لے کر ادا کی ہے۔ جب زید کے حقیقی بھائی سے بھی تحقیقات کی گئیں تو انہوں نے بھی اسی بات کی تصدیق کی کہ زمین کی خرید میں زید نے فراڈ سے کوئی رقم بینک سے مال یا نقدی کی صورت میں لے کر نہیں لگائی۔ لیکن بکر اپنی بات پر مصر ہے۔ جبکہ اس کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مرکز میں نماز پڑھنا اور دین کا کام کرنا جائز ہے یا نہ؟ اگر کسی قسم کی کراہت یا حرمت ہو اس کی بھی تشریح فرما دیں۔

﴿ج﴾

ایسی مسجد میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔ بکر کا دعویٰ بغیر ثبوت اور دلیل کے معتبر نہیں ہے(۱)۔ اہل اسلام اور دیندار حضرات کے لیے مسجد اور تبلیغی مرکز کی امداد اور اعانت ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بدکاری کی کمائی سے مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک رنڈی نے ایک مسجد بنائی ہے آیا اس مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں اور اس کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

اگر مال حلال سے مسجد بنائی ہو جیسے میراث، ہبہ، وغیرہ کے مال سے تو نماز اس میں بلا کراہت جائز ہے اور اگر حرام مال سے بنائی ہو جیسے اس بدفعلی کے عوض میں جو مال اس کو ملا ہو اس سے بنائی ہو تو یہ مسجد شرعاً مسجد نہ ہوگی(۳)

---

۱) عن خریم بن فاتك رضی الله عنه قال صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوة الصبح فلما انصرف قام قائماً فقال عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله ثلث مرات ثم قرأ ـــــ واجتنبوا قول الزور الخ، المشکوة باب الأقضية والشهادة، ج ۱ ص ۳۲۸، قدیمی کتب خانه کراچی۔

۲) انما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الآخر (پاره نمبر ۱۰ سورة التوبة، آیات نمبر ۱۸)۔
وأیضاً فیه: وتعاونوا علی البر والتقوی (پاره نمبر ٦ سورة المائدة، آیت نمبر ۲)۔

۳) كما لو تصرف من المغصوب والودیعة بأن باعه (وربح) فیه (اذا كان) ذلك (متعیناً بالاشارة أو بالشراء بدراهم الودیعة، أو الغصب ونقدها یعنی یتصدق بربح حصل فیهما اذا كان مما یتعین بالاشارة وان كان مما لایتعین فعلی أربعة أوجه فان أشار الیها ونقدها فكذلك یتصدق (وان أشار الیها ونقد غیرها، أو أشار (الی غیرها) ونقدها، أو أطلق، ولم یشر (ونقدها، لا) یتصدق فی الصور الثلاث عند الكرخی، قیل (وبه یفتی) والمختار أنه لا یحل مطلقاً كذا فی الملتقی ولو بعد الضمان ـــــ واختار بعضهم الفتوی علی قول الكرخی فی زماننا لكثرة الحرج، وهذا كله علی قولهما الدر المختار، كتاب الغصب، ج ٦ ص ۱۸۹، ایچ ایم سعید کراچی۔

اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (۱) کیونکہ مال حرام سے انتفاع جائز نہیں تو آلہ قربت میں تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوگی مال حلال سے بنائی ہو تو ثواب ہوگا حرام سے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالرحمن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

رشوت لینے والے شخص سے مسجد کے لیے چندہ لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص گرداور ہے اور ظاہرا رشوت لیتا ہے اور تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ رشوت لیتا ہے۔ گرداور اپنے خرچ سے مسجد شریف کا برآمدہ تیار کرانا چاہتا ہے کیا لوگ اس کو تعمیر کرنے کی اجازت دیں یا نہیں؟ اگر برآمدہ تیار کراوے تو کیا اس میں نمازی کو مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس تعمیر شدہ حصہ میں لوگوں کی نمازیں ہو سکیں گی یا نہیں؟ مکمل تحریر شدہ مسئلہ سے آگاہ کریں۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں اگر گرداور کا وہ مال جسے وہ مسجد میں لگانا چاہتا ہے خالص رشوت کا ہے یا اس میں غلبہ رشوت کے مال کا ہے تو اس مال کا مسجد میں لگانا جائز نہیں (۲)۔ اسے مسجد میں لگانے کی اجازت نہ دی جاوے۔ البتہ گرداور رشوت لینے والے کے پاس مال طیب بھی ہے جس کے ساتھ رشوت وغیرہ حرام کمائی کا مال ملا ہوا نہیں ہے یا رشوت وغیرہ مال خبیث کی ملاوٹ تو ہے لیکن غلبہ پاک مال کا ہے۔ تو ان دو صورتوں میں اس مال کا مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے (۳) اور اس مال سے تعمیر شدہ مسجد میں نماز پڑھنے پر پورا ثواب ملے گا البتہ اگر پہلے دو قسم

---

۱) قال تاج الشريعة: أما لو انفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره لأن الله تعالى لا يقبل الا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، (رد المحتار كتاب الصلوة، مطلب كلمة لا بأس الخ ج ۱ ص ۶۵۸، ايچ ايم سعيد كراچي۔
ومثله في البحر الرائق: كتاب الكراهية فصل في البيع، ج ۸ ص ۳۶۹، رشيديه۔

۲) لو بمال الحلال، قال تاج الشريعة أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله تعالى لا يقبل الا الطيب فيكره تلويث بيته بمالا يقبله، ردالمحتار، كتاب الصلوة، ج ۱ ص ۶۵۸، ايچ ايم سعيد۔

۳) غالب مال المهدى ان حلالاً لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتعين أنه من حرام وان غلب مال الحرام، لا يقبلها، ولا يأكل الا اذا قال انه حلال ورثه أو استقرضه۔
البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: كتاب الكراهية: الفصل الرابع في الهدية والميراث، ج ۶ ص ۳۶۰، طبع رشيديه كوئٹه۔

کے مالوں سے مسجد کا برآمدہ تیار کرے تو اس میں نماز مکروہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمود عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ ہذا

الجواب صحیح عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ہذا ۔ ۱۳۸۹/۶/۲۲ھ

سودی رقم سے مسجد کی تعمیر

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ چند لوگوں نے ایک قطعہ زمین مسجد اور دینی مدرسہ کے لئے اپنی رقم سے خرید کی ہے، اب اسے بنانے کی ضرورت میں ایک مشکل پیش آئی ہے۔ یعنی مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کے لیے چندہ لینے کی ضرورت ہوئی تو اس میں مشکل پیدا ہوگی۔

مشکل یہ ہے کہ کاروباری حضرات جس میں غلہ، کپڑا، سوت وغیرہ بینک میں Pludge کراکر (یعنی بینک میں اشیاء رکھ کر) اس پر ۷۵ فیصد رقم لیتے ہیں۔ اس حاصل شدہ رقم پر بینک کو ۷ پرسنٹ سود ادا کرتے ہیں۔ ان کاروباری حضرات میں دو حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک حصہ تو خود اپنے ذاتی کاروبار کے لیے مال کے بدلے بینک سے رقم لے کر خود سود ادا کرتا ہے اور دوسرا حصہ ایک آڑھتی (کمیشن ایجنٹ) کی شکل میں ہے جو کہ بیوپاری آڑھتی کے پاس مال لاتا ہے، مال کو کچھ دن روکنے کے لیے کہتا ہے اور ساتھ ہی ۷۵ (پرسنٹ) رقم مانگتا ہے۔ اس رقم پر آڑھتی کو ایک پیسہ فی روپیہ (۱/۵۶ روپیہ فی کوئنٹل) آڑھت دیتا ہے۔ آڑھتی نے اپنے نام پر بینک میں کھاتہ کھول کر (لمٹ) لے رکھی ہوتی ہے۔ جب بیوپاری مال پر رقم مانگتا ہے تو آڑھتی اس مال کو بینک میں پلیج کرا کر ۷۵ (فیصد) رقم لے کر بیوپاری کو دے دیتا ہے اور جو سود پڑے وہ بیوپاری کے نام اپنی کتابوں میں لکھ دیتا ہے۔ جب بیوپاری کا مال فروخت ہو جاتا ہے تو اس فروختگی رقم سے سود اور خرچہ وغیرہ اور اپنی آڑھت لے لیتا ہے۔ اس طرح دونوں کاروباری حضرات میں چھوٹے تاجر اور بڑے تاجر اور کارخانہ دار شامل ہیں۔ اب مندرجہ ذیل حالات میں کاروباری حضرات سے مسجد یا دینی مدرسہ کی تعمیر کے لیے چندہ وغیرہ لی جا سکتی ہے۔ اگر لی جا سکتی ہے تو ان کو کوئی ثواب ملے گا۔

الجواب

دونوں صورتوں میں سود پر رقم قرض لیتے ہیں اور یہ دونوں قسم کے کاروباری لوگ سود دیتے ہیں، گویا سود کھلانے والے ہیں[1] اور حدیث شریف میں سود کھانے والے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت آئی ہے۔

---

(۱) لہٰذا ان سے چندہ لینا اور مسجد میں لگانا درست نہیں، کیونکہ مال حرام ہے، تقدم تخریجہ تحت عنوان رشوت لینے والے شخص سے مسجد کے لیے چندہ لینا۔

كما في الحديث لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا و مؤكله و كاتبه و شاهديه وقال هم سواء [1] (مشکوۃ شریف)

لیکن رقم جو لوگ سودی قرض پر لے لیتے ہیں اور یا اس قسم کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور اس سے جو رقم حاصل ہوتی ہے یہ رقم حلال ہے حرام نہیں ہے اور یہ رقم مسجد و مدرسہ میں خرچ کی جا سکتی ہے اور ان لوگوں کو خرچ کرنے کا ثواب بھی ملے گا۔

اگر چہ ایسا ناجائز کام یعنی گناہ کبیرہ کرنے والوں سے دوستانہ تعلقات شرعاً درست نہیں بلکہ ان کو سود کھانے سے روکا جائے [2] اور ایسے معاملات کرنے سے ان کو منع کیا جائے اور نہ رکنے کی صورت میں ان سے دوستانہ تعلقات قطع کر لیے جائیں [3] اور ان کے پاس چندہ لینے کی غرض سے نہیں جانا چاہیے [4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبد اللطیف غفر لہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۱۳۸۶/۱۲/۲۷ھ

سکیم کے ذریعہ مسجد کی زمین کا حصول

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں: ایک شخص نے اپنا ۔/۲۵۰ روپے کا صدقہ سکیم مبلغ ۔/۱۰۰ روپے میں اپنی خوشی سے فروخت کر دیا ہے۔ مشتری نے دوسری جگہ پر پھر ۔/۲۵۰ روپے میں فروخت کر دیا ہے۔ کیا اس اضافہ شدہ رقم کو سود تصور کیا جاوے گا یا نفع تصور کیا جائے گا۔ مشتری اس سکیم کو مسجد کی خرید کردہ زمین کے عوض حکومت کو بطور قیمت ادا کرنا چاہتا ہے۔ کیا مسجد میں یہ سکیم قیمت کے طور پر دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) المشكوة، باب الربوا الفصل الأول، ج ۱ ص ۲۴۴، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔
(۲) من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان (سنن النسائي كتاب الإيمان، ج ۲ ص ۲۶۹)، قديمي كتب خانه كراچی۔
(۳) ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار (پاره نمبر ۱۲، سورة هود، آيات نمبر ۱۱۳)۔
(۴) آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه، وغالب ماله حرام، لا يقبل ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه. الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر، ج ۵ ص ۳۴۳، رشيديه كوئٹه۔

ایسے شخص کا ہاتھ ہو یا رقم صرف کی جاوے اس مسجد میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے اور ایسے شخص کے ساتھ میل جول رکھنے والے کس جرم کے مرتکب ہیں۔ اگر ایسا شخص مرجائے تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

یہ شخص سخت گنہگار ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس مطلقہ بیوی سے میل جول نہ رکھے [1]۔ برادری والے اس کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ اگر یہ شخص نہ مانے تو اس کے ساتھ برادری کے تعلقات سے احتراز کریں [2]۔ ایسے شخص کا چندہ اگر مسجد میں صرف کیا جائے تو شرعاً اس مسجد میں نماز جائز ہے۔ کوئی قباحت نہیں۔ مرنے کے بعد اس کا جنازہ پڑھا جائے گا [3] اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ

چوری کے شبہ میں وصول رقم کا مسجد میں استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ چک نمبر ۴۸/۱۵ ایل میں سے مسجد کا سپیکر چوری ہوگیا۔ چک والوں نے مسمی نور محمد ولد پہلوان سے مبلغ آٹھ سو روپے کا ضامن لے لیا کہ اگر صفائی دے دے تو بری ورنہ مذکورہ رقم وصول کر لی جاوے گی۔ ابھی تک صفائی نہیں لی گئی تھی کہ ایک شخص نے ایک سو روپیہ لے کر مخبری کی کہ سپیکر لیاقت علی ولد اللہ بخش اور اس کے ساتھیوں کو لے جاتے دیکھا گیا ہے۔ لیکن لیاقت علی نے کہا کہ یہ ذاتی عناد کی بنا پر الزام لگاتا ہے اور اپنا جھگڑا منصف (لائی) کے پاس لے گئے۔ لائی نے فیصلہ کیا اگر کوئی چک مذکورہ

---

۱) ولا بد من سترة بينهما في البائن، لئلا يختلي بالأجنبية، در المختار، كتاب الطلاق، مطلب الحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع، ج ۵ ص ۲۳۰، طبع رشيديه (جديد) كوئٹه۔

۲) ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار، (پاره نمبر ۱۲، سورة هود آيت نمبر ۱۱۳۔

وهكذا من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان، (رواه النسائي، كتاب الإيمان، ص ۲۶۹، ج ۲، طبع قديمي كتب خانه)

۳) وشرطها (ستة (اسلام الميت وطهارته) الدر المختار، مطلب في صلوة الجنازة، ج ۳ ص ۱۲۱، طبع رشيديه (جديد) كوئٹه۔

وهكذا وهي فرض على كل مسلم مات خلا أربعة: (بغاة، وقطاع طريق) الخ (الدر المختار) مطلب عمل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي، ج ۳ ص ۱۲۵، طبع رشيديه (جديد) كوئٹه۔

کا با اعتماد آدمی لیاقت علی کی صفائی دے دے تو یہ بری ہے۔ لیکن لیاقت علی کے قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے بھی صفائی نہ دی اور اہل دیہہ نے لیاقت علی اور اس کے والدین کی قسم قبول نہ کی۔ لہٰذا بات یہاں رک گئی۔ چند سال بعد مسجد کے طہارت خانے کے دروازے کا تختہ گم ہو گیا اور کچھ عرصہ کے بعد صادق ولد یارا کے گھر سے وہی تختہ برآمد ہو گیا۔

چک والوں نے فوراً اندازہ لگایا کہ تختہ کا چور بھی مذکور نور محمد ہے چونکہ نور محمد اور احمد صادق ایک دوسرے کے دوست تھے اور صادق سے کہا گیا کہ تختہ کا چور بتا دے کہ کون ہے۔ تاکہ سپیکر بھی وصول کریں لیکن صادق نے کہا کہ مجھے تختہ بازار سے ملا ہے۔ نہ میں نے چوری کیا ہے۔ اور نہ ہی کسی نے چوری کرتے مجھے دیکھا ہے۔ تقریباً دو سال یہی مطالبہ ہوتا رہا اور مذکورہ صادق یہی جواب دہراتا رہا۔ آخرکار تھانہ میں اطلاع دی گئی، اور صادق کو بلوایا گیا۔ تھانیدار نے صادق سے کہا کہ مبلغ دو سو روپیہ مسجد میں دے دے اور تختہ بھی مسجد میں دے دے۔ اور سپیکر کا فیصلہ اتفاق سے گاؤں میں کرلیں۔ صادق نے دو سو روپے اور تختہ مسجد میں دے دیا اور ساتھ یہ کہا کہ نہ میں نے تختہ چوری کیا نہ ہی سپیکر تختہ کے ساتھ چور سے وصول کریں گے۔ ادھر نور محمد سے ضامن لیا گیا کہ اگر مسجد کی کوئی معمولی سے معمولی چیز کی تیرے اوپر چوری ثابت ہو گئی تو مبلغ پچیس سو روپے بابت قیمت سپیکر گمشدہ وصول کریں گے نور محمد نے یہ بات بخوبی تسلیم کرلی۔ دوسرے روز بعد نماز جمعہ مسجد کے سامنے روبرو معززین اہل دیہہ صادق نے کہہ دیا کہ تختہ نور محمد نے چوری کر کے مجھے دیا ہے۔ اور نور محمد نے بھی اس بات کو تسلیم کرلیا۔ اس کے بعد نور محمد نے کہا کہ صادق کا بیٹا تختہ چوری کرتے وقت میرے ساتھ تھا۔ لہٰذا وہ اپنا جھگڑا ایک ثالث (لائی) کے پاس لے گئے۔ لائی نے کل رقم -/۲۰۰+۲۵۰۰=(-/۲۷۰۰) جمع کی اور فیصلہ دے دیا کہ مبلغ تیرہ سو پچاس روپے نور محمد ادا کرے اور تیرہ سو پچاس روپے صادق دے دے۔ چک والوں نے اس کلیہ کے مطابق رقم وصول کرلی۔ لیکن اب دونوں نور محمد اور صادق کہتے ہیں کہ ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ ہم نے سپیکر چوری نہیں کیا۔ عوام کے خیال میں نور محمد سپیکر کا چور ہے اور صادق پر کم شبہ ہے۔ اب یہ رقم -/۲۷۰۰ روپے مسجد کے استعمال میں لائی جائز ہے یا کہ نہ؟ اگر جائز ہے تو اس مسجد کے علاوہ کسی اور مسجد یا کسی عوامی ضرورت میں استعمال کی جا سکتی ہے کہ نہیں؟

﴿ج﴾

واضح رہے کہ چوری کے ثبوت کے لیے حجت تامہ شرط ہے۔ اگر نور محمد لاؤڈ سپیکر کی چوری کا منکر ہے اور ایسے گواہ جو شرعاً معتبر ہوں چوری کرنے پر موجود نہیں تو شبہ کی بنا پر لاؤڈ سپیکر کی چوری کا ثبوت نہیں ہو سکتا[1]۔ تختہ کی چوری کا جب اس نے اقرار کیا تو تختہ کے بارے میں اس کا چور ہونا ثابت ہوا[2] لیکن جب اس نے تختہ واپس کیا

---

۱) والقول للمنكر مع يمينه، كتاب الدعوى، باب التحالف، ج ۷ ص ۳۷۵، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا في المشكوة المصابيح: باب الأقضية والاشهادات، ج ۱ ص ۳۲۷، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔
۲) كما في البحر الرائق: اذا أقر مكلف بحق صح، كتاب الاقرار، ج ۷ ص ۴۲۳، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

تو اس کی قیمت لینی درست نہیں۔ پس صورت مسئولہ میں اگر بطیب خاطر رضامندی کے ساتھ دونوں یعنی نور محمد اور صادق اس رقم کو مسجد میں بطور چندہ دے دیں تو اس کا مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں راضی نہیں اور رقم دونوں اشیاء کی چوری کے عوض میں وصول کرلی ہے۔ تو مسجد وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۱/۷/۱۳۹۸ھ

ووٹوں کے حصول کے لیے مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی کا ایک شخص کہتا ہے عام بستی والوں کو کہ تم مجھے ووٹ دو اور میں تمہیں مسجد بنا دیتا ہوں کیا اس صورت کے اندر لوگوں کا اس کو ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا مسجد بنانا یا مسجد میں کوئی ایسی چیز دینا مثلاً نلکا لگوا دینا یا دوسرا کام کرا دینا وغیرہ ان ووٹوں کے عوض میں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اس شخص کا مسجد بنانا، نلکا لگوانا وغیرہ جائز و درست ہے[1] لیکن اس شخص کو چاہیے کہ مسجد وغیرہ محض لوجہ اللہ بنائے۔ کیونکہ مسجد بنانا بہت بڑا عمل ہے مسجد لوجہ اللہ بنانا جنت میں گھر بنانا ہے اور اگر یہ شخص ووٹوں کے معاوضہ میں ووٹروں کے لیے مسجد بنائے۔ مسجد بنانا تو جائز ہوگا لیکن اس کا ثواب نہیں ہوگا رہا سوال یہ کہ ایسے شخص کو ووٹ دیا جائے اس بات کا فیصلہ تنہا اس بات سے نہیں ہو سکتا کہ مسجد پر روپیہ خرچ کرے بلکہ ووٹوں امیدواروں میں ووٹ اس کو دیا جائے جو رائے دینے والے ووٹر کے نزدیک زیادہ دیندار اور نیک ہو اور زیادہ سمجھدار اور معاملہ فہم ہو ممبری کے متعلق فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہو اور ممبری کو بنسبت دوسرے کے اچھی طرح انجام دیتا ہو یعنی رفاہ عامہ کا زیادہ خیال رکھنے والا ہو اور لوگوں پر معاملات میں ظلم نہ کرتا ہو۔ کیونکہ ووٹ دینا درحقیقت اس کی شہادت دینا ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک مسلمانوں کا نمائندہ ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور نمائندگی کی اہلیت کے لیے دیندار ہونا بھی شرط ہے۔ نیز معاملہ فہم اور قوم کا بھی خیر خواہ ہونا اور اپنی

---

(۱) کما فی تفسیر کشاف: وقیل کل مسجد بنی مباهاة أو ریاء أو سمعة أو لغرض سوی ابتغاء وجه الله أو بمال غیر طیب فهو لاحق بمسجد الضرار، سورة التوبة، آیت نمبر ۱۰۷، ج ۲ ص ۳۱۰، طبع دار الکتاب العربی، بیروت۔

وکذا فی کفایة المفتی، ج ۷ ص ۹۵، طبع دار الاشاعت۔

بات مناسب انداز کے ساتھ مجلس کے سامنے پیش کرنے کی قابلیت رکھنا بھی ضروری ہے۔ غیر مستحق اور نااہل امیدوار کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی دینا ہے جو گناہ کبیرہ ہے[1]۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو شرک کے برابر قرار دیا ہے[2]۔ یہ بھی معلوم ہو کہ ووٹروں کو ووٹ کے معاوضہ میں اپنی ذات کے لیے روپیہ لینا رشوت اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرے کی حاصل کردہ رقم سے مسجد کی تعمیر

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ کچھ زمین اوقاف کی غریب آدمیوں کی ملکیت میں تھی۔ حکومت والوں نے کہا تھا کہ یہاں پر غریب آبادی کی جگہ سے ایک نہر جاری کی جائے گی۔ پھر جب نہر جاری ہوئی تو اس غرباء والی زمین کی قیمت امراء کو حکومت والوں نے دے دی۔ غرباء کو نہیں دی۔ اب جن امراء کو وہ رقم دی گئی ہے ان میں سے اکثر یہ چاہتے ہیں کہ رقم چونکہ تقسیم کرنے سے تمام پر تقسیم نہیں ہو سکتی اور ہم میں بیوہ اور یتیم بھی ہیں۔ مسجد کو دے سکتے ہیں یا نہیں۔ مسجد کو دینے میں وہ غریب لوگ بھی رضامند ہیں۔ جن کے قبضے میں وہ زمین تھی۔

جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یتیم اور نابالغ کا جو حق ہوتا ہے وہ تو مسجد میں نہیں دیا جا سکتا ہے ان کا حق تو ان کے حوالہ کیا جائے[3]۔ باقی حقدار اگر رضامند ہوں تو مسجد میں وہ رقم دی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

1) كما في مشكوة المصابيح: عن خريم بن فاتك قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة الصبح فلما انصرف قام قائماً فقال عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله ثلث مرات ثم قرأ ..... الخ --- رواه أبوداود وابن ماجة ورواه أحمد والترمذي باب الأقضية والشهادات، ج ١ ص ٣٢٨، طبع قديمي كتب خانه۔

2) عن عبد الرحمن بن أبي بكرة عن أبيه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم ألا أنبئكم بأكبر الكبائر ثلاثاً قالوا بلى يا رسول الله قال الإشراك بالله وعقوق الوالدين وجلس وكان متكئاً فقال ألا وقول الزور فما زال يكررها حتى قلنا ليته سكت، باب لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد، بخاري، شريف، ج ١ ص ٣٦٢، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

3) بدائع الصنائع (ومنها) البلوغ فلا يصح الوقف من الصبي والمجنون لأن الوقف من التصرفات الضارة لكونه إزالة بغير عوض والصبي والمجنون ليسا من أهل التصرفات الخ كتاب الوقف والصدقة، ج ٦ ص ٢١٩، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وكذا في العالمكيرية: وأما شرائطه فمنها العقل والبلوغ فلا يصح الوقف من الصبي والمجنون، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه، ج ٢ ص ٣٥٢، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

وكذا في البحر الرائق: وشرائطه أهلية الوقف للتبرع من كونه حراً عاقلاً بالغاً، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٢٠٣، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

قرضہ والی مسجد میں نماز کی ادائیگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی تعمیر بذریعہ قرضہ کے پوری کی گئی ہے اور متولی مسجد نے اپنی ذمہ داری پر قرضہ اٹھا کر مسجد کی بقیہ تعمیر کو مکمل کیا۔ اب بعض لوگ اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ مسجد چونکہ مقروض ہے۔ اس لیے جب تک مسجد کا قرضہ نہیں اتارا جاتا اس وقت تک نماز جائز نہیں ہے۔ جب کہ عام مسلمان اس بقیہ قرضہ کو اتارنے کے لیے تیار ہیں۔

﴿ج﴾

اس مسجد میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ اہل اسلام کو لازم ہے کہ جلد از جلد چندہ جمع کر کے متولی کو رقم حوالہ کر دیں تاکہ وہ قرضہ سے سبکدوش ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قربانی کی کھالوں کی رقم کا مسجد میں صرف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ قربانی کی کھالوں کی قیمت مسجد میں صرف کرنا یا اس کے ملحقات پر مثلاً حجرہ طہارت خانہ وغیرہ پر جائز ہے یا کیسا ناجائز ہے۔

﴿ج﴾

چرم قربانی کی قیمت کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔ یعنی مسجد پر یا اس کے ملحقات پر صرف کرنا جائز نہیں[1]۔ فقراء و مساکین جو مستحق زکوٰۃ ہوں ان کو دینا واجب ہے[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۱۳۹۰/۱۲/۲۳ھ

---

(۱) ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد (تنوير مع الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۶-۳۴۴، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الزكاة باب المصرف، ج ۲ ص ۴۲۴، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وكذا في الهندية: كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ج ۱ ص ۱۸۸، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

(۲) أي مصرف الزكاة ... هو فقير وهو من له أدنى شيء، ومسكين من لا شيء له (مع كتاب الزكاة باب المصرف، ج ۲ ص ۳۳۲، طبع مكتبه رشيديه در المختار، وكذا في البحر الرائق: كتاب الزكاة، باب المصرف، ج ۲ ص ۴۲۰، طبع مكتبه ماجديه كوئٹه۔ وكذا في الهندية: كتاب الزكاة الباب السابع في المصارف، ج ۱ ص ۱۸۷، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

قربانی کی کھال کی رقم کا مسجد میں استعمال کرنے کا طریقہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ چرم قربانی بلا وجہ بلا تاویل وحیلہ یا مع تاویل وحیلہ مساجد پر لگ سکتے ہیں یا نہ؟ چونکہ مسئلہ مذکورہ میں اختلاف ہو گیا ہے کہ کنز الدقائق اور ہدایہ وغیرہ میں تصدق بجلدہا کا ذکر ہے۔ یہ عبارت مجمل ہے۔ دونوں فریق آپس میں تاویل کرتے ہیں۔ براہ مہربانی فقہی دلائل وحوالہ جات کی روشنی سے تشفی اور فیصلہ صادر فرماویں مع مہر مدرسہ۔ چونکہ معترض کی نظر میں بہشتی زیور اور فتاوی دیوبند کوئی معتبر نہیں ہے۔ دست بستہ عرض ہے کہ سلف صالحین کی کتابوں سے حوالہ مع تحقیق ہو تاکہ قطع تنازع ہو۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب تک کھال فروخت نہ ہو اس وقت تک اس کا حکم مثل لحم اضحیہ کے ہے[1]۔ ہر شخص کو اس کا دینا اور خود بھی اس سے منتفع ہونا جائز ہے، غنی کو بھی دینا جائز ہے[2]۔ جبکہ اس کو تنخواہ نہ دیا جاوے[3]۔ اس کی کسی خدمت وعمل کے عوض میں نہ دیا جائے اور جب اس کی ملک کر دیا جاوے اس کے لیے اس کو فروخت کر کے اپنے تصرف میں لانا بھی مثل دیگر اموال مملوکہ کے جائز ہے۔

اور جب فروخت کر دی تو اس کی قیمت کا تصدق کرنا واجب ہے۔ اور تصدق کی ماہیت میں تملیک ضروری ہے۔ چونکہ یہ صدقہ واجبہ ہے اس لیے اس کے مصارف مثل مصارف زکوۃ کے ہیں اور زکوۃ کی رقم مسجد پر نہیں لگ سکتی۔ **كما في الهداية ولا يبنى بها المسجد ولا يكفن بها ميت لانعدام التمليك وهو الركن** (ہدایہ باب من يجوز دفع الصدقات اليه) لہذا یہ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے[4]۔ البتہ

---

1) كما في مجمع الأنهر واللحم بمنزلة الجلد، كتاب الأضحية، ج ٤ ص ١٧٤، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔ ومكذا في تبيين الحقائق: كتاب الأضحية، ج ٦ ص ٤٨٦، طبع دار الكتب العلمية، بيروت۔
ومكذا في البحر الرائق: كتاب الأضحية، ج ٨ ص ٣٢٧، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

2) ويأكل من لحم الأضحية ويؤكل غنيا ويدخر الخ، ج ٦ ص ٤٨٥، تبيين الحقائق، طبع مكتبه دار الكتب العلمية بيروت۔ مجمع الأنهر، واللحم بمنزلة الجلد، كتاب الأضحية، ج ٤ ص ١٧٤، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الأضحية، ج ٨ ص ٣٢٧، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ ولا يعطى أجرة الجزار منها، ج ٨ ص ٣٢٧، بحر الرائق، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

3) ومكذا في تبيين الحقائق: ج ٦ ص ٤٨٦، طبع مكتبه دار الكتب علميه، بيروت۔
وكذا في مجمع الأنهر: كتاب الأضحية، ج ٤ ص ١٧٤، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔

4) هدايه كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات، الخ، ج ١، ص ١٨٨، طبع طرجستان بك ڈپو۔
ومكذا لا يصرف إلى بناء نحو مسجد الخ، در المختار، ج ٢ ص ٣٤١، ٣٤٢ طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ ومكذا في البحر الرائق: كتاب الزكاة، باب المصرف، ج ٢ ص ٤٢٤، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

فقہاء نے تعمیر مسجد اور اس قسم کے امور کے لیے جواز کی یہ صورت لکھی ہے کہ چرم قربانی کی قیمت اول کسی ایسے شخص کی ملکیت کر دی جاوے جو اس کا مصرف ہو۔ پھر وہ شخص اس قیمت چرم کو اپنی ملک اور قبضہ میں لے کر غرض مذکور میں صرف کر دے۔ یہ احکام مختلف ابواب سے لیے گئے ہیں۔ فی الدر المختار (ویتصدق بجلدها او يعمل منه نحو غربال و جراب) وقربة وسفرة و دلو (او يبدله بما ينتفع به باقيا) كما مر (لا بمستهلك كخل ولحم و نحوه) كدراهم (فان بيع اللحم او الجلد به) اي بمستهلك (او بدراهم تصدق بثمنه)[1] الخ ج۵ ص ۲۳۱. وفي الدر المختار قبيل باب الرجوع في الهبة (والصدقة كالهبة ج۳ ص ۵۹۸) وقال في الدر المختار في بدء كتاب الهبة ج۳ ص ۵۶۶ (هي) اي الهبة (تمليك العين مجانا) ج۳ ص ۵۸۰ وفيه باب مصرف الزكوة (وجازت التطوعات من الصدقات) وغلة الاوقاف لهم ج۲ ص ۳۷. الخ وفي الدر المختار قدمنا ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يامره بفعل هذه الاشياء (وفي رد المحتار) ويكون له ثواب الزكوة وللفقير ثواب هذه القرب ج۲ ص ۹۹۔

ان روایات سے ثمن جلد (قیمت چرم) کے تصدق کا وجوب اور تصدق میں اشتراط تملیک اور صدقات واجبہ کا مصرف مثل زکوٰۃ اور حیلہ مذکورہ کے ساتھ مسجد میں صرف کرنے کا جواز ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قربانی کی کھال کی رقم سے اسکول کی تعمیر

س

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی میں ایک پرائمری سکول منجانب ڈسٹرکٹ بورڈ منظور شدہ ہے۔ جس میں دو معلم تعلیم دیتے ہیں ان کی تنخواہ کا کفیل ڈسٹرکٹ بورڈ ہے۔ مگر تعمیر مکان تعلیم پرائمری بذمہ باشندگان بستی ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ مکان کے لیے کوئی امداد نہیں دیتی اور ہم سب غریب ہیں بچے تعلیم پا رہے ہیں۔ باشندگان بستی مذکورہ کا ارادہ ہے کہ چندہ چرم قربانی سکول مذکور پر خرچ کر دی جاوے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔ از طرف اہل محلہ و باشندگان موضع ... بمقام چک نمبر ۳۰ ڈاکخانہ خاص براستہ جہانیاں تحصیل خانیوال ضلع ملتان حاجی ... جناب کا شاگرد نیز مدعا عبدالحسن بلوچ سابقہ حکومت محلہ شام گرد یہ اندرون بوہڑ گیٹ حال امام مسجد چک ۱۰۲/۲ ڈاکخانہ خاص براستہ جہانیاں تحصیل خانیوال۔

---

(۱) وفي الدر المختار: كتاب الأضحية، ج ۶ ص ۳۲۸، طبع ایچ ایم سعید.
وهكذا في تبيين الحقائق: كتاب الأضحية، ج ۶ ص ۴۸۶، طبع دار الكتب العلمية بيروت.
وهكذا في مجمع الأنهر: ج ۴ ص ۱۷۴، طبع مكتبه غفاريه كانسي روڈ كوئٹه.

الجواب

قیمت چرم قربانی بعد فروخت ہو جانے کے ضروری ہے کہ اسے کسی مستحق زکوٰۃ کی تملیک کردی جائے؛ اسے مسجد یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں(۱)۔ واللہ اعلم

محمد رفعت قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند ۲۲-۰۲-۱۴۲۶ھ

ایسی مسجد کا حکم جس پر اہل باطل کا مال خرچ کیا گیا ہو

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین ودریں مسئلہ کہ اہل سنت والجماعۃ کی تعمیر مسجد پر شیعوں کی صدقات وخیرات کی رقم لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر یہ شیعہ غالی ہیں اور ان کے عقائد حد کفر کو پہنچے ہوں مثلاً وہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق تہمت کے قائل ہوں یا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت کے منکر ہوں۔ یا حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی کے قائل ہوں، قرآن میں تحریف کے قائل ہوں یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوہیت کے قائل ہوں(۲) وغیرہ تو ایسے اہل تشیع کے صدقات وخیرات کی رقم تعمیر مسجد میں لگانا درست نہیں(۳)۔ اور اگر یہ شیعہ حضرات غالی نہیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وغیرہ نہ کرتے ہوں

---

(۱) ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد. (الدر المختار: ج ۲ ص ۳۴۲-۳۴۴، طبع مكتبه رشيديه) وكذا في البحر الرائق: لا يبنى بها مسجد ولا يكفن بها ميت ولا يقضى بها دين ميت ولا يشترى بها عبد يعتق ... وعدم الجواز لانعدام التمليك الذي هو الركن. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ج ۲ ص ۴۲۴، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه) وكذا في الهندية: ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه ولا يجوز أن يكفن بها ميت ولا يقضى بها دين الميت كذا في التبيين. كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ج ۱ ص ۱۸۸، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن.

(۲) نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها أو أنكر صحبة الصديق، أو اعتقد الألوهية في علي رضي الله عنه أو أن جبريل غلط في الوحي الخ. كتاب الجهاد، مطلب مهم في حكم سب الشيخين (شامية): ج ۶ ص ۳۶۴، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه.

وكذا في الهندية باب التاسع في أحكام المرتدين: ج ۲ ص ۲۶۴، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه.

(۳) وكذا في البحر الرائق: والمراد أنه ليس موضوعاً للتعبد به كالصلوة والحج بحيث لا يصح من الكافر أصلاً بل التقرب به موقوف على نية القربة ... فيكون وبشرط أن يكون قربة في ذاته ... لأن شرط كونه قربة حقيقة لا يصح من الكافر. البحر الرائق، كتاب الوقف: ج ۵ ص ۳۳۹، طبع ايچ ايم سعيد. ورد المحتار وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: وشرطه شرط سائر التبرعات وأن يكون قربة في ذاته ... أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على المسجد الأقصى الخ. كتاب الوقف: ج ۶ ص ۵۲۲، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه.

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیت کے قائل ہوں تو ایسے شیعوں کو اپنے قریب کر کے انہیں احسن طریقے سے اہل السنت والجماعت بننے کی ترغیب دیں۔ اور تبلیغ کریں نیز اس صورت میں (جبکہ حد کفر کو نہیں پہنچے) اس لیے ان کے صدقات وخیرات قبول کر لینا اور تعمیر مسجد میں لگانا جائز ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

لاہوری مرزائی کا مسجد کے لیے چندہ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد نے اپنی ایک مسجد کے لیے مرزائی جماعت کے لاہوری فرقہ کے ایک مالدار سے مسجد کے لیے چندہ حاصل کیا ہے۔ کیا اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔ نیز وہ مسجد جس میں لاہوری مرزائی کا روپیہ صرف کیا گیا ہے۔ اس مسجد میں مسلمانوں کا نماز پڑھنا کیسا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

فی نفسہ جس کافر کے نزدیک مسلمانوں کے لیے مسجد تعمیر کرانا کار خیر ہو تو وہ مسجد بھی تعمیر کرا سکتا ہے اور اس کا چندہ مسجد کی تعمیر میں بھی لگ سکتا ہے۔ اور مسجد مذکور مسجد کے حکم میں ہی ہوگی۔ اور مسلمانوں کا اس میں نماز پڑھنا بلاشبہ جائز ہے۔ **قال فی العالمگیریة ج ۲ ص ۳۵۳ ولو وقف الذمی دارہ علی بیعة او کنیسة او بیت نار فھو باطل کذا فی المحیط وکذا علی اصلاحھا ودھن سراجھا ولو قال یسرج به بیت المقدس او یجعل فی مرمة بیت المقدس جاز[2] الخ**

لیکن اگر مسلمانوں پر کل کو اس کے احسان جتلانے کا اندیشہ ہو تو ایسے کافر کا چندہ لینے سے احتراز کرنا چاہیے۔ فتاویٰ[3] رشیدیہ ص ۵۳۸ میں ہے تعمیر و درستی مسجد میں شیعہ وکافر کا روپیہ لگانا درست ہے۔ اور امداد الفتاوی ج ۲ ص ۶۶۴[4] پر ہے (الجواب) اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور یہ احتمال ہو کہ اہل

---

۱) لما في البزازية: فانه سئل الشهيد عن هذا لا بأس بقبول هديته الخ كتاب الكراهية، الرابع في الهدايا، ج ٦ ص ٣٦٠، البزازية على هامش الهندية، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۲) ولو وقف الذمي داره على بيعة او كنيسة او بيت نار فهو باطل كذا في المحيط وكذا على اصلاحها ودهن سراجها الخ عالمگيريه ج ۲ ص ۳۵۳، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: وشرطه شرط سائر التبرعات ... وأن يكون قربة في ذاته ... أي شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس، ج ۳ ص [illegible]، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۳) فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۳۸، طبع ادارہ اسلامیات لاہور۔

۴) امداد الفتاوی، ج ۲ ص ۶۶۴، طبع مکتبہ دار العلوم کراچی۔

گا۔ اس لیے کہ اسلام کا ظاہری دعویٰ کرنے کے باوجود بھی وہ دستور پاکستان کی دوسری ترمیم کی رو سے کافر ہیں اور ان کی تعمیر کردہ مسجد مسجد ضرار کے ساتھ پوری مماثلت ومشابہت بلکہ یگانگت رکھتی ہے۔ لہٰذا اس کا بھی شرعی حکم وہی ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

مرزائی کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز کی ادائیگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مرزائی کی خرید شدہ زمین میں تعمیر شدہ مسجد میں زید امامت کرتا ہے۔ مسلمان اہل سنت جماعت نماز پڑھتے ہیں۔ آیا اس مسجد میں نماز ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر اس شخص نے قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کی ہے تو اس میں نماز جائز ہے اور زید کی امامت درست ہے۔ قال[1] في الظهيرية وامامة (الوقف) فالطلب الزلفى (الى قوله) واما الاسلام فليس بشرط وفي كتاب الوقف من شرح التنوير ذكره بدليل صحته من الكافر وفي الشامية حتى يصح من الكافر (الى قوله) بخلاف الوقف فانه لابد فيه من ان يكون في صورة القربة وهو معنى ما ياتي في قوله ويشترط ان يكون قربة في ذاته اذ لو اشترط كونه قربة حقيقة لم يصح من الكافر (شامي)[2] فقط والله تعالى اعلم۔

قادیانیوں کا شعائر اسلام کو استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے مرزائیوں کے دونوں فرقوں کو تین ماہ کی کامل تحقیق وتفتیش کے بعد آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے۔ مگر وہ بدستور اپنی عبادت گاہیں مسجد کے نام سے تعمیر کرتے ہیں اور وہاں مسلمانوں کی سی اذانیں دیتے ہیں۔ جس سے بسا اوقات ایک

---

(۱) وأما سببه فطلب الزلفي ..... الى قوله ، .. وأما الإسلام فليس بشرط (هندية، كتاب الوقف، الباب الأول ج ۲ ص ۳۵۲، رشيديه۔

(۲) شامي، كتاب الوقف، ج ٤ ص ۳۳۹، ايچ ايم سعيد كراچی۔

وفي البحر الرائق: وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم ..... الخ، كتاب الوقف، ج ٥ ص ۳۱٦، رشيديه كوئته۔

ومثله في مجمع الأنهر: كتاب الوقف، ج ۲ ص ٥٦٨، مكتبه غفاريه، كوئته۔

نو وارد اور ناواقف اسے مسلمانوں کی عبادت گاہ سمجھ کر وہاں چلا جاتا ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا کسی اسلامی حکومت میں کسی غیر مسلم گروہ کو یہ اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہ مسجد کے نام سے تعمیر کریں اور اس میں اسلامی اذان کہیں۔ سائل رانا عبدالمنان سرگودھا۔

جواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ مسجد شعائر اللہ اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ جو صرف اہل اسلام کی عبادت گاہ ہوسکتی ہے۔ قرآن کریم نے یہ اصول وضع کیا کہ کوئی غیر مسلم کافر اس کی تعمیر و تولیت کا اہل نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ o اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ [1]

ترجمہ: "مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو تعمیر کریں۔ جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی بھی دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال ضائع ہوچکے ہیں اور یہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر وہی شخص کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر (شرعی پورے دین محمدی پر) ایمان رکھتا ہو۔"

پھر دور نبوی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اس امر کا دوٹوک فیصلہ ہوگیا کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلام کا مدعی بن کر کوئی جگہ مسجد کے نام سے تعمیر کرے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اور اسلامی حکومت اس سے کیا معاملہ کرے گی۔ یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں "مسجد ضرار" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ منافقین مدینہ نے جو اپنے عقائد کفریہ کے باوجود قسمیں کھا کھا کر اسلام کا دعویٰ کیا کرتے تھے۔ اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کی جماعت کے درمیان تفریق ڈالنے کی غرض سے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ برکت کے لیے وہاں ایک نماز ادا فرمائیں [2]۔ قرآن کریم نے ان کی اس ناپاک

---

۱) سورۃ التوبۃ، پارہ ۱۰، آیت ۱۸ (اس کی تخریج دیکھئے "قادیانیوں کا مسجد کے نام سے عبادت گاہ بنانا" کے عنوان کے تحت گذر چکی)

۲) قال المفسرون: ان المنافقين لما بنوا ذلك المسجد لتلك الأغراض الفاسدة عند ذهاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الى غزوة تبوك، قالوا: يا رسول الله بنينا مسجداً لذي العلة والليلة المطيرة والشاتية، ونحن نحب أن تصلي فيه وتدعو لنا بالبركة، فقال عليه السلام اني على جناح سفر واذا قدمنا ان شاء الله صلينا فيه، فلما رجع من غزوة تبوك سألوه اتيان المسجد فنزلت هذه الآية، فدعا بعض القوم وقال: انطلقوا الى هذا المسجد الظالم أهله، فاهدموه واحرقوه، ففعلوا ذلك وأمر أن يتخذ مكانه كناسة يلقى فيها الجيف والقمامة وقال الحسن: هم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يذهب الى ذلك المسجد فنادى جبريل عليه السلام لا تقم فيه أبداً (التفسير الكبير، سورة التوبة، الآية ۱۰۸، ج ۸، ص ۲۰۳، طبع دار احياء التراث العربي، بيروت. ومثله في تفسير المظهري: سورة التوبة، الآية ۱۰۷، ج ۶، ص ۲۱۷ مكتبه علوم اسلاميه لاهور، وكذا في تفسير القرطبي سورة توبه آيت ۱۰۷، ج ۴، ص ۲۹۵ بلوچستان بكڈپو كوئٹه. مثله في تفسير روح المعاني، سورة التوبة، الآية ۱۰۷، ج ۱۱، ص ۲۶-۲۷، دار احياء التراث العربي بيروت.

سازش کا پردہ چاک کرتے ہوئے اس نام نہاد مسجد پر بلیغ تبصرہ فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا . الآية (۱)

ترجمہ: "اور جن لوگوں نے اس غرض کے لیے مسجد بنا کر کھڑی کر دی کہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ خدا اور رسول کے ساتھ کفر کریں۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالیں اور جو شخص خدا اور رسول کے ساتھ پہلے ہی لڑ چکا ہے اس کے لیے ایک اڈا بنالیں۔ وہ قسمیں کھا جائیں گے کہ ہم نے صرف بھلائی کا قصد کیا ہے۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ قطعاً جھوٹے ہیں۔ آپ اس میں جا کر کھڑے بھی نہ ہوں۔"

یہ آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام کو حکم فرمایا اور اسے توڑ کر آگ لگا کر پیوند زمین کر ڈالا(۲)۔ قرآن کریم کی یہ آیات بینات اور حضرت خاتم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل اس امر کا صاف فیصلہ کر رہا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم ٹولہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسجد کے نام سے کوئی مکان تعمیر کرتا ہے تو اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس مسجد ضرار کو کفر و بد دینی کا اڈا بنایا جائے۔ مسلمانوں میں تفریق ڈالی جائے اور کفر کے سرغنہ کے لیے ایک پناہ گاہ مہیا کر دی جائے۔ اور یہ کہ اسلام اس فعل کو برداشت نہیں کرتا بلکہ اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ کفر کے ان اڈوں کو مسمار کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں (اس واقعہ کے بعد) کبھی کسی غیر مسلم منافق کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ اپنی عبادت گاہ کے لیے "مسجد" کا مقدس نام استعمال کرے۔

مرزائی گروہ کا کفر و ارتداد آفتاب نصف النہار کی طرح کھل چکا ہے اور آئینی طور پر انہیں قطعی غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے۔ اس کے باوجود ان کا ادعائے اسلام انہیں منافقین مدینہ کی صف میں کھڑا کرتا ہے اور ان کی بنائی ہوئی مسجد، مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے۔ اب یہ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ انہیں اپنی عبادت گاہیں مسجد کے نام پر تعمیر کرنے سے باز رکھے۔ اور مسجد کے تقدس کی بے حرمتی کو برداشت نہ کرے(۳)۔

---

(۱) سورہ توبہ، پارہ نمبر ۱۱، الآیۃ ۱۰۷-۱۰۸۔

(۲) (اس کی تخریج اس سوال کے حاشیہ نمبر ۲ میں گزر گئی)۔

(۳) عمارة المسجد تكون بمعنيين أحدهما زيارته والسكون فيه والآخر بناؤه وتجديد ما استرم منه فاقتضت الآية منع الكفار من دخول المساجد ومن بنائها وتولي مصالحها والقيام بها لانتظام اللفظ للأمرين جميعا. (أحكام القرآن للجصاص، قوله تعالى: ما كان للمشركين، الآية، ج ٤ ص ٢٧٨، دار إحياء التراث العربي، بيروت) وكذا في اللباب في علوم القرآن، سورة توبة، الآيات ١٧، ١٨، ج ١٠ ص ٤٦، دار الكتب العلمية بيروت.

یہی حکم "مسجد" کے علاوہ دوسرے اسلامی شعائر اور اسلامی اصطلاحات کا ہے، ان کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور اسلام کبھی اس امر کو برداشت نہیں کرتا کہ اس کی مقدس اصطلاحات و علامات کو منافقین و ملحدین کی تشہیر کا کھلونا بنا ڈالا جائے۔ فقہاء اسلام نے تصریح کی ہے کہ اسلامی علامت کے تحفظ کا اہتمام یہاں تک ہے کہ غیر مسلم باشندوں کا لباس، وضع قطع اور مکان تک مسلمانوں سے الگ ہونا چاہیے۔ (دیکھیے شامی باب احکام الجزیہ ج ۳ ص ۲۰۶)(۱) اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی شعائر کے معاملے میں اسلام کے احساسات کس قدر نازک ہیں۔

علماء اسلام نے تصریح کی ہے کہ غیر مسلموں کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اگر وہ ایسی حرکت کریں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ انہیں اس سے باز رکھیں۔ (ایضاً) قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں۔

فانه یجب علی المسلمین منعهم من ذلک لان مساجد الله انما تعمر لعبادة الله وحده فمن کان کافرا فلیس من شانه ان یعمرها(۲) (تفسیر مظہری ج۴ ص۱۴۲)

ترجمہ: "مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ کفار کو تعمیر مساجد سے باز رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں صرف عبادت الٰہی کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں، پس کسی کافر کو یہ کام نہیں کہ انہیں تعمیر کرے۔"

امام قرطبی لکھتے ہیں:

فیجب اذا علی المسلمین تولی احکام المساجد و منع المشرکین من دخولها(۳)
(تفسیر قرطبی ج۸ ص۸۹)

ترجمہ: "لہٰذا اس صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خود احکام مساجد کے متولی ہوں اور کافروں کو ان میں داخلت سے باز رکھیں۔"

شیخ الاسلام علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولو بنوا مسجدا لم یصر مسجدا ففی تنویر الابصار من وصایا الذمی وغیره و صاحب

---

(۱) (قوله ویمیز الذمی الخ) حاصله: انهم نمیا کم بمخصص اهل الاسلام، فلابد من تمییزهم عنا کی لا یعاملوا معاملة المسلمین من التوقیر والاجلال وذلك لا یجوز وربما یموت احدهم فجأة فی الطریق ولا یعرف فیصلی علیه۔ الخ
(شامی، کتاب الجهاد، فصل فی الجزیة، مطلب: تمیز اهل الذمة فی الملبس، ج ۴ ص ۲۰۶، ط: ایچ ایم سعید) ومثله فی فتح القدیر، کتاب السیر، باب الجزیة، ج ۵ ص ۳۰۱، رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) تفسیر مظہری، سورة التوبة الآیة نمبر ۱۷، پارہ نمبر ۱۰، ج ۴ ص ۱۴۶، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹہ۔

(۳) تفسیر قرطبی، سورة التوبة، الآیة نمبر ۱۷، ج ۸ ص ۸۹، دار احیاء التراث العربی بیروت۔

الھوی ان کان لایکفر فھو بمنزلۃ المسلم فی الوصیۃ وان کان یکفر فھو بمنزلۃ المرتد(1)۔ (انفاس المحمدین ص ۱۲۸ طبع جدید)

ترجمہ: "اور بحر میں ہے اگر کوئی مسجد بنائیں تو وہ مسجد نہیں ہوگی چنانچہ "نوادر الوصایا" کے باب الوصایا وغیرہ میں لکھا ہے۔ اہل ہوا کے عقائد اگر کفر کی حد تک پہنچے ہوئے نہ ہوں تو اس کا حکم "تعمیر مسجد" کی وصیت میں مسلمان جیسا ہے اور کفر کے عقائد رکھتے ہوں تو وہ بمنزلہ مرتد کے ہے۔"

اور مرتد کا حکم ساری دنیا کو معلوم ہے کہ اسے اسلامی مملکت میں آزادانہ نقل وحرکت کی بھی اجازت نہیں چہ جائیکہ اسے اسلامی شعائر کو پامال کرنے کی کھلی چھٹی دی جائے(2)۔ بہرحال مرزائیوں کا اپنے عقائد کفریہ کے باوجود مسجد، اذان اور دیگر اسلامی شعائر کو استعمال کرنا درحقیقت اسلام سے کھلا مذاق ہے۔ جس کی اجازت کسی حال میں نہیں دی جاسکتی۔ تاہم یہ فرض حکومت پر عائد ہوتا ہے کہ وہ مساجد اور دیگر اسلامی شعائر کے تقدس کو قادیانیوں کی دستبرد سے بچانے کا فوری انتظام کرے، عام مسلمانوں کو ہم مشورہ دیں گے کہ وہ از خود براہ راست اس معاملہ میں مداخلت کرکے قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور ملک میں امن وامان کا مسئلہ پیدا ہونے نہ دیں، بلکہ اس کے لیے اسلامی عدالت کی طرف رجوع کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(1) اکفار الملحدین اردو، مسجد سے ملحدوں کا اخراج اور داخل ہونے کی ممانعت، ص ۱۳۰، مکتبہ امدادیہ ملتان۔

واعلم أن عمارة المسجد قسمان: ما بلزومها وكثرة اتيانها ... وأما بالعمارة المعروفة بالبناء فإن كان المراد هو الثاني كان المعنى أنه ليس للكافر أن يتقلد مرمة المسجد، لأن المسجد موضع العبادة فيجب أن يعظم والكافر يهينه ..... وأيضاً فالكافر لا يحترز من النجاسة فدخوله المسجد تلويث للمسجد، وقد يؤدي إلى فساد عبادة المصلين ..... وقد ذهب جماعة منهم الواحدي إلى أن المراد منه العمارة المعروفة من بناء المسجد ومرمته عند الخراب، فيمنع منه الكافر، حتى لو أوصى بها لم تقبل ..... الخ (اللباب في علوم القرآن، سورة التوبة، الآيات ۱۷، ۱۸، ج ۱۰ ص ۳۰، طبع دار الكتب العلمية بيروت)۔

وكذا في أحكام القرآن للجصاص، سورة التوبة، قوله تعالى: ما كان للمشركين: الآية ج ۴ ص ۲۷۸، دار إحياء التراث العربي بيروت۔

(2) وإذا ارتد المسلم عن الإسلام والعياذ بالله عرض عليه الإسلام ..... ويحبس ثلاثة أيام فإن أسلم وإلا قتل ..... (ص ۲۵۴) ... وتصرف المرتد في ردته على أربعة أوجه ..... ومنها ما هو باطل بالاتفاق نحو النكاح فلا يجوز له أن يتزوج امرأة مسلمة ولا مرتدة ولا ذمية لا حرة ولا مملوكة وتحرم ذبيحته وصيده بالكلب والبازي والرمي ..... الخ (هندية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، ج ۲ ص ۲۵۵، رشيدية كوئٹہ)۔

أما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب (قال ابن عابدين) أي ولا يغسل ولا يكفن ولا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم بحر عن الفتح (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، ج ۲ ص ۲۳۰، طبع ايچ ايم سعيد كراچی)۔

کسی شخص کو کس صورت میں مسجد آنے سے روکنا جائز ہے

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسائل کہ ہمارے ہاں ایک مقامی جامع مسجد میں احناف کی اکثریت ہے۔ وہاں اسی محلے کے دو اہل حدیث بھائی بھی نماز پڑھنے جاتے رہتے ہیں۔ ۹۰ فیصد مقتدیوں کی خواہش تھی کہ یہ دونوں اصحاب آمین بالجہر نہ پڑھیں۔ بالآخر گزشتہ دنوں متولی مسجد نے انہیں کہا کہ یا تو آمین بالجہر نہ پڑھو یا پھر مسجد میں مت آؤ کیونکہ فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ جب متولی صاحب کو قرآن کریم کی آیت پیش کی گئی تو انہوں نے اپنے متولی ہونے کا حق استعمال کرتے ہوئے کہا کہ متولی بعض اسباب کی بنا پر مسجد میں داخلہ سے روک سکتا ہے۔ (۱) ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه (۲) ارایت الذی ینهی عبدا اذا صلی۔

ہمارے نزدیک قرآنی دلائل پیش کرنے والوں کا موقف صحیح ہے۔ یہاں متولی کا فرض تھا کہ وہ مقتدیوں کو سمجھاتا کہ آمین بالجہر پڑھنے سے کوئی ایسی چیز نہیں ٹوٹ جاتی کہ جس کی وجہ سے کسی مسلمان کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ اب محلہ میں سخت کشیدگی ہے۔ براہ کرم مفصل و مدلل طور پر جواب دیجئے کہ آیا۔ (۱) اہل حدیث صاحبان کی نماز اس امام کے پیچھے آمین بالجہر پڑھنے کی صورت میں ہو جاتی تھی۔ (۲) اہل حدیث صاحبان وہ مسجد چھوڑ دیں؟ (۳) متولی مسجد کے اس اقدام کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ کیا ان کا یہ قدم کسی بھی صورت میں جائز ہے یا قابل مذمت۔

﴿جواب﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اہل حدیث اور دوسرے مقتدیوں کی نماز تو بلا شبہ ہو جاتی ہے لیکن چونکہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور بحث محض اولیت کی ہے۔ جو لوگ جہر کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی سرا کہنا کوئی گناہ نہیں اور جہرا کہنا فرض و واجب نہیں ہے اور جو لوگ سرا کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی جہرا کہنا واجب نہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ جس جگہ عام مقتدی اور امام آہستہ آمین کہنے والے ہوں۔ ان کے مجمع میں بلند آمین نہ کہے۔ گو چہ اس کے مذہب میں بالجہر کہنا افضل ہو۔ کیونکہ [illegible] لوگوں کو اس سے تشویش ہوتی ہے اور نئی بات سمجھ کر اختلاف کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور فتنہ فساد کی نوبت آ جاتی ہے۔ جس کا باعث یہ شخص ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ محض ایک اولیت پر عمل کرنے کے لیے مسلمانوں میں فتنہ اختلاف پیدا کر دینے کی کوئی عقلمند تجویز نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حنفی مسلمانوں کو بھی یہ مناسب نہیں کہ صرف اتنی بات سے کہ کوئی شخص آمین بالجہر کہہ دے [illegible] وہ خفا ہو جائیں اور اس کو مسجد

الجواب

واضح رہے کہ جو شخص مسجد میں آنے والوں کو ایذا دیتا ہو یا فساد کرتا ہو اس کو مسجد میں آنے کی ممانعت کرنا شرعاً جائز ہے، کما في الدر المختار: احكام المسجد ويمنع اكل نحو ثوم ويمنع منه (من المسجد) وكذا كل مؤذ ولو بلسانه. ج۱ ص۶۶۱ (۱) الخ۔ مگر امامت ایسا شخص کر سکتا ہے جس کی امامت سے فساد یا تفرقہ نہ ہو جائے۔ اسی طرح اگر امام میں کوئی شرعی نقص ہو کہ اس شرعی امر کی وجہ سے مقتدی اس کی امامت پر راضی نہ ہوں تو اس امام کو امامت سے ہٹانا جائز ہے (۲)۔ اور اگر امام میں کوئی شرعی نقص نہ ہو تو اس کو بلا وجہ امامت سے الگ کرنا درست نہیں (۳)۔ نیز بلا وجہ شرعی کسی کو مسجد میں آنے سے روکنا شرعاً درست نہیں۔ اگر کسی کو روک دیا تو روکنے والا سخت گنہگار ہوگا (۴)۔ لیکن اس روکنے کی وجہ سے مسجد میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ بلکہ مسجد حسب سابق تمام احکام میں مسجد ہی ہوتی ہے اور اس مسجد میں نماز پڑھنے کا وہی ثواب ملتا ہے جو دیگر مساجد میں ملتا ہے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مساجد میں ذکر اللہ کو روکنے کے مصداق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بستی کے کچھ نمازی دیگر نمازیوں کو ذاتی عناد کی بنا پر مسجد میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ حالانکہ سب اہل سنت والجماعت ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

---

(۱) كتاب الصلوة، مطلب في رفع الصوت بالذكر الخ، ج ۱ ص ۶۶۱، طبع رشيديه كوئٹه۔
وأيضاً في الأشباه: كتاب الصلوة باب أحكام المسجد، ص ۳۶۹، ۳۷۰، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔ وأيضاً في عمدة القاري، أبواب صفة الصلوة، ج ۴ ص ۶۲۰، طبع دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع۔

(۲) كما في الدر المختار: ولو أم قوماً وهم له كارهون إن ... كره له ذلك، كتاب الصلوة، مطلب في تكرار الجماعة، ج ۱ ص ۵۵۹، طبع رشيديه كوئٹه۔
وكذا في الهندية: كتاب الصلوة، الفصل الثالث، ج ۱ ص ۸۷، طبع رشيديه كوئٹه۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۶۰۹، طبع رشيديه كوئٹه۔

(۳) كذا في ذلك عليه واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة، كتاب الوقف، مطلب لا يصح عزل الخ، ج ۶ ص ۵۸۶، طبع رشيديه كوئٹه۔

(۴) كما قال الله تعالى: "ومن أظلم ممن منع مساجد الله" سورة البقرة آيت نمبر ۱۱۴)۔
وأيضاً قال الله تعالى: أرأيت الذي ينهى عبداً إذا صلى الخ، سورة العلق، آيت نمبر ۹۔

(۵) كما قال الله تعالى: "وأن المساجد لله فلا تدعوا الخ" سورة الجن، آيت نمبر ۱۸۔

﴿ج﴾

ذاتی عناد کی وجہ سے نمازیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے اور جماعت میں شمولیت سے روکنا جائز نہیں[١]۔ ان لوگوں پر لازم ہے کہ گزشتہ رکاوٹ کی معافی طلب کریں اور توبہ واستغفار کریں[٢]۔ ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیہا[٣] کا مصداق نہ ہوں ـــــ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ:

(١) مساجد میں لاؤڈ اسپیکر پر گمشدہ اشیاء کا اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی کسی جانور کا یا گم شدہ بچے کا اعلان کرنا کیونکہ اس میں مسلمان مغموم کی دلجوئی ہے۔ لیکن قابل پرسید یہ بات ہے کہ اس قسم کے اعلان سے روکنے والا حق بجانب ہے یا نہیں۔

(٢) کیا عورتیں مساجد میں جمع ہو کر درود شریف پڑھیں اور چھوٹے بچے بھی ساتھ لے آتی ہیں جو مسجد میں گندے پاؤں سے چلیں اور شور مچائیں اور پیشاب بھی کر دیتے ہوں اور عورتیں جوتے پہن کر مسجد میں چلیں ایسی صورت میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

(١) گم شدہ چیز کا مسجد میں تلاش کرنا شرعاً احترام مسجد کے منافی ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کے متعلق بددعا دینے کو فرمایا ہے۔ (لا رد الله علیک) او کما قال ۔ مسلمان کی دلجوئی جائز طریقہ سے کرنی چاہیے۔ روکنے والے نے درست کیا ہے[٤]۔

---

١) تقدم تحریرہ تحت عنوان: (امام کو برطرف کرنے کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا) ص ٥٢٨، (ہذا) ج نمبر٢۔
٢) کما قال الله تعالیٰ: "انما التوبة علی الله للذین الخ" سورة النساء، آیت نمبر ١٧۔
وأیضاً قال الله تعالیٰ توبوا الی الله توبة نصوحا، سورة تحریم، آیت نمبر ٨۔
٣) سورة البقرة، آیت نمبر ١١٤۔
٤) کما فی صحیح مسلم: لقوله علیه السلام: من سمع رجلاً ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا رد الله علیك فإن المساجد لم تبن لهذا، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، ج ١ ص ٢١٠، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔
وهکذا فی الشامیة: ویکره الإعطاء مطلقاً وقیل أن تخطی وانشاد ضالة ..... الخ باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیه، ج ١ ص ٦٦٠، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وهکذا فی الأشباه: القول فی أحکام المسجد، ج ص ٣٦٠، طبع قدیمی کتب خانه۔

﴿ج﴾

مسجد سے باہر گمشدہ چیز کے لیے مسجد میں اعلان کرکے تلاش کرنا درست نہیں۔ اس لیے اس سے احتراز لازم ہے۔ البتہ اگر مسجد ہی میں کوئی چیز گم ہوئی ہو تو آپ کو وہاں لوگوں سے دریافت کرسکتے ہو۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا[1]۔ رواہ مسلم۔

مسجد کے اسپیکر سے اعلان کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام کہ آج کل مساجد میں لاؤڈ اسپیکر پر جو کہ مسجد کے اندر نصب کیا ہو ہو کسی قسم کا اعلان وغیرہ کرنا جائز ہے یا کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مسجد میں گمشدہ چیز کی تلاش کے لیے اعلان کرنا جائز نہیں۔ لقولہ علیہ السلام من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا رواہ مسلم (مشکوٰۃ ج۱ ص ۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں گم شدہ چیز کے لیے اعلان کرنا جائز نہیں ہے (لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ہو یا لاؤڈ اسپیکر کے بغیر) اس کے علاوہ دینی امور کے لیے گاہے گاہے اعلان کرنا جائز ہے[2]۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۲۷۔۴۔۸

مسجد کے اسپیکر سے دنیاوی اعلانات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر نصب شدہ لاؤڈ اسپیکر مسجد سے غیر متعلقہ دنیاوی اعلانات از قسم اطلاعات گمشدگی مختلف اشیاء، اعلان متعلقہ دعوت، نیز اعلان متعلقہ ہدایات انتخابات، عام انتخابات وغیرہ کرنا از روئے شریعت مطہرہ کیسا ہے؟ نیز ایسا اعلان کرنا جو کہ مسجد کے اندر کی آبادی کی بستی یا

---

(۱) اعلام تحریر بعد تحت عنوان (مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرنا) جز نمبر ۱ ص ۴۵۹۔

(۲) تعلیم تحریر بعد تحت عنوان (مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرنا) جز نمبر ۱ ص ۴۵۹۔

مسجد کے اندر نصب شدہ اسپیکر سے اعلان کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام کہ آج کل مساجد میں لاؤڈ اسپیکر پر جو کہ مسجد کے اندر نصب کیا ہوا ہے کسی قسم کا اعلان وغیرہ کرنا جائز ہے یا کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مسجد میں گم شدہ چیز کی تلاش کے لیے اعلان کرنا جائز نہیں۔ لقوله عليه السلام من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا رواه مسلم[1] (مشکوٰۃ ص ۱۸ ج ۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں گم شدہ چیز کے لیے اعلان کرنا جائز نہیں (چاہے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ہو یا بغیر لاؤڈ اسپیکر کے)[2] اس کے علاوہ دینی امور کے لیے گاہے گاہے اعلان کرنا جائز ہے[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے اسپیکر سے خریداری کا اعلان

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) مسجد میں لاؤڈ اسپیکر جو کہ اذان وتقریر وغیرہ تبلیغ دین کے لیے نصب ہے۔ اس پر دنیاوی چیز کا اعلان کیا

---

۱) مشكوة المصابيح، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل الخ، ج ۱ ص ۶۸، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

۲) الصحيح المسلم، لقوله عليه السلام من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا رده الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا ص ۲۱۰، ج ۱، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد، الخ طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

(وهكذا في حلبي كبير، عن ابي هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من رأيتموه يبيع او يبتاع في المسجد فقولوا لا اربح الله تجارتك ومن رأيتموه ينشد عن ضالة في المسجد فقولوا لا ردها الله عليك —— الخ، فصل في احكام المسجد، ص ۶۱۱، طبع سعيدى كتب خانه كراچي)

۳) وكذا في حلبي كبير، فما كان فيه نوع عبادة وليس فيه اهانة ولا تلويث لا يكره والا كره، ولهذا نثر عليه السلام مالاً أتاه من البحرين في المسجد وقسمه —— الخ فيه لكونه نوع عبادة —— الخ، ص ۶۱۱، فصل في أحكام المسجد، طبع سعيدى كتب خانه كوئٹه۔

ومثله في الشامية: ج ۱ ص ۶۶۰، مطلب في انشاد الشعر، طبع ايچ ايم سعيد كمپنى كراچي۔

جاتا ہے۔ اور اس اعلان کرانے کی اجرت وصول کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی کی بکری بھیڑ گم ہوگئی ہے۔ یا فلاں آدمی کی دکان پر سبزی مرچ وغیرہ اس طرح بکنے لگی ہے۔ یا کل کو فلاں ڈپو ہولڈر کی چینی تقسیم ہوگی۔ حتیٰ کہ میلوں کا اعلان بھی ہوتا ہے۔ جو اعلان جس قسم کا بھی ہو درج نہیں کیا جاتا۔ اور اجرت وصول کر کے بیٹری وغیرہ بھروائی جاتی ہے۔ جس سے اذان تقریر وغیرہ کی جاتی ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہے تو کتنا بڑا گناہ ہے۔ اور اعلان کنندگان کتنے مجرم ہیں۔ منع کرنے پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ یہ گناہ ہم اٹھائیں گے۔ ہم تو اجرت چاہتے ہیں جیسا چاہے ویسا اعلان کرائیں۔

(۲) مداری، کوپے تماشہ کرنے والوں نے چوکی بھری رات کا وقت تھا۔ اس تماشہ میں ایک کوپے نے ان الفاظ سے خدا و رسول کی بے ادبی کی۔ مجھے موت نہیں آتی۔ دوسرے نے دریافت کیا کیوں نہیں آتی تو اس نے کہا کہ میں نے خدا کو رشوت دی ہوئی ہے۔ یعنی داماد ہے۔ نعوذ باللہ۔ اب اس تماشہ کے ناظر مسلمان تماشائی بن کر خوش ہو کر تماشا دیکھ رہے ہیں۔ آیا وہ مسلمان رہے۔ اگر دائرہ اسلام سے خارج ہوئے تو ان کی ازواج منکوحہ رہیں؟ اگر مطلقہ ہوگئیں تو دوبارہ سابقہ مردوں کی منکوحہ ہو سکتی ہیں؟ تو کس طرح جبکہ وہ تماشائی مسلمان اپنے اس گناہ سے توبہ کریں۔

﴿ج﴾

(۱) گم شدہ چیز کے لیے مسجد میں اعلان کر کے تلاش کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر مسجد ہی میں کوئی چیز گم ہوگئی ہو تو اس کو مسجد میں لوگوں سے دریافت کر سکتا ہے۔ اسی طرح دنیاوی امور کے لیے مسجد کے اندر لاؤڈ سپیکر سے اعلان کرنا اور اجرت مسجد پر صرف کرنا درست نہیں۔ اس سے احتراز لازم ہے۔ ناجائز امور کے لیے اعلان کرنا اور برائی کی طرف دعوت دینا گناہ کبیرہ ہے۔ اور مسجد میں اس کا اعلان کرنا تو اور بھی سخت گناہ ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان امور سے احتراز کریں[۱]۔ مسجد کے لاؤڈ سپیکر کو دینی امور کے لیے استعمال کریں[۲]۔

---

(۱) وکذا فی الصحیح لمسلم، لقوله علیه السلام: من سمع رجلاً ینشد ضالة فی المسجد فلیقل الخ، ج ۱ ص ۲۱۰، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد الخ، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
وهکذا فی الهندیة: ویکره الإعطاء مطلقاً وقیل: إن تخطی، وإنشاد ضالة ... الخ، ج ۱ ص ۱۱۰، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

(۲) وکذا فی الشامیة: فما کان منه فی الوعظ والحکم وذکر نعم الله تعالیٰ وصفة المتقین فهو حسن، ج ۱ ص ۶۶۰، مطلب فی إنشاد الشعر، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وهکذا فی حلبی کبیر: فما کان منه نوع حاجة ولیس فیه إعانة ولا ملوث لا یکره وإلا کره ونهیه علیه السلام ما لا أتاه من البحرین فی المسجد وقسمه فیه لکونه نوع عبادة... الخ، ص ۶۱۱، فصل فی أحکام المسجد، طبع سعیدی کتب خانہ کوئٹہ۔

(۲) جو لوگ اس تماشہ میں شریک ہوئے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں۔ اور ان پر لازم ہے کہ وہ توبہ تائب ہو جائیں اور استغفار کریں، شرکا مجلس تماشا کے نکاح فسخ نہیں ہوئے[1] البتہ جس شخص نے یہ الفاظ کہے ہیں اس کا معاملہ اور ہے اس پر لازم ہے کہ صدق دل سے توبہ کرے۔ اور تجدید نکاح کرے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ
الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۱۸/۵/۱۹۹۹ء

چندے سے بنائے ہوئے مکان میں سکول قائم کرنے کا حکم

﴿ س ﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل کی بابت:

(۱) ایک شخص قوم سے چندہ وصول کرتا ہے اور اس سے ایک عمارت بنواتا ہے دینی تعلیم کے ارادے سے اور قوم سے چندہ بھی اسی نام سے وصول کرتا ہے کہ اس عمارت میں مذہبی تعلیم ہوگی۔ اور وہ عمارت ایک مسجد سے متصل ہے۔ اب اس عمارت میں اردو پرائمری اسکول قائم کیا جاتا ہے۔ جس میں دنیوی تعلیم ہوتی ہے۔ اس عمارت میں چرم قربانی کی قیمت بھی لگائی جاتی ہے۔ اسی عمارت کے ایک حصہ میں قرآن پاک کا درجہ بھی ہے۔ جس کو اردو پرائمری سکول قائم ہونے کے بعد بہت نقصان پہنچا ہے مسلمانوں کو دینی تعلیم سے بہت بے رغبتی ہے۔ اور پھر اسی جگہ اردو پرائمری اسکول قائم کر دیا جائے۔ تو پھر تمام بچوں کا رجحان دینی تعلیم سے ہٹ کر اردو کی طرف ہو جانا اظہر من الشمس ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کسی عمارت میں جو تعلیم دینی کے نام سے بنائی گئی ہو اردو تعلیم دینی یا دنیاوی شرعاً جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اور چرم قربانی کی رقم بغیر تملیک عمارت مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) زید نے ایک مسجد قوم سے چندہ لے کر بنائی ہے۔ بعد ازاں وہ یہ کہتا ہے کہ یہ مسجد میں نے بنائی ہے۔ میری مسجد ہے تو کیا زید کو یہ حق ہے کہ اس پر مالکانہ قبضہ کرے۔ اور وہ مسجد کے حکم میں ہے یا کہ نہیں؟

(۳) زید ایک مسجد کا امام ہے۔ اب ایک شخص جس نے مسجد تعمیر کرائی ہے۔ امام سے عقائد میں اختلاف کرتا ہے۔ مثلاً بشریت اور نور میں اختلاف ہوتا ہے۔ امام صاحب یہ کہتے ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں نور ہدایت بھی ہیں۔ اور وہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہو یہ کفر ہے۔

---

(۱) انما التوبة على الله للذين ... الخ، سورة النساء، الآية ۱۷۔

(۲) وكذا في البزازية: ولو ارتد والعياذ بالله ... ويجدد النكاح بعد اسلامه الخ، الثاني فيما يكون كفراً، ج ۶ ص ۳۲۱، طبع علوم اسلامیہ بلوچستان۔

اس اختلاف کے بعد وہ شخص امام کو نہیں چاہتے اور اکثریت مقتدیوں کی امام کے موافق ہے۔ دوران گفتگو امام یہ کہہ کر کہ میں یہاں سے چلا جاتا ہوں چلا گیا۔ دوسرے وقت جماعت کے اکثر آدمی امام صاحب کے پاس گئے۔ اور امام صاحب کو رضامند کر کے لے آئے۔ تو اس شخص نے فتویٰ منگایا کہ ایسے امام کو بغیر رضامندی متولی کے پھر نماز پڑھانا جائز نہیں کیا یہ مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے۔ جبکہ تمام مقتدی امام صاحب سے رضامند ہیں۔

﴿ج﴾

(۱) اگر چندہ دہندگان سے اس امر کی تصریح کر دی گئی ہے کہ یہاں اس چندہ سے اردو تعلیم پر بھی خرچ ہوگا تو اردو تعلیم پر صرف کرنا جائز ہے۔ اور اگر نہیں تو ناجائز ہے(۱)۔ چرم قربانی کو فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے اور وہ بغیر تملیک کے کہیں صرف نہیں ہو سکتی۔ اس لیے تعمیر مسجد و مدرسہ پر خرچ کرنا جائز نہیں (۲)۔

(۲) وہ مسجد تا قیامت مسجد ہی رہے گی۔ اس پر مالکانہ قبضہ نہیں ہو سکتا(۳)۔ شامی ص ۴۰۲ ج ۳ پر ہے۔ **قوله بالفعل ای بالصوة فیه شرح الملتقی انه یصیر مسجداً بالخلاف**(۴)۔

---

۱) وكذا في در المختار: شرط الواقف كنص الشارع ..... الخ، ج ٦ ص ٦٦٤، كتاب الوقف، طبع رشيديه كوئٹه۔

وهكذا في ابن عابدين، ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص فهو حكم لا دليل عليه ..... فيجب اتباعه كما صرح به في شرح المجمع، ج ٦ ص ٧٦، مطلب ما خالف شرط الواقف، طبع رشيديه كوئٹه۔

ومثله في الأشباه، كتاب الوقف، ص ١٩٣، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔

۲) وكذا في الشامية: ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا اباحة كما مر ..... الخ، ج ٢ ص ٣٤٤، باب المصرف، طبع ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی۔

وهكذا في بدائع الصنائع: وأما ركن الزكاة فركن الزكاة ..... وتسليم ذلك اليه يقطع المالك يده عنه بتمليكه من الفقير وتسليمه اليه ..... الخ، ج ٢ ص ٣٩، فصل وأما ركن الزكاة ..... الخ، طبع رشيديه سركی روڈ كوئٹه۔

ومثله في البحر الرائق: باب المصرف، ج ٢ ص ٢٤٢، طبع ماجديه كوئٹه۔

۳) وكذا في الهداية: وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه الا أن يكون ..... الخ، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦١٩، طبع رحمانيه لاهور۔

وهكذا في العالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٠، طبع رشيديه سركی روڈ كوئٹه۔

۴)

(۳) امام کے نصب وعزل کا اختیار مقتدیوں کو حاصل ہوتا ہے۔ بالخصوص صورت مسئولہ میں متولی کی ناراضگی بالکل ناجائز ہے۔ امام صاحب کا عقیدہ بالکل قرآن وسنت کے مطابق ہے۔ اس سے اختلاف کرنا متولی کے جہل کی علامت ہے۔ عالمگیری ج ا ص ۸۷ پر ہے: کما رجل ام قوما وھم له کارھون فان کانت الکراهة لفساد فيه اولانهم احق بالامامة منه يكره له ذلك. وان كان هو احق بالامامة لايكره (لان الجاهل والفاسق يكره الصالح والعالم)[1]۔ الخ۔

وارثوں کو اغنیاء چھوڑنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید دائم المرض ہے۔ جسے اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کس وقت پیامبر اجل کو لبیک کہنا پڑے۔ زید کی چھوڑی ہوئی زرعی اراضی ساڑھے بارہ ایکڑ ہے جو زید کو بعد از وفات والدین بحق میراث حصص شرعی ملی ہے۔ اور کچھ زید نے زمین اپنی تنخواہ بچا کر خرید لی ہے۔ زید کا خیال ہے کہ میں دائم المرض ہوں اپنی زندگی میں اپنی خرید کردہ ایک کلہ زمین کسی دینی مدرسہ کے نام وقف کروں اس وقف کرنے کی بناء پر زید کی والدہ اور دیگر بہن بھائی زید کو منع کرتے ہیں کہ تم اپنی زمین کسی مذہبی مدرسہ کے نام وقف نہ کرو۔ بلکہ ہمارے پاس زمین قلیل ہے۔ ہمارا گزر اوقات مشکل سے ہو رہا ہے۔ ہاں زید کو جو زمین والد کی وفات کے بعد ورثہ میں ملی ہے۔ وہ اپنے بہن بھائیوں میں تقسیم کے لیے رکھا ہے۔ زید کی بیوی بچے نہیں ہیں۔ بلکہ زید غیر شادی شدہ ہے۔ اندریں حالات مذہب کی اجازت ہے یا نہیں کہ زید اپنی زر خرید زمین کسی مذہبی ادارہ کے نام وقف کر سکتا ہے۔

﴿ج﴾

بہتر ہے کہ والدہ اور دوسرے اقرباء کی بات مان لے اور وقف نہ کرے اور یہ خطرہ نہ کرے کہ میں ثواب سے محروم ہو گیا۔ اس کے ورثاء اس کے بعد جو اس کا مال استعمال کریں گے یہ درحقیقت اس کا ان پر صدقہ ہے۔ اور اس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالة يتكففون الناس الحدیث[2]۔ البتہ اگر وہ مصر ہے اور وقف کرتا

---

۱) عالمگیریة: الفصل الثالث في بيان من يصلح اماماً لغيره، ج ۱ ص ۸۷، طبع علوم اسلامیہ چمن بلوچستان۔

۲) وكذا في مشكوة المصابيح: ج ۱ ص ۲۶۵، باب الوصايا، الفصل الأول طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

مساجد میں اسکول کی تعلیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حکومت پاکستان کی تجویز کے تحت مساجد کو پرائمری سکولوں کے طور پر استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور تجویز کر رہے ہیں کہ آیا سکولوں کے بجائے مساجد کو پرائمری سکولوں کے طور پر استعمال کرنے سے وہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں کہ جن سے مسجد سکول کی جگہ کا کام دے سکے اور دینوی تعلیم دی جا سکے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مساجد وعبادت گاہوں کو اس قسم کی دنیوی تعلیم کے لیے سکولوں کے طور پر استعمال کرنے کی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم و اقدار اسلامی اجازت دیتی ہیں اور اس طرز عمل کو جائز قرار دیتی ہیں یا ناجائز۔ نیز از روئے شریعت اس طریقہ پر عمل پیرا ہونے سے اور مسجد کو سکول کے قائم مقام بنانے سے مسجد وعبادت گاہ کی عظمت واہمیت اور روحانی مذہبی تقدس پر برا اثر پڑتا ہے یا نہیں۔ اس ضمن میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے۔

کیا مسجد کو عبادت گاہ کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے استعمال میں لے آنا جائز ہے اور کیا مسجد سے کسی بھی غیر متعلقہ ادارہ کے لیے کہ جس کو مسجد کے مقاصد سے کوئی سروکار نہ ہو اس ادارے کے لیے مسجد سے چندہ حاصل کرنا اور اس کے بجائے مسجد کے مذکورہ غیر متعلقہ ادارہ پر صرف کرنا جائز فعل ہے یا ناجائز؟ براہ کرم مذہب اسلام میں مساجد کی حیثیت اور مندرجہ بالا حقائق کا موازنہ کر کے اور مساجد کو سکول بنانے اور سکولوں کے سے کام لینے کے رجحان کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ بالا استفسارات کا شرعی طور پر فیصلہ عنایت فرما دیں۔

﴿ج﴾

مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور زمین کے حصوں میں بہتر حصے مسجدیں ہیں۔ اللہ کے فرشتے اس میں رہتے ہیں اس لیے مسلمانوں پر ان مقدس مقامات کا احترام وادب لازم ہے۔ شریعت نے مسجدوں میں چیخنے پکارنے سے روک دیا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بلند آواز سے مساجد میں نہ کیا جائے اور نجاسات وبدبودار چیزوں سے پاک رکھنے کو فرمایا ہے۔ اور دنیوی معاملات کو جیسے بیع وشراء وغیرہ کو مسجدوں میں ناجائز قرار دیا ہے۔ مسجدوں کو پرائمری سکولوں کی جگہ استعمال کرنے سے مسجدوں کا احترام وادب قائم نہیں رہتا اور مذکورہ محظورات کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ کیونکہ بچے شور وچیخ پکار کرتے ہیں۔ بلکہ اساتذہ ان کو تعلیم بھی اس طرح دیتے ہیں کہ وہ چیخیں اور زور سے پڑھیں اور نجاسات وبدبو سے پاکی کی تمیز نہیں رکھتے۔ اور شریعت نے ایسے بچوں کو مسجدوں میں داخل کرنے کو مکروہ تحریمی کہا ہے جن سے مسجدوں کا نجس کرنا غالب ہو ورنہ کراہت

تحریر ہے۔الدر المختار مع شرحه رد المحتار ج ۱ ص ۴۸۶ و یحرم ادخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسهم والا فیکره شامی میں ہے۔(قوله و یحرم الخ) لما اخرجه المنذری مرفوعاً جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و بیعکم و شراءکم و رفع اصواتکم و سل سیوفکم و اقامة حدودکم و جمروها فی الجمع واجعلوا علی ابوابها المطاهر الی قوله والمراد بالحرمة کراهة التحریم لظنیة الدلیل۔ الخ و فیه ایضا والا فیکره ای تنزیها تامل(۱)۔

لہٰذا مسجد میں کرائی صورت میں پرائمری سکول ان کی جگہ استعمال کرنا جائز نہیں اور مسجد کا چندہ مسجد پر صرف ہوگا پرائمری سکولوں اور دیگر متعلقہ اداروں پر اس کا صرف کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم(۲)

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۴۰۲

مسجد کی تولیت کی حقیقت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱) اگر کوئی عمارت دینی درسگاہ کے لیے بنائی گئی ہو جس میں چرم قربانی تک لگائی گئی ہو۔ کیا کسی فرد کو حق پہنچتا ہے کہ اس عمارت کو رجسٹرڈ کرا کر اس میں اردو نصاب کا مدرسہ جاری کر دے

---

(۱) وکذا فی رد المحتار علی الدر المختار، باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها، مطلب فی احکام المساجد، ج ۱ ص ۶۵۶، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وهکذا فی شرح الاشباه والنظائر، ولا یجوز تعلیم الصبیان القرآن فی المسجد لقوله جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم، ج ۴ ص ۵۶، باب فی احکام المسجد، طبع ادارة القرآن کراچی۔
وهکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی احکام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۹، طبع رشیدیه کوئٹه۔

(۲) رد المحتار: وان اختلف احدهما بان بنی رجلان مسجدین او رجل مسجداً و مدرسة ووقف علیهما اوقافاً لا یجوز له ذلك. (لا یجوز له ذلك) ای الصرف المذکور قال الخیر الرملی اقول ومن اختلاف الجهة ما اذا کان الوقف منزلین احدهما للسکنی والآخر للاستغلال فلا یصرف احدهما للآخر وهی واقعة الفتوی، ج ۴ ص ۳۶۰-۳۶۱، کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وهکذا فی الاشباه والنظائر: شرط الواقف کنص الشارع ای فی وجوب العمل به وفی المفهوم والدلالة، ج ۳ ص ۱۰۶، کتاب الوقف، الفن الثانی، الفوائد، طبع ادارة القرآن کراچی، وکذا فی مجمع الانهر، کتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۰۸، طبع مکتبه غفاریه کوئٹه۔

(۲) ایک مسجد کے متولی نے بغیر کسی شرعی عذر کے امام کو جدا کر دیا۔ اب اگر وہ امام اپنی طاقت سے نماز پڑھانا چاہے تو نماز پڑھا سکتا ہے یا نماز صحیح ہونے کے لیے متولی کی اجازت شرط ہے۔ یاد رہے کہ اہل محلہ و مقتدی اس پر بالکل خوش ہیں صرف متولی مخالف ہے۔ وہ بھی کسی شرعی دلیل سے نہیں بلکہ ذاتی عناد کی وجہ سے؟

(۳) مسجد کی تولیت کی کیا حقیقت ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو مسجد کا اتنا مالک ظاہر کرے کہ جس کو دل چاہے کہہ دے کہ آپ اپنی مسجد بنا کر نماز پڑھیں یہ مسجد میں نے بنوائی ہوئی ہے اور میں اس کے کمروں کو پرائمری کے لیے استعمال کر سکتا ہوں۔ کیا ایسا شخص متولی رہ سکتا ہے جبکہ اہل محلہ بھی اس سے ناراض ہوں کیا ان کو حق پہنچتا ہے کہ کوئی دوسرا متولی تجویز کر لیں۔

(۴) قرآنی تعلیم کے لیے جو رقم وصول کی جائے ایسے ہی جو رقم جمعہ وغیرہ کو جمع ہو اس سے پرائمری سکول کے ٹیچروں کی تنخواہ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ والسلام

﴿ج﴾

(۱) واقف جس غرض کے لیے وقف کرتا ہے اور وہ جو شروط وقف میں لگاتا ہے اس کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ **فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية شامی** ج ۳ ص ۳۹۵[1]۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب واقفین نے فقط دینی درس گاہ کے لیے چندہ دیا ہو اور ان پر یہ واضح نہ کیا گیا ہو کہ یہاں اردو حساب وغیرہ کی تعلیم ہوگی۔ تو اس میں اردو حساب وغیرہ پڑھانا اور درس گاہ کو اسی لیے مخصوص کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

(۲) امام کے نصب وعزل کا اختیار قوم یعنی مقتدیوں کو ہے۔ متولی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حدیث میں ہے **لا يقبل الله صلوة من تقدم قوما وهم له كارهون** (سنن ابی داؤد)[2] درمختار کتاب الامامۃ ج ۱ ص ۳۱۳ میں ہے **والخيار الى القوم فان اختلفوا اعتبر اكثرهم**[3]۔ یعنی اختیار امام کے نصب کا قوم کو ہے اگر ان میں اختلاف ہو تو اکثریت کی رائے معتبر ہوگی۔

---

۱) الشامية: كتاب الوقف، مطلب شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع، ج ٤ ص ٣٤٣، سعيد.
وفيه أيضاً: كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، ج ٤ ص ٤٤٥، سعيد.
كذا في الأشباه والنظائر: الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف، ج ٢ ص ١٠٦، ادارة القرآن كراتشي.

۲) سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الرجل يؤم قوماً وهم له كارهون، ج ١ ص ٩٨، رحمانيه لاهور.

۳) در المختار: كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٥٥٨، سعيد.
كذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في بيان من أحق بالإمامة، ج ١ ص ٣٠١، قديمي كراچي. كذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٦٠٩، رشيديه.

(۳) اگر متولی وقف، واقف کی رضا کے بغیر دوسری جگہ یا کسی دوسرے مصرف پر خرچ کرتا ہے تو وہ مستحق عزل ہے لیکن تو معزول (مسلم حاکم) ہی اس کو معزول کر سکتا ہے۔ شامی ج ۳ ص ۴۲۱ میں ہے۔ الواقف لو وقف علی قوم ولا یوصل الیہم ما شرط لہم ینزعہ القاضی من یدہ ویولی غیرہ۔ چند سطر اس کے بعد لکھا ہے ویستفید من ان للقاضی عزل المتولی الخائن غیر الواقف بالاولی[1]۔ الخ۔

(۴) مثل جواب اول ہے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کا قبلہ متعین کرنے کے لیے "قبلہ نما" پر اعتماد کا حکم

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد فاروقیہ کے سنگ بنیاد کے سلسلہ میں کھدائی کر کے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کو سنگ بنیاد رکھنے کے لیے مدعو کیا گیا۔ وہ اپنے ساتھ قبلہ نما بھی لیتے آئے۔ جس کے استعمال کے طریقے میں لکھا ہے کہ لاہور اور ملتان سے اگر قطب نما کی سوئی ۱۳ نمبر زاویے پر رکھو تو قبلہ نما کے تیر کے سامنے قبلہ ہوگا۔ ہم نے یہ فرض کر کے کہ کالونی لاہور اور ملتان کے قریب قریب درمیان میں واقع ہے اور اسی خط استواء پر جس پر لاہور اور ملتان ہیں باصول بالا کے مطابق جب قطب نمائی سوئی ۱۳ نمبر پر رکھ کر سمت معلوم کی تو ہماری بنیادیں غلط ہوگئیں۔ پہلے قبلہ عین مغرب کی طرف فرض کر کے بنیادیں کھودی گئی تھیں اب قدرے جنوب کی طرف یعنی قدرے جنوب مغربی کونے کی طرف رخ کرنا پڑتا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ قبلہ نما پر اعتماد کر کے رخ صحیح کر لیا جائے یعنی قبلہ نما پر بھروسہ کر کے سمت قبلہ معلوم کرنی بہتر ہے یا قطب نما سے اندازہ کر کے پہلی بنیادوں میں تھوڑا بہت رد و بدل کر لیں۔ بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس شہر کے اندر جو دیگر قدیم مساجد ہیں ان کے محرابوں کی سمت پر مسجد کی بنیادیں وغیرہ رکھی جائیں۔ قطب نما وغیرہ آلات کا اس معاملہ میں باوجود مساجد قدیمہ کے کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔
قال فی الدر المختار مع شرحہ الشامیۃ ج ۱ ص ۴۳۱ وتعرف بالدلیل وھو فی القری

---

(۱) رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما یعزل بہ الناظر، ج ۴ ص ۳۸۰، سعید۔
کذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، ج ۵، ص ۲۴۶، رشیدیہ۔
کذا فی البزازیۃ: کتاب الوقف فی نصب المتولی وما یملکہ اولا، ص ۲۵۳، ج ۶، رشیدیہ۔

والامصار محاريب الصحابة والتابعين وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب والا فمن الاهل العالم بها ممن لو صاح به سمعه وقال الشامي تحته والظاهر ان الخلاف في عدم اعتبارها (اي النجوم) انما هو عند وجود المحاريب القديمة اذ لايجوز التحري معها كما قدمناه لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح وجماهير المسلمين بخلاف ما اذا كان في المفازة[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح۔ [illegible] یہ جاننا چاہیے کہ قطب تارہ کو کندھا رکھ کے جو رخ متعین کیا جاتا ہے وہ معیاری نہیں ہے۔ قبلہ فی الواقع تھوڑے جانب جنوب کو واقع ہے اب اگر مولانا محمد ابراہیم صاحب کا متعین کیا ہوا رخ تھوڑے جانب جنوب کو ہے تو وہ صحیح ہے اس پر مسجد کی بنیاد رکھی جائے باقی رہا یہ کہ دوسری مسجدیں اس کے عین مطابق نہیں ہیں تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نماز تو سب مسجدوں میں درست اور صحیح ہے جانب مغرب کو نماز پڑھنا ہمارے ملک میں کافی ہے جب نماز سب میں صحیح ہے تو معمولی فرق کی وجہ سے اختلاف نہیں کرنا چاہیے[2] اور مولانا محمد ابراہیم صاحب والی بنیاد پر مسجد بنائی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

قبلہ کا تعین کس طرح کریں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ہاں ایک مقام پر مسجد تعمیر ہو رہی ہے اس کے رخ کے متعلق خدشہ واقع ہو گیا اس طرح کہ اگر عین مغرب کی طرف رخ کیا جائے جیسا کہ عام مساجد کا رخ ہے تو نقشہ کے اعتبار سے مصلی کا رخ عین کعبہ کی طرف نہیں ہوتا بلکہ کعبہ سے شمالی جانب میں تقریباً آدھ میل اور رخ

---

(۱) در المختار: کتاب الصلوۃ، باب شروط الصلوۃ، ج ۱ ص ۴۳۰، سعید۔
کذا فی البحر الرائق: کتاب الصلوۃ، باب شروط الصلوۃ، ج ۱ ص ۴۹۶، رشیدیہ کوئٹہ۔
کذا فی العالمگیریۃ: کتاب الصلوۃ، الباب الثالث فی شروط الصلوۃ، الفصل الثالث فی استقبال الکعبۃ، ج ۱ ص ۶۳، رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) کذا فی العالمگیریۃ: ومن کان خارجاً من مکۃ فقبلتہ جہۃ الکعبۃ وھو قول عامۃ المشائخ وھو الصحیح، کتاب الصلوۃ، الباب الثالث فی شروط الصلوۃ، الفصل الثالث فی استقبال القبلۃ، ج ۱ ص ۶۳، رشیدیہ۔ کذا فی البحر الرائق: کتاب الصلوۃ، باب شروط الصلوۃ، ج ۱ ص ۴۹۰، رشیدیہ کوئٹہ۔ کذا فی الدر المختار: کتاب الصلوۃ، ج ۱ ص ۴۲۸، سعید۔

رہتا ہے۔ عین کعبہ پر نہیں ہوتا اور اگر نقشہ کے اعتبار سے مسجد کا رخ مغرب کو جنوبی جانب مائل رکھا جائے تو مصلی کا رخ عین کعبہ پر واقع ہوتا ہے لیکن یہ بظاہر عام مساجد کے رخ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا قابل دریافت امر یہ ہے کہ اب زیر تعمیر مسجد کا رخ عین مغرب کی طرف رکھا جائے یا نقشہ کے مطابق رکھا جائے جواب تحریر فرماویں۔ نوٹ علم ہیئت جدیدہ سے یہ بات مدلل طور پر ثابت ہے کہ عین مغرب کی طرف رخ رکھنے سے کعبہ کے سیدھ پر مصلی کا رخ واقع نہیں ہوتا، اور مغرب کی طرف جنوبی جانب مائل کر کے رکھنے سے رخ سیدھا کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔

قال في الدر المختار و تعرف بالدليل وهو في القرى والامصار محاريب الصحابة والتابعين وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب والا فمن الاهل العالم بها ممالو صاح بها سمعت[1] وقال الشامي قوله محاريب الصحابة والتابعين فلايجوز التحري معها زيلعي بل علينا اتباعهم خانية ولا يعتمد على قول الفلكي العالم البصير الثقة ان فيها انحرافا خلافا للشافعية في جميع ذالك كما بسطه في الفتاوى الخيرية ج ١، ص ٧، ٣١. الخ.[2]

اس عبارت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ علماء ہیئت کا قول صحت قبلہ کے معاملہ میں نہیں بلکہ عہد صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین کے محرابوں کی سمتیں جو ہیں، وہ صحیح اور قابل اعتماد ہیں، نیز جو آج قدیم مساجد کی محرابیں ہیں، لہٰذا اس نئی مسجد کی سمت اس مقام کی قدیم مساجد کے مطابق رکھی جائے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل فتاویٰ خیریہ[3] وغیرہ اور اردو فتاویٰ امداد المفتیین میں دیکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) در المختار: باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۳۰، سعید۔
كذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۹۶، رشيديه كوئٹه۔
كذا في العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثالث في استقبال الكعبة، ج ۱ ص ۶۳، رشيديه۔

۲) در المختار: باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۳۰، سعيد۔
كذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۹۶، رشيديه۔
كذا في العالمكيرية: كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثالث في استقبال الكعبة، ج ۱ ص ۶۳، رشيديه۔

۳) فتاوى خيرية على هامش فتاوى الحامدية: كتاب الصلوة، مطلب في الصلوة على القبلة القديمة، ج ۱ ص ۱۴، حقانيه پشاور۔

قبلہ نما سے قبلہ کی تعیین کی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ علاقہ کبیروالا میں آٹھ یا دس مساجد قبلہ نما پر بنائی گئی ہیں، آیا ان میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

سمت قبلہ کے لیے سب سے پہلے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین واسلف صالحین کی قدیم بنائی ہوئی مسجدوں کی سمت کا اعتبار ہے کوئی نئی مسجد بنائی ہو تو ان قدیم مساجد کی سمت کے مطابق سمت قبلہ رکھی جائے اور اگر قریب قریب قدیم مساجد نہ ہوں تو پھر قبلہ نما وغیرہ آلات ریاضیہ کے مطابق سمت قبلہ کا تعیین کیا جائے گا، قال في الدر المختار و تعرف بالدليل وهو في القرى والامصار محاريب الصحابة والتابعين وفي المفاوز و البحار النجوم كالقطب والا فمن الاهل العالم بها ج ا ص ۱۳۱۷ اب ان مذکورہ بالا مساجد کی سمت اگر قدیم مساجد کے موافق ہے اور ان کی سمتوں میں کوئی فرق نہیں یا فرق ہے مگر معمولی، تو پھر ان مساجد کی جہت کے موافق نماز پڑھنی چاہیے[1] اور اگر ان کی جہت قدیم مساجد کی جہت سے بہت متفاوت ہے۔ حتیٰ کہ ان کی جہت کے مطابق نماز پڑھنے والے کا رخ مغربین تک سے ہی منحرف ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس جہت کے مطابق نماز ادا کرنی جائز نہیں ہے[2]۔ پھر یا تو مساجد کی جہت مساجد قدیمہ کے موافق رکھی جائے یا صفوں کو صحیح سمت کے مطابق ترتیب دیا جائے اور نماز ادا کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) كما في العالمكيرية: ومن كان خارجاً عن مكة فقبلته جهة الكعبة وهو قول عامة المشائخ وهو الصحيح، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثالث في استقبال القبلة، ج ۱ ص ۶۳، رشيديه.

كذا في البحر الرائق: باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۹۵، رشيديه.

كذا في الدر المختار: ولغيره اصابة جهتها، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۲۸، سعيد.

۲) كما في در المختار: حد القبلة في بلادنا يعني سمرقند ما بين المغربين مغرب الشتاء ومغرب الصيف، فان صلى الى جهة خرجت من المغربين فسدت صلوته، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۳۰، سعيد.

كذا في حلبي الكبير: كتاب الصلوة، شرائط الصلوة، الشرط الرابع وهو استقبال القبلة، ج ۱ ص ۲۱۸، سعيدي كتب خانه كوئٹه.

بیرونی چندہ جات سے کام چلاتے ہیں۔ اب مدرسہ کی وسعت کے پیش نظر دوسری جگہ برائے مدرسہ اراضی خرید کرتے ہیں۔ بعدہ زید وبکر منتظمین کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو حساب کتاب دکھاتے ہیں۔ زید کے پاس تقریباً آمد و خرچ برابر ہے۔ اور بکر کہتا ہے کہ مدرسہ میرے پاس رقم ختم ہوگئی ہے۔ اور میں نے ۱۵۰۰۰ روپے مدرسے کا لیا ہے اور پھر کہا کہ جو اراضی برائے مدرسہ لی گئی تھی مجھے قرضہ میں دے دی جائے اور پھر اراضی بدستور اسی طرح وقف ہے جس طرح پہلے مدرسے کے لیے وقف تھی۔ عاقلین نے کہا ٹھیک ہے کیونکہ جھگڑا آسانی سے ختم ہو گیا ہے۔ پھر بکر کہتا ہے کہ میں وہاں مدرسہ سالانہ شروع کرتا ہوں بکر مذکور نے مدرسہ شروع کر دیا۔ پھر بکر مذکور نے اراضی مدرسہ وقف شدہ پر اہل محلہ اور گواہ کی شرط پر مکان تعمیر کرنے کی اجازت دی کہ آپ جب تک زندہ رہیں گے مکان آپ کی ملکیت و تصرف میں رہے گا۔ جب آپ مر جائیں گے تو مکان مدرسے کے ہوں گے۔ بکر نے یہ تصرف اس لیے کیا کہ میں اب واقف ہوں اور متولی ہوں۔ کیا بکر کے لیے یہ تصرف اراضی وقف شدہ پر شرط مذکور پر درست ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس طرح معاملہ کرنا تو اپنی مملوک زمین میں بھی ناجائز ہے تو وقف زمین پر بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔ کیونکہ یہ تو عاریت کسی طرح نہیں بن سکتا۔ کیونکہ واقف زمین کو رہائش کے لیے ان لوگوں کو مفت میں تو نہیں دے رہا ہے۔ بلکہ اس رہائش کے عوض ان لوگوں کی فوتگی کے بعد ان کی عمارتوں کو لینا چاہتا ہے[1]۔ لہٰذا اجارہ بنے گا۔ لانہ تملیک المنافع بعوض۔ اور چونکہ مدت اجارہ نیز مقدار اجرت دونوں مجہول ہیں، لہٰذا عقد اجارہ بھی درست نہ ہوگا بلکہ فاسد ہوگا[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) كما في العالمكيرية: أما تفسيرها شرعا فهي تمليك المنافع بغير عوض، كتاب العارية: الباب الأول في تفسيرها شرعا، ج ٤ ص ٣٦٣، رشيديه (كذا في الجوهرة النيرة) كتاب العارية، ج ٢ ص ٣٤٩، قديمي، كذا في مجمع الأنهر، كتاب العارية، ج ٣ ص ٤٧٣، المكتبة الغفاريه۔

(۲) كما في البحر الرائق: قال في المحيط: كل جهالة تفسد البيع تفسد الإجارة لأن الجهالة المتمكنة في البدل أو المبدل تفضي إلى المنازعة، وفي النهاية الفساد قد يكون لجهالة قدر العمل بأن لا يعين محل العمل وقد يكون لجهالة قدر المنفعة بأن لا يعين المدة وقد يكون لجهالة البدل أو المبدل، باب الإجارة الفاسدة، ج ٨ ص ٢٠، مكتبه الماجديه۔

كذا في الفتاوى البزازية، كتاب الإجارة، ج ٥ ص ١١١، رشيديه كوئٹه۔

كذا في تبيين الحقائق: باب الإجارة الفاسدة، ج ٦ ص ١٠١، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت۔

قبرستان کو مسجد میں شامل کرنا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے ہاں ایک مسجد منہدم ہوچکی ہے کثرت جماعت کی وجہ سے اگر مسجد کو قدرے بڑھایا جاتا ہے تو چند قبریں مسجد کے اندر احاطہ میں آجاتی ہیں۔ کیونکہ مسجد کے چاروں طرف قبرستان واقع ہوچکا ہے۔ اور اس گاؤں میں یہ صرف ایک ہی مسجد ہے۔ جس کی تعمیر میں جماعت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر کثرت جماعت کو مدنظر رکھا جاتا ہے تو یہ ضرورت سابق جگہ پر پوری نہیں ہوسکتی مسجد کے پلاٹ کے متصل ہی ایک اور پلاٹ ہے اگر وہاں مسجد از سرِ نو تعمیر کرائی جائے۔ تو ہماری یہ منشا پوری ہوسکتی ہے۔ اگر پہلے پلاٹ کو محفوظ رکھا جائے اور نئے پلاٹ میں مسجد تعمیر کرائی جائے تو یہ جائز ہوسکتا ہے۔ یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(ج)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قبرستان اگر مردوں کے دفنانے کے لیے وقف کیا گیا ہے تو پھر اس کو کسی وجہ سے بھی مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ مردوں کے دفنانے کے لیے ہی مختص ہوگا۔ **لان شرط الواقف كنص الشارع** [1] اور اگر وقف نہ ہو کسی کا مملوک ہو یا ارض موات ہو تو اگر ان قبروں پر اتنا عرصہ گزر گیا ہو کہ یہ گمان ہوتا ہو کہ مردے بالکل بوسیدہ ہوگئے ہوں گے۔ تو پھر ان قبروں کو ہموار کرکے مالک کی رضامندی سے بصورت مملوک ہونے کے ایسے ہی موات کی صورت میں مسجد کے احاطہ میں اسے شامل کرنا جائز ہے [2]۔ بصورت

---

۱) الدر المختار: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٣، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔
وفي الأشباه والنظائر: شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة، كتاب الوقف، ج ٢ ص ١٠٦، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٦٢، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) في عمدة القاري شرح صحيح البخاري، قال ابن القاسم رحمه الله تعالى، لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدا لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها الى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، ج ٤ ص ١٧٩، طبع ادارة الطباعة المنيرية دمشق۔
وفي الدر المختار: وان بقي من عظامهم شيء تنبش، وترفع الآثار، ويتخذ مسجداً لما روى أن مسجد النبي صلى الله عليه وسلم كان قبل مقبرة للمشركين، فنبشت، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت، ج ٢ ص ٢٣٤، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔ وكذا في العالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، ج ٢ ص ٤٦٩، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

ناممکن ہونے تو سیع مسجد ھذا کے بوجہ ضرورت اس دوسرے پلاٹ میں مسجد تعمیر کرانا جائز ہے۔ لیکن اس سابقہ مسجد کو مسجد ہی رکھا جائے۔ اسے کسی دوسرے کام میں استعمال نہ کیا جائے۔ اس کے گرد دیوار بنادی جائے اور کبھی کبھار اس میں نماز بھی پڑھ لی جائے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمٰی محمد رحمٰن متکلم نے ایک ملکیہ مکان مکمل وقف کردیا پھر قضاءً قاضی یعنی رجسٹری کردیا ہے پھر دفتر اوقاف سرکار میں دے دیا ہے بغرض انتظام اوقاف ابداً آباد بحکم سرکار —— کیا اس مکان کو واقف بیع، استبدال، ہبہ، رہن۔ یعنی کسی قسم کا انتقال کرسکتا ہے یا کوئی جابر یا قاہر یا حاکم کسی قسم کے انتقال کا دخل دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا ——

محمد رسید عبدالستار شاہ عطاءاللہ عنہ محلہ قدیم ملتان شہر

﴿ج﴾

وقف شدہ مکان کی نہ بیع، رہن جائز ہے اور نہ استبدال جائز ہے یعنی زمین وقف شدہ لے کر اس کے عوض میں دوسری زمین دے دی اگرچہ زیادہ دی جائز نہیں اور نہ ہبہ تملیک اس کا ہوسکتا ہے کوئی شخص اس میں ایسے تصرفات نہیں کرسکتا اگرچہ کتنا ہی جابر قاہر اور غالب اور حاکم ہو اور بادشاہ وقت ہو شرعاً وہ بھی یہ کام نہیں کرسکتا۔ اگر واقف نے شرط لگائی ہو کہ اس مکان موقوف کا استبدال کسی کا حق نہ ہوگا اور مکان موقوف قابل انتفاع ہو تو استبدال جائز نہیں کسی قسم کا تصرف مندرجہ بالا تصرفات میں سے صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

دو مسجدوں میں ایک امام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) دو بستیاں آباد ہیں اور دونوں میں دو مسجدیں ہیں۔ دونوں کا فاصلہ تقریباً تین مربع ہے۔ ایک جامع

---

(۱) في الدر المختار: ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتي، حاوي القدسي، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع رشيديه جديد كوئته۔ وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، ص ٤٥٨، طبع رشيديه كوئته بلوچستان۔

ہے اس مستقل صورت کے ذریعہ جیسی کہ مسجد کی ہوتی ہے۔ نماز ہو سکتی ہے۔

(۵) چونکہ بیٹھک کا رخ صحیح نہیں ہے کافی فرق ہے۔ تقریباً ۲۰ فٹ کا فرق ہے۔ بلا قصد یہ سمت قبلہ نمازیں بیٹھک میں پڑھی گئی ہیں۔ کیا ان نمازوں کا اعادہ لازمی اور ضروری ہے۔ اور اعادہ نہ کریں تو از روئے شریعت کچھ نقصان ہے؟

﴿ج﴾

(۱) تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مسجد کو آباد کرنے کی سعی و کوشش کریں۔ مسجد کو ترک کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے؟

(۲) اس مسجد میں اہل سنت کی نماز صحیح ہے۔ بلکہ ان کو لازم ہے کہ روافض کے قبضہ کو ختم کرا کر اپنا قبضہ کریں۔

(۳) بیٹھک سے قبل ہندو کی ملکیت جب طلب کی جائے گی جب حکومت ان کے املاک جو دار الحرب کا اعلان کرے لیکن حکومت تا حال اس کا اعلان نہیں کر سکی۔ بلکہ کافی مدت پنجاب میں تب تک اہل ہنود کے قدم و رخ ہیں۔ اور کسٹوڈین کا محکمہ اہل ہنود کے املاک کی حفاظت کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ وہ بیٹھک ہندو کی ملکیت ہے جس میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔ ایسی نماز کا ثواب نہیں ہوا کرتا ہے۔ بیٹھک کا رخ اگر بہت پھرا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ پیشانی کا کوئی حصہ بھی قبلہ کے مواجہت میں نہیں تو نماز بالکل نہیں ہوتی۔ البتہ اگر پیشانی کے کسی حصہ سے خط نکال کر قبلہ کی طرف کو لے جائیں اور وہ نکل جائے تو نماز ہو جائے گی اس میں وسعت ہے۔ واللہ اعلم۔

مفتی محمود عفا اللہ عنہ ۲۶ شوال

مسجد کی جگہ پر امام کا مکان بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:

(۱) ایک آدمی کو ایک دیہات کے لوگوں نے چندہ جمع کر کے دیا کہ ہمارا کام کرو اور اس پر جو خرچ ہو اس کے لیے یہ رقم ہے لیکن یہ معاملہ اس شرط پر ہوا کہ اگر یہ کام نہ ہوا تو ہم سب رقم واپس لے لیں گے۔ اور اگر کام ہو گیا تو کچھ بھی واپس نہ لیں گے۔ اگر اس رقم سے اخراجات کے بعد بچ گیا وہ بھی تیرا۔ اور اگر زائد ہوا تو وہ بھی تیرا ہی خرچ ہوگا۔ فریقین کی اس پر رضامندی ہوگئی۔ یہ شرط اس مجبوری کے تحت ہوئی کہ خیانت کے اعتراض کی وجہ سے اس رقم کا کوئی بھی نہیں رکھتا تھا۔ تو آخر اس بات پر معاملہ طے ہوا۔ اور یہ کام بھی حکومت کے محکمہ سے کرانے کا ہے۔ تو کیا یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ اور اگر ہو بھی گیا تو کیا وہ بچی ہوئی رقم رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر زائد خرچ ہو تو وہ لوگوں سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کسی اختلاف کی بنا پر ایک دیہات میں بالکل قریب قریب دو مسجدیں بنائی گئیں کہ ایک پرانی مسجد تھی۔ جس میں کئی سالوں سے نماز پڑھ رہے تھے۔ اور پھر اختلاف کی بناء پر قریب ہی نئی مسجد (یعنی مسجد اسی مسجد کی زمین پر بنائی گئی ہے) دوسرے فریق نے بنائی دوسری میں کئی ماہ نماز با جماعت ہوتی رہی۔ پھر اتفاق سے اس نئی مسجد کا محراب گرا کر دیوار کو برابر کر دیا گیا۔ تو اب یہ نئی مسجد کسی استعمال میں آ سکتی ہے۔ اس میں درس قرآن قائم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا وہ امام صاحب کا مکان بن سکتا ہے یا نہیں ویسے فی الحال دیہات والوں نے مستقل جگہ نہ ہونے کی وجہ سے پرائمری سکول عارضی طور پر قائم کر رکھا ہے۔ تو کیا عارضی طور پر پرائمری سکول درست ہے یا نہیں اگر اس میں مستقل پرائمری سکول قائم ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

(۱) یہ معاملہ شرعاً درست نہیں [۱]۔

(۲) یہ زمین تا یوم القیامہ مسجد ہی رہے گی۔ نئی مسجد کو اب گرانا یا اس میں پرائمری سکول قائم کرنا یا امام مسجد کے لیے مکان تعمیر کرنا کوئی امر بھی جائز نہیں۔ یہ حصہ اب مسجد ہی ہے اور اس مسجد کا بھی وہی حکم ہے جو دوسری مساجد کا ہے۔ لہٰذا یہاں سے پرائمری سکول کو فوراً منتقل کر دیں اور اس کے ساتھ مسجد کا سا برتاؤ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [۲]۔

نماز کی جگہ کو بدلنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اراضی واقع نقشبند کالونی ملتان میں ایک حصہ اراضی مالکان اراضی

---

۱) الاجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع لأنه بمنزلته، الهداية، ج ۳ ص باب الإجارة الفاسدة، ص ۳۰۳، طبع رحمانيه لاهور۔
(وتفسد) الإجارة (بجهالة المسمى) كله أو بعضه — (وبعدم التسمية) أصلاً أو بتسمية خمر أو خنزير، تنوير الأبصار وشرحه، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، ج ۶ ص ۴۸، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔ وكذا فی البناية: ج ۱۰ ص ۲۶۹، باب الإجارة الفاسدة، طبع دار الفكر بيروت لبنان۔

۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع ولا يبيعه ولا يورث عنه، الهداية، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۲۲، طبع رحمانيه لاهور۔
ولو خرب ما حول المسجد واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني، أبداً إلى قيام الساعة، (وبه يفتى) تنوير الأبصار وشرحه، كتاب الوقف، مطلب في ما خرب المسجد أو غيره، ج ۶ ص ۵۵۰، رشيديه جديد كوئٹه، رشيديه قديم، ج ۳ ص ۴۰۶۔
وبه علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد "البحر الرائق" كتاب الوقف، أحكام مسجد، ج ۵ ص ۴۲۳، رشيديه كوئٹه۔

سے عیسائیوں نے خرید کرلیا ہوا ہے اور اس کے اردگرد چاردیواری بنا کر اپنا مدرسہ سکول قائم کرلیا ہے۔ ایک مصلی اس اراضی میں عرصہ سے واقع ہے جو کہ غیر مسقف ہے اور جس پر صرف چار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مٹی کے ایک تھلہ کی صورت میں ہے۔ کیا اس مصلی کو اس جگہ سے ہٹا کر کسی دیگر جگہ پر بنایا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ مصلی مسجد نہیں ہے۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ جو زمین ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو جائے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہتی ہے۔ کسی اور ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج کرنا یا تبدیل کرنا جائز نہیں۔ قال فی شرح التنویر ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عندالامام والثانی ابدا الی قیام الساعة وبه یفتی ردالمحتار ج ۳ ص ۴۰۶ [1]

پس صورت مسئولہ میں اگر زمین کا یہ ٹکڑا (تھلہ) مالک زمین نے مسجد کے لیے وقف کردیا ہے اور مسجد کے نام سے معروف ہو پھر تو اس کا تبادلہ جائز نہیں [2]۔ اگر مسجد کے نام وقف نہیں اور عارضی طور پر ایک ٹکڑے کو نماز کے لیے مخصوص کردیا۔ مستقل مسجد نہیں۔ جیسا کہ عام طور پر لوگ گھروں میں نماز کے لیے کوئی جگہ مخصوص کرلیتے ہیں اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں کرتے۔ تو ایسی صورت میں اس کا تبادلہ درست ہے۔ تحقیق کرکے جو بھی صورت ہو اس کے مطابق عمل کیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [3]۔

مسجد کی زمین مسجد کے لیے اور مدرسہ کی زمین مدرسہ کے لیے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ تقریباً پچیس آدمیوں نے ایک قطعہ اراضی رہائشی

---

۱) رشیدیه قدیم کوئٹه، ج ۳ ص ۴۰۶، کتاب الوقف، مطلب فی ما خرب المسجد أو غیره، رشیدیه جدید کوئٹه، ج ۶ ص ۵۵۰، وکذا فی الهدایة، کتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۲۲، رحمانیه لاهور۔

۲) واعلم ان الاستبدال علی ثلاثة وجوه ـــ الثالث أن لا یشرطه ایضاً ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعاً ونفعاً وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار، رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، ج ۳ ص ۴۲۴، رشیدیه قدیم کوئٹه۔
وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ۵ ص ۲۰۶، طبع مکتبه ماجدیه کوئٹه۔
وکذا فی الفتاوی الکاملیة، کتاب الوقف، ص ۶۵، طبع مکتبه القدس کوئٹه۔

۳) رجل له ساحة لا بناء فیه أمر قوماً أن یصلوا فیها بجماعة ـــ وإن أمرهم بالصلوة شهراً أو سنة ثم مات یکون میراثاً عنه لأنه لا بد من التأبید والتوقیت ینافی التأبید، فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقایةً أو مقبرةً، ج ۳ ص ۴۵۵، رشیدیه کوئٹه۔ وکذا فی البحر الرائق: ج ۵ ص ۱۸۹۔

مکانوں کے لیے خریدا اور خریدتے وقت اتفاقاً ایک ٹکڑا مسجد کے لیے مقرر کر دیا یعنی وقف کر دیا۔ اب سے چار سال کے بعد ایک صاحب نے چار مرلے کا ایک پلاٹ مسجد کے ملحق مغربی جانب مسجد میں دے دیا۔ پھر تقریباً تین سال بعد اسی صاحب نے چار مرلے کا ایک پلاٹ برائے مدرسہ اسی مغربی جانب میں دے دیا یعنی وقف کر دیا کہ مسجد کے ساتھ ہی مدرسہ ہو اور اسی وقت ایک صاحب نے وقف کنندہ سے کہا کہ دوسری جانب والا پلاٹ دے دیں۔ لیکن وقف کنندہ نے کہا کہ اسی پلاٹ مغربی جانب والا دوں گا۔ اور وقف کنندہ نے کہا کہ مسجد اگلے حصہ میں بنا دیں۔ اور موخر حصہ میں مدرسہ بنا دیں۔ اب لوگوں میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں جو پہلے پلاٹ مسجد کے لیے وقف ہو گئی تھی۔ مسجد وہیں ہونی چاہیے اور جو بعد میں زمین ملی ہے۔ اس پر مسجد تعمیر نہ کی جائے۔ یعنی موقوفہ مدرسہ والے حصہ پر مسجد نہ ہونی چاہیے۔ اور زمین موقوفہ مسجد کے لیے بنیادیں تقریباً دو فٹ بھر دیں۔ از روئے شریعت جو حکم ہو صادر فرما کر مشکور فرما دیں۔

﴿ج﴾

وقف بنا بر قول مفتی بہ نفس قول و تحریر سے تمام ہو جاتا ہے[۱]۔ اور مسئلہ کتب معتبرہ میں واضح ہے۔ کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں خود واقف بھی اپنی شرط کے خلاف نہیں کر سکتا۔ پس صورت مسئولہ میں جو زمین مسجد کے لیے وقف کی گئی ہے۔ اس پر مدرسہ تعمیر کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[۲]۔

نوٹ: یہ جواب اس صورت میں ہے کہ وقف مدرسہ اور مسجد الگ الگ عمل کر کے متولیان مدرسہ و مسجد کے قبضہ میں اور تحویل میں دے دیا گیا ہو اور مسجد کے لیے یہ بھی ہے بر قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہ وہاں نماز بھی ادا کر لی گئی ہو۔ مگر صورت مسئولہ میں اگر یہ پلاٹ چاراوا مدرسہ اور مسجد کے لیے ہوئے تھے، کسی متولی کی تحویل میں نہیں دیے گئے تھے۔ اور بوقت تعمیر مناسب خیال کیا گیا کہ غربی جانب میں مسجد ہو اور شرقی حصہ میں مدرسہ ہو۔ کیونکہ

---

۱) ثم ان ابا یوسف یقول یصیر وقفاً بمجرد القول لانہ بمنزلۃ الاعتاق عندہ وعلیہ الفتوی، الفتاوی الکاملیۃ، کتاب الوقف، ص ۵۵، مکتبۃ القدسی، کوئٹہ، وکذا فی الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الوقف، ج ۲ ص ۱۲۱، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
وکذا فی البحر الرائق: ج ۵ ص ۱۹۹، کتاب الوقف، طبع ماجدیۃ کوئٹہ۔

۲) وصرحوا بان مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ رد المحتار، مطلب غرض الواقفین واجبۃ، ج ۶ ص ۶۸۳، رشیدیہ جدید کوئٹہ۔
"وشرط الواقف کنص الشارع" در مختار، مطلب مراعی شرط الواقف فی اجارتہ، ج ۶، ص ۶۸۳، رشیدیہ جدید کوئٹہ۔
وکذا فی الهندیۃ: کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایۃ الوقف، ج ۱ ص ۴۶۹، رشیدیہ کوئٹہ۔

مدرسہ کا مسجد کے ہر دو جانب ہونا یا بالمقابل ہونا بہ نسبت عقب میں واقع ہونے کے زیادہ موزوں ہے۔ اور اسی ارادہ سے اہلِ محلہ اور عوام المسلمین کے مشورہ سے غربی جانب تک مسجد کی بنیادیں رکھ لی گئی ہیں۔ اور وہ وقف تک پر ہو چکی ہیں۔ تو اس استعمال میں جو بروقت انتہا گنجائش ہے۔ ایک دو آدمیوں کے اختلاف کا اعتبار نہیں ہے۔ تاوقتیکہ اکثریت اہلِ محلہ کی اس رد و بدل کے مخالف نہ ہو۔ نیز اگر علماء کرام کو محل وقوع اور قیام مسجد کا معائنہ کرا دیا جائے اور ان کی رائے بعد از معائنہ معلوم کر لی جائے تو بہتر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (1)

حجروں کو گرا کر گیراج بنانا

سوال

ایک صاحب نے اپنی مملوکہ زمین میں ایک مکان مشتمل بر حجرہ جات وقف متعلق مسجد اور خانقاہ کے برائے رہائش مسافروں اور طلبہ نیز دیگر متعلقین خانقاہ اور اپنی اولاد کے کر دیا۔ وہ مکان موسوم سرائے کمال کاغذات سرکاری میں درج ہے۔ متولی اس کا جو وقف کا لڑکا ہے۔ بعض حجروں کو گرا کر موٹر گیراج اور رہائش کے کمرہ جات پختہ تعمیر کرکے اوپر ان کے مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کیا اس کو ان کو منہدم کرکے اوپر مسجد تعمیر کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ اور وہ مسجد مسجد کے حکم میں شرعاً ہوگی یا نہیں؟ دلائل کی روشنی میں اپنی تحقیق رائے سے مطلع فرما کر مشکور فرمادیں۔

الجواب

قال الشامی وفی الاسعاف لایجوز ان یفعل الا ماشرط وقت العقد وفیہ علی الخصم.

---

(1) (ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بقوله جعلته مسجداً عند الثانی، (وشرط محمد) والإمام (الصلاة فیه) بجماعة. (تنویر الأبصار مع شرحه، مطلب فی أحکام المسجد، ج ٦ ص ٥٤٦، رشیدیه جدید کوئٹه)

وقال محمد رحمه الله تعالی لا یزول (الملك) حتی یجعل للوقف ولیاً ویسلمه إلیه وعلیه الفتوی، کذا فی السراجیة. وبقول محمد رحمه الله تعالی یفتی، کذا فی الخلاصة: (هندیه، کتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥١، رشیدیه کوئٹه)

وعند محمد رحمه الله لا بد من التسلیم إلی المتولی والإفراز والتأبید ... وفی شرح المجمع أکثر فقهاء الأمصار أخذوا بقول محمد والفتوی علیه. (کتاب الوقف، ج ٥ ص ١٩٧، ماجدیه کوئٹه)

وأما المسجد فلأنه لا بد من التسلیم عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالی. والتسلیم فی المسجد أن یصلی فیه الجماعة بإذنه. (کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ٢ ص ٤٥٥، رشیدیه کوئٹه، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفین واجبة، ج ٣ ص ٤٦١، رشیدیه قدیم کوئٹه، رشیدیه جدید کوئٹه، ج ٦ ص ٦٨٣)۔

صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة ج ۳ ص ۳۶۳-الخ-[1] وفی الدرالمختار و شرط الواقف کنص الشارع ج ۳ ص ۴۵۶-الخ[2]-ان روایات سے معلوم ہوا کہ ان کوٹھہ جات پر واقف کے لڑکے کو مسجد تعمیر کرنے کا حق نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

جواب صحیح ہے۔ جو وقف جس کام کے لیے کیا گیا ہے۔ کسی متولی کو اس کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں۔ یہ حجرے چونکہ مہمانوں کی قیام گاہ یا اولاد کے استعمال کے لیے وقف ہیں۔ ان میں تصرف مندرجہ سوال درست نہیں۔ محمد شفیع ۱۱ رجب ۸۸ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۳ رجب ۸۸ھ

مسجد کے بدلے دوسری جگہ زمین دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو کہ برلب سڑک ہے اور کاغذات مالی میں ایک مرلہ مقبوضہ اہل اسلام بنام مسجد درج ہے۔ اور ۱۹۴۷ء سے پہلے سے قائم ہے اور کسی وقت سے عوام اس میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ مسجد کی چار دیواری اور تحلہ پکی اینٹوں کا ہے اور کوئی چھت وغیرہ نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس مسجد کو عوام الناس اور اہل محلہ کی مرضی کے خلاف منہدم کر کے اپنے ذاتی مفاد میں لانا چاہے اور اس کے عوض دوسری جگہ پر شارع عام سے ہٹ کر اسی قدر یا اس سے زائد زمین مسجد کے لیے دے تو کیا وہ شرعی طور پر ایسا کرسکتا ہے یا نہیں۔ فقط۔

﴿ج﴾

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی۔ کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو ذاتی مصرف میں لانا قطعاً جائز نہیں۔ اگر چہ اس کے عوض میں اور

---

۱) کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، ج ۳ ص ۴۵۶، رشیدیه قدیم کوئٹه۔ رشیدیه جدید کوئٹه، ج ۶ ص ۶۶۴۔

۲) کتاب الوقف، مطلب فی قولهم بشرط الواقف کنص الشارع: ص ۴۵۶/ ۳، رشیدیه قدیم کوئٹه، رشیدیه جدید کوئٹه، ص ۶/۶۶۴

وفی الفتاوی الکاملیة: قال فی الأشباه شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم شرط الواقف کنص الشارع أی فی وجوب العمل به، کتاب الوقف، مطلب فی وجوب اتباع شرط الواقف، ص ۵۹ مکتبة القدس کوئٹه۔ وکذا فی الفتاوی تنقیح الحامدية، کتاب الوقف، ج ۱ ص ۱۲۶، مکتبه حقانیه پشاور۔

جگہ زمین بھی دے۔ قال فی شرح التنویر ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجد عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعة وبه یفتی وفی الشامیة (قوله ولو خرب ماحوله) ای ولو مع بقائه عامرا و كذالو خرب وليس له مايعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد اخر (ردالمحتار ج۳ص۳۰۶)[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنازہ کے لیے وقف زمین کو ذاتی تصرف میں لانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے ۳۲ مرلے زمین جنازگاہ کے لیے وقف کی اور اس زمین پر ۳۲ سال جنازہ پڑھا جاتا رہا۔ اب وہ قطعہ زمین کسی اور آدمی کے نام آ گیا ہے بوجہ اشتمال اراضی کے اب آیا وہ شخص اس جنازہ گاہ کی زمین کو استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں اور جنازہ گاہ کی چاردیواری پہلے ہوئی ہے اور دروازہ بھی لگا ہوا ہے اور نماز وغیرہ وہاں نہیں پڑھتے۔ صرف جنازہ پڑھتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایک دفعہ جب یہ زمین جنازگاہ کے لیے وقف کردی گئی اور اس میں کافی عرصے جنازہ کی نماز پڑھی گئی ہے اور اس کا وقف صحیح ہو چکا ہے۔ تب یہ زمین ہمیشہ کے لیے جنازگاہ رہے گی۔ اس کے وقف کو باطل کرنا یا تبدیل کرنا یا اشتمال اراضی کی وجہ سے کسی کی ملک میں دینا کسی طرح صحیح نہیں۔ لان شرط الواقف كنص الشارع۔ نیز اس کو گرا کر اس کی اینٹیں وغیرہ دوسری جگہ خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ جنازگاہ اب بھی جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے استعمال میں لائی جا سکتی ہے۔ اور اس سے استغنا واقع نہیں ہو چکا ہے۔ کما قال فی الدر المختار مع شرحه (ردالمحتار ج۳ص۳۹۲)[2] (وعندهما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من احب) ولو غنيا فيلزم فلايجوز له ابطاله ولايورث عنه وعليه الفتوى ابن الكمال وابن الشحنة وقال الشامي تحت

---

۱) كتاب الوقف، مطلب في ما اذا خرب المسجد، رشيديه قديم كوئٹه، ورشيديه جديد كوئٹه، ج ٦ ص ٥٥٠۔ وكذا في الهداية: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢٢، رحمانيه لاهور۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، مكتبه ماجديه كوئٹه۔

۲) كتاب الوقف، ج ٣ ص ٣٩٢، رشيديه قديم كوئٹه۔
وكذا في الفتاوى الكاملية، كتاب الوقف، ص ٥٥، مكتبة القدس كوئٹه۔
وكذا في الهندية، كتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٢، رشيديه كوئٹه۔

قوله (وعليه الفتوى) اى على قولهما بلزومه قال في الفتح والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لان الاحاديث والآثار متظافرة على ذلك واستمر عمل الصحابة والتابعين ومن بعدهم على ذلك فلذا ترجح خلاف قوله اه ملخصاً۔

وايضاً قال في الشامية قال شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية وله ان يخص صنفا من الفقراء ولو كان الوضع في كلهم قربة (رد المحتار ج ۳ ص ۴۹۵)[۱] وقال في التنوير اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه وان اختلف احدهما لا (رد المحتار ج ۳ ص ۵۰۸)[۲] معلوم ہوا کہ شرط واقف کے خلاف کرنا اور جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں خود واقف بھی اپنی شرط کے خلاف نہیں کر سکتا۔ کما فی شرح التنویر وقف ضيعة على الفقراء ثم قال لوليه اعط من غلتها فلانا كذا وفلانا كذا لم يصح لخروجه عن ملكه بالتسجيل [۳] (رد المحتار) اسی طرح حاکم بھی بیت المال کے وقف میں تبدیلی جہت کا اختیار نہیں رکھتا۔ قال في شرح التنوير ان السلطان يجوز له مخالفة الشرط (الى ان قال) وان غاير شرط الواقف لان اصلها لبيت المال وقال في الشامية قلت والمراد من عدم مراعاة شرطها ان للامام او

---

(۱) كتاب الوقف، مطلب شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع، ج ۳ ص ۴۹۵، رشیدیہ قدیم کوئٹہ، رشیدیہ جدید ج ۶ ص ۵۲۶، کوئٹہ۔
وفي فتح القدير: قولهم شرط الواقف معتبر اذا لم تخالف الشرع ... الخ كتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۶۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) كتاب الوقف، ج ۳ ص ۵۰۸، رشیدیہ قدیم کوئٹہ، رشیدیہ جدید کوئٹہ، ج ۶ ص ۶۵۳، مطلب في انقاض المسجد ونحوه، وكذا في الشامي كتاب الوقف، مطلب في زيادة القاضي في معلوم الإمام، ج ۳ ص ۴۰۸، رشیدیہ قدیم کوئٹہ، رشیدیہ جدید کوئٹہ، ج ۶ ص ۶۶۹۔

(۳) كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد او غيره، ج ۶ ص ۵۵۱، رشیدیہ جدید کوئٹہ۔
وكذا في امداد الفتاوى، ج ۲ ص ۵۹۶، مكتبہ دار العلوم كراچی۔
لأن شرط الواقف كنص الشارع (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب شرط الواقف كنص الشارع) ج ۳ ص ۴۳۵، رشیدیہ قدیم کوئٹہ، رشیدیہ جدید کوئٹہ ج ۶ ص ۶۴۴۔
كذا في الفتاوى الكاملية، كتاب الوقف، ص ۶۵، مكتبة العصر كوئٹہ۔

نائبه ان يزيد فيها وينقص ونحو ذلك وليس المراد انه يصرفها عن الجهة المعينة۔ الخ (ردالمحتار ج ۳ ص ۴۵۹) [1] حاصل یہ کہ جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا جو زمین جنازگاہ کے لیے وقف ہوئی ہے اس کو تبدیل کر کے کسی کی ملک میں دینا اور استعمال کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عیدگاہ کی زمین پر مدرسہ بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص عیدگاہ کے لیے زمین وقف کر کے قبضہ کرا کر فوت ہو گیا بعد ازاں اہل اسلام کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس عیدگاہ کے احاطہ کے اندر کی جانب مدرسہ تعلیم القرآن کے لیے دو تین حجرے معلم قرآن اور متعلمین قرآن کی رہائش اور درس گاہ کے لیے بنا لیے جائیں۔ نماز عید کے بعد قبضہ بقیہ مقبوضہ زمین عیدگاہ کی کافی ہے تو کیا اہل اسلام وقف کنندہ کی فوتگی کے بعد جو فقط عیدگاہ کے لیے وقف کر گیا اور قبضہ دے گیا ہے۔ اس کے وارثوں کی اجازت سے یا بلا اجازت ان کے اس احاطہ عیدگاہ میں مدرسہ تعلیم القرآن یا مدرسہ کتب عربیہ کے لیے حجرے بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جو احاطہ عیدگاہ کے لیے وقف کیا جا چکا ہے اس میں مدرسہ کے لیے حجرے اور درس گاہیں بنانا ناجائز ہے۔ لان شرط الواقف كنص الشارع۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۰۴ پر اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا ہے۔ ''جو قبرستان وقف قبور کے واسطے ہوا ہے اس میں مکان یا مسجد بنانا درست نہیں کہ وہ سب زمین قبور کے واسطے وقف ہوئی ہے۔ خلاف شرط واقف کے کوئی تصرف درست نہیں۔

---

(۱) شامی رشيديه قديم كوئٹه، مطلب للسلطان مخالفة شرط اذا كان الوقف من بيت المال، ج ۳ ص ۴۵۹، رشيديه جديد كوئٹه، ج ٦ ص ٦٧٠۔

وفي الهندية: فإن كان الواقف شرط ان لا يؤاجر أكثر من سنة والناس لا يرغبون في استجارها سنة وكانت اجارتها أكثر من سنة —— فليس للقيم أن يخالف شرطه، ج ۲ ص ۴۱۹، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، رشيديه كوئٹه۔

وفي الخانية على هامش الهندية: لو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له أن يبيعها ويستبدل بها —— الخ كتاب الوقف، فصل في مسائل الشرط في الوقف، ج ۳ ص ۳۰۷، رشيديه كوئٹه۔

كذا في العالمگيرية. فقط واللہ تعالیٰ اعلم[1]...... اسی طرح احسن الفتاویٰ ص ۴۸۲[2]. پر مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ" بندہ نے صورت مسئولہ میں بار بار غور کیا۔ مگر سمجھ میں یہی آ رہا ہے کہ عیدگاہ کی زمین پر مدرسہ بنانا جائز نہیں۔ ہر چند سوچنے کے باوجود مجوزین حضرات کے خیال کی بنا سمجھ نہیں آئی۔ اگر آپ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ کے افتاء کے دلائل تحریر فرما دیتے تو اس پر کچھ غور کر سکتا۔ بہرکیف مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہے۔ جس میں ذرا برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا جو امور موجب خلجان ہو سکتے ہیں۔ اشارۃً جواب ان کی تنقیح بھی کر دی گئی ہے۔

قال في الشامية فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية وله ان يخص صنفا من الفقراء ولو كان...... الوضع في كلهم قربة (رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۵)[3] الخ۔ یہ مفصل فتویٰ ہے احسن الفتاویٰ میں اگر شوق ہو تو ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ اگر کسی نے زمین کو مسجد کے لیے وقف کیا تو پھر واقف یا غیر واقف اس جگہ میں مدرسہ بنا سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کو کسی اور مصرف میں لانا درست نہیں[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) عالمگیریات، رشیدیہ مع فتاوی رشیدیہ، ص ۴۳۶، وقف کے مسائل، طبع ادارہ اسلامیات لاہور۔

۲) احسن الفتاوی، ج ۶ ص ۴۴۳، كتاب الوقف، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) رد المحتار: ج ۳ ص ۳۹۵، كتاب الوقف، مطلب شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع، رشيديه قديم كوئٹه، رشيديه جديد كوئٹه، ج ۶ ص ۵۲۶۔

وكذا في الشامي: كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، ج ۳ ص ۴۹۷، رشيديه قديم كوئٹه، رشيديه جديد كوئٹه، ج ۶ ص ۷۶۰۔

وكذا في الفتاوى الكاملية: كتاب الوقف، ص ۹۰، مكتبة القدس كوئٹه۔

۴) تقدم تخريجه في السوال السابق۔

مسجد یا مصلّٰی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک چاردیواری جو کہ ۲۲ فٹ لمبی اور اٹھارہ فٹ چوڑی اور تین فٹ اونچی پکی دیوار جو کہ موسوم مسجد ہے۔ کیا شرع کے نزدیک یہ مصلّٰی شمار ہوگا یا مسجد اور اس کو اس جگہ سے ہٹانا اور گرانا جائز ہے یا کہ نہیں؟ اگر جائز نہیں تو گرانے والوں پر شرعاً کیا جرم ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر اس جگہ کو نماز کے لیے متعین کرتے وقت واقف کی نیت اس میں مسجد بنانے کی تھی تو پھر یہ جگہ مسجد ہوگی ہے۔ اب اس جگہ سے مسجد کو ہٹانا جائز نہیں ہوگا اور نہ تبدیل کرنا درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

کنویں کی جگہ مسجد کے لیے مکان بنوانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے ساتھ کنواں تھا جس کو لوگوں نے مٹی کوڑا ڈال کر بھر دیا تھا حتیٰ کہ یہ ہونے لگا کہ لوگ مٹی وغیرہ ڈالنے لگے تو نمازیوں کو بدبو آتی تھی تو انہوں نے اس جگہ پر دکان بنادی ہے جس کی آمدنی مسجد کو دی جاوے گی انہوں نے یہ دکان اس بنا پر بنائی تھی کہ یہ کنواں یا تو مسجد کا ہے کیونکہ مسجد بھی پرانی ہے اور کنواں بھی پرانا ہے اور پہلے زمانہ میں اور کوئی انتظام نہ ہوتا تھا نلکے وغیرہ کا اب وہاں مسجد میں نلکا بھی ہے اور ساتھ سرکاری نلکا بھی ہے۔ تو اب ضرورت باقی نہیں ہے۔ اب دکان بنانے کے بعد وہ کنواں جس کے دکان کے قریب ہے وہ کہتا ہے کہ یہ کنواں مسجد کا نہیں ہے بلکہ عام لوگوں کے نفع کے لیے ہے۔ تو جب یہ کنواں ہے تو کنواں ہی رہنے دو۔ مگر حالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں یا مسجد کا ہے یا عام انتفاع کے لیے تھا۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے کہ ان کے بڑوں نے کنواں اور مسجد بنائی تھی۔ اب اس کا مفصل حکم بیان فرمادیں کہ اس کنویں پر دکان رہ سکتی ہے یا نہیں۔

---

۱) (ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجد عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة (وبه يفتى) حاوى قدسى، وقال الشامي: تحته فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر ---- الخ، تنوير الأبصار مع شرحه، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥١، رشيديه جديد كوئته۔ وكذا في الفقه الإسلامي: كتاب الوقف الفصل الثامن، استبدال الوقف وبيعه حالة الخراب، ج ١٠ ص ٧٦٧٣، مكتبه دار الفكر بيروت۔ وكذا في الفقه الحنفي وأدلته، كتاب الوقف، وقف المسجد، ج ٣ ص ١٤٤، دار الكلم الطيب بيروت۔

(۳) اس ۲۵ سال کے عرصہ میں عیدگاہ کی عمارت بالکل محفوظ رہی ہے اور ابھی اس کے سامان کے ضیاع کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیا پھر بھی خوفِ ضیاع کا بہانہ ڈھونڈ کر گرانا جائز ہے؟

(۴) باشندگان ہاجرہ اور شرکاء چاہنے والا اور خصوصاً مولوی نصیر الدین بھی سابقہ عیدگاہ گرانے پر راضی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے دستخط ثبت کیے گئے ہیں۔

(۵) باشندگان ہاجرہ میں سے اگر کوئی شخص سابقہ عیدگاہ کو مدرسہ کی صورت میں آباد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے؟

ہم واقعی عیدگاہ گرانے پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں اور عیدگاہ کی بقاء کے خواہش مند ہیں۔

محمد قاسم۔ نصیر الدین۔ غلام قادر۔ محمد عبدالعزیز

﴿الجواب﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایک دفعہ جب یہ زمین عیدگاہ کے لیے وقف کر دی گئی اور اس میں کافی عرصہ عید کی نماز پڑھی گئی ہے اور اس کا وقف صحیح ہو چکا ہے۔ تب یہ زمین ہمیشہ کے لیے عیدگاہ رہے گی۔ اس کے وقف کو باطل کرنا یا اس کی بیع کرنا یا تبدیل کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ نیز اس کو گرانا اس کی اینٹیں وغیرہ دوسری جگہ خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عیدگاہ اب بھی عید کی نماز پڑھنے کے لیے استعمال میں لائی جا سکتی ہے۔ اور اس سے بالکلیہ استغناء واقع نہیں ہو چکا۔

كما قال في الدر المختار مع شرحه رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۲ [1] (وعندهما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من احب) ولو غنيا فيلزم فلايجوز له ابطاله ولا يورث عنه وعليه الفتوى ابن الكمال وابن الشحنة. وقال الشامي تحته (قوله و

---

(۱) رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب لو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز، ج ۴ ص ۳۹۲، رشيديه قديم كوئٹه، رشيديه جديد كوئٹه، ج ٦ ص ۵۱۸-۵۱۹۔

كذا في فتح القدير، كتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۱۹، رشيديه كوئٹه۔

وكذا في الفتاوى الكاملية: كتاب الوقف، ص ۵۵، مكتبه القدس كوئٹه۔

ويزول ملكه عن المسجد والمصلى، قال العلامة ابن عابدين تحته: قوله (والمصلى) شمل مصلى الجنازة والعيد قال بعضهم يكون مسجداً حتى اذا مات لا يورث عنه، تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب اذا وقف كل نصف على جهة صارا وقفين، ج ٦ ص ۵۴۶، رشيديه جديد كوئٹه۔ وكذا في الخانية على هامش الهندية: كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو حانوتاً، ج ۳ ص ۲۹۱، رشيديه كوئٹه۔

عليه الفتوى) اى على قولهما يلزمه قال في الفتح والحق ترجيح قول عامة العلماء بلزومه لان الاحاديث والآثار متظاهرة على ذالك واستمر عمل الصحابة والتابعين ومن بعدهم على ذلك فلذا ترجح خلاف قوله اه ملخصا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ایک عیدگاہ کا سامان دوسری عیدگاہ پر لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ قصبہ ماہڑہ میں قریبی کنویں پر ایک عیدگاہ بنائی گئی تھی۔ اور کافی عرصہ تک اس میں نماز عید پڑھی جاتی رہی ہے۔ اب اشتمال اراضی میں عیدگاہ کی زمین تقریباً دو بیگھ قصبہ کے غربی جانب دی گئی ہے پہلے عیدگاہ ایک کنال میں تھی جو بہت تنگ تھی کنویں والے بھائی وال بھی وہاں پر عیدگاہ نہیں چاہتے۔ دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ کیا سابقہ عیدگاہ کا سامان از قسم اینٹیں وغیرہ اٹھا کر جدید عیدگاہ میں منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور سابقہ عیدگاہ جو اب اشتمال کے ذریعے دوسری اراضی میں شامل کر دی گئی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جو قطع اراضی ایک دفعہ عیدگاہ بن گئی ہے اور مالک اس کو عید کی نماز کے لیے وقف کر گیا ہے۔ اور اس میں عید کی نماز متعدد بار پڑھی جا چکی ہے۔ تو وہ عیدگاہ ہی رہے گی۔ اور وقف شمار ہوگی۔ یہ شرعاً کسی دوسرے شخص کی ملک میں نہیں آ سکتی۔ لہٰذا اس قدیمی عیدگاہ کے سامان از قسم خشت وغیرہ نقل کرنا اور اس سے دوسری عیدگاہ کا تعمیر کرنا درست نہ ہوگا[1]۔ ہاں اگر وہاں کے مسلمان اس عیدگاہ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اور دوسرے لوگ اس پر قابض بن گئے ہیں جن کی وجہ سے اس کے سازوسامان اینٹوں وغیرہ کے ضیاع کا قوی اندیشہ ہے تب اس ضرورت شدیدہ کی بنا پر اس کے سامان کو نقل کرنا درست ہوگا۔

لیکن زمین پھر بھی بحکم عیدگاہ موقوف ہوگی[2]۔ کما قال في الدر المختار على هامش رد المحتار

---

۱) كما تقدم تخريجه في السؤال السابق۔

۲) رد المحتار: مطلب شروط الوقف على قولهما، ج ۳ ص ۳۹۹، رشيديه قديم كوئٹه، رشيديه جديد، ۶ ص ۵۳۴۔ وفي البحر الرائق: ولا يتم حتى يقبض ويفرز ويجعل آخره لجهة لا تنقطع، كتاب الوقف، ج ۵ ص ۱۹۶، مكتبه ماجديه كوئٹه۔

وكذا في الهداية، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۱۷، مكتبه رحمانيه لاهور۔

ج ۳ ص ۳۹۹ (ولا يتم) الوقف (حتى يقبض) لم يقل للمتولي لان تسليم كل شيء بما يليق به ففي المسجد بالافراز وفي غيره بنصب المتولي و بتسليمه اياه ابن كمال. وفي الشامية ج ۳ ص ۴۰۷[1] والذي ينبغي متابعة المشائخ المذكورين في جواز النقل بلافرق بين مسجد او حوض الخ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے حصے کو شارع عام میں شامل کرنا

(س)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں صورت کہ ایک مسجد جس کے احاطہ کی مشرقی دیوار شارع عام پر ہے اور شارع عام بھی وہ ہے جس سے بوجھ اٹھانے والے جانور گزارنے پڑتے ہیں۔ برائے نقل وحمل جانوروں کے گزرنے سے مسجد کے احاطہ کی دیوار کی اینٹیں اکثر گرتی رہتی ہیں۔ کیونکہ شارع عام کی شرقی دیوار پر ایک زبردست بڑی پختہ عمارت جو کہ مسجد سے بھی پہلے کی ہے۔ جس کے چار پانچ مکان متصل شمال وجنوب میں ہیں اور ان مکانوں کے آگے صفہ بھی اسی وقت کا بنا ہوا ہے وہ بھی پختہ ہے۔ تو عمارت کو مشرق کی طرف قائم کرنا بعد مشکل ہے۔ اگر مسجد کی دیوار کی بے حرمتی دیکھی جائے تو بھی مصیبت ہے۔

نیز یہ کہ مسجد والوں کا خیال ہے کہ شارع عام بہت تنگ ہے اور مسجد کی بھی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ مسجد کے احاطہ کی دیوار کو ایک فٹ اندر پاپوش اتارنے کی جگہ پر قائم کیا جائے اور جنوب سے زیادہ مقدار زمین دے کر بڑھا لیا جائے۔ تاکہ شارع عام بھی کھل کر فراخ ہو جائے اور مسجد بھی بے حرمتی سے بچ جائے۔ آیا زیادہ مقدار زمین ایک طرف مسجد کو دے کر دوسری جانب جو کہ شارع عام سے ہے اس کو گرا دیا جائے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) رد المحتار: مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه، ج ۳ ص ۴۰۷، رشيديه قديم كوئته، رشيديه جديد، ج ٦ ص ٥٥٢۔

وفي التاتار خانيه: وفي فتاوى النسفي، سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية افترقوا وتداعى مسجد القرية الى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلونها الى ديارهم هل لواحد من أهل القرية أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه الى بعض المساجد أو الى هذا المسجد؟ قال نعم ——— وحكي أنه وقع مثل هذه الواقعة ——— قيل هل يجوز صرفها الى رباط آخر فينتفع الناس به؟ قال نعم كتاب الوقف، صرف الغلة الى وجوه أخر، ج ٥ ص ٨٧٨، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

وكذا في الفقه الإسلامي، كتاب الوقف، الفصل الثامن استبدال الوقف وبيعه حالة الخراب، ج ١٠ ص ٧٦٧٢، مكتبه دار الفكر بيروت۔

وكذا في الفتاوى الكاملية: مطلب اذا خرب المسجد وما حوله صرفت أوقافه الى مسجد آخر ص ٦١، مكتبة القدس كوئته۔

﴿ج﴾

مسجد کے کچھ حصہ کو بوقت ضرورت شدیدہ راستہ شارع عام میں شامل کرنے میں اختلاف ہے۔ قال الشامی فی رد المحتار عن فتاوی ابی اللیث وان اراد اہل المحلۃ ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لہم ذلک وانہ صحیح ثم نقل عن العتابیۃ عن خواہر زادہ اذا کان الطریق ضیقا "والمسجد واسعا" لا یحتاجون الی بعضہ تجوز الزیادۃ فی الطریق من المسجد لان کلہا للعامۃ اھ والمتون علی الثانی فکان ہو المعتمد۔ شامی ج ۳ ص ۴۴۰(۱)۔

لہٰذا بوقت ضرورت جواز کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کو قول معتمد بھی کہا گیا ہے۔ لیکن بہرحال خلاف سے بچنے کے لیے اولیٰ یہی ہے کہ فقط جوتوں کی جگہ جو مسجد کا جزو یقیناً نہیں ہے۔ راستہ عام میں شامل کر لیا جاوے اور پھر مسجد کو تنگ نہ کیا جاوے اور جوتوں کے لیے اور جگہ کو مسجد میں نہ بنایا جاوے بلکہ جتنا حصہ کو زمین زائد جو شامل کرائی جاوے اس میں اگر صورت ہو سکے تو جوتوں کی جگہ بنا کر کام چلایا جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ خادم الافتاء مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان ۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

بیٹے کو وقف شدہ کمرہ لینے کا حق نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نے کچھ مرلہ زمین مسجد کے لیے وقف کر کے اس پر مسجد بنائی۔ پھر مسجد کی ضرورت کے لیے اپنی زمین میں مسجد کے ساتھ لوگوں کے چندہ سے ایک کمرہ بنایا تاکہ اس میں امام مسجد وغیرہ رہیں تاکہ مسجد کی ضرورت پوری ہو اور یہ کمرہ اس نے مسجد کے حوالہ کر دیا جو کہ تقریباً ۱۲/۱۳ سال سے مسجد کے قبضہ میں ہے۔ اور اس کے گواہ موجود ہیں۔ لیکن اس نے کوئی کاغذی کارروائی نہیں کی۔ ...

---

(۱) رد المحتار، مطلب فی جعل شیء من المسجد طریقا، ج ۳ ص ۴۴۰، رشیدیہ قدیم کوئٹہ، رشیدیہ جدید کوئٹہ، ج ۶ ص ۵۸۰۔

وفی الفتاوی الکاملیۃ: وکذا عکسہ لو ضاق الطریق والمسجد واسع لا یحتاج لزیادۃ اتساعہ یجعل منہ جزء بسعۃ الطریق نظرا للعامۃ بما ہو لہم۔ کتاب الوقف، مطلب ما یتعلق المسجد وما جاورہ أرض تؤخذ کرہا، فیستہا، ص ۶۳، مکتبۃ القدس کوئٹہ۔

وفی التاتارخانیۃ: وفی الفتاوی العتابیۃ: قال الشیخ الإمام خواہر زادہ: اذا کان الطریق ضیقا والمسجد واسعا لا یحتاجون الی بعضہ تجوز الزیادۃ فی الطریق من المسجد لأن کلہا للعامۃ۔ کتاب الوقف، أحکام المسجد، ج ۵ ص ۸۴۲، ادارۃ القرآن والعلوم الإسلامیۃ کراچی۔

(۲) جس چاردیواری کو ایک دفعہ وقف کر کے مسجد بنا چکا ہے[1] اور اس میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے چکا ہے وہ ہمیشہ کے لیے مسجد کہلائے گی۔ اس پر کھیتی باڑی کرنا یا کسی اور غرض کے لیے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر اس جگہ کو باقاعدہ مسجد نہیں بنایا ہے۔ بلکہ اپنی نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ متعین کی تھی صاف و پاک رکھا کرتا تھا۔ جیسے کہ عورتیں عموماً گھروں میں نماز پڑھنے کے لیے تحفہ کی شکل کی مسجدیں بناتی ہیں تو اس جگہ پر کھیتی باڑی وغیرہ کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبد اللطیف غفر لہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۲ شوال ۱۳۸۶ھ

عید گاہ کی زمین میں مسجد کی توسیع

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) ایک مسجد کی عمارت تقریباً پچاس برس کی ہے یا اوپر ہوگی۔ اس مسجد شریف کے اندر کی لمبائی ۳۱ فٹ اور چوڑائی ۱۲ فٹ اور اس کی نو دیوار ہے۔ اس کی چوڑائی ۲ فٹ۔ اس کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ اگر اس کو دائیں ہاتھ لمبا یا مشرق کی طرف چوڑا بڑھائیں تو دونوں طرف بڑھ سکتی ہے۔ مگر اس مسجد کو شہید کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس مسجد شریف کے محراب کے پیچھے ۱۲ فٹ چھوڑ کر نئی چاردیواری تیار کر رہے ہیں جو اس مسجد کے پہلے دن کے خدمت گزار متولی ہیں۔ وہ شہید کرنا نہیں چاہتے تو کیا عند الشریعت اس مسجد شریف کو شہید کر کے صحن بنانا اور چاردیواری نئی تیار کر کے نماز گزارنا عند الشریعت جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو دلیل جو حضور انور ﷺ کا فرمان عالی یا صحابہ یا تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین کے حکم کے مطابق ہو، واضح فرما کر ثواب دارین حاصل فرماویں۔

(۲) دوسری غرض یہ ہے کہ جہاں نئی مسجد شریف تیار کر رہے ہیں۔ تو وہ عید گاہ ہے اس میں سایہ کے لیے گئی

---

۱) ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع ولا يبيعه ولا يورث عنه، الهداية كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۲۲، مكتبه رحمانيه لاهور۔

تنوير الأبصار مع شرحه: (ولو خرب ما حول المسجد واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى۔

كتاب الوقف، مطلب في ما خرب المسجد وغيره، ج ٦ ص ٥٥٠، رشيديه جديد كوئته، لما في البحر الرائق: وبه علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد، كتاب الوقف، أحكام مسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، مكتبه رشيديه كوئته۔

درخت سایہ دار ہیں۔ ان کو بھی کٹوانا چاہتے ہیں۔ جو متولی ہے وہ کہتا ہے کہ مسجد شریف کو شہید کرنا یا درختوں کو کاٹنا اور عیدگاہ کے صحن کو مٹانا ٹھیک نہیں ہے، بلکہ قتل کرنا درست ہے۔ پس توڑنا یا مسجد کو شہید کر کے صحن بنانا یہ درست ہے یا نہیں؟ تو اگر شریعت میں ان کے لیے اس کام پر کوئی وعید ہو تو واضح فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾

(۱) عیدگاہ کی زمین میں مسجد بنانا جائز نہیں۔ شرط الواقف كنص الشارع لہٰذا عیدگاہ کی زمین میں اس مسجد کی توسیع نہ کی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

واضح رہے کہ جو قطعہ اراضی مسجد کے لیے وقف ہے۔ اور مسجد کے کام میں وہ زمین آ سکتی ہے اس کے عوض دوسری زمین بدل کر لینے کی کس طرح جائز ہے نہ واقف کو نہ عوام مسلمانوں کو اور نہ حاکم کو اس کے تبدیل کرنے کا کوئی حق حاصل ہے جب یہ زمین کا قطعہ مسجد کے لیے وقف ہو چکا ہے اور مسجد کے کام آ سکتا ہے تو اس کو بیچنا یا ہبہ کرنا یا کسی کو دے دینا بدلنا وغیرہ شرعاً ہرگز جائز نہیں۔

كما قال في تنوير الابصار مع شرحه رد المحتار ج ۳ ص ۴۰۲[2] (فاذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن ولا يقسم) وقال الشامي[3] ج ۱ ص ۴۲۴ (قوله وجاز شرط الاستبدال به) اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه الاول ان يشرطه الواقف لنفسه او لغيره او لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا والثاني ان لا يشرطه سواء شرط عدمه او سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بان لا يحصل منه شيء اصلا او لا يفي بمؤنته فهو ايضا جائز على الاصح اذا كان باذن القاضي ورأيه المصلحة فيه والثالث ان لا يشرطه ايضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار الخ. وفي البحر ج ۵ ص ۲۰۲[4] (في

---

۱) الدر المختار: كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ۳ ص ۴۰۱، مكتبه رشيديه جديده كوئته، وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، ج ۲ ص ۴۱۹، مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا في الفتاوى الكاملية، مطلب في العمل بشرط الوقف، ص ۶۵، مكتبة القدس كوئته۔
۲) الدر المختار مع رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب في شرط واقف الكتب أن لا تعار الا برهن، ج ۶ ص ۴۴۰، طبع رشيديه جديد كوئته۔
۳) الدر المختار مع رد المحتار: مطلب في استبدال الوقف وشروطه، ج ۴ ص ۴۲۴، مكتبه رشيديه قديم كوئته۔
۴) في البحر الرائق: كتاب الوقف، ص ۳۴۴، ج ۵ / ۳۴۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

الخلاصة وفي فتاوى النسفي بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز وإن كان بأمر القاضي وإن خربا فأما بيع النقض فيصح[1] (إلى آخر ما حقق وفصل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبریں گرا کر مکان بنانا

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام کہ ایک قبرستان کی زمین جس پر قبریں موجود ہیں اس کا بیچنا اور قبریں گرا کر مکان یا دکان بنانا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں۔ مہربانی فرما کر بالدلائل فتویٰ صادر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ واضح رہے کہ اگر قبرستان کی زمین مردوں کے دفنانے کے لیے وقف شدہ ہے تب تو اس کا بیچنا، اس پر مکان یا دکان بنانا نیز اس زمین کو سوائے مردوں کے دفنانے کے کسی دوسری غرض کے لیے استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ مشہور قاعدہ ہے۔ شرط الواقف کنص الشارع[2]۔ اور اگر کسی کی مملوکہ زمین ہے اور وقف شدہ نہیں ہے تب اگر مردے بہت قدیم ہوں اور گمان غالب ہو کہ یہ مٹی بن گئے ہوں گے، ان کا گوشت پوست اور ہڈی سب کچھ خاک بن گیا ہوگا تب تو مالک زمین اس کو بیچ بھی سکتا ہے اور ان قبروں کو ہموار کر کے اس پر مکان اور دکان وغیرہ بنا سکتا ہے[3] اور اگر مردے اتنے قدیم نہ ہوں تب

---

(۱) كما في الخلاصة الفتاوى: كتاب الوقف، جنس آخر إذا خرب المسجد، ج ٤ ص ٤٢٥، مكتبة رشيدية كوئٹہ۔ كذا في الخانية على هامش الهندية: (كتاب الوقف، فصل في مسائل شرط في الوقف) ج ٣ ص ٣٠٧، مكتبة رشيدية كوئٹہ۔

(۲) الدر المختار: كتاب الوقف، فصل في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ٣ ص ٤٥١، مكتبة رشيدية كوئٹہ۔ وكذا في الهندية: فإن كان الواقف شرط أن لا يؤاجر أكثر من سنة والناس لا يرغبون في استئجارها سنة وكانت إجارتها أكثر من سنة أدر على الوقف وأنفع للفقراء فليس للقيم أن يخالف شرطه ويؤاجرها أكثر من سنة، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، ج ٢ ص ٤١٩، مكتبة رشيدية كوئٹہ۔

(۳) الدر المختار مع رد المحتار: إلا لحق آدمي، أن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة، ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابا زيلعي، كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت، ج ١ ص ٦٦٢، مكتبة رشيدية قديم كوئٹہ۔

كما في الهندية: ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه، كتاب الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، ج ١ ص ١٦٧، مكتبة رشيدية كوئٹہ

وكذا في البحر الرائق: كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ج ٢ ص ١٩٥، مكتبة ماجدية كوئٹہ۔

﴿الجواب﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قبرستان کی وقف زمین پر مکان تعمیر کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ قبروں کو مسمار کر کے بنایا جائے۔ یا خالی زمین پر بنایا جائے۔ کیونکہ جو زمین مردوں کے دفن کرنے کے لیے وقف کی گئی ہے۔ اس زمین کو اس کام کے علاوہ کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے(1)۔ فقہاء کا مشہور مقولہ ہے۔ شرط الواقف کنص الشارع۔ ایسے اشخاص کو اس ناجائز کام سے روکا جائے۔ اور انہیں مکانات مسمار کر دیے جائیں۔ ہاں اگر یہ زمین وقف نہیں ہے۔ تو اگر غالب گمان ہوتا ہو کہ یہ قبریں اتنی قدیم ہیں کہ مردے مٹی بن گئے ہوں گے تب ان کو مسمار کر کے زمین کے ساتھ ہموار کرنا اور اس پر مکان وغیرہ بنانا جائز ہے(2)۔ ھکذا فی الدر المختار کتاب الجنائز۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقف میں استبدال کی شرط

﴿السؤال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مدرسہ عربیہ (عربی فارسی تعلیم القرآن) وقف وسط شہر میں بقرب جامع مسجد شریف وخانقاہ شریف واقع ہے۔ تقریباً عرصہ تیس سال سے یہ مدرسہ تعلیم الکتب الفقهية والتفاسير والأحاديث النبوية على صاحبها ألف ألف تحية وغيرها کا کام کر رہا ہے۔ اس میں رہائش اور دار الاقامہ برائے طلبہ علی قدر الضرورۃ کافی ہیں۔ بجلی کا انتظام اس میں موجود ہے۔ کیا اس مدرسہ موقوفہ کا استبدال دوسرے مکان میں جائز ہے یا نہ؟

---

(1) الدر المختار: كتاب الوقف، في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ۴ ص ۴۵۶، مكتبہ رشيديہ كوئٹہ۔ وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، ج ۲ ص ۴۹۰، مكتبہ رشيديہ كوئٹہ۔

الفتاوى الكاملية: قال في الأشباه والنظائر: شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به، كتاب الوقف، مطلب في العمل بشرط الواقف، ص ۴۵۹، مكتبة القدس كوئٹہ

(2) الدر المختار مع رد المحتار: ولا يحتاج الى أن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة، ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار تراباً زيلعي، كتاب الصلوة، دفن الميت، ج ۱ ص ۶۶۲، مكتبہ رشيديہ قديم كوئٹہ۔

وكذا في الهندية: كتاب الصلوة، الفصل السادس في القبر والدفن، ج ۱ ص ۱۶۷، مكتبہ رشيديہ كوئٹہ۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ج ۲ ص ۲۰۹، مكتبہ ماجديہ كوئٹہ۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ صورت مسئولہ میں اگر واقف نے وقف کرتے وقت استبدال کی شرط لگائی ہو اپنے لیے یا کسی غیر کے لیے یا ہر متولی کے لیے تب تو اس مدرسہ موقوفہ کا تبدیل کرنا شرعاً جائز ہوگا استبدال بشرائط معتبرہ کر سکتا ہے اور اگر وقف کرتے وقت واقف نے استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی یا جس کے لیے لگائی تھی وہ موجود نہیں ہے تب تو اس مدرسہ کا استبدال ہرگز نہیں ہو سکتا (۱)

كما قال في الدر المختار مع شرحه رد المحتار ج ۴ ص ۴۲۳-۴۲۵ (وجاز شرط الاستبدال به) أرضا أخرى حينئذ (أو) شرط (بيعه ويشتري بثمنه أرضا أخرى إذا شاء فإذا فعل صارت الثانية كالأولى في شرائطها وإن لم يذكرها ثم لا يستبدلها) بثالثة لأنه حكم ثبت بالشرط والشرط وجد في الأولى لا الثانية (وأما الاستبدال ولو للمساكين آل) بدون الشرط) فلا يملكه إلا القاضي) درر الخ. وقال الشامي تحته (قوله وجاز شرط الاستبدال به الخ) اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه الأول أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالي زاده في رسالته الموضوعة في الاستبدال الخ. اس کی مزید تفصیل بحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۳ و ج ۹ ص ۲۳۹، ۲۴۲ میں موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲)۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه، ج ۴ ص ۴۲۴-۴۲۵، مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔

لما في الخانية على هامش الهندية: ولو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له أن يبيعها ويستبدل بها وإن كانت أرض الوقف سبخة لا ينتفع بها لأن سبيل الوقف أن يكون مؤبداً لا يباع وإنما تثبت ولاية الاستبدال بالشرط وبدون شرط لا يثبت۔

كتاب الوقف، فصل في مسائل الشرط في الوقف، ج ۳ ص ۳۰۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۲۴۰-۲۴۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

وكذا في خلاصة الفتاوى: كتاب الوقف، جنس آخر في خراب المسجد، ج ۴ ص ۴۲۵، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

قال في الشامية (قوله في اقرب مسجد او رباط) الخ. لف و نشر مرتب وظاهره انه لايجوز صرف وقف مسجد خرب الى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لاقرب مجانس لها. ص ۳۶۰ ج ۴۔ مذکورہ بالا عبارت اگرچہ مصرف اول کے خراب ہو جانے سے متعلق ہے مگر استغناء دونوں صورتوں کو جامع ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو زمین مسجد کے لیے وقف ہو چکی ہے اس میں مدرسہ بنانا درست نہیں۔ لیکن اگر واقف کی نیت یہ بھی ہو کہ جب مسجد سے بچ جائے اس کی آمدنی یہاں جاری کیا جائے تو پھر اس فارغ قطعہ میں مدرسہ بنایا جا سکتا ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

دو مسجدوں میں سے ایک کو باقی رکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک بستی میں دو مسجدیں بنی ہوئی ہیں لیکن یہ دونوں اس کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے۔ اب اگر یہ متفق ہو کر ایک نئی وسیع مسجد بستی کے درمیان میں بنانا چاہیں تاکہ تمام اکٹھے ہو کر نماز پڑھیں اور ایک ہی امام رکھیں اور پہلی دو مسجدوں کو گرا دیں یا ایک مسجد کو باقی رکھیں دوسری کو گرا دیں۔ یا ایک کو مسجد دوسری کو بچوں کے پڑھانے کے لیے مدرسہ بنا دیں کیا ایسا کیا جا سکتا ہے یا کہ نہیں؟

﴿ج﴾

دونوں مسجدوں کو گرا دینا یا ایک کو گرا دینا یا کسی کو مدرسہ بنا دینا یہ تینوں صورتیں شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔ جو زمین ایک مرتبہ مسجد ہو گئی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد رہے گی۔ اس کو تبدیل کرنا یا اس مسجد کو گرانا شرعاً جائز

---

(۱) قال شم انطہ لواقف. معتبر اذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية. الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب شرائط الواقف معتبرة ... ص ٤٢٦، ج ٦، مكتبه رشيديه كوئته۔

الاشباه والنظائر. لان شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع اى في وجوب العمل، كتاب الوقف، مطلب شرط الواقف كنص الشارع، ص ١٠٦، ج ٢، مكتبه ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه، كراچی۔

وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، ص ١٢٦ ج ١، مكتبه حقانيه پشاور

نہیں (1)۔ بلکہ اس بستی کے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ دونوں مسجدوں کو آباد کریں، اور ایسے اماموں کو رکھیں جن کا وہ خرچہ برداشت کرسکیں۔ یا بستی والوں میں سے جو جماعت کے فرائض سرانجام دے سکے وہ امامت فی سبیل اللہ کرلیا کرے۔ بہرحال دونوں مسجدوں کو آباد کرنا مسلمانوں پر ضروری ہے، کرایہ یا مدرسہ میں تبدیل کرنا جائز نہیں (2)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

زبانی وقف کی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنا وہ کمرہ جو اس کو اپنی جائیداد کے بدلہ الاٹ ہوا تھا دینی تعلیم کے لیے وقف کردیا۔ بعد میں یہ زمین دوسرے کو الاٹ ہوئی اس نے بھی وہ کمرہ مدرسے کے لیے باقی رکھا۔ تقریباً پندرہ سال ہوچکے ہیں کہ وہاں قرآن کریم کی تعلیم مسلسل جاری ہے۔ کیا یہ وقف صحیح ہے۔ کیا مالک اسے واپس دوبارہ لے سکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ تمام معاملہ زبانی رہا ہے۔ تحریر میں کوئی بات محفوظ نہیں ہے۔ نیز اس کمرہ اور مسجد کے درمیان ایک گلی شارع عام تھی تقریباً چھ سات سال ہوئے ہیں کہ وہ مسجد میں شامل کردی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کمرہ مسجد کے صحن سے ملحق ہوگیا ہے۔ اب متولی مسجد کہتا ہے کہ کمرہ مسجد کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ تعلیم قرآن کا سلسلہ ختم کردیا جائے۔ از روئے شریعت متولی مسجد یا خود مالک کمرہ اس بات کا مجاز ہے کہ وہ اس کمرہ کو مسجد میں ملا سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

1۔ الدر المختار مع رد المحتار: ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتى، قوله عند الإمام الثاني: فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى حاوي القدسي، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد، ج ٦ ص ٥[illegible]، رشيديه كوئته۔
كذا في الهداية: من اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع ولا يبيعه ولا يورث عنه، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢٢، مكتبه رحمانيه لاهور۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مكتبه رشيديه كوئته۔

2۔ في الهندية: لو كان مسجد في محلة ضاق على أهله ولا يسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له ليدخله في داره ويعطيهم مكانه عوضاً ما هو خير له فيسع فيه أهل المحلة قال محمد: لا يسعهم ذلك كذا في الذخيرة، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٧، مكتبه بلوچستان بكڈپو۔
هكذا في [illegible]: كتاب الوقف أحكام المساجد ج ٥ ص ٤٤١، مكتبه ادارة القرآن كراچى۔

تخریج

فی الدر المختار (وعندھما ھو) ای الوقف (حبسھا علی) حکم (ملک اللہ تعالی وصرف منفعتھا علی من احب) ولو غنیا فیلزم فلا یجوز لہ ابطالہ ولا یورث عنہ وعلیہ الفتوی ابن الکمال وفیہ (والملک یزول) عن الموقوف ص ۳۹۵ [1] الخ وفیہ (ولا یتم) الوقف (حتی یقبض ویفرز) (فلا یجوز وقف مشاع یقسم) خلافا للثانی (ویجعل آخرہ لجھۃ قربۃ لا تنقطع) علی قولہ (واختلف الترجیح والاخذ بقول الثانی احوط واسھل بحر وفی الدرر وصدر الشریعۃ وبہ یفتی واقرہ المصنف وفی رد المحتار تحت قولہ وجعلہ ابو یوسف کالاعتاق فلذا لم یشترط القبض والافراز الخ ای فیلزم عندہ بمجرد القول کالاعتاق بجامع اسقاط الملک قال فی الدرر والصحیح ان التابید شرط اتفاقا لکن ذکرہ لیس بشرط عند ابی یوسف وعند محمد لا بد ان ینص علیہ [2] اھ ج۳ص ۴۰۲ وصححہ فی الھدایۃ ایضا ج۲ص ۶۱۵ [3]۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ وقف ملک واقف سے زائل ہو جاتا ہے۔ کما ذھبا الیہ خواہ بمجرد قول ہو اور یہی اکثر کا مذہب ہے۔ خواہ بہ تسلیم الی المتولی۔ بنا بریں جس شخص نے اس کمرہ کو تعلیم دین کے لیے وقف کیا اور بعد میں جب دوسرے شخص نے قیمتاً اس زمین کو خرید لیا۔ اس نے بھی اس کمرہ کو تعلیم دین ہی کے لیے وقف رکھا تو وقف تام ہو چکا ہے اور جب وقف تام ہوا تو شروط وقف کے خلاف کرنا اور جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں۔ کما فی رد المحتار [4] ج۳ص ۴۰۸ (اتحد الواقف والجھۃ وقل مرسوم بعض الموقوف علیہ) جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الآخر علیہ (وان اختلف احدھما) (لا)۔ خود واقف بھی بعد وقف تبدیل نہیں کر سکتا۔ کما فی شرح التنویر وقف ضیعۃ علی الفقراء وسلمھا للمتولی ثم قال لوصیہ اعط من غلتھا فلانا کذا وفلانا کذا لم یصح لخروجہ عن ملکہ بالتسجیل (رد المحتار ج۳ ص۴۰۷)[5]

---

۱) الدر المختار: کتاب الوقف، مطلب فی وقف علی الاطباء وعدمہ لم یجز، ج ۶ ص ۵۱۸، مکتبہ رشیدیہ جدید، کوئٹہ۔

۲) الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب شروط الوقف علی قولھما، ج ۶ ص ۵۲۴-۵۲۵، مکتبہ رشیدیہ جدید، کوئٹہ۔

۳) الھدایۃ: کتاب الوقف، احکام المسجد، ج ۲ ص ۶۳۵، مکتبہ بلوچستان بک ڈپو۔

۴) الدر المختار: کتاب الوقف، مطلب فی نقض المسجد ونحوہ، ج ۶ ص ۵۵۲، رشیدیہ جدید، ج ۳ ص ۴۰۸، رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔

۵) الدر المختار: کتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیرہ، ج ۶ ص ۵۵۱، مکتبہ رشیدیہ جدید کوئٹہ۔

وايضا فيه لا يجوز ان يفعل الا ما شرط وقف العقد "ايضا" وما كان من شرط معتبرة في الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره ولا سيما بعد الحكم۔ الخ۔[1]

بنابریں یہ کمرہ جب ایک دفعہ تعلیم دین کے لیے وقف ہو چکا ہے تو اب نہ واقف کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جہت وقف تبدیل کرکے اس کمرہ کو مسجد میں شامل کردے اور نہ متولی مسجد کو یہ حق پہنچتا ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے یہ کمرہ تعلیم دین کے لیے وقف رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبرستان کی وقف زمین پر مسجد بنانے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) مسجد کے نزدیک قبرستان ہے جس میں قبریں ظاہر ہیں۔ کیا مسجد میں شریک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر ورثاء قبر اجازت دے دیں تو اس صورت میں قبرستان مسجد میں شریک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

(۲،۱) اگر یہ زمین قبرستان کے لیے وقف ہے تو اس میں مسجد بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ جہت وقف کا بدلنا درست نہیں۔ اگرچہ ورثاء قبر اجازت بھی دے دیں۔ لان شرط الواقف كنص الشارع كما في الشامية ج ۳ ص ۴۵۹ قال في الفتح ويكره الجلوس على القبر ووطؤه[2]۔ الخ۔ فقط واللہ اعلم۔

مالک کا قبرستان کی زمین پر مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسائل (۱) ملکیتی زمین میں مختلف لوگوں کی قبریں ہیں۔ یہ قطعہ وقف

---

۱) الدر المختار حوالہ بالا۔

۲) الدر المختار، كتاب الوقف مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ۶ ص ۴۹۶، مكتبہ رشیدیہ جدید کوئٹہ۔

لما في الفتاوى الكاملية، قال في الأشباه شرط الوقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به كتاب الوقف، مطلب في العمل بشرط الواقف، ص ۵۶، مكتبة الهدى كاسي روڈ كوئٹہ۔ وهكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية وتصرف القيم، ج ۲ ص ۴۱۹، مكتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

نقشہ قبرستان و مسجد

یہ جگہ خالی ہے	قبریں	دکان قبرہ مسجد

«ج»

اگر واقعی قبرستان کسی کا مملوک ہے اور اس سے قبریں مٹ چکی ہوں اور اتنا زمانہ گزر گیا ہو کہ یہ یقین ہو جائے کہ ان قبور کی ہڈی مٹی ہو گئی ہوگی تو مالک کی اجازت سے اس جگہ مسجد بنانا جائز ہے[1]۔ کما فی الشامیة عن الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ و زرعه والبناء علیه (شامی ج ۱ ص ۵۹۹) ورنہ جائز نہیں ہے[2]۔

مسجد کی توسیع کے لیے قبروں کا انہدام

«س»

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ مسجد کی توسیع کے لیے اگر کسی پرانی قبر کو مسمار کر کے تکمیل کی جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

«ج»

صورت مسئولہ میں اگر قبر پرانی ہے اور مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے تو قبر کو مسمار کر کے اور اس جگہ کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے[3]۔ درمختار مع شرحه ردالمحتار ج ۱ ص ۶۶۲ میں ہے و یخیر

---

(۱) لما فی رد المحتار: کتاب الوصی، فصل فی دفن المیت، ج ۱ ص ۵۹۹، مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔
وکذا فی الهندیة: کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ۱ ص ۱۶۷، مکتبہ رشیدیہ جدید کوئٹہ۔
وکذا فی البحر الرائق: فصل السلطان أحق بصلاته، ج ۲ ص ۱۹۵، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

(۲) الدر المختار: ای بعد ان لم یبل وما یعمله جهلة الحفارین من نبش القبور التی لم تبل اربابها وادخال اجانب علیهم فهو من المنکر الظاهر، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فی دفن المیت) ج ۲ ص ۲۳۳، مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی۔ وکذا فی قاضی خان علی هامش الهندیة: کتاب الوقف، فصل فی المقابر، ج ۳ ص ۳۱۴، ایچ ایم سعید کراچی۔

(۳) الدر المختار: کتاب الصلوة، فصل فی دفن المیت، ج ۱ ص ۶۶۲، مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔
فی الهندیة: اذا بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه والبناء علیه، کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ۱ ص ۱۶۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی البحر الرائق: کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ج ۲ ص ۱۹۵، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

المالک بین اخراجه و مساواته بالارض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی وصار ترابا الخ۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۳ص ۴۱۵ میں ہے۔ جبکہ قبر پرانی ہو جاوے۔ یعنی مردہ مٹی ہو جاوے۔ تو ایسی پرانی قبر کو ہموار کر دینا اور اس پر زراعت و تعمیر کرنا درست ہے۔ الی قوله۔ شامی[1] میں ہے۔ وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه۔ ج ۲ص ۶۵۹ الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ختم شدہ قبرستان میں مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے بائیں طرف متصل جگہ تھی وہاں قبروں کے نشانات نیست و نابود ہو چکے تھے، مدت مدید سے نہیں معلوم کہ کہاں ہیں۔ لیکن یہ یقین ہے کہ چند قبریں تھیں۔ اب اس جگہ کو مسجد میں شامل کر دیا ہے۔ کیا اب اس جگہ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بلا کراہت یا بلا کراہت؟ اگر کراہت ہے تو کون سی کراہت......؟

﴿ج﴾

اگر ان قبروں کی زمین کسی کی مملوکہ ہے اور مالک زمین کی رضا مندی و اجازت سے یہ زمین مسجد میں شامل کر لی گئی اور قبروں میں اموات کے متعلق ان پر مدت مدید گزرنے کی وجہ سے یہ اندازہ ہو کہ مٹی ہو گئے ہوں گے تو اس جگہ نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبرستان کے لیے وقف جگہ پر مدرسہ کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ ایک رقبہ زمین جو کہ قدیم عرصے سے متروکہ ہے مقبرہ کر کے

---

۱) الرد المحتار: (کتاب الوقف، مطلب فی دفن المیت) ج ۱ ص ۶۵۹، مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔

۲) الدر المختار: ویخیر المالک بین اخراجه ومساواته بالأرض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی المیت وصار ترابا زیلعی، کتاب الصلوة، فصل فی دفن المیت، ج ۱ ص ۶۶۲، مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔ وکذا فی الهندیة: کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ۱ ص ۱۶۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ کذا فی البحر الرائق: کتاب الجنائز، الفصل السلطان أحق بصلاته، ج ۲ ص ۱۹۵، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

حاصل کیا گیا۔ اس وقت سے وہ اہل اسلام کی کھوکھر قوم کے قبضہ میں ہے۔ اس کے متولی کھوکھر قوم سے چلے آتے ہیں۔ اس کے ایک حصہ میں قبریں تھیں اور ایک حصہ اس کا ویران پڑا تھا۔ جس میں ایک چھوٹی سی مسجد اور حجرہ تھا۔ جس میں ایک عالم دین درس و تدریس کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ موجودہ متولی نے ضرورت کی بنا پر مسجد کی توسیع کر دی۔ اور اسی ویران جگہ کو آباد کر کے اس میں مزید حجرے بنا کر اس ادارے کو باقاعدہ دینی دار العلوم کی شکل دے دی۔ جو الحمد للہ اس وقت ایک عظیم الشان بلڈنگ میں ایک بہت بڑا دینی ادارہ ہے۔

عرصہ تیس سال سے جو دین کی بے حد و جوہ خدمت کر رہا ہے۔ متولی مذکور نے اس خالی جگہ کی چار دیواری بنا کر اسے قبروں سے علیحدہ کر دیا قبروں کی شمالی جانب جس طرف شارع عام ہے ایک کچی دیوار تھی۔ جو ۱۴۰۲ء میں سیلاب کی نذر ہو گئی۔ اس کے بعد وہ جگہ خالی ویران پڑی تھی۔ پی ڈبلیو ڈی والوں نے اس پر ناجائز تصرف شروع کر دیا۔ اور سڑک کے ساتھ ملحقہ جگہ جو خالی پڑی تھی۔ اس پر کھوکھے اور دکانیں ناجائز شروع کر دیں۔ متولی صاحب نے اس جگہ کی حفاظت اور حرمت کی خاطر اس شمالی جانب ایک پختہ دیوار بنا دی اور جو جگہ خالی پڑی تھی جس پر پی ڈبلیو ڈی والوں کا ناجائز تصرف ہو چکا تھا۔ اس پر پختہ دکانیں بنا دی گئی ہیں۔ اسی جانب بالکل اس جگہ کے متصل پہلے چند دکانیں اس مدرسہ کی موجود ہیں۔ جن کی آمد اسی دینی مدرسہ پر خرچ ہوتی ہے۔ اب بعض افراد متولی مذکور اور ان کے ساتھیوں سے ذاتی اور مذہبی عداوت کی بنا پر ان دکانوں کے بنانے میں مخل ہیں۔ اور انہوں نے عدالت میں ان کے خلاف مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ عدالت شرعی اور دینی نقطہ نگاہ سے درج ذیل امور کی وضاحت چاہتی ہے۔

(۱) متولی مذکور کا خالی جگہ میں تصرف کر کے وہاں پر دینی ادارہ قائم کرنا اور مسجد کی توسیع کرنا کیسا ہے؟

(۲) مدرسہ اور مسجد کی حدود جو ایک عرصہ سے قائم ہو چکی ہیں ان کا کیا حکم ہے۔

(۳) متنازع جگہ میں دیوار اور دکانات تعمیر کرنے کا کیا حکم ہے۔ اور دکانات کی تعمیر کرنے میں کسی قبر کو منہدم کرنے کی ضرورت نہیں پڑی اور نہ ہی بلا ضرورت ایسا عمل کیا گیا ہے۔ متولی مذکور اپنے اس اقدام کے جواز میں علامہ عینی کی درج ذیل عبارت پیش کرتا ہے۔ **فان قلت هل يجوز ان تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت قال ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم ار بذلك باسا** الخ۔ ص ۳۵۹۔ الجزء الرابع عمدۃ القاری۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب کہ پرانی قبروں کو مسمار کر کے وہاں مسجد یا دیگر کوئی عمارت بنانا جائز ہے تو جو جگہ خالی اور ویران ہو اگرچہ اس کے ساتھ قبریں ملحق ہوں۔ وہاں پر دینی مفاد کی خاطر ایسی تعمیر بطریق اولیٰ جائز ہونی چاہیے۔ آپ پوری صورت کو سامنے رکھتے ہوئے ازروئے شرع واضح فرمائیں کہ متولی

مذکورہ کے اس اقدام کے لیے کوئی وجہ جواز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾

واضح رہے کہ یہ خالی زمین جس پر مسجد کی توسیع کی گئی ہے یا اس پر مدرسے کے حجرے بنادیے گئے ہیں۔ یا اس پر دکانات تعمیر کی گئی ہیں۔ اگر یہ خالی زمین قبرستان کے لیے وقف کردی گئی ہے تب تو اس کو کسی دوسری غرض کے لیے استعمال کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ صرف اس زمین کو مردوں کے دفنانے کے لیے محفوظ رکھا جائے گا۔ اس پر مدرسہ بنانا مسجد کی توسیع کرنا یا دکانیں وغیرہ بنانا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ فقہاء کرام کا مشہور مقولہ ہے:[۱]

شرط الواقف کنص الشارع. وقال فی الفتاوی العالمگیریة[۲] ج ۲ ص ۳۶۵ وعند ابی یوسف رحمه الله تعالی یزول ملکه بالقول کما هو اصله وعند محمد رحمه الله تعالی اذا استقی الناس من السقایة وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرة زال الملک ویکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کله وعلی هذا البئر والحوض ولو سلم الی المتولی صح التسلیم فی هذه الوجوه کذا فی الهدایة وذکر فی المبسوط ان الفتوی علی قولهما فی هذه المسائل وعلیه اجماع الامة کذا فی المضمرات . . وفیها ایضاً ج ۲ ص ۴۶۷[۳]

---

(۱) الهندية: الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۴۶۵، مكتبه بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔

الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع، كتاب الوقف مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ۳ ص ۴۵۶، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وفي الفتاوى الكاملية: قال في الأشباه شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به، كتاب الوقف، مطلب في العمل بشرط الواقف، ص ۵۹، مكتبة القدس كوئٹه۔ وكذا في الأشباه والنظائر: كتاب الوقف، مطلب شرط الواقف كنص الشارع، ج ۶ ص ۱۰۶، مكتبه دار القرآن والعلوم الاسلاميه كراچي۔ وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، ج ۱ ص ۱۲۶، مكتبه حقانيه پشاور۔ وكذا في الهندية، كتاب الوقف، الباب الخامس، وولاية تصرف القيم، ج ۲ ص ۴۱۹، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

(۲) الهندية: الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۴۶۴، مكتبه بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔

(۳) الهندية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ، ج ۲ ص ۴۶۷، مكتبه بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔

ارض لاهل قرية جعلوها مقبرة واقبروا فيها ثم ان واحدا من اهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر واجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا اهل القرية او رضا بعضهم بذلك قالوا ان كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج الي ذلك المكان فلا باس به وبعد ما بنى لو احتاجوا الى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه كذا في فتاوى قاضيخان وفيها ايضاً ج ۲ ص ۴۷۰[1]. سئل القاضي الامام شمس الائمة محمود الاوزجندي عن مسجد لم يبق له قوم وخرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة قال لا وسئل هو ايضا عن المقبرة في القرى اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حكم المقبرة كذا في المحيط وفي مصحح قرنه وقال لاحد ولا ينافي ما قاله الزيلعي في باب الجنائز من ان الميت اذا بلي وصار ترابا جاز زرعه والبناء عليه اه لان المانع هنا كون المحل موقوفا على الدفن فلايجوز استعماله في غيره اذا بلي فاهل ولا يجوز اه مصححه

(امداد الفتاوی ج ۲ ص ۵۲۰-۵۳۱) پر مساجد و مقابر منہدم کرنے کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد کسی وقت بھی کسی کی ملک نہیں ہو سکتی[2] اور اس کو کوئی شخص ملک بنا کر فروخت نہیں کر سکتا۔ الی ان قال اس سے ثابت ہوا کہ ان مقبروں کا بھی یہی حکم ہے جو مسجد کا مذکور ہوا اور اگر یہ خالی زمین کسی کی مملوک ہو۔ وقف نہ ہو تب اس پر باجازت مالک مذکورہ بالا تصرفات کیے جا سکتے ہیں۔

عمدۃ القاری عینی جو دو سرے وقت ہے۔ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر اس کے تو کل صفحات ۵۰۳ ہی ہیں۔ جو عبارت آپ بتا رہے ہیں وہ ہمیں جلد ثانی میں نہیں مل سکی۔ کیونکہ آپ تو اس کا صفحہ ۵۹۳ تحریر فرما چکے ہیں۔ نیز وہ تحقیق ہم نے نہیں کی ہاں عینی کی اس عبارت کا مطلب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ مقبرہ کسی کا مملوک ہو۔ وقف نہ کر دیا

---

(۱) الهندية: كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، ج ۲ ص ۴۷۰-۴۷۱، مكتبه بلوچستان بك ڈپو کوئٹہ۔

(۲) امداد الفتاوی: ج ۲ ص ۶۰۸، ۶۰۹، مکتبہ دار العلوم کراچی۔
في الدر المختار. ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الامام والثاني ابداً الى قيام الساعة وبه يفتي، كتاب الوقف، مطلب في ما خرب المسجد وغيره، ج ۶ ص ۵۵۰، طبع رشيديه جديد كوئٹہ۔
وفيه: ثم يلزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن ولا يقسم، الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في شرط وقف الكتب ان لا تعار الا برهن، ج ۶ ص ۵۴۰، مكتبه رشيديه جديد كوئٹہ۔

ہو۔ یا ارض موات ہو۔ مملوکہ مرقوم نہ ہو۔ اور اس پر مسجد بنائی جا سکتی ہے[1]۔ کما قلنا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور خالی جگہ اگر وقف للمقبرہ ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ ورنہ اس پر تعمیر مدرسہ جائز ہے۔ الغرض وقف میں واقف کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف جائز نہ ہوگا[1]۔ اور اگر وقف نہ ہو تو قبروں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد تعمیر مدرسہ باذن المالک اگر مملوک ہے یا بغیر الاذن اگر ارض موات ہے جائز ہوگا[2]۔

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

قبروں کی تعظیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ہماری مسجد میں چند قبریں ہیں یعنی چھ یا سات ان میں سے بعض بچوں کی قبریں ہیں۔ جس آدمی نے یہ قبریں بنائی ہیں اس نے آٹھ یا نو سال سے یعنی پاکستان بننے کے بعد دو بچوں کو لوگوں کے سامنے بھی دفن کیا تھا۔ لیکن بعد میں اس کو روک دیا گیا۔ اور بعض قبریں بڑوں کی ہیں۔ ان میں سے ایک قبر پر تقریباً پچیس یا تیس سال سے ایک چار دیواری اور ایک چھوٹا سا قبہ بھی بنایا ہوا ہے۔ اور مسجد کا صحن نمازیوں کے لحاظ سے بہت تنگ ہے۔ اگر وہ قبریں درمیان سے ہٹائی جائیں تو پندرہ یا سولہ گز زمین اور بھی مسجد میں شامل ہو سکتی ہے۔ اب اس بات میں اختلاف ہے بعض لوگ تو کہتے ہیں خواہ کتنی تنگی ہو قبروں کو نہیں ہلانا چاہیے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان قبروں کو درمیان سے ہٹا کر اس زمین کو بھی مسجد کی ضروریات میں شامل کرنا چاہیے۔ مہربانی فرما کر ارشاد فرماویں کہ شریعت میں ان قبروں کے متعلق کیا حکم ہے؟

---

(۱) الھندیۃ: ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ، کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ۱ ص ۱۶۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

وکذا فی الدر المختار: کتاب الصلوۃ، مطلب فی دفن المیت، ج ۱ ص ۶۶۲، مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔

(۲) الدر المختار: شرط الواقف کنص الشارع، کتاب الوقف، فصل فی قولھم شرط الواقف، ج ۳ ص ۵۰۶، رشیدیہ کوئٹہ۔

وکذا فی الھندیۃ: کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایۃ الوقف وتصرف القیم، ج ۲ ص ۴۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۳) فی رد المحتار: ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ وزرعہ والبناء علیہ، کتاب الوقف، فصل فی دفن المیت، ج ۱ ص ۶۰۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

وکذا فی الھندیۃ: کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ۱ ص ۱۶۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

﴿ج﴾

جب تک یقین یا ظن غالب نہ ہو جاوے کہ کل میت کی ہڈی ریت ہو چکی ہے۔ اس وقت تک اس پر مسجد بنانی یا نماز پڑھنی یا بیٹھنا اور چلنا جائز نہیں ہے۔ اور صورت مذکورہ میں تو یقیناً اتنا زمانہ نہیں گزرا کہ ہڈی ریت میں تبدیل ہو گئی ہو۔ اس لیے اس جگہ قبروں کو ہموار کر کے مسجد بنانی اور نماز پڑھنی چلنا پھرنا وغیرہ جائز نہیں۔ مسلمانوں کی قبروں کی تعظیم ضروری ہے اور یہ تعظیم کے خلاف ہے۔ قال الشامی فی رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۷ وتقدم انه اذا بلی المیت وصار ترابا یجوز زرعه والبناء علیه ومقتضاه جواز المشی فوقه[1]

اس سے قبل لکھا ہے۔ وقال فی الحلیة ویکره الصلوة الیه لورود النهی فی ذلک[2]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

قبروں پر لینٹر ڈال کر مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک مسجد کی شمالی طرف چند قبریں ہیں۔ موجودہ مسجد بہت تنگ ہے۔ متولیوں کا خیال ہے کہ ان قبور پر دو تین فٹ اونچا لینٹر ڈال دیا جاوے۔ اور موجودہ مسجد کی سطح کو اس لینٹر کے برابر کر کے کل مسجد بنا دی جاوے۔ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ سائل سے معلوم ہوا کہ ان قبروں کی زمین کسی کی مملوکہ ہے۔ اگر مالک زمین دینے پر رضامند ہے تو مسجد میں شرعاً استعمال ہو سکتی ہے۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں جبکہ ان قبروں کی زمین کسی کی مملوکہ ہے اور وہ مالک مسجد کو دینے پر رضامند ہے تو اگر ان قبروں میں دفن شدہ اموات سے متعلق یہ گمان غالب ہو کہ وہ اموات اتنے عرصہ میں بوسیدہ ہو گئے اور مٹی ہو گئے

---

(۱) رد المحتار، مطلب فی اهداء ثواب القراءة للنبی ﷺ، ج ۱ ص ۶۶۷، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) صفحه هذا وباب هذا۔

كذا فی الهندیة: ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه، کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ۱ ص ۱۶۷، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ۔

وكذا فی البحر الرائق: کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلاته، ج ۲ ص ۱۹۵، طبع مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

ہوں گے تو ان کو ہموار کرنا اور بغیر لینٹر ڈالنے کے اس جگہ کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے(۱)۔ لیکن اگر وہ اموات قریبی عرصے کے دفن شدہ ہوں۔ ان کے بوسیدہ اور مٹی ہونے کا گمان غالب نہ ہو تو اس صورت میں لینٹر ڈالنے سے اس جگہ کا مسجد میں استعمال کرنا جائز ہوگا۔ بغیر اس کے ہموار کرنا اور مسجد میں استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بوسیدہ قبروں پر مسجد کی تعمیر

سوال

چہ فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد شریف بر فوق قبور نا نشان تیار شدہ۔ از حضرات علماء بلوچستان مختلف فتاویٰ صادر شدہ است۔ بینوا فاحکم بینھم بالحق مفصلاً مع حوالجات جواز و عدم جواز و قولہ ارجح ای جنبانید تا اطمینان قلبی حاصل شود عین لطف است۔

جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح باد کہ جائیکہ این قبور نا نشان ہست و بر و مسجد بنا شدہ اگر زمین موقوف برائے دفن مردگان باشد بر و مسجد تعمیر کردن جائز نیست و برائے غرض دیگر سوائے دفن مردگان او استعمال کردن ہم درست نیست۔ و اگر این جا موقوف نباشد پس اگر بر مردگان مدت مدید گزشتہ باشد کہ ظن غالب شود کہ آں مردگان بوسیدہ شدہ خاک شدہ باشند پس بر و بنا کردن مسجد درست باشد والا فلا کما قال فی العالمگیریة ج ۱ ص ۱۶۶۔ ویکرہ ان یبنی علی القبر مسجد او غیرہ کذا فی السراج الوهاج(۳) وفیها ایضاً بعد اسطر ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه کذا فی التبیین ج ۱ ص ۱۶۷ عالمگیریة(۴)۔

---

(۱) تقدم تخریجه فی صفحه (۵۰۰) عنوان مسئلہ (قبروں کی تعظیم)

(۲) وفی الدر المختار: ان كان فيها ميت لا يزول وما يفعله جهلة الحفارين من نبش القبور التي لم تبل اربابها وادخال اجانب عليهم فهو من المنكر الظاهر، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، ج ۱ ص ۲۳۲، ایچ ایم سعید۔ وأيضاً في الهندية: كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، ج ۲ ص ۴۷۰، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۳) كتاب الصلاة، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان الى آخر، ج ۱ ص ۱۶۶، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ۔

(۴) كتاب الصلاة، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان الى آخر، ج ۱ ص ۱۶۷، طبع بلوچستان مکتبہ کوئٹہ۔

وفیہا ایضاً ج۲ ص۴۵۳۔ وسئل ہو ایضاً عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیہا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ہل یجوز زرعہا واستغلالہا قال لا ولہا حکم المقبرۃ کذا فی المحیط قال مصححہ قولہ لا ہذا لا ینافی ما قالہ الزیلعی فی باب الجنائز من ان المیت اذا بلی وصار تراباً جاز زرعہ والبناء علیہ۔ لان المانع ہنا کون المحل موقوفاً علی الدفن فلا یجوز استعمالہ فی غیرہ فلیتامل ولیحرر اہ مصححہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[1]۔

وقف کو فروخت کرنے کا حکم

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین صورت ذیل میں کہ ایک مسجد میں متعلقہ زمین کے اندر حجرہ ہے جس میں اس مسجد کا امام عرصہ ستر اسی سال سے رہائش پذیر ہے۔ اس خاندان کی امامت بھی آ رہی ہے۔ لیکن اب اس خاندان کو محلہ والوں نے کہا ہے کہ تم اس جگہ سے چلے جاؤ۔ ہم اس جگہ کو مسجد میں ملاتے ہیں۔ تو وہ خاندان اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا گیا۔ اب اس مکان کا صحن تو مسجد کے فرش میں مل سکتا ہے اسے تو ملا لیا ہے۔ مگر اس کا جو کمرہ ہے وہ صحن مسجد سے باہر کو پڑتا ہے۔ اب کئی لوگوں کا خیال ہے کہ اسے فروخت کر دیا جائے۔ اور مسجد کی دیوار کو سیدھا تیار کر لیا جائے۔ کیا عندالشرع یہ کمرہ کسی کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾

اوقاف مسجد کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اس کمرہ کو فروخت کرنا درست نہیں۔ اسے تو مسجد کے مصالح کے لیے استعمال کرنا چاہیے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) مطلب یجوز الوقف البناء وحدہ فی مسألۃ القنطرۃ، ج ۲ ص ۴۷۰، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ۔
وکذا فی البحر الرائق۔ وفی التبیین ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاتہ، ج ۲ ص ۱۹۵، طبع مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔
وہکذا فی الرد المحتار: مطلب فی اہداء ثواب القراءۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ص ۶۶۷، طبع مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

(۲) کذا فی البحر الرائق: ولا یملک الوقف باجماع الفقہاء۔ ولقولہ علیہ السلام لعمر رضی اللہ عنہ: تصدق بأصلہا لا تباع ولا تورث ولا توہب، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۴۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی الہندیۃ: ولا یباع ولا یوہب ولا یورث، کتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفہ ورکنہ وسببہ وحکمہ، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ۔
ہکذا فی فتح القدیر۔ وعن محمد رحمہ اللہ انہ لا یباع ولا یورث ولا یوہب اعتبرہ مسجداً، کتاب الوقف فصل اختص المسجد بأحکام، ج ۵ ص ۴۴۵، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

گزارش کرتے ہیں کہ اس مسجد کے قطعے کو نیلام نہ کیا جاوے اور اس کو مسجد کا حصہ رہنے دیا جائے۔ ہم بموجب ۱۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو وفد کی شکل میں ڈائریکٹر جنرل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے پاس گئے۔ انہوں نے ہمیں یقین دلایا کہ اگر آپ لوگ ساٹھ ہزار روپے کا مسجد چندہ بینک میں رکھا دیں اور مسجد کا نقشہ لائیں تو میں پلاٹ نمبر ۴۳۹-اے کو مسجد کے پلاٹ میں شامل کر دوں گا۔ ہم کل موجود ۱۲ جولائی کو ان کے پاس ساٹھ ہزار کا بینک اکاؤنٹ اور نقشہ لے کر گئے۔ لیکن اس نے پلاٹ مسجد کو دینے سے انکار کر دیا۔ اب مسجد کے سلسلے میں ہماری رہنمائی کی جاوے۔ اور اب ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ شرع کے لحاظ سے گورنمنٹ کو پلاٹ نیلام کرنے کا اختیار ہے یا کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بشرط صحت سوال اگر یہ پلاٹ ایک دفعہ مسجد کے نام وقف ہو چکا ہے اور سرکاری کاغذات میں یہ پلاٹ مسجد کے نام وقف درج ہے اور اس میں مسجد کی تعمیر ہو چکی ہے تو اس وقف کو تبدیل کرنا اور بیچ کرنا درست نہیں۔ وقف کو فروخت کرنا جائز نہیں اس لیے متعلقہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر واقعی پلاٹ وقف ہے تو اس کے خریدنے سے احتراز کریں۔ فقط واللہ اعلم[1]۔

مسجد کی خراب گھڑی فروخت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہماری مسجد کی گھڑی خراب ہو گئی ہے۔ نمازیوں کا مشورہ ہے کہ اسے بیچ کر مزید پیسے ملا کر ایک نئی گھڑی خریدی جائے۔ تو کیا ایسا کرنا از روئے شریعت درست ہے۔

﴿ج﴾

بغیر کسی قسم کے شبہ کرنے کے ایسا کرنا درست ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) كذا في الرد المحتار: (فلا يجوز بأقل) أي لا يصح إذا كان بغبن فاحش، ج ۴ مطلب لا يصح ايجار الوقف، ج ۴ ص ۴۰۲، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وأيضاً في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۹۷، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

(۲) كذا في الفقه الحنفي وأدلته، وإن استغنى عن قرار المسجد، نقل في مسجد آخر عند أبي يوسف وقال بعضهم يباع ويصرف في مصالح المسجد، كتاب وقف المسجد، ج ۳ ص ۱۴۴، طبع دار الكلم الطيب دمشق بيروت۔
كذا في الرد المحتار: (قوله يبيعه) فعلى هذا يباع النقض في موضعين: عند تعذر عوده وعند خوف هلاكه بعمره مطلب في الوقف ...... ج ۴ ص ۳۷۷، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وأيضاً في فتح القدير: فصل اختص المسجد بأحكام، ج ۵ ص ۴۴۶، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

مسجد کے قرآن کریم کو فروخت کرنا

﴿س﴾

چہ می فرمایند علماء کرام و در مسئلہ دین کہ شخص قرآنے در مسجد وقف گزاشت و بعد امام آں مسجد برداشتہ و بدیگری فروختہ آیا ایں بیع جائز است یا نیست آیا مشتری مے تواند قیمت آں را از بائع بگیرد یا نہ بینوا اجرکم علی اللہ۔

﴿ج﴾

درصورت مسئولہ برداشتن امام مسجد قرآن مجید را از مسجد و بعد ازاں آں را فروخت کردن جائز نیست نیز بر امام مسجد لازم است کہ مشتری را قیمت او بدہد و آں قرآن مجید از و گرفتہ در مسجد باز نہد [1]۔

عیدگاہ کی زمین کی قبضہ سے قبل فروخت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ زید نے رقبہ زمین دو کنال برائے عیدگاہ وقف کر دیا ابھی تک اس میں ایک دفعہ بھی صلوٰۃ العید نہیں پڑھی گئی تھی کہ وہاں سیلاب ہو گیا اور پانی ٹھہرنے لگا تو اس میں چاول وغیرہ بوئے جانے لگے پھر سرکاری آبیانہ بھی ہر سال لگ جاتا ہے چونکہ وہ رقبہ قابل عیدگاہ نہ رہا لوگوں نے ایک اور جگہ عیدگاہ تیار کر لی اور وہاں صلوٰۃ العید پڑھنے لگے اب زید یہ دریافت کرتا ہے کہ میرا یہ رقبہ دو کنال وقف شدہ برائے عیدگاہ بے سود پڑا ہوا ہے اس کو شرعاً کس طرح کیا جاوے کیا اس زمین کو زید اپنی بقیہ ملکیت میں ملا لے اور قیمت اس زمین کی دوسری عیدگاہ تیار شدہ کے لیے دے دے یا اس کو فروخت کرے اور قیمت اس کی فقراء پر تقسیم کرے یا دوسری عیدگاہ پر خرچ کرے یا وہ رقبہ ویسے کاشت ہوتا رہے اور اس کی پیداوار فقراء کو دے یا دوسری عیدگاہ کے لیے دے دے الغرض اس رقبہ کے متعلق شرعاً جو بھی صورت ہو اس سے مطلع فرماویں۔ بینوا توجروا یوم الحساب۔

---

۱) كذا في البحر الرائق: (ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء ــــ ولقوله عليه السلام لعمر رضي الله عنه تصدق بأصلها ولا تباع ولا ترث، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٢، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وفي الهندية: ولا يباع ولا يوهب ولا يرث، كتاب الوقف باب الأول في تعريفه وركنه وسببه وحكمه، ج ٢ ص ٣٤٥، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وفي الفتح القدير: (وعن محمد ولا يباع ولا يوهب ولا يورث) اعتبره مسجداً (كتاب الوقف فصل اختص المسجد بأحكام، ص ٣٤٥، ج ٥، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

وقف کی آمدنی دیگر مصارف میں خرچ کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں مشرقی پنجاب میں ایک موضع میں مسجد کے نام کچھ اراضی زرعی وقف تھی اب یہاں پاکستان میں بطور تبادلہ متروکہ غیر مسلم اراضی مسجد کے نام وقف اراضی کے کلیم پر الاٹ کرائی گئی ہے الاٹ شدہ اراضی کی آمدنی کس طور پر خرچ کی جانی چاہیے اگر آمدنی مذکور پاکستان میں پہلے سے آباد شدہ مساجد پر خرچ ہو سکتی ہے تو کیا ایسی مساجد جو غیر مسلم تارک الوطن جائیدادوں پر بنائی گئی ہیں ان پر بھی یہ آمدنی خرچ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بدیں صورت جبکہ ہر دو حکومتوں نے سکنی صاف زمین کی خرید و فروخت کا اختیار مالکان کو دے دیا ہو۔ اسی طرح مشرقی پنجاب میں ایک بزرگ کے مزار کے نام کچھ اراضی وقف تھی اس کے تبادلہ میں بھی یہاں اراضی الاٹ کرائی ہے ہندوستان میں تو اس اراضی کی آمدنی کو لوگ ان بزرگ کے عرس وغیرہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے اس وقت کی آمدنی کا اب صحیح شرعی مصرف کیا ہونا چاہیے۔ فقط۔

نوٹ: مسجد کے نام اراضی تمام مسلمانان موضع کی طرف سے وقف تھی اور مزار کے نام جو اراضی وقف تھی وہ صرف ایک محلے کے مسلمانوں کی وقف کردہ تھی جن کی تعداد چالیس پچاس کنبہ جات پر مشتمل ہے اور اب وہ منتشر حالت میں آباد ہیں۔

﴿ج﴾

واقف نے جس شرط پر اور جس مصرف کے لیے زمین وقف کردی ہے، وہ اسی شرط پر صرف ہوگی اس میں تبدل جائز نہیں[1] جب زمین وہاں ہندوستان میں مسجد وغیرہ مصارف کے لیے وقف ہوگئی تھی۔ تو وہاں ہی اسی مصرف پر صرف کرنا۔ اگرچہ وہاں کے باشندگان وہاں سے چلے بھی جاویں۔ لہٰذا وہ اصلی اراضی موقوفہ اب بھی مسجد ہی کے لیے استعمال ہوں گی۔ اس کے بدلہ میں یہاں زمین لینا جائز نہیں[2] اگر وہاں کی حکومت یا وہاں

---

۱) وفي الأشباه والنظائر: شرط الواقف يجب اتباعهم شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۱۰۶، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراجي۔
وفي الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ٦ ص ٦٦٤، مكتبه رشيديه جديد كوئٹه۔

۲) وفي البحر الرائق: (ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء—— ولقوله عليه السلام لعمر تصدق بأصلها ولا تباع ولا تورث، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٣، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وفي الهندية: ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كتاب الوقف باب الأول في تعريفه وسببه وركنه وحكمه، ج ٢ ص ٣٥٠، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وأيضاً في الفتح القدير: كتاب الوقف اختص المسجد بأحكام، ج ٥ ص ٣٤٥، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

نے لوگ اس زمین کو اس تصرف پر خرچ نہیں کرتے تو وہ اس کے ذمہ دار ہوں گے نیز یہاں جو زمین دی گئی ہے اس کے مالکان چونکہ ہندو ہیں اور سرکاری کاغذات میں اب تک یہ زمین انہی کے نام درج ہے کسٹوڈین کا حکم انہی کی حفاظت کے لیے قائم ہے اس لیے یہ نہ تو مسجد اور وقف علی المسجد ہو سکتی ہے حکومت پاکستان یا ہندوستان ان کے نائب ہو کر بھی وقف کرنے کے مجاز نہیں اس لیے کہ وقف میں شرط یہ ہے کہ مالک کے نزدیک وقف کرنا عبادت ہو اور ہندو اصل مالک اس کو عبادت سمجھ ہی نہیں سکتا لہذا یہ تمام صورتیں مذکورہ صحیح نہ ہوں گی[۱]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

عیدگاہ کی آمدنی دوسری مسجد پر صرف کرنا

﴿س﴾

میرے دادا صاحب ہندوستان میں ایک شہری مسجد کے متولی تھے۔ اور عیدگاہ کے بھی متولی تھے۔ وہ پاکستان آ گئے ان کے پاس مسجد اور عیدگاہ کی رقم تھی۔ انتقال کرتے وقت وہ وصیت کر گئے کہ مسجد کی رقم اتنی ہے اور عیدگاہ کی رقم اتنی ہے۔ غالباً اب وہ مسجد اور عیدگاہ ختم ہو گئی ہے۔ اس میں ہندو بسے ہوئے ہیں۔ یا غیر آباد ہے۔ مشرقی پنجاب میں یہ جگہ تھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس رقم کو کسی دیگر مسجد میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ مسجد اور عیدگاہ کے روپے سے مسجد بنائی جائے یا کار خیر میں لگایا جائے یا نہ؟ ہندوستان میں ہم یہ کثیر رقم لے جا سکتے ہیں۔ تفصیل سے تحریر فرماویں۔

﴿ج﴾

جس مسجد اور عیدگاہ کا چندہ آپ کے والد کے ذمہ تھا یا ہے۔ اگر اس مسجد اور عیدگاہ تک اس رقم کا بھیجنا ممکن ہو تو وہاں بھیجنا لازم ہے[۲]۔ اگر وہ مسجد اور عیدگاہ باقی نہیں یا رقم ان تک پہنچنا ممکن نہیں تو مسجد کا چندہ کسی

---

(۱) (وأن يكون) قربة في ذاته معناه أن يكون من حيث النظر إلى ذاته وصورته قربة والمراد أن يحكم الشرع بأنه لو صدر من مسلم يكون قربة حملاً على أنه قصد القربة لكنه يدخل فيه ما لو وقف الذمي على حج أو عمرة مع أنه لا يصح وإن أجري الكلام على ظاهره لا يدخل فيه وقف الذمي على فقراء لأنه لا قربة من الذمي، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤١، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

(۲) كذا في الدر المختار: لا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى. كتاب الوقف مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وكذا في البحر الرائق: ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

اور مستحق مسجد پر اور عیدگاہ کا چندہ عیدگاہ پر صرف کرنا ضروری ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی آمدنی علاج پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا ان کے نام یہ اراضی ہو سکتی ہے جو کہ اب زندہ ہیں، کیا حسین بخش تمام زمین مسجد کے نام کر سکتا ہے جبکہ اس کے دو بھائی دیگر موجود ہیں کیا مسجد کی آمدنی دیگر جگہ صرف ہو سکتی ہے۔ کیا غریبوں کے علاج پر یہ رقم صرف ہو سکتی ہے۔

فقیر علی ولد محمد بخش سکنہ شیر سلطان تحصیل علی پور

﴿ج﴾

حسین بخش نے جبکہ اپنے اختیار سے اپنی جائیداد مسجد کے نام وقف کر دی ہے اب اس جائیداد میں کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ جائیداد کا تمام حاصل مسجد ہی پر صرف ہوگا کسی ذاتی مفاد میں یا غریبوں کے علاج پر اس کا خرچ جائز نہیں اور اس کے بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ نہیں ملے گا بشرطیکہ یہ جائیداد اس کی اپنی رقم سے خریدی گئی ہو[2] اور اگر باپ کے ترکہ میں سے قبل از تقسیم اس نے خریدی ہے یعنی اپنے حصہ میں سے نہیں بلکہ مشترکہ مال سے جائیداد خریدی ہے تو اس صورت میں بھائی اپنا حصہ لیں گے اور بھی اگر کوئی وارث ہو اس کو بھی پھر اس صورت میں حصہ ملے گا۔ صرف اسی کا حصہ اگر الگ کر چکا ہو اور بعد میں وقف کیا ہو تو وقف ہوگا۔ اور اگر الگ نہیں کیا تو اس کا حصہ بھی وارثوں کو ملے گا وقف صحیح نہیں[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) وفی الهندية: فان استغنی عنه هذا المسجد يحول الى مسجد آخر، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد الفصل الأول فی ما به يصير مسجد مسجداً، ج ۳ ص ٤٥٨، مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا فی التاتارخانية: كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی أوقاف التی يستغنی عنها، ج ٥ ص ٨٧٧، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

۲) وفی الدر المختار: فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١-٣٥٢، طبع مكتبه ايچ ايم سعيد كراچی۔

وكذا فی الهندية: ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كتاب الوقف، باب الأول مطلب فی تعريفه وركنه وسببه، ج ۲ ص ٣٥٠، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) وفی خلاصة الفتاوی: وقف المشاع لا يجوز عند محمدؒ وبه يفتی، كتاب الوقف جنس آخر فی وقف المشاع، ج ٤ ص ٤١٧، مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا فی البزازية: ولا يجوز فی قول محمد رحمه الله تعالی وبه أخذ مشايخنا وأفتوا به، كتاب الوقف، فصل فی وقف المشاع، ج ۳ ص ٣٠٢، طبع رشيديه كوئته۔

مسجد کا چندہ امام اور مؤذن اور شیرینی پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں (۱) مروجہ رسم عام مطابق ماہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو مساجد میں چندہ کیا جاتا ہے اور مسلم نمازیوں اور چندہ دہندگان کو یہ تصور دیا جاتا ہے کہ یہ چندہ مسجد کے لیے ہے مگر بعد از ان کچھ حصہ امام صاحب کچھ حافظ صاحب کی نذر کر دیا جاتا ہے کچھ شیرینی کی اور تقسیم کی جاتی ہے جتنا باقی مسجد کے خزانہ میں جمع کرادی جاتی ہے۔ مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ سب کچھ شرعاً جائز ہے۔

(۲) آج کل عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ نماز جمعہ ظہر کے مقررہ وقت کے بعد پڑھائی جاتی ہے کیا ایسا کرنا درست ہے یا اس کے برعکس کیا جانا چاہیے۔ فقط والسلام

﴿ج﴾

(۱) اگر چندہ دہندگان کو اس بات کا علم ہے کہ اس چندہ کو مندرجہ بالا مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اگر یہ چندہ صرف مرمت مسجد کے لیے فراہم کیا جاتا ہو تو پھر ان رقومات کو مندرجہ بالا مصارف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا[1]۔

(۲) مقررہ وقت سے بعد میں پڑھنا سنت کے خلاف ہے اس کا ترک کرنا ضروری ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مندر کی اینٹیں مسجد پر لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ پاکستان بننے پر جب ہندو چلے گئے انہوں نے بچا کھچا [illegible] اپنے

---

(۱) وفي الرد المحتار: لو كان الوقف على معين فالعمارة في ماله كما سيأتي بقدر ما يبقى الموقوف على صفة التي وقفه فإن خرب يبنى كذلك ولا تجوز الزيادة بلا رضاه، كتاب الوقف، مطلب عمارة الوقف على صفة التي وقفه، ج ٤ ص ٣٦٧، طبع مكتبه ايچ ايم سعيد كراچي۔
وفي المجمع الأنهر: على الصفة التي وقفها الواقف فلا يزيد على ذلك إلا برضى ذلك المعين، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٦٩، مكتبه غفاريه كوئٹه

(۲) وفي أبوداؤد: أنس بن مالك رضي الله عنه يقول كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الجمعة إذا مالت الشمس، باب في وقت الجمعة، ج ١ ص ١٦٢، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

مندر کے لیے خریدی تھیں۔ اس زمانہ میں خوشاور آ کر ہم مسلمان آباد ہوئے۔ اینٹیں ایک خانقاہ کی چہاردیواری کے لیے تھیں۔ اب وہ چاردیواری اکھاڑ کر مسجد کے برآمدہ پر صرف کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ایک آدمی نے مسجد کی تعمیر کے لیے پانچ صد روپیہ صرف اسی غرض پر دیا ہے کہ اس رقم سے اینٹیں خرید کر اس مسجد پر صرف کی جائیں۔ کسی دوسری مد میں خرچ نہ کی جائیں۔ آیا مندر کی اینٹیں مسجد میں لگانا اور رقم واقف کی مرضی کے خلاف صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جبکہ اس شخص نے پانچ صد روپے سے اینٹیں خریدنے کی تصریح کردی ہے تو اب اس رقم سے اینٹیں خریدنا ضروری ہے۔ واقف کی مرضی کے بغیر کسی اور مد میں صرف کرنا درست نہیں (۱)۔

خانقاہ کی پوری کیفیت جب تک معلوم نہ ہو اس کی اینٹوں کے بارے میں کوئی فتویٰ دینا مشکل ہے۔ سوال میں تفصیل نہیں کہ اس کی اب کیا حیثیت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی زائد آمدنی دوسری مسجد پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کی آمدنی زیادہ ہے اور اس مسجد کو ضرورت نہیں ہے۔ کیا اس مسجد کی رقم دوسری مسجد کی ضرورت پر خرچ ہو سکتی ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر مسجد کی سالانہ آمدنی سالانہ خرچ سے بہت ہی زیادہ ہے اور مسجد کو اس سے بالکلیہ استغناء ہے۔ تو اس زائد رقم کو دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز ہے۔ اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔ جو مسجد اس زیادہ آمدنی والی مسجد کے زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے۔ اسی طرح یہ

---

(۱) وفي رد المحتار: شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ۶ ص ۶۶۴، طبع مكتبه رشيديه جديد۔

وأيضاً فيه بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة، رد المحتار، مطلب غرض الواقفين والعرف يصلح مخصصاً، ج ۶ ص ۶۸۳، طبع مكتبه رشيديه جديد۔

وفي الأشباه والنظائر: شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۱۰۶، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي۔

غاصب شمار ہوگا اور یہ شخص امامت کے لائق نہیں[1]۔ لہٰذا شخص مذکور کو چاہیے کہ مسجد کی آمدنی کو مسجد کی ضروریات پر صرف کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسہ کی زمین بچے کے نام پر خریدنا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زید ایک دینی درس گاہ بنانے کے لیے جمیع مسلمانان سے چندہ جمع کرتا ہے۔ اس درسگاہ کے لیے اراضی خریدتے وقت اراضی مذکورہ ادارہ کی بجائے اپنے نابالغ لڑکے کے نام سے خریدتا ہے۔ شرعاً اس کا یہ عمل جائز ہے یا کہ نہیں۔ نیز کسی ہم عقیدہ ایسے مسلمان کو جس نے درسگاہ کے لیے چندہ دیا ہو اس کی وضاحت طلب کرسکتا ہے کہ نہیں۔

(ج)

دینی درسگاہ کے لیے جو چندہ کیا گیا ہے۔ اس چندہ سے دینی درسگاہ کے نام کے بجائے اپنے نابالغ لڑکے نام سے زمین خریدنا درست نہیں[2]۔ بلکہ یہ اراضی ادارہ کے نام سے خریدے اور ادارہ کے نام وقف کرے۔ **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

---

۱) لما في الدر المختار مع رد المحتار: (ويكره) —— (امامة عبد) —— وفاسق، بل مشى في شرح المنية على أن كراهية تقديمه كراهية تحريم، كتاب الصلوة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ج ۲ ص ۳۵۵ تا ۳۵٦، طبع رشيديه كوئٹه۔ وكذا في الهندية: وتجوز امامة الأعرابي —— والفاسق وكذا في الخلاصة الا أنها تكره، كتاب الصلوة، باب الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح اماماً لغيره، ج ۱ ص ۸۵، طبع علوم الإسلامية چمن۔

۲) كما في در المختار مع الردالمحتار: (وعندهما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى وصرف منفعتهما على من أحب —— وعليه الفتوى، (قوله على ملك الله تعالى) قدر لفظ حكم ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل الى ملك غيره —— قوله (وعليه الفتوى) أى على قولهما يلزمه، كتاب الوقف، مطلب لو وقف على الأغنياء وهو هنم لم يجز، ج ٤ ص ۳۳۸ تا ۳۳۹، ايچ ايم سعيد كراچی۔

وكذا في الهندية: وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كتاب الوقف الخ الباب الأول في تعريفه الخ، ج ۲ ص ۳٥۰، طبع مكتبه علوم الاسلاميه چمن۔

ومثله في بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ۳۱۳، طبع رشيديه كوئٹه۔

مسافر خانہ کو دکانوں میں تبدیل کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حاجی غلام رسول نے ایک مسجد، ایک مسافر خانہ مسافروں کے آرام کے لیے بنا کر وقف کر دیا ہے۔ اس مسجد و مسافر خانے کی دو دکانیں اور اکیس کمرے ہیں۔ جو دو دکانیں ہیں یہ مسجد کے آگے ہیں۔ اکیس کمرے جو ہیں یہ مسافر خانہ ہے۔ اس مسافر خانے کے تین کمروں کے دروازے مسافر خانے کے اندر سے بھی ہیں۔ اور باہر سڑک کی طرف سے بھی ہیں۔ ان تین کمروں کو کاروبار کے لیے دکان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس مسجد و مسافر خانے کو وقف کرنے والے نے اس وقت جائیداد کے لیے وصیت نامہ بھی لکھا کر رجسٹری کروا دیا ہے۔ جو کہ وصیت نامہ درخواست کے ساتھ لف ہے۔ برائے مہربانی اس وصیت نامہ کو پڑھ کر شریعت اسلام کا حکم صادر فرمائیں کہ ان تین کمروں میں دکان بنا کر کاروبار کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے۔ جبکہ اس مسافر خانے میں مسافروں کی رہائش جاری ہے۔ دکان جائز ہے۔ شریعت اسلامی کیا فرماتی ہے۔

سائل: حیات علی۔ غلام سفیان بے

جواب

جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں[1]۔ بنا بریں اگر یہ کمرے مسافر خانے کے لیے وقف ہیں تو مسافر خانے کے علاوہ کسی اور مقصد مثلاً دکان وغیرہ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) کما فی الاشباہ والنظائر: شرط الواقف یجب اتباعہ لقولہم شرط الواقف کنص الشارع، أی فی وجوب العمل بہ، وفی المفہوم والدلالۃ، کتاب الوقف، ج ۲ ص ۱۰۶، طبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی

وکذا فی الدر المختار: وما خالف شرط الواقف فہو مخالف للنص وہو حکم لا دلیل علیہ سواء کان نصہ فی الوقف نصاً أو ظاہراً وہذا موافق لقول مشایخنا کغیرہم شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعہ، کتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف الخ، ج ۱ ص ۴۹۵، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

ومثلہ فی البحر الرائق، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۱۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

چندہ کی رقم سے آرائشی دروازے بنانا

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ سرکاری عہدہ دار یا علماء کرام کی تشریف آوری یا اصلاحی مجالس کی تقریب میں راستے پر یا مکان میں یا اصلاحی مدارس کے سامنے جو اونچے اونچے مزین باب (گیٹ) بنائے جاتے ہیں۔ شرعی نقطہ نظر سے یہ درست ہے یا نہیں؟ بر تقدیر اول کسی اصلاحی درسگاہ یا اصلاحی جلسے کے خرچ کے لیے لوگوں سے حصول چندے کے پیسے یا چندے کے دیگر اموال سے یہ کام کرنا کیسا ہے۔ دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ تمام شقوق کے واضح بیان سے ممنون فرمائیے۔

﴿الجواب﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ واضح رہے کہ یہ مزین دروازے وغیرہ بنانا اور ان میں مال خرچ کرنا ناجائز ہے کیونکہ یہ ایک لایعنی کام ہے۔ اس میں مال خرچ کرنا تضییع مال ہے اور اسراف و تبذیر میں داخل ہے۔ وقال تعالیٰ ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وقال ایضاً ولا تسرفوا[1] الآیۃ۔ خاص طور پر مدارس کے مخصوص چندہ کی وقف رقم میں سے یہ لغو اور بے ہودہ قسم کے دروازے وغیرہ بنانا نہایت ہی قبیح فعل ہے۔ آخر قوم نے ان خرافات پر خرچ کرنے کے لیے رقم دی ہے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اسی قسم کی فضول خرچی اور اسراف میں کثرت سے روشنی کرانا ہے جس کے متعلق مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اصلاح الرسوم میں ارشاد فرماتے ہیں: مساجد میں ہر روز یا ختم کے روز کثرت سے روشنی کرانا اس میں بہت سے مکروہات ہیں[2]۔

(۱) اسراف کہ اس قدر تیل اور بتی مفت ضائع ہو جاتی ہے۔ اگر یہی رقم مسجد کے کسی ضروری کام لوٹی، دری، فرش، لوٹا وغیرہ پر صرف کی جاوے کس قدر مدد پہنچے اور اسراف کا حرام ہونا بار بار مذکور ہو چکا ہے۔

---

۱) پارہ نمبر ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۲۷، وأیضاً پارہ نمبر ۸، سورۃ الأعراف، آیت نمبر ۳۱۔

۲) کما فی الھندیۃ: سئل أبو بکر عمن أوصی بثلث المال لأعمال البر ھل یجوز أن یسرج فی المسجد؟ قال یجوز ولا یجوز عنی سراج المسجد سواء کان فی شھر رمضان أو غیرہ قال ولا یزین بہ المسجد کذا فی المحیط، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد الخ، ج ۲ ص ۴٦۱، طبع علوم اسلامیہ چمن۔

وکذا فی تنقیح الحامدیۃ: قولہ مسائل شتی من الحظر والإباحۃ مطلب فی البدع المنکرۃ ایقاد القنادیل الکثیرۃ، ج ۲ ص ۳۵۹، مکتبہ حقانیہ پشاور۔

﴿ج﴾

عرصہ دراز سے اس قسم کی چیزوں میں جیسے تصرفات اہل دیہ کی اجازت سے کیے جاتے ہیں جیسا کہ سوال میں درج ہے۔ ان کی اجازت اور بستی کے اکثر عوام کی اجازت سے اس لکڑی کو مسجد میں صرف کرنا درست ہے۔ البتہ اگر وقف اشیاء کا کوئی ضابطہ اور قواعد وہاں مقرر ہیں تو اس کے مطابق عمل کیا جاوے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی استعمال شدہ رقم کیسے واپس کرے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۶۶ھ میں ہندوستان و پاکستان کی تقسیم کا اعلان ہوا ہے، کو پتہ ہے جو کہ مسلمانوں کے ساتھ خون ریزی، خانہ بربادی، لوٹ کھسوٹ مساجد وغیرہ کے بھی رقومات وغیرہ لوٹ لی گئیں۔ بارہ شخص اور بعض شخص گاؤں شہروں میں مسجدوں وغیرہ کے روپیہ سے اسلحہ وغیرہ خرید لیا گیا یا لوٹ کھا گئے۔ ان کے بارے میں آئندہ عندالشرع کیا حکم ہے ادا کریں تو کیسے کریں کہاں خرچ کریں جو لوگ مسجد کی دری پاکستان میں آ کر فروخت کرکے خود کھا گئے ان کے لیے کیا حکم ہے۔

(۲) بندہ قصبہ فتح آباد ضلع حصار ہندوستان میں رہائش پذیر تھا۔ جو کہ چند مسجدوں کی عیدگاہ وغیرہ کا متولی تھا۔ جس کے کل ۱۸۰۰ روپیہ مشترکہ جمع تھے جب ہندوستان سے پاکستان کو روانہ ہونے سے ایک دن پہلے قبل نماز جمعہ جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے رقم سنبھالی گئی اور اعلان کر دیا کہ میں ایک آدمی ہوں کوئی آدمی سنبھالے خبر نہیں کیا ہوگا۔ تمام نمازیوں نے یہی کہا کہ آپ کے علاوہ کوئی نہیں سنبھالتا۔ جس طرح ہوگا دیکھا جائے گا۔ جب ریاستی کی حد پر آئے گاڑی پر سوار ہونے کا ذکر ہوا اور لوگوں میں یہ مشہور ہوا کہ سب رقم حکومت چھین لے گی۔ فقط ۵۰ روپیہ فی کس وزن سے کچھ سے زائد کر سوار کر دیں گے میرے ساتھیوں نے کہا کہ آپ بڑے بڑے لوگوں کے کنبے میں تقسیم کر دیں تو کر دیں۔ باقی محمد اسلم نے خود ان کے کہنے پر بندہ نے جو کہ بڑے کنبہ دار آدمی تھے۔ کسی کو دو سو کسی کو چار سو روپیہ تقسیم کر دیا جیسا کہ اپنے پاس کوئی پیسہ نہیں رکھا۔ اور یہ کہہ دیا تھا

---

(۱) لما في الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به. (كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع: ج ٦ ص ٦٦٤، رشيديه جديد)

وأيضاً فيه: على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (رد المحتار، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصاً: ج ٦ ص ٦٨٣، رشيديه جديد كوئٹه)

وكذا في الأشباه: شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (كتاب الوقف: ج ٢ ص ١٠٦، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي)

کہ پاکستان میں جا کر سب رقوم بھیج دے۔ نیز یہ وہ رقومات جو کہ حکومت نے لوگوں سے سات روپیہ فی کس چندہ لیا۔ اس میں یا اپنے کھانے پینے میں خرچ کر لیا۔ مجھ کو کسی نے کوئی پیسہ نہیں دیا۔ اور نہ ہی میں نے مانگا۔ یہ خیال تھا کہ جس جگہ تمام لوگ اکٹھے ہو جائیں گے۔ اس جگہ لوگوں سے لے کر ایک مسجد بنالیں گے۔ لیکن بدقسمتی سے لوگ اپنی اپنی رائے کے مطابق مختلف ضلعوں شہروں گاؤں میں بس گئے ہیں۔ چار گھر یہیں دو گھر یہیں تین گھر یا کم و بیش اب تک یہ امید رہی کہ شاید کوئی آ جائیں ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ لیکن یہ بات نہ بنی اور نہ امید ہے اب بعض لوگ کہتے ہیں بلکہ رقم دینے والے کہتے ہیں کہ آپ وصول کر کے جہاں شرع کا حکم ہوا کرو یہ رقم چندہ اقوام کی مشترکہ ہیں اکثر شاید دسواں یا بارہواں یا بیسواں دیگر اقوام کا ہوگا زیادہ تر رائیں قوم کا تھا۔ علماء سے زبانی دریافت کیا گیا کہ یہ روپیہ کہاں خرچ کیا جائے۔ کوئی کچھ کہتے ہیں کوئی کچھ تسلی بخش جواب نہ ملا۔ جو لوگ مختلف جگہوں میں آباد ہیں مثلاً ایک جگہ تو چھ گھر آباد ہیں ان کے پاس ۵۰ روپیہ ہے۔ بعض جگہ ۲۰-۱۵ گھر آباد ہیں۔ ان کی طرف تین سو چار سو رقم ہے براہ مہربانی قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی رو سے جواب عنایت فرمائیں کہ یہ کس طرح وصول کر کے خرچ کیا جائے۔ اگر کوئی رقم نہ دے تو میں متولی کو عنداللہ کوئی گرفت تو نہیں۔ اور میں خود ان سے وصول کر کے خرچ کروں جس جگہ بیٹھے ہیں۔ وہیں خرچ کریں۔ بینوا تو جروا ..... السائل: حافظ اسلام الدین قوم آرائیں مہاجر مقام نمبرا چلیا آرائیں ڈاکخانہ و تحصیل لودھراں ضلع ملتان شہر۔

﴿ج﴾

(۱) جن لوگوں نے مسجد کی وقف شدہ رقوم خود کھالی ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اتنی رقوم کسی مسجد میں صرف کر دیں اور اگر اس مسجد میں یہ رقم پہنچانی ممکن ہو جو ہندوستان میں رہ گئی اور وہ مسجد آباد ہو تو وہاں پہنچائی جائے۔

(۲) اس صورت میں بھی وہ رقم اگر ہو سکے تو اس ہندوستان والی مسجد میں پہنچانے کا انتظام کیا جاوے۔ جس کی یہ رقم تھی بشرطیکہ وہ مسجد آباد ہو۔ ورنہ پھر یہاں کسی مسجد میں صرف کر دی جاوے۔ اگر آپ جمع کر سکیں تو بہتر ہے ورنہ ان کو کہہ دیں کہ وہ از خود کسی مسجد میں صرف کرائیں۔ آپ پر کوئی ضمانت نہیں ہے[1]۔

واللہ اعلم محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

(۱) (ولو خرب ما حوله واستغنى عنه لم ..... وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر) در المختار، ج ۶ ص ۵۵۰، كتاب الوقف۔ وكذا في الهندية: كان استغنى عنه هذا المسجد يحول إلى مسجد آخر، كتاب الوقف الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول في ما به يصير مسجد مسجداً الخ، ج ۲ ص ۴۵۸، مكتبه علوم الإسلاميه چمن۔

وكذا في التاتار خانية: كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في أوقاف التي يستغنى عنها الخ، ج ۵ ص ۸۷۲، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية۔

مسجد کی بجلی کا امام صاحب کے لیے استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ:

(۱) مسجد کی بجلی امام مسجد کے گھر میں جو مسجد سے الگ ہے۔ استعمال ہو سکتی ہے جب کہ امام مسجد کی تنخواہ جو مقرر کی ہوئی ہے وہ گاؤں والے اس کو ادا کرتے ہیں۔

(۲) مسجد کا تیل یا ماچس وغیرہ امام مسجد اپنے گھر میں استعمال کر سکتا ہے۔

(۳) امام مسجد نے گاؤں میں دو پارٹیوں کی تشکیل دے دی ہے ایک اس کے خلاف ہے۔ اب اس کا مصلیٰ پر ڈٹا رہنا جائز ہے۔

﴿ج﴾

(۱، ۲) مسجد کی انتظامیہ کی اجازت سے درست ہے[1]۔

(۳) اگر امام میں کوئی شرعی نقص ہے تو اس کے لیے امامت کرنا درست نہیں[2]۔ اگر شرعی نقص نہیں تو امامت سے ہٹانا درست نہیں[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) لما فی الهندية واذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك الى امام المسجد أو الى مؤذن المسجد فليس له ذلك الا أن كان الواقف شرط ذلك فی الوقف، كتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد الخ، ج ۲ ص ٤٦٣، طبع علوم اسلاميه، چمن۔ وكذا فی خلاصة الفتاوی، كتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وأوقافه ومسائله، ج ٤ ص ٤٢٦، طبع رشيديه كوئٹه۔
وكذا فی التاتار خانية: كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، نوع منه فی المسائل التی تعود الی قيم المسجد الخ، ج ٥ ص ٨٥٧ تا ٨٥٧، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی۔

۲) كما فی الدر المختار مع ردالمحتار: ويكره أمامة عبد ـــ وفاسق ـــ بل مشی فی شرح المنية علی أن كراهية تقديمه كراهية تحريم، كتاب الصلوة، مطلب فی تكرار الصلوة فی المسجد، ج ۲ ص ۲٥٥ تا ۳٥٥، رشيديه (جديد) كوئٹه۔ وكذا فی العالمكيرية: (كتاب الصلوة باب الإمامة، الفصل الثالث فی بيان من تصلح امامة لغيره، ص ٨٥، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۳) كما فی الرد المحتار: استفيد من عدم صحته عزل الناظر بلا جنحته عدمها لصاحب وظيفة فی وقف بغير جنحة وعدم اهلية كتاب الوقف، مطلب لا يصح عزل صحب وظيفة الخ، ج ٤ ص ۳٨٢، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وكذا فی بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ۲٨٠، طبع رشيديه كوئٹه۔

صدقات کی رقوم مسجد میں استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا نلکا ہے جس سے محلہ والے پانی حاصل کرتے ہیں۔ ہر سن سے لے کر چھوٹے سے چھوٹا بچہ پانی لینے کے لیے آتا ہے اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ کسی نے کچھ پہنا ہوا ہوتا ہے۔ رانوں تک خواہ بالغ ہو یا نابالغ اور چھوٹے ننگے پاؤں ہوتے ہیں۔ اور مسجد میں پھرتے رہتے ہیں۔ یہ تو ایک ظاہر بات ہے کہ ان کے پاؤں پلید ہوتے ہیں کیونکہ گندی جگہ پھرتے ہیں تو ایسی صورت میں مسجد کا احترام باقی ہے یا ختم اور وہ جگہ پاک ہے یا ناپاک ہے۔ اور مسجد کے نلکے سے محلہ والے پانی لے سکتے ہیں یا نہ؟ اس مسئلہ کا مفصل حکم کیا ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اہل محلہ کو احسن طریقے سے سمجھایا جائے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اس میں گندے پاؤں داخل نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے گھر کی بے حرمتی نہ کریں اور پلید نہ کریں[1]۔ نیز بچوں کے متعلق کہا جائے کہ وہ اپنے بچوں کو بھی سمجھائیں۔ اگر سمجھانے کے باوجود بھی باز نہ آئیں تو انہیں پانی لینے سے روکا جائے بشرطیکہ فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

صدقات کی رقوم مسجد میں استعمال کرنا

﴿س﴾

علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

---

(۱) كما في الدر المختار: والوضوء في ما أعد لذلك. وقال العلامة ابن عابدين: لأن ماءه مستقذر طبعاً فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم، بدائع، ج ۲ ص ۵۲۵، مطلب في رفع الصوت بالذكر، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا في الأشباه والنظائر: ورفع الصوت بالذكر إلا للمتفقهة (وفي شرحه) وللمذكر ويمنع من رفع الصوت بالذكر في المسجد صادق بالمنع للتحريم والمنع للكراهية. القول في أحكام المسجد، ج ۴ ص ۱۹۶، ادارة القرآن كراچی۔
وأيضاً في الأشباه: وإدخال نجاسة فيه يخاف منها التلويث وفي شرحه ولهذا قالوا ينبغي لمن أراد أن يدخل المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم يدخل فيه احترازاً عن تلويث المسجد. القول في احكام المسجد، ج ۳ ص ۱۸۵، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

(۱) کیا مسجد کی تعمیر کے لیے جمع کیے ہوئے چندہ کو کسی اور رفاہی یا قومی کام میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ چندہ دہندگان بھی رضامند نہ ہوں۔ (ب) اور اگر چندہ دہندگان مسجد کے علاوہ دوسری جگہ روپیہ صرف کرنے پر رضامند ہو جائیں تو کیا جائز ہے یا نہیں۔ (۲) ایک ایسا مدرسہ جو کسی مسجد میں قائم ہے۔ صرف مقامی بچے ہی قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ معلم تنخواہ پر رکھا ہوا ہے، کیا اس قسم کے مدرسے میں صدقہ زکوٰۃ اور قربانی کی کھال کی رقم صرف کی جاسکتی ہے۔ یعنی معلم کی تنخواہ دینے میں چٹائیاں وغیرہ خریدنے میں۔ معلم کے طعام کا انتظام کرنے میں قرآن مجید اور سپارے وغیرہ خریدنے کے سلسلہ میں اس کے علاوہ مدرسہ کے سلسلہ میں تمام کاموں میں مدرسہ کے جلسہ وغیرہ پر (۳) کیا کوئی اسلامی مدرسہ جہاں پر قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہو صدقہ زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں سے حاصل کردہ رقوم سے تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ (۴) ایک آدمی عرصہ سے برائی کا منصوبہ باندھتا رہتا ہے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد منصوبہ کے پورا ہونے سے پہلے وہ باز آجاتا ہے۔ کیا اس پر گناہ واجب ہوا (ب) وہ منصوبہ کو کامیاب کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر ناکام ہو جاتا ہے۔ یا مجبور ہو کر اس سے باز آجاتا ہے کیا اس پر گناہ واجب ہے؟

﴿ج﴾

(۱) جبکہ چندہ دہندگان مسجد کے لیے جمع شدہ چندہ کو دوسرے رفاہی وقومی کاموں میں صرف کرنے پر راضی نہ ہوں تو جائز نہیں [۱] البتہ چندہ دہندگان کی باہمی رضامندی سے صرف کرنا جائز ہے۔ (۲) زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا مصرف فقراء ومساکین وغیرہ ہیں۔ تعمیرات ومسجد کی چٹائیاں یا معلم مدرس کی تنخواہ پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ ان صدقات واجبہ اور قربانی کی کھالوں سے حاصل رقوم کا تعمیرات پر لگانا جائز نہیں [۲]۔ (۴) برائی

---

۱) لما في الدر المختار مع رد المحتار: وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً لا يجوز له ذلك، (قوله لا يجوز ذلك) أي الصرف المذكور تنبيه قال الخير الرملي: أقول ومن الجهة ما اذا كان الوقف منزلين: أحدهما: للسكنى و الآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد الخ، ج ٤ ص ٣٦٠ تا ٣٦١، ایچ ایم سعید۔ وكذا في بحر الرائق: ولا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٦٢، طبع رشيديه كوئٹه۔

وكذا في البزازية: كتاب الوقف نوع في الوقف المنقول، ج ٦ ص ٢٦١، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۲) كما في الدر المختار مع الرد المحتار: ويشترط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا اباحة كما مر (لا) يصرف (الى بناء) نحو (مسجد) ـــ قوله (نحو مسجد) كبناء القناطير والسقايا واصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه، كتاب الزكاة، باب المصرف، ج ٣ ص ٣٤١ تا ٣٤٢، رشيديه جديد كوئٹه۔

وكذا في الهندية: كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، رشيديه كوئٹه، ج ١ ص ١٨٨۔

کے منسوب ہے اگر اپنے ارادے اور اختیار سے باز آ جاتا ہے تو اسے ثواب ملے گا اور اگر یہ کام دوسری مجبوری کی وجہ سے منسوب ہا ... ہے، ہو جاتا ہے تو اس سے بری ہے کہ اس کا عزم کرنے پر گناہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کی رقم سے عیدگاہ کی رقم کاٹ لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد قادر پور کی اشد ضرورت ہے، چھوٹی ہے اس کو تعمیر کیا جاتا ہے۔ مسمی حاجی قطب الدین ولد نصیر الدین جو کہ عمائد میں شمار ہوتے ہیں، جب رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے عیدگاہ پر رقم خرچ کی ہوئی ہے، لہٰذا اس میں کٹوتی کر لی جاوے۔ اب مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ کیا جامع مسجد والی رقم کٹوتی ہو سکتی ہے یا یہ کہ ان سے وصول کی جاوے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جامع مسجد کی رقم کو عیدگاہ پر خرچ کی ہوئی رقم میں کٹوتی کر لینا جائز نہیں[1]۔ لہٰذا چندے کی رقم جامع مسجد کے لیے ادا کرنا مسمی حاجی قطب الدین ولد نصیر الدین پر واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلا اجازت مسجد کا سائبان کرایہ پر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کا سائبان ہے مسجد کی کمیٹی نے سائبان کرایہ پر دینے سے منع کیا ہوا ہے۔ مسجد کے متولی اور اس کے والد صاحب اپنے آدمی کو بغیر کمیٹی کی منظوری کے سائبان دے دیتے ہیں اور جب واپس آتا ہے تو سائبان کو دیکھا جاتا ہے تو سائبان خراب ہے کہ اس میں کوئی جگہ شگاف ہو جاتے ہیں۔ اس بارے میں شرعی فیصلہ فرمادیں۔

---

(۱) كما في رد المحتار: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حكم لا دليل عليه سواء كان نصه في الوقف نصا أو ظاهرا وهذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه. كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف الخ، ج ۴ ص ۴۹۵، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

وكذا في الأشباه: كتاب الوقف، ج ۲ ص ۱۰۶، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية

ومثله في بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۲۶۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ

﴿ج﴾

جب کہ مسجد کی کمیٹی نے مسجد کے لئے نالی کا سامان کرایہ پر لیا ہے ، وہ کب دیا تھا ، پھر نالی اور اس کے والد نے کمیٹی سے اجازت لیے بغیر سامان اپنے آدمی کو دے دیا اور اسے نقصان پہنچا تو اس نقصان کی تلافی کمیٹی ضمان نالی اور اس کے والد پر واجب ہے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کنوئیں کی اینٹوں کا مسجد میں استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے چک نمبر ۳۰ آبادی میں زمینداران نے چندہ کر کے کنواں تیار کر دیا تھا۔ کچھ عرصہ جاری رہا بعد میں عرصہ تیس سال سے بند پڑا ہے۔ اب اس کی ضرورت نہیں کیونکہ باشندگان چک نے اپنے گھروں میں علیحدہ علیحدہ کنوئیں تیار کر لیے ہیں۔ اب اس کنوئیں کو دبایا گیا اور اس کی اینٹیں نکالی گئی ہیں۔ اب وہ اینٹیں مسجد کے کام میں لگ سکتی ہیں یا نہ؟ جملہ حصہ داران مسجد میں اینٹیں لگانے پر رضامند ہیں۔ صرف ایک مربعہ کا مالک مر چکا ہے۔ اس کے تمام بچے ہیں جس وقت چندہ کر کے کنواں تیار کر دیا تھا اس وقت ۲۴ مربعہ جات کے مالک تھے۔ اب اکثر مالک مربعہ جات مر چکے ہیں۔ ان کی اولاد سب بالغ ہیں۔ صرف ایک مربعہ کے مالک کے لڑکے نابالغ ہیں۔

﴿ج﴾

حصہ داران کنوئیں کی رضامندی سے یہ اینٹیں مسجد میں لگائی جا سکتی ہیں، نابالغ کے حصہ کی اینٹیں نابالغ کو دے دی جائیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(1) كما في البحر الرائق: ويفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه، كتاب الوقف، ج 5 ص 396، طبع رشيدية كوئٹہ۔
وكذا في الهندية: إذا غصب من الواقف أو من واليها غاصب، فعليه أن يردها إلى الواقف فإن أبى وثبت غصبه عند القاضي أحبسه حتى يرد فإن كان دخل الوقف نقص غرم النقص، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في غصب الوقف، ج 2 ص 467، بلوچستان بك ڈپو۔
وكذا في التاتارخانية: كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعوى، ج 5 ص 628 تا 629، ادارة القرآن۔

(2) كما في الهندية: وأما شرائطه فمنها العقل والبلوغ، فلا يصح الوقف من الصبي والمجنون كذا في البدائع، الباب الأول في تعريفه وركنه وشرائطه، كتاب الوقف، ج 2 ص 352، بلوچستان بك ڈپو۔
وكما في البحر الرائق: أهلية الواقف للتبرع من كونه حرا عاقلا بالغا، كتاب الوقف، ج 5 ص 302، رشيدية كوئٹہ۔ وكذا في البدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة، فصل أما شرائط الجواز، ج 6 ص 219، مكتبه رشيدية كوئٹہ۔

(ب) عمرو نے اس بنا پر دعویٰ کیا کہ چونکہ ہندوستان میں میرے والد وقف کمیٹی کے صدر تھے ان کے انتقال کے بعد پاکستان میں وقف کمیٹی کے مقیم ممبران میں سے بعض نے مجھے صدر بنا لیا۔ اس لیے بحیثیت صدر وقف کمیٹی یہ رقم مجھے ملنی چاہیے۔ حالانکہ عمرو نے پاکستان میں واقف کی منشاء کے مطابق کوئی دینی تعلیمی ادارہ قائم نہیں کیا۔

(ج) خالد نے اس بنا پر دعویٰ کیا کہ میں کرنال شہر کا باشندہ ہوں اور بوقت ضرورت جامع عظمت کرنال میں جمعہ پڑھایا کرتا تھا۔ نیز شہر کرنال اور ضلع کرنال کی اکثر آبادی منتقل ہو کر یہیں آباد ہوئی ہے۔ اور میں نے شہر اور ضلع کرنال کی عظیم آبادی کی دینی ضرورت کے پیش نظر نومبر ۱۹۴۷ء میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ جس میں تقریباً تین سو طلبہ اور طالبات شہری اور بیرونی قرآن پاک حفظاً و ناظرہ اور اردو دینیات اور عربی فارسی درس نظامی کی تعلیم پاتے ہیں۔

(۷) بالآخر سابقہ وقف کمیٹی کے خزانچی کی رائے اور خالد کے معقول دعویٰ کی بنا پر ڈیڑھ دو سال کی کوشش کے بعد مذکورہ وقف رقم خالد کے زیر نگرانی ادارہ کے نام منتقل ہو گئی۔ لیکن خالد ناظم ادارہ کی رائے کے خلاف بینک آفیسران نے تقسیم سے قبل کی وقف انتظامیہ کمیٹی کے خزانچی کی رائے سے مذکورہ رقم بینک میں دو سال کے لیے فکسڈ ڈپازٹ یعنی سود پر جمع کرا دی گئی۔

(۸) گزشتہ سے پیوستہ جامع مسجد عظمت اور مدرسہ عظمتیہ کرنال کو واگزار کروانے والے شخص بتوسط خالد سے ملاقات کے لیے پاکستان پہنچے تو خالد نے اس رقم کا تذکرہ ان سے کیا تو انہوں نے بتلایا کہ ہم نے انڈین گورنمنٹ کے ذریعہ پاکستانی گورنمنٹ سے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا ہوا ہے۔

(۹) ستمبر ۱۹۶۳ء میں بینک کی دو سالہ میعاد کے ختم ہونے سے پہلے کراچی کے بینک کے افسر کی جانب سے خالد ناظم ادارہ کو تحریری اطلاع دی گئی کہ وقف کرنال کی اصل رقم کو برآمد نہ کریں کیونکہ اس رقم کی واپسی کا مطالبہ انڈین گورنمنٹ اور پاکستانی دعوے دار زید نے کیا ہوا ہے اور رقم مذکورہ کا جو دو سالہ سود بنتا ہے بینک سے وصول کر کے ادارہ میں خرچ کریں۔

(۱۰) اس سے دو ماہ قبل بھی کراچی کے بینک افسران کی جانب سے خالد ناظم ادارہ کو اسی قسم کا نوٹس برائے یاددہانی موصول ہوا جس کے جواب میں خالد نے افسران مذکورہ کو ایک تحریری عرض داشت بھیج کر بینک سے درخواست کی ہے کہ وقف کی رقم جو میرے ادارے کو منتقل ہو چکی ہے وہ کسی ہندوستانی ادارہ یا پاکستان میں کسی دوسرے شخص یا ادارہ کو منتقل نہ کی جائے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) ملک کی تقسیم کے وقت مسجد اور مدرسہ کا جو روپیہ ان کے بینک میں جمع تھا۔ حکومت پاکستان اسے اپنی

مرضی یا سابقہ وقف انتظامیہ کمیٹی کے ممبران کی رضا سے پاکستان میں رہ گئے اور خرچ کرنے کا شرعاً استحقاق رکھتی ہے یا نہیں؟ جبکہ تقریباً دس بارہ سال تک کرنال میں وقف کا مصرف ہی ختم ہو چکا ہو۔

(۲) بینک کے افسران کا موقف یہ ہے کہ چونکہ ہندوستان ابتدائے تقسیم سے لے کر اب تک جائیداد منقولہ کے بین الملکی معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلم مہاجرین کی بہت سی رقوم ہضم کر چکا ہے۔ اس لیے ہم یہ رقم اور اسی طرح کی دوسری رقوم ہندوستان کو نہیں دیں گے۔

(۳) اگر یہ رقم حکومت ہندوستان کو دے دی جائے تو اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ یہ رقم واقف کی منشاء کے مطابق خرچ کی جائے ہو سکتا ہے کہ مسئولہ یہ رقم کو متروکہ قرار دے کر اسے اپنے مصرف میں لے آئے۔

(۴) اگر بالفرض حکومت ہندوستان پاکستان سے روپیہ لے کر موجودہ انتظامی وقف کمیٹی کرنال کی تحویل میں دے تب بھی وہاں اول قلیل غیر موثر مسلم اقلیت کے پاس اتنی کثیر رقم کا کوئی مصرف نہیں۔

(۵) اور اگر انتظامیہ کمیٹی خرچ کرنے کا کوئی راستہ نکال بھی لے تو وہاں کی موجودہ مسلم اقلیت کے جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں اور نہ ہی اوقاف کی جبکہ ہولی دیوالی محرم اور عید قربان کے موقع پر شرپسند اور ہندو غنڈے مسلم اکثریت کے علاقوں میں فساد برپا کر کے مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے ان کے اموال لوٹ کر بقیہ علاقوں میں خوف و ہراس پیدا کر کے ان کو سال بسال مشرقی اور مغربی پاکستان میں دھکیل دیتے ہیں۔

(۶) ان حالات میں حکومت پاکستان کا موجودہ موقف درست ہے یا نہیں اور کیا حکومت پاکستان اس رقم کو کسی مدرسے کے نام منتقل کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں۔ اگر حکومت پاکستان کا موجودہ فعل شرعاً درست نہیں ہے اور محض تعصب کی بناء پر مذکورہ رقم کسی پاکستانی ادارہ کو منتقل کر دے تو اس ادارے کو اس رقم کے خرچ کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟ جبکہ کرنال میں کسی نہ کسی وجہ میں اصل کا متبادل مصرف قائم کر دیا گیا ہے۔

(۷) ادارہ مذکورہ جس کے نام یہ رقم منتقل ہو چکی ہے مگر اسے اب تک خرچ کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ اجازت ملنے سے قبل یا اجازت کے بعد اس بات کا مکلف ہے کہ مذکورہ وقف رقم کو اپنے طور پر ہندوستانی وقف کمیٹی کو منتقل کرے۔ ورنہ یہ ادارہ اس رقم کو قانونی طور پر کرنال نہیں بھیج سکتا۔ اور اگر کوئی غیر قانونی صورت اختیار کی جائے تو اس سے قانون کی گرفت میں آتے ہیں۔

(۸) وقف کا روپیہ دو قسم کا ہے۔ (۱) مسجد کا (۲) مدرسہ کا۔ آیا اس کو صرف مدرسہ پر خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یا مسجد کے روپیہ سے مدرسہ کے اندر ہی مسجد تعمیر کر لی جائے۔ یا دیگر مساجد کو امداد دے دی جائے۔

(۹) مدرسہ اور مسجد کی رقم کا جو سود بنتا ہے اس کو بینک سے وصول کیا جائے یا نہیں بصورت وصولی اس کا

مصرف کیا ہوگا۔ کیا مسجد اور مدرسہ میں بیت الخلاء تعمیر کرائے جائیں۔

(۱۰) خالد جس کے ادارے کے نام یہ رقم منتقل ہو چکی ہے اگر اس کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ کرنال میں متبادل مصرف کی موجودگی میں اس رقم کو اپنے ادارہ پر خرچ کرے تو وہ اس شرعی قباحت سے بچنے کے لیے اگر وقف کی رقم وصول کرنے سے انکار کر دے تو یہ بھی مستحسن ہے۔ بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ حکومت اس رقم کو کسی اور رفاہی کام پر خرچ کر دے گی۔

(۱۱) زید جس کا کوئی ادارہ واقف کی منشاء کے مطابق موجود نہیں ہے کیا وہ محض مصدر ہونے کی بناء پر وقف کی رقم لے کر خرچ کرنے کا مجاز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پہلے بطور تمہید کے ذکر کر دیا جاتا ہے کہ فقہاء کرام کا ضابطہ کلیہ ہے کہ شرط الواقف کنص الشارع۔ اور فقہاء کرام نے تصریح کر دی ہے کہ جب کسی مال وقف کے مقرر کردہ مصرف سے استغناء واقع ہو جائے۔ مثلاً مسجد یا حوض وغیرہ پر کچھ مال وقف تھا۔ اب اس مسجد میں نماز پڑھنے والے نہ رہے۔ بلکہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور اس حوض سے اب انتفاع ختم کیا جا رہا۔ اور دوبارہ آباد ہونے کی کوئی امید ہے تو ایسی صورت میں مسجد کے مال وقف کو کسی دوسری قریب کی مسجد پر صرف کر دیا جائے اور حوض کے مال کو حوض۔ اور حوض کے مال کو مسجد پر اور مسجد کے مال کو حوض پر خرچ نہ کیا جائے۔ قال فی الدر المختار مع شرحہ رد المحتار ج۴ ص۳۰۷ (و) کذا (الرباط والبئر اذا لم ینتفع بھما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (الی اقرب مسجد او رباط او بئر) او حوض (الیہ) تفریع علی قولھما شرنبلالیۃ[1]۔ اس تقریر تمہید سے آپ کے سوالات کے جوابات بخوبی واضح ہوتے ہیں۔

(۱) رقم مذکور چونکہ ابھی تک صرف نہیں ہوئی ہیں اور اس رقم کا اصل موقوف علیہ مسجد اور مدرسہ دونوں دوبارہ آباد ہو گئے ہیں۔ لہٰذا حکومت کو یہ حق حاصل ہرگز نہیں ہے کہ شرط واقف کے خلاف اس رقم کو کسی دوسرے مصرف میں لائے[2]۔

---

۱) کتاب الوقف، مطلب فی مالو خرب المسجد او غیرہ، ج ۴ ص ۳۰۹، ایچ ایم سعید کمپنی۔

۲) کما فی الدر المختار: ما خالف شرط الواقف فھو مخالف للنص وھو حکم لا دلیل علیہ سواء کان نصہ فی الوقف نصاً او ظاھراً وھذا موافق لقول مشایخنا کغیرھم شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعہ، کتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف الخ، ج ۴ ص ۴۹۵، ایچ ایم سعید کمپنی۔

وکذا فی الاشباہ والنظائر: کتاب الوقف، ج ۲ ص ۱۰۶، ایچ ایم سعید کمپنی۔

ومثلہ فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ۵ ص ۱۱۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

مسجد پر صرف کرنا ناجائز ہے۔ البتہ اگر اس کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ اور اس سامان کو اس مسجد میں استعمال کرنے کی بالکل حاجت نہیں تو قریب والی مسجد میں (جبکہ دوسری مسجد کو ضرورت ہو) استعمال کرنا درست ہے[1]۔

(۲) یہ صورت اختیار کرنے میں تردد ہے، اس لیے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

چندوں کے متروکہ سامان مسجد میں استعمال کرنا

﴿س﴾

مندرجہ ذیل سوالات کا شرعی جواب مطلوب ہے۔

(۱) یہاں کچھ رقم عیدگاہ کی تعمیر کے لیے جمع کی گئی تھی۔ لیکن اب عیدگاہ کی تعمیر کا ارادہ نہیں رہا۔ کیا یہ رقم مسجد میں یا مدرسے میں لگائی جا سکتی ہے تو کس طریق پر؟

(۲) یہ قصبہ ہندوؤں کا تھا۔ جنھوں نے قصبے سے کچھ تالاب بنائے ہوئے تھے۔ ان کی ضرورت نہیں رہی۔ ان کے کواڑ اکثر لوگ اتار کر لے گئے ہیں، ایک پھاٹک کے کواڑ محفوظ ہیں۔ عوام پوچھتے ہیں کہ انھیں مسجد میں صرف کر لیا جائے۔ کیا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

(۱) صورت مسئولہ میں اعلان کر دیا جائے کہ عیدگاہ بنانے کا ارادہ ملتوی ہو چکا ہے جو شخص چندہ واپس لینا چاہے واپس لے لے اور جس کا ارادہ واپس لینے کا نہ ہو تو ہمیں اجازت دے تاکہ اس رقم کو مسجد یا مدرسے میں خرچ کر دیا جائے۔ اس امر کی پوری تشہیر کے بعد جو لوگ واپس لے لیں۔ انھیں چندہ واپس کر دیا جائے اور جو

---

(۱) في رد المحتار: لما قال العلامة الحصكفي: وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي ... حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو حوض. كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٩، كذا في الفتاوى التاتارخانية؛ وقال العلامة عالم بن العلاء الأنصاري: وسئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر؟ قال نعم، كتاب الوقف الفصل الرابع والعشرون في أوقاف التي يستغنى عنه الخ، طبع إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی، ج ٥ ص ٨٧٧ —

اجازت دیں تو اس کو ان کی اجازت کے ساتھ مسجد یا مدرسہ پر خرچ کرنا جائز ہے[1]۔

(۲) ہندوؤں کے متروکہ کمرے ذمہ دار حکام اور افسران حکومت کی اجازت سے مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہے بغیر اجازت جائز نہیں[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی آمدنی سے دعوت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ متولی مسجد حافظ کے ختم قرآن پر ماہ رمضان میں مسجد کے مکانات کے کرایہ سے دیگیں پکا کر لوگوں کی دعوت کرے۔ اور دیگر اشیاء بھی مثلاً دستاریں پرسہ وغیرہ مسجد کے مال سے لوگوں کے لیے کھانا اور استعمال کرنا حرام ہے یا ٹھیک ہے۔ اور متولی کے لیے اب کیا حکم ہے۔ بالتفصیل بیان کریں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مسجد کی آمدنی مصالح مسجد ہی پر صرف ہو سکتی ہے۔ بانی وقف کی شرائط وقف کے خلاف استعمال متولی کے لیے ہرگز جائز نہیں۔ نیز لوگوں کو بھی اس کا کھانا وغیرہ ٹھیک نہیں۔ قال الشامی شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع. الخ۔ ج ۳ ص ۴۹۵[3]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ شوال ۱۳۷۱ھ

---

(۱) فی رد المحتار: ونقل فی الذخیرة عن شمس الأئمة الحلوانی أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج إلیه لتفرق الناس عنه هل للقاضی أن یصرف أوقافه إلی مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم. کتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیره، ج ۴ ص ۳۵۹، ایچ ایم سعید.
کما فی رد المحتار: ولا سیما فی زماننا فإن المسجد أو غیره من رباط أو حوض إذا لم ینقل یأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد وکذلک أوقافه یأکلها النظار أو غیرهم ..... ولا یجتمع العمارة به وله أوقاف عامرة ویحصل ملك بالقاری، کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه، ج ۴ ص ۳۶۰، سعید.
(۲) الفتاوی الهندیة: (ومنها) الملك وقت الوقف حتی لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن إلیه أو صالح علی مال دفعه إلیه لا تکون وقفاً، کتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۵۳، کما فی البحر الرائق: ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتی لو غصب أرضاً فوقفها ..... لا تکون وقفاً، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۱۸۸، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔
(۳) کتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف الخ، ج ۴ ص ۴۹۵، ایچ ایم سعید کراچی۔
مثله فی البحر الرائق، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۲۱۱، رشیدیہ کوئٹہ۔
فی الأشباه والنظائر: شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع أی فی وجوب العمل به وفی المفهوم والدلالة، کتاب الوقف، ج ۲ ص ۱۰۶، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی۔

وقف کی حیثیت تبدیل کرنا

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مرتے وقت اپنے بالغ اور نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کو وصیت کرتا ہے کہ میری زمین کا فلاں حصہ جو ثلث سے کم ہے فلاں خانقاہ کو دیا جائے تاکہ اس کی آمدنی وہاں کے غرباء اور مساکین پر صرف ہو ان خانقاہوں میں اکثر سونے والوں کا اپنی حیات میں یہ دستور تھا کہ خیرات اور صدقات میں سے جو چیز بھی ان کی خدمت میں آتی تھی وہ اسے وہاں کے درویشوں اور غریبوں اور مسکینوں پر صحیح معنوں میں صرف فرماتے لیکن خانقاہوں کے موجودہ سرپرست اس غرباء نوازی کی رسم کو زندہ کرنے کے بجائے اپنی تن پرستی کی طرف متوجہ ہیں اور اس قسم کی مالی امداد کی سے وہ کسی والی ریاست سے کم حیثیت کے مالک نہیں زید کی خواہش یہ تھی کہ اس زمین کی آمدنی مستحق فقراء پر صرف ہو مگر زید اپنی دوربینی اور بے علمی کی وجہ سے ان سرپرستوں کی حقیقت سے ناواقف تھا گویا زید اپنی لاعلمی کی وجہ سے ایک غیر مشروع وصیت کر گیا۔ مسئول مسئلہ کی چند صورتیں (۱) وہ زمین اس غیر مشروع عمل میں جہاں دینی اور دنیوی کوئی مفاد نہیں دی جائے یا نہ؟ (۲) وہ زمین کسی دیانت دار اور معتبر آدمی کی سرپرستی میں اسی شہر کے غرباء اور مساکین پر صرف کی جائے تو جائز ہے یا نہ؟ (۳) مذکورہ زمین کسی دینی مدرسے میں دی جائے تو درست ہے یا نہ؟ (۴) کسی ادارہ یا انجمنوں پر صرف کی جائے تو مشروع ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾

وقف میں اگر کسی مصرف کی تعیین واقف کی جانب سے ہو تو اس کا اعتبار ضرور کیا جائے گا۔ جب یہاں واقف نے یہ الفاظ استعمال کیے (تاکہ اس کی آمدنی وہاں کے غرباء ومساکین پر صرف ہو) تو اب وہاں ہی کے فقراء ومساکین پر صرف ہوگا دوسرے کسی فقراء پر صرف کرنا صحیح نہ ہوگا۔ شامی کتاب الوقف ص ۴۸۴ میں ہے

لو قال على فقراء جيراني فهي عنده للفقير الملاصقة داره لداره الساكن هو فيها لتخصيصه استحسانا بالملاصق فيما لو اوصى لجيرانه بثلث ماله والوقف مثله(۱) الخ۔ اس سے اس مصرف مخصوص کے سوا دوسرے مصرف پر صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ اگر خود واقف زندہ ہوتا تو وہ مصلحت کے تحت بعض شروط وقف میں تبدیل کر سکتا لیکن واقف کے بعد کوئی تبدیل نہیں ہو سکتا نہ متولی وقف جب خائن ہے اور

---

(۱) فی الفتاوی الشامیہ۔ کتاب الوقف قوله او بمن جاور، ج ۳ ص ٤٨٤، مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔

وقف کی آمدنی کو صحیح مصرف پر صرف نہیں کرتا تو اس کا معزول کرنا واجب اور لازم ہے اس کی جگہ کوئی دیانتدار امین شخص کو مقرر کیا جائے تاکہ اس وقف کو اس کے صحیح مصرف میں صرف کرتا رہے۔ درمختار میں ہے وینــــزع وجوبا لو الواقف فغيره اولى الى ان قال وان شرط عدم نزعه او ان لايعزله قاضي ولا سلطان لمخالفته لحكم الشرع فيبطل (۱)۔ یعنی متولی اگر امین نہ ہو تو اس کو ضرور بالضرور معزول کیا جائے گا اگرچہ خود واقف ہی متولی کیوں نہ ہو اور اگرچہ اس نے وقف نامہ میں یہ شرط بھی تحریر کر دی ہو کہ مجھے کوئی قاضی یا بادشاہ معزول نہ کرے گا تب بھی معزول کرایا جاوے۔ تو جب متولی واقف کے علاوہ ہو وہاں تو بطریق اولیٰ معزول کیا جاوے گا شامی لکھتے ہیں ویصرح بوجوبا مقتضاه اثم القاضي بتركه (۲) یعنی قاضی اگر معزول نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا اب مسلمانوں پر لازم ہے کہ جس صورت سے ممکن ہو ایسے خائن متولی کو ضرور معزول کریں ورنہ باوجود استطاعت کے معزول نہ کرنے والے گنہگار ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

چندہ کی رقم مسجد کی آرائش پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ

(۱) مسجد کے محراب میں چندہ کے پیسوں سے شیشے کی لکڑیاں اور پھول وغیرہ بنوانا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) نماز جنازہ میں کندھے ملانا صحیح ہے یا بُعد رکھنا۔

(۳) کیا ایک آدمی کیا اپنے صرف سے مسجد میں محراب کے آرائش شیشے وغیرہ لگوا سکتا ہے۔

---

۱) في الدر المختار: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٨٢، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچي، فتاوى شامي (قوله غير مأمون الخ) قال في الاسعاف ولا يولي الا امين قادر بنفسه او بنائبه، لان الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لانه يخل بالمقصود (مطلب في شروط المتولي كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٨٠، ايچ ايم سعيد كراچي۔

۲) تنوير الابصار مع رد المحتار كتاب الوقف ج ٤ ص ٣٨٠، ايچ ايم سعيد كراچي۔

في البحر الرائق: وصرح في البزازية ان عزل القاضي للخائن واجب عليه، ومقتضاه الاثم بتركه والاثم بتولية الخائن ولا شك فيه، كتاب الوقف في نصب المتولي وما يملكه أولاً، ج ٦ ص ٢٥٤، رشيديه

في رد المحتار: وفي الجواهر القيم اذا لم يراع الوقف يعزله القاضي، كتاب الوقف، مطلب في ما يعزل به الناظر، ج ٤ ص ٣٨٩، سعيد، في البحر الرائق: فاستفيد منه انه اذا تصرف بما لا يجوز كان خائناً يستحق العزل ولقصر ما لم يقل، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٩٤، رشيديه۔

(۳) اس کے اوپر والی سطح پر شیشہ لگ چکا ہے۔ اندر بتایا ہے اب وہاں تمام شیشہ لگا دیں یا ویسے رنگ وغیرہ یا چمکیلی کر دیں۔

الجواب

(۱) مسجد کی دیواروں اور فرش میں رنگ برنگ کے نقش اور بیل بوٹے بنانا جو نماز میں خیال کو منتشر کرتے ہوں مکروہ ہے اور بالخصوص محراب میں اور قبلہ کی دیوار میں زیادہ مکروہ ہے۔ البتہ اگر لکڑی یا گچ اور چونے وغیرہ کے ایسے نقش بنائے جائیں جو نماز میں مخل نہ ہوں تو مضائقہ نہیں۔ یاد رہے کہ مسجد کی صفائی حسن ہے۔ لیکن صفائی اور دیواروں وغیرہ کی مضبوطی کے لیے کام اور چیز ہے۔ اور تزئین وگل کاری اور شے ہے۔ بے حد زینت اور گل کاری مکروہ ہیں۔ یہ سب چونے اور گچ وغیرہ کے بیل بوٹے بنوانا بھی اس وقت درست ہے کہ بنوانے والا ان کو اپنے حلال مال سے بنوا رہا ہو لیکن اگر وقف یا چندہ سے بنائی جاتی ہے تو جب تک وقف کرنے والا یا چندہ دینے والا اس کی اجازت نہ دے اس وقت تک ہرگز جائز نہیں۔ اگر متولی مسجد نے بلا اجازت چندہ دہندگان بلا ضرورت نقش ونگاری میں چندہ خرچ کیا تو وہ ذمہ دار ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ (ولا باس بنقشه خلا محرابه) فانه يكره لانه يلهي المصلي ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة قاله الحلبي وفي حظر المجتبى وقيل يكره في المحراب دون السقف والمؤخر انتهى وظاهره ان المراد بالمحراب جدار القبلة فليحفظ (بجص وماء ذهب) لو (بماله) الحلال (لا من مال الوقف) فانه حرام (وضمن متوليه لو فعل) النقش او البياض الخ۔ (الدر المختار مع شرحه رد المحتار ج ۱ ص ۷۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم[1]۔

نماز جنازہ میں صفوں کا سیدھا رکھنا اور قریب قریب کھڑے ہونا ضروری ہے صفوں کے درمیان کافی فاصلہ چھوڑنا لازم نہیں۔

---

(۱) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها مطلب كلمة لا بأس دليل على أن المستحب غيره لأن البأس الشدة، ج ۱ ص ۶۵۸، ايچ ايم سعيد كراچي۔

وفي الهداية: ولا بأس بأن ينقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب وقوله لا بأس يشير الى انه لا يوجر عليه لكنه لا يأثم به وقيل هو قربة وهذا اذا فعل من مال نفسه أما المتولي يفعل من مال الوقف ما يرجع الى احكام البناء دون ما يرجع الى النقش حتى لو فعل يضمن، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ۱ ص ۱۴۲، مكتبه رحمانيه لاهور۔

كما في الهندية: أما المتولي يفعل من مال الوقف ما يرجع الى احكام البناء دون ما يرجع الى النقش حتى لو فعل يضمن، كتاب الصلوة باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ۱ ص ۱۰۹، رشيديه۔

اسکول پڑھنے والوں کے لیے مدرسہ کا کھانا کھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مثلاً ایک دیہاتی مولوی کے دو لڑکے سکول پڑھتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ قرآن مجید بھی حفظ کرتے ہیں۔ اب وہ مولوی صاحب اپنے لڑکوں کو شہر ہائی سکول میں بھیجنا چاہتا ہے۔ اس ہائی سکول کے ساتھ متصل دینی درسگاہ بھی ہے۔ اس مولوی صاحب کا خیال ہے کہ اس دینی درسگاہ میں قرآن مجید بھی حفظ کرتے رہیں گے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس مولوی صاحب کے لڑکے دینی درسگاہ کے بیت المال سے کھانا کھا سکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مدرسہ کی انتظامیہ اگر ان کا داخلہ منظور کرے اور لڑکے مدرسہ میں قرآن مجید حفظ کریں تو مدرسہ سے کھانا لینا جائز ہے[1]۔ الغرض مدرسہ کی انتظامیہ داخلہ اور کھانا جاری کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ شوال ۱۳۹۷ھ

ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) ایک آدمی نے مدرسہ قائم کیا۔ کچھ رقم اپنی طرف سے اور کچھ چندہ کر کے مدرسہ ۱۰-۵ سال تک چلایا آخر کار اپنی رقم ختم ہونے اور چندہ نہ ملنے کی وجہ سے مدرسہ بند ہو گیا۔ اور مدرسہ کا کچا مکان کرایہ پر دیا۔ جس کا کرایہ مہتمم صاحب وصول کرتے اور اپنی ضروریات پوری کرتے رہے۔ اب جب حساب کیا تو اڑھائی ہزار روپے مہتمم صاحب کے ذمہ جمع ہو گئے ہیں اور وہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو کیا اسی مکان میں دوبارہ مدرسہ قائم کریں یا کسی اور مدرسہ کو دے دیں۔

---

[1] وقف وقفاً صحيحاً على ساكن مدرسة كذا من طلبة العلم فسكن بها انسان لكن لا يبيت فيها ويشتغل بالحراسة ليلاً لا يحرم عن ذلك ان كان يأوي الى بيت من بيوته وله آلة السكنى لأنه يعد ساكن هذا الموضع، الهندية، كتاب الوقف، الباب الرابع عشر في المتفرقات، ج ۲ ص ۴۸۲، مكتبة رشيدية كوئته۔

(۲) ایک آدمی نے خرید کر قرآن مجید دیا کہ آپ اس میں تلاوت کریں، اور لینے والے کو معلوم نہیں تھا کہ اس نے کس رقم سے ہدیۃً دیا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ رقم کسی سے دھوکہ پر وصول کی تھی۔ اب جس کے پاس قرآن ہے وہ اس میں تلاوت کرے یا اس کو واپس کرے یا کسی مسجد میں رکھے۔

﴿ج﴾

(۱) مذکورہ مدرسہ کے قریب دوسرے مدرسہ دینیہ (جس کو رقم کی ضرورت ہو) میں اس رقم کو خرچ کرنا درست ہے[۱]۔ (۲) اس قرآن پاک میں تلاوت درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱-۱۰-۱۳۹۹ھ

مدرس کے مہمان کو مدرسہ کا کھانا کھلانا:

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک دینی ادارے یعنی ایک مدرسہ اسلامیہ عربیہ کا کوئی مدرس بیمار ہو گیا اب اس کی عیادت کے لیے جو مہمان آتے ہیں۔ ان کے بارے میں اس مدرسے کی مجلس عاملہ نے یہ اجازت دے دی کہ ان کے کھانے پینے کا انتظام مدرسے کی رقم سے کیا جائے۔ تو کیا شرعاً اس ادارے کے فنڈ سے اس مدرس کی عیادت کے لیے آنے والے مہمانوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جو مہمان محض ذاتی تعلق و دوستی کی بناء پر اس مدرس کی عیادت کے لیے آ گئے جیسے رشتہ دار وغیرہ ان کی مہمان نوازی پر مدرسے کی رقم سے خرچ کرنا درست نہیں ہوگا[۲]، اور وہ مہمان جو مدرسے سے تعلق

---

۱) في الدر المختار: وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي ... حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٩

في التاتارخانية: وسئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر؟ فقال نعم، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها، ج ٥ ص ٨٦٧، إدارة القرآن كراچی۔

وكذا في الفتاوى العالمگيرية: كتاب الوقف، باب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها الخ، ج ٢ ص ٤٧٨، رشیدیہ۔

وكذا في رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٩ سعيد

۲) وفي البحر: ... الوقف ... السكنى والأجر للاستغلال فلا يصرف ... للأجر

وفي الفتاوى ... كتاب الوقف، مطلب في انتقاض المسجد، ج ٤ ص ٣٦٠ تا ٣٦١، ايچ ايم سعيد

کر گئے تھے کیا وہ چھوٹا بیٹا جامع مسجد کی امامت کا حق دار بن سکتا ہے۔ جو والد صاحب مرحوم کی بڑے بیٹے کو سپرد شدہ ہے۔ کیونکہ چھوٹا بھائی کہتا ہے کہ میں اپنے والد صاحب کی اولاد ہوں۔

(۴) دونوں بھائیوں نے اکٹھے ہونے کے وقت ایک اور مدرسہ سابق کی آمدنی سے قرضہ لے کر زمین اپنے نام کردی کہ جب تک قرضہ ادا نہ ہوگا آمدنی زمین مدرسہ کو دیتے رہیں۔ اس کے بعد چھوٹا بھائی نہ قرضہ ادا کرتا ہے اور نہ آمدنی دیتا ہے۔ بلکہ نصف آمدنی وصول کرتا ہے اور دوسرے اپنی شاخ والے مدرسہ کو دیتا ہے۔ اور بڑے بھائی نے مدرسہ کو اپنی رقم سے اپنے حصہ کا قرضہ ادا کردیا ہے۔ اور اس زمین کو اپنا ملک بنا دیا ہے کیا یہ اپنا ملک بنا سکتا ہے یا نہ؟ اور چھوٹا بھائی اس زمین کی آمدنی دوسرے مدرسہ میں خرچ کرتا ہے۔ جائز ہے یا نہ؟

(۵) اور بعد میں جو زمین عیدگاہ کے لیے خریدی گئی تھی وہ مشترکہ عوام کے چندہ سے ہوئی وہ عیدگاہ دونوں بھائیوں کے نام انتقال ہو کر بڑا بھائی اس عیدگاہ کا امام رہتا ہے۔ اب چھوٹا بھائی امامت کا دعویٰ کرسکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

(۱) سابقہ مدرسہ کی آمدنی سے جدید مدرسہ کے لیے نصف آمدنی لینا جائز نہیں[1]۔ جب تک وہ مدرسہ موجود ہے۔ اس کی آمدنی صرف اسی پر خرچ ہوگی۔ اگرچہ جدید مدرسہ سابقہ مدرسہ کی شاخ نہیں بلکہ مستقل مدرسہ ہے۔

(۲) یہ آمدنی اور سامان صرف اسی جامع مسجد کے لیے استعمال ہونا چاہیے اس سے نصف آمدنی حاصل کر کے دوسرے[2] وقف پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) امامت میں میراث جاری نہیں ہے۔ جس بھائی کو اہل محلہ نے امام بنایا ہے وہی امام رہے گا[3]۔

(۴) مدرسہ سے جو رقم بطور قرض حسنہ لی جاتی ہے۔ اس کا واپس کرنا لازم ہے[4]۔

---

۱) لما في الدر المختار مع الرد المحتار: وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليهما أوقافاً لا يجوز له ذلك، (قوله لا يجوز له ذلك) أي الصرف المذكور لنبه قال الخير الرملي: أقول ومن الجهة كانوا ما اذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال لا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى، كتاب الوقف، مطلب في النقاض المسجد، ج ٤ ص ٣٦٠ تا ٣٦١، ايچ ايم سعيد كمپنی۔

۲) وأيضاً في الجزء الأول۔

۳) كما في الدر المختار (الباني) للمسجد (أولى) من القوم (بنصب الإمام والمؤذن في المختار إلا إذا عين القوم أصلح ممن عينه) الباني، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٠، طبع ايچ ايم سعيد كمپنی۔

٤) لما في الخانية: رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه ثم رد بدلها لا يسعه أن يفعل ذلك — وفي القضاء يكون خائناً فيكون ذلك ديناً عليه لصاحب المال، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً ج ٣ ص ٢٩٩، طبع مكتبه رشيديه۔

(۵) چھوٹے بھائی کے لیے امامت کا دعویٰ درست نہیں ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۳-۱۱-۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ

مسجد کی مرمت کے لیے غیر مسلم کی رقم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) مدرسہ میں عوام الناس قرآن پاک کے نسخے دیتے ہیں لیکن نسخے اسی طرح پڑے رہتے ہیں۔ کیا وہ نسخے مسجد میں رکھے جا سکتے ہیں۔ نیز کیا وہ نسخے غریب عوام الناس کو پڑھنے کے لیے بھی دیے جا سکتے ہیں۔

(۲) مدرسہ میں عوام الناس قرآن پاک کے لیے غلاف دیتے ہیں۔ وہ بھی کثیر تعداد میں پڑے رہتے ہیں۔ کیا وہ غلاف طلبہ یا غریب لوگوں کو دیے جا سکتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنے ذاتی استعمال میں لائیں۔ جیسے قمیص وغیرہ بنائیں۔

(۳) ایک مسجد کی مرمت کے لیے ایک غیر مسلم نے رقم دی ہے۔ تو کیا وہ رقم مسجد پر صرف ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہو سکتی تو اس رقم کو کس مد میں لایا جائے۔

﴿ج﴾

(۱) اگر واقف نے خاص اسی مدرسہ کے لیے قرآن پاک کے نسخے وقف کیے ہیں تو دوسری جگہ منتقل کرنا یا فروخت کرنا جائز نہیں۔ **کما قال فی رد المحتار ج ۴ ص ۴۳۱ لکن فی القنیۃ سبّل مصحفا فی مسجد بعینہ للقراءۃ لیس لہ بعد ذلک ان یدفعہ الی آخر من غیر اہل تلک المحلۃ للقراءۃ وقال فی النہر وہذا یوافق القول الاول لا ما ذکر فی موضع آخر اھ۔ وفی الدر المختار مع شرحہ رد المحتار ص ۴۳۱ ج ۴۔ فان وقفہا علی مستحقی وقفہ لم یجز نقلہا وان علی طلبۃ العلم وجعل مقرہا[2] فی خزانتہ التی فی مکان کذا ففی جواز النقل تردد۔**

شامی نے اس کے تحت نقل کرنے کی عدم جواز کی تائید ذکر کی ہے۔ فلینظر۔

(۲) غلاف کا بھی یہی حکم ہے۔

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت جزء الثالث فی الصفحۃ السابقۃ۔

(۲) کما فی رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب متی ذکر للوقف مصرفا لا بد أن یکون فیہم تنصیص علی الحاجۃ، ج ۴ ص ۳۶۶-۳۶۷، مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی۔

(۳) کافر اگر قربت کی نیت سے تعمیر مسجد کے لیے چندہ دے تو فی نفسہ جائز ہے[۱]۔ لیکن کافر کا چندہ لینے میں ان کا اہل اسلام پر احسان ہوگا اور مسلمان اپنے شعائر کی تعمیر وغیرہ میں ان کے ممنون ہوں گے۔ اس وجہ سے کافر کا چندہ لینا جائز نہیں۔ کافر کا چندہ جو لیا ہے واپس کردے۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۶؍۲؍۱۳۹۱ھ

مسجد کے شامیانہ کا مذہبی تقریبات کے لیے استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ ایک مسجد میں چندہ کر کے شامیانہ بنایا گیا ہے۔ چندہ اسی مسجد کے نام پر ہوا ہے اب بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس شامیانہ کو اسلامی جلسوں پر اور عید کی نماز پر جو کہ شہر میں ہوتی ہے دیا جائے۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے چندہ اسی مسجد کے لیے دیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ہمارا چندہ دیتے وقت ارادہ تھا کہ اسلامی جلسوں پر بھی استعمال کریں گے۔ اعلان کرنے والا کہتا ہے کہ چندہ میں نے فقط اسی مسجد کے لیے کیا تھا۔ اب یہ شامیانہ مسجد کے علاوہ اسلامی جلسہ یا عید پر استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا تؤجروا۔

﴿ج﴾

جواز استعمال وعدم استعمال کا مدار چندہ دہندگان کی نیت پر ہے، اگر ان کی نیت عام تھی تو استعمال بھی دوسرے اسلامی جلسوں میں جائز ہے اور اگر نیت خاص تھی تو جائز نہیں ہے۔ اس کی خوب تحقیق کر لی جاوے۔ موجودہ زمانے کے عرف سے یہ بات ظاہر ہے کہ مسجد کے شامیانے کو بعض اوقات ایسے جلسوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے چندہ دہندگان نے اگرچہ اس استعمال کی صراحۃً نیت نہ بھی کی ہو بوجہ عرف کے ان کی اجازت دلالۃً ہوگی اور استعمال جائز ہوگا لیکن اگر بعض چندہ دہندگان نے خصوصیت کے ساتھ مسجد پر اس کے استعمال کو منحصر رکھنے کی شرط کر دی ہو تو اس کا استعمال جلسوں میں جائز نہ ہوگا۔ اگرچہ بعض کا اذن عام ہی کیوں نہ ہو[۲]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۳رذی الحجہ ۱۳۷۴ھ

---

۱) (قوله وأن يكون قربة في ذاته) ـــ أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤١، طبع ايچ ايم سعيد۔

۲) في رد المحتار: على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة، كتاب الوقف مطلب مراعاة غرض الواقفين الخ، ج ٤ ص ٤٤٥، ايچ ايم سعيد كراچى۔

كذا في الأشباه والنظائر: لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة، كتاب الوقف الفن الثاني الفوائد، ج ٢ ص ١٠٦، ادارة القرآن كراچى۔

وكذا في الدر المختار: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٣ تا ٤٣٤، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔

ہندوستان کی مسجد کی رقم کو پاکستان کی مسجد پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ سائل کے پاس ہندوستان میں ہندوستان کی کسی مسجد کا روپیہ موجود تھا فسادات کے پیدا ہونے کے بعد سائل مملکت پاکستان چلا آیا۔ اب وہ روپیہ سائل کے پاس موجود ہے کیا اس روپیہ کو یہاں پاکستان کی کسی مسجد پر خرچ کر سکتا ہے یا کہ نہ؟ جواب تسلی بخش دیا جاوے۔

﴿ج﴾

نہیں اس رقم کو اسی مسجد پر صرف کرنا ضروری ہے اس لیے یہ رقم وہاں بھیج دی جائے[1]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ

مسجد کی لکڑی کو اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد بنانے کے لیے لکڑی تیار کی ہے تقدیر الٰہی سے اس پر قرضہ ہو گیا ہے اس وقت وہ بنانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ وہ لکڑی مذکورہ قرضے میں دے سکتا ہے یا فروخت کر سکتا ہے۔ اس کو شرع شریف کیا فرماتی ہے اور لکڑی بھی خراب ہوتی جاتی ہے۔ جس طرح شرع شریف حکم فرمائے اسی طرح عمل کیا جاوے۔

﴿ج﴾

لکڑی وقف کرنا صحیح ہے اس لیے کہ قول مفتی بہ یہ ہے کہ وقف المنقول صحیح ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس شخص نے لکڑی کو مسجد کے لیے وقف کر دیا ہے تو اس کو اپنی ضرورت میں صرف نہیں کر سکتا بلکہ مسجد کا متولی جیسے مسجد کے

---

(۱) في رد المحتار: وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلك (الدر المختار) (قوله لا يجوز له ذلك) أي الصرف المذكور ... قال الخير الرملي: أقول ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، ج ٤ ص ٣٦٠، ٣٦١، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچی۔

في الأشباه والنظائر: شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد ج ٢ ص ١٠٦، ادارة القرآن كراچی۔

وكذا في مجمع الأنهر: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٢٠٨، مكتبه غفاريه كوئٹه۔

فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے عمل کرے گا اس طرح اس کو لکڑی میں تصرف کرنے کا حق ہوگا بہر حال وہ مسجد کی ہوگی اور اگر فقط نیت اور ارادہ میں یہ بات تھی کہ یہ لکڑی مسجد کو دوں گا اور وقف کیا نہیں تھا تو وہ لکڑی اس کی ہے اس میں تصرف کر سکتا ہے اور قرضہ اس سے ادا کر سکتا ہے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۷ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

مسجد کے اسٹور کو مدرسے کے لیے استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ریلی قرآن کے لیے یعنی بچوں کو قرآن مجید پڑھانے کے لیے ضرورت کی وجہ سے مسجد کی برآمدہ موذن کا کمرہ، مسجد کا سٹور وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

جو جگہ مسجد میں داخل ہو اور اس کو مسجد کا حکم دے دیا گیا ہو۔ وہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی[2]۔ اس کو مدرسہ بنانا درست نہیں ہے[3]۔ بوقت ضرورت بچوں کو اس میں پڑھنے کے لیے بٹھانا اگرچہ جائز ہوگا۔ لیکن وہ حکم میں مسجد کے ہے۔ اس کے ساتھ آداب و رعایات میں مسجد کا معاملہ کرنا ضروری ہوگا۔ برآمدے کے ساتھ ملحقہ سٹور اور موذن کا کمرہ مدرسے کے لیے استعمال کرنا درست ہے[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۳/۴/۱۳۹۸ھ

---

(۱) الدر المختار: وركنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين ونحوه من الألفاظ كموقوفة لله تعالى، أو على وجه الخير والبر واكتفى أبو يوسف بلفظ موقوفة فقط قال الشهيد ونحن نفتي به للعرف، كتاب الوقف، ج ۴ ص ۳۴۰، ایچ ایم سعید کراچی۔
كذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الأول فصل في الألفاظ التي يتم بها الوقف وما لا يتم بها، ص ۳۵۷/۲، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

(۲) كما في تنوير الأبصار مع الدر المختار: (ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة (وبه يفتى) حاوي القدسي، كتاب الوقف، ج ۶ ص ۵۵۰، طبع رشيديه كوئته جديد۔ وكذلك في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۱، طبع مكتبه رشيديه كوئته

(۳) الدر المختار مع الرد المحتار: (وكره تحريماً البول والتغوط) لأنه مسجد إلى عنان السماء ... (إلى عنان السماء) ... وكذا إلى تحت الثرى، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد، ج ۱ ص ۶۵۶، طبع ایچ ایم سعید كمپنی۔
وكذلك في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل كره استقبال القبلة الخ، ج ۲ ص ۶۰، رشيديه۔

(۴) كما في الخلاصة الفتاوى: أما المعلم الذي يعلم الصبيان بأجر إذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر لا يكره، كتاب الصلوة، ج ۱ ص ۲۲۹، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا في الهندية: كتاب الصلوة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة وما لا يكره، ج ۱ ص ۱۱۰، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

مسجد کی کتاب کو عاریۃً لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کسی مسجد کی کوئی کتاب برائے نقل و کتابت و اشاعت مستعار لی جائے اور اس سے علمی خدمت کے علاوہ تجارتی مقاصد بھی مقصود ہوں تو اس قسم کا استعارہ صحیح ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

یہ استعارہ درست و صحیح ہے[1]۔ عدم جواز کی کوئی وجہ اس میں نہیں ہے۔ اس لیے حفاظت کے ساتھ اس مستعار کتاب سے عبارت نقل کی جائے اور پھر آگے اس کی اشاعت کی جائے اور مستعار کتاب واپس کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷/۸/۱۳۹۰ھ

ضرورت ختم ہونے پر ایک مسجد کی رقم کا دوسری مسجد کے لیے استعمال

﴿س﴾

ایک آدمی نے مسجد کے چندہ سے پیسے وصول کیے بعد میں اس مسجد کی ضرورت مکمل ہو گئی کیا وہ شخص کسی اور مسجد میں چندہ دے سکتا ہے جبکہ دوسری مسجد ضرورت مند ہے۔

﴿ج﴾

دوسری مسجد پر اس وقت لگ سکتا ہے جب پہلی مسجد بالکل ویران ہو جائے[2]۔ یہاں چونکہ پہلی مسجد آباد ہے۔ آئندہ اس کی ضرورت میں وہ رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ اس لیے دوسری مسجد میں اس کو صرف کرنا صحیح نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم

---

۱) كما في الدر المختار: وفي ظهيرية وقف مصحفاً على أهل المسجد للقراءة إن يحصون جاز وإن وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه ولا يكون محصوراً على هذا المسجد وبه عرف حكم نقل كتب الأوقاف من محالها للانتفاع بها والفقهاء بذلك مبتلون. (كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٦٥، طبع ايچ ايم سعيد كمپني كراچي)

۲) كما في التاتارخانية: وسئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم. (كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون الخ، ج ٥ ص ٨٧٢، طبع دار الفكر)

کیا وقف کے بغیر کوئی جگہ مسجد ہو سکتی ہے

(سوال)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے صحن میں مسجد کی چھوٹی سی حد بندی کرتا ہے۔ اس وقت یہ نیت نہیں کرتا ہے کہ صحن کا فرش بنواؤں گا تو مسجد کی حد توڑ دوں گا۔ دوبارہ بھی فرش بنواؤں گا۔ اب جبکہ سو سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اس عرصہ میں وہ جگہ مسجد کے نام سے مشہور ہوگئی کیا اس مسجد کو اکھیڑ سکتا ہے یا نہیں؟ مسجد بنا کر فرش ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر مسجد اکھیڑ دی تو دوبارہ وہاں مسجد ہی بنوائے یا کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔

(جواب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ واضح رہے کہ اگر مالک زمین نے اپنی زمین میں سے کچھ حصہ مسجد کے لیے متعین کر دیا ہو اور اس کو نماز پڑھنے کے لیے وقف کر دیا ہو یا لوگوں کو اس میں ہمیشہ کے لیے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہو اور نماز پڑھنے کا اس میں عام حکم دے چکا ہو اور اس کا ہمیشہ نماز پڑھے جانے کا ارادہ ہو تب تو یہ مسجد ہے اس کی بیع ہبہ کرنا یا اس کو مکان میں شامل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ بلکہ زمین کا یہ حصہ جس میں لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تا قیام قیامت مسجد ہی رہے گا۔

اور اگر عارضی طور پر نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ متعین کی ہو جیسا کہ صورت مسئولہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ تک اس میں نماز پڑھے جانے کا ارادہ نہ ہو اور نہ اس کو وقف کر چکا ہو۔ جیسے کہ عورتیں اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کے لیے ایک چبوترہ نما حصہ کو متعین کر لیتی ہیں۔ تب یہ مسجد نہیں ہے۔ اس کی بیع اس کو مکان میں شامل کرنا غرضیکہ اس میں ہر قسم کا تصرف مالک کر سکتا ہے۔ شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کما قال فی الکنز من بنی مسجداً لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقہ و یاذن للناس بالصلوۃ فیہ فاذا صلی فیہ واحد زال ملکہ (ص ۲۲۳) قال فی البحر الرائق تحت ج۵ ص ۲۴۸ ولو قال المصنف ومن جعل ارضہ مسجدا بدل قولہ ومن بنی لکان اولی لانہ لو لم یکن لہ ساحۃ لا بناء فیھا فامر قومہ ان یصلوا فیھا بجماعۃ قالوا ان امرھم بالصلوۃ فیھا ابدا او امرھم بالصلوۃ فیھا بالجماعۃ ولم یذکر ابدا الا انہ اراد بھا الابد ثم مات لا یکون میراثا عنہ وان امرھم بالصلوۃ شھرا او سنۃ ثم مات تکون میراثا عنہ لانہ لابد من التابید

والتوقیت ینافی التابید کذا فی الخانیة[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مالک کی اجازت کے بغیر مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ قبل از ملک کسی کی زمین پر نماز کے لیے جگہ متعین کر کے عرصہ تک نماز ادا کرتے رہنے سے اس جگہ کو ہمیشہ کے لیے مسجد قرار دیا جا سکتا ہے یا مالک کی اجازت ضروری ہے اور پھر اذن عام بھی ہونا چاہیے۔ مسجد کو مسجد متعین کرنے کے لیے کیا شرائط ہیں؟

﴿ج﴾

مالک کی اجازت کے بغیر کسی جگہ کو مسجد کے لیے متعین کرنا اس پر مسجد بنانا جائز نہیں۔ مالک کی اجازت ضروری ہے یعنی مسجد کے لیے ضروری ہے کہ وہ زمین ہمیشہ کے لیے مسجد کے لیے وقف ہو اور مالک زمین کا اس سے حق متعلق نہ ہو تو ایسی زمین مسجد بنانے اور نماز پڑھنے کے بعد مسجد کے حکم میں ہو جائے گی[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مالکان کی اجازت کے بغیر افسران کا مسجد کے نام زمین الاٹ کر دینا

﴿س﴾

دو کنال زمین جس میں تین بھائی شریک ہیں اور ایک کنال زمین مسجد کی جانب راست میں ہے اور ایک

---

(۱) فی کنز الدقائق: کتاب الوقف، احکام الوقف والمسجد، ص ۲۲۶، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ۔
وفی البحر الرائق: کتاب الوقف فی احکام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۶-۴۱۷، مکتبہ رشیدیہ جدید۔
وکذا فی العالمگیریۃ: وذکر الصدر الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ فی الواقعات فی باب الغین من کتاب الہبۃ والصدقۃ رجل لہ ساحۃ لا بناء فیہا أمر قوماً أن یصلوا فیہا بجماعۃ فہذا علی ثلاثۃ أوجہ أحدہا أما إن أمرہم بالصلوۃ فیہا أبداً نصاً بأن قال صلوا فیہا أبداً أو أمرہم بالصلوۃ مطلقاً ونوی الأبد ففی ہذین الوجہین صارت الساحۃ مسجداً لو مات لا یورث عنہ وأما إن وقت الأمر بالیوم أو الشہر أو السنۃ ففی ہذا الوجہ لا تصیر الساحۃ مسجداً لو مات یورث عنہ، کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق بہ، ج ۲ ص ۴۵۵، بلوچستان بک ڈپو مسجد روڈ کوئٹہ۔
(۲) فی الدر المختار: (ولا بنی) الوقف (حتی یقبض ویفرز ویجعل آخرہ لجہۃ قربۃ لا تنقطع)، کتاب الوقف، ج ۳ ص ۳۴۹، مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔
فی الفتاوی العالمگیریۃ: أما إن وقت الأمر بالیوم أو الشہر أو السنۃ ففی ہذا الوجہ لا تصیر الساحۃ مسجداً لو مات یورث عنہ، کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق بہ، ج ۲ ص ۴۵۵، طبع بلوچستان بک ڈپو مسجد روڈ کوئٹہ، وکذا فی الذخیرۃ؛ وفی فتاوی قاضی خان۔

﴿ج﴾

یہ مسجد شرعاً مسجد کے حکم میں نہیں ہے[1]۔ جو نمازیں اس میں پڑھی گئی ہیں۔ اگرچہ وہ نمازیں ادا ہوگئی ہیں۔ ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہری شکل وصورت سے وہ مسجد تھی لیکن نہ تھی اور نہ ہی اس کو احکام مسجد کے حاصل ہیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۲۳ رجب ۱۴۰۰ھ

واقف کا وقف سے انکار کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد کے نام ایک زمین کا ٹکڑا وقف کیا ہے۔ جس کے گواہ اور تحریر کا شام موجود ہے۔ اب وہ آدمی اس کا انکاری ہے وہ زمین وقف شدہ بیچ دی ہے۔ کیا وہ وقف شدہ زمین کو واپس اپنی ملک میں کر سکتا ہے یا نہیں اور اس کو بیچ سکتا ہے یا نہیں؟

اس مسجد کی چار دیواری بنی ہوئی ہے۔ اس میں لوگ نماز ادا کرتے ہیں اس کا متولی بھی ہے۔

﴿ج﴾

وقف بنا بر قول مفتی بہا نفس قول و تحریر سے تام ہوجاتا ہے[3]۔ کذا فی رد المحتار کتاب الوقف۔ اس صورت

---

1) قال ابن عابدين: أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكاً له وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد وأن لا يكون محجوراً عن التصرف حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد شراء أو صلح ولو أجاز المالك وقف الفضولي جاز. (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤١، طبع ايچ ايم سعيد) وقال ابن نجيم: فالحاصل من شرائط الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن إليه أو صالح على مال دفعه إليه لا تكون وقفاً (البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ٥ ص ١٨٨، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه)
وهكذا في الهندية: ج ٢ ص ٣٥٣، كتاب الوقف، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

2) وفي الفقه الإسلامي وأدلته: الصلاة في الأرض المغصوبة حرام قال الجمهور غير الحنابلة: الصلاة صحيحة لأن النهي لا يعود إلى الصلاة فلم يمنع صحتها كما لو صلى وهو يرى غريقاً يمكنه إنقاذه فلم ينقذه .... ويسقط به الفرض ... إلخ، كتاب الصلاة، ج ٢ ص ٩٨٤، دار الفكر بيروت۔
وفي الدر المختار: وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة .... وأرض مغصوبة أو للغير لو مزروعة أو مكروبة وفي الواقعات بنى مسجداً في سور المدينة لا ينبغي أن يصلي فيه لأنه حق العامة فلم يخلص لله تعالى كالمبني في أرض مغصوبة .... فالصلاة فيها مكروهة تحريماً في قول وغير صحيحة له في قول آخر، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة، ج ١ ص ٣٨١، طبع ايچ ايم سعيد۔

3) ثم إن أبا يوسف يقول يصير وقفاً بمجرد القول لأنه بمنزلة الإعتاق عنده وعليه الفتوى. رد المحتار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٢٨، سعيد۔
وفي الهداية: وقال أبو يوسف رحمه الله يزول ملكه بمجرد القول وقال محمد لا يزول حتى يجعل للوقف ولياً ويسلمه إليه، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٣٧، مكتبه شركت علميه ملتان۔
وقال ابن الهمام تحت قوله: فلهذا كان قول أبي يوسف رحمه الله تعالى أوجه عند المجتهد، في المنية الفتوى على قول أبي يوسف وهذا قول مشائخ بلخ، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٢٨، طبع رشيديه۔

﴿ج﴾

محض نامزد کرنے سے اس جگہ کو مسجد کے احکام حاصل نہیں ہوتے[1]۔ اس لیے اس ٹکڑے کو دوسری ضروریات میں حکومت کی اجازت سے استعمال کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ایک شخص نے ایک درویش کو بوجہ محبت کے اپنے مکان میں رہنے کی جگہ دی یہ درویش نیک بخت اور خدا پرست آدمی تھا اسی وجہ سے لوگ اس کے معتقد ہو گئے کافی عرصہ تک اسی مکان میں رہائش پذیر رہا۔ بعد کافی عرصہ کے مالک مکان اور درویش دونوں فوت ہو گئے اس عرصہ کو بھی تقریباً ۸۰ سال کا عرصہ گزر چکا ہے بعد فوتگی مالک مکان کے اس جگہ جہاں وہ درویش رہتا تھا اس جگہ بدعات شروع ہو گئیں مالک مکان نے جو کہ اس کے ورثہ میں سے ہیں انھوں نے ایک مفتی صاحب سے استفتاء کیا مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ ان بدعات کو بند کر دیا جائے یعنی اس جگہ آمد ورفت لوگوں کی بند کر دو اور اپنے تصرف میں لاؤ۔ مفتی صاحب کے فتویٰ کے مطابق یہ جگہ جس میں وہ درویش رہائش پذیر تھا بند کر دی گئی اور مالک مکان اپنے تصرف میں لے آیا۔ اس عرصہ کو جبکہ مفتی صاحب نے فتویٰ دیا تقریباً ۲۰ سال کا عرصہ گزر چکا مگر یہ فتویٰ زبانی تھا تحریری نہیں تھا بعض محلہ والوں نے جو اکثر بے نماز ہیں انھوں نے مشہور کیا ہوا ہے یہ مسجد تھی اس مسجد کو فارغ کیا جاوے اصل حقیقت یہ ہے آیا یہ محلہ والوں کے کہنے کے مطابق مسجد بن سکتی ہے۔ جس میں کہ درویش رہائش پذیر تھا کافی عرصہ تک۔ بینوا توجروا۔

نوٹ: یہ واقعہ دراصل محلہ ترکھانانوالی گلی امام الدین بیرون لوہاری دروازہ ضلع ملتان کا ہے۔

﴿ج﴾

وقف اور مسجد کے متعلق چند مسائل معلوم کرنا ضروری ہیں تاکہ بعد میں جواب حاصل کیا جاوے۔

---

(۱) وفي الهندية: من بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه أما الإفراز فإنه لا يخلص لله تعالى الا به كذا في الهداية، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٤٥٤، مكتبه بلوچستان بکڈپو۔

وفي الهداية وإذا بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوة فيه فإذا صلى فيه واحد زال عند أبي حنيفة عن ملكه أما الإفراز فلأنه لا يخلص الله تعالى الا به، كتاب الوقف، ومثله في الفقه الحنفي وأدلته ج ٢ ص ١٤٣ باب وقف المسجد طبع دار الكلم الطيب۔

(۱) مسجد اس وقت مسجد ہو جاتی ہے اور واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے جب واقف اس کو علیحدہ کر کے اجازت عام نماز کی دے دے۔ اور اس میں ایک نماز باجماعت بھی ادا کر دی جاوے۔ کما هو فی الدر المختار والشامی[1]۔

(۲) مسجد دائماً مسجد رہتی ہے بعد غیر آباد یا خراب ہونے کے واپس ملک واقف یا اس کے ورثہ کے نہیں ہوتی۔ ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعة۔ الخ۔[2] (درمختار ۴۰۶)

(۳) وقف میں شہادت بغیر دعوی کے قبول ہے۔ (و) الذی تقبل فیه الشهادة حسبة (بدون الدعوی) اربعة عشر منها الوقف علی ما فی الاشباه لان حکمه التصدق بالغلة وهو حق الله تعالیٰ یعنی لو الوقف علی معینین هل تقبل بلا دعوی (درالمختار) البتہ وقف علی المعینین میں اختلاف ہے[3]۔

(۴) وقف میں شہادۃ بالسماع بھی صحیح ہے اگرچہ قاضی کے سامنے ظاہر بھی کر دے کہ میں شہادت بالسماع والشہرۃ کر رہا ہوں۔ والشهادة بالشهرة لاثبات اصله وان صرحوا به ای بالسماع فی المختار (در)[4]

(۵) شاہد حسبہ اگر شہادت میں بغیر عذر کے تاخیر کرے تو وہ فاسق ہو جائے گا اور اس کی شہادت مسموع نہ ہوگی۔ شاهد الحسبة اذا اخرها بغیر عذر لا تقبل الاشباه عن القنیه[5]۔

اب سوال مذکور کا جواب یہ ہوا کہ اگر دو گواہ عادل مسئلہ نمبر ۳ کے مطابق شہادت دیں ولو بدون تقدم الدعوی (کما هو شان الشهادة حسبة) ولو بالسماع مفسرا۔ تو یہ زمین مسجد ہوگی اور اس کو تمام

---

۱) (ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل و (بقوله جعلته مسجدا) عند الثانی (وشرط محمد) والامام (الصلوة فیه) بجماعة وقیل: یکفی واحد وجعله فی الخانیة ظاهر الروایة، شامی، ج ۴ ص ۳۵۷،۳۵۶، طبع ایچ ایم سعید۔
وهكذا فی العالمكيرية: كتاب الوقف، ج ۲ ص ۴۵۴، طبع رشیدیه۔
وكذا فی البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۱۶، مكتبه رشیدیه۔

۲) كتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد او غيره، ج ۴ ص ۳۵۸، طبع ایچ ایم سعید، وكذا فی البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل فی أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۱، رشیدیه کوئٹه۔
وكذا فی الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ۲ ص ۴۵۸، طبع رشیدیه کوئٹه

۳) در مختار فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته، ج ۴ ص ۴۰۹، طبع ایچ ایم سعید۔

۴) در مختار فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته، ج ۴ ص ۴۱۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۵) در مختار، مطلب المواضع التی تقبل فیها الشهادة حسبة بلا دعوی، ج ۴ ص ۴۱۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

کر لی ہو کہ چند درمیان میں پھر آبادی ہو گئی ہو تو تا قیامت مسجد رہے گی بشرطیکہ شاہدین نے اس زمین پر کسی کے قبضہ کے ذکر کرنے کے بعد بلا وجہ مقدمہ بنا تعمیر نہ کی ہو اور اگر یا تو مسجد بنانا بطریقہ سے شہادۃ نہ ہوئی یا شاہدین نے عرصہ گزرنے کے بعد شہادت دی ہو تو زمین مذکورہ مسجد نہ ہوگی اور ورثہ مالک اصلی کی ملکیت متصور ہوگی۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

نماز کے لیے مخصوص جگہ مسجد کے حکم میں نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک محلہ میں ایک قطعہ کی صورت ہے۔ اور تقریباً تین نسلوں تک یوں روایت کی جاتی ہے کہ یہ مسجد تھی فلاں کہتا تھا کہ فلاں کہتا تھا کہ یہ مسجد تھی لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ مسجد تھی اور فلاں نے دیکھی تھی اب اس قطعہ کا از روئے شرع شریف کیا حکم ہے۔ بال آیا مسجد تعمیر کی جاوے یا اس قطعہ کو منہدم کر کے وہاں کاشت کی جائے۔ آپ جواب ارشاد فرماویں۔ کیونکہ بہت سے علماء کرام سے پوچھا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔

﴿ج﴾

بعض گھروں میں اہل خانہ نماز کے لیے کوئی جگہ مخصوص اور متعین کر لیتے ہیں اور اس کو پاک وصاف رکھتے ہیں اور اس جگہ پر نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ اور اس کی صفائی کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ لیکن اس کو حقیقۃً مسجد شرعی نہیں کرتے۔ صورت مسئولہ میں وہاں کے لوگوں سے اس کی تحقیق کی جاوے۔ اگر اس قطعہ کی حقیقت بھی وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا تو یہ قطعہ شرعاً مسجد نہیں۔ اور اس جگہ پر کاشت کرنا جائز ہے[1] اور اگر اس قطعہ کے مسجد کے لیے

---

(۱) وكذلك إن اتخذ وسط داره مسجداً وأذن للناس بالدخول فيه، يعني له أن يبيعه ويورث عنه لأن المسجد ليس لأحد حق المنع منه وإذا كان ملكه محيطاً بجوانبه الأربع كان له حق المنع فلم يصر مسجداً ولأنه أبقى الطريق لنفسه فلم يخلص لله تعالى. (فتح القدير، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٤٥، طبع مكتبه رشيديه)

وفي المصنفة الحنفي وأدلته: وإن اتخذ في وسط بيته مسجداً وأذن للناس بالدخول فيه ولم يفرزه عن داره كان على ملكه وله أن يبيعه ويورث عنه بعد موته لأن ملكه محيط به وله حق المنع منه وكذا لم يخلص لله لأنه أبقى الطريق لنفسه، باب وقف المسجد، ج ٣ ص ١٤٣، طبع دار الكتب العلمية بيروت، ومثله في الهندية كتاب الوقف، ج ٢ ص ٤٥٥، مكتبه رشيديه.

وقف ہونے یا مسجد کے نشانات بنا وغیرہ کا ثبوت ہو جاوے تو یہ جگہ مسجد شمار ہوگی اور اس کو آباد کرنا ضروری ہوگا اور اس جگہ کی تبدیلی اور کاشت کرنا جائز نہ ہوگا [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دکانوں کے اوپر تعمیر شدہ مسجد کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی دکانیں ملاحیہ ہیں۔ ان کے اوپر دوسری منزل پر مسجد بنادی ہے۔ کیا وہ مسجد حکم مسجد کا رکھتی ہے یا نہیں۔ یعنی ثواب مسجد کا ملے گا نماز وہاں پڑھنے والے کو اور جنبی وہاں جا سکتا ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

ومن جعل مسجدا تحته سرداب او فوقه بيت وجعل بابه الى الطريق و عزله فله ان يبيعه و ان مات يورث عنه لانه لم يخلص لله تعالى لبقاء حق العبد متعلقابه ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز۔ ہدایہ شریف [2]۔

''جو شخص مسجد بنائے اور نیچے مسجد کے تہ خانہ یا اوپر اس کے مکان ہے اور کر دیا ہے دروازہ مسجد کا طرف راستہ کے اور علیحدہ کیا ہے، اپنی ملک سے اس کے لیے جائز ہے کہ اس مسجد کو بیچ دے (کیونکہ وہ شرعاً مسجد

---

۱) وفي ردالمحتار: فإذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١، طبع ايچ ايم سعيد۔
وفي الهداية: وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٤٠، طبع مكتبه شركت علميه، ملتان
وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٢، طبع رشيديه كوئته۔
الثالث: أن لا يشرطه أيضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار، رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه، ج ٤ ص ٣٨٤، طبع سعيد۔

۲) هداية كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢٢، طبع مكتبه رحمانيه، وفي رد المحتار: وفي القهستاني ولا بد من إفرازه أي تمييزه عن ملكه من جميع الوجوه فلو كان العلو مسجداً والسفل حوانيت أو بالعكس لا يزول ملكه لتعلق حق العبد به كما في الكافي، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٨٨، طبع ايچ ايم سعيد، وفي البحر الرائق: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى وأن المساجد لله، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢١، رشيديه كوئته۔

نہیں، ظاہر روایت میں۔ اگر فوت ہوگا تو وہ مسجد اس کے وارثوں کا حق ہے تقسیم کریں گے اس لیے کہ وہ مسجد خالص واسطے اللہ تعالیٰ کے نہیں۔ بندے کا حق اس میں باقی ہے۔ ہاں اگر تمام مسجد کے متعلق اور مسجد کے فائدہ کے لیے ہے تو پھر جائز ہے۔ اس بالا خانہ میں اگرچہ نماز ہو جائے گی۔ لیکن ثواب جو مسجد میں نماز پڑھنے کا حاصل ہوتا ہے اس کا مستحق نہ ہوگا۔ جب وہ مسجد نہیں تو جنبی اور حائضہ کا وہاں جانا ممنوع نہ ہوگا۔

یہ جواب صحیح ہے کہ یہ مسجد وقف شدہ نہیں ہے۔ لیکن اس میں نماز باجماعت ہو سکتی ہے۔ اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا۔ اذان بھی دی جائے اور تراویح وغیرہ بھی پڑھی جائے[1]۔

کسی شخص کے نام کی گئی زمین وقف نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید تین کنال زمین مدرسہ کے لیے وقف کرنا چاہتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ ایک کنال زمین کی رقم لے کر میرے نام رجسٹری کرا دیں۔ پھر میں مدرسہ کا کام شروع کر دوں گا۔ کیا زید عمرو کے نام ایک کنال زمین کرا سکتا ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

اگر زید نے عمرو کے کہنے کے مطابق ایک کنال رقبہ اس کے نام رقم لے کر رجسٹری کرا دی تو پھر یہ ایک کنال زمین عمرو کی ملکیت ہو جائے گی وہ اب وقف نہیں ہوگا۔ باقی دو کنال زمین وقف ہوں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز کے لیے مخصوص کمرے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بازار میں، حضرت شاہ رکن عالم پولیس چوکی کی جگہ پر ایک کمرہ نماز کے لیے بنا ہوا ہے۔ کمرہ ایک کارخانے کی دیوار کے ساتھ ہے کارخانے کے دروازے کمرہ کی جانب کھلتے ہیں جو کہ کمرہ کی

---

(۱) ونكره في أرض الغير لو مزروعة أو مكروبة إلا إذا كانت بينهما صداقة أو رأى صاحبها لا يكرهه فلا بأس به. رد المحتار، كتاب الصلوة مطلب في الصلوة في أرض المغصوبة، ج ۱ ص ۳۸۱، ایچ ایم سعید۔

(۲) ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً ثم وقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً. مجمع الأنهر كتاب الوقف، ج ۲ ص ۵۶۸، طبع مكتبه غفاريه كوئٹه۔

وكذا في البحر الرائق كتاب الوقف، ج ۵ ص ۲۱۴، طبع رشيديه كوئٹه، وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول، ج ۲ ص ۳۵۲، طبع رشيديه كوئٹه۔

ہے۔ لانه لا يأخذ حكم المسجد۔ هدایہ ص ۱۳۳ اگر مسجد کے نام وقف کرنے جیسا یا اس کی جاتی ہے اور مسجد کے نام سے معروف ہے۔ تو یہ مسجد کے حکم میں ہوگی[1] اور گرانا درست نہ ہوگا[2]۔

(۲) جو زمین ایک دفعہ مسجد کے لیے وقف ہو چکی ہے اور مسجد میں داخل ہو چکی ہے۔ کسی بھی ضرورت کے لیے مسجد سے خارج کرنا یا تبدیل کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ضرورت کے لیے نماز کی جگہ مخصوص کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عام طور پر لوگ بوقت ضرورت پر کچھ مخصوص زمین سے احاطہ کر کے اس میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اور بہت عرصہ وہ جگہ نماز کے لیے خاص ہوئی رہتی ہے۔ اس میں نماز ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور کبھی ضرورت کے تحت اسے بدل بھی دیتے ہیں۔ تو اس جگہ کا بدلنا شرعاً کیسا ہے۔ وہ جگہ مسجد کا حکم تو نہیں رکھتی۔

﴿ج﴾

ایسی جگہ یا نماز کی خصوصیت کو ختم کرنا یا تبدیل کرنا شرعاً جائز ہے۔ جب تک مالک زمین کسی جگہ کو مسجد کے لیے وقف نہ کرے صرف نماز کے لیے کسی جگہ کو خاص کرنے سے چاہے بہت عرصہ بھی وہاں نماز پڑھی جاتی رہی ہو اور جو شکل بھی اختیار کرے وہ جگہ مسجد شرعی نہیں اور نہ مسجد کا حکم رکھتی ہے[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) وفي منحة الخالق على البحر الرائق: وفي الذخيرة وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً. كتاب الوقف، ج ۵ ص ٤٢٥، ٤٢٦، طبع رشيديه كوئٹه.
وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد، ج ٤ ص ٣٥٦، سعيد.

۲) وفي الدر المختار: ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة (وبه يفتى) حاوي القدسي وفي الشامية: أما لو تمت المسجدية ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لا يمكن من ذلك. كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٥، سعيد كراچی۔
وكذا في البحر الرائق: ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً. كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، ج ۵ ص ٤٢١، طبع رشيديه كوئٹه.
وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ج ۲ ص ٤٥٨، طبع رشيديه كوئٹه.

۳) فتاویٰ محمودیہ تحت عنوان "نماز کے لیے مخصوص جگہ مسجد کے حکم میں نہیں" جز نمبر ۹ ص ۱۱۵۔

حکومت کی نیلام کردہ جگہ برائے مسجد کا حکم

﴿س﴾

مندرجہ ذیل استفسارات کے جوابات عنایت فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں۔
کبیر والا میں ایک غیر مسلم جائیداد مدرسہ عربیہ کے نام الاٹ کر دی گئی۔ ضرورت کے پیش نظر مسجد تعمیر کرائی گئی اور اس میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ان ہی ایام میں مسجد کے آگے ایک دو دکان معمولی طور پر مسجد کے اخراجات کے لیے تعمیر کرلی گئی۔ بڑھنے کی صورت میں منتظم کمیٹی مسجد نے دکانات کا رقبہ صحن مسجد کی طرف بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ تو سوال پیدا ہوا کہ یہ اب مسجد ہے یا مدرسہ۔ مزید حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بعد مستقل آبادکاری محکمہ نے مسجد والی جگہ نیلام عام کرنے کا اعلان کر دیا اور مسجد ہونے کا کوئی لحاظ نہیں رکھا۔ بعد کوشش بسیار اس نیلام کو ایک سماة کے نام پر لے لیا گیا۔ جس کی رقم ایک دوسرے صاحب نے ادا کی۔ مسجد کے فنڈ سے کوئی قیمت ادا نہیں کی۔ مسجد کے اخراجات پورا کرنے کے لیے دکانوں کی توسیع ضروری ہے مسجد کی تعمیر وسیع کرنے کے لیے اس کی چھت کو پختہ کر کے اس پر نماز کی ادائیگی کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ صحن مسجد سے رقبہ لینے کے بعد تنگی مسجد کا احتمال باقی نہیں رہا۔ ایسی صورت میں مسجد کی ضرورت کے پیش نظر توسیع دکانات جائز ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ اس کو مسجد کس وقت سے تصور کیا جائے گا۔ مسجد بنانے کے وقت یا نیلام ہونے کے بعد۔
از جانب ممبران کمیٹی نئی جامع مسجد کبیر والا۔

﴿ج﴾

درحقیقت مسجد اس وقت مسجد کا حکم لیتی ہے جب مالک اسے وقف کر کے عامۃ المسلمین کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دے[1]۔ متروکہ زمین بوجہ استیلاء کے حکومت کے قبضہ میں ہوتی ہے اور حکومت ہی کو مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے حکومت نے اسے مسجد تسلیم نہ کرتے ہوئے نیلام کر دیا۔ نیلام ہونے کے بعد جس شخص نے قیمت ادا کر کے اسے خریدا ہے وہ اس کا مالک ہوا[2]۔ اب اگر اس نے زمین مذکورہ وقف

---

۱) وفي مجمع الأنهر: ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً ثم وقفها ثم ملكها لا يكون وقفاً، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۵٦٨، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۳١٤، مكتبه غفاريه كوئته۔
وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۵۳، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
۲) كما في الشامي: (هو) لغة مقابلة شيء بشيء ——— مالا أصلا ——— ص ۸، وحكمه ثبوت الملك، كتاب البيوع، ج ۷ ص ۱۵، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب البيع، ج ۵ ص ٤۲۹، طبع رشيديه كوئته۔

کردی ہو یا مسجد بنا کر مسجد کا حکم دیا تو اس میں سے کسی حصہ کو دکان بنانا جائز نہیں (۱)۔ اور اگر اس نے ابھی تک وقف کرتے وقت مسجد والی جگہ کو مسجد کا حکم نہیں دیا تو پھر وہ مسجد نہیں۔ جتنی زمین چاہیں اس میں سے دکان کے لیے نکالا جا سکتا ہے۔ بقیہ کو مسجد بنا سکتے ہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حکومت کی اجازت کے بغیر گوردوارہ کی جگہ پر مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارا چک نمبر ۹۹/۱۵ ایل تحصیل [illegible] میں ایک گوردوارہ ہے جس کے احاطہ میں متصل گوردوارہ کی عمارت کا رہائشی مکان ہے اور درمیان میں دیوار بھی تھی۔ چنانچہ سکونتی مکان میں ایک مہاجر آباد تھا اور اس کو کچھ رقم دے کر مکان خالی کرا لیا ہے اور اس خالی جگہ میں مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے۔ لہٰذا اگر بلا اجازت حکومت پاکستان مسجد تیار کی جاوے تو مسجد حقیقی شرعی ہو جائے گی یا نہیں۔ چک ہذا میں چوک کے اندر موزوں جگہ نہیں ہے۔ بینوا بالنقل والصواب و توجروا یوم الحساب۔

﴿ج﴾

حکومت پاکستان کی اجازت کے بغیر گوردوارے کی جگہ میں مسجد تعمیر نہیں کی جا سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب (۳)

---

(۱) ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الإمام والثانی أبدا إلی قیام الساعة (وبه یفتی) حاوی القدسی وقال الشامی تحته فلا یعود میراثا ولا یجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر ... (تنویر الأبصار مع شرحه، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره، ج ۲ ص ۵۵۰ رشیدیہ کوئٹہ)
وکذا فی الفقه الإسلامی، کتاب الوقف، ج ۱۰ ص ۷۶۷۲ مکتبہ دار الفکر بیروت۔
وکذا فی الفقه الحنفی وأدلته، کتاب الوقف، وقف المسجد، ج ۳ ص ۱۱٤ دار الکلم الطیب بیروت۔

(۲) تقدم تخریجه تحت عنوان "زیر وقف کی ہوئی عمارت کی جگہ کا حکم" حوالہ نمبر ۱ ص ۲٤۲۔

(۳) وفی رد المحتار: افاد أن الواقف لا بد أن یکون مالکه وقت الوقف ملکا باتا ولو بسبب فاسد وأن لا یکون محجورا عن التصرف حتی لو وقف الغاصب المغصوب لم یصح وإن ملکه بعد بشراء أو صلح (کتاب الوقف، ج ٤ ص ۳٤۰ طبع ایچ ایم سعید)
وفی مجمع الأنهر: ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضا فوقفها ثم ملكها لا يكون وقفا. (کتاب الوقف، ج ۲ ص ۵٦۷ غفاریہ کوئٹہ)
وکذا فی الفتاوی العالمگیریة: کتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۵۳ رشیدیہ کوئٹہ۔

نماز کے تھلے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک چاردیواری کے قریب باہر ایک تھلہ نما جگہ تھی، جہاں لوگ فرصت کے وقت استراحت کرتے، حقہ نوشی وغیرہ وغیرہ میں مصروف ہو کر چند منٹ بیٹھا کرتے تھے، اس کے بعد اس مکان مذکور کو وسیع کر کے وہی تھلہ مذکور کو چاردیواری کے اندر کر دیا گیا، ساکن مکان اس تھلہ کو بحیثیت مصلیٰ قرار دے کر نماز وغیرہ عبادت ادا کرتا رہا۔ اور اس تھلہ مذکورہ کے اردگرد چاردیواری بنادی اور دروازہ کی جگہ چوکھٹ بھی لگادی اس ساکن کے چلے جانے کے بعد دوسرا ساکن سکونت پذیر ہوا تو وہ بھی نماز وغیرہ ادا کرتا رہا۔ اس جگہ پر تعلیم طفلاں بھی کر رہا تھا، لیکن بعد میں اس نے تھلہ مذکورہ کو گرا کر منہدم کر دیا ہے۔ کیا اس کے گرانے پر گرانے والا مجرم ہے یا کوئی جرم نہیں؟ اگر واقعی جرم ہے تو اس کی شرعی سزا کیا ہے اور اس تھلہ کے متعلق کیا حکم ہے۔ اب اس جگہ کو کس چیز کا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں یہ تھلہ مذکورہ مسجد کا حکم نہیں رکھتا۔ جب تک اپنی مملوکہ زمین کو مالک مسجد کے لیے وقف نہ کرے اور اس جگہ نماز واذان واقامت کے لیے خاص نہ کرے اور عام لوگوں کو نماز پڑھنے کا اذن نہ دے دے[1] اس وقت تک کوئی زمین محض احاطہ کرنے اور نماز پڑھنے اور عبادت کرنے سے مسجد نہیں بن جاتی[2]، اور چونکہ اس صورت میں احاطہ میں داخل کرنے والا اور اس تھلہ سے چاردیواری کرنے والا اس زمین کا مالک بھی نہیں ہے تو اس شخص کے مذکورہ بالا فعل سے وہ تھلہ مسجد نہیں بنتا[3]۔ تو اس کا گرانا شرعاً کوئی جرم نہیں اور تھلہ

---

۱) ففي الذخيرة مالفظه : وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف حتى أنه اذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١٦،٤١٥، طبع رشيديه كوئٹه۔
وكذا في رد المحتار: كتاب الوقف مطلب في أحكام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٦، سعيد۔

۲) وفي مجمع الأنهر: ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم ملكها لا يكون وقفاً، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٦٨،٥٦٧، غفاريه كوئٹه۔ كذا في ردالمحتار كتاب الوقف ج ٤ ص ٣٤٠ طبع سعيد كذا في العالمگيرية كتاب الوقف ج ٢ ص ٣٥٣ رشيديه۔

۳) وكذلك ان اتخذ وسط داره مسجداً وان للناس، اذناً عاماً له ان يبيعه ويورث عنه لأن المسجد ليس لأحد حق المنع منه واذا كان ملكه محيط بجوانبه الأربع، كان له حق المنع فلم يصر مسجداً ولأنه ابقى الطريق لنفسه فلم يخلص لله، فتح القدير كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٤٥، طبع رشيديه۔
وكذا في الفقه الحنفي وأدلته باب وقف المسجد، ج ٣ ص ١٤٣، طبع دار الكلم الطيب، بيروت۔
وكذا في الهندية: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٥٤، سعيد۔

نہیں ہوتیں۔ لہٰذا مسجد کے حکم میں نہیں اور اس کا بدلنا جائز ہوگا[1]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

غصب شدہ مکان خرید کر مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید کے مکان پر کسی غیر آدمی کا ناجائز قبضہ ہے۔ زید نے بہت کوشش کی لیکن قبضہ نہ مل سکا آخر اس نے تنگ آ کر کسی اور کو مکان فروخت کر دیا اور سرکاری طور پر سب کارروائی مکمل ہوگئی۔ ناجائز قبضہ کا جب پتہ چلا انتقال وغیرہ خریدار کے نام ہوگیا خریدار قبضہ تو کر ہی لے گا اس نے مکان کسی اور آدمی کو فروخت کر ڈالا اور انہوں نے مسجد کی بنیاد رکھی اور بنا ڈالی دریافت طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ جگہ مسجد بنانے اور نماز پڑھنے وغیرہ کا کیا حکم ہے اور اس مسجد کا بنانا کیسا ہے؟

﴿ج﴾

اگر واقعی صورت بالا درست ہے اور اس کا ثبوت ہے تو یہ مسجد شرعاً مسجد نہیں ہو سکتی[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

کنویں پر تعمیر عارضی مسجد کا حکم

﴿س﴾

علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ کنواں پر ایک مسجد چھوٹی سی بنائی گئی تھی، رواج کے

---

۱) وكذلك ان اتخذ وسط داره مسجد وأذن للناس بالدخول فيه، اذاً عاماً له أن يبيعه ويورث عنه لأن المسجد ليس لأحد حق المنع منه واذا كان ملكه محيط بجوانبه، الأربع كان له حق المنع فلم يصر مسجداً ولأنه ابقى الطريق لنفسه فلم يخلص لله تعالى، فتح القدير، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٤٥، طبع رشيديه۔

وفي الفقه الحنفي وأدلته: وان اتخذ في وسط بستانه مسجداً وأذن للناس بالدخول فيه ولم يفرزه عن داره، كان على ملكه وله أن يبيعه ويورث عنه بعد موته لأن ملكه محيط به وله حق المنع منه ولأنه لم يخلص لله لأنه ابقى الطريق لنفسه، باب وقف المسجد، ج ٣ ص ١٤٣، طبع دار الكلم الطيب، بيروت۔ ومثله في الهندية: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٥٤، طبع ايچ ايم سعيد۔

۲) كما في العالمكيرية: (ومنها) الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه أو صالح على مال دفعه اليه لاتكون وقفا، كتاب الغصب، ج ٢ ص ٣٥٣، طبع مكتبه رشيديه۔ وكذا في مجمع الأنهر كتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٦٨، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٤، مكتبه غفاريه كوئته۔

مطابق اور اس کے قریب مکان بھی تھے اب مکانوں کو دوسری جگہ منتقل کیا گیا ہے اب ان مکانوں کے نزدیک مسجد ہونے کا خیال ہے اول مسجد میں کوئی نماز بھی نہیں پڑھتے اور مسجد شارع عام پر بھی واقع نہیں ہے۔ کیا اس کو مسمار کر کے کچی بنیادیں ختم کر سکتے ہیں یا نہیں اور اس کی لکڑی وغیرہ کو دوسری جگہ پر لگا سکتے ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

کنواں پر عموماً جو مسجد تعمیر کی جاتی ہے وہ اس قسم کی ہوتی ہے کہ ایک قطعہ زمین کو تھوڑا سا صاف کر کے صرف معمولی چار دیواری کا نام مسجد رکھ لیتے ہیں اور ابتداء تعمیر میں یہ زمین مسجد کے نام سے وقف بھی نہیں کرتے تو اس کا حکم شرعی مسجد کا ہوتا ہی نہیں[1] بالفرض اگر مسجد بھی ہو جائے تب بھی حالت استغناء میں اس کا شہید کرنا جائز ہے اور ملبہ کسی دوسری مسجد جو قریب ہو صرف کیا جا سکتا ہے۔ كما في رد المحتار لهم تحويل المسجد الى مكان آخر ان تركوه بحيث لا يصلى فيه ولهم بيع مسجد عتيق لم يعرف بانيه وصرف ثمنه في مسجد آخر[2]۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس مسجد کے متعلق پوچھا گیا ہے اس کو اس کنواں والے دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔ منتقل کرنے کے بعد سابق مسجد کی زمین کو استعمال میں لانا جائز ہے اس لیے کہ وہ فی الواقع مسجد نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد الرحمن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۰/۶/۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

کنویں پر قائم نماز کی جگہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کنویں پر ایک مصلی برائے وضو رکھا گیا اب اس جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل کرنے کا ارادہ ہے کیا اسے منتقل کر سکتے ہیں اور اس پہلے مصلی کو دوسرے دنیاوی کام میں لا سکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

السائل محمد شفیع ترمذی موضع بستی بنگل ضلع ملتان شہر

﴿ج﴾

یہ مسجد نہیں ہے۔ جب تک مسجد کی نیت نہ کی جائے اور اس زمین کو مالک نے وقف نہ کیا ہو مسجد نہیں ہوتی

---

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان "نماز کے لیے مخصوص جگہ مسجد کے حکم میں نہیں" جز نمبر ۱ ص ۷۱۵
(۲) رد المحتار مطلب في أحكام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٧، طبع ايچ ايم سعيد۔

مسجد کے نام منسوب ہو، ایسے ہی ایک جگہ نماز کے لیے مخصوص کردی تھی اور اس نے مسجد کی صورت اختیار کر لی تو وہ شرعاً مسجد نہیں ہے۔ اس لیے اس کا فروخت کرنا اور منتقل کرنا شرعاً جائز ہوگا[1]۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

دکانوں پر قائم مسجد میں نماز کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی ملکیت میں دکانیں ہیں۔ ان کے اوپر مسجد تعمیر کی گئی ہے اور وہ دکانیں وقف نہیں ہیں اب مسئلہ طلب یہ ہے کہ آیا اس مسجد میں نماز کا ثواب گھر میں نماز پڑھنے کے برابر ہوگا یا مسجد کا ثواب ہوگا۔ اور وہ دکانیں وقف کرنی پڑیں گی یا نہیں۔

﴿ج﴾

یہ جگہ مسجد نہیں ہے[2] اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب تو نہیں ملے گا۔ البتہ باجماعت نماز پڑھنے کی بنا پر ۲۷ گنا اجر ملے گا[3] اور گھر میں اکیلے پڑھنے پر ایک نماز کا ثواب ملے گا۔ یہ جگہ مصلیٰ ہے اور گھر سے بہر حال افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۵ صفر ۱۳۹۳ھ

ایک وارث کا بلا اجازت دیگر وارثان زمین کو مسجد کے لیے دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک قطعہ زمین واقعہ نزد مسجد جانگلیا نوالی تلمبہ تحصیل خانیوال ضلع

---

(۱) تقدیم شرح تحت عنوان "نماز کے لیے مخصوص جگہ مسجد کے حکم میں نہیں" جز نمبر ۱ ص ۷۶۵

(۲) وفي الفتاوى العالمكيرية: ومن جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله فله أن يبيعه وإن مات يورث عنه، ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما في بيت المقدس، ج ۲ ص ۴۵۵، كتاب الوقف، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ۔
كذا في البحر الرائق كتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۲۱، رشیدیہ کوئٹہ۔
وكذا في الهداية: كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۲۲، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

(۳) عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرين درجة رواه البخاري، باب فضل صلوة الجماعة، ج ۱ ص ۸۹، طبع قديمي كتب خانه۔
ومثله في الصحيح لمسلم، باب فضل صلوة الجماعة، ج ۱ ص ۲۳۱، طبع قديمي كتب خانه۔

ملتان میں مسمی محمد رمضان گاذر کی ملکیت تھی۔ اس کی وفات کے بعد اس وقت کے رول کے مطابق مسماۃ نورن کو اپنے خاوند محمد رمضان کے ورثہ کو تقسیم ہوئی تھی۔ مسماۃ نورن کی لڑکی مسماۃ فاطمہ نے اپنے آپ کو اس جائیداد کا واحد وارث ٹھہرا کر یہ تمام جائیداد اپنے نام انتقال کرالی۔ حالانکہ محمد رمضان کی لڑکی مسماۃ اللہ جوائی بھی اس وقت زندہ تھی اور ساتھ ہی دیگر وارثان محمد رمضان یا نورن موجود تھے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ متذکرہ جائیداد کی تنہا مالک نہیں ہو سکتی اور نہ تھی۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو واحد مالک تصور کرتے ہوئے یہ مکان وغیرہ دو روپے کے اسٹامپ پر (اہل اسلام) یعنی مسجد جانگلیا نوالی کو تحریر کر دیا کہ میں نے یہ تمام جائیداد مسجد کو دے دی۔ حالانکہ وہ ایسا کرنے کا قانون شرعی کی رو سے حق نہیں رکھتی تھی اور یہ سب کچھ باقی وارثان کی غیر موجودگی یعنی چوری چھپے کیا گیا۔ جبکہ دوسرے حق داران کو علم تک نہیں ہوا تھا۔ اب باقی دعوے دار اور جائز قانونی یا شرعی وارث مذکورہ جائیداد قطعہ زمین کو اہل اسلام یعنی مسجد جانگلیا نوالی (موجودہ محمد مسجد) اپنا حصہ دینے پر رضامند نہیں ہیں۔ جب کہ باقی وارثان اپنے حصہ دار ہونے کا قانونی و شرعی ثبوت مہیا کرتے ہیں۔

لہٰذا ایسی صورت میں کیا فاطمہ دختر نورن کو بغیر رضامندی دیگر وارثان جائیداد متذکرہ کے اکیلی تمام جائیداد بغیر تقسیم کے اہل اسلام یعنی مسجد محمدی کو لکھ کر دے سکتی ہے۔ کیا ایسی جگہ جس کے مالک جائز وارث اپنے حصے مسجد کو لکھ کر نہ دیں اور مسجد تعمیر کرائی جائے کیا وہاں پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر مسجد میں شامل شدہ زمین کے ٹکڑہ کی قیمت ادا نہ کی جائے اور مالک اراضی مطالبہ کرتے ہوں کہ اس کی قیمت دی جائے اور اہل مسجد پیش امام انکاری ہو اور صرف یہ رٹ لگا تا رہے کہ فاطمہ نے چونکہ لکھ دی ہے اس لیے کوئی رقم وغیرہ نہیں۔ لہٰذا یہ تمام مقبوضہ اسلام ہے۔ لہٰذا قیمت کس مسجد کی ادا کی جائے گی۔

جو حصہ مسجد میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے درمیان ایک مکان کا فاصلہ موجود ہے کیا وہ بھی مسجد میں شامل ہے۔ وہ اصل مالکان کو واپس مل جانا چاہیے یا نہیں یا کہ وہ بھی مسجد ہے۔ لہٰذا گزارش ہے کہ شرعی طور پر فتویٰ اور وضاحت کی جائے کہ آیا یہ سب کچھ شریعت کی رو سے درست ہے یا کہ غلط۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ صحت وقف کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ واقف مال موقوف کا مالک ہو۔ غصب کردہ مال کا وقف یا موھوب مال کا وقف قبضہ میں لانے سے پیشتر یا بطور وصیت دیے ہوئے مال کا وقف وصیت کنندہ کی موت سے قبل یا ضبط کردہ زمین کا وقف صحیح نہیں۔ کما فی البحر الرائق ج۵ ص۱۸۸ ومن شرائطه (ای الوقف) الملک وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالکها و دفع الثمن الیه او صالح علی مال دفعه الیه لاتکون وقفا لانه انما ملکها بعد ان وقفها هذا علی

لیے خریدے شدہ پلاٹ جو کہ شکل نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے کی تحریر مسجد کے حق میں کرائی گئی تھی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ مسجد کے ملحقہ پلاٹ کی زمینی سطح موجود جامع مسجد کی زمینی سطح سے پندرہ فٹ نیچی ہے۔ اور جب ہم نئی مدرسہ قائم کرنے اور نئی وسیع جامع مسجد کو زیر غور لائے تو کئی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ اور شرعی لحاظ سے کئی باتیں قابل استفسار بن گئیں۔ جو کہ حسب ذیل ہیں۔

(الف) اگر ہم پلاٹ کے اندر نئی وسیع جامع مسجد تعمیر کریں تو موجودہ مسجد کے رقبے کا صرف تقریباً چوتھائی حصہ نئی جامع مسجد میں شامل ہوگا جیسا کہ نقشہ میں شکل نمبر ۳ سے ظاہر ہے۔ اور باقی موجودہ مسجد کا بچا ہوا حصہ نئی مسجد کی جنوبی جانب صحن بن جائے گا۔ جو کہ یا تو خالی پڑا رہے گا اور بوقت کثیر تعداد نمازیوں کام آتا رہے گا۔ بصورت دیگر اس جگہ مسجد سے متعلق کوئی چیز مثلاً امام مسجد کا رہائشی مکان، غسل خانے یا وضو خانے تعمیر کیے جائیں گے۔ تو کیا ان دونوں صورتوں میں یا کسی ایک صورت میں یہ جائز ہے کہ ہم مسجد کو شہید کر دیں اور نئی وسیع جامع مسجد تعمیر کریں۔

(ب) چونکہ پلاٹ کی زمینی سطح جامع مسجد کی زمینی سطح سے پندرہ فٹ نیچی ہے اگر ہم پلاٹ میں نئی جامع مسجد بنائیں تو اس کے لیے ہمیں پلاٹ کا پندرہ فٹ اونچا بھراؤ کرنا پڑے گا۔ جس میں بہت ہی زیادہ رقم خرچ آئے گی اور اتنا خرچہ برداشت کرنے کی ہم اہل امین آباد میں استطاعت نہیں ہے۔ اگر ہم بھراؤ کے مقابلے میں پلاٹ میں دینی مدرسے کے پندرہ فٹ اونچے کمرے تعمیر کر دیں اور ان کمروں پر نئی وسیع جامع مسجد تعمیر کر دیں۔ تو اس طرح سے مدرسے کی عمارت بھی بن جائے گی اور مدرسے کی الگ عمارت تعمیر کا خرچ بھی بچ جائے گا۔ اور یہی کمرے بھراؤ کی جگہ کام آئیں گے تو کیا یہ صورت شرعی لحاظ سے درست ہے کہ اوپر نئی وسیع مسجد ہو اور نیچے مدرسے کے کمرے ہوں جبکہ مسجد اوپر عرش معلی تک اور نیچے تحت الثریٰ تک مسجد ہوتی ہے۔ (مگر دہلی کی جامع مسجد، بہاولپور کی شاہی مسجد، سرگودھا کی گول چوک کی جامع مسجد وغیرہ ایسی ہیں کہ ان کے نیچے دکانیں ہیں اور اوپر مسجد بنی ہیں)۔

(ت) اگر جز الف کی رو سے موجودہ مسجد کو شہید کرنا جائز ہو یا جز ب کی رو سے مدرسہ کے اوپر نئی وسیع جامع مسجد تعمیر کرنا جائز ہو یا دونوں حالتوں میں سے کوئی ایک حالت جائز ہو اور ایک حالت ناجائز (یہ جائز یا ناجائز صورت آپ کے پہلے دو جزوں کے جواب دینے سے معلوم ہوگی) تو پھر ہم نئی مسجد تعمیر نہیں کر سکتے۔ مگر پلاٹ خریدا گیا تھا مدرسہ اور مسجد دونوں کے بنانے کی نیت سے اب مدرسہ تو خیر بن جائے گا۔ اور اس کی نیت بھی پوری ہو جائے گی لیکن مسجد بنانے کی نیت کیسے پوری ہوگی۔ اس کا مفصل جواب دیجیے۔

(ث) اگر ہم آدھے پلاٹ میں مدرسہ تعمیر کر لیں اور آدھے پلاٹ میں اپنے گاؤں امین آباد کی عیدگاہ

تعمیر کریں تو کیا عیدگاہ تعمیر کرانے سے ہماری مسجد بنانے کی نیت پوری ہو جائے گی۔ کیونکہ سنا ہے عیدگاہ کا بھی وہی حکم ہے جو مسجد کا ہے۔

(ب) ہم نے پلاٹ ایک ہزار روپے کا خریدا تھا۔ اور ایک ہزار روپیہ ہم نے موجودہ جامع مسجد کے جمع شدہ فنڈ میں سے دیا تھا۔ تو کیا اس ایک ہزار روپے کا نصف یعنی پانچ سو روپے مدرسے کے ذمہ واجب الاداء ہیں۔ کیونکہ پلاٹ تو مدرسہ کی عمارت کے اوپر مسجد بنانے کی نیت سے خریدا گیا تھا۔ (یہ سوال جب ہی قابل اعتبار رہے گا)

(ج) اگر ہم جز (ب) کی رو سے مسجد تعمیر نہ کر سکیں تو پھر پورے پلاٹ میں مدرسہ بنائیں اور مسجد بنانے کی نیت بدل دیں۔ تو کیا شریعت میں ایسی کوئی صورت ہے کہ جس سے نیت بدلی جا سکے۔ (مثلاً نیت بدلنے کا کوئی کفارہ وغیرہ ہو) یا ہم اس پورے پلاٹ کو مدرسے کے لیے مسجد سے ایک ہزار روپے میں خرید لیں۔ وہ اس طرح ہماری تمام پیچیدگیاں دور ہو جائیں۔

(د) اس پلاٹ میں ہم نے جو مدرسہ تعمیر کرنا ہے۔ تو ہم صرف خیرات عطیات اور چندہ وغیرہ جمع کر کے نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ ہم لوگ دیہات کے رہنے والے ہیں اور پسماندہ علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہماری آمدنی کے ذرائع اتنے وسیع نہیں ہیں کہ ہم مدرسہ کی عمارت کو خیرات عطیات اور چندہ وغیرہ کی رقم سے تعمیر کر سکیں۔ ہاں البتہ زکوٰۃ صدقات اور قربانی کی کھالوں کی رقم سے ہم مدرسہ کی عمارت کو بفضلہ تعالیٰ پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔ تو شریعت میں کون سی ایسی صورت ممکن ہے کہ جس کے ذریعہ ہم زکوٰۃ صدقات اور قربانی کی کھالوں کی رقم مدرسہ کی عمارت پر خرچ کر سکیں۔ جبکہ زکوٰۃ صدقات اور قربانی کی کھالیں غرباء اور مساکین کا حق ہے۔

(ہ) ہمارے ہاں ایک قاری صاحب ہیں جو بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ اپنے تعلیمی امور کو عارضی طور پر موجودہ جامع مسجد میں سرانجام دے رہے ہیں۔ اور اس وقت تک قاری صاحب تعلیمی امور کو موجودہ جامع مسجد میں ہی سرانجام دیتے رہیں گے جب تک کہ مدرسہ کی عمارت مکمل نہیں ہو جاتی ہمارے ہاں اس وقت باہر کا کوئی غریب طالب علم مقیم نہیں ہے۔ صرف مقامی بچے قرآن کی تعلیم پا رہے ہیں۔ اور تمام بچے کھاتے پیتے گھرانوں سے متعلق ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک مدرسہ کی عمارت نہ بن جائے۔ اس وقت تک ہمارے پاس بیرونی طلبہ کو ٹھہرانے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ تو سنا ہے جس مدرسے میں مسافر غریب طلبہ نہ پڑھتے ہوں اس مدرسے میں زکوٰۃ صدقات اور قربانی کی کھالوں کی رقم قطعاً نہیں دینی چاہیے۔ تو کیا یہ بات ٹھیک ہے اگر یہ بات ٹھیک ہے تو پھر ہم زکوٰۃ صدقات اور قربانی کی کھالوں کی رقم کو اس مدرسہ کی عمارت پر کس طرح خرچ کر سکتے ہیں۔

(ز) ہمارے ہاں ہندو لوگ جو مکان چھوڑ گئے تھے ان مکانوں کو نہ تو اب تک گورنمنٹ نے الاٹ کیا ہے اور نہ ہی ان مکانوں کی نیلامی ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا دیہات ہے لوگوں نے جتنے مکانوں پر جس جس جگہ پر قبضہ کرلیا ہے تو ان کے تصرف ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے (۱) چنانچہ ایک شخص نے اپنے قبضے میں کیے ہوئے مکانات میں سے چند مکانات مسجد بنانے کے لیے دیے تھے، تو ہم نے ان شکستہ مکانات کو گرا کر مسجد بنائی تھی۔ جو کہ اس وقت بھی جامع مسجد ہے۔ اور اس کو بنے ہوئے تقریباً چودہ سال ہوگئے ہیں۔ تو اب سنا ہے کہ ہندو کی جائیداد میں جو مسجد بنائی جائے تو اس وقت تک مسجد شمار نہیں ہوتی، جب تک کہ گورنمنٹ سے اجازت نہ لی جائے، تو یہ بات کہاں تک درست ہے اور علماء دین ومفتیان شرع متین کے نزدیک اس کے متعلق کیا تفصیل ہے؟ (۲) اور بالکل اسی طرح پلاٹ خرید شدہ سے ملحقہ ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو کہ ہندو کی کسی مکان کا حصہ تھا۔ جس پر ایک مہاجر نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ یہ بھی تقریباً ایک سال ہوا ہے کہ مدرسہ کی عمارت کے لیے دے دیا ہے۔ کیا اس ٹکڑے کے لیے بھی گورنمنٹ سے اجازت لینی ضروری ہوگی۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سوال کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین تاحال مسجد اور مدرسہ کے لیے وقف نہیں بلکہ مدرسہ کے لیے خریدی گئی ہے۔ بناء بریں جب تک یہ زمین وقف نہیں تو اس زمین پر مسجد اور مدرسہ کو کس طرح تعمیر کرنا درست ہے[1]۔ مدرسہ کے کمروں کے اوپر مسجد کا صحن وغیرہ بنانا بھی درست ہے۔ بشرطیکہ مدرسہ کے کمرے بنانے سے قبل یہ ارادہ ہو کہ کمروں کے اوپر مسجد بھی تعمیر کریں گے۔ الحاصل مسجد اور مدرسہ دونوں کا نقشہ پہلے تیار ہونا ضروری ہے۔ اگر مدرسہ کے کمرے پہلے بنالیے اور کمروں کے بنانے کے وقت اوپر مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ نہ ہو اور بعد میں ارادہ ہو جائے۔ تو پھر اوپر مسجد بنانا جائز نہ ہوگا۔

باقی مسجد تعمیر کرنے کے وقت قدیم مسجد کا کچھ حصہ بچ رہا ہے جیسا کہ شکل نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے۔ اس حصے

---

۱) لما في الشامية: لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص الخ كتاب البيوع، ج ٤ ص ٥٠٢، طبع ايچ ايم سعيد۔

وكذا في الشامية: والملك يزول ——— عن الموقوف بأربعة أو بقوله وقفتها في حياتي وبعد وفاتي مؤبداً، تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٤٣، ٣٤٧، طبع ايچ ايم سعيد۔

نصاب نہ ہو یعنی مصرف زکوٰۃ ہو پھر اگر وہ اپنی طرف سے تعمیر مسجد یا مدرسہ کے لیے دے دے تو اس سے تعمیر مسجد یا مدرسہ جائز ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ یا قیمت چرم قربانی تنخواہ میں بھی دینا جائز نہیں۔ البتہ حیلہ تملیک کے بعد جائز ہے۔ جس زمین پر مسجد تعمیر کی گئی ہے یا اب مسجد یا مدرسہ تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اس زمین کو مسجد اور مدرسہ کے نام سرکاری کاغذات میں اندراج کرایا جاوے۔ اس بیان سے تمام سوالوں کا جواب ہو گیا[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

صرف زمین کو مخصوص کرنے سے مسجد کا حکم نہیں ہوتا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کہا کہ میں اپنی مملوکہ زمین سے کسی احاطہ میں مسجد بناؤں گا پھر چند دنوں کے بعد چند آدمیوں کو بلا کر کہا کہ کیا مسجد کے لیے یہ جگہ موزوں ہے۔ بلائے ہوئے آدمیوں نے بھی اس جگہ کو مسجد پسند کیا اور کہا کہ چونکہ یہ جگہ قریب والے مکانوں اور گھروں کے درمیان میں واقع ہے اور سب کے سب نماز پڑھنے کو پہنچ سکیں گے۔ زید نے کہا کہ پھر تو اسی جگہ پر مسجد کی بنیاد رکھیں گے۔ اب مسئلہ زیر غور یہ ہے۔ کہ مکان مشار الیہ سے فوائد آمدنی زید لے سکتا ہے یا نہیں؟ مگر اسی جگہ کی اگر شارع عام کو ضرورت ہو جائے تو قبل از بنیاد مسجد شارع بنا سکتے ہیں یا کوئی اور فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ بعد مشار الیہ ہونے کے یہ جگہ من بعد وقف کی طرح ہے۔ والوقف لا یملکه احد۔ اور اسی طرح دیگر مسائل فقہ کی بھی خلاف ورزی ہے۔ نیز زید تو اب بھی کہتا ہے کہ میں یہاں مسجد ہی بناؤں گا۔ لیکن دیگر لوگ کہتے ہیں کہ اس جگہ کو برائے شارع عام چھوڑنا چاہیے اور اگر یہاں مسجد بنائی جائے تو بعض لوگوں کو کچھ تھوڑی سی تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ نیز اس جگہ پیش ازیں اور اب تک شارع عام کا نام و نشان بھی نہیں۔ اسی طرح فی الحال شارع عام کی ضرورت بھی نہیں لیکن باعتبار مابعد کے کسی وقت ضرورت پڑنے کا اندیشہ ہے۔ براہ کرم نوازی مسئلہ بالا کو کتب معتبرہ سے مع حوالہ جات مکمل تحریر فرما دیں۔

﴿ج﴾

زید نے تو صرف یہی الفاظ کہے ہیں کہ پھر تو اسی جگہ مسجد کی بنیاد رکھیں گے۔ اس سے وہ جگہ مسجد ابھی تک نہیں بنی ہے۔ لہٰذا اگر وہ اپنی مرضی سے اس جگہ میں سے کچھ راستہ بنانے کے لیے چھوڑتا ہے تو اسے اجازت

---

(۱) کما في الدر المختار: وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء الخ، وقال الشامي: تحت قوله (أن الحيلة) في التمليك في هذه الأشياء مع صحة الزكاة (ثم يأمره الخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب (بحر) كتاب الزكاة باب المصرف، ج ۲ ص ۳۴۳، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

ہے۔ اب زمین مسجد کا حکم لے لیتی ہے کہ وہ یہ کہہ دے کہ میں نے اسے مسجد بنادیا ہے اور یہ مسجد ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے ہاں تو ضروری ہے کہ از کم ایک آدمی کا وہاں پر نماز پڑھ لینا بھی شرط ہے۔ ... وہ تو صرف اس چیز کو مسجد بنانے کا ارادہ کر چکا ہے۔ قال في الدر المختار (ويزول ملكه عن المسجد و المصلى) بالفعل و (بقوله جعلته مسجدا) في الشامي (وشرط محمد) والامام (الصلاة فيه) بجماعة وقيل يكفي واحد وجعله في الخانية ظاهر الرواية [1]۔

کیا سرکاری کارروائی کے بغیر وقف درست ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی ملکیت میں مسجد تعمیر کی اور اس کو اللہ نماز کے لیے وقف کر دی اور اس میں نماز با جماعت جاری ہے لیکن سرکاری کاغذات میں یہ رقبہ اسی شخص کے نام درج ہے کیا سرکاری کاغذات میں رقبہ اسی شخص کے نام ہونے سے مسجد میں شرعاً کوئی فرق تو نہیں پڑتا جب کہ اس نے مسجد کو بالکل وقف کر دیا نیز یہ شخص تولیت بھی اپنے لیے رکھ سکتا ہے کیا تولیت اپنے یا اپنی اولاد کے لیے مقرر کر سکتا ہے۔

﴿ج﴾

زبانی وقف کرنے سے بھی وقف صحیح ہو جاتا ہے تحریری وقف نامہ ضروری نہیں ہے۔ في الدر المختار وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من احب ولو غنيا فيلزم فلا يجوز له ابطاله ولا يورث عنه وعليه الفتوى ابن الكمال وفيه الملك يزول عن الموقوف اليه. وفيه (ولا يتم) الوقف (حتى يقبض) ويفرز) فلا يجوز وقف مشاع يقسم خلافا للثاني ويجعل آخره لجهة قربة لا تنقطع (الى قوله) واختلف الترجيح والاخذ بقول الثاني احوط واسهل بحر وفي الدرر وصدر الشريعة وبه يفتى واقره المصنف ج ۳ ص ۳۹۲، ۴۰۱ [2]۔

وفي رد المحتار تحت قوله (وجعله ابو يوسف كالاعتاق) فلذلك لم يشترط القبض

(۱

(۲ الشامي الدر المختار: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٣٨-٣٥٦۔

والافراز اه. ای فیلزم عنده بمجرد القول کالاعتاق بجامع اسقاط الملک [1] الخ وفی الدر المختار یزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عندالثانی وشرط محمد والامام (الصلوة فیه وفی ردالمختار قوله بالفعل ای بالصلوة فیه ففی شرح الملتقی انه یصیر مسجدا بلاخلاف. ج۳ص ۴۰۲ [2]

پس صورت مسئول میں جب یہ مسجد اللہ کے لیے وقف کردی اور اس میں نماز باجماعت شروع ہے تو وقف صحیح ہے اور اس کے مسجد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے سرکاری کاغذات میں اس کے نام ملکیت کے اندراج سے مسجد کے وقف ہونے میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔ صحت وقف کے لیے تحریری وقف نامہ ضروری نہیں ہے اس لیے سرکاری کاغذات میں اس شخص کے نام درج ہونے کے باوجود وقف صحیح اور جائز ہے۔

مسجد کی تولیت اپنے لیے یا اپنی اولاد یا اولاد الاولاد کے لیے شرط کرنا بھی بالاتفاق جائز ہے اور واقف نے اگر یہ شرط کردی ہو کہ متولی وقف میں خود ہوں گا یا میری اولاد ہوگی تو حاکم کسی دوسرے شخص کو متولی نہیں بنا سکتا جب تک کہ اس سے خیانت ثابت نہ ہوجائے۔ **قال فی الدر المختار جعل الواقف الولایة لنفسه جاز بالاجماع (الی قوله) وجاز جعل غلة الوقف او الولایة لنفسه عندالشهید (وعلیه الفتوی وفی ردالمحتار قوله وعلیه الفتوی کذا قاله الصدر الشهید وهو مختار اصحاب المتون و رجحه فی الفتح واختار مشائخ بلخ و فی البحر عن الحاوی انه المختار للفتوی ترغیبا للناس فی الوقف و تکثیرا للخیر در مختار مع شامی کتاب الوقف** [3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) لما فی الدر المختار: کتاب الوقف، مطلب فی الکلام علی اشتراط التأبید، ج ٤ ص ٣٤٩۔

۲) کما فی الدر المختار: کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٤-٣٥٦، مع رد المحتار، طبع ایچ ایم سعید۔

وکذا فی العالمکیریة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول، ج ٢ ص ٤٥٤، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤١٦، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

۳) لما فی الدر المختار مع رد المحتار: کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٧٩۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٧٧، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

وکذا فی فتح القدیر: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٣٧، مکتبه رشیدیه۔

﴿ج﴾

اگر حکومت کی اجازت کے بغیر یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے تو پھر یہ مسجد شرعی مسجد نہیں ہے۔ نمازیں جو اس میں پڑھی گئی ہیں ادا ہو گئی ہیں۔ اور آئندہ کے لیے حکومت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی جائے اگر حکومت اجازت دے دے تو پھر یہ شرعی مسجد بن جائے گی[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محض شہرت سے وقف نہیں ہوتا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک قطعہ زمین جو بقول مالک زمین کے مستند تحریری ثبوت کے بغیر وقف کے نام سے مشہور ہے اور مالک زمین کی کوئی تحریری سند کسی کے پاس موجود نہیں۔ بلکہ گواہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ کسی زمانے میں صرف کچھ درخت وقف تھے مگر زمین وقف نہیں تھی درختوں کی وجہ سے بلفظ وقف مشہور ہے جو کہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ بعد میں درخت بھی ختم ہو گئے اس لیے ان کی وجہ سے زمین وقف نہیں ہو سکتی ہے۔ کچھ گواہوں کا کہنا ہے کہ اس زمین کو استعمال کرنے سے مالک زمین نے کئی بار ایک دو امام مسجد اور متولی کو منع کیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمین وقف نہیں تھی۔ (۲) یہ زمین ایک تو کھنڈ کی صورت میں ہے اور راہ عام کی زد میں ہے اس لیے کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

قطعہ مذکورہ کے بارے میں کہ یہ وقف ہے تو اسے وقف ہی تصور کرنا چاہیے تاوقتیکہ وقف نہ ہونے کا علم یقینی طور پر نہ ہو جائے۔ اصل وقف کے بارے میں محض شہرت کی بناء پر بھی گواہی دینا درست ہے[2] (کما فی الدر المختار کتاب الوقف)۔ ایسے ہی ایک واقعہ کے بارے میں حضرت تھانوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ کا ایک فتویٰ بھی منقول ہے۔ کذا فی الفتاویٰ الرشیدیہ ج ۳ ص ۱۳۰۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

(۱) كما في رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ۴ ص ۳۴۰، طبع ايچ ايم سعيد۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف ج [illegible] ص [illegible]، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في الهندية كتاب الوقف، ج ۲ ص ۴۵۴، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

(۲) كما في العالمكيرية: الشهادة على الوقف بالشهرة تجوز وعلى شرائطه لا وعليه الفتوى. فتح. كتاب الوقف الفصل الثاني، ج ۶ ص ۴۳۸، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

کیا وقف کو منسوخ کرنا جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے تھوڑی زمین مدرسہ کے نام وقف کردی سرکاری طور پر بھی وہ زمین مدرسہ کے نام منتقل ہو گئی اور کاغذات وغیرہ حاصل کر لیے گئے اور سرکار کے ہاں وہ زمین مدرسہ کے نام درج کردی گئی۔ نیز اس زمین پر مدرسہ نے تین سال سے قبضہ کر رکھا ہے۔ اور اس میں ایک طالب مردہ بھی دفن کر لیا ہے۔ اور باقی تعمیر شروع ہے اب واقف کہتا ہے کہ یہ میری زمین ہے واپس کر دو تو کیا شرعاً اس کو یہ حق پہنچتا ہے۔ اگر پہنچتا ہے تو کس دلیل سے۔ حوالہ تفصیلاً واضح جواب باصواب سے ممنون فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الدر المختار و عندهما هو (ای الوقف) حبسها علی حکم (ملک الله تعالی و صرف منفعتها علی من احب) ولو غنیا فیلزم فلا یجوز له ابطاله ولا یورث عنه وعلیه الفتوی ابن الکمال. وفیه الملک یزول عن الموقوف. الخ. وفیه ولا یتم حتی یقبض ویفرز فلا یجوز وقف مشاع یقسم خلافا للثانی ویجعل آخره بجهة قربة لا تنقطع الی قوله واختلف الترجیح والاخذ بقول الثانی احوط واسهل. بحر. وفی الدرر و صدر الشریعة وبه یفتی واقره المصنف. الخ[1] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مفتی بہ یہی ہے کہ وقف ملک واقف سے زائل ہو جاتا ہے۔ **کما ذهبنا الیه فتدبر** وقول ہو خواہ قول امام ابو یوسف کا مفتی بہ یہی ہے۔ الحاصل صورت مسئولہ میں وقف صحیح ہے۔ اور زمین واقف کی ملکیت سے نکل چکی ہے۔ اب واقف کا زمین سے کوئی حق متعلق نہیں۔ اور نہ اب وہ زمین کی واپسی کا مطالبہ شرعاً کر سکتا ہے۔ اب یہ زمین قیامت تک کے لیے

---

(1) وفی الدر المختار: کتاب الوقف ج ٤ ص ٣٣٨، ٣٤٨-٣٢٢، طبع ایچ ایم سعید۔

وکذا فی الهندیة: وعندهما علی حکم ملک الله تعالی علی وجه تعود منفعته الی العباد فیلزم ولا یباع ولا یوهب ولا یورث کذا فی الهدایة، کتاب الوقف، الباب الأول ج ٢ ص ٣٥٠، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔

وکذا فی الهدایة: کتاب الوقف، ج ٢ ص ٦١٥، طبع مکتبه رحمانیه ملتان۔

وقف درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۲۹/۵/۱۳۹۰ھ

واقف وقف کی واپسی کا مجاز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مقامی میونسپل کمیٹی پلاٹ برائے ضرورت لوگوں کو الاٹ کرتی ہے اس کے بدلہ میں کچھ رقم بنام بھوم بازہ معاوضہ وصول کرتی ہے۔ بلوچستان کے اکثر شہروں میں پلاٹوں کے حصول کا یہی طریقہ کار ہے۔ عام عرف میں جس کے نام پلاٹ الاٹ ہو وہ اس کا مکمل طور پر مالک سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس پلاٹ پر جو کچھ چاہے وہ تعمیر کر سکتا ہے۔ جب چاہے وہ پلاٹ فروخت کر سکتا ہے۔ بوقت فروخت میونسپل کمیٹی کسی قسم کی ممانعت نہیں کرتی۔ بلکہ بسا اوقات ان پلاٹوں کی خرید و فروخت میں تنازع کی صورت میں بائع اور مشتری کے درمیان فیصلہ کمیٹی کرتی ہے اور بائع کو اس پلاٹ کے لینے سے منع کرتی ہے اور مشتری کو خرید سے بحال کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ زید نے میونسپل کمیٹی سے بھوم بازہ کے ذریعہ پلاٹ حاصل کیا اور بعد میں بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بکر نے مقامی مدرسہ کے مہتمم کے حوالہ کر کے پلاٹ کو مدرسہ کے نام وقف کر دیا۔ مہتمم نے مدرسہ کی رقم سے اس پلاٹ پر مدرسہ کے لیے تعمیر کر دی۔ یہ تعمیر بکر جو کہ واقف ہے کے سامنے ہوتی رہی۔ تقریباً تین سال کے بعد ایک شخص نے واقف سے مہتمم کے خلاف شکایت کی اور ان سے کہا کہ مہتمم غدار ہے پلاٹ واپس لے لو۔ واقف نے کہا کہ وقف کے بعد اب میں رجوع نہیں کرتا۔ اس بات پر گواہ بھی موجود ہیں اور تحریری ثبوت بھی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد واقف یعنی بکر نے مہتمم سے پلاٹ کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ میرا تجھ پر اعتماد نہیں۔ مہتمم کہتا ہے کہ پلاٹ مدرسہ کے نام وقف ہو چکا ہے۔ تعمیر کے ذریعہ اس پر مدرسہ کا مکمل قبضہ ہے اب تجھے رجوع کا حق نہیں۔ البتہ اگر تیرا مجھ پر یعنی مہتمم پر اعتماد نہیں تو میری خیانت ثابت کر کے مجھے اراکین مدرسہ کے ذریعہ معزول کیا جائے۔ کیونکہ خائن کو معزول کرنا واجب ہے۔ تو اب اس صورت میں یہ وقف صحیح ہے (جبکہ عام طور پر عرف میں حتیٰ کہ میونسپل کمیٹی کے نزدیک بھی جس کے نام پلاٹ الاٹ ہو وہ مالک تصور کیا جاتا ہے) اگر وقف صحیح ہے تو مہتمم پر عدم اعتماد کی وجہ سے مدرسہ سے وقف پلاٹ واپس لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾

بر تقدیر صحت واقعہ یہ وقف صحیح ہے[1] اور بکر واقف اس کے واپس لینے کا مجاز نہیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳۹۶/۳/۲۹ھ

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳۹۶/۴/۱ھ

وقف کو دوبارہ ذاتی ملکیت بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنا کچا پرانا مکان کسی مخصوص دینی مدرسہ کے لیے وقف کیا اور وقف نامہ سرکاری طور پر رجسٹری کروایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مکان اسی مخصوص مدرسہ کے لیے وقف ہے۔ میرا اور میرے ورثہ میں سے کسی کا اس مکان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں میں یا میرے ورثہ میں سے کوئی شخص اس کو واپس نہیں کر سکے گا۔ مدرسہ کے منتظمین کو ہر طرح کا اختیار ہوگا کہ وہ اسے برائے مدرسہ کے لیے استعمال کریں یا کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی مدرسہ پر خرچ کریں اس کی تعمیر و مرمت کی ذمہ داری مدرسہ کے منتظمین پر ہوگی۔ لیکن منتظمین کو بھی بیع و رہن کا اختیار نہ ہوگا۔ نیز تعمیر و مرمت وغیرہ کی کسی قسم و اختیار کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی اور نہ ہی یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوگا۔ اور میں نے اس کا قبضہ و اختیار بحق مدرسہ مذکور کے منتظم کو دے دیا ہے۔ چنانچہ اس وقف نامہ رجسٹری ہو جانے کے بعد مدرسہ نے کافی خرچ کے ساتھ اس مکان کی مرمت کرائی۔ کیونکہ وہ مکان پرانا تھا اور اس کے گرنے کا خطرہ تھا جس لیے اس کو پختہ اینٹوں سے بنایا گیا اور اس کے علاوہ بھی پوری مرمت کرائی گئی۔ بلکہ ایک پرانا کمرہ گرا کر اس کے بجائے ایک نیا کمرہ بنایا گیا۔ اور اس پر سارا خرچ مدرسہ نے کیا اور مدرسہ کے منتظم کے انتظام ہی میں یہ ساری تعمیر ہوتی رہی جس سے

---

(۱) لما في الدر المختار مع رد المحتار: ثم إن أبا يوسف يقول يصير وقفاً بمجرد القول لأنه بمنزلة الإعتاق عنده وعليه الفتوى، كتاب الوقف، طبع ايچ ايم سعيد، ج ٤ ص ٣٣٨۔
وكذا في الهداية: وقال أبو يوسف يزول ملكه بمجرد القول الخ، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٣٧، مكتبه شركت علميه ملتان۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٢٨، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

(۲) لما في الدر المختار: وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب ولو غنياً فيلزم، فلا يجوز له ابطاله ولا يورث عنه وعليه الفتوى، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٣٨، طبع ايچ ايم سعيد۔
وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٠، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔
وكذا في الهداية، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦١٣، طبع مكتبه رحمانيه ملتان۔

اس مکان کی مالیت بڑھ گئی اور پہلی حالت بہت کچھ بدل گئی۔ اس دوران میں وہ شخص اور اس کی بیوی اس مکان میں بحیثیت کرایہ دار ساکن رہے۔ اور یہ مکان کرایہ پر اس کی بیوی نے لیا تھا۔ اور باقاعدہ کرایہ نامہ کا اسٹام وغیرہ کر دیا تھا۔ اور شخص مذکور اپنی بیوی کے ساتھ اس مکان میں رہ گیا۔ اور اس وقت دونوں میاں بیوی بیٹھے ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ سال گزرنے پر اب وہ شخص اس وقف کو منسوخ کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ چاہتا ہے کہ یہ مکان اس طرح میری ذاتی ملکیت بن جائے جس طرح وقف سے پہلے تھا کیا اسے ایسا کرنے کا از روئے شریعت اسلامیہ حق حاصل ہے۔ یا منتظمین اس مکان کے پیسے لے کر اس کے بدلہ مدرسہ کے لیے کوئی دوسرا مکان یا زرعی زمین خرید کر سکتے ہیں یا نہ؟ کیا وقف کرنے والا وقف مذکور منسوخ کر سکتا ہے یا وقف کرنے والا اور منتظمین مل کر اس کا تبادلہ کر سکتے ہیں خواہ تبادلہ بصورت قیمت ہو یا بصورت مکان یا زمین۔

السائل: عبدالعزیز ولد چوہدری عبداللہ سکنہ جلال پور والا ضلع ملتان شہر

﴿ج﴾

عبارت مندرجہ استفتاء کا خلاصہ یہ ہے کہ واقف نے وقف ٹھیک طور پر کر دیا ہے اور وقف نامہ رجسٹری شدہ ہے اور وقف نامہ میں واقف نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں نے وقف شدہ مکان متولیان مدرسہ کو تسلیم کر دیا ہے اور اس کے اس اقرار کی صحت کے لیے یہ بات کافی دلیل ہے کہ متولی نے مدرسہ کے خرچ پر اس مکان کی اور تعمیر کرائی اور اگر واقف اس مکان میں ساکن ہو رہا تو کرایہ دار کی حیثیت سے (۱) پس اس صورت میں جمہور آئمہ اسلام کے نزدیک مکان مذکور واقف کی ملک سے نکل گیا اور وقف لازم ہو گیا۔ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو صرف وقف کرنے سے ہی واقف کی ملک زائل ہو جاتی ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تسلیم الی المتولی شرط ہے۔ تو وہ بھی پوری ہو چکی ہے پس وقف لازم ہو گیا۔ اور وقف کرنے والے کی اس پر کسی قسم کی کوئی ملک ، باقی نہیں۔ چنانچہ ہدایہ ج ۲ ص ۶۱ میں ہے واذا کان الملک **یزول عندھما یزول بالقول عند ابی یوسف وھو قول الشافعیؒ بمنزلۃ الاعتاق لانہ اسقاط الملک وعندہ لابد من التسلیم الی المتولی لانہ حق اللہ تعالیٰ الی قولہ واذا صح الوقف**

---

۱) رجل أجر دار الوقف فجعل المستأجر رواقھا للدواب وخربھا یضمن لأنہ فعل بغیر اذن الخ، شامی کتاب الوقف، مطلب کون التعمیر من الغلۃ، ج ٤ ص ٣٦٧، ایچ ایم سعید۔
وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٨، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی الولوالجیۃ: کتاب الوقف، الفصل الأول، ج ٣ ص ٩٩، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

على اختلافهم خرج من ملك الواقف انتهى [۱] اور چنانچہ درمختار ص۳۹۲ میں ہے و عندهما هو حبسها على حكم ملك الله وصرف منفعتها على من احب ولو غنيا فيلزم فلا يجوز له ابطاله ولا يورث عنه وعليه الفتوى انتهى [۲]۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک وقف کہتے ہیں کسی چیز کو اللہ کے ملک میں رکھنا اور اس کی منفعت کو اپنے پسند کردہ مصرف پر خرچ کرنا، پس یہ لازم ہے۔ اس کا باطل کرنا واقف کو جائز نہیں۔ اور نہ ہی اس کے وارث بطور وراثت اسے لے سکتے ہیں۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ هذا عندی واللہ اعلم بالصواب سلطان محمود مدرس دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیر والہ۔ الجواب صحیح ابوالطیب محمد رفیق مدرس دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیر والہ۔

﴿الجواب﴾: صحیح مکان موقوف کا تبادلہ زرعی اراضی سے تو بالکل جائز نہیں [۳] اور کسی مکان کے ساتھ بھی واقف مکان کی مرضی و دل جوئی سے نہیں بلکہ متولی اپنی مرضی سے اگر مکان موقوف کو مدرسہ کے لیے مفید سمجھ کر تبادلہ شروط مذکورہ کے ساتھ کر دے تب جائز ہوگا [۴]۔ موجودہ صورت میں تبادلہ واقف کی خاطر ہو رہا ہے۔ اس میں ضرور وقف کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس لیے تبادلہ کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری مد میں صرف نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

واقف کے ورثاء کو تصرف کا حق نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مسمی برکت ولد محمد بخش ذات نور باب عمر ۸۰ سال پیشہ دکاندار ساکنہ احمد پور شرقیہ محلہ شکاری نے بحالت صحت بدرستی عقل وحواس خمسہ اقرار کیا ہے کہ میں ثواب دارین کے لیے اپنی جائیداد میں سے ایک عدد دکان نمبر ۱۵۱ اندرون شہر احمد پور شرقیہ تحصیل بازار وقف علی الدوام بحق مدرسہ

---

۱) هداية كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۱۵، طبع مكتبه رحمانيه ملتان۔

۲) در مختار: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٣٥، طبع ايچ ايم سعيد۔
وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الأول ج ۲ ص ۳۵۰، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۳) فإذا تم لزم لا يملك ولا يملك ولا يرهن قال ابن عابدين تحت (قوله لا يملك) لا يكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع الخ، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٥٢، طبع ايچ ايم سعيد۔

٤) وجاز شرط الاستبدال به ارضا أخرى حينئذ أو شرط بيعه، ويشترى بثمنه أرضاً أخرى اذا شاء فإذا فعل صارت الثانية كالأولى، الدر المختار، قوله جاز شرط الاستبدال به الخ، اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه، الخ: ج ٤ ص ٣٨٤، طبع ايچ ايم سعيد، مطلب في استبدال الوقف وشروطه۔

عربیہ جامعۃ سمیہ احمد پور شرقیہ کو وقف نامہ تحریر کر دیا ہے۔ شیخ مذکور نے مورخہ ۱۱/۸/۲۰ کو کچہری میں گواہان
کے سامنے اسٹامپ پر اقرار وقف نامہ تحریر کر دیا اور اسی تاریخ کو بیان حلفی بھی لکھ دیا ہے۔ جس میں شرائط وقف
علی الدوام مندرجہ ذیل لکھے ہیں۔

(۱) جب تک مقر زندہ رہے گا کرایہ دکان مقر لیتا رہے گا اور مقر کی وفات کے بعد اس دکان کے کرایہ کے
حصول کا مدرسہ عربیہ جامعۃ سمیہ حقدار ہوگا۔

(۲) یہ دکان وقف علی الدوام ہے کوئی شخص تا قیامت اس کا وارث نہ ہوگا اور نہ ہی کسی شخص کو بیع و
فروخت کی اجازت ہوگی۔ کرایہ صرف مدرسۃ سمیہ میں خرچ ہوتا رہے گا۔

(۳) مقر کا کوئی وارث کسی قسم کا دعویٰ کرے تو یہ باطل ہوگا۔

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ مقر وقف نامہ تحریر کرنے کے کئی سال بعد فوت ہو چکا ہے وقف نامہ کی مدرسہ
ہذا صحیح ہے یا نہیں۔ اور اس کے ورثاء کو کسی قسم کا کوئی حق ہے یا نہیں۔ [illegible]

﴿ج﴾

یہ دکان بحق مدرسہ وقف ہو گئی ہے۔ پس متوفی مذکور کے ورثاء کو اس میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا حق
حاصل نہیں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔۲۹/۲/۱۳۹۶ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۹/۲/۱۳۹۶ھ

مسجد کو متعین کرنے کی شرائط

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبل از ملکیت کسی زمین پر نماز کے لیے جگہ متعین
کرکے عرصہ تک نماز ادا کرتے رہنے سے اس جگہ کو ہمیشہ کے لیے مسجد قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ مالک کی اجازت
ضروری ہے اور پھر اذان وغیرہ بھی ہونا چاہیے۔ مسجد کو جگہ متعین کرنے کے لیے کیا شرائط ہیں۔

---

(۱) لما في الدر المختار: (وعندهما حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب ولو
غنياً فيلزم فلا يجوز له إبطاله ولا يورث عنه) كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٣٨، طبع ايج ايم سعيد۔
وكذا في الهندية، كتاب الوقف، الباب الأول: ج ٢ ص ٣٥٠، طبع مكتبه علوم اسلاميه، چمن۔
وكذا في الهداية كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦١٥، طبع مكتبه رحمانيه، ملتان۔

سال تک اس مسجد میں نماز پڑھتا رہا اور باقی مسلمان بھی نماز پڑھتے رہے پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ بعدہ مسلمان رہ گیا وہ سال تک نماز پڑھتے رہے اور مصلے رمضان شریف میں پڑھا گیا۔ اب ملکیت ہندو مسلم کی ہوئی تو وہ مسجد واحد ملکیت کسی مذکور کے قبضہ میں آئی ایک ماہ کا عرصہ ہوا ایک شاہ صاحب تشریف لائے۔ مقامی پٹواری صاحب جو کہ اس مسجد میں نماز پڑھتے اور مصلے سنتے رہے۔ شاہ صاحب کو مسجد میں مع اہل و عیال کے بٹھا دیا۔ مقامی عالم جو کہ شہر کا خطیب ہے نے روکا۔ اس نے کہا کہ یہ مسجد ہے بحیثیت مسلمان ہونے کے ہم پر اس کا احترام لازم ہے۔ یہاں ان کو بٹھانا ٹھیک نہیں۔ تو بٹھانے والوں نے چند شبہات پیش کیے کہ یہ مسجد نہیں ہے۔ (۱) وہ ڈر کی وجہ سے مسلمان ہوا تھا۔ (۲) وہ مکان اس کی ذاتی ملکیت میں نہیں تھا۔ (۳) سمت ٹھیک نہیں۔ (۴) مسجد وہ ہے جس کی بنیاد مسجد کی نیت پر رکھی گئی ہو۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

چونکہ غلام حسین تہائی کا مالک ہے اور یہ مسجد مشترکہ زمین میں بنی ہے۔ اس لیے غلام حسین اس کو مسجد کے لیے وقف نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس پر تصریح کی ہے۔ **وابو یوسف لما لم یشترط التسلیم اجاز وقف المشاع والخلاف فیما یقبل القسمة واما ما لا یقبلها کالحمام والبئر والرحی فیجوز اتفاقا الا فی المسجد والمقبرة لان بقاء الشرکة یمنع الخلوص لله تعالیٰ.**
شامی ج ۳ ص ۳۹۹۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالرحمن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مشترکہ زمین پر مسجد تعمیر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک چبوترا نما کچی مسجد (جس میں بمشکل چار یا پانچ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں) کے ساتھ دو مکانات کے گندے پانی کے نکاس والی پکی موری تھی اس موری پر اس چبوترا نما کچی مسجد کے وارث نے مسجد کی دیوار بڑھا کر موری والی جگہ پر قبضہ کرتے ہوئے مسجد کی دیوار تعمیر کر دی۔ چونکہ ہر دو مکانات کے گندے پانی کے نکاس کا راستہ پکی موری کی شکل میں بھی تھا۔ اس لیے مالک مکان نے مسجد کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر لوہے کی سلاخ سے کرید کر موری صاف کر دی۔ اب گندے پانی کے نکاس کا تو انتظام ہو گیا۔ لیکن موری کے پانی کے اثر سے اس مسجد میں نم پیدا ہو گئی ہے اور گندے پانی کے اثر سے بو آتی ہے کئی بار مالک مکان نے اس مسجد کے وارث کی خدمت میں گزارش کی اور مسجد کی دیوار موری پر سے ہٹانے کے لیے کہا۔ لیکن

وہ کسی صورت بھی ایسا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور موری پر اس قبضہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ تو کیا:

(۱) اس موری پر (جوکہ تقسیم ہند ۱۹۴۷ء سے نامعلوم عرصہ پہلے کی شکل میں آزاد حالت میں ہو) مالک مکان کا کوئی حق ہے اور کیا مسجد کے اس طرح بڑھانے سے موری کے مالک کا حصہ ختم ہو گیا۔

(۲) کیا ایسی مسجد میں جس کے نیچے گندے پانی کی موری ہو اور مسجد میں اس کے اثر سے کیم پیدا ہو چکی ہو نماز پڑھنا جائز ہے۔

(۳) اس موری پر مسجد کا قبضہ جائز تصور ہوگا جبکہ مالک مکان کی یہ موری تقسیم ہند ۱۹۴۷ء سے بھی نامعلوم عرصہ پہلے کی بنی اور آزاد حالت میں ہے اور اس مالک مکان کے زیر استعمال ہے۔

(۴) یہ موری ہندو کی ذاتی بنوائی ہوئی تھی اور اس پر اس کا ذاتی قبضہ تھا۔ تو کیا اب بھی اس موری پر موجودہ مسلم مالک مکان کا قبضہ تصور ہوگا۔

(۵) اس مختصری چبوترا نما کچی مسجد میں اگر اس کے متولی نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جامع مسجد موجود ہے تو کیا جامع مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا افضل ہے یا اکیلے نماز پڑھنا اچھا ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مذکورہ موری کی جگہ جیسا کہ ظاہر ہے نہ مالک مکان کی ملکیت ہے اور نہ متولی مسجد کی ملکیت ہے بلکہ یہ عوام کی مشترکہ ہے جس کا متولی سرکار ہوا کرتا ہے یا سرکار کا متعلقہ محکمہ از قسم کمیٹی وغیرہ ہوا کرتا ہے۔ ایسی زمین کو ہر شخص استعمال کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ عوام کو ضرر نہ پہنچے۔ صورت مسئولہ میں بشرط عدم ضرر عوام قدیم سے جو موری بنی ہوئی تھی اور اس کو مالک مکان اپنے استعمال میں لا رہا تھا۔ عوام اور ان کے نمائندہ کمیٹی کا کوئی اعتراض نہیں تھا۔ تو اس کا استعمال کرنا مالک مکان کے لیے جائز تھا۔ لیکن کمیٹی کو اس کے بعد بھی جب وہ محسوس کرے کہ عوام کو اس موری کے ہونے سے ضرر پہنچتا ہے حق حاصل ہے کہ مالک مکان کو اس موری کے ہٹانے کا حکم دے دے۔

باقی مسجد میں بھی ایسی زمین کا شامل کرنا جائز ہے۔ جو کسی خاص آدمی کی ملکیت نہ ہو عوام کی ہو اور اس کو مسجد میں شامل کرنے سے عوام کو ضرر نہ پہنچتا ہو۔ صورت مسئولہ میں مذکورہ نالی کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنے سے مالک مکان کو چونکہ ضرر پہنچتا ہے اس لیے اس زمین کو مسجد میں شامل کرنا بدون اجازت مالک مکان مذکور کے جائز نہیں ہے یا تو مالک مکان اجازت دے دے اور یا عوام کی نمائندہ کمیٹی اس زمین کو مسجد سے ملحق کرنے کی اجازت دے دے تب جا کر یہ جگہ مسجد کہلائے گی۔ ویسے یہ مسجد نہیں ہے۔ اور حکومت یا کمیٹی اگر چاہے تو اس جگہ سے مسجد کے متولی کا قبضہ ہٹا سکتی ہے۔ کما قال فی العالمگیریہ ج ۵ ص ۳۰۶ وفی المنتقی اذا اراد ان یبنی کنیفا او ظلۃ علی طریق العامۃ فانی امنعہ عن ذلک وان بنی ثم اختصموا نظرت فی ذلک فان کان فیہ ضررا مرتہ ان یقلع وان لم یکن فیہ ضرر ترکتہ علی حالہ۔ ا ھ

اگر یہ وقف مسجد ہے۔ تو اس میں اذان کہہ کر اکیلے نماز پڑھنا دوسری مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ اس سے مسجد کی آبادی ہوتی ہے۔ جو شرعاً مطلوب ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قابضین کا مقدمہ والی زمین پر مسجد بنا دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ میں مسمی سلطان خان ولد نبی بخش کے متروکہ مکان نمبر ۳۳۸۵-۹ مسلم بیرون بوہڑ گیٹ محلہ فرید آباد ملتان شہر نے بالعوض مبلغ /۵۰۰۰ روپے نیلام عام میں خرید کے مکان مذکورہ کے جملہ کاغذات از قسم پی-ٹی-آر اور پی-ٹی-ڈی محکمہ سٹلمنٹ حکومت مغربی پاکستان سے حاصل کیے ہوئے ہیں۔

(۲) قابضین مکان امیر بخش، محسن، فتو وغیرہ سے اسی مکان پر مدت دراز سے مقدمہ چل رہا ہے۔ جو ہنوز فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اس وقت میجر محمد اقبال ڈپٹی ایڈیشنل سٹلمنٹ کمشنر کی عدالت میں یہ کیس زیر سماعت ہے۔

(۳) اس مکان میں میری رضامندی کے بغیر جبراً مسجد تعمیر کی جارہی ہے۔ کیا مذکورہ بالا صورت میں مسجد تعمیر کرنا جائز ہے، اور اس جگہ نماز پڑھنا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

مالک مکان کی اجازت کے بغیر اس مکان کے احاطہ میں مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز نہیں اگر بنائی تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[2]۔

محمد انور شاہ غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) قال في العالمگيرية: وفي المنتقى اذا اراد أن يبني كنيفاً أو ظلة على طريق العامة فاني امنعه عن ذلك وان بنى ثم اختصموا نظرت في ذلك فإن كان فيه ضررا مرته أن يقلع وان لم يكن فيه ضرر تركته على حاله، كتاب الوقف، ج ۵ ص ٤٠٦، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا اذنه أو وكالة منه، شرح المجلة المادة۹٦، ج ۱ ص ٦۱، مكتبه حنفيه كوئته، أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا يكون محجوراً عن التصرف، رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ۳٤۰، ايج ايم سعيد كراتشي۔

وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه، ج ۲ ص ۳۵۳، طبع رشيديه كوئته۔

وكذا تكره في أماكن، كفوق كعبة، وأرض مغصوبة أو للغير —— وفي الواقعات بنى مسجداً في سور المدينة لا ينبغي أن يصلي فيه لأنه حق العامة فلم يخلص لله تعالى كالمبني في أرض مغصوبة —— فالصلوة فيها مكروهة تحريماً في قول وغير صحيحة له في قول آخر، شامي كتاب الصلوة، مطلب في الصلوة في الأرض المغصوبة، ج ۱ ص ۳۸۱، طبع ايج ايم سعيد كراتشي۔

الصلوة في الأرض المغصوبة حرام بالإجماع —— الفقه الإسلامي، وأدلته، كتاب الصلوة، ج ۲ ص ۹۸٤، طبع دار الفكر بيروت۔

مسجد سے متصل مکانات کو بلا اجازت مسجد میں شامل کر لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین متین دریں مسئلہ کہ اراضی خالصہ ملکیہ ومقبوضہ شیخ محمد رمضان صاحب ان کے مکانات کے آگے پڑی ہوئی ہے۔ اب متولی مولوی غلام مصطفیٰ صاحب مسجد میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ اگر بغیر اجازت ورضامندی شیخ محمد رمضان مسجد میں شامل کر لی جاوے تو کیا یہ جائز ہے یا نہ؟

سائل شیخ محمد رمضان ملتان

﴿ج﴾

مالک کی اجازت کے بغیر کوئی زمین مسجد نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اگر واقعی محمد رمضان کی ہے تو اس کو مسجد میں نہیں شامل کیا جا سکتا اور نہ اس قطعہ زمین کا استعمال نماز وغیرہ ضروریات مسجد کے لیے جائز ہوگا(1)۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کنویں اور سڑک کو مسجد میں شامل کر لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے ساتھ شارع عام ہے اور اس کے ساتھ چاہ بھی ہے۔ اب چونکہ اس موضع کے لوگوں کا خیال ہے کہ اس شارع عام اور چاہ کو مسجد میں شامل کر دیں تاکہ مسجد کی ضروریات بآسانی پوری ہو سکیں۔ لیکن اس شارع عام کے متعلق اس موضع کے آدمی اس کے خلاف ہیں کیا اس صورت میں اس شارع عام اور چاہ کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر شارع عام اور چاہ کو مسجد میں شامل کرنے سے لوگوں کو ضرر ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں اور اگر شارع عام اور چاہ کو مسجد میں شامل کرنے یا ملانے سے کسی کو ضرر نہ ہو اور اکثر اس راستہ سے

---

(1) تقدم تخريجه في السؤال المتقدم تحت مسير ۲ ص ۷۴۸۔

گزرنے والے مسجد میں شامل کرنے پر رضامند ہوں تو پھر شامل کرنا جائز ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ زمین مسجد کے حکم میں نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جو لوگ اپنی اپنی زمینوں پر کسی موضع کے صدر مقام کے علاوہ اپنے اپنے کنویں پر بسیرا کر لیتے ہیں اور سردی گرمیوں کے اپنے اپنے مکان وہیں بنا لیتے ہیں۔ اور ایک ایک کنویں پر ایک یا دو یا تین سے زیادہ گھر شاذ و نادر ہوتے ہیں۔ بنا بریں وہ ایک یا دو مرلوں سے زیادہ زمین اپنے لیے بطور مسجد کے لیے مختص کر لیتے ہیں نہ تو اس مسجد کی بنا ہوتی ہے۔ اور نہ اس کا محراب البتہ کہیں کہیں زمین سے ایک یا دو فٹ اونچا کر لیا جاتا ہے۔ جب کوئی زمیندار اپنی زمین فروخت کرتا ہے تو اس کی قیمت بھی ساتھ ہوتی ہے۔ آج تک کسی زمیندار نے کہیں ایسا نہیں کیا کہ کسی ایسی مسجد کی زمین فروخت کرتے وقت قیمت چھوڑ دی ہے۔ اب اس مسجد کا منتقل کرنا یا نہ کرنا اس غرض سے منتقل کرنا یا نہ کرنا کہ اس کو دوسرے مقام پر وسیع بنایا جا سکے۔ اور اس کی پوری بنا کر دی جائے۔ موقع کی تنگی کے باعث ایسی مسجد کا منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ دلائل سے روشناس کرا کر شکریہ کا موقع عنایت فرماویں۔

(نوٹ) ایسی مسجد ایک یا دو مرلے سے زیادہ بمشکل ہوتی ہے۔ ورنہ اس سے کم۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ مسجد کے لیے نہ بنا شرط ہے اور نہ محراب خالی زمین کو بھی مسجد بنایا جا سکتا ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر ان زمینوں سے کچھ حصے کو اگر مالک زمین نے مسجد کے لیے معین کر دیا ہو۔

---

۲) وكما في الشامية: الا أن يقال ذالك في اتخاذ بعض الطريق مسجداً، وهذا في اتخاذ جميعها ولا بد من تقييده بما اذا لم يضر، كتاب الوقف مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً، ج ٤ ص ٣٧٨، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچی۔

وكما في العالمكيرية: (قوم بنوا مسجداً واحتاجوا الى مكان ليتسع المسجد وأخذوا من الطريق وأدخلوه في المسجد ان كان يضر بأصحاب الطريق لا يجوز، وان كان لا يضر بهم (رجوت أن لا يكون به بأس، كذا في المضمرات، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به وفيه فصلان، ج ٢ ص ٤٥٦، مكتبه علوم اسلاميه بلوچستان۔

وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: كتاب الوقف، الفصل الثامن استبدال الوقف، ج ١٠ ص ٧٦٧٥، دار الفكر المعاصر بيروت۔

اور اس کو نماز پڑھنے کے لیے وقف کر دیا ہو، لوگوں کو اس میں ہمیشہ کے لیے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہو یا نماز پڑھنے کا اس میں حکم دے چکا ہو اور ارادہ اس کا ہمیشہ تک اس میں نماز پڑھے جانے کا ہو تب تو یہ مسجد ہے[1]۔ اس کی بیع، اس کا ہبہ کرنا اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ بلکہ زمین کا یہ حصہ جس میں لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تا یوم قیامت مسجد ہی رہے گا[2]۔ اور اگر عارضی طور پر نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ متعین کی ہو ہمیشہ تک اس میں نماز پڑھے جانے کا ارادہ نہ ہو۔ اور نہ اس کو وقف کر چکا ہو جیسے کہ لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ مثل چبوترے کے متعین کر لیتے ہیں تب یہ مسجد نہیں ہے[3]۔ اس کی بیع، اس کا ہبہ کرنا اور اس کو منتقل کرنا غرضیکہ اس میں ہر قسم کا تصرف مالک کر سکتا ہے شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

كما قال في الكنز: من بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلاة فيه فإذا صلى فيه واحد زال ملكه. قال في البحر الرائق تحته ج۵ ص۲۴۸: ولو قال المصنف ومن جعل أرضه مسجدا بدل قوله ومن بنى لكان أولى لأنه لو كان له ساحة لا بناء فيها فأمر قومه أن يصلوا فيها بجماعة قالوا إن أمرهم بالصلاة فيها أبدا أو أمرهم بالصلاة فيها بالجماعة ولم يذكر أبدا إلا أنه أراد بها الأبد ثم مات لا يكون ميراثا عنه وإن أمرهم بالصلاة شهرا أو سنة ثم مات تكون ميراثا عنه لأنه لا بد من التأبيد والتوقيت ينافي التأبيد كذا في الخانية. فقط والله تعالى أعلم.

عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

---

(۱) البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل من بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه، ج ۵ ص ۲۴۸، مكتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى قوله عند الإمام الثاني فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوى، حاوي القدسي، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد، ج ۶ ص ۵۵۰، رشیدیہ کوئٹہ۔
كذا في الهداية: من اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه، كتاب الوقف، الهداية، ج ۲ ص ۶۴۲، مكتبہ رحمانیہ لاہور۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، ج ۵ ص ۴۲۰، مكتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۳) وكذلك إن اتخذ وسط داره مسجدا وأذن للناس بالدخول فيه، إذا مات له أن يبيعه ويورث عنه لأن المسجد ما لا يكون لأحد فيه حق المنع وإذا كان ملكه محيطا بجوانبه الأربع كان له حق المنع فلم يصر مسجدا ولأنه أبقى الطريق لنفسه فلم يخلص لله تعالى. فتح القدير، كتاب الوقف، ج ۶ ص ۴۱۵، طبع مكتبہ رشیدیہ۔ وفي الفقه الحنفي وأدلته: كتاب الوقف، ج ۳ ص ۱۴۳، طبع دار الكلم بيروت۔ وكذا في الهندية، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۴۵۴، مكتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

تعمیر جدید میں محراب کی جگہ پر ملکیت کا اختلاف

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو کچھ عرصہ سے بنائی گئی تھی۔ اب اس کو منہدم کر کے دوبارہ بنانا چاہتے ہیں اور اس مسجد میں دو محراب تھے اور وہ دونوں محراب کسی غیر کی زمین میں تھے۔ اب جبکہ مسجد کو گرالیا گیا ہے۔ تو وہ مالک مکان جس کی زمین میں محراب تھے وہ کہتا ہے کہ آدھا حصہ محرابوں کا تو میں مسجد میں دیتا ہوں اور باقی آدھا حصہ اپنے مکان میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ تو کیا یہ آدھا جو حصہ محرابوں کا مسجد سے کٹ کر جاتا ہے، یہ اس کی طرف جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح آدھا محراب کٹ جانا مسجد کا جائز ہے۔ کہ وہ مالک مکان مسجد کے برابر ایک فٹ زمین لمبی دیتا ہے۔ یہاں سے مسجد مکمل کر بن سکتی ہے اور مسجد کی زینت بھی بن سکتی ہے۔ تو کیا از روئے شرع ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر یہ دونوں محراب غیر کی زمین میں اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر بنائے گئے تھے تو پھر وہ حصہ زمین مسجد میں داخل نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر ذاتی مکان بنانا درست ہوگا[1] اور اگر مالک زمین اس کے عوض میں دوسری جگہ سے زمین دینا چاہتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

سرکاری زمین میں مسجد کی توسیع

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک قدیم مسجد جس کے ارد گرد چاروں طرف سرکاری زمین ہو ضرورت اور مسجد کی توسیع کے لیے اس سرکاری زمین کو مسجد میں حکومت کی اجازت کے بغیر شامل کرلیا جائے تو مندرجہ ذیل مسائل تشریح طلب ہیں:

---

۱) وكما في الشامية: أفاد أن الوقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا يكون محجوراً عن التصرف، حتى لو وقف الغاصب لم يصح، وان ملكا بعد بشراء أو صلح، ولو أجاز المالك وقف فضولي جاز، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤٠ مكتبه ايچ ايم سعيد كراتشي، ومثله في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ١٨٨، مكتبه ماجديه كوئته. ومثله في الهندية: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٣٥٣، مكتبه بلوچستان بك ڈپو چمن۔

مکان بنائے ہوئے تقریباً ساڑھے آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ اب مسجد والے کہتے ہیں کہ یہاں سے ہم اب گلی لیں گے۔ ہمارا چبوترہ مسجد سے باہر نکلا ہوا ہے۔ اور پرنالے بھی ان سے گلی کا حق بنتا ہے۔ حالانکہ گلی چھوڑی نہیں ہے۔

(۲) مکان والے نے مسجد کی دیوار سے غسل خانہ پاخانہ بنایا اور ان کا پانی وہیں بہتا رہا۔ اس پانی سے مسجد کی دیوار کو کوئی نقصان پہنچا تو مسجد کی دیوار کے سہارے کوئی پشتہ وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) زبردستی مالک مکان سے زمین حاصل کر کے مسجد میں شریک کر لی جائے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

(۴) مالک مکان کا دل دکھا کر مسجد میں زمین شریک کر دی گئی تو ہماری یعنی مقتدیوں کی نماز ہو گی یا نہیں؟ شریعت کی رو سے واضح کیا جاوے۔ فقط والسلام

عبدالشکور، بشیر احمد

﴿ج﴾

مسجد کے لیے مخصوص زمین جبکہ مسجد میں لے لی گئی ہے تو دوسرے کی ملکیت میں گلی نکالنا یا پشتے بنانا یا اس کی وسعت کے لیے زائد زمین کسی کی مرضی کے بغیر لینا اور مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں۔ اور متولی مسجد کو اس قسم کے تصرفات سے روکنا لازم ہے۔ اگر اس طرح جگہ مسجد میں مالک کی مرضی کے بغیر شامل کر لی گئی تو اسے مسجد کا حکم نہ ہوا واقعات کی صحیح تحقیقات کرنے پر متولی مسجد کو سمجھایا جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم [۱]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

سرکاری زمین پر ایک جگہ سے دوسری جگہ مسجد منتقل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ پر نماز پڑھنے کے لیے چاردیواری بنا دی گئی ہے کچھ عرصہ بعد حکومت نے کہا کہ مسجد بجائے اس جگہ کے دوسری جگہ پر ہونی چاہیے۔ جب کہ یہ زمین سرکاری ہے اور دوسری جگہ بھی جہاں اب مسجد کا آرڈر ملا ہے۔ یہ بھی سرکاری ہے اور پہلی مسجد کی صرف چاردیواری ہے جو کہ کمر تک پہنچتی

---

۱) لا یجوز لاحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا اذنه أو وكالة منه، شرح المجلة، المادة ٩٦، ج ١ ص ٦١، مکتبه حنفیه کوئٹه، زاد أن الوقف لابد أن یکون مالکه وقت الوقف ملكاً باتاً، ولو بسبب فاسد، وأن لا یکون محجوراً عن التصرف، رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤٠، ایچ ایم سعید کراتشی۔
وكذا فی الفتاوى العالمگیریة کتاب الوقف الباب الاول فی تعریفه ج ٢ ص ٣٥٢ طبع رشیدیه کوئٹه

ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں یہ مسجد شہید کر کے دوسری جگہ پر ایسے ہی چار دیواری مسجد تعمیر کر سکتے ہیں جبکہ یہ احاطہ پورا حکومت کی تحویل میں ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جس جگہ چار دیواری بنادی گئی ہے اگر یہ زمین سرکاری ہے۔ مسجد کے نام وقف نہیں اور حکومت کی اجازت کے بغیر تعمیر شروع کرائی گئی ہے تو یہ مسجد کے حکم میں نہیں[1] اور اس کی دوسری جگہ مسجد تعمیر کرنا درست ہے۔ مگر گرانی ہو صورت بتا کر اشاعت کر کے جواب حاصل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی تعمیر میں شرعی اصولوں کو مدنظر رکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ

(۱) سرکاری رقبہ پر مسجد کی توسیع کے لیے قبضہ بلا اجازت سرکار جائز ہے یا نہیں۔

(۲) مسجد کے لیے اہل محلہ نے مجھ سے رقبہ مانگا میں نے چھ ہزار روپے کا نقصان کر کے چار فٹ کا راستہ دے دیا۔ اور مسجد والوں نے ایک کوٹھا بنا کر راستہ بنا دیا جو اس وقت جاری ہے۔ کیا اہل مسجد اس راستہ کو دوبارہ بند کرنے کے شرعاً مجاز ہیں۔ میرے نقصان کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ اس کا پورا کیا جانا ضروری ہے۔

(۳) اہل مسجد نے مسجد کی توسیع کے لیے جو رقبہ کا مطالبہ کیا جو جانب محراب اس شرط پر دیا گیا کہ عطیہ دینے والے کے لیے دروازہ لگا کر راستہ دیا جائے گا۔ اب اس راستہ میں مسجد کا دروازہ نصب کرنا چاہتے ہیں جس پر عطیہ دینے والا رضامند نہیں۔ کیونکہ اس کو پردہ داری کا نقصان ہے۔ کیا اب دروازہ نصب کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

---

(۱) وكما في الشامية: قلت وهو كذلك فإن شرط الوقف التأبيد والأرض إذا كانت ملكاً لغيره فللمالك استرجاعها وأمره بنقض البناء، وكذا لو كانت ملكاً له فإن لورثته بعده ذلك فلا يكون الوقف مؤبداً. رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء، ج ٤ ص ٣٩٠، سعيد.

أما لو وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ثم مات يكون موقتاً عنه، لأنه لا بد من التأبيد والتوقيت ينافي التأبيد. فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً الخ، ج ٣ ص ٢٩١، ٢٩٠، رشيدية كوئٹہ۔ وكما في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، ج ٦ ص ٣٥٥، رشيدية۔

﴿ج﴾

(۱) سرکاری زمین پر بغیر اجازت سرکار کے مسجد کا بڑھانا شرعاً جائز نہیں۔ مسجد اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتی ہے اور کسی غیر کی زمین یا مال کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرنا جائز نہیں[۱]۔

(۲) بشرط صحتِ سوال جو رقبہ آپ نے مسجد کے لیے آنے جانے کے لیے دے دیا ہے اور وہ راستہ نمازیوں کے لیے اور مسجد کے لیے مفید ہے نقصان دہ نہیں تو مسجد کی منتظم کمیٹی کے لیے شرعاً یہ درست نہیں کہ وہ اس راستہ کو بند کر دے[۲]۔

(۳) معاہدہ کی پابندی شرعاً لازم ہے۔ اور کسی گھر کے مخصوص مملوکہ راستہ کی طرف یا کسی گھر کا دروازہ رکھنا درست نہیں۔ مسجد ایک مقدس مقام اور مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے اس کی تعمیر یا استعمال میں کسی غیر شرعی اور ناجائز امر کا ارتکاب ہرگز گوارا نہیں۔ لہٰذا مسجد کی منتظم کمیٹی شرعی اصول و ضوابط کے تحت اس کی تعمیر کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرتے ہوئے اپنے لیے سرمایۂ آخرت مہیا کر سکیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم شہر ملتان

ہندو کی متروکہ زمین پر مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نقل آبادی کے بعد جب مہاجرین پاکستان میں آباد ہوئے تو ایک فارغ زمین پر انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی بعد میں وہ زمین دو شخصوں کی معلوم ہوئی۔ ایک تو یہیں مسلمان ہو کر

---

۱) شرح المجلة، لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا اذنه أو وكالة منه الخ المادة ۹٦، ج ۱ ص ٦۱، طبع حنفيه كوئٹه۔
وهكذا في شرح الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد كتاب الغصب، ج ۲ ص ٤٤٤، طبع ادارة القرآن كراتشي۔ وهكذا في الدر المختار: كتاب الغصب، مطلب في ما يجوز من التصرف بمال الغير، ج ٦ ص ۲۰۰، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔

۲) وكذا في الهندية: ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع بلوچستان بك ڈپو۔ وأيضاً في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ۳٤۲، طبع رشيديه كوئٹه۔
وأيضاً في الفتح القدير، كتاب الوقف فصل اختص المسجد بأحكام، ج ٥ ص ٤٤٥، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

﴿ج﴾

اگر فیکٹری یعنی مالک زمین کی اجازت کے بغیر بعض لوگوں نے فیکٹری کے اندر نماز پڑھنے کے لیے ایک تھلہ (چبوترہ) سا بنایا اور اس پر نماز پڑھتے رہے۔ لیکن اس کو باقاعدہ مسجد کی صورت میں مالک زمین نے وقف نہیں کیا۔ عارضی طور پر اس جگہ کو نماز کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ جیسا کہ عام طور پر گھروں میں یا کنوؤں پر لوگ نماز کے لیے ایک جگہ کو مختص کر دیتے ہیں۔ تو یہ جگہ شرعی مسجد کے حکم میں نہیں اور اس کو ختم کرنا جائز ہے[1]۔

اگر اس کی کوئی اور حیثیت ہے تو اس کی تفصیل لکھ کر حکم معلوم کر لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۲ شعبان ۱۳۹۸ھ

محلہ کے بااختیار لوگوں کی اجازت ضروری ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد واقع پل چوک زکی ملتان میں چند شائقین کی کوشش سے پیش نظر اس کے کہ نمازی زیادہ ہیں اور مسجد کی حدود کم ہیں۔ نقشہ میں سرخ نشان والی زمین کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو کہ مشتبہ زمین میں تصور کی جاتی ہے۔ اس زمین کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نہری کی ہے۔ بعض کا خیال منزل کا ہے۔ بہرصورت یہ زمین ایک عرصہ سے غیر آباد و افتادہ کی شکل میں پڑی ہوئی تھی۔ اور اضافہ کرنے کے بعد بھی راستہ مکمل چھوڑا ہوا ہے۔ اب مسجد ہذا کے نمازیوں میں اختلاف یہ ہے، کچھ آدمی کہتے ہیں کہ اس زمین میں

---

(۱) وكذا في الهداية: واذا بنى مسجدا لا يزال ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوة فيه فان صلى واحد زال عند أبي حنيفة عن ملكه وقال أبويوسف يزول ملكه بقوله جعلته الخ، كتاب الوقف، فصل في وقف مسجد، ج ۲ ص ٦۲۱، طبع رحمانيه لاهور۔

وهكذا في خلاصة الفتاوى: ولو جعل داره مسجداً يجوز بالاجماع ولا يجوز مشاعاً وانما يجوز اذا سلمه والتسليم أن يصلى فيه بجماعة بأذان واقامة باذنه عند أبي حنيفة ومحمد، كتاب الوقف، الفصل الأول، ج ٤ ص ٤۰۸، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وهكذا في الشامية: وتكره في أرض الغير لومزروعة أو مكروبة الا اذا كانت بينهما صداقة، أو رأى صاحبها لا يكرهه فلا بأس به، كتاب الصلوة، مكروهات الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة، ج ۱ ص ۳۸۱، طبع مكتبه ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی۔

وهكذا في العالمكيرية: من جعل مسجد اتحته سرداب أو فوقه بيت ــــ فله أن يبيعه وان مات يورث عنه، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، ج ۲ ص ٤٥٥، طبع رشيديه كوئته۔

(۱) اگر عوام الناس کسی بھی جگہ خواہ کسی کی ذاتی ملکیت ہو یا کسی خاص محلہ کی ہو پر نماز پڑھنے کے لیے کوئی عمارت بنائیں تو کیا اسے مسجد کا نام دیا جا سکتا ہے اور اس میں نماز جائز ہے۔

(۲) کیا اس قسم کی تعمیر کو منہدم کرنا جائز ہے یا جہاں بھی جس کسی کا دل چاہے دوسرے شخص یا کسی خاص محلہ کی زمین پر مسجد کے نام پر عمارت کھڑی کر سکتا ہے اور ایسی تعمیر شدہ عمارت کا کیا حکم ہے۔

(۳) اگر ایسی عمارت کو منہدم کرنا جائز نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کا ملبہ عام ملبے کی مانند پھینکا جا سکتا ہے۔ یا احتراماً اس کو دریا برد کرنا ضروری ہے۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مسجد شرعی وہ ہے کہ کوئی ایک شخص یا چند اشخاص اپنی مملوکہ زمین کو مسجد کے نام سے اپنی ملک سے جدا کر دیں اور اس کا راستہ شارع عام کی طرف کھول کر عام مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ جب ایک مرتبہ اذان و جماعت کے ساتھ اس جگہ میں نماز پڑھ لی جاوے تو یہ جگہ مسجد بن جاتی ہے۔ ضرورت کے مقامات پر مساجد کا بنانا واجب ہے۔ اور یہ فریضہ مسلم حکومت اور مسلم عوام دونوں ہی پر عائد ہے۔ لیکن ہر کام اور ہر عمل کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ چنانچہ کسی جگہ مسجد بنانے کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ جگہ مسجد بنانے والوں کی ملکیت ہو۔ **قال فی الشامیۃ (قولہ و شرطہ شرط سائر التبرعات) افاد ان الواقف لابد ان یکون مالکا لہ وقت الوقف ملکا تاما** (شامی ج ۳ ص ۳۹۷)[1]

سرکاری زمین پر بدون اجازت حکومت کے مسجد نہیں بن سکتی۔ اسی طرح جو زمین غیر مسلم یہاں چھوڑ گئے اور حکومت نے کسی کو مالکانہ قبضہ میں نہیں دی تو وہ بھی حکومت کی ملکیت میں ہے۔ الغرض کسی کی مملوکہ زمین پر مالک کی اجازت کے بغیر مسجد تعمیر کرنا درست نہیں اور جو مساجد بلا حصول اجازت بنائی گئی ہیں۔ اس کے مسجد شرعی بننے کی شرط اب بھی یہی ہے کہ حکومت سے اجازت حاصل کر لی جائے[2]۔ کذا فی فتاوی دار العلوم ص .. واحسن الفتاوی ص ... غیر شرعی مسجد کا سامان اس کی انتظامیہ اور چندہ دہندگان کی اجازت سے کسی

---

(۱) فی الشامیۃ: کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورۃ، ج ۴ ص ۳۴۰، طبع ایچ ایم سعید۔
وهكذا في الفتاوى العالمكيرية: أي من شرائط الوقف الملك وقت الوقف .... الخ، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه .... الخ، ج ۲ ص ۳۵۳، طبع رشيديه كوئٹه۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۲۱۴، طبع رشيديه كوئٹه۔

(۲) وكذا في شرح المجلة، لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه .... الخ، رقم المادة ۹۶، ج ۱ ص ۶۱، طبع حنفيه كوئٹه۔
وهكذا في الدر المختار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير، ج ۶ ص ۲۰۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی

قریبی مسجد کی ضرورت پر صرف کیا جا سکتا ہے۔ جو مسجد ایک دفعہ شرعی مسجد بن جائے اس کو گرانا اور شہید کرنا قطعی جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

جبراً مکان لے کر مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک مکان موضع مبارک پور کوٹی نمبر ۲ مسمیان شان محمد ولد اللہ دتہ قوم سید جھڑ سے مبلغ ۱۰۰۰ روپیہ دے کر خرید لیا ہے۔ بعد میں کچھ آدمی موضع کے ہمارے مخالف تھے انہوں نے گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کر کے مجھے مجبور کر دیا کہ تم مکان ہم سے دو اور اپنی لاگت کا روپیہ لے لو۔ تو ہم نے منظور کر لیا۔ اب روپیہ دینے سے انکاری ہو گئے اور مسجد میں پہلے قرآن شریف کا حلف اٹھایا تھا کہ روپیہ آپ کو مل جائے گا۔ مگر اب تک روپیہ بھی نہیں دیتے اور مکان پر جبراً قبضہ کرنا چاہتے ہیں آپ یہ فتویٰ دیں کہ یہ مکان جبراً چھین کر مسجد کے ساتھ ملا دیں تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

مسجد میں اگر فراخی کرنی ہو اور زمین شامل کرنی ہو تو اس کے لیے حلال اور جائز روپیہ اور پاک کمائی سے خرید کے کوئی قطعہ زمین ملانا جائز ہے۔ حرام اور ناجائز طریقے سے کسی کو تنگ کر کے اس مکان یا قطعہ زمین کو داخل کرنا سخت کبیرہ گناہ ہے۔ ایسا کرنے والوں کو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ لہٰذا مسمیٰ شان محمد سے اگر روپیہ نقد دے کر مکان لے لیں اس کی رضامندی کے ساتھ تو جائز ہے۔ اور بغیر زرِ ثمن ادا کرنے کے زمین یا مکان پر قبضہ کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔ حکام اور مستحقین اور پولیس کو شان محمد کی امداد کرنا لازم ہے اسی طرح ظالموں کو سزا دینا بھی ضروری ہے تاکہ آئندہ کسی کو جرأت نہ ہو۔ هذا الجواب على تقدير صحة السؤال۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) وكذا في الشامية: ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتي ... الخ، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايج ايم سعيد.

وهكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع رشيديه كوئته.

وهكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٨، طبع رشيديه كوئته.

بلا اجازت قائم مسجد میں نماز اور تلاوت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص کی زمین میں بلا اجازت دوسرے شخص نے مسجد شریف اور حجرہ بلا اجازت تیار کرلیا ہے۔ زمین والا رضامند بالکل نہیں ہے۔ بلکہ مسجد حجرہ کے تیار ہونے میں عوام کو آمد و رفت میں سخت تکلیف ہے۔ کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا اور حجرہ میں قرآن پڑھنا جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

کسی شخص کی زمین میں بلا اجازت مسجد و حجرہ بنانا جائز نہیں ہے[1] اور وہ جگہ نہ تو مسجد بنے گی اور نہ ہی وقف ہوگی۔ کیونکہ شرائط صحت وقف میں سے مالک ہونا ہے۔ قال فی العالمگیریہ منھا. (ای من شرائط الوقف الملک وقت الوقف[2]). شرعاً مالک کو حق حاصل ہے کہ اس حجرہ اور مسجد کو جو بغیر اجازت کے تعمیر کیے گئے ہیں گرادے[3] اس مسجد و حجرہ میں نماز پڑھنا بھی شرعاً ناجائز ہے اگرچہ وہ نماز ادا ہو جائے گی لوٹانا واجب نہیں ہوگا۔ لیکن یہ عمل ناجائز ہے[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا اذنه أو وکالة منه، الخ شرح المجلة، المادة، ۹۶، ج ۱ ص ۶۱، مکتبه حنفیه کوئٹه۔ وکذا فی شرح الأشباه والنظائر: الفن الثانی، الفوائد کتاب الغصب، ج ۲ ص ٤٤٤، طبع ادارة القرآن کراتشی۔ وکذا فی الدر المختار: کتاب الغصب، مطلب فی ما یجوز من التصرف بمال الغیر، ج ٦ ص ۲۰۰، ایچ ایم سعید۔

۲) الفتاوی العالمگیریة: کتاب الوقف، الباب فی تعریفه ——، ج ۲ ص ۳۵۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔
أفاد أن الواقف، لا بد أن یکون مالکه وقت الوقف ملکاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا یکون محجوراً عن التصرف، رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ۳٤۰، ایچ ایم سعید کراتشی۔ وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥، ص ۳۱٤، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) "قلت وهو کذلك، فإن شرط الوقف التأبید والأرض اذا کان ملکاً لغیره فللمالك استردادها، وأمره بنقض البناء" (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی وقف البناء بدون الأرض، ج ٤، ص ۳۹۰، طبع ایچ، ایم، سعید)

٤) وکذا تکره فی أماکن، کفوق کعبة —— وأرض مغصوبة أو للغیر —— وفی الواقعات بنی مسجداً فی سور المدینة لا ینبغی أن یصلی فیه لأنه حق العامة فلم یخلص لله تعالی کالمبنی فی أرض مغصوبة —— فالصلوة فیها مکروهة تحریماً فی قول وغیر صحیحة له فی قول آخر شامی، کتاب الصلوة، مطلب فی الأرض المغصوبة، ج ۱ ص ۳۸۱، طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔
الصلوة فی الأرض المغصوبة حرام بالإجماع —— قال الجمهور غیر الحنابلة الصلوة صحیحة، لأن النهی لا یعود الی الصلوة فلم یمنع صحتها —— ویسقط بها الفرض مع الاثم، ویحصل بها الثواب فیکون مثاباً علی فعله عاصیاً بمقامه واثمه اذن للمکث فی مکان مغصوب، الفقه الإسلامی وأدلته، کتاب الصلوة، ج ۲ ص ۹۸٤، طبع دار الفکر بیروت۔
وکذا فی الهندیة: کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی ما یکره فی الصلوة، ج ۱ ص ۱۰۹ رشیدیه کوئٹه۔

نماز کے لیے قائم چبوترے کی دوسری جگہ منتقلی

س

ایک مہاجر کے نام ایک زمین متروکہ عارضی طور پر الاٹ ہوئی۔ عارضی طور پر اس زمین میں کھیت کے قریب رہنے والے مقامی لوگوں نے مذکورہ زمین میں مسجد کا چبوترا بنا دیا۔ اب اسی زمین مذکورہ مہاجر کے نام مستقل الاٹ ہوگئی جس وقت دوسرے لوگوں نے چبوترا مسجد کا بنایا تھا اس وقت یہ زمین غیر آباد تھی۔ اب اس چبوترہ کے آس پاس کھیتی ہوتی ہے۔ مہاجر چاہتا ہے کہ میں وہاں سے چبوترا اٹھا کر اسی کھیت میں اپنے رہائشی مکان کے قریب مسجد تعمیر کرلوں اور اس چبوترہ کی جگہ کھیتی میں استعمال ہو۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

ج

کسی زمین میں مالک زمین کے وقف کرنے سے پہلے تعمیر کی ہوئی مسجد شرعاً مسجد کا حکم نہیں رکھتی۔ اس لیے مذکورہ چبوترا اٹھا کر وہ جگہ کھیتی میں استعمال کر سکتا ہے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بلا اجازت چندہ سے اپنی رقم وصول کرنا

س

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تعمیری کمیٹی کے صدر نے مالک بھٹہ سے اینٹیں بطور قرض منگوائیں مگر مالک بھٹہ نے دینے سے انکار کر دیا۔ پھر ایک شیخ صاحب ممبر مسجد کمیٹی نے منگوائیں تو مالک بھٹہ نے بھجوا دیں چند روز کے بعد اس شیخ صاحب نے رقم دینے سے انکار کر دیا اور تعمیری کمیٹی نے بھی کام ادھورا چھوڑ دیا ہے۔ مالک بھٹہ نے تعمیر کا کام اپنی تحویل میں شروع کرا دیا اور اپنا قرض بھی چندہ وصول شدہ سے وضع کر دیا۔ کیا اس طرح سے قرض وصول کرنا جائز ہے یا ناجائز۔

ج

مالک بھٹہ کا قرض ادا کرنا تعمیری کمیٹی کے ذمہ واجب تھا۔ اب اگر مالک بھٹہ خود متولی ہے تو اس کا اپنا قرضہ

---

(1) تقدم تخريجه في السؤال السابق۔

وصول کرنا درست ہے۔ اگر خود متولی نہیں تو متولی سے اجازت لے لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [1]۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

چندہ واپس لینے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ دو رشتے دار ایک جھگڑے کی بناء پر فنڈ میں چار چار سو روپیہ متولی مسجد کو مسجد کے لیے دیتے ہیں۔ اب ان کے گھروں میں جھگڑا رہ گیا۔ کیا کوئی صورت ہو سکتی ہے کہ جو روپے مسجد کو دے دیے گئے ہیں واپس لے سکیں۔ باحوالہ جواب عنایت فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

متولی مسجد نے اگر اس رقم کو ضروریات مسجد پر صرف نہیں کیا تو چندہ دہندہ اس رقم کو واپس لے سکتا ہے [2]۔ کذا فی امداد الفتاویٰ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [3]

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۹/۲/۱۳۹۰ھ

چندہ سے متولی کا قرض لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد کے چندہ سے متولی قرض لے سکتا یا نہیں۔

---

۱) من له حظ فی بیت المال ظفر بما له وجه لبیت المال فله أن یأخذه دیانةً، رد المحتار، کتاب الجهاد، مطلب فی من له حق فی بیت المال وظفر بشیء من بیت المال، ج ٤ ص ۱۵۹، ایچ ایم سعید۔

لما اذا کان للوقف غلة فأنفق من مال نفسه لا صلاح الوقف کان له أن یرجع بذلك فی غلة الوقف، الفتاوی العالمگیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف — ج ۲ ص ٤۲٤، رشیدیه کوئٹه۔ کذا فی الخانیة علی هامش الهندیة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً الخ، ج ۳ ص ۲۹۸، رشیدیه کوئٹه۔

۲) رجل أجر دار الوقف فجعل المستأجر رواقها للدواب وخربها یضمن لأنه فعل بغیر اذنه الخ، شامی کتاب الوقف، مطلب کون التعمیر من الغلة الخ، ج ٤ ص ۳٦۷، طبع ایچ ایم سعید۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ۳٤۸، رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی الولو الجیة: کتاب الوقف، الفصل الأول، ج ۳ ص ۹۹، طبع دار الکتب العلمیة بیروت۔

٤) امداد الفتاوی: کتاب الوقف، ج ۲ ص ۵۷۹، ۵۸۰، مکتبه دار العلوم کراچی طبع جدید۔

مدرسہ پر لگائی ہوئی رقم کی واپسی کا حق نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دو بھائی نسبی اکٹھے ہونے کی صورت میں زمین خرید کر کے مدرسہ عربیہ کے لیے اور مسجد کے لیے وقف کر دی گئی۔ اس میں تعمیرات ہو چکی ہیں۔ اس زمین پر رقم تو حصہ چندہ کی ہے۔ تقریباً ایک حصہ دوسرے بھائی کی ذاتی آمدنی کا ہے۔ پانچ سال کے بعد اختلاف خانگی کی بنا پر ذاتی آمدنی والا مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے نصف حصہ دو ورنہ جو کچھ میرا بنتا ہے مجھے دو باوجودیکہ پانچ سال رضامند رہا۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر اس شخص کی اجازت اور رضامندی سے رقم مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں صرف ہوئی ہے۔ تو اس کو اب رقم کی واپسی کا حق حاصل نہیں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسہ کے فنڈ سے مسجد کی زمین کی قیمت کی ادائیگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ایک عدد رقبہ نیلام میں مسجد کے نام مبلغ پانچ سو روپے میں خرید لیا گیا اس کی قیمت کی ادائیگی کے بارے میں میں نے حاجی اللہ بخش صاحب سے کہا کہ میرے پاس رقم نہیں ہے لہٰذا تم اس کا بندوبست کرو حاجی صاحب نے کسی سے پوچھے بغیر مدرسہ عربیہ کے فنڈ سے مبلغ پانچ صد جمع کیا بعد ازاں جب مسجد کو اس رقبہ کی ضرورت ہوئی تو حاجی صاحب سے مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے

---

(۱) رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح لأنه وإن كان لا يمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد فإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض —— الخ، الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد —— الخ، ج ۲ ص ٤٦٠، رشيديه كوئته۔

والصدقة كالهبة لا تصح إلا بالقبض لأنه تبرع كالهبة —— ولا رجوع في الصدقة لأن المقصود هو الثواب وقد حصل، الهداية، كتاب الهبة، فصل في الصدقة، ج ۳ ص ۲۹٥، مكتبه رحمانيه لاهور۔

وكذا في الجوهرة النيرة كتاب الهبة، ج ۲، ص ۱۹، قديمي كتب خانه، كراتشي۔

ہندوؤں کی متروکہ غصب شدہ جائیداد کو مسجد کے لیے لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص ایک ہندو پراپرٹی پر ناجائز طور پر قابض ہو جاتا ہے۔ وہ شخص اس پراپرٹی کی کوئی قیمت وغیرہ سرکاری خزانہ میں جمع نہیں کراتا ہے۔ اور نہ ہی وہ شخص اس پراپرٹی کو باقاعدہ طور پر اپنے نام منتقل کراتا ہے۔ کافی عرصہ وہ اس پر اپنا قبضہ برقرار رکھتا ہے۔ اور پھر اس ناجائز قبضہ شدہ پراپرٹی کو مسجد کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ بعد ازاں خستہ حالت میں ہونے کے باعث یہ جگہ گر جاتی ہے۔ اور مسجد کی انتظامیہ مسجد کے لیے جمع شدہ چندہ میں سے جائیداد مذکور کی مرمت کرا کے اسے باقاعدہ طور پر کرایہ پر دے دیتی ہے۔ تو کیا شرعاً جائیداد مذکور کا مسجد کی تولیت میں آنا جائز ہے کیا مسجد کے لیے اس کا کرانا جائز ہے۔ کیا مسجد میں توسیع کی خاطر اس جائیداد کو بیچا جا سکتا ہے۔ اور اس سے حاصل شدہ سرمایہ مسجد کے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

﴿ج﴾

حکومت کی اجازت سے مسجد کی تولیت میں دینا درست ہے[۱] اور مسجد کے لیے کرایہ پر دینا درست ہوگا[۲]۔ اور حاکم مجاز کی اجازت سے فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم مسجد کی توسیع اور ضروریات میں استعمال کرنا درست ہے[۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) أرض وقف على مسجد والأرض بجنب ذالك المسجد وأرادوا أن يزيد وافي المسجد شيئاً من الأرض جاز لكن يرفعون الأمر الى القاضي ليأذن لهم ومستغل الوقف كالدار والحانوت على هذا، هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الأول، ج ۲ ص ٤٥٦، رشيديه كوئته۔
وكذا في خلاصة الفتاوى: كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد، ج ٤ ص ٤٢١، رشيديه كوئته

۲) ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها، هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس، ج ۲ ص ٤١٤، رشيديه كوئته۔
وكذا في الخانية: كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۳۰۰، رشيديه كوئته۔

۳) أهل المسجد اذا باعوا غلة المسجد أو نزل المسجد أو أمروا رجلاً ببيعه، أو باعوا نقض المسجد اذا استغنى عن ذالك أو أمروا رجلاً بالبيع فهذا على وجهين: أما أن فعلوا بأمر القاضي أولا بأمره، ففي وجه الأول يجوز ——— الخ، تاتارخانيه، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، ج ٥ ص ٨٦١، ادارة القرآن كراچی۔
ومثله في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٦، رشيديه كوئته۔

مسجد کے فنڈ کو آمدنی کی غرض سے تجارت پر دینا

﴿سوال﴾

ایک مسجد کی آمدنی کم ہے۔ اور اس آمدنی کو زیادہ کرنے کے لیے مسجد کے فنڈ کو بغرض تجارت چلانا اور اس مسجد کے فنڈ میں دوسرا آدمی شریک ہو کر تجارت کرے اور منافع نصف نصف کرے کیا مندرجہ بالا صورتیں جائز ہیں یا نہیں۔

﴿جواب﴾

مسئولہ صورت میں مسجد کے لیے تجارت کر کے اپنی رقم کے ساتھ مشترک کر کے نصف آمدنی مسجد کو دینے کی صورت درست ہے۔ تجارت میں شرعی حدود کو ملحوظ رکھنا لازم ہے (1)۔

چندہ سے امام کو تنخواہ دینا

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مسجد کے امام و خطیب کو جس کا اپنا علیحدہ کوئی مستقل ذریعہ معاش نہیں سوائے عوام سے صدقہ و خیرات لینے کے ماہوار قابل گزارہ رقم بطور معاوضہ کے جمع شدہ سرمایہ چاہے وہ عام چندے کی صورت میں وصول کیا گیا ہو یا کسی وقف زمین سے حاصل کیا گیا ہو دینا عندالشرع کیسا ہے۔ جائز ہے یا ناجائز پورے ثبوت کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت کی جائے تاکہ اس سلسلہ میں جو غلط فہمیاں عوام کے دلوں میں پیدا ہو چکی ہیں۔ وہ دور ہو سکیں۔ نیز اس پر بھی روشنی ڈالی جائے کہ مسجد کا فنڈ مسجد کی کن کن ضروریات پر صرف ہو سکتا ہے۔ اور مسجد کی حفاظت اور انتظام کے لیے کمیٹی کا انتظام ضروری ہے یا نہیں اور امام کی کفایت کی ذمہ داری متولیوں پر لازم آتی ہے یا نہیں مذکورہ امور کا جواب وضاحت کے ساتھ عنایت فرمایا جائے۔

---

(1) القيم إذا اشترى من غلة المسجد حانوتا أو دارا أن يستغل ويباع عند الحاجة جاز إن كان له ولاية الشراء وإذا جاز له أن يبيعه ... (الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني، ج ٢ ص ٤٦٢، رشيدية)

وكذا في الخانية: كتاب الوقف، فصل في وقف المنقول، ج ٣ ص ٣١٢، رشيدية كوئٹہ۔

وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد، ج ٤ ص ٤٢٣، طبع رشيدية كوئٹہ۔

﴿ ج ﴾

چندہ ہو یا دیگر محاصل اوقاف مساجد ہوں ان سب سے امام مسجد کو تنخواہ دینا جائز ہے۔ درمختار میں ہے
ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو اقرب لعمارته کامام مسجد و مدرس مدرسة یعطون بقدر
کفایتهم ثم السراج والبساط کذلک الی اخر المصالح و ان لم یشترط الواقف لثبوته
اقتضاء، ج ۳ ص ۴۱۳[1]۔ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ وقف علی المسجد میں امام وغیرہ مصارف ضروریہ میں سے
ہے۔ مسجد کا فنڈ مسجد کی دری، تعمیر، روشنی، امام کی تنخواہ وغیرہ پر صرف کیا جائے گا یعنی ضروریات مسجد پر صرف کرنا
چاہیے پس اگر متولی نے وقف کا مال مسجد کے نقش ونگار پر خرچ کیا یا کسی دوسری غیر ضروری چیز پر خرچ کیا تو اس کا
ضمان متولی پر ہوگا[2]۔ مسجد کے لیے کمیٹی مقرر کرنا جائز ہے[3]۔ کما فی امداد الفتاوی ج ۲ ص ۵۳۱[4]۔

---

۱) در مختار، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٦٦، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وکذا فی الهندیة: کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف، ج ۲ ص ۳٦٨، رشیدیه کوئٹه۔
ولو وقف علی مصالح المسجد، یجوز دفع غلته الی الإمام والموذن والقیم، البحر الرائق، کتاب
الوقف، ج ٥ ص ٣٥٤، رشیدیه کوئٹه۔
۲) وذکر فی البحر أن کون التعمیر من غلة الوقف اذا لم یکن الخراب بصنع أحد، ولذا قال فی الولوالجیة
رجل آجر دار الوقف فجعل المستأجر رواقها مربطاً للدواب وخربها یضمن لأنه فعل بغیر اذن،
شامی، کتاب الوقف، مطلب کون التعمیر من الغلة ـــ الخ، ج ٤ ص ٣٦٧، ایچ ایم سعید۔
وفیه أیضاً: ولا بأس بنقشه ـــ بماله، الحلال لا من مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متولیه لو فعل
النقش أو البیاض الخ، کتاب الصلوة، مطلب فی أحکام المسجد، ج ١ ص ٦٥٨، ایچ ایم سعید۔
وصرحوا فی نقش المسجد بالجص وماء الذهب أن المتولی لو فعله من مال الوقف ضمن، البحر
الرائق، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٨، رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی الفتاوی الولوالجیة، کتاب الوقف، الفصل الأول، ج ۳ ص ۹۹، دار الکتب العلمیه بیروت۔
وکذا فی العالمکیریة: کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی ما یکره فی الصلوة، ج ۱ ص ۱۰۹، رشیدیه
کوئٹه۔
۳) ویجوز تعدد النظار ـــ الخ، الفقه الإسلامی وأدلته کتاب الوقف، الفصل العاشر، ج ۱۰، ۷٦٨٦،
دار الفکر المعاصر۔
وفی البحر الرائق: ولیس لأحد الناظرین التصرف بغیر رأی الآخر، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٨٧، طبع
رشیدیه کوئٹه۔
٤) امداد الفتاوی، کتاب الوقف، ج ۲ ص ٥٧٩، ٥٨٠، مکتبه دار العلوم کراچی طبع جدید۔

مسجد و مدرسہ کی الحاق کی صورت

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کیا مسجد و مدرسہ (اگر چہ دونوں ایک ہی کیوں نہ ہوں) دونوں کا الحاق ازروئے شرع درست ہے۔ اور مسجد و مدرسہ کی تعریف جو کہ تعلیمات اسلامی نے متعین کی ہے ایک دوسرے کی انفرادی حیثیت کو متاثر کرسکتی ہے۔ جنبوا مساجد کم صبیانکم و مجانینکم کی مختصری تشریح فرمائیے۔ کہ یہ چھوٹے بچوں کا مسجد میں مدرسہ کی صورت میں پڑھانے پر بھی منع ہے یا حدیث غالب ہے۔

کیا ایک شخص کا مسجد میں کسی قسم کے وظائف یا ذکر اور اوراد بلند پڑھنا جائز ہے۔ ایک شخص باقاعدہ حلقہ باندھ کر مسجد میں وظائف وغیرہ پڑھے۔ مسجد میں بچوں کے لیے مدرسہ کا قیام اور مسجد کے تمام حصوں اور تمام چیزوں کو مدرسہ کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ نیز بچوں کو پڑھانے والے معلم کی تنخواہ مدرسہ کے حساب سے ادا کی جائے۔ لیکن مسجد کو کچھ بھی نہ دیا جائے۔ بلکہ اسے بھی مدرسہ کے لیے استعمال کیا جائے۔ براہ مہربانی شرعی فیصلہ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

﴿ج﴾

(۱) مسجد و مدرسہ کا الحاق آمد و خرچ کے اعتبار سے درج ذیل صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ (الف) مسجد و مدرسہ کے مشترکہ اوقاف ہوں تو ان اوقاف میں سے دونوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے[1]۔

(ب) مسجد و مدرسہ دونوں کے نام پر چندہ حاصل کیا جائے۔ تب بھی اس چندہ کی آمدنی کو دونوں پر خرچ کرنا درست ہے۔ اور درج ذیل صورتوں میں مسجد و مدرسہ کا آمد و خرچ کے اعتبار سے الحاق درست نہیں ہے۔

(۱) ہر ایک کے علیحدہ اوقاف ہوں تو ان کو مشترک طور پر خرچ کرنا درست نہیں۔ بلکہ مسجد کے اوقاف مسجد پر خرچ

---

(۱) وإذا وقف الواقف أرضين على المسجد أحدهما على العمارة والآخر إلى إمامه أو مؤذنه، فللحاكم إذا قل المخصص للإمام ونحوه أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة إن كان الوقف متحداً لأن غرضه وقفه وهو يحصل بهذا النقل لأنهما حينئذ كشيء واحد .... (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الوقف، ج ١٠ ص ٧٦٦٢، دار الفكر المعاصر بيروت.

وكذا في البحر الرائق كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٦٢، رشيديه كوئته.

کیے جائیں اور مدرسے کے مدرسے پر[1]۔

(ب) یا ایک کے اوقاف ہوں دوسرے کے نہ ہوں تو ان اوقاف کو صرف اسی ایک مد پر خرچ کرنا درست ہے۔ دوسری مد میں درست نہیں ہے[2]۔

(ج) ہر ایک کے لیے جداگانہ چندہ اکٹھا کیا جاتا ہو تو ہر ایک کے چندہ کی رقم صرف اسی پر خرچ ہوگی۔ دوسرے پر خرچ کرنا درست نہیں ہے[3]۔

(د) یا ایک کے لیے مخصوص چندہ ہے دوسرے کے لیے نہیں ہے۔ تو اس چندہ کو صرف اسی ایک پر خرچ کرنا چاہیے، دوسرے پر خرچ کرنا درست نہیں ہے[4]۔ وغیرہ وغیرہ۔

(ہ) مسجد و مدرسہ کی جداگانہ حیثیت اور جداگانہ احکام بھی ہیں۔ ہر ایک کی اپنی منفرد حیثیت ہے۔ ویسے مسجد میں دینی تعلیمات کی درس و تدریس جائز ہے[5]۔ اگرچہ مساجد کی تعمیر کا اہم مقصود نماز ہی ہے۔

(۲) چھوٹے بچوں کی تعلیم بوجہ اندیشہ ناپاک کرنے مسجد کے مکروہ ہے[6]۔ لیکن اگر کوئی دوسری جگہ بچوں کی تعلیم کے لیے مکان کا انتظام نہ ہو سکے اور مسجد کی صفائی کا خیال رکھا جائے۔ تب مسجد میں پڑھانے کی بھی گنجائش ہے۔ كما صرح به الفقهاء —— [7]

---

۱) اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض موقوف عليه —— جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه —— وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً لا يجوز له ذلك الخ، الدر المختار، وفي ردالمحتار، ومن اختلاف الجهة ما اذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى، شامي، كتاب الوقف مطلب في نقل أنقاض المسجد، ج ٤ ص ٣٦٠-٦١، ايچ ايم سعيد۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٦٢، رشيديه۔
وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الوقف، الفصل الثامن استبدال الوقف، ج ١٠، ص ٧٦٧٤، دار الفكر المعاصر بيروت۔

۲، ۳، ٤) دیکھیے حاشیہ بالا نمبر ۱۔

٥) وأما المعلم الذي يعلم الصبيان بأجر إذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر أو غيره لا يكره —— الخ، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السابع في ما يفسد الصلوة …… الخ، ج ١ ص ١١٠، رشيديه كوئٹه۔ وكذا في فتح القدير كتاب الصلوة، فصل ويكره استقبال القبلة الخ، ج ١ ص ٣٢٩، رشيديه كوئٹه۔ وكذا في البزازية: كتاب الصلوة، الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد، ج ٤ ص ٨٢، رشيديه كوئٹه۔

٦) ويحرم ادخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم والا فيكره، قال ابن عابدينؒ، فقوله فيكره أي تنزيهاً تأمل شامي، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد، ج ١ ص ٦٥٦، ايچ ايم سعيد۔
وكذا في حلبي كبير: فصل في أحكام المساجد، ص ٦١٠، طبع سعيدي كتب خانه كوئٹه۔

٧) دیکھیے حاشیہ نمبر ٦۔

(۳) اگر نمازیوں کی نماز میں خلل واقع نہ ہو مثلاً نمازی نماز پڑھ کر چلے گئے ہوں یا ابھی نماز میں مشغول نہ ہوئے ہوں تو آواز بلند بھی اوراد پڑھنا جائز ہے مگر اخفا افضل ہے اور اگر نماز میں خلل واقع ہوتا ہو تو آواز بلند نہ پڑھے جائیں اکیلے پڑھنے اور حلقہ بنا کر پڑھنے کا ایک حکم ہے[1]۔

(۴) پہلے بھی ذکر کر دیا گیا ہے کہ مساجد کی تعمیر کا اصلی مقصد نماز ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی اس میں درس و تدریس بھی جائز ہے اور مسجد کے اندر مسجد کی صفوں وغیرہ پر درس و تدریس کے لیے بیٹھنا جائز ہے۔ ہاں اگر پڑھنے والے بچے ہوں اور مسجد کی نجاست کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ممنوع اور مکروہ ہے[2]۔

نیز یہ جائز ہے کہ بچوں کے معلم کی تنخواہ مدرسے سے دی جائے اور مسجد پر کچھ بھی مدرسے کے فنڈ سے خرچ نہ کیا جائے[3] بشرطیکہ چندہ صرف مدرسے کے نام پر ہوا ہو اور اگر دونوں کے نام پر چندہ ہوا ہو تب تو مسجد پر بھی اس کا حصہ صرف کرنا ضروری ہے[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے چندہ سے قرض دینے کا اختیار

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دینی مدرسہ کو مہتمم یا متولی مدرسے کے اخراجات سے اگر کچھ زائد رقم ہو تو کسی بھی خواہ کو یا خود بطور قرض دینے کا جواز ہے یا نہ؟ جبکہ رقم کی واپسی کا قوی احتمال ہے۔

---

۱) (قوله ورفع صوت بذكر) أقول اضطرب كلام صاحب البزازية في ذلك ..... (إلى قوله) ... وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ الخ. (رد المحتار، باب أحكام المساجد، ج ۱ ص ۶۶۰، ایچ ایم سعید کراچی۔
وكما في الفتاوى الخيرية: كتاب الكراهية والاستحسان، ص ۲۷۹ تا ۲۸۲، طبع مكتبه حقانيه، پشاور۔ وكذا في الحاوي للفتاوى: الفتاوى الحديثية، كتاب الأدب والرقائق، نمبر ۴۱ نتيجة الفكر في الجهر في الذكر، ج ۱ ص ۳۷۹، دار الكتب العلمية بيروت۔

۲) دیکھیے حاشیہ نمبر ۶ اور نمبر ۷۔

۳) ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ... إلى آخر المصالح وإن لم يشترط الواقف لثبوته اقتضاء ... (الدر المختار، كتاب الوقف، ج ۴ ص ۳۶۶، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وكذا في الهندية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، ج ۲ ص ۳۶۸، رشيديه كوئٹه۔
وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ۵ ص ۲۲۴، رشيديه كوئٹه۔

۴) دیکھیے گزشتہ صفحہ کا حاشیہ نمبر ۲۔

(۲) چونکہ حصہ کے لحاظ سے خرچ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے کیا صاحبِ اہتمام کو اس طرح کرنے کا اختیار ہے کہ جس طرح مدرسہ کا حصہ -/۱۶۰۰ روپیہ آتا ہے اور خرچ مدرسہ -/۱۲۰۷ ہو چکا ہے یا مہمان خانہ کا نقشہ میں حصہ سے کم خرچ ہے کیا ایسا کرنے کا مختار ہے۔

(۳) جائز مدرسہ/ مہمان خانہ میں صرف خرچ روٹی کا بھی ٹھیکہ دیا ہوا ہے کہ سالانہ مثلاً -/۵۰۰ روپیہ خرچ روٹی طلبہ حضرات -/۵۰۰ روپیہ روٹی مہمان خانہ سالانہ دی جاتی ہے اپنے اندازہ کے مطابق یہ رقومات کچھ کم معلوم ہوتی ہیں تاکہ ٹھیکہ والے زیادہ فائدہ نہ اٹھائیں اور یہ بھی ظاہر کرنا ضروری ہے کہ یہ ٹھیکہ داری مجبوری کی صورت میں کی گئی ہے کیونکہ مدرسہ میں تو طلبہ حضرات کی تعداد متعین ہونے کے باوجود ان کے مہمان وغیرہ روزانہ آتے جاتے ہیں باقاعدگی نہیں ہوتی اور مہمان خانہ میں کسی دن کچھ اور کبھی کچھ بعض اوقات پچاس یا کسی دن پانچ ہوتے ہیں سوا ٹھیکہ دینے کے اور کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی کیا بوجہ مجبوری یہ ٹھیکہ داری درست ہے شرعی لحاظ سے مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

﴿ج﴾

(۱) مہتمم صاحب اپنی طرف سے مدرسہ یا مہمان خانہ میں جو زائد رقم خرچ کر لیتا ہے وہ درج کر سکتا اور اگر وہ اس مد میں بطور قرض کے دے تو آئندہ وہ اسی مد سے جس سلسلہ میں اس نے زائد رقم خرچ کی ہے وصول بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کی آمد زیادہ ہو جاوے اور بچت نکل آوے[1]۔

(۲) مہمان خانہ کے حصہ کی رقم مدرسہ میں یا مدرسہ کے حصہ کی رقم مہمان خانہ کے حصہ میں صرف کرنا جائز نہیں[2]۔

---

۱) وفي التاتارخانية مثله أيضاً: كتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون في المتفرقات، ج ۵ ص ۸۸۷، ادارة القرآن كراچی۔
قيم الوقف إذا أنفق من مال نفسه في عمارة الوقف ليرجع في غلتها له ذلك لأن الوصي لو أنفق من ماله على اليتيم ليرجع في مال اليتيم له ذلك فكذا القيم .... الخ، خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه، ج ۴ ص ۴۲۳، طبع رشيديه كوئٹه۔
وفي واقعات الناطفي: المتولي إذا أراد أن يستدين على الوقف ليجعل ذلك في ثمن البذر إن أراد ذلك بأمر القاضي فله ذلك بلا خلاف .... الخ، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف، ج ۵ ص ۷۶۰، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔
وكذا في المحيط البرهاني: كتاب الوقف، الفصل السابع، ج ۷ ص ۰۰۹:۱۹، طبع غفاريه كوئٹه
۲) اس کا حوالہ مسجد ومدرسہ کے الحاق کی صورت کے عنوان کے تحت گزر گیا۔

(۳) مہمان خانہ کی روٹی کا ٹھیکہ دینا جائز نہیں اس لیے کہ یہ در حقیقت اس روٹی کی بیع ہے اور یہ معلوم نہیں کہ سال میں کتنی روٹی دے گا تو یہ بیع مجہول ہے جو ناجائز ہے[1]۔ بنا بریں صورت مسئولہ میں بہتر صورت یہ ہے کہ مہمان خانہ کے لیے مطبخ کا انتظام کیا جاوے اور باتنخواہ باورچی رکھیں۔ لیکن مدرسہ اور مہمان خانہ کا حساب علیحدہ علیحدہ ہو ایک مد کا پیسہ وغیرہ دوسرے مد میں صرف نہ کیا جائے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۸ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۱۳۸۹/۴/۳ھ

متولی کے اختیارات کی حدود

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نادار اور مسکین ہے۔ صدقہ اور زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے۔ اس نے مسجد کی ایک دکان کرایہ پر لی ہوئی ہے اور اس میں کاروبار کرتا ہے اور اس کی آمدنی اتنی نہیں ہے کہ اپنا گزارہ کر سکے اور دکان کا کرایہ ادا کر سکے۔ مسجد کی اور دکانیں بھی ہیں جو کہ مسجد کے اخراجات کے لیے کافی ہیں۔ کیا شرعاً اس دکان کا کرایہ اس کو معاف کرنا جائز ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

دکان کا کرایہ معاف کرنے کا حق متولی کو حاصل نہیں۔ اس لیے کرایہ معاف کرنا شرعاً جائز نہیں[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) یشترط أن یکون المبیع معلوماً عند المشتري لأن بیع المجہول فاسد ... وذلك لأن جہالة المبیع مفضي إلی النزاع ..... ولہذا لو کان المبیع غیر مشار إلیہ لزم بیان جنسہ ونوعہ وقدرہ ووصفہ بما یرفع الجہالة الفاحشة، شرح المجلة، المادة نمبر ۲۰۰، ص ۹۷، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ۔

لا یصح البیع إلا بمعرفة قدر المبیع والثمن ووصف الثمن إذا کان کل منہما غیر مشار إلیہ ... الخ، البحر الرائق، کتاب البیع، ج ۵ ص ۴۵۶، رشیدیہ کوئٹہ۔ وکذا في الشامي: کتاب البیع، مطلب ما یبطل الإیجاب سبعة، ج ٤ ص ۵۴۰، ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) تقدم تخریجہ مراراً۔

۳) ولا یجوز إعارة الوقف وإسکانہ، لأن فیہ إبطال حق الفقراء، الفقہ الحنفي وأدلتہ، کتاب الوقف، ص ۱۹٤٦، ج ۳ طبع دار الکلم الطیب دمشق بیروت۔

ولا تجوز إعارة الوقف والإسکان فیہ کذا في محیط السرخسي، متولي الوقف إذا أسکن رجلاً بغیر أجرة ذکر ہلال رحمہ اللہ تعالیٰ أنہ لا شيء علی الساکن وعامة المتأخرین من المشائخ أن علیہ أجر المثل سواء کانت الدار معدة للاستغلال أو لم تکن صیانة للوقف وعلیہ الفتوی۔

الفتاوی الہندیة، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولایة الوقف وتصرف القیم ..... الخ، ج ۲ ص ۴۲۰، رشیدیہ کوئٹہ۔ وکذا في التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل السابع، تصرف القیم في الأوقاف، ج ۵ ص ۷۵۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراتشي۔

مسجد پر زبردستی قبضہ

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنی زمین میں اپنے ذاتی روپیہ سے مسجد تعمیر کرائی ہے۔ اس مسجد پر دوسرے لوگ قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اور اصل تعمیر کرنے والے کو بے دخل کرنا چاہتے ہیں۔ آیا وہ لوگ اگر زبردستی قبضہ کر لیں تو ان کی نمازیں ہو جاتی ہیں یا نہیں اور زبردستی قبضہ کر لینے سے ان پر شرعاً کیا حکم ہے۔ بحوالہ قرآن شریف وحدیث شریف تحریر فرمائیں۔

﴿جواب﴾

جو شخص مسجد تعمیر کر کے وقف کرے، شرعاً اس کی مرمت کرنے، اذان وامامت کرنے کا حق سب سے پہلے اسی کو حاصل ہے اور اگر اس میں خود اذان یا امامت کی اہلیت نہ ہو تب مؤذن اور امام مقرر کرنے کا سب سے پہلے حق اسی کو ہے۔ دوسرے لوگوں کو اصل بانی کی اجازت حاصل کیے بغیر مسجد کی تعمیر یا امام ومؤذن مقرر کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے[1]۔ زبردستی قبضہ جمالینا گناہ ہے، اگرچہ نمازیں ادا ہو جائیں گی۔ **كما قال في الفتاوى العالمكيرية ج ۱ ص ۱۱۰ رجل بنى مسجداً وجعله لله تعالى فهو أحق الناس بمرمته وعمارته وبسط البواري والحصير والقناديل والأذان والإقامة والإمامة إن كان أهلاً لذلك فإن لم يكن فالرأي في ذلك إليه كذا في فتاوى قاضيخان.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم[2]

---

(۱) تنازع أهل المحلة والباني في عمارته أو نصب المؤذن أو الإمام فالأصح أن الباني أولى به إلا أن يريد القوم ما هو أصلح منه وقيل الباني بالمؤذن أولى إلا إذا كان فاسقاً بخلاف الإمام والباني أحق بالإمامة والأذان ... وروى ابن سماعة عن محمد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن الباني أولى بجميع مصالح المسجد ونصب الإمام والمؤذن إذا تأهل للإمامة. (البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ۵ ص ۲۶۸، طبع رشيديه كوئٹه)

وكذا في الخانية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۲۹۷، رشيديه كوئٹه۔

وهكذا في البزازية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به، ج ۶ ص ۲۶۹، رشيديه كوئٹه۔

(۲) الفتاوى العالمكيرية: كتاب الصلوة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة، ج ۱ ص ۱۱۰، رشيديه كوئٹه۔

وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبو نصر لأهل المحلة ... وقال أبو بكر الإسكاف: الباني أحق بنصبهما من غيره كالعمارة قال أبو الليث وبه نأخذ الخ. (البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۸۹، رشيديه كوئٹه)

بلا اجازت متولی مدرسہ کی تولیت اولاد کے سپرد کر جانا

(سوال)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد اور اس کی متعلقہ جائیداد کا متولی باجازت واقفان ایک عالم دین عرصہ طویل سے کاروبار تولیت سرانجام دیتا رہا ہے۔ قضاء الٰہی سے آنصاحب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے قبل از انتقال آں مرحوم مذکورہ مسجد اور اس کی متعلقہ جائیداد کی تولیت کی وصیت اپنے صاحبزادوں میں سے درمیانے صاحبزادے کے متعلق فرما گئے۔ کیا یہ وصیت از روئے شریعت صحیح اور قابل عمل ہے یا نہیں۔

(الجواب)

دراصل متولی مقرر کرنے کا اختیار واقف کو ہوتا ہے۔ اگر یہ عالم دین واقف کی طرف سے متولی مقرر ہوا اور متولی مقرر کرتے وقت ان کو اپنی موت کے بعد کی تولیت بھی مطلق سپرد کر دی یعنی واقف نے اپنی حیات اور بعد حیات اس کو متولی مقرر کیا اب اگر وہ متولی واقف سے قبل فوت ہو گیا تو آئندہ وقف کے لیے متولی خود واقف مقرر کرے گا۔ متولی اپنے اختیار سے کسی کے لیے وصیت نہیں کرے گا۔ شامی ج ۳ ص ۴۳۴ میں ہے۔ لانہ لو مات (المتولی المشروط لہ) قبل قال فی المجتبی والولایۃ[1]۔ اور اگر متولی واقف کی موت کے بعد فوت ہوا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر واقف نے اس متولی کے بعد کسی اور کے لیے وصیت کی ہے تو وہ شخص متولی ہوگا اور اگر کسی اور کے لیے وصیت کر کے نہیں گیا تو متولی کا وصیت کردہ شخص متولی قرار پائے گا۔ اور اگر اس نے کسی کے لیے وصیت نہ کی تو قاضی (حاکم) متولی مقرر کرے گا۔ درمختار ۲۵۰ ج ۳ میں ہے۔ (نص)
اذا مات المشروط لہ بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولایۃ النصب (للقاضی) قال الشامی تحت (قولہ ولو لم یوص) ای المشروط لہ قال فی البحر اذا مات المتولی المشروط لہ بعد الواقف فالقاضی ینصب غیرہ وشرط فی المجتبی ان لایکون المتولی

---

(۱) (قولہ بعد موت الواقف الخ) قید بہ لانہ لو مات قبلہ، قال فی المجتبی والولایۃ للنصب للواقف، الخ
(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی ولایۃ خارجۃ عن حکم سائر الشرائط، ج ۴، ص ۴۲۲، طبع ایچ ایم سعید کراچی)
وفی التاتارخانیۃ: متولی الوقف اذا مات: ان کان الواقف حیاً فالرأی فی نصب القیم للواقف... الخ
(کتاب الوقف، الفصل السادس فی الولایۃ فی الوقف، ج ۵، ص ۷۶۴، ادارۃ القرآن، کراچی) (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، ج ۵، ص ۳۸۹، رشیدیہ کوئٹہ) (وکذا فی الهندیۃ، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایۃ الوقف...... مطلب، ج ۲، ص ۴۱۱، رشیدیہ کوئٹہ)۔

اوصى به لآخر عند موته فان اوصى لا ينصب القاضي الخ (۱)....اور اگر واقف نے ایک شخص کو متولی بنایا اور اس کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ آگے بھی کسی کو متولی بنا سکتا ہے تو ایسے متولی کو آگے وصیت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔۔

یہ اختیار صرف واقف کا ہوگا اور وہ نہیں ہے تو حاکم اس کا مجاز ہوگا۔ درمختار میں ہے (اراد المتولي اقامة غيره مقامه في حياته) وصحته (ان كان التفويض له) بالشرط (عاما صح). (قال الشامي ولعل المراد به اشتراط الواقف او القاضي ذلك له وقت النصب ومعنى العموم كما في النفع الوسائل انه ولاه واقامه مقام نفسه وجعل له ان يسنده ويوصي به الى من شاء ففي هذه الصورة يجوز التفويض منه (۲) في حال الصحة وفي حالة المرض المتصل بالموت الخ۔ ج ۳ ص ۴۵۱۔ ان صورتوں میں صورت سوال جس پر منطبق ہو منطبق کر لی جائے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

امام کو معزول کرنے میں متولی اور نمازیوں کا اختلاف

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عمرو نے عام شخص یا مثلاً کسی مخصوص ادارے کے سربراہ زید (عالم دین) کو ایک محلے میں کسی سابقہ ذاتی یا موروثی استحقاق کے سبب بطور امام مسجد مقرر کیا حالانکہ یہ دونوں (امام اور ناصب امام) اس محلے کے تئیں باہر کے ہیں اور عمرو بلکہ عمرو کا قائم مقام یا وارث صرف خود کو زید کی معزولی کا اس لیے واحد حق رکھتا ہے کہ اس نے یا اس کے پیشرو ہی نے زید کو مقرر کیا تھا۔ مگر مسجد کے مستقل نمازی زید پر

---

(۱) شامی، کتاب الوقف، مطلب ولاية القاضي متأخرة عن المشروط له ووصيه، ج ۴ ص ۴۲۳، ایچ ایم سعید۔
وفي التاتارخانية: ولو اشترط أن يكون الولاية الى فلان ثم من بعده الى فلان آخر جاز، ج ۵ ص ۷۴۹، وان مات القيم بعد موت الواقف ان أوصى القيم الى وصي فوصيه أولى من القاضي وان لم يكن أوصى الى رجل فالرأي فيه الى القاضي، كتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون في الولاية في الوقف، ج ۵ ص ۷۵۰، ادارة القرآن كراچی۔ وهكذا في البحر الرائق بحواله بالا۔

(۲) شامی، كتاب الوقف، مطلب للناظر أن يوكل غيره، ج ۴ ص ۴۲۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وفي التاتارخانية: المتولي اذا أراد أن يفوض الى غيره عند الموت فولاية بالوصية يجوز وللوصي أن يوصي الى غيره واذا أراد أن يقيم غيره مقام نفسه في حياته وصحته لا يجوز الا اذا كان التفويض اليه على سبيل التعميم ... كتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون في الولاية في الوقف، ج ۵ ص ۷۴۴، طبع ادارة القرآن كراچی۔ وكذا في الهندية: ج ۲ ص ۴۱۲، بحواله بالا۔

اعتماد کرتے ہیں اور اس کی امامت پر اس لیے بہت خوش ہیں کہ امام مذکور سے کوئی قصور شرعی نہیں ہوا۔ تو کیا امام یا ناصب امام کا غیر حقانی ہونا امامت کے مسئلہ میں کسی قسم کے فرق کا باعث بن سکتا ہے؟ صورت مذکورہ میں واقعی عمرو یا اس کا قائم مقام اور وارث زید کو بلا قصور شرعی معزول کر سکتا ہے۔ اور مستقل نمازی اس میں قطعاً بے بس رہ جاتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ نصب امام کا حق بانی مسجد یا اہل محلہ کو ہے۔ پس مستقل نمازیوں نے اگر زید پر اعتماد کرلیا ہے اور اس کو امام مقرر کر دیا ہے تو زید امام ہو گیا بشرطیکہ اور کوئی شرعی قصور زید میں نہ ہو۔ عمرو یا اس کے ورثہ جب بانی نہیں تو ان کو معزولی امام کا حق نہیں۔ امامت میں وراثت نہیں چلتی امام کا تقرر اکثر اہل محلہ کی رائے سے ہوتا ہے۔ قال فی الدر المختار الباني للمسجد اولى من القوم بنصب الامام والمؤذن في المختار الا اذا عين القوم اصلح ممن عينه الباني الخ وفي الشامية (قوله الباني اولى) وكذا اولاده وعشيرته اولى من غيرهم (شامی كتاب الوقف)[1] وفي الاشباه ولد الباني اولى من غيرهم اه سيجيئ في الوقف ان القوم اذا عينوا مؤذنا او اماما وكان اصلح ممانصبه الباني فهو اولى (رد المحتار . باب الاذان)[2] والخيار الى القوم فان اختلفوا اعتبر اكثرهم شامی باب الامامة[3]. فقط والله تعالى اعلم.

مسجد کی بجلی سے قادیانی کو کنکشن دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا متولی برضامندی مقتدیوں کے قریبی ایک مرزائی قادیانی دکاندار سے تعاون باہمی کرتا ہے کہ مسجد سے مرزائی مذکور کی دکان کو بجلی کا کنکشن دیا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں چند مقتدیوں کے اس مرزائی سے دوستانہ تعلقات بھی ہیں۔ کیا ایسی حالت میں اس مسجد میں نماز پڑھنے سے کوئی اعتقادی خلل یا ان مقتدیوں کے اس مرزائی قادیانی سے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے ان سے علیک سلیک

---

(۱) كما في رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب باع عقاراً ثم ادعى انه وقف، ج ٦ ص ٦٠٩، طبع مكتبه رشيديه كوئته (جديد).

(۲) وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الاذان، ج ٢ ص ٨٨، طبع مكتبه رشيديه كوئته (جديد).

(۳) وكذا في رد المحتار: كتاب الصلوة، باب الامامة، ج ٢ ص ٣٥٣، طبع مكتبه رشيديه كوئته (جديد).

سے مسجد شریف کے اخراجات میں سہولت ہو اور ایک دوسرا ٹکڑا اراضی جس میں ایک حجرہ تعمیر شدہ ہے باقی زمین ہے۔ پہلے مکان کا کرایہ مبلغ ۱۳ روپے ماہوار وصول ہوتا ہے۔ دوسرے کا کرایہ جس میں حجرہ تعمیر شدہ ہے دس روپے ماہوار کرایہ تھا۔ یہ سارا کرایہ مسجد مذکور پر خرچ ہوتا تھا۔ بلکہ باقی خرچ بھی متولی خود برداشت کرتا ہوں۔ مکان نمبر ۲ حجرہ والا مسمی مختیار حسین کو کرایہ پر دیا۔ کچھ عرصہ تو کرایہ دیتا رہا لیکن بعد میں مسمی مختیار حسین نے مکان مذکورہ کا کرایہ بند کر دیا۔ تو اس صورت میں تنگ آ کر عدالت دیوانی میں دعوی بنام مسجد شریف بذریعہ حاجی محمد حسین متولی مسجد برخلاف مختیار حسین دائر کیا۔ جس میں ۷ سال کا کرایہ مبلغ ۸۴۰ روپے تک مطالبہ کیا گیا۔ جواب میں مختیار حسین صاحب نے مسجد کی ملکیت سے انکار کر دیا۔ بلکہ اپنے مالک ہونے کے متعلق کوشش شروع کر دی۔ تقریباً تین سال دعوی کے بعد عدالت دیوانی نے مختیار حسین کو مکان مذکورہ سے بے دخل کا آرڈر جاری کیا۔ نیز کرایہ ۸۴۰/- روپے اور خرچ مقدمہ سمیت مبلغ ۱۳۰۴/- روپے کی ڈگری کر دی۔ جس کی وصولی تاحال نہیں ہوئی۔ البتہ اب ۳۰ روپے ۵۰ پیسے اس کی تنخواہ سے ہر ماہ وصول ہونے کی امید ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ دائری دعوی سے بے دخلی تک تقریباً ساڑھے ۳۲ ماہ کا کرایہ مبلغ ۳۲۵/- روپے بذمہ مختیار حسین واجب تھے۔ جس کا دعوی بھی تین کمیٹی میں دائر کر کے ڈگری کرا لیا۔ اتنی مدت عدالتوں میں مقدمے بازی کرنے سے مسجد کا کافی روپیہ خرچ ہو گیا ہے۔ حالانکہ مسجد کی آمدنی صرف ایک مکان جس کا کرایہ صرف تیرہ روپے تھا ہوتی تھی۔ وہ بھی ساری خرچ ہو گئی۔ بلکہ مسجد شریف اس وقت کافی مقروض ہے۔ کیونکہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس وقت مختیار حسین مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں غریب آدمی ہوں مجھے دوسری ڈگری کا روپیہ محمد حسین بحیثیت متولی کے چھوڑ سکتا ہے چھوڑ دے یا اس ڈگری کا جزوی حصہ۔ محمد حسین نے جواب دیا کہ روپیہ مسجد کا ہے ہم کوئی مشورہ نہیں دیتے کہ روپیہ چھوڑ دیا جائے۔ اس لیے علماء کرام کے فتوی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ براہ کرم ازروئے شریعت فتوی عنایت فرماویں کہ میں متولی روپیہ ڈگری چھوڑ سکتا ہوں کل یا جزوی حصہ مختیار حسین کو چھوڑ سکتا ہوں۔ نیز اگر روپیہ مختیار حسین دینا چاہے تو اس کے لیے قسطیں بھی مقرر کر سکتے ہیں۔ نیز جتنا بھی خرچ ہوا ہے وہ سب مسجد کے ہی تھے۔ وہ جو رقم بنتی ہے کیا مسجد پر خرچ ہو گی۔

الجواب

جس صورت میں کہ مدیون موسر ہے اور باوجود استطاعت دین کے ادا کرنے میں تساہل وانکار کرتا ہے اور دائن مجبوری نالش کر کے قرض وصول کرتا ہے۔ تو اس حالت میں مدیون سے خرچہ عدالت لینا درست ہے کہ سبب اس خرچ کا مدیون ہوا ہے۔ شامی میں ہے وفي صنيعه المفتي منة المتخصص قبل في بيت المال وفي الاصح على المعتمد الخ وفي البزازية ويستعين بالاعوان الوالي على الاحضار

و اجرة الاشخاص في بيت المال و قيل على المتمرد الخ. (شامي ج ۱ ص ۴۱۰) (كذا في عزيز الفتاوى ج ۱ ص ۳۵۱)[1] پس صورت مسئولہ میں جبکہ مقدمہ کے اخراجات مسجد کے فنڈ سے ادا کیے گئے ہیں تو اصل کرایہ مع خرچ مقدمہ لینا درست ہے۔ اور چونکہ یہ تمام رقم مسجد کے لیے ہے۔ اس لیے مسجد کے متولی کو اس رقم کا کل حصہ یا بعض حصہ یوں ہی معاف کرنے کا حق حاصل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کرایہ دار کا مسجد کے مکان پر خرچ کرنے کا دعویٰ

﴿س﴾

ایک شخص شیری ایک جامع مسجد کے ایک مکان میں کرایہ پر بیٹھا تھا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس نے مذکورہ مکان کی تعمیر کرنا شروع کی جماعت کے چند افراد نے اس کو منع کیا لیکن پیش امام کی مصلحت پر جو اس کا خسر تھا اس نے کام کروا لیا۔ اس بات کو قریبا چند برس گزر چکے ہیں۔ اب جماعت نے باقاعدہ مسجد شریف کا حساب کتاب رکھنا شروع کیا ہے۔ مذکورہ کرایہ دار کہتا ہے کہ میں نے مکان کی تعمیر پر سولہ ہزار روپے خرچ کیے تھے وہ دے دو تو مکان خالی کر دوں گا اور کرایہ میں بھی دو تہائی رعایت کر دو۔

اب سوال یہ ہے کہ وقف کی زمین پر تعمیر کرنے کا خرچہ از روئے شرع شریف اس کو دیا جائے گا یا نہیں؟ جب کہ اس کی تعمیر پر جماعت نے منع بھی کیا تھا اور مذکورہ حالت میں اس کو کرایہ میں رعایت دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

براہ کرم اس سوال کا جواب از روئے شرع محمدی مرحمت فرما کر جماعت کی رہنمائی فرما دیں تو عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں گے۔

﴿ج﴾

بر تقدیر صحت واقعہ اگر اہل مسجد کرایہ دار مذکور کو اس کے ملبہ کی قیمت ادا کر دیں تو کرایہ دار کو یہ مکان خالی کر دینا چاہیے اگر اہل مسجد اس طرح کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو کرایہ دار اپنا ملبہ اٹھا لے اور مکان خالی کر دے۔ نیز کرایہ دار کو اہل مسجد کی اجازت کے بغیر تعمیر یا مرمت پر خرچ نہیں کرنا چاہیے تھا[2]۔ اور کرایہ میں رعایت بھی

---

(۱) [illegible] خرچہ مقدمہ کا لینا جائز ہے، کتاب الربوا باب القرض والدین، ج ۱ ص ۴۵۲، طبع دار الاشاعت کراچی۔

(۲) كما في مجمع الأنهر: "ما اذا احدث رجل عمارة في الوقف بغير اذن المتولي ان يامره برفع البناء [illegible] (الخ) كتاب الوقف، فصل: واذا بنى مسجداً، ج ۱ ص ۶۰۸، طبع مكتبه غفاريه كوئٹه۔

اہل مسجد کی رضا پر ہے۔ اگر وہ مناسب سمجھیں تو کرایہ میں رعایت کر دیں اور اس کرایہ دار کو اس مکان میں رہنے دیں۔ فقط واللہ اعلم

مسجد کی بجلی تعزیہ کے لیے استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید مسجد کی بجلی تعزیہ پر استعمال کرے یا نہ؟ اور اگر کرایہ بھی ادا کرے تو کیا وہ کرایہ مسجد پر خرچ ہو سکتا ہے یا نہ؟ قرآن مجید اور حدیث سے مسئلہ کا جواب عنایت فرمادیں۔

﴿ج﴾

مسجد کی بجلی وغیرہ کو کسی حرام موقع پر استعمال کرنا سخت نا روا ہے اور چونکہ تعزیہ نکالنا ناجائز ہے کیونکہ سلف صالحین کے زمانہ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا نیز ان تعزیوں میں ماتم اور نوحہ کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے موجب گناہ ہے۔ بموجب حدیث نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النوح (الحدیث) لہذا مسجد کی کوئی بھی چیز اس میں دینا امداد بر معصیت ہے۔ قال الله تعالى وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر کچہری روڈ

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر کچہری روڈ ۔ ۲/۱۰/۹۰ ۱۳ھ

مسجد کی بجلی کا رقم دے کر استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کوئی شخص مسجد کی بجلی یا میٹر سے تار جہاں کر کے اپنے مکان میں روشنی حاصل کرتا ہے اور کہتا ہے جتنا خرچ ہو سب بل میں ادا کروں گا۔ کیا یہ فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

چونکہ اس صورت میں مسجد کو فائدہ ہی فائدہ ہے اور اس صورت میں مسجد کے وقف مال کا استعمال بھی لازم نہیں آ رہا ہے اس لیے متولی کی اجازت سے مسجد کے میٹر وغیرہ سے کنکشن لے سکتا ہے اور اگر متولی اس کی اجازت نہ دے تو کنکشن نہیں لے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۵ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۵/۳/ ۱۳۸۷ھ

شیعوں کو جلسہ کے لیے مسجد کی بجلی دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اہل سنت والجماعت کے چند افراد نے اہل الرفض کو مجلس عزا کے لیے بیٹری کی بجلی دی جو کہ مسجد کی تھی جس پر انہوں نے سب صحابہ، تبلیغ رفض کا پروگرام منعقد کیا۔ مانعین کو ان لوگوں نے بھلا برا کہا۔ کیا یہ لوگ اس فعل شنیع کے ارتکاب سے صواب کار ہوں گے یا خطا کار، شرعاً ان کے خلاف کیا حکم دیتی ہے۔

﴿ج﴾

مسجد کی بیٹری کی بجلی اہل الرفض کے مجلس میں استعمال کرنے کے لیے دینا ہرگز جائز نہیں[1] ان لوگوں پر لازم ہے کہ فعل مذکور پر توبہ تائب ہوں اور آئندہ کے لیے ہرگز ایسا کام نہ کریں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲/۷/۱۳۹۶ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ ۵ رجب ۱۳۹۶ھ

متولی کو معزول کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جامع مسجد مع ملحقہ دینی درسگاہ کا زید متولی و منتظم چلا آرہا تھا۔ عرصہ دس سال تقریباً ہوئے بکر پارٹی نے قبضہ کر لیا اور آمادہ فساد ہوئے۔ زید نے عدالت دیوانی میں استقرار حق کا دعویٰ کر دیا۔ عرصہ تقریباً دس سال تک ابتدائی عدالت دیوانی سے لے کر عدالت اپیل تک زید کے حق میں فیصلہ ہوتا چلا گیا کہ زید ہی متولی و منتظم ہے اور حکم امتناعی بھی صادر ہوا کہ بکر پارٹی زید کے حقوق تولیت و انتظامیہ میں دخل اندازی سے باز رہے۔ اب استدعا ہے کہ شرعی فتویٰ صادر فرمایا جاوے کہ از روئے شرع محمدی کون جامع مسجد مع ملحقہ دینی درسگاہ کا متولی و منتظم ہے اور کس کو امام و خطیب اور مدرسین وغیرہ مقرر کرنے اور انتظام وغیرہ کرنے کا حق ہے۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) كما في البحر الرائق: قال في الخلاصة وهذا دليل على أن المسجد إذا احتاج إلى نفقة تؤاجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٢٣٩، طبع رشيديه كوئٹه۔ وكذا في تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٨٠، ايچ ايم سعيد كراچي۔

(۲) وهكذا في العالمكيرية: فإذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس به إن شاء الله، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، ج ٥ ص ٣٢٠، رشيديه كوئٹه۔

﴿ج﴾

بر تقدیر صحت واقعہ جو مسجد مذکور اور اس کے ساتھ متعلقہ دکانوں کا جب پہلے سے ہی یہ متولی اور منتظم چلا آرہا ہے اور عدالت کی جانب سے بھی تولیت اسی کے سپرد ہے اور تا حال اس سے کوئی خیانت وغیرہ بھی ظاہر نہیں ہوئی تو شرعاً بھی بلا وجہ اس کو تولیت سے معزول نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا بدستور زید اس وقف کا متولی ہے[1]۔ اور امام وخطیب اور مدرسین کی تقرری کا اسی کو اختیار ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان۔ الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۰/۱۰/۱۳۸۷ھ الجواب صحیح خیر محمد عفی اللہ عنہ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷/۱۰/۱۳۸۷ھ

مسجد کی ملکیت پر متولی کے صاحبزادے کا دعویٰ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک مسجد ہے جو کہ انقلاب سے پہلے غیر آباد تھی۔ انقلاب کے بعد مہاجرین حضرات نے مرمت کرائی اور نماز جمعہ شروع کی۔ اور اس میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو خواجہ عبد الحکیم کی جائیداد تھی اب اس مسجد کے آباد کرنے کے بعد خواجہ عبد الحکیم کے صاحبزادے آئے انہوں نے یہ سوال پیدا کیا کہ اس مسجد میں ہمارا تصرف ہے اور کسی کا تصرف نہیں ہے۔ کیا شریعت مانع ہے کہ اس میں نماز مسلمانوں کی ہوتی ہے اور ساتھ یہ بھی سوال ہے کہ مسجد ہماری ملکیت ہے اور یہاں کے لوگوں نے کہا کہ اس مسجد کو قومی ملکیت پر چھوڑا جائے کیونکہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہے اور انہوں نے جواب دیا کہ ہم مسجد کو قومی ملکیت پر نہیں چھوڑیں گے۔

---

۱) كما في رد المحتار: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة أو عدم أهلية ... قال في البحر واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم أهلية، كتاب الوقف مطلب لا يصح عزل صاحب وظيفة، ج ٤ ص ٣٨٢، طبع ايچ ايم سعيد كراچي، وكذا في الهداية، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٣٦، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔ وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، ج ٦ ص ٤٠٩، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) كما في رد المحتار: إذا عرض للإمام والمؤذن عذر منعه من المباشرة ستة أشهر للمتولي أن يعزله ويولي غيره، كتاب الوقف مطلب للواقف عزل الناظر، ج ٦ ص ٦٢٤، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

(وأيضاً فيها) فأفاد أن ولاية القاضي متأخرة عن المشروط له ووصيه فيستفاد منه عدم صحة تقرير القاضي في الوظائف في الأوقاف إذا كان الواقف شرط التقرير للمتولي، كتاب الوقف، مطلب ولاية القاضي متأخرة، ج ٦ ص ٦٢٨، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

أيضاً فيه: أراد المتولي إقامة غيره مقامه ... صح ولا يملك عزله إلا إذا كان الواقف جعل التفويض والعزل، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٦٥٠، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

﴿ج﴾

مسجد خالص وقف خدا ہوتی ہے کسی کی ملکیت نہیں ہوتی(۱) ایسی بات صاحبزادوں کی جائز نہیں ہے۔ لیکن ایسی بات کہنے سے مسجد کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مسجد بدستور مسجد ہی رہے گی۔ جب ایک مرتبہ ابتداء میں واقف کے وقف کرنے سے مسجد بن گئی اب تا قیامت مسجد ہی رہے گی(۲) اس میں نماز پڑھنا سب مسلمانوں کے لیے جائز بلکہ اس کی آبادی موجب ثواب ہے(۳)۔ البتہ اگر بانی مسجد اور اس کے صاحبزادے یا دیگر متولی میں کوئی خیانت دربارۂ وقف نہ پائی جاوے تو متولی اور متصرف فی الوقف وہی ہوگا۔ اس کو تولیت سے معزول نہیں کیا جاسکتا(۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

متولی کی جگہ پر قبضہ کی کوشش

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے مسجد بنائی اور اس نے تقریباً چالیس ہزار روپیہ لگایا ہے۔ اب اس محلہ میں دو تین آدمی کھڑے ہو گئے ہیں۔ وہ بانی اس شخص کو کہتے ہیں کہ آپ کا کوئی واسطہ نہیں ہم خود

---

۱) فاذا تم ولزم لا يملك ولا يملك، قوله لا يملك، أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع، در المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١ تا ٣٥٢، ايچ ايم سعيد۔ وهكذا قال واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه. الهندية، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٣٦٩، مكتبه رحمانيه لاهور۔

۲) ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الامام والثاني، ابداً الى قيام الساعة (وبه يفتى) تنوير الأبصار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد۔
وأيضاً فيه بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢١، رشيديه۔

۳) عن عثمان بن عفان رضي الله عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم: انكم اكثرتم، واني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من بنى مسجداً قال بكير: حسبت أنه قال يبتغي به وجه الله بنى الله له مثله في الجنة. البخاري، باب من بنى مسجداً، ج ١ ص ٦٤، طبع قديمي۔

۴) لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة أو عدم اهلية قال في البحر واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم أهلية، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٢۔
در المختار (سعيد)، وكذلك أنه لا يعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته ولا يخرجه الا بخيانة ظاهرة بينة. البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٢٤٩، رشيديه۔

جائیں گے۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم متولی ہیں وہ شخص کہتا ہے کہ میں متولی ہوں اور یہ بھی ساتھ کہتا ہے کہ آپ اگر مسجد کی خدمت کرتے بھی ہو تو مجھے روپیہ دیں۔ آپ حساب لینا میرے سے جتنے روپے دیں گے۔ حال یہ ہے کہ جب اس شخص نے مسجد بنائی تو وہ آدمی موجود نہیں تھے۔ اس محلہ میں بستی غیر آباد تھی۔ جب اس شخص نے مسجد بنائی تو وہ بستی اور وہ محلہ آباد ہو گیا۔ اور وہ آدمی اس مسجد میں قابض ہونا چاہتے ہیں۔ اب اس مسئلہ میں کون متولی بن سکتا ہے۔ اور کس کا حق ہے۔ اس مسئلہ مذکورہ میں قرآن وحدیث سے جواب عنایت فرمادیں۔

﴿ج﴾

جس شخص نے مسجد کی بنیاد رکھی ہے۔ وہی متولی تصور ہوگا [1]۔ اور اگر یہ لوگ مسجد کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو تمام رقوم متولی کے پاس جمع کریں۔ البتہ یہ لوگ حساب وکتاب کا مطالبہ کر سکتے ہیں تاکہ مسجد کا روپیہ صحیح مقام پر خرچ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

متولی کے خلاف شکایات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مسجد کا متولی ہے۔ اور ایک شخص بچوں کو بلا معاوضہ تعلیم دیتا ہے۔ نہ مسجد والوں سے کچھ معاوضہ لیتا ہے نہ بچوں سے معاوضہ طلب کرتا ہے۔ متولی مسجد خود تو تعلیم دینے والے معلم کو بدتمیزی سے پیش آتا ہے گاہے گاہے جھڑکی بھی دیتا ہے۔ متولی مسجد بہت تند خو ہے نرمی دل اس میں پائی نہیں جاتی۔ نمازی مسئلہ بھی خوف زدہ ہو کر پوچھتے ہیں کہ کہیں متولی صاحب برس نہ پڑے۔ گالیاں بھی فحش بکتا ہے۔ اگر کسی نمازی کی ایک آدھ رکعت باقی ہو یا تسبیح وظیفہ باقی ہو تو متولی مسجد پورے طور نماز وظیفہ مکمل نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ پریشان کر دیتا ہے۔ حالانکہ نماز اطمینان قلب اور سکون کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ اگر جلدی جلدی کی جائے تو صحیح تلفظ نہیں ہوگا۔ بلکہ مثل کوّے ہیں۔ صل فانک لم تصل۔ والے جملے صادق آئیں گے۔ نیز ایں کہ خیر الناس من ینفع الناس کے خلاف ہوگا۔ نیز اینکہ متولی مسجد سارے کا سارا پی

---

[1] تنازع أهل المحلة والباني في عمارته أو نصب المؤذن أو الإمام فالأصح أن الباني أولى به ... وفي المجرد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن الباني أولى بجميع مصالح المسجد ونصب الإمام والمؤذن إذا تأهل للإمامة، البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٢٤٨، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر فصل ١، ج ٢ ص ٤٥٧، مكتبه رشيديه۔
وأيضاً في البزازية: كتاب الوقف، ج ٦ ص ٢٦٩، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

بعد واقف کی وفات ہوئی اس کی وفات کے بعد مسجد میں کسی قسم کا اختلاف رونما نہ ہوا اور مسجد کی آبادی اور تعمیر میں اہل محلہ کوشاں رہے۔ اس کے بعد مسجد کی توسیع کے لیے واقف کے لڑکے سے مزید زمین خریدی گئی اور رقم ادا کر دی گئی۔ اس رقم کا انتظام یوں ہوا کہ نمازیوں نے ایک آدمی کو فراہمی چندہ کے لیے مقرر کیا جس کا تعلق اسی مسلک سے ہے۔ جو مسلک امام مسجد کا ہے۔ اس شخص نے چندہ کر کے رقم ادا کر دی اور مسجد کی توسیع کر دی گئی۔ اور بعد میں جمعہ بھی جاری کر دیا گیا، جو اب تک جاری ہے۔ اس مسلک کا خطیب جمعہ پڑھا رہا ہے۔ اور اسی مسلک والوں کے نام مسجد بھی رجسٹرڈ ہو چکی ہے۔ درین اثنا چند ماہ قبل کچھ لوگوں نے مسلک کی بنیاد پر اختلاف شروع کر دیا اور واقف کے بیٹے سے ایک تحریر اپنے حق میں لکھوالی ہے اور اب یہ لوگ مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ مسجد کو آباد کرنے والے وہی لوگ ہیں۔ امام انہی کا مقرر ہے خطیب اسی مسلک کا ہے مسجد کی توسیع انہیں کی کوشش سے ہوئی چندہ کرنے والا اسی مسلک کا آدمی ہے اور دوسرے لوگ اس بات کو سند بناتے ہیں کہ واقف کا بیٹا ہمارے حق میں ہے از روئے کتاب وسنت وفقہ حنفی تحریر فرماویں کہ اس مسجد کا متولی ومتصرف پہلا فریق ہے یا دوسرا فریق۔

«ج»

متولی اور امام مسجد جب تک کوئی شرعی نقص موجود نہ ہو ان کو معزول کرنا جائز نہیں[1]۔ واقف اور مسجد تعمیر کرنے والا تولیت کا زیادہ حق دار ہے[2]۔ اگر امام خطیب وغیرہ کے بارے میں اختلاف ہو تو نمازیوں کی اکثریت کا فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا غیر نمازی اہل محلہ کو مسجد کے امور میں دخل دینا درست نہیں۔

---

(۱) كما في الرد المحتار: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة أو عدم أهلية ... قال في البحر واستفيد من عدم عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم أهلية، كتاب الوقف، مطلب لا يصح عزل صاحب وظيفة الخ، ج ۱ ص ۳۸۲، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وفي الهداية: ولو أن الواقف شرط ولايته لنفسه وكان الواقف غير مأمون على الوقف فللقاضي أن ينزعها من يده، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۲۱، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔
وأيضاً في الهندية: كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، ج ۲ ص ۴۰۹، طبع رشيديه كوئته۔

(۲) كما في البحر الرائق: فالأصح أن الباني أولى به إلا أن يريد القوم ما هو أصلح منه وفي المجرد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن الباني أولى بجميع المصالح ونصب الإمام والمؤذن، كتاب الوقف فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۸، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وفي الهندية: فإن عرف فالباني أولى كما في الوجيز، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الفصل في ما يصير به مسجداً، ج ۲ ص ۴۵۷، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا في التاتارخانية: الواقف أحق بنصبه ثم وارثه ثم عشيرته، كتاب الوقف، باب الولاية في الوقف، ج ۵ ص ۷۲۹، طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی۔

بہر حال بلاوجہ شرعی سابقہ انتظامیہ اور متولی، امام وغیرہ کو الگ کرنا درست نہیں۔ واقف کے بیٹے کی تحریر اس بارے میں حجت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[1]۔

محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۸ شعبان ۱۳۹۹ھ

وقف کی شرائط

﴿س﴾

ما قولکم یا ایہا العلماء الکرام والفضلاء العظام رحمکم اللہ وکثر جمعکم اس وقف نامہ میں جس کا مضمون مختصراً تحریر کیا جاتا ہے وہ ہو ہذا۔ زید (۱) کی جائیداد کی قیمت تخمیناً مبلغ بیس لاکھ روپیہ اور بکر (۲) کی جائیداد کی قیمت تخمیناً مبلغ پانچ لاکھ روپیہ ہے۔ زید (۱) اور بکر (۲) نے اپنی اپنی جائیداد کو مشترک بنا کر وقف نامہ تحریر کیا کہ واقف نمبر ۱ (زید) متولی ہوگا اور واقف نمبر ۲ (بکر) کو آمدنی جائیدادوں سے گزارہ کے لیے مبلغ پانچ صد روپیہ ماہواری دیں گے اور باقی آمدنی واقف متولی نمبر ۱ اپنے اہل وعیال پر اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرے گا اس کو ہر قسم کا اختیار ہوگا۔

قابل دریافت چند امور ہیں ان کے جوابات کتب معتبرہ مذہب حنفی سے تحریر فرماویں جزاکم اللہ (۱) واقف نمبر ۱ زید صرف متولی وقف ہوگا دوسرا واقف نمبر ۲ (بکر) کا تولیت میں کسی طرح کا دخل نہیں ہوگا۔ (۲) وقف نامہ صرف تحریر ہوا موقوف علیہم کے سپرد نہ کیا گیا اور نہ جائیدادوں پر اس کا قبضہ اور تسلیم واقفین کی طرف سے کروایا گیا۔ (۳) موقوف علیہم ابتداء سے اغنیاء ہیں (۴) وہی موقوف علیہم کے بعد دیگرے متولی وقف کے بنانے کے مجاز ہوں گے۔ (۵) وقف نامہ کا انتقال نہ کاغذات مال میں ہوا اور نہ کسی رجسٹر میں اس کا عملدرآمد کروایا گیا۔ کیا یہ وقف نامہ شرعاً درست تصور ہوگا اور شرعی نقطہ نگاہ سے قابل عمل سمجھا جاوے گا جب کہ واقف نمبر ا متولی وقف بھی اس کی تنفیذ سے منحرف ہو۔ بینوا بالکتاب و توجروا عند الوهاب المستفتي منتظمه و مواجهه

محمد حبیب اللہ خان

---

(۱) وفي رد المحتار: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة وعدم أهلية ---- في البحر واستفيد من عدم العزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب الوظيفة في وقف بغير جنحة وعدم أهلية، مطلب لا يصح عزل صاحب وظيفة الخ، ج ٤ ص ٣٨٢، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی

وفي البحر الرائق: أنه لا يعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته ولا يخرجه الا بخيانة ظاهرة بينة، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١١، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه

﴿جواب﴾

بسم الله الرحمن الرحیم. نحمده ونصلی علی رسوله الکریم. الجواب بعون الملک الوهاب۔

(۱) تولیت وقف للواقف میں امام ابو یوسف صاحب وامام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما کا آپس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف صاحبؒ کے نزدیک یہ وقف جائز ہے اس مذہب پر کتب فقہ میں بالاجماع کا لفظ وارد ہوا ہے لیکن امام محمد صاحب سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں انہوں نے امام ابو یوسف صاحب کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ (اس لیے امام ابو یوسف صاحب کے قول پر بالاجماع کا لفظ آیا ہے) اور دوسری روایت میں ایسے وقف کو ناجائز فرماتے ہیں۔ ردالمحتار مع شرح درمختار جلد سوم ص ۴۲۶ میں ہے۔ جعل الواقف الولایة لنفسه جاز بالاجماع وکذا لو لم یشترط لاحد فالولایة له عند الثانی وهو ظاهر المذهب. نهر. خلافا لما نقله المصنف ثم لوصیه ان کان والا فللحاکم [۱]۔ اس کے تحت شامی میں ہے۔ قوله جاز بالاجماع کذا ذکره الزیلعی وقال لان شرط الواقف معتبر فیراعی لکن الذی فی القدوری انه یجوز علی قول ابی یوسف وهو قول هلال ایضا وفی الهدایة انه ظاهر الروایة وقد رد العلامة قاسم علی الزیلعی دعواه الاجماع بان المنقول ان اشتراطها یفسد الوقف عند محمد کذا فی الذخیرة [۲]۔ پھر شامی ص ۴۴۲ میں ہے قوله او الولایة مفاده ان فیه خلاف محمد مع انه قدم ان اشتراط الولایة لنفسه جائز بالاجماع لکن لما کان فی دعوی الاجماع نزاع کما قدمناه مع التوفیق بان عن محمد روایتین احداهما توافق قول امام ابی یوسف والاخری تخالفه فدعوی الاجماع مبنیة علی الروایة الاولی ودعوی الخلاف علی الثانیة فلا خلل فی النقلین فلذا مشی الشارح علیهما فی موضعین مشیرا الی صحة کل من العبارتین فافهم. پھر اسی صفحہ میں لکھتے ہیں۔ قوله وعلیه الفتوی کذا قاله الصدر الشهید وهو مختار اصحاب المتون ورجحه فی الفتح واختار مشائخ بلخ وفی البحر عن الحاوی انه المختار للفتوی ترغیباً للناس فی الوقف وتکثیرا للخیر [۳]۔ اسی شامی ص ۴۲۱ میں

---

۱) ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی جعل شیء من المسجد طریقاً ج ۳ ص ۴۲۶، طبع رشیدیه کوئٹه
۲) وفی الشامیة: کتاب الوقف، مطلب فی جعل شیء من المسجد طریقاً ج ۳ ص ۴۲۶، طبع رشیدیه کوئٹه۔
۳) وفی الشامیة: کتاب الوقف، مطلب فی اشتراط الغلة لنفسه، ج ۳ ص ۴۴۲، طبع رشیدیه کوئٹه۔

ہے۔ قوله خلافا کما نقله المصنف اي عن السراجية من انه لايصح هذا الوقف عند محمد وبه يفتى[1]۔ ہدایہ کتاب الوقف میں ہے وجه قول محمد ان الوقف تبرع على وجه التمليک بالطريق الذي قلنا فاشتراط القبض او الكل لتفسه بطله لان التمليک من نفسه لا يتحقق فصار كالصدقة المنفذة[2]۔ یہ مسئلہ امام ابو یوسف وامام محمد صاحبان رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ بلکہ اقوال فقہاء بھی اس میں مختلف ہیں۔ اور ہر ایک قول پر الفاظ تصحیح وترجیح بھی موجود ہیں۔ لیکن امام محمد صاحب کا مذہب اس مسئلہ میں ارجح ہوگا واللہ اعلم اتمام وقف کے لیے شئ موقوف کا تسلیم الی المتولی، قبضہ متولی نہ ہوتو شئ موقوف سے نہ تو ملک واقف کی زائل ہوتی ہے اور نہ ہی اتمام وقف ہوتا ہے۔ رد المحتار شرح در المختار جلد ۳ ص ۳۷۵ میں ہے ولا يتم الوقف حتى يقبض لم يقل للمتولي لان تسليم كل شئي بما يليق به ففي المسجد بالافراز وفي غيره بنصب المتولي وبتسليمه اياه ابن كمال[3]۔ عینی شرح کنز الدقائق جلد اول ص ۲۷۶ میں ہے۔ ولايتم الوقف حتى يقبض المتولي وهو قول محمد وبه يفتي مشائخ بخارا وهو الاقرب الى موافقة الآثار[4]۔ تنویر الابصار میں ہے ولايتم حتى يقبض ويفرز فاذا تم ولزم لايملک ولايملک ولايعار ولايرهن[5]۔ حموی شرح الاشباه والنظائر ص ۲۷۶ میں ہے: ذالک مبني على ان التسليم للمتولي شرط صحة الوقف اولا قال بالاول محمد وبالثاني الثاني وصحح قول الثاني جماعة قال في الفتح وهو الاوجه عند المحققين والاكثر صححوا قول محمد وعليه الفتوى[6] وفي شرح المجمع اكثر فقهاء الامصار على قول محمد وعليه الفتوى[7]۔ (۳) صرف اغنیاء کو موقوف علیہم بنانا شرعاً جائز ہے۔ شامی جلد ۳ ص ۳۳۰ میں ہے۔ فانه لايجوز على الاغنياء ابتداءً لانه لابد ان يكون صدقة من ابتدائه لاقوله صدقة موقوفة ابدا ونحوه شرط

---

۱) وفي الشامية۔ كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقا، ج ۲ ص ۴۲۱، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) هداية، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۲۰، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

۳) در المختار، كتاب الوقف، مطلب في وقف المريض، ج ۳ ص ۳۴۹، طبع رشيديه كوئٹه۔

۴) شرح عيني: كتاب الوقف، ج ۱ ص ۴۷۲، طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی۔

۵) تنوير الأبصار: كتاب الوقف، مطلب في وقف المريض، ج ۳ ص ۳۴۹، طبع رشيديه كوئٹه۔

۶) حموي شرح الأشباه والنظائر: كتاب الوقف، ص ۱۰۹، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی۔

۷) مجمع الأنهر: كتاب الوقف، ج ۲ ص ۵۷۹، طبع غفاريه كوئٹه۔

لمصلحته كما مر تحريره واشرنا اليه اول الباب وبهذا ان اشتراط صرف الغلة لمعين يكون بمنزلة الاستثناء من صرفه الى الفقراء فيكون ذلك المعين قائما مقامهم فصار في معنى الصدقة عليه لقيامه مقامهم هذا غاية ما وصل اليه فهمي في هذا المحل فليتأمل [1] اسی کتاب کے ص۳۹۱ میں ہے۔ ثم في النهر عن المحيط لو وقف على الاغنياء وحدهم لم يجز لانه ليس بقربة اما لو جعل آخره للفقراء فانه يكون قربة في الجملة [2] نیز اسی کتاب کے ص۴۰۸ میں ہے۔ او الاغنياء فقط فلم يجز لانه ليس بقربة كما مر اول الباب [3] (۲) اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض فقہاء نے قاضی کو متولی کے متعین کرنے کا مختار فرمایا ہے۔ اور بعض نے موقوف علیہم کو لیکن اب چونکہ قضاۃ اطماع فی الاوقاف میں مشہور ہیں لہٰذا متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ موقوف علیہم اگر اہل صلاح ہوں تو قاضی کو بتائے بغیر متولی مقرر کر سکتے ہیں۔ اسی متولی کو مستحسن اور واجب الاخذ قرار دیا گیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم ص۴۶۳ میں ہے۔ لو كان الوقف على ارباب معلومين يحصى عددهم فنصبوا متوليا بدون امر القاضي تكلموا فيه كثيرا قال الصدر الشهيد حسام الدين المختار انه لا تصح التولية منهم وعن شيخ الاسلام ابي الحسن انه قال كان مشائخنا يجيبون انهم اذا نصبوا متوليا يصير متوليا كما لو اذن القاضي به لما عرفوا من اطماعهم في الاوقاف قال العبد هذا في زماننا وقد تحقق بالوقوع فكان محتملا للفساد فوجب الاخذ بفتوى المتاخرين كذا في الغياثية [4] شامی جلد سوم ص۴۳۹ میں ہے۔ ثم اتفق المتاخرون ان الافضل ان لا يعلموا القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في اموال الاوقاف وكذلك اذا كان الوقف على ارباب معلومين يحصى عددهم اذا نصبوا متوليا وهم من اهل الصلاح فلما ذكروا مثل هذا في وصي اليتيم وانه لو تصرف في ماله احد من اهل السكة من بيع او شراء جاز في زماننا للضرورة وفي الخانية انه استحسان وبه يفتى [5] اگر متولی کے خائن ثابت ہونے کی صورت میں قاضی اسے معزول کر سکتا ہے خواہ متولی خود واقف ہی کیوں نہ ہو فتاویٰ عالمگیری جلد دوم ص۴۱۱ میں ہے۔

---

(۱) شامی، کتاب الوقف، ج ۳ ص ۴۲۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) شامی، کتاب الوقف، مطلب لو وقف على الاغنياء لم يجز، ج ۳ ص ۳۹۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۳) شامی، کتاب الوقف، مطلب لو وقف على الاغنياء لم يجز، ج ۳ ص ۴۰۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۴) ہندیہ، کتاب الوقف، باب المحاضر، ج ۲ ص ۴۶۲، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۵) شامی، کتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم، ج ۳ ص ۴۳۹، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

للقاضي ان يعزل الذي نصبه الواقف اذا كان خير الوقف كذا في الفصول العمادية[1]۔ نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ میں چند سطر اوپر ہے۔ ولو ان الواقف شرط الولاية لنفسه وكان الواقف غير مأمون على الوقف فللقاضي ان ينزع من يده كذا في الهداية[2]۔ نیز واقف اگر کسی شخص کو متولی بنا کر یہ شرط کرے کہ اسے کوئی بھی معزول نہیں کر سکے گا تو بھی اس کی یہ شرط باطل ہوگی۔ بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے۔ يعزل القاضي المتولي لو كان خائنا نظرا للوقف ولا اعتبار لشرط الواقف ان لا يعزله القاضي والسلطان لانه شرط مخالف لحكم الشرع[3]۔

(۵) صرف خصوصاً تحریری نذرانہ کا شرعاً کچھ اعتبار نہیں۔ بلکہ تسلیم الی المتولی یا قبضہ شرط ہے۔ جیسا کہ جواب نمبر ۲ کے ضمن میں مذکور ہوا۔ شامی جلد سوم ص ۴۲۹ میں ہے۔ قولهم شرط الواقف كنص الشارع في العبرية قد صرحوا بان الاعتبار في الشروط هو للواقع لا لما كتب في مكتوب الوقف فلو اقيمت بينة لم يوجد في كتاب الوقف عمل بها بلا ريب لان المكتوب خط مجرد ولا عبرة لخروجه عن الحجج الشرعية[4]۔ بنا بریں مسئول عنہا میں چونکہ موقوف علیہ پر جب قبضہ ہی نہیں ہوا اور نیز شی موقوف پر تا حال بصورت وقف متولی کا قبضہ بھی نہیں ہوا۔ یعنی آپ پر کیا گیا ہے کہ کوئی عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ وقف تام شرعاً لازم و تمام نہیں ہوگا۔ هذا ما عندي والله تعالى اعلم واحكم بالصواب۔

لله در من اجاب لانه اتى واستدل هذا الجواب باحسن الوجوه بالفقه والكتاب لا مساغ فيه للشك والارتياب بارك الله تعالى في عمره وصالح اعماله والله الموفق للحق والصواب ۱۸ شعبان المبارك حرره المسكين احمد الدين گانگو۔

﴿تصدیق جواب﴾

لاریب فی صحۃ ھذا الجواب

لاريب في صحة هذا الجواب وقد ظهر الحق في هذا الباب فماذا بعد الحق الا الضلال ولله در المجيب لانه اتى ببيان واف شاف لحل الامور المستترة الخمسة بنقل حوالة الكتب الحنفية المعتبرة المتداولة فجزاه الله خيرا ۱۹ شعبان۔

---

(۱) هندية: كتاب الوقف، الباب الخامس، ج ۲ ص ۴۰۹، طبع رشيديه كوئٹه۔

(۲) هندية: كتاب الوقف، الباب الخامس الخ، ج ۲ ص ۴۰۹، طبع رشيديه كوئٹه۔

(۳) بحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۱۶، طبع رشيديه كوئٹه۔

(۴) شامي، كتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول تبعا للارض، ج ۳ ص ۴۲۹، طبع رشيديه كوئٹه۔

ہندو کی متروکہ اشیاء مسجد میں استعمال کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک ہندو پاکستان بننے کے بعد ہندوستان چلا گیا، اس کا ایک مکان پاکستان میں ہے۔ اس مکان میں ایک مسلمان سکونت پذیر ہوا اور حکومت نے بھی اس کو اجازت دے دی۔ اجازت فقط سکونت کی ہے۔ تملیک کی نہیں ہے۔ آیا یہ مکان اس مسلمان ساکن کی ملکیت ہو گیا اور اس کی اجازت سے اس مکان میں سے نکالے ہوئے لکڑی کے ٹکڑوں سے مسجد کے دروازے وغیرہ بنوانے اور استعمال مسجد کے لیے کرنا جائز ہوگا؟ یا یہ اجازت حکومت کی قوانین غیر شرعیہ کی وجہ سے غیر معتبر ہوگی۔ حوالے کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔ اور یہ بھی بیان فرمائیں کہ یہ مکان عامۃ المسلمین میں مشترک ہے تو نہیں؟ بینوا توجروا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جواب

غیر مسلم کی متروکہ جائیداد پر ہندو پاکستان کی حکومتوں کے معاہدہ مبادلہ املاک کے بعد حکومت پاکستان کا قبضہ وکالت ہے[1]۔ حکومت کی اجازت کے بعد متروکہ جائیداد اور اس کے سامان کو مسجد وغیرہ پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور کو صرف سکونت کی اجازت اس شخص کو حکومت کی طرف سے ملی ہو اور اس کو یہ مکان تملیک نہ کیا گیا ہو تو شخص اس کی اجازت سے اس مکان کی لکڑیوں کو مسجد پر خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لیے حکومت سے اجازت لینی ضروری ہے[2] اور اگر حکومت نے اس شخص کو اس مکان کا مالک بنا دیا ہو تو ایسی صورت میں شخص مذکور کی

---

(۱) في فتاوى التاتارخانية: وفي فتاوى أبي الليث: سلطان أذن لأقوام أن يجعلوا أرضاً من أرض الكورة حوانيت موقوفة على المسجد ... قال الفقيه أبو بكر الإسكاف: إن كانت البلدة فتحت عنوة جاز أمره إذا كان ذلك لا يضر بالمارة. (كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٣، إدارة القرآن كراچی)
وكذا في رد المحتار: قلت وهو كذلك بدون شرط لو تلف ... والأرض إذا كانت ملكاً لغيره فللمالك استرداده وأمره بنقض البناء وكذا لو كان ملكاً له فإن لورثته بعده ذلك فلا يكون الوقف مؤبداً. (كتاب الوقف، مطلب مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء، ج ٤ ص ٣٩٠، ايچ ايم سعيد)

(۲) وفي رد المحتار على الدر المختار: أن من شرائط الوقف أن يكون مملوكاً له وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب ... لا يكون محجوراً عن التصرف حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح. (كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤٠، ايچ ايم سعيد كراچی)
ومثله في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ١٨٨، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في الهندية: كتاب الوقف، ج ٦ ص ٣٥٢، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

اجازت ہی کافی ہے[1]۔ هكذا يعلم من احسن الفتاوى ص ٢٨٦، ٢٨٧۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد اور ضروریات مسجد میں فرق

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں کہ:

(۱) پاکستانی مال (جنگلی راکھ یا غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد) لکڑی یا اینٹ وغیرہ مسجد میں لگ سکتی ہے یا نہ؟

(۲) حویلی مسجد یعنی چاردیواری یا حویلی کا دروازہ، حمام مسجد، وضو کی جگہ، حجرہ، ان سب کا حکم ایک ہے یا نہیں؟ خلاصہ یہ ہے مسجد وضروریات وتوابع مسجد میں شرعاً فرق ہے یا نہ؟

(۳) کسی شیعہ یا مرزائی وغیرہ کا چندہ مسجد کی ضروریات میں لگانا جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

(۱) جنگلی راکھ کی لکڑی مسجد میں لگ سکتی ہے اور غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد مستقل الاٹمنٹ ہونے کے بعد لگ سکتی ہے عارضی صورت میں نہیں۔

(۲) مسجد اور سب جگہ کا ایک حکم ہے[2]۔

(۳) شیعہ اگر حد کفر کو پہنچا ہوا نہ ہو تو اس کا چندہ مسجد میں جائز ہے[3]۔ لیکن اگر وہ اہل سنت پر اس کا

---

۱) وفي المنحة الخالق على البحر الرائق: ففي الذخيرة ما نصه، وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف حتى أنه اذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، ج ٥ ص ٤١٦، ٤١٥، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٦، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔

۲) الفتاوى التاتارخانية: وفي فتاوى أبي الليث سلطان أذن لأقوام أن يجعلوا أرضاً من أرض السكورة في مسجدهم ويزيدوا فيه يتخذوا حوانيت موقوفة على مسجدهم؟ قال الفقيه أبو بكر الإسكاف: ان كانت البلاد فتحت عنوة جاز أمره اذا كان ذلك لا يضر بالمارة، كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٢، مكتبه ادارة القرآن والعلوم كراچى۔
وكذا في ردالمحتار: كتاب الوقف، مطلب مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء، ج ٤ ص ٣٩٠، ايچ ايم سعيد كراچى۔

۳) وفي البحر الرائق: وأما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٦، مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا في مجمع الأنهر: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٦٨، مكتبه غفاريه كوئته۔

احسان لگائیں یا مسجد میں دفن ہونے کا خطرہ ہو تو نہ لیا جاوے اور اگر حد کفر کو پہنچ چکا ہو یا مرزائی ہو، ان کا چندہ لینا اگرچہ فی نفسہ مسجد میں جائز ہے۔ لیکن مذکورہ خطرہ کی وجہ سے ان کا بھی چندہ نہ لیا جاوے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

ہندو کے متروکہ مکان پر تعمیر شدہ مسجد

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مہاجرین نے پاکستان آنے کے بعد ۱۹۴۷ء میں ایک ہندو مکان کو مسجد قرار دے کر پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھنا شروع کی اور آج تک باقاعدہ نماز باجماعت ہوتی ہے۔ اور جائے مذکورہ مسجد ہی کی حیثیت سے استعمال کی جاری ہے۔ لیکن اب عرصہ دس سال کے بعد ایک شخص جائے مذکورہ کو اپنے مکان میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا سوال طلب امر یہ ہے۔ (۱) کیا جائے مذکورہ سے مسجد منتقل ہو سکتی ہے۔ (۲) کیا جائے مذکورہ کی مسجد منہدم کرائی جا سکتی ہے۔ السائل: نذیر احمد ولد محمد یوسف ملتان شہر

﴿ج﴾

متروکہ مکانات بعد استیلاء کے حکومت کی ملکیت ہو چکے ہیں۔ بشرطیکہ حکومت بھی اپنے قبضہ کو ملکیت کا قبضہ قرار دے۔ غالباً ۱۹۵۱ء میں سابق پنجاب کے گورنر سردار عبدالرب نشتر مرحوم نے اعلان کیا تھا کہ تمام مسجدیں جو بن چکی ہیں ان کو گرایا نہ جائے۔ وہ مسجد تسلیم کر لی گئیں۔ تو یہ مسجد مذکور بھی جب سردار صاحب مرحوم کے اس اعلان سے پہلے بن چکی ہے تو اس اعلان کے مطابق مسجد کے حکم میں آ گئی۔ گویا حکومت نے اس قبضہ کو ملکیتی قبضہ قرار دے کر مسجد ہو جانے کی اجازت دے دی اور مالک کی اجازت کے بعد وقف صحیح ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس اعلان کے بعد یہ مسجد شرعاً مسجد ہوئی۔ اب اس کا گرانا جائز نہ ہوگا اور نہ اس کو منتقل کیا جا سکتا ہے۔ ولو اجاز المالک وقف فضولی جاز رد المحتار للشامی[2] ج ۳ ص ۴۰۶ یبقی مسجداً عند الامام والثانی ابداً الی قیام الساعۃ درمختار کتاب الوقف[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) وفی کتاب اللہ تعالیٰ. قال اللہ تعالیٰ. (یا أیھا الذین آمنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یألونکم خبالاً) سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۸۔ وکذا فی احکام القرآن للجصاص، نھی اللہ تعالیٰ المؤمنین أن یتخذوا أھل الکفر بطانۃ من دون المؤمنین۔

۲) رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورۃ ج ٤ ص ٤٠٦، مکتبہ ایچ ایم سعید۔ وکذا فی الفتاوی التاتارخانیۃ: کتاب الوقف، أحکام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٣، مکتبہ ادارۃ القرآن والعلوم الإسلامیۃ، کراچی۔

۳) در المختار، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، ایچ ایم سعید کراچی۔

ہندوؤں کی شاملات میں مسجد بنانے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو ہندو یہاں سے ترک سکونت کر کے ہندوستان چلے گئے ہیں۔ اور ان کی جگہ ہم مسلمان مہاجرین آ گئے ہیں۔ ان کی زمین و مکانوں پر ہم قابض ہیں۔ بلکہ مفیدہ زمین شاملات دیہہ میں ہندوؤں کی ہمارے قبضہ میں پڑی ہوئی ہے۔ ہم اس میں مسجد بنانا چاہتے ہیں۔ تو کیا ہم مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

ایسی زمین جو ہندوؤں کی متروکہ ہے حکومت کی اجازت سے مسجد بنانا جائز ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

یہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک ہندو کی متروکہ زمین جس میں ایک چکی ہے اور چند کمرے تھے کچھ مہاجر آ کر آباد ہوئے اور اس چکی والی زمین میں ایک حصہ سا متعین کر کے نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ بعد میں اس حصہ کو مسجد میں تبدیل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بوقت تعمیر محلہ کے جبکہ مسجد میں تبدیل کیا جا رہا تھا سامنے کے کمرے والا جس کے لیے صحن میں صرف ایک چارپائی بچھانے کی گنجائش بمشکل بچ سکتی تھی وہ مانع ہوا۔ لیکن اس کی بات نہیں مانی گئی اور مسجد بنا دی گئی۔ جس میں چار سال تک اذان اور جماعت وغیرہ ہوتی رہی بعد ان لوگوں نے ایک مفیدہ زمین حاصل کر کے مسجد کی پشت کی جانب جو کہ نقشہ میں مسجد ثانی سے دی گئی ہے اور

---

(١) الفتاوى العالمكيرية: سلطان أذن لقوم أن يجعلوا أرضاً من أراضي البلدة حوانيت موقوفة على المسجد وأمرهم أن يزيدوا في مساجدهم، قال: إن كانت البلدة فتحت عنوة يجوز أمره إذا كان لا يضر بالمارة، لأن البلدة إذا فتحت عنوة صارت ملكاً للغزاة فجاز أمر السلطان فيها، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول ج ٢ ص ٤٥٧، مكتبه رشيديه۔

وكذا في الفتاوى الشامية: كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٣، ادارة القرآن كراچی۔

وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، ج ٥ ص ٤١٧، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

بالکل متصل ہی ہے اگر اس مسجد سے کمرہ کو چھوڑ دیا جائے تب چالیس قدموں کا اندازہ درست ہے اور اگر کمرہ مسجد ثانی کے ساتھ شمار کیا جائے پھر تو فاصلہ دس قدموں کا ہوگا۔ ثانی مسجد بن جانے کے بعد یہ مسجد ویران کر دی گئی اور تقریباً آٹھ سال ویران رہی اور ساتھ والے کمرہ والا اپنے مکان میں استعمال کرتا رہا۔ اب کچھ خلفشار کی بنا پر اس پر قبضہ کر کے ایک پختہ مسجد بنائی جا رہی ہے۔ جبکہ ثانوی مسجد میں سب لوگ چندہ دینے میں معاون رہے اور نمازیں پڑھتے رہے اب عنداللہ اگر یہ مسجد ہے تب بھی بیان کیا جائے اور اگر نہیں تب بھی مفصل تحریر کریں تاکہ نزاع ختم ہو جائے۔

﴿ج﴾

یہ ہندو کی متروکہ زمین جسے پہلے ایک محلہ کی شکل میں بطور مسجد استعمال کیا گیا پھر چھوڑ دیا گیا اب پھر مسجد بنائی جا رہی ہے شرعاً مسجد کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ ہندو کی زمین ہے اور اس کے مسجد بنانے کے لیے حکومت کی اجازت اور منظوری شرط ہے جو کہ یہاں مفقود ہے۔ لہٰذا مسجد بنانے سے پہلے ضروری ہے کہ اہل محلہ متفق ہوں اور راضی ہوں۔ اس کے بعد پھر حکومت سے منظوری حاصل کریں۔ تب یہ مسجد بنے گی اور اس کے لیے مسجد کے احکام ثابت ہوں گے ورنہ نہیں[1]۔ نیز اگر مسجد کی یہ زمین کسی شخص کے نام الاٹ ہو چکی ہو یا اس نے خرید لی ہو تو اس کی اجازت بھی ضروری ہوگی[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے لیے ہندو کا تعاون

﴿س﴾

جیون لال ہندو نے ایک درجن لوٹے وضو کے لیے مسجد میں دیے ہیں۔ آیا اس کی یہ امداد مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) الفتاوى العالمكيرية: سلطان أذن لقوم أن يجعلوا أرضاً من أراضي البلدة حوانيت موقوفة على المسجد، وأمرهم أن يزيدوا في مساجدهم، قالوا إن كانت البلدة فتحت عنوة يجوز أمره إذا كان لا يضر بالمارة لأن البلدة إذا فتحت عنوة صارت ملكاً للغزاة فجاز أمر السلطان فيها، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول ۲ ص ۴۵۷، مكتبه رشيديه۔

وكذا في التاتارخانية: كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ۵، ص ۸۴۲، ادارة القرآن، كراچي، وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۷، مكتبه رشيديه كوئٹه

(۲) كما في المجلة مجلة الأحكام العدلية: لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بلا إذنه، رقم المادة: ۹۶، مكتبه قديمي كتب خانه كراچي۔ وكذا في الدر المختار: لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه، كتاب الغصب، ج ۶ ص ۲۰۰، ايچ ايم سعيد كراچي۔

﴿ج﴾

ان کا استعمال مسجد میں درست ہے۔ کما فی فتاوی دار العلوم ج ا ص ۷۱(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿ھوالمصوب﴾: اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے تو اس شرط سے قبول کر لینا اور استعمال کرنا جائز ہے(۲)۔ والجواب صحیح۔

ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر مسلمانوں کا قبضہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ پاکستان کے جو ہندو اپنی زمین باڑی چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے ہیں۔ ان کی متروکہ زمین باڑی کو بلا قیمت اور بغیر اجازت مالک قبضہ کر کے کھیتی باڑی کرنا مسلمانوں کے لیے جائز اور درست ہے یا نہیں اور ایسی زمین پر مسجد بنا کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

پاکستان میں ہندوؤں کی متروکہ زمینوں کی کھیتی باڑی کرنا نیز ان میں پنجگانہ نماز کے لیے مسجد اور جامع مسجد وغیرہ بنانا حکومت پاکستان کی اجازت سے جائز ہے۔ بغیر اجازت کے ایسے کرنا جائز نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) أن شرط وقف الذمی أن یکون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس، ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤١، ایچ ایم سعید کراچی۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٦، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ولو قال يسرج به بيت المقدس أو يجعل في مرمة بيت المقدس جاز، كتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٣، مکتبہ رشیدیہ۔ وكذا في الفتاوى، دار العلوم معروف به امداد المفتين، كتاب المساجد، ج ٢ ص ٧٩٨-٧٩٩، مکتبہ دار الإشاعت کراچی۔

۲) وفي كتاب الله تعالى: قال الله تعالى: يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالا) سورة آل عمران، آیت ١١٨۔

۳) الفتاوى العالمكيرية: سلطان اذن لقوم ان يجعلوا ارضاً من ارض البلد حوانيت موقوفة على المسجد، وأمرهم أن يزيدوا في مساجدهم لنظر، ان كانت البلدة فتحت عنوة، يجوز أمره اذا كان لا يضر بالمارة لأن البلدة اذا فتحت عنوة، صارت ملكاً للغزاة فجاز أمر السلطان فيها، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول، ج ٢ ص ٤٥٧، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وكذا في التاتارخانية: كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٣ ادارة القرآن، کراچی
وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٧، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

كتاب الأذان

تعداد کلمات اذان

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) اذان یا اقامت جو کہتے ہیں۔ دو دو بار الفاظ کہتے ہیں کس حدیث سے ثابت ہے۔

(۲) کیا مقلدین کی مسجد میں کوئی شخص اذان یا اقامت میں الفاظ ایک ایک بار کہے۔ کیا اس پر اکتفا کریں یا دوسری دفعہ اس کا اعادہ کیا جائے۔

جواب

(۱) سب سے اول جو نمازیوں کو بلانے کے طریقے میں مشہور ہوا روایات کو حضرت زید اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب میں فرشتے کو دیکھا۔ اس نے اذان اور اقامت سکھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خوابوں کو حق قرار دیا وحی کے مطابق سمجھا۔ ان میں اذان اور تکبیر ایسے ہی ہے جیسے حنفی حضرات پڑھتے ہیں۔ تکبیر اول چار مرتبہ، پھر دو دو آخر میں کلمہ ایک، یہی قوی ترین دلیل ہے۔ یہ مسئلہ ائمہ مجتہدین کا اتفاقی ہے مگر صرف اقامت میں، اذان میں کوئی بھی ایک ایک کا قائل نہیں ہے۔ جن کے نزدیک جو راجح و قوی ہے، وہی سنت ہے۔ اس کے بغیر سنت ادا نہ ہوگی ترک سنت کے ساتھ نماز ہوگی[1]۔ سنت طریقہ ہونے کے لیے دوبارہ کہنا چاہیے نہ کہا تو نماز میں کوئی خلل نہیں[2]۔

(۲) اذان مسنون ادا نہ ہوئی اس لیے اعادہ کیا جائے[3] البتہ تکرار اقامت مشروع نہیں[4]۔

---

۱) وكذا في المشكوة، عبد الله بن زيد بن عبد ربه قال لما أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به ... قال أفلا أدلك على ما هو خير من ذلك فقلت له بلى قال فقال تقول الله أكبر الى آخره وكذا الإقامة فلما أصبحت ..... الخ، باب الأذان، ج ۱ ص ۶۴، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔ وكذا في بدائع الصنائع، حديث عبد الله بن زيد وفيه التكبير أربع مرات بصوتين ... الخ فصل وأما بيان كيفية الأذان، ج ۱ ص ۱۴۷، طبع رشيديه كوئٹه

۲) وكذا في آثار السنن وعن ابن عمر رضي الله عنه قال انما كان الأذان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مرتين مرتين والإقامة مرة مرة غير أنه يقول قد قامت الصلوة قد قامت الصلوة رواه أحمد، باب افراد الإقامة، ص ۶۴، طبع دار الحديث ملتان۔

۳) وكذا في شامية: ويجوز بلا كراهة أذان صبي مراهق ... ويكره أذان جنب ... وأذان امرأة وخنثى وفاسق ... الخ، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۹۲، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔

۴) وكذا في آثار السنن، ابن عمر رضي الله عنهما قال انما كان الأذان ... والإقامة مرة مرة الخ باب في افراد الإقامة، ص ۶۴، طبع دار الحديث

اقامت میں دو بار الفاظ کی ادائیگی

﴿س﴾

اقامت میں دو دو دفعہ الفاظ کا کہنا کس حدیث سے ثابت ہے۔

﴿ج﴾

طحاوی ص ۹۳ میں یہ حدیث موجود ہے۔ عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال اخبرنی اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم ان عبدالله بن زید الانصاری رأی فی المنام الاذان فاتی النبی صلی الله علیه وسلم فاخبره فقال علمه بلالا فاذن مثنی مثنی و اقام مثنی مثنی.[1] باب الاقامت آثار سنن[2] و شرح نقایہ ملا علی قاری[3]۔

ترجمہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ کہا خبر دی مجھے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا اذان کو پس حضور علیہ السلام کے حضور میں حاضر ہو کر خبر دی۔ پس فرمایا حضور علیہ السلام نے کہ بلال کو سکھا دو۔ پس اذان دی بلال نے ہر ایک کلمہ دو دو دفعہ اور تکبیر بھی دو دو مرتبہ۔ روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

وعن ابی العمیس قال سمعت عبدالله بن محمد عن زید الانصاری یحدث عن ابیه عن جده اری الاذان مثنی مثنی. والاقامة مثنی مثنی الحدیث رواه البیهقی و آثار السنن[4]

وعن الشعبی عن عبدالله بن زید الانصاری قال سمعت اذان رسول الله صلی الله علیه وسلم فکان اذانه و اقامته مثنی مثنی رواه ابو عوانه فی صحیحه وصاحب آثار السنن[5] وقد روی عن بلال انه کان یؤذن مثنی مثنی ویقیم مثنی مثنی طحاوی[6]۔ پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ اذان و اقامت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور پیچھے آپ کے کہنے پر آثار صحابہ و تبع تابعین

---

۱) وکذا فی طحاوی، باب الاقامة کیف هی، ص ۹۳، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲) وهکذا فی آثار السنن، باب فی تثنیة الاقامة ص ٦٥، طبع دار الحدیث ملتان۔
۳) وایضاً فی فتح باب العنایة بشرح النقایة، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۰۵، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
٤) وکذا فی آثار السنن، باب فی تثنیة الاقامة، ص ٦٥، طبع دار الحدیث، ملتان۔
٥) وهکذا فی آثار السنن، باب فی تثنیة الاقامة، ص ٦٥، طبع دار الحدیث ملتان۔
٦) وهکذا فی طحاوی، باب الاقامة، ص ۹٤، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وایضاً فی فتح باب العنایة، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۰۵، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

شاہد ہیں اور یہی مذہب حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وحضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ خادم الشرع خاکسار فضل الٰہی خالقداد ی غفر لہ۔

﴿ھو المصوب﴾

عند الحنفیہ اقامت مثل اذان کے یعنی اللہ اکبر اول چار دفعہ اور باقی کلمات دو دو دفعہ کہنا چاہیے۔ اور قد قامت الصلوٰۃ بھی دو دفعہ کہنا چاہیے[1]۔ لما روی ابو داؤد عن ابن ابی لیلیٰ عن معاذ. الخ. غنیۃ المستملی ص ۳۵۹ والجواب صحیح۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اہل حدیث کا اقامت کہنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسلک اہل حدیث کا آدمی حنفی مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اور احناف کی طرح کلمات اقامت کہتا ہے باقی افعال صلوٰۃ بمطابق مسلک اہل حدیث ادا کرتا ہے۔ کیا یہ شخص اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر اقامت کہہ دے تو اس کی اقامت سے فریضہ اقامت ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اور نماز ہو جائے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

حنفیوں کی نماز میں اس سے کچھ فرق نہیں آتا اور اقامت کا اعادہ کرنا درست نہیں[2] بہتر یہ ہے کہ جس شخص نے اذان کہی وہی تکبیر کہے[3] یا دوسرے کو اجازت دے دے[4]۔ کذا فی فتاویٰ دار العلوم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) وكذا في مشكوة المصابيح، عبد الله بن زيد رضي الله عنه قال لما امر رسول الله صلى الله عليه وسلم — أفلا أدلك على ما هو خير من ذلك فقلت له بلى قال فقال تقول الله اكبر الى آخره كذا الإقامة فلما أصبحت — الخ، باب الاذان، ج ١ ص ٦٤، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔
وهكذا في جامع الترمذي، عن عبد الله بن زيد قال كان أذان رسول الله صلى الله عليه وسلم شفعاً شفعاً في الأذان والإقامة، باب ما جاء في أن الإقامة مثنى مثنى، ج ١ ص ٤٨، طبع ايچ ايم سعيد كمپني كراچي۔
٢) وكذا في العالمكيرية: ويكره أذان الفاسق ولا يعاد هكذا في الذخيرة، الباب الثاني في الأذان وفيه فصلان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن، ج ١ ص ٥٤، طبع رشيديه كوئته۔
٣) مشكوة المصابيح، عن زياد بن الحارث — ومن أذن فهو يقيم رواه الترمذي، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٦٤، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔ وهكذا في الدر المختار: أقام غير من أذن بغيبه المؤذن لايكره — الخ، باب الأذان، ص ٣٩٥، طبع سعيد۔
٤) وهكذا في البحر الرائق: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز، باب الأذان، ج ١ ص ٤٤٧، طبع رشيديه كوئته۔
وهكذا في المبسوط، قال لا بأس بأن يؤذن واحد ويقيم آخر ان يكون له في الاذان نصيب فامر بان يؤذن بلال ويقيم هو الخ۔ باب الاذان ج ١، ص ٢٧٤، طبع غفاريه، كوئته۔

کلمات اذان کی ادائیگی کا صحیح طریقہ

سوال (۱)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ ایک امام مسجد صاحب اذان میں اللہ اکبر کو راللہ اکبر پڑھتے ہیں تو کیا اس طرح پڑھنا جائز ہے؟

جواب

اللہ اکبر اول کی راء کو ساکن کر کے یا مفتوح کر کے پڑھے اور اللہ اکبر ثانی کو ساکن کرے وقف کرے کما فی الشامیۃ ج ۱ ص ۳۸۳، وحاصلها ان السنة ان یسکن الراء من الله اکبر الاول او یصلها بالله اکبر الثانیة فان سکنها کفی وان وصلها نوی السکون فحرک الراء بالفتحة فان ضمها خالف السنة الخ۔ فقط واللہ اعلم۔

جواب (۲)

الحمد لله علی آلائه والصلوة والسلام علی نبیه واصحابه۔

اذان کی کیفیت ادا میں شروع کی چار اور آخر کی دو تکبیروں کے علاوہ باقی نو جملوں (شہادتین اولیین، شہادتین اخریین، حیعلتین اولیین، حیعلتین اخریین، تہلیل) کے آخری حرف پر آواز اور سانس کے انقطاع کے ذریعہ حقیقی واصطلاحی وقف کرنا مسنون ومستحب ہے۔ کیونکہ اذان کے کلمات میں ترسل وتمہل اور انفصال وتوقف اور قطع وسکتہ مستحسن ہے۔ چنانچہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لبلال اذا اذنت فترسل واذا اقمت فاحدر (یعنی نبی علیہ السلام نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہو اور جب اقامت کہو تو سرعت وتیزی سے کہو) نیز حدیث الاذان والاقامة فرادی فرادی (اذان دو دو دفعہ اور اقامت ایک ایک بار ہے) اور الاذان شفع شفع والاقامة وتر وتر (حدیث بالمعنی۔ یعنی اذان جفت جفت اور اقامت طاق ہے) کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اذان کے وہ جملے دو الگ الگ سانس

---

(۱) شامیہ، کتاب الصلوۃ، باب الاذان، مطلب فی الکلام علی حدیث الاذان جزم، ص ۳۸۶، طبع ایچ ایم سعید کراچی ۔ کما فی البحر الرائق ویسکن کلمات الاذان الخ، کتاب الصلوۃ باب الاذان ج ۱ ص ۴۴۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔ کما فی الهدایة: ویترسل ای یقول الله اکبر الله اکبر ویقف ثم یقول مرة اخری مثله ... ویسکن کلمتهما علی الوقف، کتاب الصلوۃ، باب الاذان، [illegible] ج ۱ ص ۵۶، طبع علوم اسلامیہ چمن۔

میں اور اقامت کے دو حرف ایک ہی سانس میں تلاوت کیے جائیں گے۔ نیز ترجیع شہادتین والی حدیث بھی اسی پر محمول ہے۔ کیونکہ زوج، شفعہ، ترجیع یہ تثنیہ اور اسی طرح وتر، فرد، طاق یہ تینوں مرادف ہیں۔ اور ترسل کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس سے مقصود اعلام، اطلاع، احضار مصلین، اعلان وقت افطار و ختم سحر ہے۔ پس یہی ترسل و ترتیل تبلیغ کے لیے زیادہ مناسب تر ہے۔ ویسے حدر و اسراع بھی بلا کراہت درست ہے اور اس صورت میں اعادہ اذان نہیں۔ کیونکہ اصل مقصود حاصل اور کلام کافی ہے۔ البتہ زیادہ سے زیادہ سنت متروک ہوگی۔ (کذا فی المبسوط لشمس الائمہ سرخسی ج۱ ص۱۳۱) رہی چوتھی تکبیر پس اس کا حکم یہ ہے کہ باتفاق جمیع فقہاء اذان میں دو تکبیریں ایک کلمہ کے بمنزلہ ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار المعروف بالشامیہ ج۱ ص۳۸۵ پر ہے۔ (ویترسل فیہ بسکتۃ بین کل کلمتین) وعنہ السکتۃ بعد کل تکبیرتین لا بینہما. کما افادہ فی الامداد، اخذا من الحدیث وبہ صرح فی التتارخانیۃ (یعنی اذان کے ہر دو کلمات کے درمیان وقفہ کرکے ترسل کرے اور یہ وقفہ دو تکبیروں کے بعد ہوگا نہ کہ ان کے درمیان جیسا کہ حدیث سے اخذ کرکے "امداد" میں اس کا افادہ کیا ہے اور تتارخانیہ میں بھی اسی کی تصریح کی ہے۔) پس اب دو تکبیروں میں سے دوسری تکبیر کی راء تو وقف کی وجہ سے ساکن ہی پڑھی جائے گی اور اس کا رفع خطا ہے اور پہلی تکبیر کی حرکت میں تین قول ہیں۔

(۱) فتح یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرَ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ۔ کیونکہ ترمذی کی حدیث میں ابراہیم نخعی سے موقوفاً مروی ہے کہ الاذان جزم والاقامۃ جزم والتکبیر جزم۔ (یعنی اذان، اقامت، تکبیر تحریمہ تینوں جزم سے ہوں) پس جب اذان کے سب کلمات مجزوم و ساکن ہیں تو پہلی تکبیر کی راء بھی ساکن ہے۔ پھر اس کے وصل کے وقت اتصال بنیت وقف کے سبب دو ساکن (راء اور لام جلالہ) جمع ہوگئے اور اب یا تو اسم جلالہ (اللہ) کے ہمزہ کا فتحہ راء کی طرف نقل ہوگیا یا اجتماع ساکنین علی غیر حدہ کے سبب پہلے ساکن (راء) پر فتحہ آگیا اور کسرہ اس لیے نہیں آیا کہ لام جلالہ کی صفت تفخیم کی حفاظت باقی رہے اور دونوں وجوہ کی نظیر الم اللہ (آل عمران ع۱ پ۳) ہے۔ کیونکہ اس میں بھی میم کا فتح بعض حضرات نے بیضاوی، زمخشری وغیرہ کی رائے پر نقل کیا۔ اور دوسرے حضرات کے قول پر التقاء ساکنین کی وجہ سے ہے۔ (ابو العباس المبرد، عبد الغنی النابلسی صاحب الروضۃ والتنویر)۔

(۲) سکون یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ حرکت و اعراب کے بغیر۔ اور اس کی دلیل بھی وہی حدیث موقوف الاذان جزم الحدیث ہے۔ جو ابھی نمبر ۱ میں گزری کیونکہ جزم کے معنی مقطوع الاعراب والحرکۃ کے ہیں۔ اور یہ معنی اسی صورت میں صادق آسکتے ہیں جبکہ اکبر کی راء کو ساکن پڑھا جائے۔ (امداد، زیلعی، بدائع اور شافعیہ کی ایک جماعت کے کلام کا ظاہر بھی یہی ہے۔)

(۳) ضمہ یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ کیونکہ عربی نحوی قواعد کا مقتضیٰ یہی ہے اور وجہ یہ ہے کہ اکبر اللہ کی

غیر ہے اور غیر مرفوع ہی ہوتی ہے۔ (ابن عابدین الشامی، صاحب المغنی و علامہ اسلامیین) اور یہی آخری قول راجح و ظاہر اور راجح و اقیس ہے۔ چنانچہ (الف) "المغنی" میں حرکت فتح اعرابی کی وجوہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وکل هذا خروج عن الظاهر والصواب ان حركة الراء ضمة اعراب (شامی ج ۱ ص ۳۸۶) (یعنی یہ سب ظاہر بیان سے خارج ہے اور درست یہ ہے کہ را کی حرکت اعرابی ضمہ ہے)

(ب) شامی میں تینوں قولوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "والذی یظهر الاعراب" (یعنی ان اقوال میں سے اعراب (ضمہ) والا قول ظاہر ہوتا ہے)

(ج) عربیت کے قواعد بھی اسی کے متقاضی ہیں۔ کما لا یخفی علی من له بصیرة بالعلوم العربية۔

حدیث الاذان جزم کا جواب

(۱) شامی ج ۱ ص ۳۸۶ میں ہے۔ ولما فی الاحادیث المشهورة للجراحی انه سئل السیوطی عن هذا الحدیث فقال هو غیر ثابت كما قال الحافظ ابن حجر وانما هو من قول ابراهیم النخعی [1] (یعنی اعرابی ضمہ کے ظاہر و راجح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جراحی کی احادیث مشہورہ میں ہے کہ سیوطی رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب دیا کہ یہ ثابت نہیں ہے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے اور یہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(۲) جزم کے معنی اسکان نہیں کیونکہ اعرابی حرکت کے حذف کرنے پر اس کا اطلاق کرنا اصطلاح حادث ہے۔ جو صدر اول میں مستعمل نہیں تھی۔ بلکہ بعد میں نحویوں کے نزدیک مقرر ہوئی ہے۔ پس جزم کو اس معنی پر محمول کرنا درست نہیں۔ نیز نحاۃ کی جدید اصطلاح میں بھی جزم کا اطلاق اعرابی حرکت کے اس حذف پر ہوتا ہے جو جازم کی بنا پر ہو۔ نہ کہ مطلقا جائز۔ پھر یہاں حذف وقف کی بنا پر ہے نہ کہ جازم کی وجہ سے۔ اس لیے رافعی، ابن شیخ وغیرہ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جزم کے معنی مقطوع المد کے ہیں، یعنی مد کے بغیر مختصر پڑھنا۔ پس آکبر نہیں پڑھیں گے۔ کیونکہ یہ استفہام ہے۔ جو مد کی صورت میں کفریہ کلمہ ہے اور لحن شرعی ہے[2]۔ "کتاب المطلب" میں فتاویٰ صیرفیہ باب ۲۰ سے نقل کرکے ایک قول یہی نقل کیا ہے کہ جزم کے معنی قطع مد کے ہیں[3]۔ ن

---

۱) شامیہ، کتاب الصلوٰۃ، باب الاذان، مطلب فی الکلام علی حدیث (الاذان جزم) ج ۱ ص ۳۸۶، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) کما فی شرح المختار: "الاذان جزم" أی مقطوع المد فلا تقول آلله أكبر لأنه استفهام وانه لحن شرعی، کتاب الصلوۃ باب الاذان ج ۱ ص ۳۸۶ طبع ایچ ایم سعید کراچی

۳) کتاب المطلب

کہ قطع حرکت کے۔ احقر عرض کرتا ہے کہ چوں کہ حدیث پوری اذان کے لیے عام ہے۔ اور یہ معنی مذکور فقط تکبیر ہی میں جاری ہوتے ہیں نہ کہ باقی کلمات میں بھی اس لیے یہ کہنا اولیٰ ہے کہ جزم سے مقصود اس "تـلـحـیـن و تغنی" سے روکنا ہے جو اذان کے کلمات میں تغیر پیدا کرے۔ مثلاً کسی حرکت یا حرف کی زیادتی یا حرف مد وغیرہ میں اشباع۔ عام ہے کہ اول میں ہو یا آخر میں۔ کیونکہ ایسا کرنا نادرست ہے۔ اذان میں ہو خواہ قرأت قرآن میں[1]۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے تلحین فی القراۃ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا کہ ممنوع ہے۔ پھر پوچھا گیا کیوں؟ جواب دیا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا محمد۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ یا موحاماد کہیں[2]۔ (کبیری ص ۳۶۰ مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ یو۔ پی)

(۳) اگر جزم کو اعرابی حرکت نہیں کہ حذف و اسقاط ہی کے لیے استعمال کریں۔ تو الاذان جزم کی تقدیر یا تو مجموع الاذان ہے۔ (کہ پوری اذان ساکن ہے اس طرح کہ ساری اذان کے ہر کلمہ کو ساکن پڑھیں۔ ان میں سے اول تقدیر تو باجماع جمیع علماء و فقہاء باطل و غیر معتبر ہے۔ رہی دوسری سو اس میں بھی دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ کلمہ سے لفظ مفرد مراد ہو۔ دوسرا یہ کہ کلمہ سے پورا جملہ مقصود ہو۔ پس ان میں سے پہلا احتمال بھی باطل ہے کیونکہ اس تقدیر پر لازم آئے گا کہ ہر لفظ کو ساکن پڑھا جائے۔ یعنی **اشھد، ان لا الہ، الا، اللہ، حی علی، الصلوۃ.** وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اب دوسرا احتمال متعین ہو گیا اور حاصل یہ ہے کہ اذان کا وہ ہر ایک جملہ اور قطعہ ساکن الآخر ہے جو ایک سانس میں پڑھا جاتا۔ مثلاً **اشھد ان محمدا رسول اللہ** وغیرہ وغیرہ۔ اور چونکہ تمام فقہاء کے قول پر دو تکبیریں ایک ہی جملہ کے حکم میں ہیں اس لیے جزم و اسکان کا اجراء دوسری ہی تکبیر کی راہ پر ہوگا نہ کہ پہلی تکبیر کی راء پر بھی[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد عامر راقم تم

---

۱) کما فی البحر الرائق: (ولحن) أی لیس فیہ لحن أی تلحین ــــ وفی الصحاح، فاللحن الخطاء فی الأعراب ــــ وتحسین الصوت، لابأس بہ من غیر تغن، کتاب الصلوۃ، ص ٤٤٥ تا ٤٤٤ طبع رشیدیہ کوئٹہ۔ کما فی الدر المختار: (ولا لحن فیہ) أی تغن بغیر کلماتہ، أی بزیادۃ حرکۃ أو حرف أمد أو غیرھا فإنہ لا یحل فعلہ وسماعہ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۷، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔ ومثلہ فی مجمع الأنھر: کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۱۵، طبع غفاریہ کوئٹہ۔

۲) کبیری

۳) کما فی الشامیۃ: "أن التکبیر الثانیۃ فی الأذان ساکنۃ الراء للوقف ــــ واما تکبیرۃ الأولی ــــ فقیل محرکۃ الراء بالفتحۃ" کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸٦، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
کما ف البحر الرائق: "ویسکن کلمات الأذان والإقامۃ الخ" کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٨ طبع رشیدیہ کوئٹہ۔ کما فی حاشیۃ الطحطاوی: أو یتمھل ویترسل فی الأذان بالفصل بسکتۃ بین کل کلمتین ای جملتین الا فی التکبیر الأول، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ص ۱۹٦، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان۔

حرکت کے ساتھ ساتھ انقطاعِ نفس بھی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ اذان میں پہلی تکبیر پر وقف مسنون نہیں۔ نہ حقیقی نہ منوی جو انقطاعِ نفس ہے۔ اب اصلی اعراب (ضمہ) متعین ہوگیا[1]۔

ثانیاً: نقل کے لیے لازم ہے کہ منقول عنہ کلام میں ثابت و قائم ہو۔ حالانکہ (اللہ) کا ہمزہ وصلیہ ہے جو درجِ کلام میں ساقط ہو جاتا ہے۔ جب وہ خود ہی حذف ہوگیا تو اب اس کی حرکت کے نقل کرنے کا کوئی معنی نہیں۔ شامی ص ۳۸۲ میں ہے۔ ولیس لهمزة الوصل ثبوت في الدرج فتنقل حركتها اه (نقلا عن الروضة عن المغني)[2] (یعنی درجِ عبارت میں ہمزہ وصل ثابت ہی نہیں رہتا کہ اس کی حرکت منتقل ہو) اگر یہ کہا جائے کہ یہ "وصل بنیت وقف" ہے۔ پس اب وقف کی نیت کے سبب درجیت فوت ہو کر ہمزہ وصل ثابت رہے گا اور اب اس کی حرکت کی نقل ممکن ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ "وصل بنیت وقف" عقلی و قیاسی حکم ہے جس کا نقل سے کوئی ثبوت نہیں۔ جیسا کہ ابھی طحطاوی کے حوالے سے مذکور ہوا کہ اذان کے کلمات میں حقیقی وقف ہے نہ کہ منوی[3]۔ نیز علی قاری کی تصریح کے موافق منقول الیہ و منقول عنہ میں لفظی اتصال و ارتباط شرط ہے ورنہ نقل ممکن نہیں۔ اور چونکہ "وقف کی نیت کے وقت درجیت کے فوت ہو جانے کے سبب ان دونوں (محول الیہ و محول منہ) میں اتصال نہیں رہتا اس لیے نقل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر وقف کی نیت اتصال کے ثبوت کے لیے مضر نہیں تو درجیت و انشائیت کے لیے بھی مضر نہیں ہو سکتی کیونکہ جب دونوں میں لفظاً و ارتباط ہو گیا تو اس کے یہی معنی ہیں کہ ہمزہ وصلی درجِ کلام میں واقع ہو رہا ہے۔ پس جب درجیت ثابت ہوگئی تو بقاعدہ عربیہ مشہورہ ہمزہ وصلی، ساقط ہو جائے گا اور نقل کا حکم منقطع ہو جائے گا[4]۔

ثالثاً: مقیس علیہ (الم اللہ) میں بھی نقل کا حکم ضعیف ہے۔ کیونکہ قاضی بیضاوی کی رائے پر نقل کا سبب یہی ہے کہ حروف ہجا لفظاً مبنی اور حکماً معرب ہیں۔ جو اعراب کی قابلیت رکھتے ہیں اور اب وقف کی وجہ سے ساکن و موقوف ہیں۔ پس وصل کی صورت میں نیت وقف کی بنا پر درجیت فوت ہو جائے گی اور نقل کا حکم جاری ہو جائے گا[5] اور التقاء ساکنین کے سبب یہ فتحہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ وہ وقفاً محذور و ممنوع نہیں ہے۔ قاضی کی اس علت

---

١) كما في الشامية: "والحاصل أن التكبير الثانية في الأذان ساكنة الراء للوقف حقيقة رفعها خطأ" كتاب الصلوة باب الأذان، ج ١ ص ٣٨٦، طبع ايج ايم سعيد كراچي۔
ومثله في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٤٤٨، طبع رشيديه كوئٹه۔
ومثله في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ١٩٦، طبع ايج ايم سعيد كراچي۔

٢) شامية (كتاب الصلوة باب الأذان، ج ١ ص ١٩٦، طبع ايج ايم سعيد كراچي۔

٣) تقدم تخريجه تحت عنوان (دلائل فتحه كا جواب) ص ٦١١، جز نمبر ١۔

٤) كما في ارشاد الصرف: "حكم وصلى اين كه در درج كلام ومتحرك شدن ما بعد يفتد" باب أول صرف صغير ثلاثي مزيد فيه صحيح، ص ٤٥، طبع ادارہ اشاعت كتب۔

٥) كما في هداية النحو: "فإنه مبني بالفعل على السكون ومعرب بالقوة"، الباب الثاني في الاسم المبني، ص ٤٥، طبع رشيديه كوئٹه۔

قرآن کی تلاوت کی طرح اذان واقامت کو بھی مسلسل ومربوط طور پر نہ کہیں اس لیے انہوں نے یہ تاکید فرمادی۔ باقی اس حدیث سے بیان حرکت وسکون کا کوئی علاقہ معلوم نہیں ہوتا۔ اب رہا یہ کہ مقامات وقف وجزم کیا کیا ہیں، جو حدیث میں ان کا بیان نہیں، اس کو فقہ سے معلوم کیا جائے گا۔ فمن شاء الاطلاع فلیراجع المطولات۔ اور کسی قدر تفصیل مذکورہ بالاتحریر میں بھی درج ہوچکی ہے۔ فلیتامل ولیتنبہ[1]۔

(۳) وصل میں پہلی تکبیر کا سکون یا تو اس وقت درست ہے جبکہ وہ عامل جازم کی بناء پر بنائی ولازمی ہو وصلی یا اس صورت میں جبکہ اس کے عارضی ہونے کے باوجود "وصل بنیت وقف" پر عمل کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں عامل جازم کوئی بھی نہیں اس لیے جزم لازمی تو ہو نہیں سکتی۔ اور وصل بنیت وقف کا حکم قیاسی وعقلی ہے جس کا نقل وسماع سے کوئی ثبوت نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وصلاً سکون وقفی زائل ہوکر اصلی محض اعرابی ضمہ عود کرآئے اور وجہ یہ ہے کہ گو حدیث الاذان جزم سے اذان کے ہر جملہ پر وقفی جزم کا اجراء ثابت ہے، لیکن چونکہ تکبیر تین ایک ہی تکبیر کے حکم میں ہیں۔ اس لیے پہلی تکبیر پر وصل حکم کا جاری کرنا لازم ہے۔ کیونکہ قرآن کے بھی جن مقامات میں حدیث سے وقف مع انقطاع الصوت والنفس ثابت ہے۔ جیسا کہ قرأت فاتحہ کے بارہ میں وارد ہوا ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرأ قطع قراء تہ اٰیۃ اٰیۃ. یقول بسم اللہ الرحمن الرحیم. ثم یقف الحمدللہ رب العالمین. ثم یقف. الرحمن الرحیم ثم یقف (الاتقان ج۱ص۸۷)[2] کہ جب تلاوت کیا کرتے تھے تو ایک ایک آیت پر وقف کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ بسم اللہ الخ پڑھ کر وقف کردیتے) ان میں بھی وقف کرنا مسنون ومستحسن ہے نہ کہ واجب وضروری چنانچہ فن کی رو سے ان مقامات کا وصل بھی بلاشبہ درست ہے۔ تو پھر جائیکہ جن مقامات میں وقف کی تصریح ہی نہیں ہے اور نہ ہی وہ قرآن کے مواقع ہیں۔ ان میں وقف حقیقی یا معنوی لازمی وضروری ہو اور ان میں وصل کی حالت میں اعراب کا جاری کرنا ممتنع ہو، یہ حکم عقل کے بھی نہایت خلاف ہے لیکن عقل سلیم درکار ہے[3]۔

---

۱) کما فی الدر المختار: (ویترسل فیہ) بسکتۃ بین کل کلمتین ویکرہ ترکہ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج۱، ص، طبع ایچ ایم سعید، کراچی۔ کما فی حاشیۃ الطحطاوی "اویتمہل" یترسل (فی الأذان) بالفصل بسکتۃ بین کل کلمتین" (کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج — ص ۱۹۶، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت) ومثلہ فی البحر الرائق: کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٧، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) الاتقان۔

۳) کما فی الشامیۃ: وحاصلھا أن السنۃ أن یسکن الراء من اللہ اکبر الأول أو یصلھا باللہ أکبر الثانیۃ فإن سکنھا کفی وإن وصلھا نوی السکون محرک الراء بالفتحۃ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱۰ ص ۳۸٦، سعید۔ ومثلہ فی العالمکیریۃ: کتاب الصلوۃ، الفصل الثانی فی کلمات الأذان، ج ۱ ص ٥٦، رشیدیہ کوئٹہ۔ وکذا فی تبیین الحقائق: کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ٢٤٤، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت۔

مناسب ہے۔ (طحطاوی ص ۱۱۵)[1] اب رہا آخری حروف کے اعراب کا مسئلہ سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا سات موقعوں میں سے ہر ایک کے دوسرے کلمہ پر تو وقف حقیقی ہے۔ جو انقطاع صوت و نفس مع ترک الحرکۃ و ابدال التاء بالہاء کے ذریعہ ہوگا۔ کیونکہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث موقوف میں و الاقامۃ جزم وارد ہوا ہے[2] رہا یہ کہ ہر کلمہ کا پہلا حکم۔ مثلاً شروع کی چار تکبیروں میں سے دوسری کا اخیر۔ اور شہادتین اولیین میں سے پہلی شہادت کا اخیر وغیرہ وغیرہ۔ سو ان کے بارے میں فقہاء کا ظاہر کلام یہی ہے کہ ان کے اخیر حرف پر منوی و حکمی وقف ہے۔ جو انقطاع نفس کے بغیر ہے۔ یعنی الله اکبر الله اکبر (وقف حکمی) الله اکبر. اشهد ان لا اله الا الله (وقف حکمی) اشهد ان لا اله الا الله ۔حی علی الصلوة (وقف حکمی) حی علی الصلوة وغیر ذلک[3]۔ چنانچہ طحطاوی ص ۱۰۵ میں ہے۔ (وینوی الوقف فی الاقامة) لانه لم یقف حقیقةً لان المطلوب فیها الحدر —— (یعنی اقامت کے پہلے پہلے کلمات پر وقف منوی کرے کیونکہ اس میں حدر و سرعت کے مقصود ہونے کے سبب حقیقی وقف نہیں ہے) اور اس سے کچھ سطر پہلے یہ عبارت ہے۔ ویسکن کلمات الاذان و الاقامة[4]۔ اور فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۵۲ میں ہے۔ ویسکن کلماتها علی الوقف لکن فی الاذان حقیقة وفی الاقامة ینوی الوقف. کذا فی التبیین[5] (یعنی اذان و اقامت دونوں کے کلمات کو ساکن پڑھے لیکن اذان میں حقیقۃً (مع انقطاع النفس) اور اقامت میں نیۃً (وحکما بلا تنفس) اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اذان و اقامت میں فرق یوں ہے کہ اذان میں تو دو تکبیروں کے درمیان وقف منوی و حکمی جائز نہیں لکھا گیا بلکہ اس میں بحالت وصل۔ جزم و سکون کے بغیر اعرابی ضمہ کو راجح و ظاہر قرار دیا ہے

---

۱) حاشیه طحطاوی: ذکر الأذان الذی هو أعلام بدخولها وفی حاشیته لانه ذکر معظم کالخطبة، کتاب الصلوة، باب الأذان، ص ۱۹۱ تا ۲۰۰، طبع دار الکتب العلمية بیروت، لبنان۔
وأیضاً بحر الرائق: ج ۱ ص ٤٤٨، طبع رشیدیه کوئٹه۔
ومثله فی الشامیة: کتاب الصلوة، باب الأذان ۱ ص ۳۸۳، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) مشکوة المصابیح: یعنی علی الوقف لکن فی الأذان حقیقة وفی الإقامة ینوی الوقف —— وروی ذلك عن النخعی موقوفاً علیه —— الاذان جزم" کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸٦، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
ومثله فی البحر الرائق: کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٨، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۳) کما فی البحر الرائق: ویسکن کلمات الأذان والإقامة ...... وفی الإقامة ینوی الوقف، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٨، طبع رشیدیه کوئٹه۔

٤) حاشیة طحطاوی و کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۹۳ تا ۱۹٤، طبع دار الکتب العلمیة بیروت لبنان۔

٥) هندیة: کتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الثانی، ج ۱ ص ٥٦، طبع علوم اسلامیه چمن۔

اور اقامت میں دو کلمات کے مابین وقف معنوی جائز قرار دیا ہے حالانکہ اصلی عربیت کی مخالفت اور قرآنی قواعد کی خلاف ورزی اس میں بھی ہے۔ کیونکہ معنوی وقف اکثر انقطاع سانس کے بغیر ہوگا۔ حالانکہ وقف میں قطع صوت و نفس ضروری ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ اذان و اقامت کا فرق خود کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اذان میں اذان کی دو تکبیروں کے درمیان تو نیت وقف کے خلاف تصریح موجود ہے۔ (جیسا کہ تفصیلاً پہلے درج ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو شامی[1]) اور اقامت کے ہر دو کلمات کے درمیان نیت وقف کی تصریح موجود ہے جیسا کہ ابھی گزر چکا۔ اصلی جیسے وقف بھی قرأت و اذان کا ایک مستقل قاعدہ ہے جو حسب قاعدہ قولی جاری ہوتا ہے اور اس میں انقطاع نفس نہیں ہوتا۔ پس قواعد قرآنیہ کی مخالفت لازم نہ آئی۔ حق کہ اگر قرآنی قواعد کی مخالفت تسلیم بھی کر لیں تو غیر قرآن میں اس کا تحمل ہو سکتا ہے[2]۔ فقط واللہ اعلم۔

اللہ اکبر کی راء پر ضمہ پڑھنا

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اذان میں تکبیر کو ملا کر پڑھا جائے تو راء کو الف لام میں وصل کرتے ہوئے راء پر ضمہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا بصورت جواز کیا ہے مسئلہ مبرہن ہونا چاہیے۔

﴿جواب﴾

اذان میں تکبیر کو ملا کر پڑھا جائے تو اکبر کی راء میں سکون، ضمہ، فتحہ تینوں جائز ہیں۔ لیکن سکون اولیٰ ہے۔ اس کے بعد ضمہ کا پھر فتحہ کا درجہ ہے۔ اور سکون کی اولویت کی وجہ یہ ہے کہ اذان کے کلمات کے آخری حروف میں وقف ماثور و منقول ہے اور ترمذی شریف میں حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے موقوفاً مروی ہے۔ الاذان جزم اور صحیح یہ ہے کہ یہ نخعی کا قول موقوف ہے مرفوع نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شامی)[3] اور عمدۃ القاری میں ابوالعباس مبرد سے منقول ہے کہ اذان میں وقف بلا اعراب مسموع ہے اور ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے روضۃ العلماء سے نقل کیا ہے کہ بقول ابن انباری رحمہ اللہ عوام الناس اکبر میں راء کو ضمہ دیتے ہیں اور مبرد کہتے تھے۔

---

(۱) شامية: ويحرم الراء أي يسكنها في التكبير ... لكن في الأذان حقيقة، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱، ۳۸۶، طبع سعید کراچی۔

(۲) شامية وفي الإقامة ينوي الوقف، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۶، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔ ومثله في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۴۴۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

(۳) شامية: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۶، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

اذان اپنے مواقع قطع میں موقوف کی گئی ہے اور اکبر کی راء میں وصل کی رو سے امکان ہے۔ پھر لفظ اللہ کے ہمزہ کا فتحہ راء کی طرف منتقل کیا گیا ہے۔ جیسا الم اللہ میں ہے۔ اور مغنی میں ہے کہ راء کی حرکت فتحہ ہے گو اس میں اصل نیت وقف ہی کیا جائے۔ اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مبرد سے جو راء کا فتحہ ماثور ہے وہ پہلی تکبیر کے بارہ میں ہے۔ رہی دوسری تکبیر سو اس پر وقف ہے۔ اور اس سے مبرد کے دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاتی ہے لیکن روایت سے فتح راء کی تائید ہوئی اور ابن العابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام بیان (راء کے اسکان اصلی اور فتح الاوّل) ظاہر سے خارج ہے اور صواب یہ ہے کہ راء کی حرکت ضمہ اعرابیہ ہے لیکن سماع کی رو سے کلمات اذان موقوف ہیں[1]۔ ملخصاً (ہذا کلہ ماخوذ من معارف السنن شرح سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۷۶، ۱۷۷)[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿ھو المصوب﴾

اللہ اکبر اول کی راء کو ساکن کرے یا مفتوح اور اللہ اکبر ثانی کو ساکن کرے۔ کما فی الشامی وحاصلها ان السنة ان يسكن الراء من الله اكبر الاول او يصلها بالله اكبر الثانية فان سكنها كفى وان وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة فان ضمها خالف السنة لان طلب الوقف على اكبر الاول صيره كالساكن اصالة فحرك بالفتح. الخ شامی ج ۱ ص ۲۸۳۔ عن رسالة السيد عبد الغني[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان میں غلطی کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص اذان میں لحن جلی کرتا ہے۔ یعنی ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف ادا کرتا ہے۔ مثلاً حی علی الصلوٰۃ کے بجائے حی علی الصلو ۃ اور حی علی الفلاح کے بجائے حی علی الفلاح کہتا ہے۔ تلاوت قرآن میں بھی کثرت سے غلطیاں کرتا ہے اور محلہ کے چند لوگ اس غلط خواں شخص کو مؤذن بنانا چاہتے ہیں۔ یعنی اس آدمی کے حق میں اس کے ساتھ مل کر لوگوں سے ہمیشہ جھگڑا فساد کرتے ہیں۔

---

1) كما في الشامية: فائدة في روضة العلماء قال ابن الأنباري الخ كتاب الصلوة، باب الاذان، ج ۱ ص ۳۸۶، طبع سعید کراچی۔

2) معارف السنن، باب كيفية الأذان، ج ۲ ص ۱۷۶ تا ۱۷۷، طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی۔

3) شامیہ کتاب الصلوٰۃ، باب الاذان، ج ۱ ص ۳۸۶، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس غلط خواں آدمی کو مسجد کا مؤذن مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور اذان میں اس قسم کی غلطیوں سے جملہ کے معنی میں تغیر و تبدل ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۵۶ میں مؤذن کے بارے میں جو مسئلہ لکھا ہوا ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا مہربانی فرما کر فیصلہ کن جواب دے کر اس محلے سے جھگڑا اور فساد کو دور کریں۔

﴿ج﴾

غلط خواں آدمی کو مؤذن مقرر نہ کیا جائے صحیح خواں کو ہی مؤذن مقرر کیا جانا چاہیے۔ لحن اذان میں مکروہ ہے۔ کما قال في الدر المختار مع شرحه ردالمحتار ص ۳۸۲، ۳۸۳ (باب الاذان) (ولا لحن فيه) اي تغني بغير كلماته فانه لا يحل فعله و سماعه كالتغني بالقرآن و بلا تغيير حسن و قيل لا باس به في الحيعلتين [1] فتاویٰ رشیدیہ کے ص ۲۵۶ پر مؤذن کے بارے میں جو مسئلہ لکھا ہوا ہے وہ درست ہے [2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کے بعد کسی اور طریقہ سے اطلاع کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

اگر محلہ کی مسجد کی اذان اہل محلہ نہیں سن سکتے جس کی وجہ سے نمازیوں کو بہت دقت ہوتی ہے تو اگر اذان سے قبل یا بعد کوئی گھنٹی وغیرہ بجا دی جائے تو یہ گھنٹی بجانا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

گھنٹی بجانے کی تجویز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی پیش ہوئی تھی۔ لیکن نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کی بنا پر اسے رد کر دیا گیا تھا اور نماز کو بلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اذان نازل فرمائی۔ جس پر آج تک عمل

---

(۱) كما قال في الدر المختار: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۹۷، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔
كذا في بحر الرائق: باب الأذان سن للفرائض بلا ترجيع وفي حاشيته (واللحن) اي ليس فيه لحن اي تلحين، باب الأذان، ص ۲۶۶، ۲۶۵، طبع رشيديه كوئٹه۔
كذا في مجمع الأنهر: يكره التلحين، والمراد به التطريب الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۱۶، طبع عمدية كوئٹه۔

(۲) تاليفات رشيديه و كتاب الأذان، أذان واقامت كا بيان، ج ۱ ص ۲۵۶، طبع ادارہ اسلاميات لاہور۔

ہو رہا ہے۔ اس لیے اگر اذان سننے میں کمی آتی ہو تو کسی بلند آواز والے مؤذن کا تقرر کیا جائے۔ بہر حال گھنٹی بجانا سنت متوارثہ کے خلاف ہے اور نادرست ہے۔ عن انس رضی اللہ عنہ قال ذکروا النار والناقوس فذکروا الیہود والنصاریٰ فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة قال اسمٰعیل فذکرته لایوب فقال الا الاقامة متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۶۲[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کے بعد نماز کے لیے دوبارہ اطلاع دینا

«س»

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ صبح کی نماز کے لیے اذان کے بعد تثویب جائز ہے یا نہیں۔ نماز کے لیے کہنا کہ نماز میں دس منٹ رہتے ہیں یا یہ کہ نماز نیند سے بہتر ہے یا اسی طرح کے کوئی اور الفاظ اور باقی نمازوں کے لیے تثویب کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

«ج»

یہ تثویب ہے جو کہ مختلف فیہ ہے اور احادیث میں اس پر بدعت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس کو جائز فرمایا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ خاص کر قاضی و مفتی وغیرہ کے لیے اس کو جائز رکھتے ہیں اور اسی کو قاضی خان نے اختیار کیا ہے۔ پس احوط ترک ہے[2]۔ فتاوی دار العلوم ج ۲ ص ۹۰۔

اذان اور اقامت کے درمیان لوگوں کو نماز کے لیے بلانا

«س»

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس امر کے بارے میں کہ اذان اور جماعت کے درمیان

---

(۱) مشكوة المصابيح، باب الأذان الفصل الأول، ج ۱ ص ۶۲، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔
ومثله في المسلم، كتاب الصلوة، باب بدء الأذان، ج ۱ ص ۱۶۴، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔
ومثله في البخاري، كتاب الأذان، باب بدء الأذان، ج ۱ ص ۸۵، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔

(۲) كما في مجمع الأنهر: واستحسن المتأخرون التثويب في كل صلوة هو الإعلام بعد الإعلام ... قال أصحابنا المتقدمون انه مكروه في غير الفجر ... لكن جوزه أبو يوسف في حق أمراء زمانه ... ولا كذلك أمراء زماننا ... الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۱۷، طبع غفاريه كوئٹه۔
كذا في معارف السنن، ولم يقل أبو حنيفة بالتثويب على هذا الوجه الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۲ ص ۲۰۱، طبع ایچ ایم سعید۔
كذا في القاضي خان، ويجوز تخصيص كل من كان مشغولاً بمصالح المسلمين بزيادة الإعلام، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۷۹، طبع علوم اسلاميه چمن۔

جس کو حضرت ابوالشعثاء رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں اس میں ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی اذان کے بعد مسجد سے نکلا؛ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی [1]۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو پھر مسجد سے بلاضرورت نکلے اور واپس آنے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ بھی منافق ہے۔ ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذان کے بعد مسجد سے منافق نکلتا ہے [2] در المختار وغیرہ کتب فقہ میں تصریحاً لکھا ہے کہ جب کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو جائے اور وہاں اذان سن لے یا اذان وہاں ہو چکی ہو تو اس مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں اگر وہ شخص دوسری مسجد میں امام یا مؤذن ہو اس کے لیے نکلنا جائز ہے [3]۔ واللہ اعلم۔

اذان کے بعد ایک مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا

س

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد میں ساڑھے بارہ بجے اذان ہوتی ہے اور ایک بجے نماز جمعہ شروع ہوتی ہے اور دوسری مسجد میں پون بجے نماز جمعہ ہوتا ہے۔ لوگ پہلی مسجد میں آ کر وضوء کرتے ہیں سنت پڑھتے ہیں اذان بھی سنتے ہیں اور جمعہ پڑھنے کے لیے دوسری مسجد میں جہاں پون بجے نماز جمعہ ہوتا ہے چلے جاتے ہیں۔ دوسری مسجد میں نماز جمعہ پڑھ کر واپس پہلی مسجد میں آ جاتے ہیں اور بقیہ سنتیں اس پہلی مسجد میں پڑھ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کا یہ طرز عمل از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

ج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ اذان کے وقت جو لوگ مسجد میں موجود ہوں یا اذان ہو جانے کے بعد مسجد میں داخل ہوں۔ ان کے لیے نماز ادا کرنے سے پہلے، بلاضرورت شدیدہ کے مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے۔ لما فی الحدیث(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلوۃ فلایخرج احدکم حتی یصلی [4] (رواہ احمد)

---

۱) معارف السنن، عن أبی الشعثاء رضی اللہ عنہ قال: خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فیہ الخ، کتاب الصلوۃ باب الأذان، ج ۲ ص ۲۲۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) کما فی ابن ماجۃ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۵٤، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) الدر المختار: کتاب الصلوۃ، باب ادراک الفریضۃ، مطلب کراھۃ الخروج من المسجد بعد الأذان، ج ۲ ص ۵٤، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

٤) کما فی ابن ماجۃ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۵٤، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

ہے اور ثواب بھی اس میں زیادہ ہے۔ افضل المساجد مكة ثم المدينة ثم القدس ثم قباثم الاعظم ثم الاقرب (در المختار مع شرحه رد المحتار)[1] واللہ تعالیٰ اعلم

موذن کا اذان کہہ کر جماعت سے پہلے مسجد سے نکل جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) زید عرصہ تقریباً ۱۸-۱۹ سال سے متواتر صبح کی نماز کا موذن چلا آ رہا ہے۔ اب چونکہ عرصہ تقریباً ڈیڑھ سال سے موجودہ امام اور زید موذن کے عقیدہ میں اختلاف ہے۔ جس کے باعث زید (موذن) اکیلے نماز پڑھ کر جماعت ہونے سے پہلے فارغ ہو کر چلا جاتا ہے۔ ڈیڑھ سال کے بعد امام مسجد اور دیگر چند آدمیوں نے زید کو اذان کہنے سے منع کر دیا ہے۔ اعتراض یہ ٹھہرایا ہے کہ بوقت نماز جماعت موذن کو تکبیر کہنی پڑتی ہے۔ اگر دوسرا آدمی تکبیر کہے تو موذن سے اجازت حاصل کرے۔ زید تو اذان کہہ کر نماز اکیلے پڑھ کر چلا جاتا ہے۔ نہ تو بوقت نماز تکبیر کہتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی اجازت حاصل کر سکتا ہے۔ اس لیے اسے اذان کہنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ زید ۱۸-۱۹ سال سے متواتر موذن چلا آ رہا ہے اور اب اسے اس ثواب سے محروم کر دیا جائے۔ اگر موذن کی اجازت کے بغیر دوسرا آدمی تکبیر کہہ دے تو نماز جماعت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) اذان کے بعد نماز فرض ادا کرنے سے پیشتر مسجد سے باہر اپنے کسی ذاتی کاروباری خاطر یا کسی کو گھر سے نماز پڑھنے کی خاطر بلانے کے لیے جا سکتا ہے یا کہ نہیں؟

(۳) مسجد کے اندر اذان کہنا درست ہے۔ جس طرح کہ آج کل لاؤڈ سپیکر پر مسجد کے اندر محراب کے ساتھ ہی اذان کہنے کا رواج ہے۔ بعض کتابوں میں پڑھا گیا ہے کہ اذان مسجد سے باہر صحن کے ایک کونے پر ممبر بنا ہوا ہو اس پر اذان کہی جاوے ہاں خطبہ کی اذان مسجد کے دروازہ میں امام کے سامنے کہہ دی جاوے تو درست ہے اس کے متعلق بھی روشنی ڈالیں۔ ضروری ہے۔

﴿ج﴾

(۱) امام اور موذن کے عقائد واضح لکھ کر جواب حاصل کریں۔

---

۱) الدر المختار: باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ۱ ص ۶۵۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

دو رکعت نفل پڑھیں اور مغفرت کی دعا مانگیں اسی نام سوں اہل سنت والجماعت کا تھا۔ اس نے قبرستان جا کر اس کی قبر پر نفل ادا کی اور دعا مانگی اس مرزائی کے لیے جب یہ واپس آیا تو مولوی صاحب نے ان کو کہا کہ تمہارا عقیدہ ٹھیک نہیں مرزائی تو کافر ہیں۔ کافر کے لیے دعا مغفرت مانگنا ٹھیک نہیں بالکل گناہ ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ کلمہ پڑھنے والوں کو کافر نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ مرزائی ہے اس پر مولوی صاحب نے ان کو اذان اور تکبیر پڑھنے سے روکا اور کہا تم اذان اور تکبیر ہماری مسجد میں نہ پڑھا کریں۔ جب تک تم اپنا عقیدہ ٹھیک نہ کرو اور توبہ نہ کرو۔ جب تک تم اہل سنت کی مسجد میں نہ اذان نہ تکبیر پڑھا کرو۔ اس کے متعلق آپ فتویٰ دیں کہ اس آدمی کو اہل سنت کی مسجد میں اذان اور تکبیر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

مرزائی چونکہ باتفاق جمیع علماء اسلام کافر ہیں دائرہ اسلام سے خارج ہیں[1]۔ جو شخص ان کو اپنی جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے مسلمان سمجھتا ہے تو اگرچہ ان کے معتقدات کو اچھا نہیں سمجھتا تب بھی بہت بڑا گناہ گار بنتا ہے[2]۔ جب تک وہ اس سے توبہ نہ کرے اسے اذان و تکبیر نہ کہنے دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غلط عقائد کے حامل شخص کو مؤذن مقرر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کو مسجد کا مؤذن بنایا جاتا ہے مگر اس وقت معلوم نہیں تھا کہ شخص مذکور درج ذیل عقائد کا حامل ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت ہر جگہ حاضر ناظر، عالم الغیب، مختار کل اور خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں، سمجھتا ہے۔ نیز بدعات مروجہ (تمام عقیدہ و حاضر و ناظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ تعظیمی کا جواز، گیارھویں مروجہ اہل بدعت، انگوٹھے چومنا، اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام کہنا وغیرہ کا صرف معتقد ہی نہیں بلکہ ان پر

---

(۱) وفي تفسير ابن كثير: قال الله تعالى: ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وقد أخبر تعالى في كتابه، ورسوله في السنة المتواترة عنه، أنه لا نبي بعده ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب أفاك دجال ضال مضل، پارہ نمبر ۲۲، سورہ الاحزاب (۳۳) آیت نمبر ۴۰، ج ۳ ص ۱۸۸، قدیمی کتب خانہ۔

وهكذا في العقيدة الطحاوية: ص ۱۳۲، دار ابن حزم بيروت۔

(۲) وفي مشكوة المصابيح: ما من قوم يعمل فيهم بالمعاصي ثم يقدرون على أن يغيروا ثم لا يغيرون إلا يوشك أن يعمهم الله بعقاب الخ باب الأمر بالمعروف، ج ۲ ص ۴۳۶-۴۳۷، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔

عمل کرنے کے ساتھ ایسے عقائد وخیالات ندر کھنے والے کو ناپسند اور قابل نفرت سمجھتا ہے اور مذکورہ عقائد اور اعمال پر اتنا مصر ہے کہ باوجود بطریق احسن افہام وتفہیم کے کہتا ہے کہ میں مسجد تو چھوڑ سکتا ہوں مگر اپنے عقائد اور اعمال نہیں چھوڑ سکتا۔ مگر مسجد کا کام صفائی وحفاظت خوب کرتا ہے۔

(۲) شخص مذکور کو مسجد کا مؤذن بناتے وقت ایک مخلص متولی نے اس سے وعدہ کیا کہ میں تم کو مسجد سے علیحدہ نہیں کروں گا۔ مگر یہ وعدہ اس وقت کیا تھا۔ جبکہ شخص مذکور کے عقائد واعمال کا قطعاً کوئی علم نہیں تھا۔ اندریں صورت درج ذیل امور کا استفسار ضروری ہے بحوالہ بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۱) شخص مذکور کو اذان واقامت جیسے مقدس فریضے پر قائم رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ اذان واقامت شعائر اسلام میں سے ہے۔ (۲) کیا فریضہ اذان واقامت کے ادا کرنے سے توقیر وتکریم مبتدع تو لازم نہیں آتی جسے صراحۃً حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے بلکہ اسے ہدم اسلام قرار دیا ہے۔ کیا یہ المؤذن مؤتمن کے خلاف تو نہیں۔ کیا اس مؤذن کو اس فریضہ سے علیحدہ کرنے کی صورت میں وعدہ خلافی کے گناہ کا ارتکاب تو نہیں لازم آتا۔ کیا مسجد کی آمدنی سے ایسے شخص کو تنخواہ دی جا سکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایسے گندے عقائد رکھنے والے فاسق مبتدع کو اذان واقامت جیسی اہم دینی خدمت پر برقرار رکھنا ناجائز ہے۔ ایسے شخص کی اذان مکروہ ہے، سنت کے خلاف ہے[1]۔ اذان دینا کسی متقی صالح عالم بااوقات شخص کے سپرد کرنا مسنون ہے۔ کما قال فی البدائع فی عداد صفات المؤذن ج ۱ ص ۱۵۰ (ومنها) ان یکون تقیا لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الامام ضامن والمؤذن مؤتمن والامانة لایؤدیها الاتقی و (منها) ان یکون عالماً بالسنة لقوله صلی اللہ علیہ وسلم یؤمکم اکرمکم ویؤذن لکم خیارکم و خیار الناس العلماء لان مراعاة سنن الاذان لایتاتی الامن العالم بها[2]۔ الخ۔

---

۱) کما فی العالمکیریة: ویکره اذان الفاسق الخ کتاب الصلوة، الباب الثانی فی الأذان الفصل الأول فی صفته واحوال المؤذن، ج ۱ ص ۵۴، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وهکذا فی الدر المختار: ویکره اذان جنب واقامته —— وأذان امرأة وخنثی وفاسق الخ کتاب الصلوة، باب الأذان ج ۱ ص ۳۹۲، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وهکذا فی حاشیة الطحطاوی ویکره أذان الجنب —— وأذان فاسق لأن خبره لا یقبل فی الدیانات الخ، کتاب الصلوة، باب الاذان، ص ۲۰۰ طبع دار الکتب العلمية بیروت۔

۲) بدائع الصنائع: کتاب الصلوة فصل واما بیان سنن الأذان، ج ۱ ص ۱۵۰، طبع رشیدیه۔
وهکذا فی البحر الرائق: فإن یکون رجلاً عاقلاً ثقة عالماً بالسنة —— وصرحوا بکراهة أذان الفاسق من غیر تقیید الخ، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۴۴۲، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وهکذا فی العالمکیریة: وینبغی ان یکون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقیاً عالماً بالسنة الخ، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۵۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔

ایسے مؤذن کو باوجود وعدہ کے اس ضرورت کی خاطر اس عہدہ سے علیحدہ کر سکتے ہیں [1]۔ ویسے بمقابلہ خدمت مسجد از قسم صفائی وغیرہ اس کو مسجد کی آمدنی سے تنخواہ دی جا سکتی ہے [2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذانِ ثانی کا حکم

﴿س﴾

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق علماء دین کیا فرماتے ہیں:

(۱) ایک مسجد میں امام متعین ہو اذان اور جماعت باقاعدہ وقت پر ہوتی ہے۔ جس وقت جماعت ہو رہی ہو چند آدمی اسی وقت اسی مسجد میں اذان ثانی کہہ کر ساتھ جماعت کے ہوتے ہوئے ایک طرف علیحدہ نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا یہ دوسری اذان اور نماز علیحدہ پڑھنا جائز ہے۔

بندہ تابع رحمت علی راجپوت چک ۱۳۰/۱۵ کے امیاں چنوں

﴿ج﴾

جائز نہیں ہے اس کو ترک کرنا لازم ہے [3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) لما فی در المختار: الباني للمسجد أولى من القوم بنصب الإمام والمؤذن فی المختار الخ، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٠، طبع ایم ایم سعید کراچی۔
وأیضاً فیه ولایة الأذان والإقامة لباني المسجد مطلقاً وکذا الإمامة لو عدلا الخ، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٤٠٠، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وهکذا فی الشامیة: وفی الأشباه ولد الباني وعشیرته أولى من غیرهم وسیجیء فی الوقف أن القوم اذا عینوا مؤذناً و اماماً وکان أصلح مما نصبه الباني فهو أولى الخ کتاب الصلوة مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد ج ١ ص ٤٠٠، ایچ ایم سعید کراچی۔
۲) کذا فی در المختار: ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم ثم السراج والبساط، کذلك الى آخر المصالح الخ، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٦٦، ایچ ایم سعید۔
وهکذا فی الهندیة: کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف، ج ٢ ص ٣٦٨، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی البحر الرائق: ولو وقف علی مصالح المسجد یجوز دفع غلته الی الإمام والمؤذن والقیم الخ، کتاب الوقف ج ٥ ص ٣٥٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
۳) وفی الدر المختار: ویکره تکرار الجماعة بأذان واقامة فی مسجد محلة الخ کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٥٥٢، طبع ایچ ایم سعید۔
وهکذا فی الفتاوی العالمکیریة: المسجد اذا کان له امام معلوم وجماعة معلومة فی محلة فصلی أهله فیه بالجماعة لا یباح تکرارها فیه باذان ثان، کتاب الصلوة الباب الخامس فی الإمامة، ج ١ ص ٨٣، طبع رشیدیه کوئٹه۔

(۳) سید ہاشمی کے لیے اگرچہ غریب ہو زکوٰۃ وصول کرنا نادرست ہے۔ ایک ضعیف قول کے مطابق ہاشمی غریب کے لیے بعینہ مثل غیر ہاشمی شخص کے زکوٰۃ لینا درست ہے[1]۔ لہٰذا امام موصوف اگر اس قول کے مطابق زکوٰۃ لینے کو درست قرار دیتا ہے تو اگرچہ یہ مسلک غلط ہے لیکن اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے[2] اگر مقتدیوں کو یہ امام ناپسند ہو تو اس کو امامت سے ہٹا سکتے ہیں[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دو مسجدوں میں ایک شخص کا اذان دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو دیندار و ایماندار ہے اور روزانہ صبح ایک جامع مسجد میں اذان دیتا ہے اور اسی ہی وقت میں ایک اور مسجد میں جو کہ نہ تو جامع مسجد ہے نہ ہی اس میں جماعت وغیرہ ہوتی ہے۔ ایسے ایک آدھ آدمی گاہے گاہے نماز پڑھ لیتا ہے۔ یعنی دونوں مسجدوں میں بیک وقت اذان دیتا ہے مگر نماز باجماعت وہ اسی جامع مسجد میں پڑھ لیتا ہے، جس میں اول اذان دیتا ہے۔ کیا ایک ہی وقت میں دونوں مسجدوں میں ایک ہی شخص روزمرہ بلاناغہ اذان دے سکتا ہے۔

﴿ج﴾

دو مسجدوں میں ایک شخص کا اذان دینا مکروہ ہے۔ (فی الدر المختار باب الاذان) یکرہ له ان یؤذن فی مسجدین و فی رد المحتار. لانه اذا صلی فی المسجد الاول یکون متنفلا بالاذان

---

۱) هکذا فی فتح القدیر، ولا یدفع الی بنی هاشم هذا ظاهر الروایة وروی ابو عصمة عن ابی حنیفة انه یجوز فی هذا الزمان الخ، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقة الیه ومن لا یجوز، ج ۲ ص ۲۱۱، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وهکذا فی الدر المختار ولا الی بنی هاشم ...... ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع وقول العینی والهاشمی یجوز له دفع زکاته لمثله صوابه لا یجوز الخ، کتاب الزکاة باب المصرف، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وهکذا فی الهدایة باب من یجوز دفع الصدقة الیه ومن لا یجوز ج ۱ ص ۲۲۳، طبع رحمانیه لاهور۔

۲) وفی بدائع الصنائع: واما بیان من یصلح للإمامة فی الجملة فهو کل عاقل مسلم ...... کابن عمر وغیره والتابعون اقتدوا بالحجاج فی صلوة الجمعة وغیرها مع أنه کان أفسق أهل زمانه ولأن جواز الصلاة متعلق بأداء الارکان وهولاء قادرون علیها الا أن غیرهم أولی کتاب الصلوة فصل فی بیان من یصلح الإمامة، ج ۱ ص ۱۵٦، طبع رشیدیه۔
وهکذا فی مجمع الأنهر: کتاب الصلاة، ج ۱ ص ۱٦۳، طبع مکتبه غفاریه کوئٹه۔

۳) تقدم تخریجه تحت عنوان "غلط عقائد کے حامل شخص کو مؤذن مقرر کرنا" ص ٦۲۲ جز نمبر ۳۔

الاذان شرعاً (الاعلام بوقت الصلوٰۃ بالفاظ مخصوصۃ)

بحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ پر ہے۔ قولہ سن للفرائض ای سن الاذان للصلوات الخمس والجمعۃ سنۃ مؤکدۃ قویۃ قریبۃ من الواجب حتی اطلق بعضہم علیہ الوجوب الی قولہ فخرج بالفرائض ماعداھا فلا اذان للوتر ولا للعید والجنائز ولا للکسوف والاستسقاء والتراویح والسنن الرواتب لانہا اتباع للفرائض الی قولہ بعد الاوراق الاربعۃ ولایؤذن قبل وقت و یعادفیہ ای فی الوقت اذا اذن قبلہ لانہ یرادللاعلام بالوقت فلایجوز قبلہ بلاخلاف فی غیر الفجر وعبر بالکراہیۃ فی فتح القدیر والظاہر انہا تحریمیۃ و امافیہ فجوزہ ابویوسف ومالک والشافعی لحدیث الصحیحین– ان بلالایوذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یوذن ابن ام مکتوم ووقتہ عندابی یوسف بعد ذھاب نصف اللیل وھو الصحیح فی مذھب الشافعی کما نقلہ النووی فی شرح المھذب والسنۃ عندہ ان یوذن للصبح مرتین احداھما قبل الفجر والاخری عقب طلوعہ ولم ارہ لابی یوسف وعندابی حنیفۃ و محمد رحمۃ اللہ علیہم لایوذن فی الفجر قبلہ لما رواہ البیہقی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال یا بلال لاتوذن حتی یطلع الفجر الی آخر بحث صاحب البحر[1]، ج ۱، ص ۲۶۲، و قال ابن ھمام فی فتح القدیر قولہ والحجۃ علی الکل. الخ. رواہ ابوداؤد عن شداد مولیٰ عیاض بن عامر عن بلال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ لاتؤذن حتی یستبین لک الفجر ھکذا و مدیدہ عرضا ولم یضعفہ ابوداؤد وأعلہ البیہقی بان شداد لم یدرک بلالافہو منقطع وابن القطان بان شدادا مجھول ایضًالایعرف بغیر روایۃ جعفر بن برقان عنہ وروی البیہقی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا بلال لاتوذن حتی یطلع الفجر قال فی الامام رجال اسنادہ ثقات و روی عبدالعزیز بن ابی داؤد عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ان بلالا اذن قبل الفجر فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و روی البیہقی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما حملک علی ذالک قال استیقظت انا وسنان فظننت ان الفجر قد طلع فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینادی علی نفسہ الا ان العبد قد نام وروی ابن عبدالبر عن ابراھیم قال کانوا اذا اذن المؤذن بلیل قالوا لہ اتق

---

۱) البحر الرائق: باب الأذان، ج ۱ ص ۲۵۵ تا ص ۲۶۲، طبع المکتبۃ الماجدیۃ کوئٹہ۔

الله بعد اذانک وهذا یقتضی ان العادة الفاشیة عندهم انکار الاذان قبل الوقت فثبت ان اذانه قبل الفجر قد وقع وانه صلی الله علیه وسلم غضب علیه وامره بالنداء علی نفسه ونهاه عن مثله فیجب حمل مارووه علی احد الامرین اما انه من جملة النداء علیه یعنی لا تعتمدوا علی اذانه فانه یخطئ فیؤذن بلیل تعریضا له علی الاحتراس عن مثله واما ان المراد بالاذان التسحیر بناء علی ان هذا انما کان فی رمضان کما قاله فی الامام فلذا قال فکلوا واشربوا او التذکیر الذی یسمی فی هذا الزمان بالتسبیح لیوقظ النائم ویرجع القائم کما قیل ان الصحابة کانوا حزبین حزبا یتهجدون فی النصف الاول وحزبا فی الاخیر وکان الفاصل عندهم اذان بلال رضی الله عنه وعلیه مروی عنه صلی الله علیه وسلم لا یمنعنکم من سحورکم اذان بلال فانه یؤذن لیوقظ نائمکم ویرقد قائمکم وقد روی ابو الشیخ عن وکیع عن سفیان عن ابی اسحاق عن الاسود عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت ما کان المؤذن یؤذن حتی یطلع الفجر[1] ج ۱ ص ۲۲۱ وبدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۵/۱۵۴ ج ہے۔ ولابی حنیفة ومحمد رحمهما الله ماروی شداد مولی عیاض بن عامر ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لبلال لا تؤذن حتی یستبین لک الفجر هکذا ومد یده عرضا ولان الاذان شرع للاعلام بدخول الوقت والاعلام بالدخول قبل الدخول کذب وکذا هو من باب الخیانة فی الامانة والمؤذن مؤتمن علی لسان رسول الله صلی الله علیه وسلم ولهذا لا یجوز فی سائر الصلوات ولان الاذان قبل الفجر یؤدی الی الضرر بالناس لان ذلک وقت نومهم خصوصا فی حق من تهجد فی النصف الاول من اللیل فربما یلتبس الامر علیهم وذلک مکروه وروی ان الحسن البصری کان اذا سمع من یؤذن قبل طلوع الفجر قال علوج فراغ لا یصلون الا فی الوقت لو ادرکهم عمر لادبهم وبلال رضی الله عنه ما کان یؤذن بلیل لصلاة الفجر بل لمعنی آخر لما روی عن ابن مسعود رضی الله تعالی عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لا یمنعنکم من السحور اذان بلال فانه یؤذن بلیل لیوقظ نائمکم ویرقد قائمکم ویتسحر صائمکم فعلیکم باذان ابن ام مکتوم وکانت الصحابة فرقتین الخ مثل ما مر فی عبارة فتح القدیر والدلیل علی انه اذان بلال کان لهذه المعانی لا لصلوة الفجر ان ابن ام مکتوم یعیده ثانیا بعد طلوع الفجر[2] ان عبارتوں سے واضح ہے

---

۱) فتح القدیر، باب الاذان، ج ۱ ص ۲۲۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل واما بیان وقت الاذان والاقامة، ج ۱ ص ۱۵۴، ۱۵۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

کے ساتھ نماز کے وقت کی خبر دینے کو کہتے ہیں اور صاحب بحر کی عبارت سے یہ واضح ہے کہ اذان سنت مؤکدہ قویہ قریب من الواجب فرائض خمسہ اور جمعہ کے لیے ہے۔ اس کے علاوہ کسی نماز کے لیے اذان مشروع نہیں ہے باتفاق الائمہ۔ البتہ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوات خمسہ اور جمعہ میں کسی ایک کے لیے وقت سے پہلے اذان دینا جائز ہے؟ صبح کی نماز میں بوجہ حدیث بلال مشروع اور جائز ہے یا نہیں۔ تو اس میں ائمہ ثلاثہ مع عبداللہ بن المبارک وابی یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقط صبح کی نماز میں بوجہ حدیث بالا مذکور صحیحین کے اور چند روایات کے وقت سے پہلے اذان دینا جائز ہے۔ حتیٰ کہ بعض ائمہ اسی صبح صادق سے پہلے اذان پر صبح کی نماز کے لیے اکتفاء جائز کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک اکتفاء جائز نہیں، بلکہ وہ صبح کی نماز کے لیے دو اذانیں مشروع سمجھتے ہیں۔ دوسری اذان کا صبح صادق کے بعد دینا ضروری سمجھتے ہیں(۱)۔ جیسے باقی نمازوں میں بحر کی عبارت سے واضح ہے کہ امام شافعی کے نزدیک دونوں اذانیں صبح کی نماز کے لیے سنت ہیں اور فتح الباری میں ہے کہ چونکہ صبح کی نماز وقت اول میں اندھیرے میں مستحب ہے اس لیے پہلی اذان سے مصلین نیند سے بیدار ہو کر غسل وغیرہ طہارت کرلیں گے۔ اور دوسری اذان کے بعد سنتوں کے ادا کرنے کے بعد جماعت وقت اول میں ادا ہوگی(۲) لیکن امام ابوحنیفہ وامام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی نماز کے لیے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے لیے بھی اوقات کے دخول سے پہلے اذان دینا مشروع اور جائز نہیں۔ مذکورہ بالا روایات کی بناء پر (۱) روایت ابی داؤد جس پر ابوداؤد نے سکوت کیا اسے ضعیف نہیں کہا۔ (۲) روایۃ البیہقی قال فی الامام رجال اسنادہ ثقات (۳) روایۃ عبدالعزیز بن ابی داؤد عن نافع عن ابن عمر اجمالا (۴) روایت البیہقی عنہ تفصیلا (۵) روایت ابن عبدالبر عن ابراھیم (۶) روایت الاسود عن عائشۃ ما کان المؤذن یؤذن حتی یطلع الفجر (۷) طحاوی کی روایت ہے۔ نافع عن ابن عمر عن حفصۃ رضی اللہ تعالی عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اذن المؤذن بالفجر قام فصلی

---

۱) وفی فتح الباری: باب الاذان قبل الفجر، أی ما حکمہ ہل یشرع أو لا؟ واذا شرع ہل یکتفی بہ عن اعادۃ الاذان بعد الفجر أو لا؟ والی مشروعیتہ مطلقاً ذہب الجمہور وخالف الثوری وابوحنیفۃ ومحمد والی الاکتفاء مطلقاً ذہب مالک والشافعی وأحمد وأصحابہم، وخالف ابن خزیمۃ وابن المنذر وطائفۃ من أہل الحدیث وقال بہ الغزالی فی الاحیاء الخ، کتاب الاذان باب الاذان قبل الفجر، ج ۲ ص ۱۰۳، طبع دار الفکر۔

۲) وأیضاً فیہ وانما اختصت الصبح بذلک من بین الصلوات لأن الصلاۃ فی أول وقتہا مرغب فیہ والصبح یأتی غالباً عقب نوم فناسب أن ینصب من یوقظ الناس قبل دخول وقتہا لیتأھبوا ویدرکوا فضیلۃ أول الوقت الخ۔ کتاب الاذان، باب الاذان قبل الفجر، ج ۲ ص ۱۰۴، طبع دار الفکر۔

ان پر اسی رات بھی غلطی کا اعلان کرا دیا اور وہ تو آنکھوں میں خرابی ہونے کی وجہ سے غلطی کرتا ہے تو اذان کی غلط واضح کرنے کے لیے کہ لوگ ان کی اذان کی وجہ سے تکلیف میں نہ پڑیں اور ان صحابہ سے یہ کہا گیا کہ حضرت بلال رات کو اذان دیتے ہیں غرض مذکور کے لیے اور ساتھ ساتھ اسی فائدہ کے لیے **لیوقظ نائمکم و لیرجع قائمکم** اور تم اپنے مشاغل سحری کے لیے کھانے وغیرہ میں لگے ہو۔ یہاں تک کہ تمہیں پورا یقین ہو جائے یا حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کی اذان سن لو(۱)۔(۲) اور یا یہ مراد ہے کہ رمضان المبارک میں یہ دو اذانوں کا معمول رہا۔ ان معانی مذکورہ کے لیے اگرچہ دوسری اذان سے اتنا قرب ہو یا جائے کہ اس اذان کی انتہا پر دوسری اذان کی ابتداء ہو اور یہ ابتدا فرضیت رمضان کے ساتھ زیادہ مناسب ہے کہ سحری کو اٹھنے میں آخری حصہ میں سب عادی نہیں تھے لیکن ہمیشہ کے لیے یہ عمل نہ تھا جیسے روایت مذکورہ اور حضرت عبداللہ بن عمر والی حدیث کہ اس پر غلطی کا اعلان کرایا گیا اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب کہ اذان ایک تھی۔ فقط طلوع کے بعد(۳) اور یا اس اذان و نداء سے مشروعہ یعنی مخصوصہ اذان شرعیہ سے مراد ہی نہیں۔ بلکہ رمضان المبارک جو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعہ سے لوگوں کو اٹھاتے ہیں۔ یعنی تذکیر ہے جس کو آج اس زمانہ میں تسبیح کہتے ہیں۔ یہ مراد سمجھیں تو حدیث اور یہ بھی ہمیشہ نہیں ہے۔ جیسے کہ آج کل بھی درود و نعت وغیرہ پڑھنے سے رمضان المبارک میں سحری کو لوگ اٹھاتے ہیں۔ بعض جگہوں میں تو اس صورت میں سب مذکورہ روایات جو کہ مطلقاً نفی اذان قبل طلوع الفجر کا کرتی ہیں ان میں کوئی استثناء و تخصیص کرنے کی احتیاج نہیں ہوگی۔ تو روایات سابقہ اور بدائع الصنائع والے نے جو عقلیہ و نقلیہ وجوہ نفی اذان للصلوٰۃ قبل الفجر پیش کی ہیں۔ یہ سب اسی کی مقتضی ہیں کہ مطلقاً اذان قبل طلوع الفجر نہ ہو۔ اور اگر حضور کے زمانہ میں ہوئی بھی ہو تو وہ وجوہ مخصوصہ اسی وقت کے ساتھ تھا۔ معانی مذکورہ فی الحدیث کے ماتحت یعنی **لیوقظ نائمکم** الخ اور چونکہ وقت کے تقاضے کے مطابق معانی مذکورہ کے لیے اذان قبل الفجر دی گئی۔ اس لیے سب وجوہات کے نہ ہونے کی وجہ سے سلف نے قدیماً و حدیثاً عملاً اس کی نفی کی اور کرنے والوں کو خلاف سنت اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیا۔ الغرض صبح صادق سے پہلے اذان دینے کو بدعت نہیں کہا جا سکتا اور بدعت کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ اس سے کہ اس اذان کے لیے احادیث میں حضور کی زندگی میں کچھ منشاء ہے۔ جو ہے اذان تہجد کے لیے دی جائے۔ یا صبح کی نماز کے لیے علاوہ اس کے کہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے اذان کا الصلوٰۃ الفجر ہے تو پھر بدعت کہنا صحیح نہیں۔ لیکن اس بستی والے اگر حنفی ہیں تو پھر ان کی حنفی مذہب سے ناواقفیت پر تعجب ہے اور بصورت واقفیت اس عمل کے شروع کرنے پر تعجب ہے۔ اس لیے کہ اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام مانتے ہوئے

---

(۱) طحاوی، کتاب الأذان باب التأذین للفجر، ج ۱ ص ۹۶، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

کسی عمل کو کتابوں سے یا کسی سے معلوم کر کے شروع کر دیں ساتھ ساتھ حنفیہ کی کتابوں پر عمل میں نہ ہو تو پھر یہ
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور تمام اسلاف و اخلاف حتی الیوم پر بے علمی اور بے عملی کا داغ لگا رہے ہیں۔ اس لیے باوجود
بدعت نہ ہونے کے اس عمل کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ چنانچہ مسلمانوں میں اختلاف کا نتیجہ تو حاصل ہو گیا جو کہ بڑا
فتنہ ہے اور مسلمانوں میں اختلاف و فتنہ کا باعث کوئی جائز عمل بھی ہو اس کا ترک بھی ضروری ہو جاتا ہے جیسے کہ
محدث عصر) چنانچہ شامی وغیرہ نے لکھا ہے اور یہ بھی نہیں کہ کسی عالم ربانی، ولی اللہ پیر و شیخ بزرگ کو آپ کی سنتی
والوں کی طرح تہجد گزار جماعت نہیں ملے گی اور ضرورت محسوس نہ ہوگی اور یہ کہ جذب احیاء سنت ان کے اندر نہ
تھا۔ اور سب کچھ کے باوجود ان کا ذکر تا کیا ہمارے لیے کافی نہیں ورنہ ایسے تو بہت چیزیں کرنی پڑیں گی۔ جن کو
حنفیہ نے ترک کیا۔ باوجود جواز و ثبوت کے جیسے رفع الیدین و قراۃ خلف الامام و آمین بالجہر وغیرہ حالانکہ ان کو
نہیں کرتے ہیں۔ اور ہم نے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو تقویٰ و علم و فہم و زہد و پرہیزگاری وغیرہ استنباط مسائل
من القرآن والحدیث و حضور ﷺ کی زندگی سے واقفیت اور خیر القرون میں ہونے کے ایسی شان والا پایا کہ
اس لائق ہے کہ ان کی تقلید کی جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر چلنے کے لیے امام و رہنما بنایا جاوے۔
اور ہم نے نہیں بنایا اس لیے کہ ہم تو تمام سے ان کو ماننے والے ہیں۔ خیر القرون میں آپ کی طرح صفات میں
امتیازی شان رکھنے والوں نے اور معاصرین ائمہ نے ان کو اسی لائق جانا۔ علاوہ اس کے اب تو تقلید شخصی واجب
ہے ان سنتوں کے زمانے اور تقویٰ و پرہیزگاری کے کھو جانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے دوری کے
دور میں چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رشیدیہ میں اس کو ثابت کیا ہے[1]
اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیفات میں لکھا ہے کہ ہندوستان یعنی موجودہ ہند و پاک کی
سرزمین اور افغانستان اور ماوراء النہر کے علاقہ میں جہاں فقہ حنفی کی کتابیں اور حنفی فقہ کے علماء ہیں اور دیگر ائمہ فقہ
کی مدون کتابیں اور علماء نہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقلید واجب ہے[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

---

(۱) تالیفات رشیدیہ، فاسئلوا اہل الذکر الآیۃ، اور نا اتفاقی ہونا اور لا ابالی ہو جانا عوام کا سبب عدم تقلید کے دلیل وجوب شخصی کی ہے، کہ اس میں انتظام عوام ہے، فتاویٰ رشیدیہ، مقلد و اجتہاد کے مسائل ص ۲۰۷، طبع ادارہ اسلامیات لاہور۔

(۲

(۱) اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا پڑھنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا یہ فعل صحابہ کے دور میں رائج تھا، یہ کس دور سے شروع ہوا؟

(۲) مسجد کے امام صاحب سے ایک شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام جائز ہے یا نہیں؟ ابھی تک امام صاحب نے جواب نہیں دیا تھا کہ دوسرے شخص نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ سلام ضرور پڑھا جائے گا جس کو اعتراض ہو وہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھے اپنی مسجد بنا کر پڑھے تو یہ مداخلت کرنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز میں نے اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے آیا یہ میرا فعل (اس مسجد میں نماز نہ پڑھنا) درست ہے یا نہیں؟ اسی بات پر بہت سے نمازیوں نے بھی اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے جبکہ وہ سب اسی محلے کے رہنے والے ہیں۔

﴿ج﴾

درود شریف پڑھنے میں اگرچہ بلاشبہ بہت بڑا ثواب ہے (۱) لیکن اذان سے پہلے اس مروجہ طریقے سے پڑھنے کا قرآن وحدیث شریف اور فقہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔ مروجہ طریقہ کو ضروری سمجھنا اس پر اصرار کرنا اور مروجہ طریقہ پر نہ پڑھنے والے پر طعن کرنا ناجائز ہے غرضیکہ اپنی طرف سے دین میں زیادتی کرنا سخت گناہ ہے۔ مروجہ طریقہ کو چھوڑنا چاہیے بلکہ ضروری ہے بلا تعیین وقت و قیودات کے جس وقت موقع ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا موجب خیر وبرکت اور باعث نجات ہے۔ مسجد کے امام اور مقتدیوں کو دین کے مسائل سے واقف کرایا جائے کہ دین اسلام ایک کامل دین ہے اس میں اپنی طرف سے زیادتی بدعت اور گناہ ہے دین وہی معتبر ہے جو حضور اکرم ﷺ صحابہ وتابعین سے منقول ہے اس کے علاوہ سب مردود ہے حدیث میں ہے (من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد الحديث) (۲) دوسری مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ جائز اور ثواب ہے۔ اکیلے نماز نہ پڑھیں کسی اور مسجد میں نماز باجماعت کا اہتمام کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) الصحيح لمسلم: عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي فانه من صلى علي صلوة صلى الله عليه بها عشرا ثم سلوا الله لي الوسيلة ... كتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل ... الخ، ج ۱، ص ۱۶۶، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔

(۲) مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ج ۱، ص ۲۷، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔
كذا في سنن البيهقي: والقاسم اذا لم تمر منه يصلي بجماعة حسنة وفي غيره ينتقل الى مسجد آخر، كتاب الصلوة، باب الامامة والجماعة في الحضر، ج ۱، ص ۲۴۷، طبع دار الكتب بيروت۔

اذان سے قبل سلام پڑھنا

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿جواب﴾

اذان سے قبل الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ کہنا جائز نہیں ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے[1]۔ اس لیے اس سے بچنا لازم ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اذان میں کمی وبیشی کرنے والے کا حکم

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام جائز ہے؟ (۲) اصل اذان میں کمی بیشی کرنے والا کیسا ہے۔ (۳) اور جو آدمی صلوٰۃ وسلام کو اذان کے ساتھ لازمی اور کار ثواب سمجھے وہ کیسا ہے؟

---

۱) فی الصحیح للبخاری، حدثنا أبو نعیم ..... ابن مسعود یقول علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکفی بین کفیہ التشهد ... التحیات للہ والصلوات السلام علیک أیہا النبی ورحمۃ اللہ ... فلما قبض قلنا السلام علی یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب الأخذ بالیدین وصافح حماد ... الخ، ج ۲ ص ۹۲۶، طبع قدیمی کتب خانہ۔

وهکذا فی مشکوۃ المصابیح: عن أبی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تجعلوا بیوتکم قبوراً ... وصلوا علی فإن صلاتکم تبلغنی حیث کنتم، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الخ، ج ۱ ص ۸۶، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

وفیها أیضاً: عن أبی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیاً أبلغته، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱ ص ۸۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) مشکوۃ المصابیح عن عائشۃ رضی اللہ عنها: قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

﴿الجواب﴾

۳۱۱۔ درود شریف کا پڑھنا ایک بڑی عبادت اور تقرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے، لیکن اسی طریق سے جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں اور خیر القرون میں پڑھا جاتا تھا[1] اور یہ ایک بین حقیقت ہے کہ اذان سے قبل یا اذان کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا رواج نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا اور نہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے دور میں تھا اور نہ خیر القرون میں کوئی شخص اس بدعت سے واقف تھا اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی بزرگ نے یہ کارروائی کی اور نہ اس کا فتویٰ دیا۔ بہر حال مروجہ طریقہ بدعت ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بوقت اقامت اذانیں دینے کا حکم

﴿السوال﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ہمارے یہاں ایک جگہ پر رواج ہے کہ عشاء کی جماعت سے قبل تکبیر سے پہلے تمام لوگ امام اور مقتدی زور زور سے سات دفعہ صف کے اندر کھڑے ہو کر اذانیں دیتے ہیں جب اذانیں ختم ہو جاتی ہیں تو تکبیر کہہ کر نماز کی ابتدا کرتے ہیں۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اذانیں کس لیے دی جاتی ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ اذانیں اس وجہ سے دی جاتی ہیں تاکہ اس علاقہ میں آفتیں مصیبتیں اور بلائیں داخل نہ ہوں

اگر ایسا جائز ہوتا تو کہیں بھی اس طرح کیا جاتا۔ حالانکہ میں نے کہیں ایسا نہیں کرتے دیکھا۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) الصحيح لمسلم: عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما: أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي فإنه من صلى علي صلوة صلى الله عليه بها عشراً ثم سلوا الله لي الوسيلة ... الخ، كتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل .... الخ، ج ۱ ص ۱۶۶، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔

(۲) اس سے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے لہذا اس سے بچنا چاہیے۔
مشكوة المصابيح: عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ج ۱ ص ۲۷، قديمي كتب خانه كراچی۔

بدعت ہے خلاصہ صورت مسئولہ میں بظاہر ثواب سمجھ کر یہ عمل کیا جاتا ہے۔ میت کے ورثاء پر بھی اس سے لازمی اس کو ترک کرنا چاہیے۔ دین میں اس قسم کی مداخلت گمراہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میت دفنانے کے بعد اذان دینے کا حکم

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اذان سے قبل الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا حبیب اللہ الصلوۃ والسلام علیک یا نور من نور اللہ پڑھنے کا شریعت میں کوئی ثبوت ہے یا یہ پڑھنا بدعت ہے۔

(۲) مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾

(۱) بے شک درود شریف پڑھنا موجب خیر و برکت ہے۔ لیکن مروجہ صلوۃ وسلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کامل دین میں ثبوت نہیں۔ دلیل مثبت سے مانگی جاتی ہے[1]۔

(۲) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ قبر پر اذان بدعت ہے[2]۔

(۳) جنازہ کے بعد دفن سے پہلے دعا کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس لیے اس کو ترک کریں[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) كذا في الصحيح للبخاري: حدثنا أبو نعيم... ابن مسعود يقول علمني النبي صلى الله عليه وسلم وكفي بين كفيه التشهد... التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله... فلما قبض قلنا السلام يعني على النبي صلى الله عليه وسلم، باب الأخذ باليدين (الجامع الصحيح للبخاري)، ج ۲ ص ۹۲۶، طبع قديمي كتب خانه.

مشكوة المصابيح: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا أبلغته، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، ج ۱ ص ۸۷، طبع قديمي كتب خانه كراچي.

۲) وكذا في رد المحتار: تنبيه في الاقتصار على ما ذكر من الوارد إشارة إلى أنه لا يسن الأذان عند إدخال الميت في قبره... الخ، كتاب الصلاة، مطلب في دفن الميت، ج ۲ ص ۲۳۵، طبع ايچ ايم سعيد.

وهكذا في البزازية: على هامش الهندية: لا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة لأنه يشبه الزيادة في صلوة الجنازة، الفصل الخامس والعشرون، ج ۴ ص ۸۰، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن.

۳) ولا يقوم بالدعاء في قراءة القرآن لأجل الميت بعد صلوة الجنازة وقبلها، نوع منه وفي الأصل الصلوة على الجنازة، خلاصة الفتاوى، ج ۱ ص ۲۲۵، طبع رشيديه كوئٹه.

تدفین کے بعد قبر پر اذان

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے بلاد میں جو بعد دفن میت قبر پر اذان دی جاتی ہے۔ کیا از روئے شریعت محمدیہ مباح، یا حرام، یا مستحب ہے، اور قائل بالحرمۃ مخطی ہے یا مصیب۔ بینوا توجروا۔ اور علامہ شامی نے مندوبات میں شمار کیا ہے۔ اس کا کیا مفہوم ہے۔ (قوله لا یسن لغیرها) ای من الصلوات والاعیاد الخ، ج ۱ ص ۲۸۳۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اذان دینا مکروہ تحریمی و بدعت ہے۔ جس کا ثبوت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور اسلاف و ائمہ کرام رحمہم اللہ سے منقول نہیں ہے۔ اور نہ ہی خیر القرون میں معمول رہا ہے۔ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد (الحدیث)[1]

علامہ شامی نے باب الاذان میں لا یسن لغیرها کے تحت جو اذان کی مندوب صورتوں کو نقل فرمایا ہے، وہاں قیل سے جو خود ضعف کی طرف مشیر ہے یہ ذکر کیا (قیل و عند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا) اس کے بعد صراحۃً اس کو رد کیا اور فرمایا لکن رده ابن حجر فی شرح العباب[2] اس کے بعد علامہ شامی نے کتاب الجنائز میں اس مسئلہ کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ (تنبیه) فی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارة الی انه لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاویه بانه بدعة وقال ومن ظن انه سنة قیاسا علی ندبهما للمولود الحاقا لخاتمة الامر بابتدائه فلم یصب انتهی[3]۔

واللہ اعلم محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

---

۱) مشکوۃ المصابیح: باب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) کذا فی الشامیة: کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۵، طبع ایچ ایم سعید کمپنی۔

۳) وکذا فی الشامیة: کتاب الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ج ۲ ص ۲۳۵، طبع ایچ ایم سعید کمپنی۔

وهکذا فی البحر الرائق: وخرج بالفرائض ما عداها فلا أذان للوتر ولا للعید ولا للجنائز ... الخ، کتاب الصلوۃ باب الأذان، ج ۱ ص ۲۶۶، طبع مکتبہ جدیدہ کوئٹہ۔

داڑھی منڈوانے والے کی اذان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہماری مسجد کے دو تین آدمی اذان برائے نماز دیتے ہیں اور ان کی داڑھی منڈی ہوئی ہے۔ مگر نمازی ہیں اور ایک آدمی داڑھی والا ہے اور حاجی بھی۔ اکثر اوقات اذان دیتا ہے اور اقامت بھی کہتا ہے۔ مگر ایک نماز میں روپے جمع کرتا ہے اور سود لیتا ہے بلکہ سود در سود۔ تو اگر اور کوئی آدمی اذان کے وقت موجود نہ ہو تو کیا داڑھی منڈا اذان پڑھے یا حاجی سود خوار۔ ان میں سے بہتر کون ہے؟ بینوا تؤجروا۔

﴿ج﴾

کسی متشرع اور دیندار آدمی کو مؤذن مقرر کیا جاوے۔ اگر وہ موجود نہ ہو تو ان میں سے اگر کوئی شخص اذان کہہ دے یہ بھی درست ہے(1)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نابالغ کی اذان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ کیا نابالغ بچہ اذان کہہ سکتا ہے۔ اگر نہیں کہہ سکتا تو کتنی عمر شرط ہے۔ اور کیا کیا شرائط ضروری ہیں۔ جبکہ اذان کہنے والا عاقل بھی ہے اور کسی قسم کا کوئی جنون وغیرہ بھی نہیں ہے۔ بینوا تؤجروا۔

﴿ج﴾

لڑکا اگر مراہق یعنی قریب البلوغ ہے تو اس کی اذان بلا کراہت بالاتفاق صحیح ہے۔ اگر غیر مراہق عاقل

---

(1) البحر الرائق: فان يكون رجلا عاقلا ثقة عالما بالسنة ... وصرحوا بكراهة أذان الفاسق من غير تقييد الخ. كتاب الصلاة، باب الأذان، ج 1 ص 264، طبع رشيديه سركي روڈ كوئٹه.

وهكذا في الهندية (العالمكيرية): وينبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلا صالحا تقيا عالما بالسنة كذا في النهاية. كتاب الصلوة، باب الأذان، ج 1 ص 53، طبع رشيديه كوئٹه.

وهكذا في خلاصة الفتاوى: اما في الاذان اذا لم يكن عالما تقيا بأوقات الصلوة لا يستحق ثواب المؤذنين واحب الى أن يكون عالما بالسنة ... الخ. الفصل الأول في الأذان، ج 1 ص 48، طبع رشيديه كوئٹه.

ہو تب بھی ظاہر الروایہ میں کراہت نہیں ہے[1]۔ اور بعض روایات میں مکروہ ہے[2]۔ درمختار میں ہے: ویجوز بلا کراھۃ صبی مراھق وفی الشامی (قولہ صبی مراھق) المراد بہ العاقل وان لم یراھق کما ھو ظاھر البحر وغیرہ وقیل یکرہ لکنہ خلاف ظاھر الروایۃ[3]. الخ. (شامی باب الاذان ج ۱ ص ۲۹۸)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کی بے ادبی کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ فجر کی اذان کے وقت دو اشخاص میں یہ جھگڑا ہوا کہ ایک نے کہا کہ میں اذان دیتا ہوں، دوسرے نے کہا میں اذان دیتا ہوں تو ایک شخص نے ۵ بج کر ۳۰ منٹ پر اذان دے دی اور دوسرے نے ۵ بج کر ۲۵ منٹ پر دے دی اور کہا کہ ۵ بج کر ۳۰ منٹ پر اذان دینا جائز نہیں ہے۔ دوسرے مؤذن نے یہ کہا جس نے ناجائز قرار دیا ہے۔ اس نے دراصل یہ الفاظ کہے ہیں کہ ۵ بج کر ۳۰ منٹ پر اذان دینا حرام ہے۔ لیکن ہم یہ الفاظ لکھنا پسند نہیں کرتے تھے لیکن مسئلہ پوچھنا ہے۔ اس لیے لکھے گئے ہیں؟

السائل: مولوی غلام احمد بستی سادہ وزا کھانہ تحصیل و ضلع ملتان شہر

﴿ج﴾

دراصل کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ یہ اذان قبل از وقت ہے اور قبل از وقت اذان دینا جائز نہیں ہے۔ اپنے کلام کے کہنے سے کوئی تعزیر لگانا لازم نہیں آتا[4]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) كذا في العالمگيرية: اذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية، باب الاذان ج ۱ ص ۵۴، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) كذا في العالمگيرية: واذان الصبي الذي لا يعقل لا يجوز باب الاذان ج ۱ ص ۵۴ طبع رشيديه كوئٹه

۳) كذا في الشامية: كتاب الصلوٰة، باب الاذان، ج ۱ ص ۳۹۱، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وهكذا في البحر الرائق: فاذان الصبي العاقل ليس بمستحب ولا مكروه في ظاهر الرواية فلا يعاد ... الخ، كتاب الصلوة، باب الاذان، ج ۱ ص ۲۶۴، طبع مكتبة الماجدية كوئٹه۔

۴) وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: فيعاد اذان وقع بعضه قبل الوقت كالاقامة، قوله وقع، وكذا كله بالأولى قوله كالاقامة أي في انها تعاد اذا وقعت قبل الوقت ... الخ، كتاب الصلوة، باب الاذان، ج ۱ ص ۳۸۵، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وهكذا في بدائع الصنائع: وقت الاذان والاقامة ما هو وقت الصلوات المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزئه ويعيده اذا دخل الوقت في الصلوات ... الخ، كتاب الصلوة، باب الاذان ج ۱ ص ۱۵۴، طبع رشيديه كوئٹه۔ وهكذا في العالمگيرية: تقديم الاذان على الوقت في غير الصبح لا يجوز اتفاقا ... وان قدم يعاد في الوقت الخ، كتاب الصلوة، باب الاذان، ج ۱ ص ۵۳، طبع بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔ وهكذا في الهداية: باب الاذان، ج ۱ ص ۹۰۔

بے وضو اذان دینے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بغیر وضو اذان کہنا جائز ہے یا نہ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمایا جاوے؟

﴿ج﴾

بے وضو اذان کہنا درست ہے۔ کیونکہ موقوف اور وابسته اس میں کسی پر نہیں ہے۔ البتہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ باوضو اذان کہے اس لیے کہ بعض فقہاء نے بغیر وضو اذان کو مکروہ کہا ہے۔ ویروی انہ یکرہ الاذان ایضاً ای علی غیر وضوء هدایه[1] وقیل یکرہ الاذان علی غیر وضوء لحدیث الترمذی عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤذن الا متوضی۔ البحر الرائق باب الاذان ج ۱ ص ۲۷۷[2]۔ فتاوی دار العلوم ج ۲ ص ۹۲۔ ویکرہ اذان جنب واقامته واقامة محدث لا اذانه علی المذهب[3]۔

بغیر وضو کے اذان دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بغیر وضو کے اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بے وضو اذان کہنا درست ہے۔ کیونکہ موقوف اور وابسته اس میں کسی پر نہیں ہے۔ البتہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ باوضو اذان کہے اس لیے کہ بعض فقہاء نے بغیر وضو اذان کو مکروہ کہا ہے۔

---

۱) الهداية، كتاب الصلوة، باب الأذان ج ۱ ص ۸۹، طبع رحمانيه لاهور۔
۲) البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۴۴۸، طبع رشيديه سركى روڈ كوئٹه۔
وهكذا في الشامية، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۹۲، طبع ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى۔
وهكذا في سنن الترمذي، عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يؤذن الا متوضئ، أبواب الصلوة، باب ما جاء في كراهية الأذان بغير وضوء، ج ۱ ص ۵۰، طبع ايچ ايم سعيد۔
وهكذا في العالمكيرية: ولا يكره أذان المحدث في ظاهر الرواية هكذا في الكافي، وهو الصحيح كذا في الجوهرة النيرة، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، ج ۱ ص ۵۴، طبع رشيديه كوئٹه۔
۳) فتاوى دار العلوم، كتاب الصلوة، باب الأذان ج ۲ ص ۹۶، طبع دار الاشاعت كراچى۔

لیے لہٰذا اور مکروہ بار بار تکبیر کہنا درست نہیں ہوا۔ تمہارا اس سے احتراز کرے(1)۔ بکر نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ بھی بہت سخت ہیں۔ اس لیے وہ توبہ تائب ہو جائے(2) اور نماز باجماعت کا اہتمام کرے(3)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

زیر تعمیر مسجد میں اذان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جس کی دیواریں تقریباً پانچ فٹ کی ہیں اور تعمیر ہو رہی ہے۔ اور اس میں تین نمازیں باجماعت ادا کی جاتی ہیں اور اس میں اذان وغیرہ نہیں دیتے۔ سوال کرتے ہیں کہ مسجد نامکمل اور کچی ہے۔ اس لیے اذان دینا جائز نہیں ہے اور نماز بھی باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ آپ فرمائیے کہ اذان دی جاتی ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

بحالت مذکورہ اذان نہ چھوڑی جائے۔ ہدایہ میں ہے۔ الاذان سنة للصلوات الخمس والجمعة لاسواها۔ اور ان لوگوں کا کہنا کہ مسجد نامکمل میں اذان نہ دی جائے غلط ہے(4)۔ اذان کے مسنون ہونے کے لیے مسجد شرط نہیں ہے۔ بلکہ اذان فرائض کے لیے مسنون ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ وهو سنة مؤكدة للفرائض ص ۳۸۴ ج ۱(5)۔ بہرحال اذان کا ترک کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

1) وكذا في رد المحتار: أقام غير من أذن بغيبته أي المؤذن لا يكره مطلقاً وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة كما كره مشيه في إقامته، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۹۵، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وهكذا في البحر الرائق: وفي الفتاوى الظهيرية. والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۴۶۷، طبع رشيديه سركی روڈ كوئٹه۔
هكذا في المبسوط: قال ولا بأس بأن يؤذن واحد ويقيم آخر لما روي أن عبد الله بن زيد ... أن يكون له في الأذان نصيب فأمر بأن يؤذن بلال ويقيم هو ... الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۷۴، طبع مكتبه غفاريه كوئٹه۔

2) انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب، سورة النساء.

3) مشكوة المصابيح، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال ... صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرين درجة متفق عليه كتاب الصلوة، باب الجماعة وفضلها، ج ۱ ص ۹۰، طبع قديمي كتب خانه۔

4) وكذا في الهداية كتاب الصلوة باب الأذان، ج ۱ ص ۸۴، طبع رحمانيه لاهور۔
وهكذا في البحر الرائق أي من الأذان للصلوات الخمس والجمعة ..... الخ، كتاب الصلوة باب الأذان، ج ۱ ص ۴۵۵، طبع ماجديه كوئٹه۔

5) رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۴، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وهكذا في الهندية: الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة كذا في فتاوى قاضي خان ... الخ، الفصل الثاني في الأذان، ج ۱ ص ۵۳، طبع بلوچستان بكڈپو كوئٹه۔

مطلع ابر آلود ہو تو اذان میں تاخیر کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ مغرب کی نماز کے وقت اگر بادل چھائے ہوئے ہوں۔ تو ایک پارٹی کہتی ہے کہ اذان چار منٹ پہلے پڑھنی چاہیے۔ دوسری پارٹی کہتی ہے کہ چار منٹ بعد میں اذان پڑھنی چاہیے۔ اس کے متعلق حکم صادر فرماویں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾

ابر غبار کے روز ہمیشہ فجر اور ظہر اور مغرب کی نماز دیر کر کے پڑھنا بہتر و مستحب ہے تا کہ وقت پوری طرح ہو جائے اور شبہ نہ رہے۔ قال فی الهداية ج۱ ص۸۲ واذا كان يوم غيم فالمستحب في الفجر والظهر والمغرب تاخيرها وفي العصر والعشاء تعجيلها۔ اگر گھڑی کے ذریعہ ٹھیک اوقات معلوم ہو سکتے ہوں۔ تو پھر ہر نماز کو اس کے معمول وقت میں پڑھے اور بلا وجہ جلدی یا دیر نہ کرے۔ بادل کے دنوں میں جب شرعاً تاخیر کرنا مستحب ہے تو چار منٹ پہلے اذان کہنا درست نہیں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا مسجد میں اذان کہنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اذان مسجد میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور خطبہ کی اذان خطیب کے قریب ہونی چاہیے۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، ج ۱ ص ۸۲، طبع رحمانيه لاهور۔

وهكذا في الشامية: (و) تأخير ظهر الصيف ... (و) تأخير عصر صيفا وشتاء ... والمستحب تعجيل ظهر شتاء ... وتعجيل عصر وعشاء يوم غيم وتعجيل مغرب مطلقا وتأخير قدر ... الخ، كتاب الصلوة باب المواقيت، ج ۱ ص ۳۶۶ - ۳۷۰، طبع ايچ ايم سعيد كمپني كراچي۔

وهكذا في البحر الرائق: وندب تأخير الفجر ... وظهر الصيف أي ندب تأخيره ... والعصر ما لم تتغير أي ندب تأخيره ما لم تتغير الشمس لرواية أبي داود ... الخ، كتاب الصلوة، باب المواقيت، ج ۱ ص ۲۴۷، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وهكذا في العالمكيرية: وفي يوم غيم يؤخر الفجر كما في حال الصحو ويؤخر الظهر كيلا يقع قبل الزوال ويعجل العصر كيلا أن يقع في الوقت المكروه ويؤخر المغرب ... ويعجل العشاء ... الخ، كتاب الصلوة، باب الأول في المواقيت وما يتصل بها ... الخ، ج ۱ ص ۵۲، بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔

تخریج

سوائے خطبہ کی اذان کے باقی پنجگانہ نمازوں کے لیے اذان کسی بلند جگہ پر کہنا افضل ہے اور مسجد سے خارج بہتر ہے۔ اگرچہ مسجد میں بھی جائز ہے۔ چنانچہ خطبہ جمعہ کی اذان مسجد میں پیش منبر ہونا اس کی دلیل کافی ہے۔ خطبہ کی اذان مسجد میں خطیب کے سامنے ہونی چاہیے، منبر کے ساتھ متصل کھڑا ہونا ضروری ہے۔ وینبغی ان یؤذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد سے مراد صرف یہ کہ ولا یجهد نفسه (عالمگیری باب الاذان ج۱ ص۵۲)[1] ولا یؤذن فی المسجد کا منشا یہ ہے کہ خلاف اولیٰ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ناجائز ہے۔ و فی الدر المختار ویؤذن ثانیا بین یدی الخطیب (در المختار مع شرحہ رد المحتار باب الجمعة ص ۷۰۲)[2] و اذا جلس الامام علی المنبر اذن المؤذنون بین یدیه الاذان الثانی للمتوارث (غنیة المستملی ص ۵۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) وكذا في العالمكيرية: كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان وفيه فصلان، ج ۱ ص ۵۵، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح (حاشية الطحطاوي على الهندية)، وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج ... الخ، كتاب الصلوة مسائل الأذان، ج ۱ ص ۷۸، طبع رشيديه كوئته
وهكذا في البحر الرائق، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۵۵، طبع ماجديه
۲) الدر المختار: باب الجمعة، ج ۲ ص ۱۶۱، طبع ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى۔
وهكذا في البحر الرائق: كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج ۲ ص ۲۷۱، طبع الرشيديه كوئته۔
وهكذا في الهداية: وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذن بين يدي المنبر بذلك جرى التوارث ... الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۷۱، طبع شركت علميه ملتان۔

مواقیت الصلوٰۃ

نمازوں کے اوقات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱) کہ وقت نماز فجر رات کے آخری کون سے حصہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور نماز تہجد کا وقت رات کے آخری کتنے حصہ تک رہتا ہے؟

(۲) مسجد میں نماز باجماعت شروع ہے۔ ایک شخص نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا اعتقاد میرے عقیدہ کے ساتھ نہیں ملتا۔ کیا وہ نماز میں شامل ہو جائے یا کہ علیحدہ پڑھے اگر شامل ہو جائے تو کیا اس نماز کا اعادہ کرے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) نماز[۱] فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور نماز تہجد کا وقت صبح صادق تک رہتا ہے[۲]۔

(۲) اگر عقائد کفر کی حد تک نہیں پہنچے صرف بدعات وغیرہ کا مرتکب ہے تو جماعت میں شامل ہو جائے اور

---

۱) (من طلوع الفجر الثانی) وهو البياض المنتشر المستطير لا المستطيل (الى) قبيل (طلوع ذكاء) رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب فى تعبده عليه السلام قبل البعثة، ج ۱ ص ۳۵۹، طبع ايج ايم سعيد كراچی۔ وكذا فى العالمكيرية: وقت الفجر من الصبح الصادق وهو البياض المنتشر فى الأفق الى طلوع الشمس ولا عبرة بالكاذب، كتاب الصلوة، الباب الأول فى المواقيت وما يتصل بها وفيه ثلاثة فصول، ج ۱ ص ۵۱۰، طبع علوم اسلاميه چمن۔

وكذا فى الخانية: وقت الفجر حين يطلع الفجر المستطير الفجر فجران سمى العرب الأول كاذباً، كتاب الصلوة، باب الأذان الأذان سنة لأداء المكتوبة، ج ۱ ص ۷۲، طبع علوم اسلاميه چمن۔

۲) رد المحتار: وبه ينتفى ما عن احمد من قوله قيام الليل من الغرب الى طلوع الفجر، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل مطلب فى صلوة الليل، ج ۲ ص ۲۴، طبع ايج ايم سعيد كراچی۔

وكذا فى فتح القدير: أجاب بما عمله متقرر أو ما فى البخارى عن عائشة رضى الله عنها كان صلى الله عليه وسلم يصلى بالليل ثلاث عشرة ركعة ثم يصلى اذا سمع النداء بالصبح، كتاب الصلوة، باب النوافل، ج ۱ ص ۳۹۱، طبع رشيديه كوئٹه۔

وكذا فى المسلم، عن عائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى ما بين أن يفرغ من صلوة العشاء وهى التى يدعوا الناس العتمة الى الفجر احدى عشرة ركعة الخ، باب صلوة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله عليه وسلم فى الليل، ج ۱ ص ۲۵۴، طبع قديمى كتب خانه كراچی۔

علیحدہ پڑھے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ظہر کا آخری وقت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مرض ریاح میں معذور ہے۔ پرسوں مورخہ ۲۷/۲/۷۰ کو ہندہ کو قریباً ساڑھے گیارہ بجے دن سے لے کر ۲۲-۳ پر ٹھیک ہوا خارج ہوئی یعنی ٹھیک ۳ بج کر ۲۲ منٹ پر ہوا خارج ہوئی کیا چار بج کر ۴۴ منٹ تک نماز ظہر کا وقت رہتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

غالب گمان تو یہ ہے کہ آج کل ۴ بج کر ۴۴ منٹ پر ظہر کی نماز کا آخری وقت ہی ہوگا۔ ویسے آپ تحقیق کرلیں۔ عین دوپہر کو کسی لکڑی کو کھڑا کردیں۔ جتنا اس کا سایہ ہو اس پر نشان لگائیں۔ اب جب اس لکڑی کا سایہ دوپہر کے سایہ کے علاوہ دوچند ہوجائے یعنی اگر لکڑی ایک فٹ ہو تو سایہ اس کا دو فٹ ہوجائے دوپہر کے سایہ کے علاوہ تو وقت ظہر نکل جائے گا۔ اس سے پہلے تک ظہر کا وقت رہتا ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

فجر کی دوسری رکعت میں سورج طلوع ہوگیا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص صبح کی نماز پڑھ رہا تھا اور ایک رکعت پڑھ لی دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا تو سورج نکل آیا کیا اس کی نماز مکمل ہوجائے گی یا نہیں۔

---

(۱) وكذا في حاشية ابن عابدين: ومبتدع لا يكفر بها وإن كفر بها فلا يصح الاقتداء به أصلاً، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام، ج ۲ ص ۳۰۲، طبع رشيديه كوئته.

وكذا في البحر الرائق: وأطلق المصنف في المبتدع فشمل كل مبتدع هو من أهل قبلتنا وقيده في المحيط والخلاصة بأن لا تكون بدعته تكفره فإن كانت تكفره فالصلاة خلفه لا تجوز، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۳۴۹، طبع رشيديه كوئته.

(۲) وكذا في حاشية ابن عابدين: ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه، كتاب الصلاة، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة، ج ۲ ص ۱۹، طبع رشيديه كوئته.

وكذا في البحر الرائق: والظهر من الزوال إلى بلوغ الظل مثليه سوى الفيء، كتاب الصلاة، ج ۱ ص ۴۲۵، طبع رشيديه كوئته.

اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے بیان فرمادیں۔

﴿ج﴾

طلوع شمس کے وقت نماز جائز نہیں۔ پس اگر درمیان نماز میں طلوع شمس ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔ کما فی الھدایۃ ج ۱ ص ۸۲ لایجوز الصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولا عند قیامھا فی الظھیرۃ ولا عند غروبھا[1] لحدیث عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال ثلثۃ اوقات نھانا رسول اللہ ﷺ ان نصلی وان نقبر فیھا موتانا عند طلوع الشمس حتی ترتفع وعند زوالھا حتی تزول وحین تضیف للغروب حتی تغرب۔ اخرجہ مسلم والاربعۃ[2] والتفصیل فی شرح الوقایۃ کتاب الصلوٰۃ ص ۱۳۹۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمازوں کے اوقات کا تعین

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ اوقات خمسہ وجمعہ وعیدین سردیوں اور گرمیوں کا تعین تا حکم صحیح کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ وقت کی تحریر فرمادیں تا کہ کسی جماعت کا تنازعہ فی الاوقات کا باعث نہ بنیں۔ فقط والسلام

﴿ج﴾

نماز صبح کا ابتدائی وقت صبح صادق ہے۔ اور انتہائی وقت طلوع شمس ہے[3]۔ نماز اسفار میں پڑھنی چاہیے[4]۔ ظہر کا ابتدائی وقت زوال کے بعد شروع ہو کر مثلین تک رہتا ہے یعنی دن ڈھلنے سے لے کر تا آنکہ ہر چیز کا سایہ اس چیز کے اصلی سایہ کے علاوہ دوگنا ہو جائے۔ اور یہی جمعہ کا وقت بھی ہے[5] لیکن جمعہ کو پہلے پڑھنا

---

۱) کتاب الصلوٰۃ، فصل فی الاوقات التی تکرہ فیھا الصلوٰۃ، ج ۱ ص ۸۱، طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

۲) کتاب فضائل القرآن باب الاوقات التی نھی عن الصلوٰۃ فیھا، ج ۱ ص ۲۷۶، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) وفی حاشیۃ ابن عابدین: من طلوع الفجر الثانی الی طلوع ذکاء، کتاب الصلوٰۃ، مطلب تعبدہ علیہ السلام، ج ۲، ص ۱۸، طبع رشیدیہ، کوئٹہ۔

۴) وکذا فی حاشیۃ ابن عابدین: والمستحب للرجل الابتداء فی الفجر باسفار والختم بہ، کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی طلوع الشمس من مغربھا، ج ۲ ص ۲۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۵) فی حاشیۃ ابن عابدین: ووقت الظھر من زوالہ الی بلوغ الظل مثلیہ، کتاب الصلوٰۃ مطلب فی تعبدہ علیہ السلام، ج ۲ ص ۱۹، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

چاہیے(۱)۔ عصر کا ابتدائی وقت مثلین سے شروع ہوکر غروب شمس تک۔ لیکن نماز اصفرار یعنی آفتاب سے پہلے پڑھنی چاہیے(۲)۔ مغرب کا ابتدائی وقت غروب شمس سے شروع ہوکر تا انعدام شفق سفید علی مذہب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نماز غروب آفتاب کے فوراً بعد پڑھنی چاہیے(۳)۔ تاخیر سخت مکروہ ہے(۴)۔ عشاء کا ابتدائی وقت انعدام شفق سے لے کر تا صبح صادق۔ نماز ثلث اول میں پڑھنی چاہیے(۵)۔ باقی نماز ظہر گرمی میں تاخیر سے پڑھنی چاہیے یعنی ابراد میں اور جاڑے میں اول وقت میں پڑھنی چاہیے۔ گھڑی کے اعتبار سے وقت کی تعیین مختلف اوقات میں خود کر سکتے ہیں(۶)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جمعہ کی نماز کا آخری وقت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) جمعہ کی نماز کا آخری وقت گرمی کے موسم میں کس وقت تک جائز ہے یعنی کتنے بجے تک ہے۔

(۲) اور سردی کے موسم میں آخری وقت جمعہ کی نماز کا کس وقت تک جائز ہے یعنی کتنے بجے تک ہے۔

﴿ج﴾

جمعہ کا وقت مثل ظہر کے ہے۔ زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور ایک مثل یا دو مثل تک علی

---

۱) فی حاشیۃ ابن عابدین: وکرہ تحریماً —— (صلاۃ) مطلقاً (ولو) قضاء، وواجبۃ، او نفلاً —— مع شروق واستواء، الا یوم الجمعۃ علی قول الثانی، رد المحتار، مطلب یشترط بدخول الوقت، ج ۲ ص ۲۷، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) وفی حاشیۃ ابن عابدین: ووقت العصر الی قبیل الغروب، کتاب الصلوۃ، مطلب فی صلوۃ الوسطی، ج ۲ ص ۲۲، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) فی حاشیۃ ابن عابدین: ووقت المغرب منہ الی غروب الشفق وھو الحمرۃ، کتاب الصلوۃ، مطلب لو ردت الشمس بعد غروبھا، ج ۲ ص ۲۲، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

٤) وفی البحر الرائق: ویکرہ تأخیرھا الی اشتباک النجوم أحمد الخ، کتاب الصلوۃ، ج ۱ ص ٤۳۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۵) وفی حاشیۃ ابن عابدین: (و) وقت (العشاء) والوتر منہ الی الصبح و) کتاب الصلوۃ، مطلب فی صلوۃ الوسطی، ج ۲ ص ۲۳، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

٦) وفی حاشیۃ ابن عابدین: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اذا اشتد البرد بکر بالصلوۃ واذا اشتد الحر أبرد بالصلوۃ، والمراد: الظھر۔

وفی حاشیۃ ابن عابدین: وتأخیر ظھر الصیف مطلقاً، کتاب الصلوۃ، ج ۲ ص ۳۵، (والمستحب تعجیل ظھر الشتاء) کتاب الصلوۃ، مطلب فی طلوع الشمس، ج ۲ ص ۳۵، طبع رشیدیہ کراچی۔

اختلاف الموسمین باقی رہتا ہے[1]۔ لیکن جمعہ میں تعجیل یعنی جلد پڑھنا مستحب ہے اور بہتر ہے۔ باقی مختلف موسموں میں آخری اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے گھنٹوں کے حساب سے آخری وقت ایک نہیں ہے[2]۔
فقط واللہ اعلم

ظہر اور جمعہ کی نماز کے وقت میں فرق

سوال:

جناب مفتی صاحب مندرجہ ذیل سوالات کے جواب حدیث شریف کی روشنی میں دے کر مشکور فرمائیں۔

(۱) اوقات نماز ظہر اور جمعہ کے اوقات نماز میں کوئی فرق ہے؟ (۲) ہر ایک نماز یعنی ظہر اور جمعہ کا الگ الگ طور پر اول آخری حد درمیانہ وقت کیا ہے؟ (۲) عصر کا وقت اس کب سے شروع ہوتا ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ پر کتنا وقت صرف کیا تھا، نیز جمعہ کو کتنا وقت لگایا کرتے تھے؟

(۴) آیا یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ بیٹھے وعظ اور تقریر فرماتے رہے ہوں اور پھر خطبہ۔ ہے تو کس حدیث سے ثابت ہے، نہیں تو اس کا رواج کس نے ڈالا۔

(۴) جمعہ کا خطبہ اپنی زبان میں دینا کیسا ہے۔

(۵) جناب کی تحقیق ہے کہ کسی بستی میں مسلمانوں نے جمعہ پڑھا تھا اس وقت تحقیق کی کیا آبادی تھی؟

(۶) کیا موجودہ دور میں پاکستان بھر میں کسی شہر میں جمعہ جائز ہے۔ نقد فقہ الدقائق فارسی باب الجمعہ میں تو یوں درج ہے شرط ادائے جمعہ مصر است یا قائم اور مصر موضع است کہ در او امیر و قاضی بود کہ تنفیذ احکام شرع و اقامت حدود کند یہاں پاکستان میں تو کہیں بھی شرعی احکام اور حدود شرعی جاری نہیں پھر جمعہ کیوں پڑھا جاتا ہے۔

جواب:

(۱) ظہر اور جمعہ کے اوقات میں کوئی فرق نہیں، جو وقت ظہر کا ہے وہی وقت جمعہ کا ہے البتہ نماز جمعہ سردی گرمی ہر حال میں اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔ بخلاف نماز ظہر کے سردیوں کے موسم میں تعجیل مستحب ہے یعنی اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے، اور گرمیوں میں ابراد مستحب ہے یعنی اول وقت میں نہیں بلکہ سورج

---

(۱) وفي حاشية ابن عابدين: وكره صلوة ولو على جنازة وسجدة تلاوة وسهو مع شروق واستواء ...... الا يوم الجمعة. كتاب الصلوة ج ١ ص ٣٧١، طبع رشيديه كوئته۔

(۲) وفي حاشية ابن عابدين: وكره صلوة ولو على ... مع شروق و استواء ... الا يوم الجمعة. كتاب الصلوة ج ١ ص ٣٧١، طبع رشيديه كوئته۔

کی شدت حرارت کم ہو جائے اور کچھ ٹھنڈک ہو جائے تو پڑھنا مستحب ہے[1]۔ کذا فی کتب الحدیث والفقہ۔

(۲) اور یہ معلوم ہوا کہ جمعہ اور ظہر کے اوقات میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا اول وقت دونوں کا زوال کے ہو جانے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور آخر وقت مثل اول کے اختتام تک ہے صاحبینؒ کے نزدیک اور مثل ثانی کے اختتام تک امام صاحبؒ کے نزدیک۔ اس اختلاف سے بچنے کی وجہ سے اولیٰ یہ ہے کہ مثل اول ہی میں ادا کیے جاویں۔ بلا ضرورت شدیدہ کے مثل ثانی تک مؤخر نہ کیے جائیں۔ تاکہ باتفاق ائمہ ظہر و جمعہ صحیح ہو جاویں[2]۔

(۳) بنا بر اختلاف مذکور فی وقت الظہر بین الصاحبین والامام وقت عصر میں بھی ان کے درمیان اختلاف ہو گیا ہے۔ صاحبین کے نزدیک اول وقت عصر مثل اول کے ختم ہو جانے سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک مثلین کے اختتام پر شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن عصر کی نماز مثل ثانی میں نہ پڑھی جاوے۔ بلکہ مثل ثانی کے ختم ہو جانے کے بعد پڑھی جائے۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک تاخیر صلوٰۃ العصر الی مالم تتغیر الشمس مستحب ہے۔ تاکہ باتفاق ائمہ صلوٰۃ عصر مع حصول الاستحباب ہو جائے[3]۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کتب حدیث میں منقول ہیں۔ لہٰذا اسے جتنے وقت میں کوئی پڑھے گا (ان خطبوں میں سے) ٹھیک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تقریباً اتنے وقت میں اس خطبہ کو پڑھا ہوگا البتہ کتب حدیث میں یہ آتا ہے کہ آپ خطبہ مختصر اور نماز لمبی پڑھتے تھے۔ فتح القدیر میں ہے ویسن الخطبة والسنة تقصیرها وتطویل الصلوٰة کذا فی کتب الفقه۔ لہٰذا یہی طریقہ رکھنا چاہیے تاکہ سنت پر عمل ہو[4]۔

---

۱) وفی صحیح البخاری: عن أنس بن مالک رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس، کتاب الصلوة، باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس، ج ۱ ص ۱۲۳، قدیمی کتب خانه کراچی۔

وفی حاشیة ابن عابدین: وکره تحریماً ... (صلوة) مطلقاً (ولو) قضاء الخ مع شروق واستواء الا یوم الجمعة، کتاب الصلوة، مطلب فی طلوع الشمس، ج ۲ ص ۳۷، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) وفی حاشیة ابن عابدین: وکره تحریماً (صلوة) مطلقاً (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلاً ... (مع شروق واستواء) الا یوم الجمعة علی قول الثانی، کتاب الصلوة، مطلب فی طلوع الشمس الخ، ج ۲ ص ۳۷، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۳) وفی فتاوی العالمگیریة: ووقت العصر من صیرورة الظل مثلیه غیر فیء الزوال الی غروب الشمس، کتاب الصلوة، الفصل الأول فی أوقات الصلوة، ج ۱ ص ۵۱، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۴) وفی فتح القدیر: باب صلوة الجمعة، ج ۲ ص ۲۸، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۵) وفی صحیح مسلم: عن ابن عمر رضی الله عنهما قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یخطب یوم الجمعة قائماً ثم یجلس ثم یقوم قال کما یفعلون الیوم، کتاب الجمعة، فصل یخطب الخطبتین قائماً الخ، ج ۱ ص ۲۸۲، قدیمی کتب خانه کراچی۔

امام کا اپنی مرضی سے وقت نماز مقرر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اوقات نماز بہ لحاظ موسم تو متغیر وتبدیل ہوتے رہتے ہیں یہ سنت ہے یا فرض۔ نیز جو امام مسجد صرف اپنے مفاد کی خاطر ظہر اور عصر کا وقت اپنی مرضی سے متعین کریں وہ جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

یہ مسئلہ واضح ہے اور سب کو معلوم ہے کہ نمازوں کے اوقات شرعاً موقت ہیں۔ ان میں تنگی نہیں ہے۔ جس وقت بھی وقت مستحب کے اندر نماز پڑھیں صحیح ہے۔ اور استحباب تاخیر وتعجیل بھی کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہے[1]۔ سردیوں اور گرمیوں میں ہر ایک موسم میں ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہو کر دو مثل تک رہتا ہے۔ اور زوال آفتاب تقریباً ساڑھے بارہ بجے ہوتا ہے۔ پس ظہر کا وقت ساڑھے بارہ سے تین بجے کے بعد تک رہتا ہے۔ جیٹھ اور ہاڑ میں اور بھی دیر تک رہے گا[2] مگر گرمیوں میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ آج کل سوا دو بجے سے تین بجے تک سب اچھا وقت ہے۔ جس وقت چاہے نماز پڑھیں۔ جھگڑا کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اوقات کے تعین میں اپنے مفاد کو دخل نہیں دینا چاہیے[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

خبروں کے لیے جماعت کے وقت کی تبدیلی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ چند دنوں سے نماز عشاء ۸ بجے رات ہو رہی تھی گزشتہ شب ایک صاحب نے عشاء کے فرضوں کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا۔ چونکہ آج کل ہنگامی حالات ہیں۔ اور خبریں ریڈیو ۸ بجے رات ہوتی ہیں۔ نماز عشاء پونے آٹھ بجے رات ہونی چاہیے۔ کافی نمازیوں نے تائید فرمائی لیکن ایک

---

(۱) وفي حاشية ابن عابدين: ووقت الظهر من زواله الى بلوغ الظل مثليه، سوى الفيء للزوال وبه يفتى. كتاب الصلوة، مطلب في تعبده عليه السلام قبل البعثة، ج ۲ ص ۱۶، طبع مكتبه رشيديه كوئته.

(۲) وفي حاشية ابن عابدين: والمستحب تعجيل ظهر الشتاء، كتاب الصلوة، مطلب في طلوع الشمس، ج ۲ ص ۲۵، طبع رشيديه كوئته.

(۳) وفي حاشية ابن عابدين: وتاخير ظهر الصيف مطلقاً، كتاب الصلوة، مطلب في طلوع الشمس، ج ۲ ص ۲۰، طبع رشيديه كوئته.

شخص نے یہ کہا جو شرع کہتی ہے اس طرح اور اس وقت نماز عشاء ادا کی جائے۔ اس کی تائید ایک صاحب نے فرمائی ہے۔ لہٰذا عرض یہ ہے کہ آپ فتویٰ دیں آیا عشاء کی نماز آٹھ بجے رات حسب سابق ادا کی جانی چاہیے یا پونے آٹھ بجے رات ادا کرنی چاہیے۔

﴿ج﴾

نمازیوں کی کثرت کا اعتبار کیا جائے۔ اگر سوا آٹھ بجے پڑھنے کی صورت میں کافی لوگ جماعت میں شریک ہوتے اور آٹھ بجے پڑھنے کی وجہ سے کم لوگ تو سوا آٹھ بجے ادا کرنی ہی بہتر ہے۔ کیونکہ تکثیر جماعت بدیں صورت کہ اس میں کوئی دوسری شرعی قباحت نہ ہو۔ شرعاً مقصود ہے۔ بہر حال اس میں زیادہ نزاع پیدا نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

وقت میں کافی گنجائش ہے ساڑھے سات بجے بھی ہو سکتی ہے[1]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

نماز کا افضل وقت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج کل صبح کی نماز کا افضل وقت کیا ہے۔

﴿ج﴾

آج کل کی تاریخ میں ساڑھے پانچ بجے صبح کی نماز پڑھنا وقت مستحب میں ادا ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ صبح کی نماز میں اسفار مستحب ہے۔ یعنی تاخیر کرنی چاہیے اس قدر کہ نماز فرض ادا کرنے کے بعد اتنا وقت طلوع آفتاب تک باقی رہے[2] کہ اگر امام وغیرہ کا بے وضو ہونا ظاہر ہو

---

۱) وكذا في المبسوط للسرخسي: قال عليه السلام: صلاة الرجل مع اثنين خير من صلاة وحده وصلاته مع اثنين خير من صلاته مع الواحد وكلما كثرت الجماعة فهو عند الله أفضل باب تكثير الجماعة مندوب اليه، ج ١ ص ٤٠، طبع ادارة القرآن كراچی۔ وكذا في المبسوط للسرخسي: وما يؤدى الى تكثير الجماعة فهو أفضل، باب مواقيت الصلوة، ج ١ ص ٢٩٥، طبع مكتبه غفاريه كوئٹه۔ وكذا في فتح الملهم: أن أداء الصلوة في أول الوقت افضل الا اذا تضمن التأخير فضيلة لا تحصل بدونه كتكثير الجماعة، كتاب المساجد، باب استحباب التبكير بالصبح في اول وقتها الخ، ج ٢ ص ٢١٢، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) وفي المبسوط للسرخسي: (ولنا) حديث رافع بن خديج رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر، باب مواقيت الصلوة، ج ١ ص ١٤٦، طبع ادارة القرآن كراچی۔ وكذا في المبسوط للسرخسي: وحديث صديق عن بلال رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم: قال نوروا بالفجر أو قال أصبحوا بالصبح يبارك لكم ولأن في الأسفار تكثير الجماعة وفي التغليس تقليلها وما يؤدى الى تكثير الجماعة فهو أفضل، باب مواقيت الصلوة، ج ١ ص ١٤٦، طبع ادارة القرآن كراچی۔

یا کسی وجہ سے نماز کے اعادہ کی ضرورت ہو تو آفتاب کے طلوع سے پہلے پھر نماز کا اعادہ ہو سکے[1]۔ یعنی طلوع شمس سے تقریباً پون گھنٹہ پہلے وقت مستحب شروع ہو جاتا ہے[2]۔ فقط والجواب صحیح

گرمی میں ظہر کس وقت ادا کریں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نماز ظہر و عصر گرمی میں کس وقت پڑھنی چاہیے۔

جواب

چونکہ بظاہر اکثر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو نماز ظہر کے متعلق وارد ہیں) کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقت ظہر مثل اول تک ہے۔ اس لیے راجح اور محقق و معتمد علیہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز گرمی و سردی میں مثل اول کے اندر پڑھنی چاہیے تاکہ باتفاق الائمہ ظہر کی نماز صحیح ہو۔ لیکن ائمہ حنفیہ کے نزدیک بوجہ ان احادیث کے جو اول وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت میں وارد ہیں، یعنی حدیث ترمذی الاول عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوقت الاول من الصلوٰۃ رضوان اللہ والوقت الآخر عفو اللہ الحدیث ج ص ۴۳[3]، والحدیث الترمذی الآخر سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل قال الصلوٰۃ لاول وقتہا الحدیث[4]۔ تیسری حالت میں

---

۱) وکذا فی جامع الترمذی: عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان للصلوٰة اولاً وآخراً ... وان أول وقت الفجر حین یطلع الفجر وان آخر وقتها حین تطلع الشمس، جامع الترمذی، أبواب الصلوٰة ج ۱ ص ۳۹، ایچ ایم سعید کراچی۔
وکذا فی صحیح مسلم: عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ووقت الفجر ما لم تطلع الشمس، کتاب المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس، ج ۱ ص ۲۲۳، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) وکذا فی جامع الترمذی: عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان للصلوٰة اولاً وآخراً وان أول وقت الفجر حین یطلع الفجر، وان وقتها حین تطلع الشمس، ابواب الصلوٰة، ج ۱ ص ۳۹، ایچ ایم سعید

۳) جامع الترمذی، ابواب الصلوٰة، باب فی الوقت الأول من الفضل، ج ۱ ص ۴۳، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۴) وکذا فی جامع الترمذی: أبواب الصلوٰة، باب فی الوقت الأول من الفضل، ج ۱ ص ۴۲، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

ترمذی کی۔ عن علی کرم اللہ وجهہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا علی ثلث لا تؤخرها الصلوۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوا اور کما قال علیہ الصلوۃ والسلام[1]۔ سردی کے موسم میں نماز ظہر میں تعجیل مستحب ہے۔ ظہر کے وقت کے اول حصہ میں یعنی مثل اول کے اول حصہ میں ظہر کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اور بوجہ ان احادیث کے جو کہ تاخیر ظہر اور ابراد ظہر میں وارد ہیں۔ قولہ علیہ السلام اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوۃ و قولہ علیہ السلام ابردوا بالظہر فان شدۃ الحر من فیح جہنم الحدیث ج ۱ ص ۴۰[2]۔ جو کہ حضرت بلال اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ تیسری حدیث کے آخر کے الفاظ یہ ہیں۔ حتی صار ظل الطلول مثلہ الحدیث[3] گرمی کے موسم میں تاخیر مستحب ہے یعنی مثل اول کے آخر میں پڑھنا مستحب ہے۔ الحاصل حنفیہ دونوں قسم کی حدیثوں پر عامل ہیں تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے گرمی میں ظہر کی نماز کا وقت مذکور ہے[4]۔ اور عصر کی نماز کے متعلق اگرچہ ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثل اول ختم ہونے پر عصر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسری متعدد حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ عصر کا وقت مثل اول کے بعد بہت تاخیر سے شروع ہوتا ہے۔ حتی کہ مثلین کے بعد شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ الکوکب الدری ج ۱ ص ۹۷۔ دوسرے ائمہ کے مذہب کے محققین سے ذکر کرتے ہیں۔ وفی شرح ابی الطیب عن النووی ان الحجرۃ ضیقۃ العرصۃ قصیرۃ بحیث یکون طول جدارها اقل من مساحۃ العرصۃ وعن ابی سعد الشامی معنی قولہ لم یظہر من حجرتها ای لم یصعد السطح قال فعلی هذا تکون العصر واقعۃ بعد المثل بشیء کثیر بل بعد المثلین[5] الخ۔ نیز امام محمد موطا میں امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں جس کے آخر میں امام محمدؒ وقت عصر بعد بحث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قال محمد هذا الحدیث یدل علی ان تاخیر العصر افضل من تعجیلها مادامت الشمس بیضاء نقیۃ لم یخالطها

---

۱) وکذا فی جامع الترمذی، ابواب الصلوۃ، باب فی الوقت الاول من الفضل، ج ۱ ص ۴۲، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) وکذا فی جامع الترمذی: ابواب الصلوۃ باب ما جاء فی تاخیر الظہر فی شدۃ الحر، ج ۱ ص ۴۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) وکذا فی جامع الترمذی: ابواب الصلوۃ، باب ما جاء فی تاخیر الظہر فی شدۃ الحر، ج ۱ ص ۴۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۴) وکذا فی حاشیۃ ابن عابدین: وتاخیر ظہر الصیف مطلقا، کتاب الصلوۃ، مطلب فی طلوع الشمس، ج ۲ ص ۲۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

وکذا فی حاشیۃ ابن عابدین: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اشتد البرد بکر بالصلوۃ واذا اشتد الحر ابرد بالصلوۃ والمراد الظہر۔

ہونے کے بعد سورج کتنی دیر بعد طلوع ہوتا ہے صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتا ہے تجربہ فرما کر درمیان والا وقت گھنٹہ اور منٹ کی شکل میں تحریر فرمائیں تا کہ اختلاف کی خرابی دور کی جاسکے۔

(۳) مزید یہ بھی تحریر فرمائیں کہ جو آدمی عشاء کی نماز فرض جماعت سے ادا نہ کرسکا ہو کیا وہ وتر کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اس کو بہ حوالہ تحریر فرمائیں کیونکہ ایک گروہ کے حضرات کہتے ہیں کہ ہرگز وتر کی جماعت میں شامل نہیں ہونا چاہیے واضح فرمائیں۔

﴿ج﴾

(۱) ائمہ کرام کتب فقہ میں اس قدر لکھتے ہیں کہ عشاء کا وقت غیوبۂ شفق کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور شفق کے بارے میں امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک شفق احمر کی غیوبۃ پر عشاء کا وقت ہوتا ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک شفق ابیض کی غیوبۃ پر شروع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ قول امام اعظمؒ پر عمل کرنا احوط ہے۔ گھنٹہ اور گھڑی کا حساب کتب فقہ میں نہیں یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے کہ غروب آفتاب کے کتنی دیر بعد سپیدی شفق کی غائب ہوتی ہے سو اس کی مقدار اہل تجربہ کے لکھنے کے موافق شفق ابیض غروب آفتاب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد غائب ہوتا ہے[۱] اور اس میں صیف وشتاء میں چند منٹ کا تفاوت ہوتا ہے اور صاحبینؒ کے مذہب کے موافق بارہ منٹ پہلے وقت عشاء کا ہوتا ہے کیونکہ تفاوت بین شفق احمر وابیض بارہ منٹ کا ہے۔ **کما فی الشامی قدمنا قریبا ان التفاوت بین الشفقین بثلاث درج کما بین الفجرین ج ۱ ص ۳۲۶ ۔** الخ۔ اور ایک درجہ ۴ منٹ کا ہے پس تین درجے بارہ منٹ کے مساوی ہوئے۔ کذا فی فتاویٰ دارالسلام[۲]۔

(۲) نقشوں کے بارے کچھ معلومات مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ۵ یا دارالسلام کراچی سے کرلیں۔

(۳) جماعت وتر میں شریک ہوسکتا ہے[۳]۔ **کذا صرح الطحاوی**۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) کذا فی الهداية: واول وقت العشاء اذا غاب الشفق وآخر وقتها ما لم يطلع الفجر الثاني، كتاب الصلوة، باب المواقيت، ج ۱ ص ۸۲، شركت علميه بيروت۔

وكذا في الهداية: ووقت المغرب منه الى غيبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى، ج ۱ ص ۵۱، هكذا في شرح الوقاية، وعند ابي حنيفة الشفق هو البياض الذي يلي الحمرة۔

۲) وكذا في در المختار: كتاب الصلوة، مطلب في صلوة الوسطى، ج ۱ ص ۳۶۱، ايچ ايم سعيد كراچي۔

۳) وكذا في در المختار: ولو ترك الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة، لأنها تبع الخ، له أن يصلي الوتر معه، باب الوتر والنوافل، ج ۲ ص ۴۸، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔

وكذا في الفتاوى العالمكيرية: الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ج ۱ ص ۱۱۶، طبع رشيديه كوئٹه۔ وكذا في البحر الرائق: باب الوتر والنوافل، ج ۲ ص ۱۲۳، طبع رشيديه كوئٹه۔

مغرب کے ایک گھنٹہ بعد عشاء کی اذان

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام:

(۱) غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد عشاء کی اذان کہی اور اس کے چار پانچ منٹ بعد عشاء کی نماز پڑھ لی۔ کیا اذان اور نماز صحیح اور جائز ہے یا نہیں۔

(۲) غروب آفتاب کے سوا گھنٹہ بعد عشاء کی نماز پڑھ لی جبکہ اذان اس سے پانچ دس منٹ قبل دی تھی کیا دونوں جائز ہو گئیں یعنی صحیح وقت پر ہوئیں یا نہ ہوئیں۔

(۳) عشاء کی اذان غروب آفتاب کے سوا گھنٹہ بعد ہوئی اور اس کے پندرہ منٹ بعد نماز عشاء پڑھی۔ کیا اذان صحیح وقت میں ہوئی نیز اگر عشاء کی نماز غروب آفتاب کے بعد سوا اور ڈیڑھ گھنٹہ کے درمیان وقت میں پڑھی تو جائز ہوئی یا نہ۔

(۴) کیا عام ٹیکہ (انجکشن) اور رگ کا ٹیکہ دونوں مفسد روزہ ہیں یا نہ براے کرم جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ج﴾

(۱،۲) ان دونوں صورتوں میں امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نماز ادا نہیں ہوئی البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نماز ہو گئی۔

(۳) اس صورت میں سب کے نزدیک نماز ادا ہو گئی۔

(۴) انجکشن کسی قسم کا ہو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

وقت ختم ہونے پر اقتداء کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین در یں مسئلہ کہ کسی زید نے سورج غروب ہونے سے قبل نماز عصر شروع کی۔ دو رکعتیں پڑھیں تو سورج غروب ہو گیا تو خالد نے چار رکعت نماز عصر اقتداء زید کے شروع کر دی۔ تو ایک مولوی صاحب نے کہا زید کی نماز درست ہے۔ اور خالد کی نماز درست نہیں یعنی چونکہ سورج غروب ہو گیا اور عصر کا وقت نہ رہا۔ لہذا خالد کی نماز فاسد ہو گئی دوسرے مولوی صاحب نے کہا کہ دونوں کی درست ہے۔ بموجب اس عبارت کے و من صلى ركعتين من العصر فغربت الشمس فجاء انسان اقتدا به فى الاخرين

(الجوهرة النيرة ص ۳۰۔ اب عشاء سے اشتباہ ہے۔ مغرب کی نماز ہوئی یا نہ)۔

﴿ج﴾

الجوهرة النیرہ کی یہ عبارت صحیح ہے۔ راقم کے سامنے جوہرہ کا جو نسخہ ہے اس کے صفحہ ۳۲ پر موجود ہے۔ ابن عابدین شامی نے بھی جوہرہ کے حوالے سے بعینہٖ یہ نقل کیا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

شرائط اقتداء میں سے اتحاد نماز بھی ہے۔ كما في الدر المختار وشرط صلوة المؤتم بالامام بشروط عشرة نية المؤتم الاقتداء واتحاد مكانهما واتحاد صلوتهما ج ۱ ص ۲۰۰[1]۔ صورتِ مسئولہ میں دونوں کی نماز عصر اسی روز کی ہے۔ اس لیے واحد ہے اور اس قدر اختلاف اقتداء کا مانع نہیں ہے۔ قال في البحر والاتحاد ان يمكنه الدخول في صلوته بنية صلوة الامام فتكون صلوة الامام متضمنة لصلوة المقتدى۔ (شامی ج ۱ ص ۴۰۲)[2]

اس مسئلہ کی نظیر وہ مسئلہ بھی ہے جس میں ظہر کی نماز صاحبین کے قول پر عمل کرنے والے یعنی ایک مثل پر پڑھنے والے کی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرنے والے یعنی دو مثل پر پڑھنے والے کے پیچھے

---

(۱) كذا في الهداية: وأول الوقت العشاء اذا غاب الشفق وآخر وقتها ما لم يطلع الفجر، كتاب الصلوة، باب المواقيت، ج ۱ ص ۸۲، شركت علميه ملتان۔
وكذا في الهندية: ووقت المغرب منه الى غيبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى، ج ۱ ص ۵۱۔
هكذا في شرح الوقاية: وعند أبي حنيفة رحمه الله تعالى فالشفق هو البياض الذي يلي الحمرة۔
وفي امداد الفتاوى: غروب سے ۱ گھنٹہ کے بعد عشاء کا وقت آجاتا ہے اس لیے کہ اس میں شفق ابیض کا اعتبار کیا گیا ہے اس لیے اس صورت میں وہی تحریر ہونی چاہیے عشاء کا اتفاقی وقت ۱ گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے اس لیے عشاء کی نماز اور اذان ۱ گھنٹہ کے بعد مناسب ہے۔ امداد الفتاوی، کتاب الصلوة، باب المواقیت، ج ۱ ص ۱۵۰، مکتبہ دار العلوم کراچی۔
(۲) كذا في الهداية وأول الوقت العشاء اذا غاب الشفق وآخر وقتها ما لم يطلع الفجر، كتاب الصلوة، باب المواقيت، ج ۱ ص ۸۲، شركت علميه ملتان۔
وكذا في الهندية: ووقت المغرب منه الى غيبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى، ج ۱ ص ۵۱۔
وكذا في شرح الوقاية وعند ابي حنيفة الشفق هو البياض الذي يلي الحمرة۔
وكذا في امداد الفتاوى، ج ۱ ص ۱۵۰، كتاب الصلوة باب المواقيت، مكتبه دار العلوم كراچی۔
(۳) وكذا في الدر المختار: أو ادهن أو اكتحل ولو وجد طعمه في حلقه ... وكذا لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ج ۲ ص ۳۹۵-۳۹۶، ايچ ايم سعيد كراچی۔

مغرب شتاء (سردیوں میں سورج کے غروب ہونے کی جگہ) رخ کرنا کافی ہے اللہ جل شانہ کا ہم بندوں پر کتنا بڑا فضل ہے کہ دور رہنے والوں کے لیے صرف جہت کو رخ کرنا کافی سمجھا ورنہ ہم کتنی بڑی مشقت میں پڑ جاتے۔ اور ہمارے سمت قبلہ کی دلیل عہد صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کی بنا کردہ محرابیں ہیں، اس کے خلاف دقائق علم نجوم وفلکیات پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ اس پر رب تعالیٰ نے ہمیں مکلف کیا ہے۔ قال فی الدر المختار ج ۱ ص ۷ ۳۱ وتعرف بالدليل وهو فی القرى والامصار محاريب الصحابة والتابعين و فی المفاوز والبحار النجوم كالقطب والافمن الاهل۔ اور اس جہت کا فرق دور کے شہروں میں معمولی سے تفاوت سے واقع نہیں ہوگا۔ لہٰذا آپ اپنے دل سے شک وشبہ کو بالکل نکال دیں۔ اور اسلاف کرام کے عہد وزمانہ کی بنا کردہ مساجد کی محرابوں کی سمت کی طرف نماز ادا کرلیا کریں۔ اس میں بہت بڑی وسعت اور گنجائش ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

معذور ضعیف امام کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے امام مسجد صاحب بالکل ضعیف اور نابینا ہیں۔ جماعت کراتے وقت جب سجدہ کرنے کے بعد دوسری رکعت کے قیام کے لیے اٹھتے ہیں تو ان کا رخ قبلہ کی سمت سے ہٹ جاتا ہے اس صورت میں امام اور مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ الحاج شیخ محمد عالمگیر محلہ ڈیرہ عالم شاہ ملتان

﴿ج﴾

تھوڑے سے انحراف سے استقبال قبلہ میں کچھ فرق نہیں آتا اس صورت میں نماز امام اور مقتدیوں کی درست ہوگی[2]۔ فقط واللہ اعلم

قبلہ کا تعین قطب نما یا قطب ستارے سے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج کل جو مساجد کی بنیاد رکھتے ہیں آیا اس کی بنیاد قطب نما آلہ

---

۱) كذا فی الدر المختار: مبحث استقبال القبلة، ج ۲ ص ۱۳۸، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) كذا فی رد المحتار: والحاصل أن المراد بالتيامن والتياسر الانتقال عن عين الكعبة الخ لكن وقع فی كلامهم ما يدل على أن الانحراف لا يضر الخ، كتاب الصلوة، مبحث فی استقبال القبلة، ج ۲ ص ۱۳۸، طبع رشيديه كوئٹه۔

سے رکھی جائے یا قطب ستارہ کو دیکھ کر کیونکہ لوگ ان دونوں کے درمیان فرق جانتے ہیں۔ تقریباً دونوں کا فرق ہے تو اب مساجد کی تعمیر قطب نما آلہ کو دیکھ کر رکھیں یا کہ قطب ستارہ کو۔

(ج)

سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے کام لینا سلف صالحین کا طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی شریعت نے اس کا حکم دیا ہے۔ بلکہ طریقہ معروفہ سلف یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدیمہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جاوے۔ جہاں نہ ہوں وہاں شرعی طریقہ جو سنت صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

وہ یہ ہے کہ شمس وقمر اور قطب تارہ وغیرہ کے مشہور و معروف ذرائع سے اندازہ کر کے سمت قبلہ متعین کر لی جائے[1]۔ اگر اس میں معمولی میلان و انحراف بھی رہے تو اس کو نظر انداز کیا جاوے کیونکہ حسب طریقہ صاحب بدائع ان بلاد میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ کے ہے۔ اور اس پر احکام دائر ہیں۔ **ونصه ولانهم جعلوا عين الكعبة قبلة في هذه الحالة بالتحري وانه مبني على مجرد شهادة القلب من غير امارات والجهة صارت قبلة باجتهادهم المبني على الامارات الدالة عليها من النجوم والشمس والقمر وغير ذلك**... ج۱ ص۱۱۸[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قصداً نماز چھوڑنے والے کا حکم

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جو شخص قصداً ایک نماز قضاء کرے۔ امام محمد بن حنبل کے فتویٰ کے مطابق وہ کافر اور امام شافعی اس کے قتل کا حکم دیتے ہیں۔ اور امام اعظم اس کے ہمیشہ قید رکھنے کو واجب جانتے ہیں۔ یہ تو ایک نماز چھوڑنے کا فتویٰ ہے۔ جو شخص ہمیشہ نہ پڑھے یا کئی سالوں تک نہ پڑھے اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے اور اس کے ساتھ کافروں کا سا معاملہ کیا جائے یا کیا۔ بینوا توجروا۔

(ج)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ترک صلوٰۃ بدون انکار فرضیت کفر یا موجب قتل نہیں ہے۔ اس کے

---

۱) كذا في الدر المختار: وتعرف بالدليل وهو في القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب والا فمن الأهل، مبحث في استقبال القبلة، ج ۲ ص ۱۳۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) كتاب البدائع والصنائع: كتاب الصلوة، فصل في شرائط الأركان، ج ۱ ص ۱۱۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

ساتھ کفار کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرنا فرض ہے[۱]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بے نمازی کے لیے کفر کا فتویٰ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زید نے فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کی قربانی ناجائز ہے کیونکہ اس کے نزدیک نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق صرف نماز کا ہے۔ لہٰذا نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے۔ اور کافر کا کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ لہٰذا اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

اگرچہ نماز ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے[۲] لیکن تارک صلوٰۃ بنا بر مذہب جمہور کافر نہیں ہوتا[۳]۔ لہٰذا تارک نماز کی قربانی جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) کما فی تفسیر المظھری: أجمع الامة علی أنها فریضة قطعیة یکفر جاحدها، وأما تارك الصلوة عمداً وقال أبوحنیفةؒ لا یقتل لکن یحبس أبداً حتی یموت أو یتوب، مسئلة الصلوة فریضة قطعیة یکفر جاحدها وهل یکفر تارکها بغیر عذر، تحت قوله تعالیٰ: حافظوا علی الصلوات، ج ۱ ص ۳۳٤، مکتبه بلوچستان بك ڈپو کوئٹه۔

هکذا فی التنویر الأبصار مع الدر المختار: وتارکها عمداً مجانةً أی تکاسلاً فاسق یحبس حتی یصلی ـــــ وقیل یضرب حتی یسیل منه الدم، کتاب الصلوة، ج ۱ ص ۳۵۲، طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔

ومثله فی الشامیة: وقال أصحابنا فی جماعة منهم الزهری لا یقتل بل یعزر ویحبس حتی یموت أو یتوب، کتاب الصلوة، ج ۱ ص ۳۵۲، سعید کراتشی۔

۲) کما فی التنویر الأبصار: وتارکها عمداً مجانةً أی تکاسلاً فاسق یحبس حتی یصلی کتاب الصلوة، ج ۱ ص ۳۵۲، سعید کراتشی۔ هکذا فی الشامیة: ج ۱ ص ۳۵۲، سعید کراتشی۔

ومثله فی تفسیر المظهری: تحت قوله تعالیٰ حافظوا علی الصلوات، ج ۱ ص ۳۳٤ بلوچستان بك ڈپو کوئٹه۔

۳) کما فی فتح الباری تحت الحدیث من ترك الصلوة متعمداً فقد کفر، وتمسك بظاهر الحدیث أیضاً الحنابلة ومن قال بقولهم من أن تارك الصلوة یکفر ـــــ وأما الجمهور فتأولوا الحدیث ـــــ فقیل المراد من ترکها جاحداً لوجوبها او معترفاً لکن مستخفاً مستهزئاً بمن أقامها، کتاب مواقیت الصلوة، باب من ترك العصر، ج ۲ ص ٤۱، قدیمی کتب خانه کراچی۔

کیا تارکِ نماز کافر ہے

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز ترک کرتا ہے آیا وہ مطلق کافر ہے یا مسلمان ہے۔

﴿جواب﴾

تارک الصلوٰۃ عمداً کے باب میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت معاذ بن جبل، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین اور غیر صحابہ میں سے امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، نخعی، ایوب سختیانی، ابوداؤد الطیالسی، ابوبکر ابن ابی شیبہ کا قول ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ اور حماد بن زید، مکحول، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جاوے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں دیا جاتا مگر قید شدید میں رکھنا چاہیے۔ اور خوب سزا دینا چاہیے۔ اور اس قدر ماریں کہ جان سے خون بہنے لگے۔ یہاں تک کہ توبہ کرلے۔ یا اسی حالت میں مرجائے۔ (تفسیر مظہری[1]، نفع المفتی[2]، درمختار[3]) اور اس سے اختلاط، خورد و نوش و گفتگو ترک کر دینا چاہیے۔ کہ اس وقت بوجہ عجز کے اسی قدر ممکن ہے۔ اور جس کی غرض بھی یہی ہے کہ تنگ ہو کر توبہ کرلے۔ (حدیث کعب بن مالک کی اس باب میں دلیل ہے[4]) (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۲۴)[5]

تارکِ نماز کے نیک اعمال

﴿سوال﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید ہر کام دین کے مطابق کرتا ہے صرف نماز نہ پڑھتا ہے

---

(۱) کتاب تفسیر مظہری: تحت قولہ تعالی: حافظوا علی الصلوات الخ، مسئلۃ الصلوۃ مرتبۃ وقطعیۃ الخ، بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ۔

(۲) نفع المفتی والسائل. کتاب الصلوۃ، ص ۱۷۲، طبع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ۔

(۳) الدر المختار، کتاب الصلوۃ، ج ۱ ص ۳۵۲، سعید کراتشی۔
ومثلہ فی الشامیۃ: کتاب الصلوۃ، ج ۱ ص ۳۵۲، سعید کراتشی۔

(۴) البخاری شریف، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ج ۲ ص ۶۳۴، قدیمی کراتشی۔

(۵) امداد الفتاوی: مسائل متفرقہ متعلقہ بکتاب الصلوۃ، ج ۱ ص ۵۲۴، دار العلوم کراتشی۔

چھوڑتا ہے۔ زید اور کام جو کرتا ہے اس کو ثواب سمجھتا ہے علمائے کرام کی کیا رائے ہے۔

ج

نماز چھوڑنے والا شخص گنہگار ہے جو شخص عمداً فرض نماز ترک کرتا ہے اس کے متعلق علمائے دین کا اختلاف ہے۔ اکثر صحابہ کرام مثلاً حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت جابر، حضرت ابودرداء، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کا مذہب نیز ائمہ دین میں سے امام احمد ابن حنبل، اسحاق ابن راہویہ، ابراہیم نخعی، ابوبکر ابن ابی شیبہ، ایوب السختیانی اور ابوداؤد طیالسی رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ دائرہ اسلام سے الگ ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس کو بجائے ارتداد قتل کیا جاوے۔

حضرت امام شافعی، امام مالک، حماد بن زید اور مکحول رحمہم اللہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ کافر تو نہیں ہوتا لیکن اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو حاکم اسلامی قتل کر دے۔ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب سب سے اسہل ہے وہ یہ ہے کہ قتل کیا جاوے، نہ اسلام سے خارج۔ مگر حاکم وقت اس کو قید شدید میں رکھے اور خوب مارے حتی کہ بدن سے خون نکل آوے، یہاں تک کہ یا تو وہ توبہ کر لے یا اسی حالت میں مر جائے[1]۔ اس سے اختلاط وغیرہ تعلقات بند کیے جاویں۔

یہ ہے اصل حکم اسلام میں نماز چھوڑنے والے کا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں لوگوں نے نماز میں جو تساہل اختیار کیا وہ تو حد تکفر و اعراض کو پہنچ چکا ہے جو سب کے نزدیک موجب کفر ہے[2] لہٰذا اس شخص کو چاہیے کہ نماز ضرور

---

۱) كما في تفسير المظهري: أجمع الامة على أنها فريضة قطعية يكفر جاحدها، وأما تارك الصلوة عمداً وقال أبو حنيفة لا يقتل لكن يحبس أبداً حتى يموت أو يتوب، مسئلة الصلوة فريضة قطعية يكفر جاحدها، ج ١ ص ٣٣٤، مكتبه بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔
ومثله في التنوير الأبصار مع الدر المختار: وتاركها عمداً مجانة أي تكاسلاً فاسق يحبس حتى يصلي ـــ وقيل يضرب حتى يسيل منه الدم، كتاب الصلوة، ج ١ ص ٣٥٢، طبع ايچ ايم سعيد كراتشي۔
ومثله في الشامية: كتاب الصلوة، ج ١ ص ٣٥٢، سعيد كراتشي۔

۲) لما في فتح الباري تحت الحديث من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر، وتمسك بظاهر الحديث أيضاً الحنابلة ومن قال بقولهم من أن تارك الصلوة يكفر ـــ وأما الجمهور فتأولوا الحديث ـــ فقيل المراد من تركها جاحداً بوجوبها او معترفاً لكن مستخفاً مستهزئاً بمن أقامها، كتاب مواقيت الصلوة، باب من ترك العصر، ج ٢ ص ٤١، قديمي كتب خانه كراچي۔
ومثله في التنوير الأبصار مع الدر المختار: هي فرض عين على كل مسلم ويكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، كتاب الصلوة، ج ١ ص ٣٥١، سعيد كراتشي۔
ومثله في فتح القدير: من أنكر شرعيتها كفر بلا خلاف، كتاب الصلوة، ج ١ ص ١٩١، رشيديه كوئٹه۔

بروقت پڑھے اور حلال کمائی کھائے اور گزشتہ نمازوں کی قضا کرے تو اللہ تعالیٰ سے کامل امید ہے کہ ان کو بخش دے گا۔ بہر حال حنفیہ کے ہاں کافر نہیں [1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بے نمازی کے لیے حکومت کی سزا کی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ اگر حکومت وقت ایک آرڈیننس کے ذریعے یہ حکم جاری کردے کہ ہر مسلمان بالغ پاکستانی سے نماز پر سختی سے عمل کروایا جائے گا۔ جو مسلمان پاکستانی اس پر عمل نہیں کرے گا تو اس کو کوڑوں کی یا جرمانہ یا قید بامشقت کی سزا دی جائے گی۔ کیا حکومت کو ایسی سزا دینے کا اسلام کے مطابق حق حاصل ہے۔

﴿ج﴾

قصداً نماز چھوڑنے والے کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حکم ہے کہ ایسے شخص کو قید شدید میں رکھنا چاہیے اور خوب سزا دینا چاہیے اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مرجائے۔ تفسیر مظہری (2) والعلیق المغنی والدر المختار و امداد الفتاوی ج ۱ ص ۳۴۳ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نماز کی نیت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں سنت چار کی یا دو رکعات کی نیت کس طریقہ کرنا اولیٰ ہے۔

(۱) یک یہی است ۔ نیت کردم ادا بکنم چہار رکعات سنت سنت رسول اللہ بوقت نماز ظہر روبطرف قبلہ اللہ اکبر۔

---

1) کما فی تنویر الأبصار: وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة، کتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت، ج ۲ ص ۶۲۳، رشیدیہ۔

2) راجع فی تفسیر المظهری: تحت قوله تعالی حافظوا علی الصلوات، ج ۱ ص ۳۳۴ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
امداد الفتاوی: مسائل منثورہ متعلقہ بکتاب الصلوة ج ۱ ص ۶۴۹، دار العلوم کراتشی۔

(۲) دیگر نیت این است نیت کردم ادا سیکنم چہار رکعات سنت وسنت محمد تعالیٰ وقت نماز ظہر رو بطرف قبلہ اللہ اکبر۔

(۳) دیگر نیت۔ نیت کردم ادا میکنم چہار سنت وقت نماز ظہر مختص اللہ اکبر۔

ان تینوں میں سے کون کی نیت بہتر ہے۔

﴿ج﴾

سب سے بہتر نیت سنت نماز کی یہ ہے کہ نماز پڑھتا ہوں چار رکعات یا دو رکعات سنت مؤکدہ ظہر کی یا عصر کی رو بطرف قبلہ اللہ اکبر[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نماز جنازہ کی نیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نماز جنازہ کی نیت کس طرح کرنی چاہیے۔
ایک شخص کہتا ہے کہ نماز جنازہ کی نیت اس طرح کرنی چاہیے۔ کہتا ہے کہ نیت کرتا ہوں نماز کی نماز پڑھتا ہوں واسطے خدا کے اور کہتا ہے کہ نماز جنازہ کی نیت میں یہ الفاظ کہنا بھی ضروری ہے کہ بندگی خاص خدا تعالیٰ کی۔ کیا ایسا کہنا ضروری ہے کہ بندگی خاص خدا تعالیٰ کی۔

﴿ج﴾

نماز جنازہ ہو یا کوئی اور نماز۔ زبان سے نیت کرنا مستحب ہے ضروری نہیں ہے۔ اور یہ لفظ زبان سے کہنا کہ بندگی خاص خدا تعالیٰ کی ضروری نہیں ہے کیونکہ بندگی ہوتی ہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ہر مومن مسلمان اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ زبان سے اس لفظ کا کہنا کوئی ضروری نہیں۔ دل کی نیت بھی کافی ہے۔

واللہ اعلم محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

---

۱) کما فی فتح القدیر: (قوله اما الذکر باللسان فلا معتبر به) ای فی کونه شرطاً لصحة الشروع و یحسن الذکر باللسان لأن یجتمع عزیمة قلبه والعزیمة عقد القلب علی ما یعمل، کتاب الصلوٰۃ باب شروط الصلوٰۃ تتقدمها، ج ۱ ص ۲۳۲، رشیدیه۔

ومثله فی فتاوی الملکوتی: وفی السنة یعنی السنة، کتاب الصلوٰۃ، التشریع للاٰتی فی النیة، ج ۱ ص ۲۲۹، حلیمیه کوئٹه۔

ومثله فی جامع الرموز: ولغیرهما (ای السنة والنفل) اللهم انی ارید الظهر، کتاب الصلوٰۃ، شروط الصلوٰۃ، ج ۱ ص ۱۲۷، سعید کراتشی۔

﴿ج﴾

تجوید و قرأت تفسیر و فقہ، صرف و نحو، لغت و ادب۔ ان تمام فنون کے علماء و فضلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ضاد صحیحہ فصیحہ رخوہ کا صحیح و مجرد تلفظ یہ ہے کہ نہ یہ عین دال ہے۔ نہ مشابہ بالدال اور نہ ہی عین ظاء معجمہ ہے۔ بلکہ مشابہ و مقارب ظاء معجمہ [1] ہے۔ پس یہ صوت و سمع میں ظاء کے متقارب ہے۔ چنانچہ کتب تجوید میں مرقوم ہے۔ الضاد یشبه لفظها للفظ الظاء (کہ ضاد کا تلفظ ظاء کے مشابہ ہے) ولو لا الاستطالة و اختلاف المخرجين لكانت ظاء [2]۔ (کہ اگر ان دونوں حرفوں میں استطالت و مخرج کا فرق نہ ہوتا تو یہ دونوں ایک ہی ہوتے) پس اس حرف کو عمداً و عناداً باوجود قدرت علی الاداء الصحیحہ عین دال یا مشابہ بالدال پڑھنا بلاشبہ موجب اثم مفسد صلاۃ و تحریف فی القرآن و ارتکاب حرام ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں ہے۔ وان تعمد ذلك تفسد صلاته [3] (کہ اگر قصداً ضاد کو عین دال وغیرہ پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی) اور اگر صحیح تلفظ پر قدرت نہ ہو اور ماہر و قاری کے حکم سے وہ شخص معذور ہو تو پھر عام فقہاء نے گنہگار ہونے اور نماز کے فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا۔ ملاحظہ ہو منیۃ [4] المصلی۔ فتاویٰ حجت [5]۔ اسح الفقہ کیہ اور عرب کے تلفظ مشابہ بالدال سے استدلال بدیں وجوہ درست نہیں کہ کتب متقدمین اہل عرب صحیح صریح و فصیح۔ اس کے خلاف پر دال ہیں۔ نیز آج کل اختلاط عجم

---

۱) كما في تفسير روح المعاني: والفرق بين الضاد والظاء مخرجاً أن الضاد مخرجها من اصل حافة اللسان وما يليها من الأضراس من يمين اللسان أو يساره ومنهم من يتمكن من أخرجها منهما، والظاء مخرجها من طرف اللسان وأصول الثنايا العليا، واختلفوا في ابدال احداهما بالاخرى هل يمتنع وتفسد به الصلوة أم لا، فقيل تفسد قياساً ـــ وقيل لا تفسد استحساناً ـــ وقال جمع اذا أمكن الفرق بينهما ـــ والا فلا يعسر التميز بينهما خصوصاً على العجم وقد أسلم كثير منهم في الصدر الأول ولم ينقل عنهم حثهم على الفرق ـــ ينبغي ان يحول عليه ويفتي به، ج ۳ ص ۶۱، طبع مصر۔

۲) كما في رسالة نهاية القول المفيد في علم التجويد، بحواله جواهر الفقه، (مفتی محمد شفیع رحمه الله تعالى) أن الضاد والظاء المعجمتان اشتركا جهراً ورخاوةً واستعلاء، واطباقاً وافترقا مخرجاً ـــ أن هذين الحرفين أعني الضاد والظاء متشابهان في السمع ـــ ولو لا هما لكانت أحداهما عين الأخرى، ص ۵۸، طبع مصر۔

۳) در المختار: كتاب الصلوة، مسائل زلة القاري، ج ۱ ص ۶۳۳، سعيد، (وفيه ايضاً) والقاعدة عند المتقدمين أن ما غير المعنى تغيراً يكون اعتقاده كفراً يفسد في جميع ذلك، كتاب الصلوة، مسائل زلة القاري، ج ۱ ص ۶۳۱، سعيد۔

۴) ان كان يجتهد آناء الليل و أطراف النهار في الصحيح ولا يقدر عليه فصلوته جائزة وان ترك جهدة تفسد صلوته حلبی الكبير، شرح منية المصلى كتاب الصلوة، زلة القاري، ج ۱ ص ۴۸۲، سعيدی کوئٹه۔

۵) كتاب دستياب نهيں۔

سے عرب کی زبانوں میں انقلاب، تغیر اور فساد ظہور پذیر ہو چکا ہے۔ چنانچہ غیر قرآن میں غالباً اور قرآن میں قلیلاً حروف عجمیہ (گ پ چ) اور بعض حروف عربیہ غیر مطلوبہ (مثلاً ثاء کے بجائے تا اور ظاء کے بجائے دال) ادا کرتے ہیں۔ جو کسی طرح بھی درست نہیں۔ نیز آج کل کے عرب میں دینداری اور تقویٰ بھی معدوم کی گئی ہے۔ تو اس صورت میں ان کے نقل و تلفظ سے حجت نہ پکڑنا اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ نیز مدینہ کے شیخ القراء شیخ حسن شاعر کے فتویٰ میں اس حرف کو "اقرب الی الظاء" لکھا ہے۔ اور دال وغیرہ کے تلفظ کو انہوں نے غلط قرار دیا ہے۔ نیز حدیث میں ہے۔ لا فضل للعرب علی العجم الا بتقوی الله او کما قال[1]۔ اور لحون عرب سے لحون صحیحہ و فصیحہ مراد ہیں۔ جو آج کل مفقود ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آج کل مدار صحت و معیار درستگی متقدمین کا کلام ہے۔ جو غیر متبدل ہے۔ اور ویسے بھی جب عمل و قول میں تخالف ہو تو قول کو لیا جاتا ہے کیونکہ فعل میں احتمال عذر و خصوصیت ممکن ہے اور کتابوں کا درجہ بھی قول ہی کا ہے[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ض۔ ظ۔ د کی ادائیگی کا طریقہ

(س)

عرض ہے کہ آپ چونکہ تمام پاکستان میں مستند مفتی ہیں اور عوام کیا تمام علماء پاکستان کا آپ پر اعتماد ہے۔ لہٰذا اہالیان بہادر خیل فی الحال مسئلہ ضاد میں مختلف ہو گئے ہیں۔ قدیم زمانہ سے لوگ و لا الضوالین یا و لا الدالین پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے تمام آباؤ اجداد سے یہ قرأت چلی ہے و لا الدوالین چلا آ رہا ہے۔ اب ایک مولوی صاحب و لا الظالین پڑھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ و لا الضوالین سے و لا الظالین بہتر ہے۔ جبکہ ضاد کو اصلی مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ اب آپ معتبر کتب فقہ و تفاسیر سے مضبوط فتویٰ مفصل اس بارے میں ارسال کیجیے۔ آیا و لا الدوالین اچھا ہے یا و لا الظالین۔ شرح فقہ میں جو ملا علی قاری صاحب نے یہ عبارت نقل کی ہے۔ کہ سئل الامام الفضولی ۔۔۔ الخ۔ کی توجیہ بھی فرما دیجیے۔ بینوا توجروا۔

---

۱) مجمع الزوائد ج ۸ ص ۸۶، رقم الحدیث: ۱۳۷۹۰۔

۲) هكذا نقله في رسالة نهاية القول المفيد في علم التجويد، بحواله جواهر الفقه، (مفتی محمد شفیع رحمه الله) ان الضاد والظاء المعجمتان اشتركتا جهراً ورخاوة واستعلاء واطباقاً وافترقتا مخرجاً ... ان هذين الحرفين أعني الضاد والظاء متشابهان في السمع ولا تفترق الضاد عن الظاء الا باختلاف المخرج ... ولولاهما لكانت احداهما عين الأخرى فالضاد أعظم كلفة واشق على القارئ من الظاء وحتى لو قصر القارئ في تجويد الظاء جعلها ضاداً انتهى، ص ۸۰، مطبوعه مصر (مذکورہ دونوں کتابوں کی عدم موجودگی میں یہ حوالہ نقل کیا گیا ہے)۔

﴿ج﴾

(الف) قراء مجودین کا اس پر اجماع ہے کہ اگر ضاد معجمہ کو اس کے مخرج معلوم (زبان کی آخری کروٹ اور اوپر کی داڑھوں کی جڑ) سے مع جمیع صفات ذاتیہ مقررہ عند القراء (جہر رخوت استعلاء اطباق۔ اصمات۔ استطالت) ادا کیا جائے گا اس طرح کہ زبان کی نوک نچلا علیا (سامنے والے اوپر کے دو دانتوں) کی نوک اور جڑ سے جدا رہے۔ اور اس کی آواز بلند و جہوری لطیف و نرم۔ سطحی۔ بطنی و مصمت بتدریج شروع مخرج سے ختم مخرج تک مستطیل و ممتد ہو تو یہ صرف سمع و ادا میں مشابہ بالظاء المعجمہ ہوگا۔ نہ کہ عین ظاء یا عین دال یا عین دواد۔ یا ان کے مشابہ اور یہ تشابہ محض سمعی اور لفظی ہوگا۔ بوجہ اشتراک و اکثر صفات نہ از مشترکہ ذاتی تخرجی بھی۔ کیونکہ ان میں تخالف تخرجی موجود ہے۔ ان دونوں حروف کے تشابہ کے چند دلائل یہ ہیں۔

(۱) وحقیقۃ النطق بالضاد ان تخرجها من حافتی اللسان او احداهما و مایحاذیها من الاضراس العلیا. ولتعطی لها صفاتها. فهذا حقها. ویشبه صوتها صوت الظاء المعجمة بالضرورة اه (حقیقۃ التجوید للشیخ محمد صدیق الرمانی ص ۳۶ مطبوعہ علی گڑھ)

(۲) فان لطقت بالضاد المعجمة بمخرجها و صفاتها فیشبه صوتها صوت الظاء المعجمة بالضرورة اه۔ (اتحاف العباد للشیخ محمد نمر الخطیب ص ۱۲ انبر ۲ طبع مصر)

(۳) ان هذین الحرفین متشابهان فی السمع ولاتفترق الضاد عن الظاء الا باختلاف المخرج والاستطالة فی الضاد ولولا هما لكانت احداهما عین الاخری اه. (جهد المقل للعلامة المرعشی نقلاعن الرعایه للمکی)

(۴) انا نجد اعراب الشام وما حولها ینطقون بالضاد فیحسبها السامع ظاء لشدة قربها منها وفیه بحث طویل اه۔ حاصل یہ کہ امام فضلی کا یہ قول اجماعی و اتفاقی نہیں بلکہ زلۃ للفضلی اور خطاء کی صورت میں تبدیل الضاد بالظاء کو موجب عدم جواز امامت (موجب عدم صحت صلوۃ) قرار دیا اکثر مشائخ متأخرین کے قول کے خلاف ہے۔ کیونکہ فقہاء حنفیہ کی تمام کتب فقہیہ معتبرہ کے باب زلۃ القاری میں مرقوم ہے۔

والاصل انه ان ذكر حرفا مكان حرف وغیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین بلا كلفة كالصاد مع الطاء بان قرا (الطالحات) مكان (الصالحات) فسدت صلاته عند الكل وان لم یمكن الفصل بینهما الا بمشقة كالضاد مع الظاء والصاد مع السین والطاء مع التاء.

ہے۔ اور ضاد حافۂ لسان یعنی زبان کی کروٹ داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے۔ جبکہ اضراس علیا یعنی اوپر کی داڑھوں کی جڑوں سے لگا دیں اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے۔ مگر بہت مشکل ہے اور اس حرف کو مستطیلہ کہتے ہیں۔ اور اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں۔ اس لیے کسی مشاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے۔ اس حرف کو اکثر لوگ پر باریک دال کے مشابہ جیسا کہ آج کل لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اسی طرح خالص ظاء پڑھنا بھی غلط ہے۔ البتہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح صورت پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کرکے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔ دال سے مشابہ بالکل نہیں ہوتی۔ علم تجوید وقرأت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔

اور تفسیر عزیزی پ ۳۰ (سورۃ التکویر) پر ہے: وفرق درمیان مخرج ضاد و ظاء بسیار مشکل است اکثر خوانندگان این دو حرف را یکساں برآرند و در مقام ضاد ظا میخوانند و در مقام ظا ضاد مخرج این ہر دو حرف را جدا جدا شناختن قاری قرآن را ضرور است الخ

اور جہد المقل میں ہے۔ الضاد والظاء والذال المعجمات الکل مشارکۃ فی الجہر والرخاوۃ ومتشابہۃ فی السمع (والمصنف فیہ) ویشبہ صوتہا (ای صوت الضاد المعجمۃ) صوت الظاء المعجمۃ بالضرورۃ.. (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۳۷ طبع شوکت اسلامیہ [1]) اور رسالہ شرح شاطبی میں ہے: ان ہذہ الثلث (ای الضاد والظاء والذال) متشابہۃ فی السمع والضاد لا تفترق من الظاء الا باختلاف المخرج وزیادۃ استطالۃ فی الضاد ولولاہما لکانت احدیہما عین الاخری۔ (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۳۷ طبع شوکت اسلامیہ [2])

اس مسئلہ کی مزید تفصیل مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحی لکھنوی، احسن الفتاوی مولانا رشید احمد ... اور تفسیر مواہب الرحمن تحت آیۃ وما ہو علی الغیب بضنین (سورۃ تکویر) میں ملاحظہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حروف کی غلط ادائیگی سے نماز میں فساد

(س)

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم!

---

(۱) مجموعۃ الفتاوی، ج ۱ ص ۲۵۱، ایچ ایم سعید

(۲) مجموعۃ الفتاوی، ج ۱ ص ۲۵۱، ایچ ایم سعید

امر ماتحت احقر کو ایک مسئلہ کے متعلق خلجان اور آخری تحقیق مطلوب ہے۔ متعدد علماء کرام سے استفسار کر چکا ہوں لیکن ہنوز اطمینان میسر نہیں آیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہی کی بدولت یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء نے زلۃ القاری کے باب میں بدل حرف بحرف آخر کی صورت میں نماز کے فساد وعدم فساد کی جو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ معنی میں تغیر ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے ورنہ نہیں ہوتی۔ وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ ساری بحث ابدال خطاً ہی کے بارہ میں ہے یا ابدال عجزاً نیز ابدال عمداً کا بھی یہی حکم ہے۔ تنقیح طلب یہ ہے کہ اگر ابدال عجزاً کا بھی یہی حکم ہے تب تو نماز کے صحیح ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اگر کوئی شخص کسی حرف کے صحیح ادا کرنے پر قادر نہیں تو اس کی نماز کے صحیح ہونے کو معنی کے تغیر پر موقوف رکھنے کا کیا معنی؟ اور ایسے ہی اگر اس تفصیل کو ابدال عمداً پر بھی لاگو کیا جائے تو پھر قرآن کے الفاظ کی کوئی صورت اہمیت ہی کی باقی نہیں رہتی اس لیے کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ جب تک معنی نہ بدلیں خواہ کوئی شخص جان بوجھ کر لفظ ساقط اور کچھ کا کچھ کیوں نہ پڑھتا رہے اس کی نماز پر فساد کا حکم نہیں لگ سکتا نیز ابدال عمداً و ابدال خطاً دونوں کا مساوی ہونا مفہوم ہوتا۔ حالانکہ دوسرے احکام شرعیہ میں عمد اور خطا میں بڑا فرق ہے۔ چنانچہ قتل خطا کے بارے میں تو ارشاد باری یہ ہے۔ ومن قتل مؤمنا خطأ فتحرير رقبة مؤمنة۔ الآیۃ اور قتل عمد کے بارے میں ارشاد ہے۔ ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم۔ الآیۃ۔ نیز زلۃ کے لفظ سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے کہ یہ تفصیل ابدال خطائی سے متعلق ہے اس لیے کہ عجزاً اور عمداً دونوں کے بارے میں زلۃ کے لفظ کا استعمال کوئی معنی نہیں رکھتا نیز بعض حضرات کے کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنا تحریف کا موجب تو ہے مگر نماز اس سے اسی صورت میں فاسد ہوتی ہے کہ معنی بھی بدل جائیں۔ حالانکہ تحریف ایک بڑا سنگین عمل ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے تعمد کو کفر کا موجب بھی بتایا ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر میں یہ عبارت موجود ہے۔ وفي المحيط سئل الامام الفضلي عمن يقرأ الظاء مكان الضاد او بالعكس فقال لا تجوز امامته ولو تعمد يكفر۔ چنانچہ شامی میں ذخیرۃ الناطفی کے حوالے سے قاضی ابو عاصم کا جو یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ان تعمد ذلك تفسد وان جرى على لسانه او لا يعرف التمييز لا تفسد ج ۱ ص ۴۲۸۔ اس سے بھی یہی ثابت ہے کہ تعمد بہر حال مفسد ہے اور عجز بہر حال غیر مفسد۔ اس لیے آنجناب سے ملتمس ہوں کہ اس بارہ میں آخری اور انتہائی تحقیق کو پہنچا ہوا فیصلہ صادر فرمائیں کیا جب تک معنی میں تغیر فاحش نہ ہو اس وقت تک نماز نہیں ٹوٹتی یا یہ کہ کسی شخص کے ایک حرف کو دوسرے حرف سے قصداً تبدیل کر کے پڑھنے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ خواہ معنی نہ بھی بدلیں۔ جیسے کوئی شخص عمداً یعملون کو یفعلون اور والضالین کو والظالین پڑھے۔ کیونکہ بعض غیر مقلد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فقہاء نے چونکہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد نماز

قرار نہیں دیا اس لیے ایک کی جگہ دوسرے کا پڑھنا بے دریغ جائز ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی تب تو ان کی بات ثابت ہو جاتی ہے۔ نیز ابدال کی ایک صورت اور بھی ذہن میں آتی ہے کہ قاری صحیح تو پڑھ سکتا ہو۔ لیکن تساہل اور بے پرواہی برتے جس سے غلط پڑھا جائے۔ اس لیے اس صورت کا بھی حکم بیان فرما دیں۔ نیز قاضی ابو عاصم کے کلام میں عجز کی دو صورتیں مذکور ہوئیں۔ یعنی ایک جری علی لسانه اور دوسری لایعرف التمیز ان کی بھی وضاحت فرمائیں۔ برائے کرم اپنے فتویٰ میں فقہاء کی عبارتیں بھی بمعہ حوالہ جات درج فرمائیں۔ کیونکہ احقر آپ کے جواب کو اپنی ایک کتاب کا حصہ بنانا چاہتا ہے۔ فقط والسلام مع الآداب والاکرام۔ قاری محمد شریف لاہوری حال مقیم مسجد ریاض دہلی سوداگران کالونی شہید ملت روڈ۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

(الف) ابدال حرف بحرف آخر کی آٹھ صورتیں ہیں۔ (۱) ابدال زلۃ وخطاء (باوجود قدرت ادا اور یادداشت کے مشاق وواقف کی زبان سے خطاءً بے اختیار و بلا قصد و ارادہ و سبقت لسانی سے ایک حرف کے بجائے دوسرے حرف کا نکل جانا اور اسی کو ابدال جریان علی اللسان کہتے ہیں) (۲) ابدال عجز و عذر (آ تا مالطیل والطراف اشعار پوری محنت و مشقت اور انتہائی ریاضت و مجاہدہ کے باوجود بحکم شیخ کامل و ماہر و استاد معتمد و مستند تمایز حروف و تعدد و تفریق مخرج سے عاجز و بے بس ہونا اور ان کے تغایر پر قدرت نہ رکھنا عام ہے کہ عذر فطری و خلقی ہو جیسے لثغ (توتلاپن) یا غیر فطری ہو جیسے غلظت لسان و عدم مطاوعت فم (زبان کا سخت اور اکھڑ ہونا) (۳) ابدال سہو و نسیان (ذہول و بھول سے ایسا ہو جانا) (۴) ابدال شک و تردد (شبہ اور ظن سے ایسا کرنا) یہ دونوں صورتیں ابدال زلت والی صورت کے ساتھ ملحق ہیں کیونکہ ان میں بھی قصد و ارادہ کا دخل نہیں۔ (۵) ابدال تعمد بالاعتقاد والاصرار (اپنے قصد و اختیار اور دلی اعتقاد و یقین سے اور عینیت و اتحاد کی قطعیت سے جان بوجھ کر بنیت تحریف و تبدیل ہمیشہ اور ہر جگہ ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف پڑھنا اور ان کے تغایر کا جحود و انکار کرنا) (۶) ابدال تعمد مع القدرة و تغیر المعنی بلااعتقاد و اصرار (صحیح وجود و تمایز کی ادا پر قدرت رکھتے ہوئے طوعاً و قصداً تبدیلی حرف کرنا جبکہ معنی بھی متغیر ہو جائیں۔ مگر اعتقاد و اصرار نہ ہو عام ہے کہ اس کا منشا نزاع و فساد ہو یا ضد و عناد یا خوف فتنہ یا استغراب ہو) (۷) ابدال تعمد مع القدرة بلااعتقاد و تغیر و اصرار (قدرت ادا کے باوجود ارادۃً تبدیلی کرنا جبکہ اعتقاد و تغیر اور اصرار و مداومت نہ ہو۔ عام ہے۔ کرنا دلیل و شبہ کی بناء پر ہو یا بے پرواہی کی وجہ سے ہو) (۸) ابدال بالقصد مع عدم التمیز (عوام و

خواص غیر مشاق کا عدم مشق و ریاضت اور تساہل و تکاسل و غفلت و بے خیالی کے سبب یا بے علمی و ناواقفیت و جہالت کے یا تجوید و تصحیح کی ضرورت و اہمیت سے ناواقف ہونے کے سبب تبدیلی حروف کرنا اور تصحیح و تمیز کی طرف سے لاپروائی و بے توجہی برتنا) آئندہ بیان سے ان سب صورتوں کے احکام و مسائل متعلقہ نماز معلوم ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(ب) قدماء فقہاء حنفیہ کے نزدیک فساد صلوٰۃ کا حق و مدار (بصورت زلۃ القاری) تغیر معنی انقلاب مراد الٰہی و مخالفت مفہوم یا اختلال مطلب پر ہے۔ اور متاخرین کے یہاں فساد صلوٰۃ کا مناط بصورت وضع حرف مکان حرف عسر تمایز یا سہولۃ فصل بالمشقت ہے اور تفصیل یہ ہے۔

اول قدماء احناف کا مسلک کل زلۃ القاری میں یہ ہے کہ اگر اس سے ایسا تغیر فاحش معنوی ہو جائے جس کے اعتقاد سے کفر لازم آ جاتا ہو تو اس سے مطلقاً (عمداً ہو خواہ سہواً یا زلۃً و خطاءً) نماز فاسد ہو جانے کی سوائے بے موقع وقف و وصل کے مقامات کے۔ (مثلاً و لا تقربوا الصلوٰۃ. لا اله. اصحب النار الذین یحملون العرش عزیر ن ابن الله. و ایاکم ان تؤمنوا بالله) کہ ان میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر تغیر معنوی مادون کفر مگر فاحش اقوی و غیر موافق ہو جس سے انقلاب معنی اور فساد مراد لازم آئے کہ ہر دو معنی میں کسی قسم کی بھی مناسبت متصور نہ ہو سکے تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (مثلاً هذا الغراب کی جگہ هذا الغبار اور تبلی السرائر کی جگہ تبلی السرائل) اور اگر تغیر معنوی بعید مادون فاحش یا تغیر قریب یا موافق ہو تو فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر زلت و خطاء حروف کی جہت سے (اعراب و تشدید وغیرہ) میں ہو تب بھی مفسد صلوٰۃ نہیں الا یہ کہ وہ فاحش و بعید ہو۔ اسی طرح اگر غلطی کلمات و آیات میں واقع ہو اور وہ کلمہ یا آیت مبدل عنہا قرآن میں موجود ہو تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (هکذا قال الحلبی فی غنیة المستملی وکذا فی فتاوی الهندیة والشامیة والخانیة وغیرها من الکتب الفقهیة) اور واضح ہو کہ قاضی خان کی تمام جزئیات متعلقہ اور فروع مندرجہ (در باب زلۃ القاری) اسی قول قدماء پر متفرع ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) ولو قرأ والعدیت ضبحا بالظاء تفسد صلوته (۲) وکذا لو قرأ غیر المغضوب علیهم بالظاء و بالذال تفسد صلوته. ولو قرأ (ولا الضالین) بالظاء و بالذال تفسد صلوته (۳) (ولسوف یعطیک ربک فترضی) فقرأ فترظی بالظاء تفسد صلوته (۵) کیدهم فی تضلیل) قرأ بالظاء قال بعضهم لا تفسد۔ اسی طرح متعدد دوسرے اقوال بھی ہر قول حق قدماء میں بسبب تغیر معنی یا اہمال مفسد ہیں۔ فرض کی جگہ فرظ یا فرز۔ اللہ میں ضاد و ظاء۔

مسافرا اور وجوہ میں بھی ضاد و ظاء لا فرق اور ذللنها تذلیلا. فظا غلیظ. میں

ضاد فظلت میں ضاد و ذال، لظلام میں ذال۔(۸) لاانفصام میں سین۔(۹) حصیما میں سین۔(۱۰) سوبا میں صاد۔(۱۱) الصخرۃ یخصف میں سین۔(۱۲) سوط قسورۃ میں صاد۔اسی طرح (۱۳) سادیدا میں صاد۔(۱۴) صحا میں سین۔اسی طرح (۱۵) وتواصوا بالصبر میں سین۔(۱۶) والصیف میں سین۔(۱۷) وصموا میں سین۔(۱۸) حسوما میں صاد۔(۱۹) متربص فتربصوا میں سین۔(۲۰) وعنت الوجوہ میں دال۔(۲۱) بطش البطشۃ میں تا۔(۲۲) الصراط میں تا۔(۲۳) امطرنا اور مطرا میں تا۔(۲۴) فطرۃ اللہ۔(۲۵) والطور۔(۲۶) الوسط۔(۲۷) لوط میں تا۔ والتین میں طا۔(۲۸) الم یجدک میں دال کی جگہ تا۔(۲۹) حمالۃ الحطب میں تا۔(۳۰) طائفۃ میں تا۔(۳۱) طائفۃ (۳۲) والتین میں طا۔(۳۳) یدخلون میں تا۔(۳۴) احد لم یلد و لم یولد میں دال کے بجائے تا۔ پس ان تمام جزئیات میں عوام وخواص سب کا حکم یکساں ہے۔ اور اسی طرح عموم بلوی اور عدم معرفت تمایز کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ پس یہ قول احتیاط وانضباط پر مبنی ہے[1]۔

دوم متاخرین احناف۔ (ابن مقاتل، ابن سلام، اسماعیل زاہد، ابوبکر بلخی، ہندوانی ابن فضل، حلوانی رحمہم اللہ وغیرہم) کا قاعدہ کلیہ (وضع حرف مکان حرف آخر کے بارے میں) یہ ہے کہ اگر اس سے معنی متغیر نہ ہوں (مثلاً ان المسلمین کی جگہ ان المسلمون۔ ان الظالمین کی جگہ ان الظالمون) تو نماز بہرحال فاسد نہ ہوگی۔ (سوائے تعمد اعتقاد واصرار والی صورت کے) اور معنی کے تغیر وتبدل کی تقدیر پر اگر وہ دونوں حرف ایسے ہوں کہ ان میں آسانی سے جدائی ممکن ہے۔ جیسے طاء وصاد، اور یا وتا، اور جیم ولام وغیرہا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر وہ دونوں حرف ایسے ہوں کہ ان میں بغیر مشقت وکلفت کے فرق وامتیاز ممکن نہیں ہے۔ جیسے ضاد وظا، اور صاد وسین اور طا وتا، اور ذال وظا، اور قاف وکاف (مثلاً غیر المغضوب کی جگہ غیر المعظوب اور الصمد کی جگہ السمد اور اطہر کی جگہ اتہر اور تلذ کی جگہ تلظ اور فلا تقہر کی جگہ فلا تکہر پڑھے) تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ مشائخ کا قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اکثر مشائخ کبار (ابو مطیع بلخی، ابوالقاسم محمد بن سلمہ رحمہم اللہ وغیرہ) نے حروف مشکلہ متغیر المعنی میں عموم بلوی ودفع حرج اور ضرورت ورخصت اور وسعت کی غرض سے اسی پر فتوی دیا ہے۔ (یہ اختلاف اسی صورت میں ہے جبکہ

---

[1] کما فی ردالمحتار، والقاعدۃ عند المتقدمین ان ماغیر المعنی تغیرا یکون اعتقادہ کفرا یفسد فی جمیع ذالک سواء کان فی القرآن اولا الا ما کان من تبدیل الجمل مفصولا بوقف تام و ان لم یکن التغیر کذالک فان لم یکن مثلہ فی القرآن والمعنی بعید متغیر تغیرا فاحشا یفسد ایضا (کتاب الصلوۃ مطلب مسائل زلۃ القاری، ج ۲، ص ۴۷۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۴) ابدال بعجز وعذر (عدم قدرت) اس صورت میں نماز اجماعاً بہر حال غیر فاسد ہے تغیر ہو خواہ نہ ہو۔ نیز دونوں حرفوں میں عسر الفصل ہو خواہ نہ ہو۔ پس اس میں قاری کو معذور ومجبور، مصیب ومعفو عنہ تصور کیا جائے گا، اور نہ تو اس کی نماز ہی باطل ہے اور نہ وہ خود گنہگار ہے۔ بلکہ باوجود تکلف ومشقت کے اگر اداء ہو گا تو بھی اجر ملے گا اجر مشقت واجر قراءت۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماھر بالقران مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی یقرأ القران و یتعتع فیہ وھو علیہ شاق فلہ اجران[1]۔ (متفق علیہ)

لیکن احتیاطاً وہ تصحیح وتجوید کی کوشش ومحنت کرتا رہے۔ اگر جہد وطلب میں کوتاہی کرے گا تو خوف مواخذہ ہے۔ اس صورت کے حکم مذکور کے دلائل یہ ہیں۔ (۱) لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ (البقرۃ ع ۲۸۶۔۳۰) (۲) وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ (حج ع ۱۷۔۱۰) (۳) امداد الفتاویٰ ج ا ص ۱۸۲ فصل تجوید میں ہے۔ وجواب خامس تتمہ ہم وارد وآں اینکہ فساد صلوۃ (ای بصورت تغیر معنی) برفتویٰ متاخرین عام نیست۔ بلکہ مخصوص است بقادر بر اداء صحیح۔ اما غیر قادر پس نمازش وہمچنیں امامتش صحیح خواں را وغلط خواں را در ہر دو صورت صحیح است۔ خواہ بصورت دال خواند خواہ بصورت ظاء کہ آں لغت او گشتہ[2]۔ (۴) امداد الفتاویٰ ج ا ص ۱۸۰ پر ہے۔ کسی ماہر تجوید سے مشق کر کے صحیح پڑھنے کی کوشش کرے اس پر بھی اگر غلط نکل جاوے تو معذور ہی ہے[3]۔

(۵) امداد ج باب القراءۃ ص ۱۵۲ پر ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ اگر اس نے تصحیح کی کوشش نہیں کی تو خود اس شخص کی نماز ہی صحیح نہیں غلط ہے۔ کیونکہ ائمہ میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ اگر وہ سعی نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں۔ پس جب یہ شخص مثل امی کے ہے تو اس کے عدم صحت صلوۃ کی کوئی وجہ وجیہ نہیں معلوم ہوتی[4]۔

(۶) قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی رحمہ اللہ رسالہ تلفظ الضاد[5] میں فرماتے ہیں۔ اور اگر سیکھا بھی اور صحیح نہ پڑھ سکا تو پھر یہ شخص معذور ہے اور شخص امی ہو گا اور پہلے سیکھنے سے معذور نہ ہو گا[6]۔

---

۱) جامع الترمذی، باب ما جاء فی فضل قاری القرآن ص ۱۱۸ ج ۱ طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔
۲) امداد الفتاوی، فصل فی التجوید ص ۲۴۴ ج ۱ طبع مکتبہ دار العلوم کراتشی۔
۳) امداد الفتاوی، فصل فی التجوید ص ۲۴۲ طبع مکتبہ دار العلوم کراتشی۔
۴) امداد الفتاوی، باب القراءۃ ص ۲۱۳ طبع مکتبہ دار العلوم کراتشی۔
۵) مذکورہ کتاب دستیاب نہیں ہے۔ لیکن امداد الفتاوی ص ۲۰۹ ج ۱ میں مذکور ہے۔
۶) کما فی رد المحتار،
وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف اولا یقدر علی اخراج الفاء الا بتکرار۔ (الخ)
کتاب الصلوۃ مطلب فی الالثغ ص ۳۹۴ ج ۲ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ،

(۵) ابدال تعمد مع القدرۃ بلاتغیر و اعتقاد و اصرار۔ اس صورت میں قاری مصلی دنیوی و ظاہری وفقہی حیثیت سے بری الذمہ، اور اخروی و باطنی حیثیت سے دیانۃ فیما بینہ و بین اللہ تعالی مرتکب تحریف وتبدیل قرآن نیز آثم و عاصی ہے۔ پس اس کی نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ اس پر صحت بمعنی براءت ذمہ کا حکم لگایا جائے گا نہ کہ صحت بمعنی قبول و اجابت اور رفع اثم و معصیت کا بھی اور جواز بمعنی صحت صلوۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں نہ صحت صلوۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور نہ وجود اثم مستلزم فساد صلوۃ کو ہے۔ چنانچہ ریاء نماز پڑھنا یا ارض مغصوبہ میں نماز پڑھنا۔ ان دونوں صورتوں میں جواز بمعنی براءت ذمہ و صحت صلوۃ ظاہرا موجود ہے نہ کہ جواز بمعنی رفع اثم باطنا بھی۔ پس ان میں ترتب اجر و ثواب اور قبول اجابت (بمعنی الوقوع فی حیز مرضات اللہ) مفقود ہے۔ نہ کہ جواز و صحت صلوۃ بھی۔ اس کی مزید وضاحت ان احادیث و دلائل سے ہوتی ہے۔

(۱) من شرب الخمر فلاتقبل لہ صلوۃ اربعین صباحا[۱] (۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ من شرب الخمر فلاتقبل لہ صلوۃ اربعین صباحا (۳) من اتی عریفا لاتقبل صلاتہ (۴) لاتقبل صلوۃ العبد الآبق (۵) لاتقبل صلوۃ فی الارض المغصوبۃ[۲] (۶) مسافر عاصی پر بھی قصر صلوۃ اور صحت صلوۃ بمعنی براءت ذمہ لگایا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جواز اصابۃ اور جواز قبول میں تلازم نہیں۔

(۷) فساد صلوۃ کے لیے تغیر معنی کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ نماز میں اصل مقصود اور اس کی حقیقی روح اور اس کا اصلی مغز مناجات و مکالمہ ربانی قربت حق اور عبادت (انتہائی درجہ کی نیازمندی، عبودیت کیشی، اظہار بے بسی و بے چارگی، تذلل للخالق، اعلان عبدیت (فدائیت) ہو۔ اسی لیے قرأۃ صلوۃ کے لیے تجوید کی مقدار مایجوز بہ الصلوۃ کفایت کر لیتی ہے اور اس میں تجوید کے تمام افراد و قواعد کا استیعاب لازمی نہیں۔ پس جب تک تغیر معنوی سے اس مقصود اصلی کی مخالفت لازم نہیں آجائے گی اس وقت تک فساد کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

مفتاح الصلوۃ میں مرقوم ہے۔ ومدار الامامین (ای الامام الاعظم و محمد) علی تغیر المعنی سواء وجد المثل اولا البتہ عمدا اس ابدال کو عادت بنالینا اور اس پر اصرار و مداومت ضرور مذموم و مفسد صلوۃ ہے تغیر معنی ہو خواہ نہ ہو۔ کیونکہ اس سے عقیدہ کی خرابی مترشح ہوتی ہے[۳]۔

---

۱) مجمع الزوائد حدیث ۸۱۹۱ ص ۱۱۱ ج ۵ طبع دار الفکر بیروت)

۲) جامع الاصول حدیث ۳۰۷۶ ص ۶۷ ج ۵ دار مکتب العلمیہ بیروت)

۳) مفتاح الصلوۃ موجود نہیں۔ شامیہ میں دیکھیں۔ والقاعدۃ عند المتقدمین ان ما غیر المعنی تغییر یکون اعتقادہ کفر یفسد فی جمیع ذالک (شامیہ، کتاب الصلوۃ، مسائل زلۃ القاری، ص ۴۷۳ ج ۲ طبع رشیدیہ کوئٹہ

﴿جواب﴾ نماز بلاشبہ تعمداً اس پر اصرار کرنا اور اس کو اپنا مشغلہ و وظیفہ بنالینا اور بدعقیدگی سے اس پر مداومت کرنا تحریف مذموم و مفسد صلوٰۃ ہے خواہ تغیر معنی نہ ہی ہو (جس کے دلائل اوپر گزر چکے ہیں[۱]) لیکن بلا اصرار و مداومت و فساد اعتقاد محض ایک دو جگہ ایسا کرنا (خواہ کسی وجہ سے ہو) مطلقاً مفسد نہیں۔ بلکہ اسی صورت میں مفسد ہے جبکہ تغیر معنی بھی لازم آ جائے[۲]۔ پس اگر تغیر و تبدل معنوی نہ ہو تو نماز دینی و فقہی احکام کی رو سے بنظر فقیہ بلاشک جائز و صحیح ہے۔ گو ایسا شخص دیانۃً و باطناً آثم و عاصی اور فاسق و فاجر ضرور ہے۔ (اور اس کے دلائل بھی اوپر مذکور ہو چکے ہیں[۳]) اور چونکہ نماز میں قرآن کی قرآت و تلاوت بعض وجوہ سے خارج از نماز والی قرآت سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ (مثلاً خارج از نماز تلاوت فقط سنت و مستحب ہے[۴] اور داخل نماز قدر مفروض فرض اور رکن ہے اور ایک آیت کا حفظ کرنا ادائیگی نماز کے لیے ہر مسلمان مکلف (عاقل و بالغ) پر فرض عین ہے[۵] اور پورے قرآن مجید کا حفظ کرنا مجموعی طور پر فرض کفایہ ہے[۶]۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ اور ایک دوسری چھوٹی سورت کا یا اس کے مثل مثلاً چھوٹی آیتیں یا بڑی ایک آیت کا حفظ کرنا ہر مسلمان مکلف پر واجب العین ہے اور مقدار واجب سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے[۷]۔ اسی طرح سب مسائل تجوید فقہاء کے نزدیک واجب العمل نہیں تاکہ نماز میں (جو اسلام کا رکن اعظم اور قربت مقصودہ بدنیہ اور عبادت مطلوبہ عامہ مفروض عین ہے اس میں) فتور و خلل اور حرج و تنگی (جو شرعاً مدفوع ہے) لازم نہ آئے۔ پس فقہاء کے نزدیک محض قدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ (جس کی رعایت سے قرآنیت و عربیت باقی رہتی ہے اور اس کے ترک سے فساد معنوی ظہور میں آتا ہے)

---

۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان ابدال تعمد بالاعتقاد ولا صرار ص ٦٦٧، ٦٦٨ جزیہ ١، ٢، ٣.

۲) تقدم تخریجہ ص ٦٦٩ جزیہ ١، ٢.

۳) تقدم تخریج تحت عنوان ابدال تعمد مع القدرۃ بلا تغیر الخ ص ٦٦٨ جزیہ ٥.

٤) کما فی الشامیۃ ینبغی لحافظ القرآن فی کل أربعین یوما ان یختم مرۃ (مسائل شتی، ج ٦، ص ٧٥٧ طبع ، سعید ومثلہ فی الھندیہ، (فصل فی التراویح، ص ١١٧ ج ١ طبع رشیدیہ کوئٹہ.

٥) فصل فی واجبات الصلوۃ ، ومنھا قرأۃ الفاتحۃ وضم السورۃ او ثلاث آیات الخ (نور الایضاح، ص ٢٤٦ قدیمی کتب خانہ کراچی

ومثلہ فی البحر الرائق، (کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ) ص ٥١٠ تا ٥٢٦ طبع رشیدیہ کوئٹہ. ومثلہ فی تبیین الحقائق (کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ ص ٢٧٤ تا ٢٧٨ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

٦) حفظ جمیع القرآن ـــ جمیع القرآن من حیث ان ھو یسمی فرض کفایہ الخ (مطلب فی الفرق بین فرض العین وفرض الکفایۃ ص ٥٣٨ ج١ طبع سعید کراچی.

ومثلہ فی حلبی کبیر ص ٤٩٥ سھیل اکیڈمی لاھور.

٧) تقدم تخریجہ تحت عنوان ھذا وصفحہ ھذا جزیہ ٥.

فاسق وفاجر ومرتکب گناہ ہے[1]۔ گو تغیر معنوی کے معدوم ہونے کے سبب اس کی نماز پر جواز بمعنی براءۃ ذمہ کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اس کی نظیریں یہ ہیں کہ صوم اکل وشرب سے اور صلوۃ کلام واکل وشرب وسلام وغیرہ سے اور حج جماع سے فاسد ہو جاتا ہے۔ عام ہے کہ یہ امور عمداً ہوں یا خطاء ہوں اسی طرح قتل عمد وخطاء دونوں دنیوی سزا کے بارہ میں شریک ہیں۔ گو اس میں تفاوت ہے کہ قتل عمد میں قصاص اور بصورت عفو وصلح دیت ہے اور قتل خطاء میں دیت ہے۔ اسی طرح احرام کے ممنوعات ومحظورات کے ارتکاب سے لزوم جنایات دنیویہ مطلقاً ہوتا ہے۔ ارتکاب عمداً ہو خواہ خطاء، بلکہ اس سے اوپر یہ کہ محرم کے قتل صید کی حالت میں جنایت اصطیاد کا اور مصلی کے کلام فی الصلوۃ کی حالت میں فساد صلوۃ کا حکم اس صورت میں بھی نافذ ہوتا ہے جبکہ ان کے لزوم جنایت وحرمت اصطیاد اور فساد صلوۃ کا سرے سے علم بھی نہ ہو۔ پس ان احکام میں گو دنیوی وظاہری امور کے اعتبار سے عمد وخطاء مساوی ہیں۔ مگر اخروی وباطنی امور میں ان کا فرق واختلاف ضرور مسلم ہے کہ عمد کی صورت میں تو لزوم اثم ومعصیت ہوتا ہے مگر خطاء کی صورت میں نہیں۔ واللہ اعلم۔

﴿تیسرا شبہ﴾ زلت کے لفظ سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ یہ تفصیل (تغیر معنی وعدم تغیر معنی کی) ابدال خطائی سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ عجز وعمد دونوں ہی کے بارے میں زلت کے لفظ کا استعمال کوئی معنی نہیں رکھتا۔

﴿جواب﴾ اولاً یہ کہ جب کتب فقہ میں تعمد کے احکام اور اس کی جزئیات بھی بطور مستقل وصریح مذکور ہیں تو یہ عنوان کسی طرح بھی ان کے مخالف نہیں۔ ثانیاً یہ کہ زلت مطلق خطیہ (غلطی اور گناہ) کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

﴿چوتھا شبہ﴾ شامی میں خزانۃ الاکمل کے حوالہ سے قاضی ابو عاصم کا قول اس طرح مذکور ہے۔ ان تعمد ذلک تفسد و ان جری علی لسانه او لا یعرف التمییز لاتفسد ج ۱ ص ۳۶۸۔ اس سے بھی یہی نکلتا ہے کہ تعمد بہرحال مفسد ہے اور عجز بہرحال غیر مفسد ہے۔

---

۱) حذیفة بن الیمان رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اقرؤا القرآن بلحون العرب وأصواتها وایاکم ولحون اهل العشق، ولحون اهل الکتابین، وسیجیء بعدی أقوام یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والنوح، لا یجاوز حناجرهم مفتونة قلوب الذین یعجبهم شأنهم(الحدیث)(جامع الأصول الکتاب الثانی فی تلاوة القرآن وقرأته، الباب الاول، الفصل الثانی، حدیث ۹۱۳ ص ۲۸۷ ج ۲ دار الکتب العلمیه بیروت

وفی الشامیة ومنها القرءة بالألحان ان غیر المعنی والا لا (شرح) أی وان لم یغیر المعنی فلا فساد (کتاب الصلوة باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها ص ۶۳۰ ج ۱ ایچ۔ ایم سعید کراچی)

ومثله فی الهندیة(کتاب الکراهیة، الباب الرابع فی الصلوة والتسبیح وقراءة القرآن ص ۳۱۷ ج ۵ رشیدیه کوئٹه

تعمد اموجب فساد صلوٰۃ ہے۔ اور عدم تمیز یا جریان علی اللسان کی صورت میں منعقد نہیں ہے۔ پس جو لوگ بوجہ مشق و ریاضت نہ ہونے کے ان میں تمایز نہیں کر سکتے ان کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

(۴) طحاوی بحث خطاء فی الاعراب میں ہے۔ واجمع المتأخرون کمحمد وابن مقاتل و غیرھما علیٰ ان الخطاء فی الاعراب لایفسد مطلقا و ان کان مما اعتقاده کفر. (الی قوله) و فی النوازل لاتفسد فی الکل و به یفتی. وینبغی ان یکون ھذا فی ماذا کان خطاء او غلطا و ھو لا یعلم انّ تعمد ذلک مع مالایغیر المعنی کثیرا۔ الخ۔ ص ۱۸۹[1]۔

﴿پانچواں شبہ﴾ اگر واقعہ یہی ہے کہ ایک کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنے سے بھی (عدم تغیر معنی کی صورت میں) نماز نہیں ٹوٹتی تو بعض غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے کہ چونکہ فقہاء نے ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد نماز قرار نہیں دیا اس لیے ایک کی جگہ دوسرے کا پڑھنا بے دریغ درست ہے؟

﴿جواب﴾ اولاً تو غیر مقلدین ضاد و ظاء کی صحیح ادا پر قدرت ہی نہیں رکھتے کہ ان پر ابدال تعمد مع القدرۃ صادق آ سکے۔ پس ان کا ابدال الضاد بالظاء ابدال عدم تمیز کے قبیل سے ہے۔ جو بر قول متاخرین بوجہ عموم بلویٰ کے مفسد نہیں[2]۔ (اور احقر کی رائے میں غیر مقلدین کے اس ابدال کو ابدال بدتمیزی سے تعبیر کرنا نہایت موزوں ہے)۔

ثانیاً: اگر ان میں سے بعض لوگ صحیح ادا پر قادر بھی ہوں اور پھر بھی ابدال حرف کرتے ہوں تو ان کی نماز بلا شبہ فاسد ہے۔ کیونکہ ابدال ضاد و ظاء کی اکثر جزئیات میں تغیر معنی پایا جاتا ہے[3]۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پس ابدال تعمد مع تغیر المعنی والاصرار بے شک موجب فساد صلوٰۃ ہے۔ اس پر قدماء و متاخرین کا اجماع ہے۔

---

۱) طحطاوی : کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلوۃ ، ص ۳۳۹ ، دار الکتب العلمیه بیروت)
وکذا فی الهندیة، کتاب الصلوۃ، الباب الرابع، الفصل الخامس فی زلة القاری، ص ۷۹ ج ۱ رشیدیه کوئٹه.

۲) الدر المختار : الا مایشق تمیزه کالضاد والظاء فاکثرهم لم یفسدها کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ ص ۶۳۳ ج۱ ایچ۔ ایم سعید۔۔۔۔ الرد المحتار وان لم یمکن الا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فاکثروهم علی عدم الفساد لعموم البلوی کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ مطلب زلة القاری ص ۶۳۰ ج ۱ مکتبه ایچ ۔ ایم سعید ۔
وکذا فی الفتاوی الخانیة علی هامش الهندیة ص ۱۴۱ ج۱ کتاب الصلوۃ فی قراءۃ القرآن خطأ وفی الاحکام المتعلقة بالقراۃ رشیدیه کوئٹه.

۳) فی حاشیة الطحطاوی، محل الاختلاف، فی الخطاء والنسیان اما فی العمد فتفسد به مطلقا بالاتفاق ای سواء اذا کان ثناء فلا یفسد ولو تعمد ذالك افاده امیر حاج ص ۳۳۹ طبع قدیمی کتب خانه کراچی.
لما فی العالمگیری وفی خزانة الاکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلك تفسد وان جری علی لسانه ولا یعرف التمیز لا تفسد وهو المختار علیه وفی البزازیة وهوا عدل الاقاویل وهو المختار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ مطلب زلة القاری ص ۷۴ ج۱ رشیدیه کوئٹه

نماز فاسد نہ ہوگی[1]۔ کیونکہ یہ تغیر وتبدل فاحش کو مستلزم نہیں۔ نیز قرآن کے مشابہ ہے۔ اور قرآن کے مشابہ الفاظ کی تلاوت سے فساد صلوٰۃ لازم نہیں آتا۔ البتہ اس کی عادت بنالینا ضرور مذموم اور مفسد صلوٰۃ ہے۔ بلکہ اصرار و مداومت میں کفر کے لازم آنے کا خوف ہے۔ (۲) اور اگر وہ دونوں کلمات قریب قریب نہ ہوں گو کلمہ مبدل منہا قرآن میں موجود ہی ہو۔ مثلاً نصبت کی جگہ سطحت۔ رفعت کی جگہ خلقت ۔ لمن السجدین کی جگہ لمن السحرین، فسترضع کی جگہ فستعرض ۔ حتی اذا فزع کی جگہ فرغ ۔ یا کلمہ مبدلہ کی مثل قرآن میں نہ ہو۔ نیز اس کے اعتقاد سے کفر لازم نہ آتا ہو۔ مثلاً العرب کی جگہ الغبار ۔ وما اتینهم کی جگہ وما اهلکنهم، قسورة کی جگہ قوسرة یا قصورة، کعصف ما کول کی جگہ کعفص ۔ عیسیٰ بن سارة، مریم بنت غیلان یا کلمہ مبدلہ منہا قرآن میں موجود ہو مگر اس کا اعتقاد موجب کفر ہو۔ مثلاً فاعلین کی جگہ غافلین ۔ عیسیٰ ابن مریم کی جگہ لقمٰن ۔ الشیطن کی جگہ الرحمن یا اس کا الٹ ابلیس کی جگہ ادریس یا اس کا برعکس ۔ فلعنة الله علی الکفرین کی جگہ علی الموحدین ان تینوں صورتوں میں عامہ مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ (غنیۃ المستملی)[2]

(۶) ابدال بالقصد مع عدم التمیز ۔ غیر عارف تجوید و غیر مشاق کا ابدال حروف کرنا (خواہ اس کا سبب کوئی ہی ہو) متاخرین کے ہاں عموم بلوی اور شیوع ابتلاء کے سبب مطلقاً مفسد صلوٰۃ نہیں تاکہ براءۃ ذمہ میں فتور و خلل اور حرج و تنگی لازم نہ آئے جو شرعاً مرفوع و مدفوع ہے۔ مگر اخروی اثم و معصیت بسبب تکاسل و تغافل کے ضرور لازم آئے گا۔ چنانچہ امداد الفتاوی ج اص ۱۵۱[3] باب القراۃ میں ہے۔ پس مجموعہ روایات بالا و اشعار هذا سے معلوم ہوا کہ جو جواز بمعنی صحت صلوٰۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں نہ صحت صلوٰۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور نہ وجود اثم مستلزم فساد صلوٰۃ کو ہے۔

﴿عموم بلوی کے دلائل﴾ (۱) شامی میں ہے۔ وفی التتارخانیة عن الحاوی حکی عن الصفار انه کان یقول الخطاء اذا دخل فی الحروف لایفسد لان فیه بلوی عامة الناس لانهم لایقیمون

---

۱) الدر المختار ولو زاد کلمة او نقص کلمة او نقص حرفاً او قدمه او بدله باخر نحو من ثمره اذا اثمر انفرجت بدل انفجرت باب بدل اواب لم تفسد مالم یتغیر المعنی . کتاب الصلوة باب ما یفسد الصلوة، ج ۱، ص ۶۳۲ تا ۶۳۳ مکتبہ ایچ ۔ ایم سعید کراچی
وکذا فی الخانیة علی هامش الهندیة کتاب الصلوة فصل فی القراءة القران ص ۱۴۱ ج ۱ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲) یہ کتاب دستیاب نہیں ہوئی۔

۳) باب القراۃ طبع مکتبہ دار العلوم کراچی ص ۱۶۲ ج ۱

(۵) جواہر اخلاطی[1] میں مسطور ہے۔ اذا قرأ مکان الضاد ظاءً لو کان فقیہا یفتی باعادۃ الصلوۃ ولو کان عامیا یفتی بالجواز اختیاراً للاحتیاط فی موضعہ والرخصۃ فی موضعہا[2]۔

(۶) بزازیہ میں ہے۔ قال (غیر المغضوب) او (الضالین) بالذال او الظاء قیل لاتفسد لعموم البلوی فان العوام لایعرفون مخارج الحروف– وکثیر من المشائخ افتوا بہ– ھکذا نقلہ الطحطاوی[3]

(۷) فتاویٰ سعدیہ[4] میں ہے۔ بالجملہ فتوی در تبدیل حروف مشکلہ مغیر المعنی بحالت غیر تعمد میان متقدمین و متاخرین مختلف است و در عالمگیری از ظہیریہ منقول است حکی عن ابی القاسم الصفار ان الصلوۃ اذا جازت من وجہ و فسدت من وجہ یحکم بالفساد احتیاطا الا فی باب القراءۃ لان للناس فیہا عموم البلوی[5]…… پس بناء علی ھذا اگر عمداً حروف دال و ظاء و زا بجائے ضاد ادا مینمایند نماز شان فی نفسہ و نماز غیر پس ایشان فاسد است و اگر امتیاز ندارند یا احیانا بر زبان شان جاری مے شود یا بحسب زعم خود ضاد ادامے نمایند و سعی میکنند در ادایش از مخرجش با صفات درین حالت نماز شان در سابق و حال و نماز امثال شان پس ایشان جائز است.

(۸) کشف الغطاء میں فتاویٰ غیاثیہ کے حوالے سے مذکور ہے۔ ان قرأ (اللہ الصمد) مکان (اللہ الصمد) او (السیف) مکان (الصیف) او (الصالحین) مکان (الصالحین) او قرأ (غیر المغضوب) بالظاء او (الظالین) بالظاء اور بالذال فان بعضھم لا تفسد لانہ بلوی عاما فان العوام لایمیزون ولا یعرفون مخارج الحروف. منھم ابو القاسم و محمد بن سلمۃ و کثیر من المشائخ افتوا بہ (ھکذا فی زلۃ القاری من مجموع الفتاوی)

(۹) اس حرف (ض) کو تلفظ میں صواب و بقصد صواب پڑھیں جیسا اتفاد عام ہے۔ چونکہ عموم بلوی

---

1) مذکورہ کتاب دستیاب نہیں
2) ومثلہ فی حلبی کبیر فصل فی احکام زلۃ القاری ص ۴۷۸ ج ۱ طبع مذکورہ بالا.
3) تقدم تخریجہ تحت جزء (ب) و ج سوال ھذا.
4) مذکورہ کتاب دستیاب نہیں ھی
5) وفی الھندیہ فصل احکام زلۃ القاری ص ۸۲ ج ۱ قبیل الباب الخامس فی الامامۃ ۔ طبع مکتبہ علوم اسلامیہ چمن

﴿سوال ۲﴾ کیا مندرج الفاظ سے نماز اور خطبہ ہو جاتا ہے۔

﴿ج﴾ خطبہ ہو جاتا ہے اور نماز میں احتیاط تو یہ ہے کہ فساد کا حکم دے کر اعادہ کر دیا جاوے۔ لیکن بوجہ عموم بلویٰ ہونے کے جواز کا حکم دیا جا سکتا ہے [1]۔

﴿سوال ۳﴾ مسلمان سامعین پر اس قسم کی تخفیف یا اضافہ کس قدر تکفیر کا باعث ہیں۔

﴿ج﴾ اس میں تکفیر نہیں ہے۔ البتہ [2] ان کو صحیح کرنا اور غلط سے بچنا لازم ہے۔

﴿سوال ۴﴾ کیا عجمیوں کے لیے کچھ اس قسم کی مراعات ہیں کہ ان میں عین علیم الیم وغیرہ میں فرق کیے بغیر پڑھ سکیں۔

﴿ج﴾ عجمیوں پر بھی قرآن کریم کا تلفظ صحیح کرنا لازم ہے ہر لفظ کو صحیح مخرج سے تمام صفات سے نکالنا اور سیکھنا فرض ہے باوجود کوشش بروقت جاری رہنے کے اگر غلطی ہو جاوے تو معذور ہے۔ لیکن تا آخر عمر تک سیکھتا

---

۱) کما فی الدر المختار، ولو زاد کلمة أو نقص کلمة او نقص حرفا، لم تفسد ما لم یتغیر المعنی باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها. ص ٦٣٢ ج١ طبع ایچ ایم سعید کراچی.

وایضا فی التاتار خانیة: الخطا اذا دخل فی الحرف، لا تفسد لأن فی هذا بلوی عامة الناس لا یقیمون الحروف ولا یمکنهم اقامتها الا بمشقة، نوع آخر فی زلة القاری، الفصل الاول ص ٤٧٨ ج١ طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه کراتشی.

وایضا فی العالمگیریة (ومنها) زیادة حرف ان زاد حرفا فان کان لا یغیر المعنی لا تفسد صلاته عند عامة المشایخ نحو ان یقرأ وانهی عن المنکر بزیادة الیاء هکذا فی الخلاصة کتاب الصلاة الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الخامس فی زلة القاری، ص ٧٩ ج١ طبع بلوچستان بك ڈپو کوئٹه.

۲) کما فی رد المحتار: فأما المتأخرون کابن مقاتل ـــ فاتفقوا علی أن الخطأ فی الأعراب لا یفسد مطلقاً ولو اعتقاده کفراً لأن أکثر الناس لا یمیزون بین وجوه الأعراب، کتاب الصلاة، مطلب مسائل زلة القاری، ج ٢ ص ٤٧٤، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه بلوچستان۔

وکذا فی فتاوی قاضی خان: واختلف المتأخرون فی ذلك قال محمد بن مقاتل ـــ لا تفسد صلاته وما قاله المتقدمون لأحوط لأنه لو تعمد یکون کفراً وما یکون کفر لا یکون من القرآن وما قاله المتأخرون أوسع لأن الناس لا یمیزون بین اعراب واعراب فلا تفسد الصلاة وهذا علی قول أبی یوسف رحمه الله تعالی ظاهر لأنه لا یعتبر الأعراب عرف ذلك فی مسائل، کتاب الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأ وفی الأحکام المتعلقة بالقراءة، ج١ ص ١٣٩، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن بلوچستان۔

وأیضاً فی العالمگیریة: کتاب الصلاة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الخامس فی زلة القاری، ج ١ ص ٨١، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن بلوچستان۔

فوق السبعة الی العشرة غیر شاذ و انما الشاذ ماوراء العشرة وهو الصحیح و تمام تحقیق ذلک فی فتاوی العلامة قاسم[1] ـ

مگر یہ بات یاد رہے کہ گو یہ سب روایتیں صحیح اور فصیح ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ عجیب قراءتیں اماموں کے ساتھ اور جو غریب روایتوں سے ثابت ہوئی ہیں عوام کے سامنے نہ پڑھے جیسے امام ابوجعفر اور ابن عامر اور حمزہ کسائی کی قراءتیں کہ ان کو سن کر عوام ہنستے ہیں اور قرآن مجید پر ہنسنا بے دینی ہے۔ اس لیے عوام کے سامنے ان کے دین کو بچانے کے لیے عجیب عجیب قراءتیں اور روایتیں نہ پڑھے۔ (کذا فی عمدۃ الفقہ حصہ دوم ص ۱۴۳)[2] اور چونکہ مدارس عربیہ میں اہل علم غالب و اکثر اور عوام الناس قلیل و مغلوب ہوتے ہیں اس لیے مدارس میں ان قراءت

---

۱) کما فی رد المحتار: کتاب الصلاۃ، مطلب فی حکم القرآۃ بالشاذ و مطلب بیان المتواتر والشاذ، ج ۱ ص ۳۵۸، طبع مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔
رد المحتار: کتاب الصلاۃ، مطلب فی حکم القراءۃ بالشاذ، ومطلب بیان المتواتر والشاذ، ج ۲ ص ۲۲۶،۲۲۷، طبع مکتبہ رشیدیہ جدید کوئٹہ۔

۲) کما فی درالمختار مع ردالمحتار، ویجوز بالروایات السبع لکن الاولی ان لا یقرأ بالغریبة عند العوام صیانة لدینهم (قوله بالغریبة) ای بالروایات الغریبة الا مالات لان بعض السفهاء مالا یعلمون فیقعون فی الاثم والشقاء ولا ینبغی للائمة ان یحملوا العوام علی ما فیه نقصان دینهم ولا یقرأ عندهم مثل قرأة ابی جعفر وابن عامر وعلی بن حمزة والکسائی صیانة لدینهم فلعلهم یستخفون او یضحکون وان کان کل القرآت صحیحة فصیحة و مشائخنا اختاروا قرأة ابی عمرو حفص عن عاصم، کتاب الصلوۃ مطلب السنة تکون سنة عین وسنة کفایة، ص ۳۲۰ ج۲ طبع، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذافی التاتار خانیة: فتاوی الحجة: وقراءة القران بالقراءات السبع والروایات کلها جائزة، ولکنی أری الصواب أن لا یقرأ بالقراءة العجیبة بالامالات وبالروایات الغریبة لأن بعض الناس یتعجبون وبعضهم یتفکرون وبعضهم یخطؤن، وبعض السفهاء یقولون ما لا یعلمون ولعلهم لا یرغبون فیقعون فی الاثم والشقاء، ولا ینبغی للائمة ان یحملوا العوام الی ما فیه نقصان دینهم ودنیاهم وحرمان ثوابهم فی عقابهم، لا یقرأ علی رأس العوام والجهال وأهل القری والجبال مثل قرأة ابی جعفر المدنی وابن عامر وعلی بن حمزة الکسائی صیانة لدینهم فلعلهم یستخفون أو یضحکون وان کان کل القراءات والروایات صحیحة فصیحة طیبة ومشایخنا اختارو قراءة ابی عمر حفص عن عاصم، کتاب الصلوۃ، فصل فی القراءۃ ص ۵۵۴ ج۱ طبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
وکذا فی العالمگیریة: فی الحجة: قراءة القرآن بالقراآت السبعة والروایات کلها جائزة ولکنی أری الصواب ان لا یقرأ القراءة العجیبة بالامالات والروایات الغریبة کذا فی التاتار خانیة، کتاب الصلاۃ ،الباب الرابع، فی صفة الصلاۃ الفصل الرابع فی القراءۃ، ص ۷۹ ج۱ طبع مکتبہ علوم اسلامیہ چمن بلوچستان۔

کا پڑھنا نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں بلا شبہ مناسب ہے اور چونکہ مدارس پر عوام کا اعتماد ہوتا ہے اس لیے ان شاء اللہ تعالی ان کے سامنے اس کی روایت کے پڑھنے سے تبلیغ واشاعت قراءت کا ثواب ملے گا۔ تاکہ وہ ان قراءت سے متعارف و مانوس ہوں اور عوام الناس کو بھی چاہیے کہ اگر کسی کو قراءۃ کا علم نہ ہو اور وہ کسی معتبر ماہر قاری سے اپنی یاد کے خلاف کوئی اختلاف قراءت سنے تو ایسے شخص کے لیے بجائے تردید و تغلیط کے سکوت ہی مناسب ہے۔ فقط

نمازی کے پاس بلند آواز سے تلاوت کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہماری مسجد شریف میں طالب علموں کے لیے علیحدہ ایک درس گاہ موجود ہے مگر بوقت نماز ظہر طالب علم مسجد میں پڑھتے ہیں اور بآواز بلند پڑھتے ہیں۔ جماعت ہو جانے کے بعد جو نمازی آتے ہیں اور اکیلے نماز پڑھتے ہیں اور کئی آدمی سنتیں نفلیں پڑھتے ہیں۔ اس وقت طالب علم بآواز بلند پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ نمازی لوگ طالب علموں کو ہدایت کرتے ہیں کہ آہستہ آہستہ پڑھو ہم تمہاری بلند آواز پر بھول جاتے ہیں۔ امام صاحب کو عرض کیا گیا کہ لڑکوں کو آہستہ آہستہ پڑھنے کی ہدایت کریں۔ مگر امام صاحب اکثر تو خاموش ہو جاتے ہیں اور بے پرواہی سے چلے جاتے ہیں لڑکوں کو کوئی ہدایت نہیں کرتے نمازی بے چارے پریشان ہیں۔

﴿ج﴾

مسجد میں اگرچہ علوم دینیہ کی تعلیم و تعلم جائز ہے۔ لیکن اوقات نماز میں جہر کے ساتھ تعلیم کا جاری رکھنا جس سے نمازیوں کو پریشانی اور تشویش ہو درست نہیں۔ اوقات نماز میں اساتذہ اور طلبہ کو پابند کیا جاوے کہ وہ نمازیوں کے لیے پریشانی کا باعث نہ بنیں[1]۔ فقط واللہ تعالی اعلم

---

(۱) كما في رد المحتار: ويكره الإعطاء مطلقاً وقيل ... ورفع صوت بذكر إلا للمتفقهة، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج ۲ ص ۴۲۲، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔
وأيضاً في رد المحتار: لأنه حيث خيف الرياء أو تأذي المصلين أو النيام ... وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ الخ، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر، ج ۱ ص ۴۲۴، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه
وكذا في العالمكيرية: وأما المعلم الذي يعلم الصبيان بأجر إذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر أو غيره لا يكره، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، ج ۱ ص ۱۱۰، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔
وكذا في البزازية: معلم الصبيان بأجر لو جلس فيه لضرورة الحر لا بأس به، كتاب الصلوة، الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد، ج ۴ ص ۸۲، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

کیا مسجد کی جماعت سے قبل جماعت کرانا جائز ہے

﴿س﴾

گزارش ہے کہ ہمارے ہاں مسجد میں ایک پیش امام غالباً چالیس سال سے ہے اور وہ اہل مسجد کے نمازیوں کو پانچوں نمازیں باجماعت وقت مقررہ پر جو کہ اہل سنت حنفیہ کے مطابق ہیں ان اوقات میں نمازیں باجماعت ادا ہوتی ہیں۔ لیکن عرصہ ایک سال سے ہمارے ہاں کچھ حضرات ایسے پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے اپنا ایک پیش امام علیحدہ بنایا ہے۔ یہ لوگ تعداد میں کبھی تین چار اور کبھی آٹھ دس ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے مقرر کردہ وقت سے پہلے اپنے ایک امام کے ہمراہ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ عموماً دس پندرہ منٹ کا فرق ہوتا ہے۔ اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے اوقات دونوں کے ایک ہی ہیں۔ یہ کم تعداد والے لوگ مسجد کی چھت پر ورنہ مسجد کے نچلے حصے میں (جو کہ اصل مسجد ہے) نماز باجماعت اپنے پیش امام کے پیچھے ادا کرتے ہیں اور یہ لوگ مسجد کے مقرر کردہ اوقات میں خلل ڈالتے ہیں۔ براہ کرم ان کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں جو حکم ہو وہ ہمیں صادر فرمادیں جناب کی عین نوازش ہوگی۔

(۲) جس مسجد کی چھت پر تین اطراف بالکل دیوار نہیں ہے۔ اس حالت میں کیا اہل سنت مسجد کی چھت پر نماز ادا کر سکتے ہیں؟ براہ کرم فتویٰ صادر فرمادیں۔

تنقیح

(۱) ان لوگوں کو سمجھا دیں اور پھر دریافت کریں کہ وہ لوگ سابق امام کے پیچھے کیوں نماز ادا نہیں کرتے ہیں۔ (۲) اور کیا یہ لوگ پہلے اس امام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے اور اب الگ ہوئے کیا یا ابتداء سے ہی الگ ہیں۔ (۳) اور کیا یہ لوگ اس مسجد کے نمازی اور اہل محلہ ہیں اور مسجد کے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات موصول ہونے پر ہی فتویٰ تحریر کیا جائے گا۔

(۱) ان لوگوں کو بہت کچھ سمجھایا گیا ہے۔ مگر وہ لوگ نہیں سمجھتے سابق امام کے پیچھے اس لیے نماز نہیں پڑھتے کیونکہ یہ لوگ اہل حدیث کے خیالات سے ہیں۔ اور پیش امام ہذا اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے ہیں۔ جو کہ اس مسجد میں چالیس سال سے امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ (۲) پہلے یہ لوگ اس امام کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے مگر اب ۱۹۸۱ء میں یہ مسجد نئی تعمیر کرائی گئی ہے۔ اس وقت سے اور مذہبی مخالفت کی بنا پر الگ جماعت کرانی شروع کر دی ہے۔ (۳) یہ لوگ اس مسجد کے نمازی ہیں اور نہ ہی اہل محلہ ہیں صرف ایک شخص اس مسجد کا نمازی اور اہل محلہ ہے۔ باقی تمام نمازی دوسرے محلے سے آکر اس مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں اور چھت پر